عصری تعلیمی ادارے
احکام ومسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 27ویں فقہی سمینار مورخہ 25 تا27؍نومبر 2017ء منعقدہ حج
ہاؤس (ممبئی) میں پیش کئے جانے والے علمی وتحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

D1

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : عصری تعلیمی ادارے: احکام و مسائل
صفحات : ۷۲۷
قیمت : ......روپئے
سن طباعت : نومبر 2018

ناشر
اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)
161-ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:9746
جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
ای میل:fiqhacademy@gmail.com
فون:26981779 - 011

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی
۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۱
سوالنامہ		۱۴
تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	۱۹
عرض مسئلہ:		
سوال نمبر ۱ تا ۷	مولانا محمد عثمان بستوی	۱۰۱
سوال نمبر ۸ تا ۱۴	مفتی اقبال احمد قاسمی	۱۱۰
سوال نمبر ۱۵ تا ۱۹	مفتی راشد حسین ندوی	۱۲۶

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

عصری تعلیم سے متعلق شرعی مسائل	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۱۳۷
تعلیمی اداروں میں ثقافتی پروگرام اور شرعی حدود	مفتی راشد حسین ندوی	۱۷۴
عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی احکام	مولانا اقبال احمد قاسمی	۱۹۹
نصاب تعلیم کے مفاسد اور ان سے تحفظ کی تدابیر	مفتی محمد عثمان بستوی	۲۲۷
تعلیم اور تعلیم گاہوں سے متعلق احکام شرعیہ	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۵۱
نصاب تعلیم اور اسلامی نقطۂ نظر	مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی	۲۶۶
غیر مسلم انتظامیہ اور مشنریز کے زیر انتظام اسکولوں میں تعلیم	مفتی حافظ سید صادق محی الدین، حیدرآباد	۲۸۲
اسلامی ماحول میں عصری درسگاہ کا قیام	مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی	۳۰۵
تعلیمی اداروں میں طبی اور ثقافتی امور	مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی	۳۳۲
تعلیمی اداروں میں مشرکانہ افعال کی انجام دہی کا مسئلہ	مفتی سید باقر ارشد بنگلوری	۳۶۶
مخلوط نظام تعلیم - احکام ومسائل	مولانا عبیداللہ ندوی	۴۰۴

ہمارے تعلیمی ادارے، یونیفارم اور شرعی ضوابط	مفتی نذیر احمد کشمیری	۴۲۴
جنسی تعلیم، عصری تقاضے اور شرعی حدود	مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحیؔ مظاہریؔ	۴۳۷
تعلیم اور لباس و پوشاک کا مسئلہ	مولانا محمد نثار عالم ندوی	۴۵۰
سرکاری اسکولوں میں بچوں کی تعلیم	مفتی تنظیم عالم قاسمی	۴۶۴
عصری تعلیمی ادارے اور شرعی اصول وضوابط	مفتی محمد احسن عبدالحق ندوی	۴۷۹
عصری تعلیمی اداروں کے قیام کی ضرورت و اہمیت	مولانا ندیم احمد انصاری	۴۹۷
تعلیمی اداروں کا تحفظ اور رشوت	مولانا محمد طیب ندوی	۵۱۱
عصری علوم وفنون کی اسلامی ماحول میں تعلیم	مفتی حیدر علی قاسمی	۵۲۹
مخلوط نظام تعلیم میں عمر کی تحدید	قاضی محمد ریاض ارمان القاسمی	۵۴۸

تیسرا باب: مختصر تحریریں

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں غیر اسلامی نظریات کی تعلیم	ڈاکٹر مولانا ظفر الاسلام صدیقی	۵۶۹
عصری علوم مسائل اور حل	مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی	۵۷۴
مطلوبہ معیار کے مطابق عصری تعلیم	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۵۸۶
عصری تعلیم اور اسلامی احکام واقدار	پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی	۵۹۳
غیر شرعی مضامین کی تعلیم اور اسکول کا نظام	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۶۰۰
اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی ادارے اور شرعی رہنمائی	مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۰۹
تعلیم کے لئے عمر کی تحدید اور کذب بیانی	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۶۲۰
عصری تعلیم - احکام شرعیہ کی روشنی میں	مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۶۳۰
عصری تعلیمی اداروں سے متعلق سوالات وجوابات	مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی	۶۳۴
موجودہ دور میں عصری تعلیم کی ضرورت اور شرعی آداب	مفتی محمد مقصود فرقانی	۶۳۸
دینی ماحول میں عصری تعلیم - ضرورت واہمیت	مفتی اعجاز الحسن باندے القاسمی	۶۴۳
عصری تعلیم سے متعلق سوالات اور ان کے جوابات	مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی	۶۵۰
اسلامی ماحول میں علوم عصریہ کی تعلیم	مفتی عبدالمصور خان ندوی	۶۶۱
مخلوط نظام تعلیم کے اخلاقی اور دینی نقصانات	مفتی عبدالمنان	۶۷۲
اسلامی ماحول میں عصری اسکول قائم کرنا	مولانا محمد عثمان قاسمی	۶۷۶
عصری تعلیمی اداروں کا قیام اور شرعی حدود	مولانا عبدالتواب اناوی	۶۸۸
عصری تعلیم گاہوں سے متعلق شرعی مسائل	مولانا محمد اخلاق قاسمی	۶۹۷

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ:	۷۰۹

☆☆☆

پیش لفظ

اسلام ہر اس علم کو قدر و وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے، جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو، اس نافعیت کا تعلق آخرت سے بھی ہے اور دنیا سے بھی، دنیا میں جو ہماری ضرورتیں ہیں، ان کو سمجھنے، وجود میں لانے اور بہتر طور پر استعمال کرنے کے لئے عصری علوم اور جدید ٹکنالوجی سے واقفیت ضروری ہے؛ اسی لئے جس طرح دینی مدارس دین کے تحفظ اور بقا کے لئے ضروری ہیں، اسی طرح عصری درسگاہیں بھی امت کے لئے ایک اہم ضرورت ہیں؛ البتہ ان درسگاہوں کو ایک طرف عصری تعلیمی معیار کو پورا کرنا چاہئے اور دوسری طرف بنیادی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کو بھی تعلیم کا حصہ بنانا چاہئے۔

عصری درسگاہوں کے نصاب تعلیم، نظام تعلیم، تعلیمی اخراجات اور غیر تدریسی مساعی اور مختلف امور سے متعلق ایسے مسائل درپیش ہیں، جن کے بارے میں شرعی رہنمائی کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی مختلف تعلیمی ادارے چاہتے تھے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) ان کی رہنمائی کرے، اسی پس منظر میں اکیڈمی کے ۲۷ویں فقہی سمینار ۲۵-۲۷ رنومبر ۲۰۱۷ء میں ایک موضوع ''عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل'' رکھا گیا اور اس کے لئے ایک جامع سوالنامہ مرتب کیا گیا، اہل علم کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے کہ اکیڈمی کی دعوت پر انہوں نے اس سلگتے ہوئے موضوع پر اپنے رشحات قلم اکیڈمی کو بھیجے اور نہایت محنت اور تحقیق وجستجو کے ساتھ تمام سوالات پر روشنی ڈالی، یقیناً ان کی یہ محنت اللہ کے دین کی تشریح کے جذبہ سے ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بھرپور اجر سے نوازے۔

چونکہ مقالات کی ضخامت بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ کچھ مقالات حذف اور کچھ مختصر کردیئے جائیں؛ اس لئے اکیڈمی نے طے کیا کہ ویب سائٹ پر تو تمام مقالات مکمل طور پر رکھے جائیں، تلخیص وعرض مسئلہ میں تمام مقالات شامل ہوں، البتہ مطبوعہ مجلّہ میں حذف واختصار سے کام لیا جائے، اس دشوار کام کو شعبہ علمی کے رفیق مفتی احمد نادر القاسمی نے توجہ اور محنت کے ساتھ انجام دیا ہے اور اکیڈمی کے اجتماعی فیصلوں، پیش کئے

جانے والے عرض، سمینار کے دوران ہونے والے مناقشات اور مقالات کا یہ مجموعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے، امید ہے کہ اکیڈمی کے سابق مجلّہ کی طرح اسے بھی شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا اور یہ امت کے حق میں نفع کا ذریعہ بنے گا، وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

جنرل سکریٹری

۲؍اگست ۲۰۱۸ء

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

۱- اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام مسلمانوں کی ناگزیر ضرورت ہے جن پر ایک بہت بڑے طبقہ کے ایمان واسلام کا بقا بھی موقوف ہے، اس لئے جن علاقوں میں ایسے ادارے موجود نہ ہوں اُن علاقوں میں بقدر ضرورت اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہے۔

۲-الف: عصری ادارے جو مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں اُن کا نصاب تعلیم علوم عصریہ کی ایسی مفید کتابوں پر مشتمل ہو جن سے مطلوبہ مقاصد بحسن وخوبی حاصل ہوں اور وہ دین واخلاق کے فساد کا سبب بھی نہ بنیں، نیز ہر درجہ میں طلباء کے معیار کے مطابق دینی علوم پر مشتمل ایسی کتابوں کو شاملِ نصاب کرنا لازم ہے، جس سے دین وایمان کے بنیادی تقاضے مثلاً: توحید ورسالت وآخرت، شرک وکفر، حلال وحرام، طہارت ونجاست، عبادت ومعاشرت کے ضروری احکام ومسائل سے، نیز سیرت نبویہ سے بھی واقفیت ہو سکے۔

ب-مخرب اخلاق جنسی تعلیم، دیومالائی کہانیاں، میوزک، ڈانس وغیرہ پر مشتمل مضامین کو اپنے اختیار سے تعلیمی اداروں میں داخل کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں۔

ج-اگر کسی قانونی مجبوری کی بنا پر خلاف شرع مضامین پر مشتمل نصاب کو داخل کرنا پڑ جائے تو حتی الامکان تربیت یافتہ اساتذہ ومعلمین اور دینی واخلاقی مضامین کے ذریعہ اُن کے نقصانات کے ازالہ کی کوشش بھی لازم ہوگی۔

۳- مالی وسائل کی کمی یا مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول وکالجز کی عدم موجودگی یا کسی اور مجبوری کی بنا پر اگر بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرنا پڑے جن کا نصابِ تعلیم غیر شرعی اور غیر اخلاقی مضامین پر مشتمل ہو تو بدرجہ مجبوری بچوں کو تعلیم کے لئے بھیجنے کی گنجائش تو ہوگی، لیکن اُن کے دین وایمان کے تحفظ کے لئے درج ذیل امور کا اہتمام کرنا بھی لازم اور ضروری ہے:

(الف) توحید ورسالت کی اہمیت، (ب) کفر وشرک اور بت پرستی کی قباحت ذہن نشیں کرنے کا مسلسل نظام بنایا جائے، (ج) بچوں کو خالی اوقات میں دینی مراکز ومکاتب سے بھی مربوط کیا جائے، (د) خود والدین، اقرباء اور پورے گھر کا ماحول اسلامی بنانے کی فکر وسعی کی جائے، (ہ) ساتھ ہی اسلامی ماحول کے عصری اداروں، نیز بچوں کے ذہن وسمجھ کے مطابق دین اسلام سے متعلق مفید وموثر رسائل ومیگزین پڑھنے کے لئے فراہم کی جائیں۔

۴-الف: اسلام بے حیائی وفحاشی کے تمام دروازوں کو بند کرنا چاہتا ہے، اس لئے اجنبی مرد وعورت کے درمیان آزادانہ میل جول کو ناجائز قرار دیتا ہے، خواہ یہ عبادت گاہوں میں ہو یا تعلیم گاہوں میں، یا کھیل کود اور تفریح کے میدانوں میں، اس لئے قریب البلوغ بچے اور بچیوں کے لئے علاحدہ تعلیمی نظام قائم کرنا لازم ہے، کسی مسلم انتظام کار کے لئے ازخود اپنے کالج اور اداروں میں مخلوط تعلیمی نظام کو فروغ دینا شرعاً جائز نہیں۔

ب-علاحدہ نظام تعلیم کی سب سے محفوظ اور بہتر شکل یہ ہے کہ دونوں کی بلڈنگیں دونوں کے کلاس روم میں داخل ہونے اور نکلنے کے راستے اور قضائے حاجت کے مقامات بھی بالکل علاحدہ علاحدہ ہوں، اور اگر اس میں مشکلات ودشواریاں ہوں تو ایک ہی بلڈنگ اور کلاس روم میں طلبہ وطالبات کی نشست گاہوں کے درمیان مستقل آڑ قائم کر کے تعلیمی نظام کی گنجائش ہے۔

ج-مالی وسائل کی قلت یا قانونی مجبوری کی صورت میں اگر مذکورہ بالا صورتوں اور شکلوں کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو طلبہ وطالبات کی نشست گاہوں کو الگ الگ قائم کرنے کی بدرجہ مجبوری گنجائش ہے۔ بشرطیکہ درج ذیل امور کا اہتمام کیا جائے:

۱-اُن کی نشست گاہوں کے درمیان دوری اس قدر ہو کہ بآسانی اختلاط نہ ہو سکے۔

۲-لڑکیاں پورے ساتر لباس کے ساتھ ہوں اور حجاب میں ہوں۔

۵- شریعت اسلامیہ نے دروغ گوئی اور کذب بیانی کو حرام قرار دیا ہے، خواہ یہ دروغ گوئی خلاف حقیقت حلف نامہ یا جعلی سرٹیفکٹ کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں ہو، اس کی تمام صورتیں شرعاً منع ہیں، اس لئے عمر سے متعلق جھوٹا حلف نامہ تیار کرنا درست نہیں ہے۔

۶-الف: اسکول کی ڈریس (یونیفارم) میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) ستر پوش ہو، (۲) باریک وچست نہ ہو، (۳) طلبہ وطالبات کا لباس ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہو، (۴) دوسری قوموں کا مذہبی شعار نہ ہو۔

ب-اگر اسکول کی انتظامیہ نے غیر شرعی یونیفارم کو لازم قرار دے رکھا ہو اور اس کے بغیر کالجوں واسکولوں میں داخلہ ممکن نہ ہو اور اس نظام کو بدلنے کی بھی کوئی صورت نہ ہو نیز کوئی متبادل اسکول بھی موجود نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ایسے اسکولوں میں داخلہ لینے کی گنجائش ہے؛ البتہ غیر ساتر یونیفارم اور مخلوط نظام تعلیم کی صورت میں لڑکیوں کو ایسی تعلیم گاہوں میں داخل کرنا جائز نہ ہوگا۔

۷- تعلیم ایک اہم ترین خدمت ہے، لہذا اس کی فیس بقدر ضرورت ہی ہونی چاہئے، اس کو تجارت اور نفع خوری کا ذریعہ بنانا انتہائی قبیح وناپسندیدہ عمل ہے۔

۸- تعلیمی اداروں میں جب تک داخلہ باقی ہے اُس وقت تک اسکول انتظامیہ کا غیر حاضری کے ایام کی فیس وصول کرنا جائز ہے۔

۹- عصری اداروں میں تعلیم پانے والے بچے اگر شرعی اعتبار سے مستحقِ زکوۃ ہوں تو ان کو شرعی اصولوں کے مطابق اس حد تک زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے جس سے دوسرے مستحقین محروم نہ رہ جائیں۔

۱۰-　اسلام توحید ورسالت کے باب میں انتہائی حساس ہے،کفر وشرک کے ادنی شائبہ والے کسی قول وعمل کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے مشرکانہ ترانے (وندے ماترم، گیتا کے اشلوک وغیرہ) کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں، نہ کسی مشرکانہ فعل کی کوئی اجازت ہے۔اگر قانونی مجبوری ہوتو جلد از جلد اُس کا متبادل قائم کرنا اور قانونی چارہ جوئی کرنا بھی لازم ہے۔انتظامیہ کی طرف سے مشرکانہ قول وفعل پر جبر کی صورت میں مسلمانوں کا ایسے اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرانا جائز نہیں۔

۱۱-　جنسیات کی مروجہ تعلیم فحاشی اور اخلاقی بگاڑ کا سبب ہونے کی بنا پر شرعاً جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر حکومت کی طرف سے اس کی تعلیم کو لازم قرار دیا جائے تو بچوں کے معیار کے مطابق اسلامی احکام واقدار پر مشتمل کتابوں کو ترتیب دے کر اپنے نصاب کا حصہ بنانا چاہئے۔

۱۲-　تفریحی وطبی سرگرمیوں کے نام پر طلبہ وطالبات کے درمیان اختلاط بھی شرعاً ناجائز ہے خواہ اختلاط کی جو بھی شکلیں ہوں؛ البتہ اختلاط کے بغیر ہر صنف کے مناسب طبی وتفریحی سرگرمیوں کا علاحدہ علاحدہ نظام کیا جائے تو یہ جائز ہوگا،اسی طرح سے سنجیدہ مفید مکالمہ کا ہر صنف کے لئے الگ الگ پروگرام کرانا جائز ہوگا۔

۱۳-　مجسمے اور تصاویر سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے،اگر کسی مفید تعلیمی مقصد سے ان کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوتو اس کی گنجائش ہے۔

۱۴-　اسکول کے نصاب میں لڑکےلڑکیوں میں سے ہر صنف کے لئے مستقبل میں پیش آنے والی ضروریات کوملحوظ رکھنا چاہئے۔

۱۵-　جنسی شعور بیدار ہونے کے بعد جہاں تک ہوسکے ہر صنف کے لئے اُسی جنس کا معلم وٹیچر مقرر کرنا ضروری ہے۔اگر ضرورت ومجبوری ہوتو شرعی حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے جنس مخالف کا معلم واستاذ مقرر کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۶-　رشوت دینا شرعاً واخلاقاً بہت بڑا جرم ہے، نیز معاشرے کی بہت سی خرابیوں کا یقینی سبب ہے،اس لئے عام حالات میں شرعاً اس کی اجازت نہیں۔اگر کسی خاص حالت میں اس کی مجبوری پیش آئے تو کسی قریبی مستند ماہر عالم سے شرعی حکم معلوم کر کے عمل کیا جائے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن وحدیث اور احکام شرعیہ کی تعلیم کو تمام دوسرے علوم پر فضیلت حاصل ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی میں جن علوم کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ سب علم نافع میں شامل ہیں، اور ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دینی تعلق کو قائم رکھتے ہوئے ان علوم میں آگے بڑھیں؛ تاکہ وہ ایک باعزت قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندگی گزار سکیں، اور انسانیت کی خدمت کرسکیں، اس کے لئے اس تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے، جس کو آج کل عصری تعلیم یا انگریزی تعلیم کہا جاتا ہے، لیکن افسوس کہ یہ نظام تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، اب تو مغربی ملکوں میں بھی اور ہمارے ملک میں بھی تعلیم کو خدابیزاری کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، مسلمان ایک مشکل صورت حال سے دوچار ہیں کہ انہیں اپنی نسلوں کو دین پر ثابت قدم رکھنا بھی ضروری ہے اور زیور تعلیم سے بھی آراستہ کرنا ہے۔

اس پس منظر میں کچھ اہم سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- ایسے اسکول قائم کرنے کا کیا حکم ہے، جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں، یہ واجب یا مستحب کے درجہ میں مطلوب ہیں یا صرف مباح ہیں، یا مکروہ وناپسندیدہ؟

۲- ایسے ادارے اگر مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو نصاب تعلیم میں کن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟، بعض اسکولوں میں غیر شرعی افکار مثلاً ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس، غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں تو کیا مسلمان اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں ان مضامین کو پڑھا سکتے ہیں، خاص طور سے اس وقت جبکہ ان میں سے بعض مضامین کا پڑھانا اسکولوں کے لئے لازم ہو؟

۳- نصاب تعلیم کے مذکورہ مفاسد سرکاری تعلیمی اداروں میں زیادہ ہوتے ہیں، جہاں ان بچوں کے لئے تعلیم کا حصول آسان ہوتا ہے، جو بھاری فیس ادا نہیں کرسکتے، اسی طرح بعض مقامات پر ایسے اسکول نہیں ہیں، جو مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہوں، وہ عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے ادارے ہوتے ہیں، قریب میں مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والا اسکول نہیں ہوتا، جس میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دلاسکیں، ایسی صورت میں کیا مسلمانوں کے لئے ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانا جائز ہوگا، اور اگر مجبوری میں ایسے اداروں میں تعلیم کے لئے داخل کرنا پڑے تو بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے والدین پر کیا ذمہ داری

عائد ہوتی ہے؟

۴- عصری درسگاہوں کے اندر شروع سے آخر تک یا کم سے کم ابتدائی درجات میں مخلوط تعلیم کا نظام ہوتا ہے، لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ کلاسوں میں پڑھتے ہیں، کھیل کے میدان میں اور چائے خانوں میں آپس میں ملتے جلتے ہیں، مخلوط نظام تعلیم کا ایک سبب تو مادیت، دین بیزاری اور اخلاقی انحطاط ہے، وہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ جداگانہ نظام تعلیم میں زیادہ اساتذہ، عملہ، کلاس روم وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور بعض دفعہ انتظامیہ اس کا نظم کرنے سے قاصر ہوتی ہے، تو کیا ان دونوں میں سے کسی سبب کے تحت مخلوط تعلیم کا نظام درست ہے؟ اور نہیں تو کس عمر یا کس کلاس سے طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہوگا؟

۵- جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

☆ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

☆ دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

☆ -ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں۔

جداگانہ نظام تعلیم کی ان صورتوں میں کون سی صورت ضروری اور کون سی صورت جائز ہوگی؟

۶- ان اسکولوں میں داخلے کے لئے ایک خاص عمر بھی لازم کردی گئی ہے، مثلاً نرسری میں صرف وہ بچہ داخل ہوگا جو چار سال سے کم عمر کا ہے، اب اگر کوئی بچہ عمر کی اس حد کو پار کر چکا ہے تو سرپرست ایسے بچے کی عمر کم کرکے لکھواتے ہیں اور والدین جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ بچہ صرف تین سال کا ہے، پھر ساری عمر اس کی یہی غلط تاریخ پیدائش ہر جگہ درج ہوتی رہتی ہے۔

اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟ کیا عمر کا یہ غلط اندراج کرانا درست نہیں ہوگا؟ اسکول والوں کی طرف سے اس شرط کو ناواجبی مان کر ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی؟

۷- ان اسکولوں میں داخل ہونے والے بچوں کے لئے مخصوص لباس -یونیفارم- لازم ہے، اس میں بعض ادارے ٹائی کو لازم کرتے ہیں، لڑکیوں کو اسکرٹ پہننی ہوتی ہے اور لڑکوں کو نیکر پہننا ضروری قرار دیتے ہیں، اگر کوئی طالب علم شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ساتر لباس پہنے، یا کوئی طالبہ برقعہ پہننا چاہے تو اس کو خلافِ ڈسپلن کہہ کر باہر کردیا جاتا ہے، اب تو بعض اسکولوں میں اسکارف پہننے کو بھی منع کیا جاتا ہے، یہ مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں ہوتا ہے، اور غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں بھی، تو سوال یہ ہے کہ یونیفارم مقرر کرنے کے کیا اصول وضوابط ہوں گے، جو شریعت کے مطابق بھی ہوں اور ایسے دیدہ زیب بھی ہوں کہ دوسرے اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے یونیفارم دیکھ کر اسلامی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ احساس کمتری D2

میں مبتلا نہ ہوں، نیز اگر اسکول کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور اسلامی اسکول موجود نہ ہوں تو مسلمان طلبہ و طالبات اور ان کے اولیاء کے لئے کیا حکم ہوگا؟

۸- ان اسکولی طلباء سے داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس، امتحان فیس وغیرہ کے نام سے مختلف فیسیں لی جاتی ہیں اور داخلہ فیس کی مقدار بعض اوقات بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ رقم تعمیر، اسٹیشنری، تزئین کاری اور جدید وسائل مثلاً کمپیوٹر لیب وغیرہ خریدنے میں بھی صرف ہوا کرتی ہے، داخلہ فیس دینے والا فیس دے کر محدود عرصہ تک اس سے مستفید ہوتا ہے پھر وہ اسکول سے چلا جاتا ہے، فیس کی بڑھتی ہوئی اس مقدار نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا مشکل سے مشکل تر کر دیا ہے، تو کیا تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنا لینا جائز ہے؟ نیز ان میں بعض اسکول تو شخصی ہوتے ہیں اور بعض تعلیمی اور رفاہی اداروں کے تحت چلتے ہیں؛ لیکن ان سے حاصل ہونے والے پیسوں سے غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوب صورت بنانے میں خرچ کر دیا جاتا ہے، اسلام اس کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟

۹- اس سلسلہ میں ایک قابل توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ ماہانہ فیس لے کر بعض دفعہ طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہو جاتا ہے، مگر اس کا ٹیچر کلاس میں آ تا رہا ہے تو کیا غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہوگا؛ حالانکہ دونوں نے اس سے استفادہ نہیں کیا ہے؟

۱۰- عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں، جو اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے تو کیا ایسے بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

۱۱- بعض سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے، وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک شروع میں پڑھوائے جاتے ہیں، سوریہ نمسکار کرایا جاتا ہے، یوگا کرایا جاتا ہے، جس کا ایک جز سوریہ نمسکار بھی ہے، کہیں طلبہ پر اس کو لازم کر دیا گیا ہے، کہیں اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور اس کے لئے ماحول سازی کی جاتی ہے، بعض ریاستوں میں خود ریاستی حکومت نے اسکولوں پر اس کا آرڈر جاری کر دیا ہے، مشنری اسکولوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے، اور اگرچہ اس کو لازم نہیں کیا جاتا ہے؛ لیکن ترغیب دی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان انتظامیہ اسکول میں زیادہ داخلے کی لالچ یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے اس طرح کا عمل کراتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ:

☆ اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے؟

☆ اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

☆ اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

☆اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو کیا حکم ہوگا؟

☆ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہوسکتا ہے تو اِن مشرکانہ افعال کو لازم کرنیوالے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا جائز ہوگا؟

☆ کیا مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کریں۔

۱۲- عالمی سطح پر یہ رجحان پروان چڑھ رہا ہے کہ بچوں کو جنسیات کی تعلیم بھی دینی چاہئے، ہمارے ملک کے نصاب میں اس مضمون کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بھی اس کو لازم کر دیا جائے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بڑھتی ہوئی اخلاقی بے راہ روی کی وجہ سے زنا اور خلاف فطرت فعل وغیرہ کے واقعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے مختلف بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، اس لئے طلبہ وطالبات کو جنس کی حقیقت سمجھائی جائے اور اس کی آڑ میں محفوظ سیکس کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ بدکاری سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہیں، یہ افسوس کی بات ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم دینے اور برائی سے بچانے کے بجائے برائی کے محفوظ راستے تلاش کئے جا رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر حکومت اس کو لازم کر دے تو اسکولوں میں اس کی تعلیم دینے یا اپنے بچوں کو داخل کرنے کے کیا احکام ہوں گے؟ کیا یہ بات مناسب ہوگی کہ حکومت سے کہا جائے کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے؟

۱۳- عصری اسکولوں میں تفریحی، طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلے کرائے جاتے ہیں جس میں طلبہ و طالبات کا اختلاط بھی ہوتا ہے، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟ کیا مسلمان انتظامیہ کو اختلاط سے بچاتے ہوئے دونوں صنفوں کے لئے ان کاموں کو کرانا چاہئے؟

۱۴- ثقافتی پروگرام کے عنوان سے تقریریں، ڈرامے اور مکالمے کرانے کا سلسلہ بھی اسکولوں میں عام ہے، اس میں طالبات کو بھی تقریروں اور ڈراموں میں شریک کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کیا شرعی حکم ہوگا؟

۱۵- نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں- جن میں جانوروں کی تصاویر اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں- نصاب میں شامل کرنا درست ہے، کیا تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح آج کل ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے - جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں- کلاسوں میں رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسمے بھی دیکھ لیں، اس کو جدید طریقہ تعلیم میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے، کیا یہ مجسمے کلاسوں میں مہیا کرنا جائز ہوگا؟

۱۶- آج کل عصری تعلیمی اداروں میں طالبات کو بھی وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو طلبہ کے لئے ہوتے ہیں، ان کو ایسے مضامین کی تعلیم نہیں دی جاتی، جو ان کی ضرورتوں سے متعلق ہو، جیسے: سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت، اور اولاد کی تربیت وغیرہ، جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں، وہ لڑکیوں کے لئے ان امور کی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں، تو کیا ان کو اس طرح کا انتظام کرنا چاہئے، اور چاہئے تو کیا اسے واجب یا مستحب کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟

۱۷- یہ بات ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کے لئے دین کی بنیادی واقفیت ضروری ہے، پہلے بچے پانچ چھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر میں اسکول میں داخل کئے جاتے تھے، اور ابتدائی جماعتوں میں تعلیم کا بوجھ بھی کم ہوا کرتا تھا؛ اس لئے گھر میں بچوں کی بنیادی تعلیم ہو جایا کرتی تھی، خود ماں باپ میں بھی اتنی صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھالیں؛ لیکن مادیت کے غلبہ اور مغربی نظام تعلیم نے اس اہم فریضہ سے نہ صرف لوگوں کو غافل کر دیا ہے؛ بلکہ اب اس کی ضرورت واہمیت بھی دلوں سے رخصت ہوگئی ہے، اس پس منظر میں ضروری ہے کہ مسلمان اسلامی ماحول کے ساتھ عصری وتعلیمی ادارے قائم کریں اور ان میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔

سوال یہ ہے کہ ایسے اسکولوں میں کس حد تک دینی تعلیم شرعاً ضروری ہے؛ تا کہ طلبہ وطالبات بقدر واجب دینی تعلیم حاصل کرلیں، اور دوسرے مضامین کی تعلیم بھی متاثر نہ ہو؟

۱۸- اساتذہ کے تقرر میں مرد معلمین اور خواتین معلمات کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، بالغ لڑکے اور بالغ طالبات کے لئے جنس مخالف میں سے ٹیچر مقرر کرنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہوگا، یہ مسئلہ اس صورت میں مزید اہم بن جاتا ہے جب خاتون معلّمہ کم تنخواہ پر مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت کا تقاضا ہو کہ وہ ان کی خدمت سے استفادہ کرے تو کیا ایسی صورت میں مخالف جنس ٹیچر کا تقرر درست ہوگا؟

۱۹- اسی طرح اسکولوں کی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً معائنہ کرنے والے آتے رہتے ہیں، اور وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کلاس روم کی وسعت، باتھ روم، بچوں کے لئے کھیل کی سہولتیں، یونیفارم، فیس کا ڈھانچہ اور اسکول کی طرف سے دی جانے والی دیگر سہولیات کا معائنہ کر کے حکومت کی طرف سے منظوری کو برقرار رکھنے یا منسوخ کرنے کی تجویز دیتے ہیں، چونکہ بدقسمتی سے آج کل ہر میدان میں رشوت کا لین دین ایک معمول سا بن گیا ہے؛ اس لئے یہ رشوت کے طالب ہوتے ہیں، اور نہ دی جائے تو معمولی بہانوں سے منظوری کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کر دیتے ہیں، کیا ایسی صورت میں ان کو رشوت دے کر اسکول کو بچایا جا سکتا ہے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

مفتی احمد نادر القاسمی ☆

ہر طرح کے علوم وفنون، خواہ ان کا تعلق انسان کے جسمانی راحت رسانی اور نافعیت سے ہو، یا روحانی تسکین اور اخروی فلاح وکامرانی سے، ان کا سیکھنا، سکھانا، انسان کے زمینی زندگی اختیار کرنے کے ابتدائی دور سے ہی مسلم رہی ہے، بلکہ حضرت انسان نے دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کی فکر شروع کردی تھی، انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب انسان ابتدائی دور میں تھا تو اس وقت بھی اس نے شکار کے طور طریقے، اور ہتھیار سازی کی طرف توجہ دی تھی، پھر پتھر کے دور میں جب اس نے مزید ترقی کی تو لباس و پوشاک، اپنی زندگی کی بقا، اور موسم گرما وسرما، نیز برسات میں آب وہوا کی ناہمواری وموسمی تغیرات سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے پہاڑوں اور جنگلات، نیز میدانی اور پہاڑی علاقوں میں مکانات بنانے کے طریقے ایجاد کئے، غذائی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے زمین پر موجود پھل اور میوہ جات کے علاوہ کاشتکاری کے ہنر سیکھے، جانوروں کو اپنے قبضہ میں کیا وغیرہ وغیرہ، یہ تمام کی تمام چیزیں علم وہنر اور انسان کے شعور وآگہی کی دین ہیں، جس نے ترقی کی اور انسانی شعور میں ترقی کے ساتھ رفتہ رفتہ فن اور الفاظ واصطلاحات کے قالب میں ڈھلتے ہوئے الگ الگ علوم کے شعبوں کی شکل اختیار کرلی، جو آج تعلیمی اداروں میں مختلف سبجیکٹس اور نصاب کی شکل میں پڑھائے جارہے ہیں۔

زمانہ قدیم میں یہ تمام علوم یکجا پڑھائے جاتے تھے، مگر گذشتہ ایک اندازے کے مطابق ڈھائی تین صدیوں، یا یونانی علوم و فلسفے کے عروج کے بعد سے روحانی علوم جن کا تعلق سماجی احکامات اور عبادات واخلاقیات سے ہے، اور جو خالصۃً انبیاء پر نازل ہونے والی وحی، پیغامات ربانی اور کتاب الٰہی سے ماخوذ ہیں، وہ اور جسمانی فلاح و بہبود، طب، علم ہندسہ، ایگریکلچر اور فلسفہ وغیرہ سے ہے، کو الگ الگ پڑھایا جانے لگا، جن کی حالات وظروف اور ضرورت وتقاضے کی وجہ سے وجوہات بھی الگ الگ ہوسکتی ہیں، ابھی ان تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے، من جملہ اگر دیکھا جائے تو ابھی تک انسانوں نے اپنی زندگی میں کام آنے والے علوم وفنون اور صنعت وحرفت کے مندرجہ ذیل تین اہم ادوار طے کئے ہیں:

☆ رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

۱-ابتدائی دور جس میں انسان نے اپنی زندگی کی بقا کے لئے شکار کرنا سیکھا، جسے انسان کے شعور و آگہی کا ابتدائی دور کہا جا سکتا ہے۔

۲- پتھر کا دور جس کا تعلق میسو پوٹامیا تہذیب کے عروج سے ہے، جس میں انسان ہتھیار مکانات، کاشتکاری، اور بافتہ سازی کے ہنر سے آشنا ہوا، جسے تہذیبی اور ثقافتی عروج کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔

۳-الکٹرونک دور: الکٹرونک دور وہ ہے جس میں آج کا انسان زندگی گزار رہا ہے، جسے Power Creation کا دور کہا جا سکتا ہے۔

اس دور میں انسان نے بجلی اور الکٹرک پاور، شمسی توانائی اور کائنات میں موجود مختلف قسم کی توانائیوں کے حصول تک رسائی حاصل کی، جس نے زندگی کے سابقہ تمام اصولوں کو تبدیل کر کے رکھ دیا، اور انسانی زندگی کو راحت پہنچانے والے بے شمار الکٹرک آلات کی تیاری سے لے کر پوری انسانی آبادی کو چشم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دینے والے بم اور ایٹمی اسلحے تک بنا لئے، انسانی ترقی کے حیرت و استعجاب کے لئے کیا یہ کم ہے کہ ہزاروں ٹن وزنی بم سیکڑوں میل کی دوری تک ایک ملک سے دوسرے ملک فضا میں تیراتے ہوئے پہنچا دیا جاتا ہے، ایک ملک میں بیٹھ کر ایک شخص اپنے کمپیوٹر اسکرین پر ایک تحریر کمپوز کرتا ہے اور لاکھوں میل دور وہی کمپوز شدہ مواد پرنٹ ہو کر سامنے آ جاتا ہے یہ سب انسانوں کو خالق مطلق کی طرف سے عطا کردہ ذہنی اور فکری صلاحیتوں اور ترقی کی ہی دین ہے جس پر انسان کا ضمیر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے "فبأی آلاء ربکما تکذبان" آج قدیم یونانی فلاسفر زندہ ہوتے جو "جزء الذی لایتجزی" پر صرف بحث کرتے تھے، تو اپنی بحثوں کے تناظر میں آج کے انسان پر عش عش کرتے کہ ہم نے تو صرف بحث شروع کی تھی اور آج کے انسان نے نہ صرف یہ کہ وہاں تک رسائی حاصل کر لی، بلکہ اسے جسم کی شکل دے دی۔

دوسری طرف میڈیکل سائنس اور طب نے اتنی ترقی کر لی اور الکٹرونک آلات کے ذریعہ انسان کے اندرونی اعضاء تک ہی نہیں پہنچا بلکہ اس کے خون میں دوڑنے والے بیمار سلس کو خون سے الگ کرنے کی مہارت تک پیدا کر لی، آگے دیکھئے یہ سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔

بہر حال اب ظاہر ہے، جب علوم و فنون کے دونوں روحانی اور جسمانی نظام سے تعلق رکھنے والے شعبے الگ الگ سمت میں رواں دواں ہیں تو مسلمان جو خود اس انسانی آبادی کا عظیم حصہ ہے، خود کو اس سے الگ نہیں کر سکتا، اور نہ ہی کرنا چاہئے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ رسالت اسلام اور آخری پیغام ربانی (قرآن) کی حامل جماعت ہونے کی وجہ سے الگ ہو بھی نہیں سکتے، اسے روحانی اور ابدانی دونوں علوم کی امانت کا بار گراں ہر حال میں اٹھانا ہی پڑے گا، ورنہ "کنتم خیر امة اخرجت للناس" (سورۂ آل عمران: ۱۱۰) کی رو سے اپنی تخلیقی اور اپنے خالق کی طرف سے دی گئی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنے کے جرم عظیم کا مرتکب قرار پائیں گے، والحساب عند اللہ۔

ادھر گذشتہ کچھ سالوں سے عصری اداروں میں بعض مذہبی اور اعتقادی مواد بھی پڑھائے جانے کا رواج ہوا ہے، جس میں

بطور خاص مسلمانوں کے عقیدہ توحید ورسالت اور تصور آخرت کے خلاف مواد بھی شامل ہے، نیز بعض مشنریز اور سرکاری اسکولوں میں ایسے مواد کو مسلم بچوں کو بھی لازماً پڑھنے پر مجبور کیا جارہا ہے جو مسلمانوں کے لئے دین وایمان کے لحاظ سے نہایت ہی سنگین اور تشویش ناک ہے، اور فوری توجہ طلب بھی۔

اب ایک طرف علوم عصریہ اور عصری تعلیمی اداروں کی ضرورت اور دوسری طرف عصری تعلیمی اداروں میں مسلمان بچوں کے لئے دین وایمان کی بقاء سے متعلق مسائل وچیلنج، ان دونوں اہمیت کے حامل امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ اکیڈمی نے اپنے ستائیسویں فقہی سمینار منعقدہ عروس البلاد ممبئی کا ایک اہم موضوع ''عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل'' بھی رکھا ہے، ۱۹ر سوالات پر مشتمل سوالنامہ مرتب کر کے اہل علم، ارباب افتاء اور علماء کی خدمت میں شرعی رائے جاننے کے لئے روانہ کیا جس میں شرعی رائے جاننے کی بھی کوشش کی گئی ہے، اوران مشکل حالات سے مسلم بچوں اور نئی نسل کو نکالنے کی تدابیر اور حل تک پہنچنے والے نکات کی جانب توجہ بھی دلائی گئی ہے، تحریر لکھتے وقت جن ۵۰ حضرات اہل علم کی تحریریں، جوابات اور قیمتی مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے، ان کے آراء اور دلائل کا خلاصہ تلخیص مقالات کی شکل میں نذر قارئین ہے، وباللہ التوفیق:

جن حضرات کے مقالات اکیڈمی کو تادم تحریر موصول ہوئے ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا، مفتی صفوان احمد حلیمی، مفتی عبدالمصور خان ندوی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا محمد شفیق عبدالشکور فلاحی، مفتی عبدالتواب اناوی، مولانا محمد ریاض الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا معراج الدین، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری قاسمی، مفتی اقبال احمد کانپور، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی محمد مقصود فرقانی (رامپور)، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی عمرآباد، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسی، مولانا محی الدین غازی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی حیدر علی قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاجہاں ندوی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، حافظ حفیظ الرحمٰن عمری، مفتی حافظ صادق محی الدین، مفتی عبدالحمید قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا ندیم احمد انصاری، مفتی عبدالمنان (آسام)، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد طیب ندوی، مولانا محمد عثمان قاسمی (چوکیہ گورینی)، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی احسن عبدالحق ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی ابوبکر قاسمی۔

سوال نمبر ۱ —ایسے اسکول قائم کرنے کا کیا حکم ہے، جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں، یہ واجب یا مستحب کے درجہ میں مطلوب ہیں یا صرف مباح ہیں، یا مکروہ و ناپسندیدہ؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کے تین طرح کے رجحانات سامنے آئے ہیں:

پہلا رجحان (فرض/واجب علی الکفایہ ہے):

اس پہلے رجحان میں مقالہ نگار حضرات نے وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے عصری تعلیمی اداروں کے قیام کو بعض حضرات نے فرض کفایہ اور بعض نے واجب علی الکفایہ کے زمرے میں رکھا ہے، ان حضرات کے نزدیک اس رجحان کی بنیاد یہ ہے کہ جب ان علوم کا حصول فرض کفایہ ہے تو اس کے لئے اسباب کا اختیار کیا جانا بھی "مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب" کے پیش نظر فرض کفایہ ہی قرار پائے گا، اس موقف کے مندرجہ ذیل حضرات حامل ہیں:

مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا محمد مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکہ جونپور)، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا عبدالقدوس ندوی، مفتی ابوبکر قاسمی۔

دلائل:

اس موقف کی تائید وتوثیق میں مذکورہ حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل نقل کئے ہیں:

۱- "**وأعدوا لهم ماستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم الخ**"(سورۂ انفال:۶۰)۔

۲- "**وما لا يتم الفرض إلا به، فهو فرض**" (تبیین الحقائق باب صفۃ الصلاۃ للزیلعی ۱/۱۰۴)۔

۳- "**وكل مالا يتوصل إلى الفرض، إلا به، فهو فرض**" (قرۃ عیون الأخیار تکملۃ رد المحتار ۱/۲۷۴)(ماخوذ از مقالہ: ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

۴- "**ومن الفروض الكفاية أيضا العلوم التى يحتاج إليها فى قوام أمر الدنيا كالطب والحساب والصنائع التى هى سبب قيام مصالح الدنيا كالخياطة والفلاحة ونحوهما**"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۰/۹۳، ۹۴، بحوالہ حاشیہ ابن عابدین ۱/۲۹، ۳۰، المجموع ۱/۲۷، ۲۶)(ماخوذ از مقالہ مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۵- "**وعلى الآباء والأمهات تعليم أولا دهم الصغار مايستعين عليهم بعد البلوغ يتعلمه الولى الطهارة،و الصلاة ونحوها، ويعرّفه تحريم الزنا واللواطة والسرقة، وشرب المسكر والكذب والغيبة وشبهها، ويعرّفه أن بالبلوغ يدخل فى التكليف، ويعرّفه ما يبلغ به، وقيل: هذا العلم مستحب، والصحيح وجوبه، و هو ظاهر نص الشافعى**"(المجموع ۱/۵۰)(ماخوذ از مقالہ: مفتی شاہین جمالی)۔

۶- عصری علوم دین کا حصہ ہیں، اور "**طلب العلم فريضة على كل مسلم**" کے ذریعہ اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

- کتاب وسنت میں جہاں بھی علم استعمال ہوا ہے وہ مطلقا ہے، یعنی: "**علم الانسان مالم يعلم**" (سورۂ علق: ۵)۔

-یہ علوم بھی انسان کوحقیقت تک لے جانے کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

-وہ تمام علوم جوانسان میں فکرآخرت کا احساس پیدا کریں وہ دینی ہیں۔

-دین پرغلبہ،اللہ کی حاکمیت اعلی کا قیام بغیرعصری علوم پرعبور کے ممکن نہیں۔

-علوم وفنون عہدجدید میں تمام اقسام کی دنیاوی ترقی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے،ہرشہراور ہرمحلّہ میں ایک ادارہ فرض کفایہ، ایک سے زاید مباح ہے(دیکھئے:مقالہ مولانا محمد نثارعالم ندوی)۔

۷-"ومن يرتع حول الحمى، يوشک أن يواقعه"(بخاری باب الحلال بين والحرام بين حدیث نمبر:۲۰۵۱)۔

۸-"وقد يكون التعلم فرض كفاية، وهو تعليم كل علم لا يستغنى عنه فى قيام أمور الدنيا كالطب والحساب والنحو واللغة والكلام والقرأت و أسانيد الحديث ونحو ذلک"(موسوعہ فقہیہ ۱۳/۸)(ماخوذ از مقالہ:مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۹-انعام الباری کی عبارت،کفایۃ المفتی سے فتوی۔

۱۰-"وقال الطيبى: وأما الطب فليس بفضول لما ثبت بنصوص السنة الافتقار إليه، أقول فيه: إن كان كل ما ثبت بالسنة الافتقار إليه لا يلزم أن يكون علما كالحجامة والزراعة والنساجة، فإنها من فروض الكفاية، ولا تسمى علوما مع أن العلم بالطب جائز، لا فرض إجماعا، وأصله موجود فى الكتاب والسنة، والزائد عنهما لا شک أنه فضول كالزائد من نحو على قدر الحاجة إليه فى معرفة الكتاب والسنة" (مرقاۃ المصابیح ۱/۴۵۷،کتاب العلم حدیث نمبر:۲۳۹)۔

۱۱-"عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:من علم الرمى ثم تركه فليس منا أو قد عصى"(رواہ مسلم،مشکاۃ/۲۲۸)۔

۱۲-"طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة"(مشکاۃ ۱/۲۴۲)۔

۱۳-" ما لايتوصل إلى ترک الحرام، إلا به، يكون فرضا" (شامی ۴/۶۴-۶۳)۔

۱۴-"وأما فى حال التوقان قال بعضهم : هو واجب بالإجماع، لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع فى الحرام، وفى النهايه: إن كان له خوف الوقوع فى الزنا بحيث لا يتمكن من التحرز إلا به، كان فرضا، ويمكن الحمل على اختلاف المراد، فإنه قيد الخوف الواقع سببا للافتراض بكونه بحيث لا يتمكن من التحرز، إلا به، ولم يقيد به فى العبارة الأولى، وليس الخوف مطلقا يستلزم بلوغه إلى عدم التمكن، فليكن عند ذلک المبلغ فرض، وإلا فواجب " (فتح القدیر ۳/۱۸۷)(دیکھئے:مقالہ مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۱۵-"عن زيد بن ثابت مرفوعا قال: امرنى رسول الله ﷺ أن أتعلم له كلمات من كتاب يهود،

وقال: إني والله ما آمن يهود على كتابي ، قال: فما مربي نصف شهر حتى تعلمته له، قال: فلما تعلمته كان إذا كتب إلى يهود كتبت إليهم، وإذا كتبوا إليه قرأت له كتابهم"(ترمذی ۳/ ۱۰۰ باب فی تعلیم السریانیۃ)۔

۱۶-"**ويؤيده مارواه مسلم عن حذيفة رضي الله عنه قال: كان الناس يسألون رسول الله ﷺ عن الخير، وكنت أسئله عن الشر، مخافة أن يدركن الحديث، قلت: وإدراك الشر للمسلمين كإدراكه لنفسه**"(امداد الفتاوی ۴/ ۷۳)۔

۱۷-"**إذا هناك حاجة دينية أو دنيوية إلى تعلم اللغة الانجليزية أو غيرها من اللغات الأجنبية، فلا مانع من تعلمها، أما إذا لم يكن حاجة، فإنه يكره تعلمها، وبالله التوفيق ﷺ نبينا**"(فتاوی علماء البلد الحرام/ ۵۸۵)۔

۱۸-"**وليس العلم المطلوب محصور فی علم الدين وحده، بل كل علم نافع يحتاج إليه المسلمون في دنياهم، فإن تعلمه فرض كفاية، كما قرر الغزالي والشاطبي وغيره من العلماء**"(مشکاۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام/ ۱۰۹، یوسف قرضاوی)(دیکھئے مقالہ: مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

دوسرا رجحان: (عصری ادارے کا قیام واجب ہے):

اس سوال کے جواب میں دوسرا رجحان یہ ہے کہ عہد حاضر میں عصری علوم وفنون کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام جس میں اسلامی ماحول میں وہ علوم پڑھائے جائیں علی الاطلاق واجب اور لازم وضروری اور آج کی ناگزیر ضرورت ہے، البتہ بعض حضرات نے اس میں اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ یہ وجوب ان لوگوں کے لئے ہے جو صاحب استطاعت ہیں، اس موقف کا اظہار مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران نے کیا ہے:

مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی عبدالتواب اناوی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مفتی ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی حافظ صادق محی الدین، مفتی عبدالحمید قاسمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی عبدالمنان قاسمی۔

قیودات:

واجب قرار دینے والے حضرات میں سے بعض اہل علم نے کچھ قیودات کا بھی اضافہ کیا ہے، مثلاً: مفتی محمد مقصود رامپور کہتے ہیں: ''واجب لغیرہ ہے، ان لوگوں پر واجب ہے جو صاحب استطاعت ہوں''، مفتی ظفر عالم ندوی کہتے ہیں: ''واجب بھی ہے، اور مستحب بھی ہے''، مولانا صابر حسین ندوی کہتے ہیں: ''ماحول سازگار ہوتو واجب ہے اور ناسازگار ہو تو مستحب ہے''، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی نے اس کے چار جوابات دیئے ہیں: ۱-اگر کوئی اسکول ہے جہاں تعلیم دی جارہی ہے، تو مستحب اور سنت ہے، ۲-عصری تعلیم

کے لئے اسلامی رنگ اور ماحول نہ بھی ہوتو عصری ادارہ قائم کرنا مستحب ہے، ۳-اگر قانونی یا مذہبی موانع موجود ہے تو صاحب استطاعت پر فرض کفایہ ہے، ۴-اگر اس اسکول میں اسلام کے خلاف قصدا کوئی نظام نافذ کیا جائے تو اسکول قائم کرنا گناہ کبیرہ ہے، مفتی اعجاز الحسن بانڈے نے لازم وضروری کے ساتھ (بحکم واجب نہیں ہے) کی قید لگائی ہے اور مفتی عبد الرحیم قاسمی کہتے ہیں اس طرح کا اسکول کھولنا ضروری ہے، اگر اسکول بالکل نہ ہوں تو فرض کفایہ ہے اور مسلم انتظامیہ کے ذریعہ سے چلنے والا اسکول موجود ہو تو مستحب یا مباح ہے، اور مفتی سعید الرحمٰن قاسمی صاحب نے سد اللذ ریعہ کی قید لگائی ہے، جبکہ ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب نے اس سوال کے جواب میں کوئی فقہی رائے تو قائم نہیں کی ہے، البتہ عمومی نوعیت کے مشورے دیئے ہیں۔

دلائل:

مذکورہ حضرات نے اپنے موقف میں جو دلائل دیئے ہیں، ان میں سے بعض رجحان اول کے ضمن میں آچکے ہیں، اور مزید مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"**ولا تلقوا بأيدكم إلى التهلكة**" (سورۂ بقرہ:۱۹۵) (دیکھئے: مقالہ مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

۲-"**وما كان المؤمنون لينفروا كافة، فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين، ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون**" (سورۂ توبہ:۱۲۲)۔

۳-"**اللهم علم معاوية الحساب والكتاب. عن عرباض بن ساريه**" (حدیث)۔

۴-"**اللهم إنى اسألک علما نافعا**" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۲۳۴، حدیث نمبر:۲۹۸۷۵)۔

۵-"**اللهم إنى أعوذبک من علم لا ينفع**" (مسلم ۱۳/ ۲۵۱، حدیث نمبر ۴۸۹۹)۔

۶-"**اللهم انفعنى بما علمتنى وعلمنى ما ينفعنى وزدنى علما**" (ترمذی ۱۲/ ۲۶، حدیث نمبر:۳۵۲۳)۔

۷-"**خير الناس من ينفع الناس فكن نافعا لهم**" (جامع الاحادیث ۳۴/ ۴۳۰، حدیث نمبر:۳۷۶۴۰)۔

۸-"**كاد الفقر أن يكون كفرا**" (شعب الایمان للبیہقی ۵/ ۲۶۷، حدیث نمبر:۶۶۱۲)۔

۹-"**قول ابن مسعودؓ: قدبين لنا فى هذا القرآن كل علم و كل شئ**" (ابن کثیر)۔

۱۰-"**قول ابن مسعود اعم وأشمل فإن القرآن اشتمل على كل علم نافع من خير ما سبق، وعلم ما سيأتى، وكل حلال و حرام، وما الناس إليه محتاجون فى أمرد نياهم ودينهم ومعاشهم ومعادهم**" (تفسیر ابن کثیر ۴/ ۵۹۴) (مذکورہ نصوص وعبارات کے لئے دیکھئے مقالہ: حافظ مفتی صادق محی الدین)۔

۱۱-"**الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو أحق بها**" (ترمذی کتاب العلم باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ حدیث نمبر:۲۶۹۶) (دیکھئے مقالات: مفتی سید باقر ارشد، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی)۔

۱۲-"**على العاقل أن يكون بصيرا بزمانه مقبلا على شأنه حافظا للسانه**" (صحیح ابن حبان ۲/ ۷۸)

(دیکھئے: مقالہ حفیظ الرحمٰن عمری)۔

۱۳-"ثلاث من كن وجد حلاوة الإيمان أن يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما، وأن يحب المرألا يحب إلا الله، وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار" (بخاری)، (دیکھئے مقالہ: مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)۔

۱۴-"طلب العلم فريضة على كل مسلم" (بخاری کتاب العلم) (مولانا ظفر عالم ندوی)۔

۱۵-موسوعہ فقہیہ کی عبارت: "وقد يكون التعلم فرض كفاية الخ" (دیکھئے: مقالہ مفتی محمد مقصود فرقانی)۔

۱۶-"مالا يتم الواجب الا به فهو واجب" (الأصول والقواعد الفقہ الاسلامی/۱۸۵)۔

۱۷-"إذا ثبت الشي ثبت بلوازمه" (حوالہ سابق/۲۶۵)۔

۱۸-"الضرر يزال" (الاشباہ والنظائر)، (دیکھئے: مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۱۹-"الأمر بالشئ آمر بلوازمه، والنهي عن الشئ نهي عن لوازمه" (مولانا صابر حسین ندوی)۔

۲۰-کفایۃ المفتی، فتاوی رحیمیہ، کتاب الفتاوی، وغیرہ سے اردو فتاوی۔

۲۱-"ردالمحتار" کی عبارت جو پہلے رجحان میں گذر چکی ہے۔

تیسرا رجحان: (مستحب ہے):

اس سوال کے جواب میں تیسرا رجحان یہ ہے کہ اس طرح کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام مستحسن، مستحب، افضل، سنت، مباح اور جائز و موجب ثواب ہے۔

اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات علماء وفقہاء نے اختیار کیا ہے۔

مفتی صفوان احمد حلیمی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا معراج الدین کشمیر، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی معین الدین قاسمی، مولانا ندیم احمد انصاری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد سلمان منصور پوری۔

قیودات:

مولانا ندیم احمد انصاری یہ بھی کہتے ہیں کہ کم سے کم مستحب، البتہ موقع ومحل کے اعتبار سے تبدیل بھی ہوسکتا ہے، مولانا عباس بن یوسف کہتے ہیں کہ واجب وضروری ہونے میں علوم وفنون کی حیثیت شرعیہ وعرفیہ پر مدارر ہے گا، جبکہ مولانا معراج الدین صاحب نے وہ تمام عبارات نقل کی ہیں جن سے فرض کفایہ کا ثبوت ملتا ہے، تاہم انہوں نے صرف انتہائی درجہ مستحسن کہنے پر اکتفاء کیا ہے۔

دلائل:

مذکورہ حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل وشواہد کے ذریعہ اپنے موقف کو مؤکد کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱-"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم"(سورۂ انفال:۶۰)۔

۲-"يأ يهاالذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا، وقودها الناس والحجارة "(سورۂ تحریم:۶)،"وقال مجاهد: قوا أنفسكم، أوصوا أنفسكم وأهليكم بتقوى الله وأدبوهم"(بخاری کتاب التفسیر)(دیکھئے مقالہ:مفتی معین الدین ندوی قاسمی ممبئی)۔

۳-"وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبين لهم" (سورۂ ابراہیم: ۴)۔

۴-"ومن آياته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتكم وألوانكم"(الروم:۲۲)۔

۵-"بل توثرون الحياة الدنيا والآخرة خير و ابقى"(سورۂ اعلی:۱۶،۱۵)(دیکھئے: مقالہ مولانا احسن عبدالحق ندوی)۔

۶-"عن سهيل بن سعد: نية المؤمن خير من عمله، نية المومن أبلغ من عمله۔عن انس بن مالک"(طبرانی وبیہقی)۔

۷-"الأمور بمقاصدها"(الاشباہ والنظائر ۲۳/)،(دیکھئے: مقالہ مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی)۔

۸-کفایۃ المفتی کا فتوی نمبر ۲/ ۶۸۔

۹-"اى لغاتكم، بل هو من جملة المباحات، نعم يعد من اللغو ومالا يعنى وهو مذموم عند أرباب الكمال، إذا تربت عليه فائدة، فحيئنذ يستحب كما يستفاد من الحديث"(المرقاۃ باب السلام)،(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد شفیق من عبدالشکور فلاحی مظاہری)۔

۱۰-"فإن المندوب بفعل يستحق الثواب ولا يستحق بتركه العقاب" (اصول سرخسی)(دیکھئے: مقالہ مولانا صفوان احمد حلیمی قاسمی)۔

سوال نمبر۲ –ایسے ادارے اگر مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں‌تونصاب تعلیم میں کن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟، بعض اسکولوں میں غیر شرعی افکار مثلاً ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس،غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں؛تو کیا مسلمان اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں ان مضامین کو پڑھا سکتے ہیں، خاص طور سے اس وقت ،جبکہ ان میں سے بعض مضامین کا پڑھانا اسکولوں کے لئے لازم ہو؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگاران اس بات پر متفق ہیں کہ:

مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے کسی بھی عصری تعلیمی ادارے میں سوال میں پوچھے گئے امور اور وہ مضامین جو اسلامی

اور دینی اخلاقیات وایمانیات کومتاثر کرنے کا ذریعہ ہوں، مسلمانوں کے عقیدۂ توحید ورسالت کے خلاف ہوں، یا ان کی وجہ سے بچوں کی زندگی میں بے حیائی اور بے دینی کے اثرات مرتب ہونے کا خطرہ ہوتو ان کا پڑھانا یا نصاب میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر حکومت کی طرف سے ان مضامین کوعصری اداروں میں لازم قرار دیا جائے تو تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ضرورۃً نصاب میں شامل رکھا جاسکتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اساتذہ ایسے دیندار اور قابل بحال کئے جائیں جو ان مضامین کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کی قباحت بھی بچوں کے سامنے بیان کریں، اور والدین وذمہ داران بچوں کی دینی تربیت کا ایسا خیال رکھیں کہ وہ ان فاسد نظریات وامور سے متاثر نہ ہوں، چونکہ اس موقف کے اظہار میں مقالہ نگاران کا اتفاق ہے، اس لئے اسمائے گرامی حذف کرتے ہوئے دلائل نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

دلائل:

۱-"ووصى بها إبراهيم بنيه ويعقوب يا بنى إن الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن الا وأنتم مسلمون، أم كنتم شهداء إذ حضر يعقوب الموت إذا قال لبنيه ما تعبدون من بعدى قالوا نعبد إلهک وإله آبائک إبراهيم و إسماعيل وإسحاق إلها واحدا ونحن له مسلمون"(سورۂ بقرہ:۱۳۱،۱۳۲)۔

۲-"ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا أولئک لهم عذاب مهين"(سورۂ لقمان:۶)۔

۳-"تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ:۲)۔

۴-"وما أنزل على الملكين ببابل هاروت وماروت وما يعلمان من أحد حتى يقولا إنما نحن فتنة فلا تكفر، فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه الخ"(سورۂ بقرہ:۱۰۲)۔

۵-"إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فى الذين آمنوا لهم عذاب أليم فى الدنيا والآخرة والله يعلم وأنتم لا تعلمون" (سورۂ نور:۱۹)۔

۶-"وأستفزز من استطعت منهم بصوتک وأجلب عليهم بخيلک ورجلک وشاركهم فى الأموال والأولاد وعدهم"(سورۂ اسراء:۶۴)۔

۷-"والذين لا يشهدون الزور" (سورۂ فرقان:۷۲)۔

۸-"إن الله لا يغفر أن يشرک به ويغفر ما دون ذلک لمن يشاء" (سورۂ نساء:۴۸)۔

۹-"فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا وأطيعوا و أنفقوا خيرا لأنفسكم ومن يوق شح نفسه فأولئک هم المفلحون"(سورۂ تغابن:۱۶)۔

۱۰-"أدع إلى سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة"(سورۂ نحل:۱۲۵)(مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۱۱-"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (ابن ماجہ حدیث نمبر:۲۷۷)۔

۱۲-"عن جابر عن النبی ﷺ حین أتاه عمر فقال: أنا نسمع أحادیث من یهود تعجبنا أفتری أن نکتب بعضها؟ فقال: أتهوّ کون أنتم کما تهوکت الیهود والنصاری؟ لقد جئتکم بها بیضاء نقیة، ولو کان موسی حیاما وسّعه إلا اتباعی" (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)۔

۱۳-"عن جابر أن عمر بن الخطاب أتی رسول الله بنسخة من التوراة فقال: یا رسول الله هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرأ ووجه رسول الله ﷺ یتغیر فقال: أبوبکر ثکلتک النواکل أتری بوجه رسول الله؟ فنظر عمر إلی وجه رسول الله ﷺ فقال: أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله رضینا بالله رباو بالإسلام دینا، وبمحمد نبیا، فقال رسول الله ﷺ: والذی نفسی محمد بیده لو بدالکم موسی فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل، ولو حیا وأدرک نبوتی لا تبعنی" (رواه الدارمی مشکاة باب الاعتصام بالکتاب والسنة/۳۱)(دیکھئے مقالہ:مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۱۴-"الضرورات تبیح المحضورات"(دیکھئے:مقالہ مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

۱۵-"أجمع أهل العلم علی أن من أکره علی الکفر حتی خشی علی نفسه القتل إنه لا إثم علیه إن کفر،و قلبه مطمئن بالإیمان"(تفسیر قرطبی ۱۰/ ۱۸۲)(مقالہ صادق محی الدین)۔

۱۶-"دفع المضرة أولی من جلب المنافع"(الاشباہ/ ۱۱۴۵)۔

۱۷-"ومن الناس من یشتری لهو الحدیث" ای یستبدل ما یلهی عن طاعة الله ویصد عن سبیله مالا خیر فیه، ولا فائدة کالأحادیث المضحکة والأساطیر التی لا اعتداد بها، والغناء الماجن، وسائر مالا خیر فیه من فضول الکلام"(المقتطف فی عیون التفاسیر ۴/ ۲۵۸)(دیکھئے مقالہ:مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی)۔

۱۸-"والطار المعازف الآوتار فحرام"(احکام القرآن ۱۴/ ۵۴،قرطبی وہکذا فی نیل الأوطار للشوکانی ۸/ ۱۰۴، حدیث نمبر ۳۵۵۳)۔

۱۹-"استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله ﷺ: استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر"(شامی کتاب الحضر والاباحہ ۹/ ۵۰۴)۔

۲۰-"إن هذا العلم دین، فانظروا عن من تأخذون دینکم"(مسلم، مشکاۃ المصابیح/۱/۱۹/ ۴۱۹ کتاب العلم)(مقالہ:مولانا محمد اخلاق،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۲۱-"فیه دلیل علی جواز تعلم ما هو حرام فی شرعنا للتوقی والحذر عن الوقوع فی الشر. کذا ذکره الطیبی"(مرقاۃ ۸/ ۷۷۴-۷۷۸)(دیکھئے مقالہ:مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۲۲-"عن نافع قال: سمع ابن عمرؓ مزمارا قال: ووضع إصبعيه على أذنيه ونأى عن الطريق إلى الجانب" (ابوداؤد، مشکوۃ ۴۱۱) (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد شفیق عبدالشکور فلاحی مظاہری)۔

۲۳-"عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: خلق آدم عليه السلام على صورته" (متفق علیہ، مشکوۃ ۳۹۷)۔

۲۴-"قال رسول الله ﷺ: وظهرت القينات والمعازف" (ترمذی، مشکوۃ ۴۷۰)۔

۲۵-"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق، إنما الطاعة فی المعروف" (بخاری ۱۰۷۸/۲) (دیکھئے: مقالہ: مولانا محمد عباس بن یوسف)۔

۲۶-"إن الله يغار وإن المؤمن يغار، وغيرة الله أن يأتى المؤمن ماحرم عليه" (مسلم دار المعرفہ ۸۱/۱۷) (دیکھئے: مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)۔

۲۷-"الحياء سعبة من الإيمان" (مسلم)۔

۲۸-"ان عائشة زوج النبي ﷺ أخبرته أن النكاح فی الجاهلية كان على أربعة أنحاء منها : نكاح الناس اليوم يخطب الرجل إلى الرجل وليه وابنته فيصدقها ثم ينكحها" (دیکھئے مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۲۹-"لا يجوز تعليم القوانين الوضعية لتطبيقها ما دامت مخالفة لشرع الله، وتجوز دراستها وتعليمها لبيان ما فيها من دخل وانحراف عن الحق، ولبيان ما فی الإسلام من العدل والاستقامة والصلاح وما فيه من غنى وكفاية لمصالح العباد، ولا يجوز علم أن يدرس الفلسفة والقوانين الوضعية ونحوهما إذا كان لا يقوى على تميز حقها من باطلها خشية الفتنة، والانحراف عن الصراط المستقيم، ويجوز لمن يهضمها ويقوى على فهمها بعد دراسة الكتاب والسنة ليميز خبيثها من طيبها، وليحق الحق ويبطل الباطل مالم يشغله ذلک عما هو أو جب منه شرعا" (فتاوی علماء البلد الحرام، بحوالہ فتاوی اللجنۃ) (ماخوذ از مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور)۔

۳۰-"ويكفِ بتلقين كلمة الكفر بها، ولو على وجه اللعب" (البحر الرائق ۱۲۴)۔

۳۲-"قرأة الكتب السابقة من التوراة والإنجيل ومثلها يجوز للعالم لا لغيره، ومثله الكتب التی تجمع الرطب أو اليابس فی الإسلاميات" (احکام القرآن للعثمانی ۱۰۱/۳)۔

۳۳-"نظرت فی الكتب التی صنفها المتقدمون فی علم التوحيد فوجدت بعضها للفلاسفة مثل اسحاق الكندی والاستقراری وأمثالهما، وذلک كله خارج عن الدين المستقيم زائغ عن الطريق القويم، فلا يجوز النظر فی تلک الكتب، ولا يجوز امساكها، فإنها شحونة من الشرک والضلال، قال: ووجدت أيضا تصانيف كثيرة فی هذا الفن للمعتزلة إلى قوله: فلا يجوز امساک تلک الكتب والنظر فيها کی لا تحدث

الشکوک ولا یتمکن الوھن فی العقائد" (فتاوی ہندیہ ۵/۴۵۸، کتاب الکراہیۃ الباب الثلاثون فی المتفرقات) (دیکھئے مقالہ: مولانا باقرارشد قاسمی)۔

۳۴-"وکرہ کل لھو أی لعب وعبث فالثلاثة بمعنی واحد کما فی شرح التاویلات، والإطلاق شامل لنفس العقل واستماعه کالرقص والسخریة والتصفیق وضرب الأوتار من الطنبو روالبربط والرباب والقانون والمزمار الصنج والبوق، فإنها کلها مکروھة؛ لأنها زی الکفار واستماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذلک حرام" (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ ۹/۵۶۶) (دیکھئے مقالہ: موصوف نیز مولانا معراج الدین، مفتی راشد حسین ندوی)۔

۳۵-"إن أکرہ بملجئ بقتل أو قطع عضو أو ضرب مبرح، ابن کمال، حل الفعل بل فرض" (درمختار ۵/۸۳) (دیکھئے: مقالہ مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

۳۶-"یا أیھا الذین آمنوا قوا انفسکم وأھلیکم نارا" (سورۃ:) "قال فی الآیة: علموا أنفسکم وأھلیکم الخیروأدبوھم والمراد بالأھل علی ما قیل: الزوجة والولد والعبد والأمه" (روح المعانی ۲۸/۱۵۶)۔

۳۷-"درأالمفاسد مقدم علی جلب المنافع" (فتاوی محمودیہ ۳/۳۸۱)۔

۳۸-"ما أدی إلی الحرام حرام" (الاشباہ)۔

عدم جواز کا موقف:

البتہ اس سوال نمبر ۲ کے جواب میں ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا عبدالحمید قاسمی، مفتی صادق محی الدین، مولانا عبدالمصور ندوی، مولانا سلیم الدین قاسمی اور قاری ظفر الاسلام صدیقی کی رائے بالکلیہ عدم جواز کی ہے، آخرالذکر موصوف نے اس طرح کے مضامین نصاب میں شامل نہ کئے جانے کی وکالت کی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی دشواری ہو تو حکومت سے اس کو ختم کرانے اور اپنے ادارے کو مائناریٹی اسٹیٹس دلانے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے، تاکہ ایمان واخلاق کو فساد زدہ کرنے والے مواد سے اپنی نسل کو بچایا جاسکے اور یہ گنجائش بھارت کے قوانین کے سیکولر ہونے کی وجہ سے موجود ہے، تو خواہ مخواہ نرمی کا رویہ اختیار کرکے ان تکلفات سے اجتناب کیا جائے، مفتی احسن عبدالحق ندوی نے تو حکومت کی طرف سے نرمی نہ ملنے کی صورت میں اسکول بند تک کردینے کا عندیہ دیا ہے، البتہ مانعین میں سے اکثر حضرات کا رجحان یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے پاس کوئی اسلامی ماحول کا اسکول نہ ہو تو پھر بدرجہ مجبوری ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو اس وقت تک تعلیم دلانا جائز اور گھر میں اسلامی تربیت کا انتظام کرنا واجب ہے جب تک اپنا اسکول قائم یا میسر نہ ہوجائے۔

ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل بھی دیئے ہیں:

D3

۱-"ومن الناس من يشتری لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا أولئک لهم عذاب مهين"(سورۂ لقمان:٦)۔

۲-"ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وسآء ت مصيرا"(سورۂ نساء:۱۱۵)۔

۳-"إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فی الذين آمنوا لهم عذاب أليم فی الدنيا والآخرة"(سورۂ نور:۱۹)۔

۴-"والله لا يحب المفسدين" (سورۂ مائدہ:۶۴)۔

۵-"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله"(سورۂ آل عمران:۱۱۰)۔

٦-"ان الله لا يغفر أن يشرک به ويغفر مادون ذلک لمن يشاء" (سورۂ نساء:۴۸)۔

۷-"وينهى عن الفحشاء والمنكر"(سورۂ نحل:۹)۔

۸-"من حسن إسلام المرأترک مالايعنيه"(حدیث)۔

۹-"لا تبيعوا القينات ولا تشتروهن، ولا تعلموهن ولا خير فی تجارة فيهن وثمنهن حرام"(ترمذی)۔

۱۰-"ألا كلكم راع كلكم مسؤل عن رعيته" (بخاری:۸۹۳،مسلم۱۸۲۹)۔

۱۱-"من تشبه بقوم فهو منهم"(ابوداؤد/۵۵۹)۔

۱۲-"إذ لا ضرورة فی إكراه غير ملجئ" (درمختار ۵/ ۸۲ کتاب الاکراہ)۔

نصاب کے سلسلہ میں جناب حافظ صادق محی الدین، مولانا محمد جمیل اختر ندوی، مولانا صابر حسین ندوی نے بہت سے علمی مشورے بھی دئے ہیں، تلخیص مقالات میں ان تمام کو شامل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے، اس کے لئے ان مقالات کی طرف رجوع ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، (معذرت کے ساتھ ملخص)۔

سوال نمبر۳—نصاب تعلیم کے مذکورہ مفاسد سرکاری تعلیمی اداروں میں زیادہ ہوتے ہیں، جہاں ان بچوں کے لئے تعلیم کا حصول آسان ہوتا ہے ، جو بھاری فیس ادا نہیں کرسکتے، اسی طرح بعض مقامات پر ایسے اسکول نہیں ہیں، جو مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہوں، وہ عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے ادارے ہوتے ہیں، قریب میں مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والا

اسکول نہیں ہوتا، جس میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکیں، ایسی صورت میں کیا مسلمانوں کے لئے ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلاناجائز ہوگا، اور اگر مجبوری میں ایسے اداروں میں تعلیم کے لئے داخل کرنا پڑے تو بچوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے والدین پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ ایسے اسکول اور تعلیمی ادارے جہاں شرکیہ اور غیر اسلامی مواد پڑھایا جاتا ہو، جن سے بچوں کے دین وایمان کے لئے مستقبل میں خطرہ پیدا ہو اور ان کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ ہو، ان اسکولوں میں بچوں کو تعلیم کے لئے بھیجنا اور داخل کرانا نہ صرف یہ کہ ناجائز ہے، بلکہ اعتقادی قتل کے مترادف ہے، البتہ اگر مجبوری ہو اور اسلامی ماحول کا اسکول اور کوئی تعلیمی ادارہ میسر ہی نہ ہو تو پھر چونکہ تعلیم بھی ضروری ہے، ایسے اسکولوں میں بچوں کو تعلیم دلانے کی گنجائش ہوگی، مگر ساتھ ہی میں مندرجہ ذیل امور، جن کی صراحت مختلف مقالہ نگاران نے اپنے اپنے انداز میں کی ہے، کا لحاظ ضروری ہے، تاکہ بچوں کے ذہن و دماغ کو غیر اسلامی آلائشوں سے پاک کیا جاسکے کہ وہ تعلیم یافتہ بھی رہیں اور دین وایمان کے اعتبار سے پختہ مسلمان بھی:

۱-اپنے گھر کا ماحول اسلامی بنائیں۔
۲-گھر میں خود یا کوئی معلم رکھ کر بچوں کی دینی واخلاقی تعلیم کا اہتمام کریں۔
۳-کفر وشرک اور بے اعتقادی سے بچوں کے ذہن کو پاک کرتے رہیں۔
۴-بچوں کو مساجد سے جوڑ کر ان کو صوم وصلاۃ کا پابند بنانے کی کوشش کریں۔
۵-بچوں کو خالی اوقات میں دینی مراکز سے مربوط کریں۔
۶-ایمان افروز رسالے اور ان کے ذہن کے مطابق کتابیں پڑھنے کا شعور پیدا کریں۔
۷-صباحی اور مسائی مکاتب میں داخل کرائیں۔
۸-اسکول جانے سے پہلے یا واپس آنے کے بعد دینی تعلیم دینا فرض ہوگا، تاکہ ذہنی ارتداد سے محفوظ رہے۔
۹-مسلمانوں کے بااثر لوگ ایسے مواد کو خارج کرنے کی حکومت اور اسکول کے ذمہ داران سے درخواست کریں۔
۱۰-علماء وصلحاء اور دینی شخصیات کی صحبت میں بیٹھنے کی عادت ڈلوائیں۔
۱۱-والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو دین وایمان کے تحفظ کا ہر ممکن سامان فراہم کرائیں۔
۱۲-اسلام کے خلاف سمجھوتہ نہ کرنے کا احساس بیدار کریں۔
۱۳-وقفہ وقفہ سے ان سے سوالات کریں جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں سے سوال کیا: "**ماتعبدون من بعدی**"۔

۱۴-بہترین کوچنگ کلاسوں کے ذریعہ اس کا تدارک کریں۔

۱۵-اسکول کے ذمہ داران، ماسٹر اور حکومت سے بات کر کے اپنے بچوں کو مستثنیٰ رکھنے کی کوشش کریں۔

۱۶-بہر حال اپنی نئی نسل کے دین ایمان کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش والدین بھی کریں، علماء اور قوم کے ذمہ داران بھی کریں، والدین پر یہ ذمہ داری نبھانا اپنی اپنی صوابدید کے مطابق از روئے شرع لازم ہے۔

۱۷-دینی تربیت کے مقصد سے تبلیغی جماعت میں بھیجنے کا اہتمام کریں۔

دلائل:

چونکہ اس سوال کے جواب سے متعلق دلائل آیت قرآنی: "**یا یها الذین آمنوا قوا انفسکم وأهلیکم نارا**" (سورۂ تحریم:۶) جیسے عمومی نوعیت کے ہیں اور اس کا تعلق حکم شرعی سے زیادہ احتیاطی تدابیر سے ہے، اس لئے ان کے نقل کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت یہاں محسوس نہیں ہوتی، حسب ضرورت مقالات کی طرف رجوع مناسب ہے۔

کسی بھی حال میں ان اسکولوں میں بچوں کو داخل نہ کرایا جائے:

اس سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل حضرات کی رائے اس طرح ہے:

مفتی عبدالرحیم قاسمی صاحب کی رائے یہ ہے کہ اس کی وجہ سے چونکہ بچے کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے اسکول میں بچے کو داخل نہ کرایا جائے، دلیل میں حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کا ایک فتوی نقل کیا ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ (بچوں کو) ایسے ادارے کو سپرد کرنا جو اخلاق و عادات کو بگاڑ دے، ایمان و اعتقاد کا سودا کرلے، ذہن و دماغ کو کفر و شرک یا شکوک و شبہات سے بھر دے ہرگز جائز نہیں، اس سے بہتر ہے کہ بچے جاہل رہیں، مگر ہوں مسلمان، علم و دانش کے میدان میں کورے ہوں، مگر شرک سے بیزار، بہت سی معلومات سے نا آشنا ہوں، مگر ہوں دین و اعتقاد کے پختہ رجال۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی کہتے ہیں کہ اگر مسلمان بچوں کو ان شرکیہ عقائد سے مستثنیٰ رکھا جا سکتا ہو تو جائز بصورت دیگر مسلمانوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایسے اداروں سے اپنے بچوں کو نکال لیں، کیونکہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے اصول کے مطابق دفع مضرت کو مقدم رکھا گیا ہے۔

مولانا ریاض ارمان القاسمی نے بھی تقریباً یہی بات کہی ہے کہ اگر مسلم بچوں کو ان شرکیہ امور سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے تو درست ورنہ ایسے اسکول میں بچوں کو نہیں بھیجنا چاہئے، اسی طرح اگر اسکول انتظامیہ غیر مسلم افراد پر مشتمل ہو تو بھی مسلمان بچوں کا وہاں پڑھنا جائز نہیں ہے، کسی اسلامی ادارے کو بھی ان چیزوں کو اپنے یہاں داخل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کفر سے خوش ہونے کے مترادف ہے: "**ولاترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النارومالکم من دون الله من أولیاء ثم لا تنصرون**" (سورۂ ہود:۱۱۳)۔

مخلوط تعلیم کا مسئلہ:

سوال نمبر۴–عصری درسگاهوں کے اندر شروع سے آخر تک یا کم سے کم ابتدائی درجات میں مخلوط تعلیم کا نظام هوتا هے، لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ کلاسوں میں پڑھتے هیں، کھیل کے میدان میں اور چائے خانوں میں آپس میں ملتے جلتے هیں، مخلوط نظام تعلیم کا ایک سبب تو مادیت، دین بیزاری اور اخلاقی انحطاط هے،وهیں دوسرا سبب یه هے که جداگانه نظام تعلیم میں زیاده اساتذه، عمله،کلاس روم وغیره کی ضرورت پڑتی هے، اور بعض دفعه انتظامیه اس کا نظم کرنے سے قاصر هوتی هے، تو کیا ان دونوں میں سے کسی سبب کے تحت مخلوط تعلیم کا نظام درست هے ؟اور نهیں توکس عمر یا کس کلاس سے طلبه و طالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری هوگا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاران کا اس پر اتفاق ہے کہ جب لڑکی مراہقہ ،مشتہات ،حدشہوت اور بلوغ کی عمر کو پہنچ جائے جو ۷، ۸، ۹، ۱۵ سال کی عمر ہے، اس کے بعد مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے، اس سے پہلے تک اس کی گنجائش ہے، اور جہاں تک کلاس کی تحدید کی بات ہے تو پانچویں کلاس سے علاحدہ ہونے کی تحدید کی ہے، چونکہ پانچویں کلاس میں بچے اور بچیوں کی عمریں ۱۰/سال کی ہوجاتی ہیں، زیادہ تر مقالہ نگاران نے ۷/سال کی عمر سے بچوں کو نماز کی ترغیب اور دس سال کی عمر سے بچوں کے بستر الگ کردینے کے شرعی حکم کو بنیاد بنایا ہے، بعض حضرات نے بچیوں کے بلوغ کی عمر کو بھی پیش نظر رکھا ہے، گویا ان کے نزدیک بچی جب بالغ ہوجائے اس وقت سے علاحدہ علاحدہ کلاس روم بنانا ضروری ہے، تاکہ اختلاط کی ممانعت کے حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ ہو، اور بچے بچیوں کے اخلاق اور سیرت وکردار کو دینی ماحول میں محفوظ رکھا اور اس کا عادی بنایا جاسکے، چونکہ مرد وخواتین کے اخلاق وکردار کو مجروح کرنے والا عمل اختلاط ہی ہے، جو زہر ہلاہل ہے، سوال میں دریافت کئے گئے فائنانشیل مجبوری کی وجہ سے طلبہ وطالبات کی کلاسوں کے یکجا ہونے سے متعلق اکثر حضرات نے اس سے تعرض نہیں کیا، تاہم بعض حضرات نے مجبوری میں بچوں کی سیٹ آگے اور بچیوں کی پیچھے رکھنے، پردہ کا اہتمام کرنے، راستہ الگ نہ ہوں تو باری باری کلاس سے نکلنے کا عندیہ دیا ہے، اور مندرجہ ذیل دلائل سے اپنی رائے کو مؤکد کیا ہے:

دلائل:

۱-"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلک أزکی لهم إن الله خبير بما يصنعون،وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو أبنآئهن أو أبناء بعولتهن أو إخوانهن أو بنى إخوانهن أو بنى أخواتهن أو نسآئهن أو ما ملکت أيمانهن أو التابعين غير أولى الإربة من

الرجال أو الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النسآء ولا یضربن بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن، وتوبوا إلی الله جمیعا أیه المؤمنون لعلکم تفلحون"(سورۂ نور:۳۰-۳۱)۔

۲-"یا یها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن"(احزاب :۵۹)۔

۳-"والذین لم یبلغوا الحلم ثلاث مرات"(سورۂ نور:۵۸)۔

۴-"مروا أولادکم بالصلاۃ وهم أبناء سبع سنین، واضربوهم علیها، وفرقوا بینهم فی المضاجع" (ابوداؤد:۴۹۵)،قال القاری:"لأنهم بلغوا او قاربوا البلوغ، وبلوغ العشرۃ مظنة الشهوۃ"(مرقاۃ المفاتیح ۲/۱۱۵)۔

۵-"العینان تزنیان وزناهما النظر، والیدان تزنیان، وزنا هما البطش، الرجلان تزنیان، وزناهما المشی، وزنا اللسان النطق، والنفس تتمنی وتشتهی، والفرج یصدق ذلک کله ویکذبه"(حدیث) (دیکھئے: مقالہ محمد طیب ندوی، محمد عثمان قاسمی چوکیہ جونپور)۔

۶-"إیاکم والدخول علی النساء، فقال رجل من الأنصار: یا رسول الله! أفرأیت الحمو! قال: الحمو الموت" (بخاری:۴۹۳۴)۔

۷-"لا تلجوا علی الغیبات، فإن الشیطان یجری من أحدکم مجری الدم" (سنن ترمذی ۲/۱۴۷)۔

۸-"النظر سهم من سهام إبلیس مسموم من ترکها مخافتی ابدلته إیمانا یجد حلاوته فی قلبه"(معارف القرآن)۔

۹-"الغلام یعق عنه یوم السابع، ویسمی ویماط عنه الأذی، فإذا بلغ ست سنین أدب، فإذا بلغ تسع سنین عزل فراشه، فإذا بلغ ثلث عشرۃ سنة ضرب علی الصلاۃ، فإذا بلغ ست عشرۃ سنة زوجه أبوه، ثم أخذ بیده، وقال: قد أدبتک وعلمتک وانکحتک، وأعوذ بالله من فتنک فی الدنیا وعذابک فی الآخرۃ"(تنقیح القول الحثیث فی شرح لباب الحدیث ۱/۱۳۸)(ماخوذ از مقالہ: حافظ صادق محی الدین حیدرآباد)۔

۱۰-"المرأۃ عورۃ، فإذا خرجت استشرفها الشیطان"(مشکوۃ ۲/۲۶۹)۔

۱۱-"عن أسامة بن زید قال: قال رسول الله ﷺ: ما ترکت بعدی فتنة أضرُّ علی الرجال من فتنة النساء"(مشکوۃ ۲/۲۶۷)۔

۱۲-"الحیاء شعبة من الإیمان"(حوالہ سابق)۔

۱۳-"ویمنعها من زیارۃ الأجانب وعیادتهم والولیمة، وإن أذن کانا عاصیین"(شامی ۲/۶۶۵)(مذکورہ دلائل: مفتی حیدر علی قاسمی کے مقالہ سے ماخوذ ہیں)۔

۱۴-"عن أبی رافع: بسم الله: وفرقوا بين الغلمان والجواری والأخوة والأخوات لسبع سنين" (نیل الأوطار من احادیث الأخیار شرح منتقی الأخبار للشوکانی ۱/۳۷۷)۔

۱۵-"الدرالمختار: وإذا ابلغ الصبی أو الصبية عشر سنين يجب التفريق بينهما" (کتاب الحظر والاباحۃ ۹/۵۴۸)، "ويفرق بين الصبيان فی المضاجع إذا بلغوا عشر سنين ويحول بين ذكورا الصبيان والنسوان وبين الصبيان والرجال، فإن ذلک داعية إلى الفتنة ولوبعد حين" (حوالہ مذکور)۔

۱۶-"لايخلون رجل بامرأة، إلا كان ثالثهما الشيطان" (ترمذی باب: کراہیۃ الدخول علی المغیبات)۔

۱۷-"نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب، قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن أن يسمعها الرجل" (ردالمحتار ۲/۷۸)۔

۱۸-"إن المرأة منهية عن إظهار وجهها للرجال من غير ضرورة" (المحیط للبرہانی ۵/۶۴)۔

۱۹-"والغلام الذی بلغ حد الشهوة كالبالغ، كذا فی الغياثية" (فتاوی ہندیہ ۵/۴۰۷) (ماخوذ از مقالہ: مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

۲۰-"واختلفوا فی حد الشهوة وصحح الزيلعی وغيره أنه لا اعتبار بالسن عن السبع على ما قيل، أو التسع، وإنما المعتبر أن تصلح للجماع، بأن يكون عبلة ضخمة، والعبلة المرأة التامة الخلق" (کفایۃ المفتی ۲/۶۷، کتاب العلم) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد اخلاق قاسمی)۔

۲۱-"وقدر بتسع، وبه يفتى" (درمختار باب الحضانۃ ۳/۵۶۶)۔

۲۲-"كان محمد بن مقاتل الرازیؒ يقدر ذلک بتسع سنين، لأن النبی ﷺ بنى لعائشة رضى الله عنها وهی بنت تسع سنين، والظاهر أنه بنى بها بعد البلوغ" (المبسوط للسرخسی ۳/۳۷۳، وقدرابوالليث بتسع سنين، عليه الفتوی، ابن نجیم البحر الرائق ۴/۱۸۴) (ماخوذ از مقالہ: ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

۲۳-"فتاوى اللجنة: اختلاط الرجال والنساء فی التعليم حرام و منكر عظيم مما فيه من الفتنة وانتشار الفساد وانتهاک الحرمات وما وقع بسبب هذا الاختلاط من الشر والفساد الخلقی من أقوى الدلالة على تحريمه ......ومدار المنع من اختلاط النساء بالرجال هو خشية الفتنة، وأن يكون ذريعة إلى ارتكاب الفاحشة، وانتهاک الحرمات وفساد المجتمع، وقد تكون هذه الأمور أشد تحقيقا فی اختلاطها فی التعليم، فكان حراما" (فتاوی نمبر: ۱۷۹۲۹) (ماخوذ از مقالہ: مولانا محمد صابر حسین ندوی)۔

۲۴-"إنما وضعنا البلوغ موضع كمال العقل والتمكن من الاستدلال إذا لم تعرف ذلک حقيقة" (شرح التلویح علی التوضیح ۲/۳۳۶)۔

۲۵-"ویستوی الجواب بین محاذات البالغة وبین محاذاة المراهقة التی تعقل الصلاة فی حق فساد الرجل استحسانا" (بدائع ۱/۲۳۹)۔

۲۶-"وفرقوا فی المضاجع، أی فی المراقد وذلک، لأنهم إذا بلغوا إلی عشر سنین یقربون من أدنی حد البلوغ وینتشر آلاتهم، فیخاف علیهم الفساد" (شرح سنن ابی داؤد لبدر الدین العینی ۲/۲۱۵) (ماخوذ از مقالہ: جمیل اختر جلیلی)۔

۲۷-"وقد نص الامام احمد رحمة الله علی أن الصبی لا یکون محرما للمرأة حتی یحتلم" (المغنی ۵/۳۴)۔

۲۸-"اتفق الفقهاء علی وجوب حجب عورة المرأة والرجل البالغین بسترها عن نظر الغیر الذی لا یحل له النظر إلیها، وعورة المرأة التی یجب علیها حجبها عن الأجنبی هی فی الجملة جمیع جسدها عدا الوجه والکفین، وقول النبی ﷺ یا أسماء أبی المرأة إذا بلغت المحیض لم تصلح أن یری منها، إلا هذا وهذا، وأشار إلی وجهه وکفیه" (الموسوعة ۱۷/۶) (ماخوذ از مقالہ تنظیم عالم قاسمی)۔

۲۹-فتاوی: مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ، فتاوی محمودیہ، کفایۃ المفتی، فتاوی عثمانی وغیرہ کی عبارتیں۔

البتہ اس سوال کے جواب میں مولانا شاہین جمالی صاحب لکھتے ہیں کہ آٹھویں کلاس تک رعایت دی جاسکتی ہے، جبکہ مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کی رائے میں ۱۲، ۱۳ سال کی عمر تک اس میں رعایت ہوسکتی ہے، اس کے بعد نہیں، مفتی محمد سلمان منصور پوری کے نزدیک مخلوط تعلیم ہرگز درست نہیں ہے علی الاطاق، یہی رائے مولانا عبد القدوس ندوی کی ہے کہ مخلوط تعلیم بغیر کسی قید کے ناجائز اور حرام ہے، "ولاتعثوا فی الأرض مفسدین" (سورۂ اعراف: ۴)، اور: "وما ادی إلی الحرام، حرام" (بدائع الصنائع ۱/۱۷۵) کے پیش نظر۔

سوال نمبر ۵—جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف—لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

ب—دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

ج—ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیوار یں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمد ورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں۔

جداگانہ نظام تعلیم کی ان صورتوں میں کون سی صورت ضروری اور کون سی صورت جائز ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں شق الف، اور ب میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، جائز ہے، اور بہتر صورت پہلی ہے کہ بلڈنگ دونوں کی الگ ہو، دوسری صورت بھی جائز ہے، مگر اس سے کم درجہ میں، البتہ تیسری صورت جس میں بلڈنگ بھی ایک اور کلاس روم بھی ایک، تاہم درمیان میں پردہ حائل ہو، اس شق میں مقالہ نگاران کی دورائیں ہیں: نمبر ایک بدرجہ مجبوری جواز و گنجائش، اور نمبر دو اختلاط کے فتنہ کے سبب عدم جواز اور احتیاط۔

سوال نمبر ۵ کا پہلا موقف (جواز کی گنجائش بدرجہ مجبوری):

مجوزین:

جن حضرات نے وسائل کی قلت اور مجبوری میں تیسری شکل اختیار کرنے کی احتیاطی تدابیر کے ساتھ اجازت دی ہے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی عبد المنان قاسمی، مولانا اکرم قاسمی ناگدا، مفتی عبد التواب اناوی، مولانا محمد عباس بن یوسف، مفتی محمد عثمان بستوی گورینی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن مدنی عمری، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد معین الدین ندوی ممبئی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مفتی محمد ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مفتی حافظ صادق محی الدین، مولانا محمد طیب ندوی، مفتی ابوبکر قاسمی۔

دلائل:

مذکورہ حضرات مجوزین نے مندرجہ ذیل دلائل اپنے موقف کی تائید میں دیئے ہیں:

۱-''**فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا وأطيعوا**'' (سورۂ تغابن:۱۶)۔

۲-''**وإذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب ذلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن**'' (سورہ احزاب:۵۳)۔

۳-''**عن النبی ﷺ: خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها، وخير صفوف النساء أخرها، وشرها أولها**'' (مسلم کتاب الصلاۃ)۔

۴-''**عن أم سلمة قالت: كان رسول الله ﷺ: إذا سلم قال: النساء حين يقضى تسليمه، ويمكث هو في مقامه يسيرا، قبل أن يقوم، قال: نرى والله أعلم لكى تنصرف النساء قبل أن يدركهن من الرجال**'' (بخاری ۱/ ۱۲۰، باب صلوۃ النساء خلف الرجال) (دیکھئے مقالہ: مفتی محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۵-"الضرورات تبيح المحظورات"(الاشباہ والنظائر)۔

۶-"لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف"(الاشباہ/۹۶،دارالجیل)۔

۷-"ويجب تعلم النساء مع مراعاة آداب أمر الشارع"(موسوعہ فقہیہ)۔

۸-"(قوله: أو بحائل)قال فى القنية: مسكن رجل فى بيت من دار وامرأة فى بيت آخر منها، ولكل واحد غلق على حدة، لكن باب الدار واحد لا يكره مالم يجمعهما بيت، ورمز له ثلاثة رموز، ثم رمز إلى كتاب آخر هى خلوة فلا تحل"(شامی ۵/۲۶۰،کتاب الحظر)(دیکھئے:مقالہ مفتی راشد حسین ندوی)۔

۹-"ينهى أن يمشى الرجل بين المرأتين"(مشکوۃ/۹۵۵)،"لما كان الرجال يهيجهم النظر إلى النساء على عشقهن والتوجه بهن، ويفعل بهن ويفعل بالنساء، مثل ذلک ،وكان كثيرا ما يكون ذلک سببا، لايبتغى قضاء الشهوة منهن غير السنة الراشدة كاتباع من هى فى عصمة غيره......اقتضت الحكمة أن يسدد هذا الباب"(حجۃ اللہ البالغہ مبحث فماذکر العورات،مکتبہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۲۵)۔

۱۰-"قال النووى رحمه الله تعالى: لا تمنع المساجد لكن بشروط ذكرها العلماء ماخوذة من الأحاديث، وهو أن لا تكون متطيبة ولا متزينة ولا ذات خلاخل يسمع صوتها ولا ثياب فاخرة، ولا مختلطة بالرجال ولا شابة ونحوها ممن يفتتن بها، وأن لا يكون فى الطريق ما يخاف به مفسدة ونحوها" (مسلم مع شرحہ ۱/۱۸۳)۔

۱۱-"والمرأة فى جميع ذلک كالرجل؛ لأنها مخاطبة كالرجال غير أنها لا تكشف رأسها؛ لأنها عورة، وتكشف وجهها لقوله عليه السلام: إحرام المرأة فى وجهها ولو سدلت شيئا على وجهها وجافته عنه جاز، هكذا روى عن عائشةؓ ولأنه بمنزلة الاستظلال بالمحمل ولا ترقع صوتها بالتلبية ولا ترسل ولا تسعى بين المسلين؛ لأنه مخل بستر العورة ولا تستلم الحجر إذا كان هناک جمع؛ لأنها ممنوعة عن مماسة الرجال، إلا أن تجد الموضع خاليا" (ہدایہ/۲۲۵،کتاب الحج)(ماخوذ از مقالہ:مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۱۲-فتاوی کتاب الفتاوی(۱/۴۲۵)،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب۔

قیودات:

مذکورہ حضرات مجوزین میں سے مندرجہ ذیل حضرات نے جواز کے ساتھ کچھ قیودات کا بھی اضافہ کیا ہے،چنانچہ:

-مولانا محمد اخلاق قاسمی ''کتاب الفتاوی'' کے فتوے سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''بشرطیکہ تنہائی اور خلوت کی نوبت نہ آئے''۔

-مولانا محمد صابر حسین ندوی کہتے ہیں:لیکن یہ صورت مقناطیس سے لوہے کو قریب رکھ کر تماشہ دیکھنے کے مترادف ہے،خواہ

یہ جائز ہے، لیکن بہی خواں بخوبی جانتے ہیں کہ یہ صورت مفاسد سے خالی نہیں ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کو اصل نہ بناتے ہوئے مذکورہ دوصورتوں کو ترجیح دی جائے۔

-مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کہتے ہیں: ''جب پہلی صورت پر عمل ناممکن ہو تب اس کی گنجائش ہے''۔

- ڈاکٹر سعود عالم قاسمی کہتے ہیں: ''اس کے ساتھ کلاس ختم ہونے کے بعد طلبہ اور طالبات کے آمد ورفت کی نگرانی زیادہ ضروری ہے''۔

-مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں: ''جائز ہے، مگر استاذ کا پردہ کے پیچھے ہونا ضروری ہے، نیز دونوں کے درمیان ایسا دبیز پردہ حائل ہو جس کی وجہ سے نہ تو اختلاط ہوتا ہو، نہ نظر سے نظر دوچار ہوتی ہو''۔

-مفتی محمد اشرف گونڈوی قاسمی کہتے ہیں کہ اس کی اجازت اس وقت ہوگی جب طالبات زیب وزینت اور تعطر سے اجتناب کریں۔

-مولانا جمیل اختر جلیلی کہتے ہیں: ''یہ اجازت بھی صرف سات آٹھ سال کے بچوں کے لئے رہے۔

-مولانا عبید اللہ ندوی کہتے ہیں کہ: ''حفاظت کے پختہ انتظامات ہونے چاہئیں''، اور یہی بات مفتی حافظ صادق محی الدین نے والدین اور انتظامیہ دونوں کے لئے حفاظتی انتظامات کی تاکید کی شکل میں کہی ہے۔

سوال نمبر ۵ - دوسرا موقف عدم جواز:

اس سوال کے جواب میں دوسرا موقف بالکلیہ عدم جواز کا ہے ان حضرات مانعین کا خیال یہ ہے کہ محض وسائل کی کمی کوئی عذر نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے اختلاط ومردوزن کی شرعی ممانعت کے حدود کو نہیں توڑا جاسکتا، اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، محض دونوں کے درمیان پردہ حائل کرنا اور نشست گاہوں کو آگے یا پیچھے کر اختلاط سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس کا فقدان ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ بھی مخلوط تعلیم ہی کی ایک شکل ہے، ان حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا ندیم احمد انصاری، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی صفوان احمد حلیمی، مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی عبدالمصور خان ندوی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، ڈاکٹر مفتی محمد شاجہاں ندوی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد عثمان قاسمی (چوکیہ، جونپور)، جبکہ مفتی اعجاز الحسن باندے، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبدالحمید قاسمی، مولانا ریاض ارمان القاسمی، مولانا عبدالقدوس ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی محمد سلمان منصور پوری۔

دلائل:

دوسرے موقف کے حاملین نے مندرجہ ذیل وہ دلائل نقل کئے ہیں جن میں اختلاط مردوزن کی ممانعت آئی ہے، مثلاً:

۱-"وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى" (سورۂ احزاب:۳۳)۔

۲-"فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا واطيعوا"(سورۂ تغابن:۱۶)۔

۳-"عن أبي أسيد الأنصارى أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: وهو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فى الطريق، فقال للنساء: أستأخرن، فإنه ليس لكن أن تحقق الطريق عليكن بحافات الطريق، فكانت المرأة تلصق بالجدار، حتى أن ثوبها ليتعلق بالجدار"(ابوداؤد، بیہقی شعب الایمان، مشکوۃ/۴۱۵)۔

۴-"وعن ابن عمر عن النبى ﷺ نهى أن يمشى، يعنى الرجل بين المرأتين"(ابوداؤد ، مشکوۃ/۴۰۵)۔

۵-"المرأة تقبل فى صورة شيطان وتدبر فى صورة شيطان"(مشکوۃ/۲۶۸)۔

۶-"قالت النساء للنبى ﷺ: علينا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسك، فوعدهن يوما لقيهن فيه فوعظهن وأمرهن فكان فيما قال لهن:ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجابا من النار، فقالت امرأة: واثنتين؟فقال:واثنتين"(بخاری کتاب العلم)(دیکھئے:مقالہ عبیداللہ ندوی)۔

۷-"من قعدت منكن فى بيتها، فإنها تدرك عمل المجاهدين فى سبيل الله "(مجمع الزوائد ۴/ ۳۰۴)۔

۸-"لا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم" (ابوداؤد،حدیث نمبر ۲۷۳۳)(مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۹-حضرت فضل والا واقعہ:"فجعل رسول الله ﷺ يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر"(بخاری حدیث نمبر ۱۵۱۳)،اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی صاحب نے ڈاکٹر سعود محمد کی کتاب" مفهوم الاختلاط" سے مغربی معاشرے کے مزید اور اخلاقی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے(دیکھئے:موصوف کا مقالہ)۔

۱۰-"فزنا العين النظر"(بخاری حدیث نمبر:۶۲۴۳)۔

۱۱-"لو تعلمت النساء قرآنا من الأعمى هل فيه ضرر؟ الاستبشار، نعم، يكره، كما فى القنية ناقلا عن القاضى عبدالجبار؛ لأن تعلم النساء من الرجال، وإن كان أعمى واجتماعهن معه مقام الفتنة على أن نظر النساء على الرجال، وإن كانوا عميانا ايضاً يكره"(نفع المفتی والسائل/ ۲۳،فتاوی قاسمیہ ۴/ ۴۰۳)۔

۱۲-"ولا يؤذن بالخروج إلى المجلس الذى يجتمع فيه الرجال والنساء، وفيه المنكرات" (البزازیۃ علی ہامش الہندیہ ۴/ ۱۵۷)۔

۱۳-"ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما فى ذلك استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم"(شامی ۱/ ۴۰۶،باب شروط الصلاۃ فی ستر العورۃ)(ماخوذ از مقالہ:مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۱۴-"ولا يفضى إلى اختلاطها بهم، لأن تمكين النساء من اختلاطهن بالرجال أصل كل بلية وشر، وهو من أعظم أسباب نزول العقوبات العامة، والخاصة، واختلاط الرجال بالنساء سبب لكثرة الفواحش والزنا" (الموسوعة الفقهية ۱۹/۱۰۸) (دیکھئے مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۱۵-"ذرأ المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا" (الاشباہ ۱/۱۴۷)۔

۱۶-"فإنه إذا بلغوا الحلم" (جامع البیان ۷/۵۷۵)۔

قیودات:

-مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری نے ممانعت کی وجہ سد اللذ ریعہ کو قرار دیا ہے۔

-ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی نے جواز والی صورت میں اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ دیوار اتنی لمبی ہونی چاہئے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے قریب ہونے کا موقع نہ ملے۔

-حافظ کلیم اللہ عمری کہتے ہیں کہ پہلی صورت پر عمل آسان ہے۔

-مولانا محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور) کہتے ہیں بچنا مناسب ہے۔

سوال نمبر ۶ —ان اسکولوں میں داخلے کے لئے ایک خاص عمر بھی لازم کردی گئی ہے، مثلاً نرسری میں صرف وہ بچہ داخل ہوگا جو چار سال سے کم عمر کا ہے، اب اگر کوئی بچہ عمر کی اس حد کوپار کرچکا ہے تو سرپرست ایسے بچے کی عمر کم کرکے لکھواتے ہیں اور والدین جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ بچہ صرف تین سال کا ہے، پھر ساری عمر اس کی یہی غلط تاریخ پیدائش ہر جگہ درج ہوتی رہتی ہے۔

اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟ کیا عمر کا یہ غلط اندراج کرانا درست نہیں ہوگا؟ اسکول والوں کی طرف سے اس شرط کو ناواجبی مان کر ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کے دو موقف سامنے آئے ہیں:

پہلا موقف-(عدم جواز):

کذب بیانی، جھوٹ اور دھوکہ کی کتاب وسنت میں سخت ممانعت وارد ہوئی ہے، اس لئے اسے اختیار کرنا اور اپنے بچوں کے اسکول اور تعلیمی اداروں میں داخلہ کے لئے کذب بیانی پر مبنی حلف نامہ بنوانا اور داخل کرانا جائز نہیں ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران نے اختیار کیا ہے:

مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی عبدالمصور خان ندوی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا، مفتی صفوان احمد حلیمی قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی حافظ صادق محی الدین، مفتی محمد مقصود فرقانی، مفتی ظفر عالم ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبدالمنان قاسمی، مولانا محمد شفیق عبدالشکور فلاحی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی نذیر احمد کشمیری۔

دلائل:

مذکورہ حضرات مانعین نے مندرجہ ذیل کتاب وسنت سے دلائل دیئے اور فقہاء کی عبارتیں نقل کی ہیں:

۱-"والذين لا يشهدون الزور" (الفرقان:۷۲)۔

۲-"يأ يها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين"(سورۂ توبہ:۱۱۹)۔

۳-"يأ يها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول، وتخونوا آماناتكم" (سورۂ انفال:۲۷)۔

۴-"إن الله لا يهدى من هو مسرف كذاب" (سورۂ مومن:۲۸)۔

۵-"يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا" (سورۂ احزاب:۷۰)۔

۶-"واجتنبوا قول الزور"(سورۂ حج:۳۰)۔

۷-"لعنة الله على الكاذبين"(سورۂ آل عمران:۶۱)۔

۸-"ما يلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد" (سورۂ ق:۱۸)(دیکھئے: مذکورہ دلائل کے لئے مقالہ: مفتی حیدر علی قاسمی)۔

۹-"إلا من شهد بالحق وهم يعلمون" (زخرف:۸۶)۔

۱۰-"المسلم أخوالمسلم لا يخونه" (ترمذی ۲/۱۴)۔

۱۱-"آية المنافق ثلاث:إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أتمن خان"(بخاری حدیث نمبر:۶۰۹۵)۔

۱۲-"كبرت خيانة أن تحدث أخاک حديثا، وهو لک به مصدق وأنت له به كاذب"(ابوداؤد: ۴۹۷۱)۔

۱۳-"فی الكبائر قال: الشرک بالله، وعقوق الوالدين، وقتل الشخص، وقول الزور"(مسلم:۸۸) (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد شفیق عبدالشکور فلاحی)۔

۱۴-"قيل لرسول الله ﷺ: أيكون المؤمن جبانا؟ فقال: نعم، فقيل له: أيكون المؤمن كذابا؟ فقال: لا"(شعب الایمان للبیہقی ۴۵۶/۶، حدیث نمبر ۴۴۷۲)۔

۱۵-"إذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن ما جاء به"(ترمذی حدیث نمبر:۱۹۷۲، باب ماجاء فی الصدق والکذب)(دیکھئے: مقالہ حافظ صادق محی الدین)۔

۱۶-"نهى النبي ﷺ عن النجش"(بخاری حدیث نمبر:۲۱۴۲)۔

۱۷-"قال رسول الله ﷺ: من غش فليس منا"(ترمذی حدیث نمبر:۱۳۵)۔

۱۸-"قال الطحاوی وغيره: وهو محمول على المعاريض؛ لأن عين الكذب حرام، قلت: وهو الحق......ويؤيده ماورد عن على و عمران بن حصين وغيرهما أن فى المعاريض لمندوحة عن الكذب، وهو حديث حسن له حكم الرفع"(شامی ۳۰۳/۵)۔

۱۹-"عليكم بالصدق، فإن الصدق يهدى إلى البر، وإن البر يهدى إلى الجنة، وما يزال الرجل يصدق وتجرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا، وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى الى النار، وما يزال الرجل بكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا"(مسلم باب قبح الکذب وحسن الصدق وفضلہ حدیث نمبر:۲۶۰۷)(دیکھئے مقالہ: قاضی عبدالجلیل قاسمی)۔

۲۰-"والوسائل هى التى توصل إلى المقاصد، محكمها حكم مقاصدها، إذا كانت لا يوصل إليها إلا بها، فالوسيلة للواجب واجبة كالسعى إلى صلاة الجمعة، والوسيلة إلى الحرام حرام، وكذلك سائر الأحكام"(تقریب الوصول إلی علم الاصول ۱۷۵/۱)(دیکھئے: مقالہ مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۲۱-"لأن عين الكذب حرام"(ردالمحتار ۲۲۴/۵)۔

متفرق آراء:

-مانعین میں مولانا سلیم الدین قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اسکول کی طرف سے اس طرح کی واجبی شرط قابل قبول نہیں ہے۔

-قاضی عبدالجلیل قاسمی کہتے ہیں کہ جھوٹ کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کرے۔

-مفتی اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ اس ناجائز کام کی اجازت صرف اس صورت میں ہوگی، جبکہ اس کا کوئی متبادل موجود نہ ہو اور بچے کے تعلیم سے محروم رہ جانے کا خطرہ ہو، کیونکہ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، اس کے ارتکاب کی اجازت صرف اس صورت میں دی گئی ہے، جبکہ ظلم سے بچنا ہو، یا کسی جائز حق کا حاصل کرنا مقصود ہو۔

دوسرا موقف (گنجائش اور جواز):

اس سوال کے جواب میں دوسرا موقف یہ ہے کہ چونکہ تعلیم بھی بنیادی حق ہے، اور اگر یہ شکل اختیار نہیں کی جاتی تو بچے کے

تعلیم سے محروم رہ جانے کا خطرہ ہے، جو زیادہ ضرر انگیز ہے، اور یہ حق بھی ہے، اس لئے تعلیمی حق حاصل کرنے کے لئے بدرجہ مجبوری ، جبکہ اس کے بغیر کسی بھی اسکول میں بچے کا داخلہ ممکن نہ ہو تو تعریض اور کذب بیانی کے ذریعہ حلف نامہ یا کم عمر کا سرٹیفکیٹ بنوا کر بچے کو اسکول میں داخل کرنا جائز ہے، اور اس کو کذب بیانی کے زمرے میں شامل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے حق حاصل کرنے کی تدبیر سے موسوم کیا جائے گا، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبدالتواب اناوی، مولانا عبید اللہ ندوی (ماٹلی والا)، مولانا محمد طیب ندوی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ندیم احمد انصاری، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مولانا محمد معراج الدین قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محمد عباس بن یوسف، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی ابوبکر قاسمی۔

مجوزین نے عام طور سے ضرورت وحاجت کی وجہ سے ممانعت سے استثناء کا اصول اختیار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نصوص پیش کئے ہیں:

۱-"بل فعله كبيرهم هذا فسئلوهم إن كانوا ينطقون" (سورۂ انبیاء: ۶۳)۔

۲-"عن أم كلثوم رضى الله عنها أنها سمعت رسول الله ﷺ يقول: ليس الكذب الذى يصلح بين الناس وينمى خيرا أو يقول خيرا" (بخاری مع الفتح ۵/۲۹۹، مسلم ۴/۲۰۱۱)۔

۳-"لم اسمع يرخص فى شئ مما يقول الناس كذب، إلا فى ثلاث: الحرب والإصلاح بين الناس، وحديث الرجل امرأته وحديث المرأة زوجها" (مسلم ۴/۲۰۱۱)۔

۴-"الكذب حرام، إلا فى الحرب للخدعة، وفى الصلح بين الاثنين، وفى دفع الظلم عن الظالم، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام، قال فى المجتبى: وهو الحق، والمراد به التعريض، لأن عين الكذب حرام إلالحاجة" (مجمع الأنہر ۲/۵۵۲) (دیکھئے مقالہ: مولانا معراج الدین)۔

۵-"الضرورات تبيح المحظورات" (قواعد الفقہ)۔

۶-"الكذب محظور إلا فى القتال للخدعة، وفى الصلح بين اثنين وفى ارضاء الأهل، وفى دفع الظالم عن الظلم" (الفتاوی الہندیہ ۵/۳۵۲)۔

۷-"إن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالكذب ......، فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله" (شامی ۹/۶۱۲)۔

۸-"قال ابن القيم: يجوز كذب الإنسان على نفسه وغيره إذا لم يتضمن ضرر ذلك الغير إذا كان

یتوصل بالکذب إلی حقه"(زادالمعاد ۲/ ۱۴۵)۔

۹-"قال العز بن عبد السلام: والتحقیق أن الکذب یصیر ماذونا فیه ویثاب علی المصلحة التی تضمنها علی قدر رتبة تلک المصلحة من الوجوب فی حفظ الأموال والأوضاع والأرواح، ولو صدق فی هذه المواطن لأثم، أثم المتسبب إلی تحقیق هذه المفاسد، و یتفاوت بتفاوت الرتب له، ثم التسبب إلی المفاسد یتفاوت بتفاوت رتب تلک المفاسد"(قواعدالأحکام فی مصالح الانام ۱/ ۱۱۲)۔

۱۰-"قال ابن الجوزی فی "کشف المشکل" والغزالی فی "إحیاء علوم الدین": الکذب لیس حراما لعینه، بل لما فیه من الضرر"(۳/ ۱۳۷)۔

۱۱-"قال الحصکفی: الکذب مباح لإحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعریض، لأن عین الکذب حرام"(ردالمحتار ۵/ ۲۲۴)۔

۱۲-"فإن کانت مفسدة الصدق أشد، فله الکذب، وإن انعکس أو شک حرم"(شامی کتاب الحظر ۶/ ۴۲۷)(دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

۱۳-"هذا الرجل یهدینی السبیل"۔

۱۴-"هذا أختی أی اختی فی الله"۔

۱۵-"نیة تحصیص العام تصح دیانة إجماعا فلو قال: کل امرأة أتزوجها فهی طالق، ثم قال: نویت من بلد کذا، لا یصدق قضاء ا" (الدرالمختار ۵/ ۵۸۴، کتاب الایمان)۔

سوال نمبر۷—ان اسکولوں میں داخل ہونے والے بچوں کے لئے مخصوص لباس—یونیفارم—لازم ہے، اس میں بعض ادارے ٹائی کو لازم کرتے ہیں، لڑکیوں کو اسکرٹ پہننی ہوتی ہے اور لڑکوں کو نیکر پہننا ضروری قرار دیتے ہیں، اگر کوئی طالب علم شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ساتر لباس پہنے، یا کوئی طالبہ برقعہ پہننا چاہے تو اس کو خلافِ ڈسپلن کہہ کر باہر کردیاجاتا ہے، اب تو بعض اسکولوں میں اسکارف پہننے کو بھی منع کیاجاتا ہے،یہ مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں ہوتا ہے، اور غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں بھی، تو سوال یہ ہے کہ یونیفارم مقرر کرنے کے کیا اصول و ضوابط ہوں گے، جو شریعت کے مطابق بھی ہوں اور ایسے دیدہ زیب بھی ہوں کہ دوسرے اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے یونیفارم دیکھ کر اسلامی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں، نیز اگر اسکول کا انتظام

D4

مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور اسلامی اسکول موجود نہ ہوں تو مسلمان طلبہ و طالبات اور ان کے اولیاء کے لئے کیا حکم ہوگا؟

اس سوال کے بنیادی طور پر دو اجزاء ہیں:

الف- یونیوفارم کا اسلامی اصول۔

ب- اسکول کا انتظام غیر مسلم کے ہاتھ میں ہوتو اولیاء کی ذمہ داری۔

سوال کے پہلے شق، یعنی ''یونیفارم کے اصول'' کے متعلق تمام ہی مقالہ نگاران نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ بچے اور بچیوں کے یونیفارم مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل ہونے چاہئیں:

۱- مردوں کے لئے ریشم کا کپڑا نہ ہو۔

۲- جسم کے لئے دین واخلاق کو مطلوب حد تک ساتر ہو۔

۳- مرد اور عورت دونوں کا لباس یکساں نہ ہو، بلکہ الگ الگ ہو۔

۴- اس لباس سے کبر وعنانیت نہ جھلکتی ہو۔

۵- کفار سے مشابہ نہ ہو۔

۶- غیر مسلموں کے شعار میں سے نہ ہو۔

۷- ڈھیلا ڈھالا ہو۔

۸- ساتر جاذب نظر ہو جس سے طلبہ خود کو کمتر محسوس نہ کریں۔

۹- رنگ کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اسلام مخالف کسی کا شعار نہ ہو، اور مناسب ہو، بھڑکیلا رنگ نہ ہو۔

۱۰- لڑکیوں کے لئے پینٹ شرٹ نہ رکھا جائے۔

۱۱- ایسا لباس ہو جس سے جسم کا نشیب وفراز ظاہر نہ ہو۔

۱۲- ڈیزائن میں تنوع کی گنجائش ہے۔

۱۳- زعفرانی رنگ نہ ہو۔

۱۴- گہرا سرخ رنگ نہ ہو۔

۱۵- طالبات کا لباس ریشم اور شوخ رنگ کا ہوسکتا ہے۔

۱۶- لڑکوں کی پینٹ اور شلوار ٹخنے سے نیچے نہ ہو۔

۱۷- لڑکوں کا یونیفارم کفار وفساق اور زنانہ پوشاک کے مشابہ نہ ہو۔

۱۸- لڑکیوں کے یونیفارم کا رنگ برانگیختہ کرنے والا نہ ہو۔

۱۹-صلحاء اور صالحات کے مشابہ یونیفارم تجویز کیا جائے۔

۲۰-بچیوں کے سر پر ڈوپٹہ یا اسکارف یونیفارم کا حصہ ہو۔

۲۱-مردوں کے لئے ایسا رنگ نہ ہو جو شرعاً ممنوع ہو۔

۲۲-یونیفارم پر جاندار کی تصویر نہ ہو۔

۲۳-نو سال سے زائد بچیوں کے لئے برقعہ، موزے اور دستانے ہوں۔

۲۴-مسلم انتظامیہ کو ٹائی استعمال نہیں کرنا چاہئے (مفتی احسن عبد الحق) ٹائی میں عموم بلوی ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہے (مولانا محمد عثمان بستوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی اور ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی وغیرہم نے بھی ٹائی پر بحث کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے)۔

۲۵-یونیفارم ایسا ہونا چاہئے جس سے اسلامی ثقافت جھلکتی ہو۔

۲۶-ایسا باریک نہ ہو جو ستر کو نہ چھپا سکے۔

۲۷-کپڑا ایسا نہ ہو جو جلد کی رنگت کو واضح کرے۔

۲۸-یونیفارم میں صلیب یا اس طرح کی کوئی غیر مذہبی علامت نہ ہو۔

دلائل:

یونیفارم کے سلسلہ میں حضرات مقالہ نگاران نے مندرجہ ذیل دلائل سے استشہاد کیا ہے:

۱-"**یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا، ولباس التقوی ذلک خیر من آیات الله لعلهم یذکرون**" (سورۂ اعراف:۲۶)۔

۲-"**ولا یبدین زینتهن إلا ما ظهر منها، ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن**" (سورۂ نور:۳۱)۔

۳-"**وأما بنعمة ربک فحدث**" (سورۂ ضحیٰ:۱۱)۔

۴-"**عن علیؓ أن رسول الله ﷺ قال له: یا علی لا تبرز فخذک، ولا تنظر إلی فخذحی ولا میت**" (رواہ ابوداؤد، مشکاۃ ۲/۲۶۹، باب النظر الی المخطوبۃ)۔

۵-"**قال النبی ﷺ: کلوا واشربوا وألبسوا وتصدقوا من غیر إسراف ولا مخیلة**" (بخاری ۳/۸۶۰)۔

۶-"**عن عبد الله بن عمر أخبره أنه رأی رسول الله ﷺ وعلیه ثوبان معصفران فقال: هذه ثیاب الکفار، فلا تلبسهما**" (نسائی ۲/۲۹۷)۔

۷-"**من تشبه بقوم فهو منهم**"، "**أی من تشبه بالکفار مثلا فی اللباس وغیره، أو بالفساق و الفجار فهو منهم، أی فی الإثم والخیر**" (مرقاۃ شرح مشکاۃ ۴/۴۳۱، کتاب اللباس)۔

۸-”الکبیرة التاسعة بعد المأة: تشبه الرجال بالنساء فیما تختص به عرفا غالبا من لباس، لعن رسول الله ﷺ الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل“(*الزواجر ۱/۱۵۵*)۔

۹-”عن ابن عباس قال: لعن النبی ﷺ المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال“(*بخاری ۲/۸۷۴*)۔

۱۰-”لا ینظر الله علی من جرثوبه خیلاء“ (*بخاری ۲/۸۶۰*)۔

۱۱-”لاتلبسوا من الثیاب شیئا مسه زعفران ولا الورس“ (*حوالہ سابق ۲/۸۶۳*)۔

۱۲-”ما أسفل من الکعبین من الإزار ففی النار“(*حوالہ سابق ۲/۸۶۱*)۔

۱۳-”نهانا النبی ﷺ عن لبس الحریر والدیباج وأن نجلس علیه“(*حوالہ بالا ۲/۸۶۸*)۔

۱۴-”نهی رسول الله ﷺ عن لبستین واللبستین اشتمال الصماء والصماء أن یجعل ثوبه علی أحد عا تقیه، فیبدوا أحد شقیه لیس علیه ثوب، واللبسة الأخری احتباء ه بثوبه وهو جالس لیس علی فرجه منه شئ“(*بخاری ۲/۸۶۵*)(*ماخوذ از مقالہ: مفتی سعید الرحمٰن قاسمی*)۔

۱۵-”قال علی: الحمدلله الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل به فی الناس أواری به عوراتی“ (*معارف القرآن ۶/۴۱۳*)۔

۱۶-”قال ﷺ: ألبسوا من ثیابکم البیاض، فإنها أطهروأ طیب“(*نسائی ۲/۲۹۷*)۔

۱۷-”عن عمر بن شعیب عن أبیه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: ”إن الله یحب أن یری أثر نعمة علی عبده“، یعنی إذا أتی الله عبدا من عباده نعمة من نعم الدنیا فلیظهرها من نفسه، بأن یلبس لباسا یلیق بحاله لإظهار نعمة الله علیه“(*مرقاۃ شرح مشکاۃ کتاب اللباس فصل ثانی ۴/۴۳۱*)۔

۱۸-”عن انس قال: قال رسول الله ﷺ: من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الأخرة“(*مسلم ۲/۱۹۲*)۔

۱۹-”نساء کاسیات عاریات ممیلات، مائلات روسهن کاسمة النخت المائلة لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها“(*مسلم ۲/۲۱۲۸*)۔

۲۰-”الحیاء شعبة من الإیمان“(*مسلم حدیث نمبر: ۱۵۲۱*)۔

۲۱-”عن حذیفةؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لا تلبسوا الدیباج والحریر“ (*مسلم ۲/۱۸۹*)۔

۲۲-”إن اللباس الذی یتشبه له الإنسان بأقوام کفرة لا یجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلک التشبه بهم“(*تکملہ فتح الملہم ۴/۸۸ کتاب اللباس*)۔

۲۳-"فکل لباس ینکشف معه جزء من عورة الرجل، والمرأة لا تقره الشریعة الإسلامیة مهما کان جمیلا أو موافقا لدور اللأزیاء، وکذلک اللباس الرقیق أو الاصق بالجسم الذی یحکی للناظر شکل حصة من الجسم الذی یجب ستره، فهو فی حکم ما سبق فی الحرمة وعدم الجواز"(تکملہ فتح الملہم ۴/ ۸۸)(مذکورہ دلائل اور عبارتوں کے لئے دیکھئے مقالہ: مولانا معراج الدین کشمیر)۔

۲۴-"قال رسول الله ﷺ: من تلبس بمالم یعط کان کلا بس ثوبی زور، اعلم أن الکسوة منها فرض، کما فی النتف بین النفیس والخسیس إذ خیر الأمور أوسطها، وللنهی عن الشهرتین وهو ما کان فی نهایة النفاسة والخسأة "(ردالمختار ۶/ ۳۴۱)۔

۲۵-"ینبغی أن یکون الإزار فوق الکعبین إلی نصف الساق، وهذا فی حق الرجال، وأما النساء فیرخین إزارهن أسفل من إزار الرجال یستر ظهر قدمهن"(الفتاوی الہندیہ ۵/ ۳۳۳ کتاب الکراہیہ)(مذکورہ دلائل مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور کے مقالہ سے ماخوذ ہیں)۔

سوال نمبر ۷ رشق (ب) کے جواب میں مقالہ نگاران کے دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان:

پہلا رجحان یہ ہے کہ ایسے اسکول میں بچوں کو داخل نہیں کرایا جائے گا، بلکہ فاصلاتی نظام تعلیم سے استفادہ کیا جائے گا، یا گھر میں کوئی نظم تعلیم کا والدین اور اولیاء کریں گے، مگر بچوں کے دین وایمان اور اخلاق کو بربادی کی بھینٹ نہیں چڑھایا جائے گا، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی راشد حسین ندوی، مفتی ظفر عالم ندوی، مفتی محمد اشرف گونڈوی قاسمی، مولانا محمد معراج الدین، حافظ صادق محی الدین حیدرآباد، مفتی صفوان احمد حلیمی قاسمی، مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی اور مولانا محمد اخلاق قاسمی۔

دلائل:

مذکورہ حضرات نے عدم جواز کا موقف اختیار کرنے کے لئے انہیں نصوص کو بنیاد بنایا ہے جو شق (الف) کے تحت ذکر گئے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی دلائل ذکر کئے ہیں، مثلاً:

۱-"یا بنی آدم لا یفتنکم الشیطان کما أخرج أبویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوأتهما"(سورۂ انعام:)۔

۲-"یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا، ولباس التقوی ذلک خیر"(سورۂ اعراف:۲۶)۔

۳-"ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى" (سورۂ احزاب:۳۳)۔

۴-"وجاهدوا فی الله حق جهاده هو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج"(سورۂ حج:۷۸)۔

۵-"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" (مشکوۃ کتاب الامارۃ ۳۲۱/۲)(دیکھئے مقالہ:مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور،مولانا معراج الدین کشمیر)۔

۶-"وتمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال، لأنه عورة، بل لخوف الفتنة أی الفجوربها......أو الشهوة والمعنى تمنع من الکشف لخوف أن یری الرجال وجهها فتقع الفتنة"(شامی ۷۹/۲ کتاب الصلاۃ)(دیکھئے مقالہ:مولانا معین الدین ندوی قاسمی)۔

۸-کتاب الفتاوی(۶/ ۹۵)،فتاوی محمودیہ وغیرہ سے اردو فتاوی بھی بعض مقالہ نگاران نے نقل کئے ہیں،بخوف طوالت یہاں صرف نظر کیا جاتا ہے۔

دوسرا رجحان (بدرجہ مجبوری گنجائش):

سوال نمبر ۷ کی شق (ب) میں دوسرا رجحان یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا اسکول نہ ہو جو مسلمان انتظامیہ کے تحت ہو اور نہ ہی کوئی دوسرا ایسا اسکول ہو جس میں لباس و یونیفارم کے تئیں نرمی برتی جاتی ہو تو چونکہ تعلیم بھی بچوں کا حق اور ضروری ہے، اس لئے بدرجہ مجبوری اور بہ قدر ضرورت اس اسکول میں بچے کو داخل کرنے کی گنجائش ہوگی، البتہ والدین ان کی تربیت اور دینی ذہن سازی کا مکمل خیال رکھیں، اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے متبادل کی تلاش جاری رکھیں، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے اور بعض شرائط بھی عائد کی ہیں:

ڈاکٹر محمد مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی عبد التواب اناوی، مفتی عبد المنان قاسمی (آسام)، مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور فلاحی۔

دلائل:

مذکورہ حضرات نے گنجائش کی راہ نکالتے ہوئے مندرجہ ذیل دلائل نقل کئے ہیں:

۱-"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"(سورۂ حج:۷۸)۔

۲-"إنه من یتق ویصبر فإن الله لا یضیع أجر المحسنین" (سورۂ یوسف:۹)۔

۳-"ومن یتق الله یجعل له من أمره یسرا"(سورہ الطلاق:۴)۔

۴-"لا یکلف الله نفسا إلا وسعها" (سورۂ بقرہ:۲۸۶)(مذکورہ دلائل کے لئے دیکھئے: مقالات ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی باقر ارشد قاسمی)۔

۵-"الضرورات تبیح المحظورات، ومن له جاز أکل المیتة عند المخمصة، جازله اساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بکلمة الکفر للإکراه"(الاشباہ۱/۱۱۸)۔

۶-"إن الصبی ینبغی أن یؤمر بجمیع المامورات، وینهی عن جمیع المنهیات"(ردالمحتار۱/۵)۔

۷-"وما أبیح للضرورة یقدر بقدرها"(الاشباہ۱/۱۱۹)۔

۸-"وما نحل والد ولدا من نحل أفضل من آدب حسن"(ترمذی کتاب البروالصلہ حدیث نمبر ۱۹۵۹)۔

قیودات وشرائط:

☆واضح رہے کہ حضرات مجوزین نے ان اسکولوں میں کڑوا گھونٹ پی کر تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اپنے بچوں اور بالغ بچیوں کو داخل کرنے اور پڑھانے کی اجازت اس وقت دی ہے، جبکہ بچیوں کی عزت وآبرو اور دین وایمان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، اور تحفظ کا یقین ہو(دیکھئے مقالہ: مفتی ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

☆مفتی باقر ارشد قاسمی نے یہ اجازت بھی کراہت کی قید کے ساتھ دی ہے۔

☆مفتی عبد التواب اناوی کہتے ہیں کہ اگر مجبوری ہو تو گھر سے دوسرا ساتر لباس پہن کر جائیں اور اسکول میں تبدیل کرلیں۔

☆مفتی حیدر علی قاسمی کہتے ہیں کہ اس طرح کا یونیفارم پہنا کر اسکول جانے دیں، البتہ ان کو گھر میں اسلامی لباس پہنانے کا عادی بنائیں۔

☆بہت سے مقالہ نگاران نے جواز کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ پہلے انتظامیہ سے بات کی جائے اور ہندوستان کے جمہوری قانون کی روشنی میں مسلم بچوں کو ان امور سے مستثنی کئے جانے اور ساتر لباس اختیار کرنے کی مذہبی آزادی کے پیش نظر اجازت دینے کی مقدور بھر کوشش کی جائے، ناکامی کے بعد ہی اس کی اجازت ہے، مگر کوشش جاری رکھی جائے، ان خیالات کا اظہار مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی وغیرہم نے بطور خاص کیا ہے۔

☆مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی نے اس سلسلہ میں صرف یہ کہنے پر اکتفاء کیا ہے کہ گھر کا اسلامی ماحول بنائیں۔

☆مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبد المصور خاں ندوی نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر متبادل اسکول نہ ہو تو گھر ہی میں بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

☆مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی کا خیال ہے کہ مسلمان اپنا اسکول بنائیں۔

☆مفتی محمد عثمان بستوی نے گنجائش اور مجبوری کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے: "عریاں لباس پہننا شرعاً حرام ہے، بغیر شرعی

ضرورت اور مجبوری کے عریاں لباس میں اجنبی مرد وعورت کے سامنے ہونا جائز نہیں، لہٰذا ذمہ داروں اور اولیاء کو اس لباس میں بھیجنے کی اجازت نہ ہوگی، البتہ مجبوری کے احکام جداگانہ ہوتے ہیں، "فإن ماحرم لبسه حرم إلباسه" (شامی ۹/ ۵۲۲)۔

جبکہ مولانا عبدالحمید قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد طیب ندوی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی نے اس مسئلہ پر کوئی رائے نہیں دی ہے، خاموشی اختیار کی ہے، اور مولانا محی الدین غازی نے صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کیا ہے کہ اس میدان میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے (تفصیل اور قیودات وشرائط کے لئے دیکھئے: مذکورہ حضرات کے مقالات)۔

☆ قاری ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی نے اس مسئلہ میں اتنی وسعت دی ہے کہ: صبی ممیّز ومشتہاۃ صبیہ کی عمر تک پہنچنے سے قبل قبل نیکر اور اسکرٹ کی گنجائش ملنی چاہئے۔

سوال نمبر۸–ان اسکولی طلباء سے داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس، امتحان فیس وغیرہ کے نام سے مختلف فیسیں لی جاتی ہیں اور داخلہ فیس کی مقدار بعض اوقات بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ رقم تعمیر، اسٹیشنری، تزئین کاری اور جدید وسائل مثلاً کمپیوٹر لیب وغیرہ خریدنے میں بھی صرف ہوا کرتی ہے، داخلہ فیس دینے والا فیس دے کر محدود عرصہ تک اس سے مستفید ہوتا ہے پھر وہ اسکول سے چلاجاتا ہے، فیس کی بڑھتی ہوئی اس مقدار نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا مشکل سے مشکل تر کردیا ہے، توکیا تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنا لینا جائز ہے؟ نیز ان میں بعض اسکول تو شخصی ہوتے ہیں اور بعض تعلیمی اور رفاہی اداروں کے تحت چلتے ہیں؛ لیکن ا ن سے حاصل ہونے والے پیسوں سے غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کووسعت دینے اور خوب صورت بنانے میں خرچ کردیاجاتا ہے، اسلام اس کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ تعلیم جو ایک مقدس عمل ہے اس کو نفع بخش تجارت بنادینا اور کمرشیلائز کردینا جائز نہیں ہے، البتہ تعلیم کا معاملہ بھی چونکہ اجارہ کا ہے، اس لئے فیس وصول کرنا اور طے شدہ فیس بچوں کے والدین کا ادا کرنا بھی جائز ہے، اور جواز میں کوئی شبہ نہیں، تاہم فیس اتنی وصول نہ کی جائے جو انسانی خدمت کے سراسر منافی ہو اور متوسط اور غریب والدین کے بچے اس فیس کی گرانباری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جائیں، اس لئے مقالہ نگاران نے اس سلسلہ میں یہ عندیہ بھی نقل کیا ہے کہ تعلیمی نظام کو درست رکھنے کے لئے حکومت جس طرح کھانے پینے کی اشیاء پر قیمت کے تعین (تسعیر) سے کام لیتی ہے، اسی طرح پرائیویٹ اداروں کے لئے بھی فیس کی حد مقرر کرے، یا پھر تعلیمی فیس بقدر ضرورت لی جائے۔

سوال کی دوسری شق جس میں اسکول کو حاصل ہونے والی رقوم جو بجائے تعلیمی امور پر خرچ کئے جانے کے بلڈنگ اور اس کی تزئین کاری پر خرچ کی جاتی ہے، اس کے بارے میں بھی اتفاقی طور پر یہ اظہار خیال کیا ہے کہ یہ اگر ضرورت کی حد میں ہے تو درست ہے، ورنہ یہ فضول خرچی ہے اور ناجائز ہے، اور قوم کی امانت میں خیانت کرنے کے مترادف، اور "**إنفاق المال فی غیر حقه**" (مستدرک حاکم حدیث نمبر: ۳۳۷۵) کے زمرے میں شامل ہے۔

دلائل واستیناس:

۱-"**یا یها الذین آمنوا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل**" (سورۂ نساء: ۲۹)۔

۲-"**یا یها الذین آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتکم وأنتم تعلمون**" (سورۂ انفال: ۲۷)۔

۳-"**إن المبذرین کانوا إخوان الشیاطین**" (سورۂ: اسراء: ۲۷) (مذکورہ دلائل کے لئے دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی وغیرہم)۔

۴-"**أتبنون بکل ریع آیة تعبثون، وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون، وإذا بطشتم بطشتم جبارین**" (سورۂ شعراء: ۱۲۸-۱۳۰)۔

۵-"**إلی أنزلت نفسی من مال الله منزلة مال الیتیم،إن استغنیت عنه استعففت وإن افتقرت أکلت بالمعروف**" (مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر: ۳۳۵۸۵، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی حدیث نمبر: ۴۱۹۱)۔

۶-"**یا عبادی إنی حرمت الظلم علی نفسی، وجعلته بینکم محرما، فلا تظالموا**" (مسلم حدیث نمبر: ۲۵۷۷) (ماخوذ از مقالہ: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

۷-"**ما أمرت بتشیید المساجد**" (ابوداؤد: ۴۴۸)۔

۸-"**عن أبی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: کل سلامی من الناس علیه صدقة...... ویعین الرجل علی دابته فیحمل علیها أو یرفع علیها متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة**" (حدیث)۔

۹-"**عن النبی ﷺ قال: ما أنفق مؤمن من نفقته إلا أجرفیها إلا نفقته فی هذا التراب**" (رواہ الترمذی مشکاۃ مع المرقاۃ ۹/۳۷۷)۔

۱۰-"**قال رسول الله ﷺ: النفقة کلها فی سبیل الله إلا البناء فلا خیرفیه، قال علی القاری: لوقوع الإسراف، وإن الله لا یحب المسرفین**" (مشکاۃ مع المرقاۃ ۹/۳۷۷)۔

۱۱-"**وفی روایة طویلة: قال رسول الله ﷺ: أما إن کل بناء وبال علی صاحبه إلا مالا،الا مالا، یعنی مالا بدمنه**" (رواہ، ابوداؤد مشکوۃ مع المرقاۃ ۹/۳۷۹)۔

۱۲-"وقال رسول الله ﷺ: كل بناء و بال على صاحبه يوم القيامة إلا مسجدا" (مشکوۃ مع المرقاۃ ۹/ ۳۷۹)۔

۱۳-"قال في الهداية: بعض مشائخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى فى الأمور الدينية ففى الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى"(ردالمحتار مع الدر ۹/ ۶۶۰)۔

۱۴-"وفى المحيط البرهاني: أما أجرة المعلم منقول لا بأس بها فى زماننا، وحكى عن الامام أبى الليث أنه كان يقول: كنت أفتى أنه لا يحل للمعلم أخذ الأجر على تعليم القرآن، وكنت أفتى أنه لا ينبغى للعالم أن يدخل على السلطان، وكنت أفتى أن لا ينبغى لصاحب العلم أن يخرج إلى القرى، فيذكرهم بشئ ليجمعوا له شيئا فرجعت عن ذلك كله، وإنما رجع تحرزا عن ضياع القرآن والحقوق والعلم"(المحیط للبرہانی کتاب الاستحسان والکراہیۃ ۶/ ۱۱۱)۔

۱۵-"يستحق القاضى الأجر على كتب الوثائق والمحاظر والسجلات قدر ما يجوز لغيره كالمفتى، فإنه يستحق أجر العمل على كتابة الفتوى؛ لأن الواجب عليه الجواب باللسان دون الكتابة بالبنان، ومع هذا الكف أولى، احترازا عن القيل والقال، وصيانة علماء الوجه عن الابتذال"(شامی ۹/ ۱۲۷، کتاب الاجارۃ)۔

۱۶-"ويجوز تحديد أسعار الماكولات عند طمع التجار فى زيادة الأرباح زيادة تضر بمصالح العامة"(درالحکام شرح مجلّہ الاحکام ۱/ ۳۶، مادہ:۲۶)۔

۱۷-"للقاضى أن يأخذ ما يجوز لغيره، وما قيل فى كل الف خمسة دراهم لا نقول به، ولا يليق ذلك بالفقه، وأى مشقة للكاتب فى كثرة الثمن، وإنما أجر مثله بقدر مشقة أو بقدر عمله فى صنعة أيضا كحكاك وثقاب يستأجر بأجر فى مشقة قليلة، قال بعض الفضلاء: أفهم ذلك جواز أخذ الأجرة الزائدة، وإن كان العمل مشقة قليلة، ونظرهم لمنفعة المكتوب له، قلت: ولا يخرج ذلك عن أجرة مثله، فإنه من تفرغ لهذا العمل كثقاب اللآلى مثلا، لا يأخذ الأجر على قدر مشقة، فإنه لا يقوم بمؤنته، ولو ألزمناه ذلك لزم ضياع هذه الصنعة فكان أجر مثله"(شامی مع الدر کتاب الاجارۃ:۹/ ۱۲۷)(دیکھئے مقالہ:مفتی باقر ارشد قاسمی)۔

۱۸-"فى حظر الخانية:سئل عن الرازى عن بيت المال هل للأغنيا فيه نصيب؟ قال: لا، إلا أن يكون عاملا أو قاضيا، وليس مراد الرازى الإقتصار على العامل أو القاضى، بل أشار بها إلى كل من فرغ نفسه لعمل المسلمين، وكذا الوالى وطالب العلم والمحتسب والقاضى و المفتى والمعلم بلا أجر"(شامی ۶/ ۳۴۹)۔

۱۹-"الإسراف في المباحات محرم" (الاداب الشرعیة ۲۰۸/۳) (دیکھئے مقالہ: مولانا عبید اللہ ندوی)۔

جن حضرات نے فیس کی تعین اور حکومت کی طرف سے اسکی حد متعین کئے جانے کی بات کہی ہے، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا معراج الدین کشمیر، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبد التواب اناوی، مفتی حافظ صادق محی الدین، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، جبکہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد شفیق عبد الشکور فلاحی، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی کے خیال میں فیس لینا درست ہے، یہ اجارہ ہے، اس کو تجارت کے زمرے میں شامل نہیں کیا جائے گا، اور معاملہ پہلے فیس کا طے ہوجاتا ہے تو نادرست نہیں کہا جائے گا، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کے خیال میں چونکہ یہ عصری تعلیم عبادات کے قبیل سے نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ نامناسب کہا جاسکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مذکورہ حضرات کے مقالات)۔

سوال نمبر۹—اس سلسلہ میں ایک قابل توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ ماہانہ فیس لے کر بعض دفعہ طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجاتا ہے ،مگر اس کا ٹیچر کلاس میں آتا رہا ہے تو کیا غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہوگا ؛حالانکہ دونوں نے اس سے استفادہ نہیں کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاران کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غیر حاضری کرنا طالب علم کا اپنا قصور ہے، چونکہ اسکول اور ٹیچر کی حیثیت اجیر خاص کی ہے، اور اسکول میں داخلہ کے وقت داخلہ فارم میں تمام شرائط وضوابط تحریری طور پر داخلہ لینے والے کو دیکھا اور پڑھا دیا جاتا ہے، اس لئے یہ ایک طرح کا معاہدہ ہے، لہذا اس معاہدے کے مطابق طالب علم کو ایام غیر حاضری کی فیس ادا کرنا لازم ہوگا اور اسکول انتظامیہ اور ٹیچر کا اس غیر حاضری کے ایام کی فیس سے فائدہ اٹھانا جائز اور درست ہے۔

دلائل:

مقالہ نگاران نے اس نقطہ نظر کی تائید میں مندرجہ ذیل نصوص پیش کئے ہیں:

۱-"یا یها الذین آمنوا أوفوا بالعقود" (سورۂ مائدہ:۱)۔

۲-"المسلمون عند شروطهم إلا أحل حراما وحرم حلالا" (بخاری)۔

۳-"الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا أو حل حراما، والمسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو حل حراما" (ترمذی کتاب الاحکام حدیث نمبر: ۱۳۵۳)۔

۴-"المعروف عرفا کالمشروط شرعا" (الاشباہ والنظائر ۲۸۱/۱)۔

۵-"إذا استوجر استاذ لتعلیم علم کالفقه والنحو، والصرف، فإن ذکرت مدة کالشهر والسنة،

وذکرت الأجرة أیضا صحت الإجارة، وانعقدت علی المدة حتی أن الأستاذ یستحق الأجرة، لکونه حاضرا، و مهیئًا للتعلیم قرأ التلمید أولم یقرأ، فالآن الأستاذ قد أصبح أجیرا خاصا"(دررالاحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۲۴۵)۔

۶-"والأجیر الخاص هو الذی یستحق الأجرة بتسلیم نفسه فی المدة، وإن لم یعمل کمن استأجر رجلا شهرالخدمة أو لرعی الغنم"(ہدایہ کتاب الاجارۃ)۔

۷-"وتلزم الأجرة أیضا فی الإجارة، الصحیحة بالاقتدار علی استیفاء المنفعة مثلا لو استاجر أحد دارابإجارة صحیحة فبعد قبضها یلزمه إعطاء الأجرة، وإن لم یسکنها"(شرح المجلہ سلیم رستم ۱/ ۲۶۳، کتاب الإجارۃ)۔

۸-"فیجب الأجر لدار قبضت ولم تسکن لوجود تمکنه من الانتفاع"(الدرالمختار کتاب الاجارۃ ۶/ ۱۱)۔

۹-"کما یجب الأجر باستیفاء المنافع یجب بالتمکن من استیفاء المنافع إذا کانت الإجارة صحیحة حتی أن المستأجر دارا أو حانوتا مدة معلومة، ولم یسکن فیها فی تلک المدة مع تمکنه من ذلک تجب الأجرة"(فتاوی عالمگیری ۴/ ۴۱۲)۔

۱۰-"الأجیر الخاص وهو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص ویستحق الأجر بتسلیم نفسه فی المدة، وإن لم یعمل"(درمختار مع الشامی ۵/ ۴۳)۔

۱۱-"أراد الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرة، فإن وجدت استحق المعلوم، وإلا فلا، هذا هوالفقه، قلت: ولا ینافی هذا ما مرمن المسامعة بأسبوع ونحوه، لأن القلیل مغتفر، کما سومع بالبطالة المعتادة"(شامی کتاب الوقف ۶/ ۶۳۰)(دیکھئے مقالہ: مولانا معین الدین ندوی قاسمی)۔

۱۲-"یلزم مراعاة الشرط بقدر الإمکان"(شرح المجلہ بحوالہ فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۵۳۵)، البتہ اس سوال کے جواب میں مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی عبدالحمید قاسمی، ڈاکٹر محی الدین غازی نے خاموشی اختیار کی ہے، جبکہ مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی نے کہا ہے کہ عرف کے مطابق فیصلہ ہوگا، اگر ابتداء میں ہی ایسی شرط لگادی جائے تو پھر فیس لینا درست نہیں ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: مذکورہ حضرات کے مقالات)۔

سوال نمبر ۱۰ – عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں، جو اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے تو کیا ایسے بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی اتفاقی رائے ہے کہ عصری اسکول کے بچے اگر غریب ونادار اور مستحق ہوں تو ان کو بھی زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، کیونکہ مستحق زکوۃ ہونے کے لئے جو شرائط قرآن میں مذکور ہیں اگر ان کے تحت وہ بچے آتے ہیں تو پھر ان پر بھی زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

دلائل:

اس موقف پر مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا گیا ہے:

۱-"إنما الصدقات للفقراء"(سورۂ توبہ:۶۰)۔

۲-"وأتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمسکین وابن السبیل و السائلین وفی الرقاب، واقام الصلاة وأتی الزکوة"(سورۂ بقرہ:۱۷۷)۔

۳-"قال رسول الله ﷺ: تصدقوا إلا علی أهل دینکم" (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۱۴/۴)۔

۴-"إن الله افترض علیهم صدقة فی أموالهم توخذ من أغنیائهم وترد فی فقرائهم"(صحیح بخاری ۱۸۷/۱، مسلم حدیث نمبر ۱۹۰۲۹، ابوداؤد حدیث نمبر ۱۵۸۴، ترمذی ۶۲۵)۔

۵-"إن الله لم یرض بحکم بنی ولا غیره فی الصدقة حکم هو فیها، فجزأها ثمانیة أجزاء، فإن کنت فی تلک الأجزاء أعطیتک حقک"(ابوداؤد حدیث نمبر:۱۶۳۰)۔

۶-"قال الحنفیة: یجوز دفع الزکاة إلی من یملک أقل من نصاب، إن کان صحیحا مکتبا، لأنه فقیر أو مسکین، وهما من مصارف الزکوة"(موسوعہ فقہیہ ۳۱۵/۲۳)۔

۷-"والقادر علی الکسب إن شغل عن الکسب طلب العلم الشرعی لم یمنع ذلک من إعطاء من الزکوة؛ لأن طلب العلم فرض کفایة"(حوالہ مذکورہ ۳۱۶/۲۳)۔

۸-"وإنما أعطی طالب العلم؛ لأنه یقوم بفرض کفایة، ولأنه فائدة علمیة لیست مقصورة علیه، بل هی لمجموع الأمة، فمن حقه أن یعان من مال الزکوة ، لأنها لأحد رجلین، إما لمن یحتاج من المسلمین، أو لمن یحتاج إلیه المسلمون، وهذا قد أجمع بین الآمرین"(فقہ الزکوۃ للقرضاوی ۲۸/۲)۔

۹-"إن طالب العلم یجوز له أخذ الزکوة ولوغنیا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الکسب والحاجة داعیة إلی ما بدمنه"(درمختار ۲۴۰/۲)۔

۱۰-"وکذا إلی بنت الکبیرة إذا کان أبوها غنیا؛ لأن النفقة لایغنیها، وبغنی الأب والزوج لاتعد غنیة"(الہندیہ ۱۸۹/۱)۔

۱۱-"ویجوز دفع الزکاة لطالب العلم، وإن کان له نفقة أربعین سنة"(شامی ۲۸۵/۳)۔

۱۲-"إذا دفع الزکاة إلی الفقیر لا یتم الدفع مالم یقبضها للفقیر من له ولایة علیه، نحو الأب والوصی"(الفتاوی الہندیہ ۱۸۹/۱)۔

۱۳-"مصرف الزكوة هو فقير، وقيل: طلبة العلم ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحه"(درمختار مع الشامی ۳/۲۸۹)۔

۱۴-"ثم هو فقير وهو من له أدنى شئ أى دون نصاب أو قدر نصاب غير تام متفرق فى الحاجة ومسكين من لا شئ له" (شامی ۲/۶۴)۔

۱۵-"ومن جملة "سبيل الله" الصرف فى العلماء الذين يقومون لمصالح المسلمين الدينية، فإن لهم فى مال الله نصيبا سواء أ كانوا أغنياء، أو فقراء، بل الصرف فى هذه الجهة من أهم الأمور، لأن العلماء ورثة الأنبياء...... وقد قال لعمر: لما قاله له : يعطى من هو أحوج منه: (اما أاتاک من هذا المال، وأنت غير مستشرف ولا سائل، فخذه، ومالا فلا تبعه نفسک)" (الروضة الندیۃ ۱/۵۳۳-۵۳۴)۔

۱۶-"انه حبس نفسه لمجاهدتها على تعلم العلم و تعليم الناس، فدخل بهذا تحت المجاهدين الذين يستحقون سهم سبيل الله مع قدرتهم على الكسب"(انفاق الزكاة فی مصالح الأمۃ/ ۸۲-۸۳)۔

۱۷-"المتفرغ للعلم يأخذ من الزكوة، فإذا ما تفرغ لطلب علم نافع وتعذر الجمع بين الكسب وطلب العلم، فأن يعطى من الزكوة قدر ما يعينه على أداء مهمته وما يشبع حاجاته"(فقہ الزکوۃ للقرضاوی حفظہ اللہ ۲/۵۶۰-۵۶۱)(مذکورہ دلائل دیکھئے مقالہ: مولانا محمد صابر حسین ندوی)۔

۱۸-اردوفتاوی(فتاوی محمودیہ ۹/۵۵۹، کتاب الفتاوی ۸/۳۳۸)۔

۱۹-"فى سبيل الله: هو منقطع المغزاة، قيل: طلبة العلم فالتفسير بطالب علم وجيه خصوصا، وقد قال فى البدائع: فى سبيل الله جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا"(ردالمحتار ۳/۲۸۹طبع زکریا دیوبند)۔

۲۰-"(لا يحل يسأل من له قوت يومه) أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد أو طلب العلم (ولو سأل للكسوة جاز)لومحتاجا، وفى الرد: قوله طلب العلم: ذكره فى البحر بحثا بقوله: ينبغى أى يلحق به: اى بالغازى طالب علم لاشتغاله عن الكسب بالعلم"(الردالمحتار مع الدر ۳/۳۰۶)۔

۲۱-"ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير......وإن الطفل يعد غنيا بغنى أبيه، بخلاف الكبير، فإنه لا يعد غنيا بغنى أبيه، ولا الأب بغنى ابنه ولا الزوجة بغنى زوجها، ولا الطفل بغنى أمه" (درمختار ۲/۲۷)۔

۲۲-"يجوز لطالب العلم الأخذ من الزكاة ولو كان غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى مالابدمنه"(موسوعہ فقہیہ ۲۸/۳۳۷)۔

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگاران نے عصری تعلیم حاصل کرنے والے محتاج طلبہ پر زکوۃ کی رقم صرف کرنے کے جواز کا قول اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ مدارس کے طلبہ پر خرچ کو بہتر قرار دیا ہے، مثلاً: ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی ظفر عالم ندوی، مولانا محمد معراج الدین کشمیر، مولانا محمد شفیق عبدالشکور، اورڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی راشد حسین ندوی وغیرہ نے یہ قید لگائی ہے کہ فرض کفایہ علم سیکھنے والے طلبہ جوامت کے لئے نفع بخش ہوں تو دیا جاسکتا ہے، اور مولانا محمد صابر حسین ندوی کا خیال ہے کہ یہ امت کی ضرورت ہے، اس لئے عصری علوم حاصل کرنے والے طلبہ پر زکوۃ صرف کی جاسکتی ہے، البتہ مفتی تنظیم عالم قاسمی اور مفتی اعجاز الحسن بانڈے نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ رقم براہ راست ان پر خرچ کرنے کے بجائے ان کے والدین کو دی جائے، ورنہ زکوۃ ادا نہیں ہوگی، مفتی ظفر عالم ندوی نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ان عصری اسکولوں میں دین بیزاری کی تعلیم نہ دی جاتی ہوتب ان کو مستحق ہونے کی صورت میں دیا جاسکتا ہے۔

مفتی حیدر علی قاسمی کہتے ہیں کہ مصرف ہونے کے باوجود ان پر زکوۃ خرچ نہ کرنا بہتر ہے، اور اس کی چار وجوہات ذکر کی ہیں: ۱-اکثر عصری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے عقائد و اعمال بگڑ جاتے ہیں:"ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ: ۲)، ۲-مدارس اسلامیہ دین کی بقا اور اسلام کی حفاظت کے بہترین ذرائع ہیں، ۳-فقہاء نے فقیر اور محتاج عالم پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے،"وکرہ نقلها إلی قرابة أو أصلح أو أو رع أو أنفع للمسلمین، التصدق علی العالم الفقیر أفضل" (شامی ۲/ ۶۸)، ۴-چونکہ دینی کام کرنے والے علماء اکثر غریب ہوتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ دین کا کام انجام پاتا ہے، اس لئے ان کو دینا گویا دین کی تقویت کا ذریعہ ہے:"وتعاونوا علی البر والتقوی" (سورۂ مائدہ: ۲)، مفتی محمد عثمان بستوی کہتے ہیں کہ دین کے طالب علم پر خرچ کرنے سے دہرا اجر ملے گا، لیکن یونیورسٹی کے طالب علم پر خرچ کرنے سے زکوۃ تو ادا ہوجائے گی اشاعت دین کا اجر نہیں ملے گا، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتے ہیں کہ عصری ادارے کے بچوں کو اس وقت زکوۃ دے سکتے ہیں جب وہ بالغ ہوں اور اگر نابالغ ہیں تو ان کے والد بھی غریب ہوں، ورنہ زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

سوال نمبر ۱۱ –بعض سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے، وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک شروع میں پڑھوائے جاتے ہیں، سوریہ نمسکار کرایاجاتا ہے، یوگا کرایاجاتا ہے ،جس کاایک جز سوریہ نمسکاربھی ہے، کہیں طلبہ پر اس کو لازم کردیاگیا ہے، کہیں اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور اس کے لئے ماحول سازی کی جاتی ہے، بعض ریاستوں میں خود ریاستی حکومت نے اسکولوں پر اس کا آرڈر جاری کردیا ہے، مشنری اسکولوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے، اور اگر چہ اس کو لازم نہیں کیاجاتا ہے؛ لیکن ترغیب دی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان انتطامیہ اسکول میں زیادہ داخلے کی لالچ یا

حکومت کو خوش کرنے کے لئے اس طرح کا عمل کراتے ھیں تو سوال یہ ھے کہ :

الف–اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پریہ عمل ھو تو مسلمانوں کے لئے کیاحکم ھے؟

ب–اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ھے؟

ج–اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اورادارہ نہ ھوتو مسلمانوں کو کیا کرنا چاھئے؟

د–اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ھو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیاجائے تو کیا حکم ھوگا؟

ھ–ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ھوں جو ان برائیوں سے پاک ھوں اور وھاں داخلہ ھوسکتا ھے تو اِن مشرکانہ افعال کو لازم کرنیو الے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا جائز ھوگا؟

و–کیا مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی گنجائش ھوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یھاں ان چیزوں کو رواج دیں،یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کریں۔

اس سوال کی تمام شقوں کے بارے میں مقالہ نگاران کی آراءترتیب وار درج ذیل ہے:

شق (الف) کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگاران متفق ہیں کہ اگر کسی اسکول میں شرکیہ کلمات واعمال جبراً طلبہ سے کرایا جارہا ہوتو ایسے اسکول میں بچوں کا داخلہ مطلقاً ناجائز وحرام اور ان کو آگ کے حوالہ کردینے کے مترادف ہے، اگر کوئی بچہ خدانخواستہ ان اسکولوں میں داخل ہےتو ان کو نکال لیناواجب ہے، تاکہ ان کے ایمان کو بچایا جائے جوایک مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔

البتہ اس شق میں قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی اعظمی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، حافظ صادق محی الدین، مولانا محمد طیب ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اگر مجبوری ہواور کوئی دوسرا متبادل بچوں کی تعلیم کے لئے نہ ہوتو اپنے بچوں کی دینی تربیت کا انتظام کرتے ہوئے داخلہ کی گنجائش ہے۔

مذکورہ حضرات نے ضرورت شدیدہ یا اضطرار کے وقت جن امور کوحرمت اور ممانعت سے شریعت میں مستثنی کیا ہے، ان سے استدلال کیا ہے، اور مولانا محمد عباس بن یوسف نے اکیڈمی کا ایک فیصلہ بھی اس پر نقل کیا ہے، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی نے اپنے اس موقف پر آیات قرآنی: ”من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان، ولكن من شرح بالكفر

صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب أليم‘‘(سورہ نحل:١٠٦) سے استدلال کیا ہے۔

حضرات مانعین میں سے اکثر حضرات نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سرکاری اداروں کو میں مسلم بچوں کو مشرکانہ اعمال سے مستثنٰی رکھنے کے لئے ہر جمہوری طریقہ اختیار کرنا چاہئے، یہاں تک کہ احتجاج، بائکاٹ اور عدالت تک کا سہارا لیا جاسکتا ہے، اگر کامیابی نہ ملے تب اپنے بچوں کو ایسے اسکول سے نکالنا واجب وضروری ہوگا۔

دلائل:

اس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بھی نقل کئے ہیں:

١-’’إن الله لا يغفر أن يشرک به ويغفر مادون ذلک لمن يشاء‘‘ (سورۂ نساء:٤٨)۔

٢-’’ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا أولئک لهم عذاب مهين‘‘(سورۂ لقمان:٦)۔

٣-’’يا يهاالذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا‘‘(سورہ التحریم:٦)۔

٤-’’وأن جاهداک على أن تشرک بى ما ليس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فى الدنيا معروفا واتبع سبيل من أناب إلى مرجعكم فأنبئكم بما كنتم تعملون‘‘(سورۂ لقمان:١٥)۔

٥-’’إنه من يشرک بالله فقد حرم الله عليه الجنة وماواه النار وما للظالمين من أنصار‘‘(سورۂ مائدہ:٧٢)۔

٦-’’وإذ قال لقمان لابنه وهو يعظه يا بنى لا تشرک بالله إن الشرک لظلم عظيم‘‘(سورۂ لقمان:١٣)۔

٧-’’قل يا يها الناس إن كنتم فى شک من دينى فلا أعبد الذين تعبدون من دون الله ولكن أعبد الله الذى يتوفاكم وأمرت أن أكون من المؤمنين، وأن أقم وجهک للدين حنيفا ولا تكونن من المشركين، ولا تدع من دون الله مالا ينفعک ولا يضرک، فإن فعلت فإنک إذا من الظالمين‘‘ (سورۂ یونس:١٠٤-١٠٦)۔

٨-’’يا يها الذين آمنوا إنما المشركون نجس‘‘(سورۂ توبہ:٢٨)۔

٩-’’يا يها الذين آمنوا لا تتبعوا خطوات الشيطان‘‘ (سورۂ نور:٢١)۔

١٠-’’وما أمروا إلا لعبدوا الله مخلصين له الدين‘‘ (سورہ بینہ:٤)۔

١١-’’وانفقوا فى سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة، وأحسنوا إن الله يحب المحسنين‘‘(البقرہ:١٩٥)۔

١٢-’’ومن جاهد فينا لنهدينهم سبلنا‘‘(سورہ عنکبوت:٦٩)۔

D5

۱۳-"قل أفغير الله تأمّرونی أعبد أيها الجاهلون، ولقد أوحی إليک وإلی الذين من قبلک لئن أشرکت ليحبطنّ عملک ولتکوننّ من الخاسرين" (سورۂ زمر: ۶۴،۶۵) (مذکورہ دلائل کے لئے دیکھئے مقالات: مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا سید باقر ارشد قاسمی)۔

۱۴-"قال سعيد بن جبير إذا عمل بالمعاصی فی أرض فاخرج منها" (احکام القرآن للقرطبی ۵/۳۴۷)۔

۱۵-"ومن قصد الكفر ساعة ويوما فهو كافر فی جميع العمر" (البحر الرائق ۵/۱۲۳)۔

۱۶-"من حلف فی حلفه باللات والعزی فليقل: لا إله إلا الله" (مشکوۃ ۲/۲۵۶)۔

۱۷-"ويقدم حفظ الدين من الضروريات علی ماعداه عند المعارضة: لأنه المقصود الأعظم" (تقریروالتحبیر ۳/۳۰۸)۔

۱۸-"إن من أكبر الكبائر: الإشراک بالله" (بخاری حدیث نمبر ۲۶۵۶، مسلم حدیث نمبر: ۸۷)۔

۱۹-"الرجل راع فی أهله، وهو مسئول عن رعيته" (بخاری حدیث نمبر: ۸۹۳)۔

۲۰-"لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق" (فیض القدیر ۱۲/۱۴۸۶، مشکاۃ کتاب الامارۃ/۳۲۱)۔

۲۱-"لاتشرک بالله وإن قتلت أو حرقت" (رواہ احمد مشکاۃ باب الکبائر/۱۸)۔

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کا فتوی (امدادالفتاوی ملخصا ۴/۲۳۴)۔

شق ب: اس سوال کے شق (ب) کے جواب میں مقالہ نگاران کی دو رائے ہے:

پہلی رائے (عدم جواز):

عدم جواز کا موقف اختیار کرنے والے مقالہ نگاران کا خیال ہے کہ چونکہ ترغیب بھی ایک طرح کا حکم ہی ہے، اور اگر چہ جبرا اس کا حکم نہیں دیا جارہا ہے، مگر ترغیبی طور پر ان شرکیہ اعمال میں شریک ہوتے رہنے سے بچے اپنی کم عمری کی وجہ سے رفتہ رفتہ نعوذ باللہ اس کے عادی ہوجائیں گے اور اس کا اندیشہ ہے کہ آئندہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھوبیٹھیں گے، اس لئے ہر حال میں ایسے ماحول سے سدالذریعہ احتراز ہی لازم ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی حیدرعلی قاسمی، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا عبیداللہندوی، مفتی اعجاز الحسن باندے، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکیہ، جونپور)، مفتی عبدالمصور خان ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا صفوان احمد حلیمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی ظفر عالم ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی باقر ارشد قاسمی۔

دلائل:

حضرات مانعین کے دلائل شق (الف) کے تحت شرکیہ اعمال کی قباحت کے ضمن میں پیش کئے جا چکے ہیں، حسب خواہش وہاں ملاحظہ فرمائیں:

دوسری رائے (بدرجہ مجبوری گنجائش):

شق (ب) میں دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ مسلم بچوں کے لئے شرکیہ اعمال میں شرکت لازمی نہیں ہے، بلکہ ترغیبی ہے، اس لئے بدرجہ مجبوری اور اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کی تدابیر کے ساتھ اخف الضررین کا اصول اختیار کرتے ہوئے ایسے اسکولوں میں داخلہ کی گنجائش ہے، البتہ افہام وتفہیم کے ذریعہ ذمہ داروں کے ذریعہ مسلم بچوں کو مستثنیٰ رکھنے کی کوشش کی جائے اور اس کی جدوجہد ہمیشہ جاری رکھی جائے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی اشرف گونڈوی قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا محمد طیب ندوی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ندیم احمد انصاری، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا، مفتی عبدالرحیم قاسمی، ڈاکٹر حافظ مفتی صادق محی الدین، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی عبدالمنان قاسمی آسام، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی۔

دلائل:

شرکیہ اعمال لازم نہیں، البتہ اس کی ترغیب دی جاتی ہے، ایسے اسکولوں میں داخلہ کی گنجائش دینے والے مذکورہ حضرات نے ضرورت اور اضطرار کو بنیاد بنایا ہے، اور بعض حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل بھی نقل کئے ہیں:

۱- **"فمن اضطر غير باغ ولا عاد فان ربك غفور رحيم"** (سورۂ انعام: ۱۴۵)۔

۲- **"الضرورات تبيح المحظورات"** (الاشباہ)۔

ان حضرات نے اس کی اجازت کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اگر دوسرا کوئی اسکول متبادل کے طور پر میسر نہ ہو تب اس کی گنجائش ہے، تاہم اس سے دور رہنے کو ہی بہتر تصور کیا ہے اور بکراہت تحریمی ہی اجازت دی ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا حافظ صادق محی الدین، مولانا محمد صابر حسین ندوی وغیرہ)۔

سوال نمبر ۱۱ شق (ج) کے جواب میں مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے تو مسلمانوں کو اپنا ادارہ قائم کرنا چاہئے، تاکہ ایسے اداروں تک جانے کی نوبت ہی نہ آئے، نیز یہ کہ اس لازمی شق کو ختم کرنے کے لئے مسلمانوں کو جمہوری طریقہ اختیار کرتے ہوئے عدالت تک جانا چاہئے، اور ہر ممکن احتجاج کرنا چاہئے، کہ تعلیمی ادارے سے اس لزوم کو ختم کیا جائے، اور اگر اس

میں کامیابی نہ ملے تو زیادہ تر مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ ایسے اسکول میں اپنے بچوں کو داخل کرنا قطعاً جائز نہیں، بھلے ہی بچے جاہل رہ جائیں، اور مسلمان باقی رہیں، یہ رائے ۳۱/مقالہ نگاران حضرات کی ہے، جبکہ باقی حضرات نے الگ الگ مشورے دیئے ہیں، ہم انہیں ترتیب وار درج کرتے ہیں:

۱-ضرورت کے وقت ایسے اسکولوں میں بچے کو داخل کراسکتے ہیں، البتہ ان کے عقائد کا خیال رکھیں (مفتی حیدر علی قاسمی)۔

۲-اپنا اسکول قائم کریں جب تک اپنا اسکول قائم نہ ہوجائے اس وقت تک جانے کی اجازت ہے (مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۳-اس کی اجازت صرف اضطراری حالت ہی میں ہے (مولانا محمد سلیم الدین قاسمی)۔

۴-جب تک متبادل موجود نہ ہوجائے اسی اسکول میں تعلیم جاری رکھے (مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی)۔

۵-ایسے اسکول کا بائکاٹ کیا جائے (مولانا عبیداللہ ندوی)۔

۶-اخف الضررین پر عمل کرتے ہوئے دوسرے اسکول کو اختیار کرنا ہوگا (مولانا طیب ندوی)۔

۷-وہی جواب جو دوسری شق کا ہے (قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

۸-اپنا ادارہ قائم کریں، ایسے ادارے سے دور رہیں (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، ندیم احمد انصاری، حافظ صادق محی الدین)۔

۹-ظاہری طور پر شرکت گوارا کیا جاسکتا ہے، دل سے نہیں (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۱۰-ایسی چیزوں سے بچنے کے لئے آئینی تدابیر اختیار کی جائیں (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۱۱-الگ سے متبادل اسکول قائم کریں (مولانا محمد اخلاق قاسمی، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، مولانا صفوان احمد حلیمی قاسمی)۔

۱۲-والدین انتظامیہ سے بات کریں (ڈاکٹر سعود عالم قاسمی)۔

۱۳-متبادل ادارہ قائم کرنا ضروری ہے (مفتی ظفر عالم ندوی)۔

۱۴-شرک سے بچتے ہوئے تعلیم میں کوئی قباحت نہیں (مولانا حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۱۵-حکومت سے مسلم بچوں کو ان اعمال سے مستثنیٰ رکھنے کی درخواست کی جائے (مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور)۔

۱۶-بدرجہ مجبوری ایسے ادارے میں داخلہ کی گنجائش ہے (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

ان متفرق آرا کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں مسلمانوں کو بہر حال اپنے تعلیمی عصری ادارے قائم کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے اور اس مشکل کا حل یہی ہے۔

سوال نمبر ۱۱-شق(د):اس کے جواب میں مندرجہ ذیل حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترغیب سے بھی بچوں کے دین و ایمان کو خطرہ ہے، اس لئے وہاں بھی بچوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا معین الدین قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مفتی حیدر علی قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا معراج الدین کشمیر، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد عثمان (چوکیہ، جونپور)، مفتی عبد المصور خاں ندوی، مفتی احسن عبد الحق ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی ظفر عالم ندوی، مولانا محمد شفیق بن الشکور فلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی۔

دلائل:

ان حضرات کے دلائل بھی وہی ہیں جو شرک کی قباحت اور بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے زمرے میں اوپر ذکر کئے گئے۔

متفرق آراء:

اس شق (د) کے جواب میں متفرق آراء بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱-اگر مجبوری ہو تو عقائد کی تصحیح کا خیال رکھتے ہوئے داخلہ درست ہے (مفتی حیدر علی قاسمی)۔

۲-اس اسکول میں داخلہ اور تعلیم جائز ہے، بشرطیکہ شرکیہ اعمال میں حصہ نہ لے (مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۳-بدرجہ مجبوری تعلیم دلائیں، عقائد کا خیال رکھیں، احتیاطی تدابیر وغیرہ کریں (مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی محمد اشرف گونڈوی)۔

۴-چونکہ شرکیہ اعمال جبری نہیں ہیں، اس لئے ایسے اداروں میں بچوں کا داخلہ درست ہے (مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی)۔

۵-ایسے ادارے سے دور رہیں اپنا ادارہ قائم کریں (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۶-مسلم انتظامیہ کو اپنے بچوں کو اس سے بچانے کے لئے اپنا ادارہ قائم کرنا چاہئے (مولانا ندیم احمد انصاری)۔

۷-ایسے ادارے سے پرہیز کیا جائے، بصورت دیگر حفاظتی تدابیر کے ساتھ وہاں بچوں کی تعلیم جائز ہے (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۸-اگر ان بچوں کی نگرانی کی جاسکتی ہے تو داخلہ درست ہے، ورنہ ناجائز (مولانا اخلاق قاسمی)۔

۹-اپنا ادارہ قائم کریں (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۱۰-اگر لازم نہ ہو اختیاری ہو تو داخلہ جائز ہے (مولانا اکرم قاسمی ناگدا)۔

۱۱-اجتناب بہتر ہے، تاہم داخلہ کے جواز کی گنجائش ہے (مولانا صفوان احمد حلیمی)۔

۱۲-بدرجہ مجبوری داخلہ کی اجازت ہے (مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۱۳-اختیار والے اسکول میں داخلہ لے سکتے ہیں (ڈاکٹر سعود عالم قاسمی)۔

۱۴-صرف تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے داخلہ لے سکتے ہیں (مولانا حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۱۵-مسلم بچوں کو مستثنیٰ رکھا جائے، اس کی کوشش کی جائے (مفتی راشد حسین ندوی)۔

۱۶-ایسے اسکول میں داخلہ جائز ہے (مفتی عبدالمنان آسام)۔

۱۷-بدرجہ مجبوری ایسے اسکول میں داخلہ جائز ہے، بچوں کی نگرانی کی جائے اوران کے دین وایمان کی فکر کی جائے (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

۱۸-داخلہ کرانا جائز ہے، دینی تربیت کا خیال رکھیں (مفتی باقر ارشد قاسمی)۔

سوال نمبر ۱۱-شق (ھ) اس کے جواب میں تمام مقالہ نگاران کا بلا استثناء اتفاق ہے کہ ایسے تعلیمی اداروں کے موجود ہوتے ہوئے مشرکانہ اعمال انجام دیئے جانے والے اسکولوں میں داخلہ خواہ یہ اعمال جبری ہوں یا ترغیبی، جائز نہیں ہے، بلکہ ان مشرکانہ برائیوں سے پاک اداروں کو ہی ترجیح دینا لازم وضروری ہے، چونکہ یہ اتفاقی رائے ہے، اور بچوں کے دین وایمان کی فکر کرتے ہوئے ایک ایسے ادارے کو ترجیح دینے سے متعلق ہے، جو ایک طرح سے انتظامی زمرے کی چیز ہے اور ہر والدین اپنے بچوں کے دین وایمان کے تحفظ اور اخلاق وکردار سنوارنے کے ذمہ دار ہیں، وہ خود اس کی ذمہ داری کا ادراک کریں، اس لئے مزید اس سلسلہ کی تفصیلات اور مقالہ میں پیش کئے گئے دلائل یہاں درج کئے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۱ شق (و) کے جواب پر بھی تقریباً تمام ہی مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ مسلم انتظامیہ والے اسکول کو مشرکانہ عمل انجام دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ کفر وشرک پر راضی ہونے اوراس کی ترویج واشاعت کے مترادف ہے جو تعاون علی الاثم ہے، اور:

۱-"**إن الدين عند الله الإسلام**" (سورۂ آل عمران:۱۹)۔

۲-"**ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه**" (سورۂ آل عمران:۱۰۲)۔

۳-"**تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ:۲)۔

۴-"**وإنني برى مما تشركون**" (سورۂ انعام:۱۹)۔

۵-"**ولكن من رضى و تابع**" (مسند طالیاسی حدیث نمبر:۱۵۹۵) کے خلاف ہے۔

البتہ مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب کا اس شق میں خیال یہ ہے کہ اپنے اسکول کی ترقی کی مصلحت کے پیش نظر صرف ہندو بچوں کے لئے اس طرح کا عمل کرنے کی گنجائش ہے، مسلم بچے اس سے الگ رہیں۔

سوال نمبر ۱۲-عالمی سطح پر یہ رجحان پروان چڑھ رہا ہے کہ بچوں کو جنسیات کی تعلیم بھی

دینی چاهئے،همارے ملک کے نصاب میں اس مضمون کو بهی شامل کردیا گیا هے، اور هوسکتا هے که پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بهی اس کو لازم کردیاجائے، اس کی ایک وجه یه بیان کی جاتی هے که بڑهتی هوئی اخلاقی بے راه روی کی وجه سے زنا اور خلاف فطرت فعل وغیره کے واقعات بڑهتے چلے جارهے هیں، اور اس کی وجه سے مختلف بیماریاں پیدا هورهی هیں، اس لئے طلبه وطالبات کو جنس کی حقیقت سمجهائی جائے اور اس کی آڑ میں محفوظ سیکس کی تعلیم دی جائے، تاکه وه بدکاری سے پیدا هونے والی بیماریوں سے محفوظ رهیں، یه افسوس کی بات هے که اخلاقیات کی تعلیم دینے اور برائی سے بچانے کے بجائے برائی کے محفوظ راستے تلاش کئے جارهے هیں، لیکن سوال یه هے که اگر حکومت اس کو لازم کردے تو اسکولوں میں اس کی تعلیم دینے یا اپنے بچوں کو داخل کرنے کے کیا احکام هوں گے؟کیا یه بات مناسب هوگی که حکومت سے کهاجائے که هم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے هیں،اور مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام ، اخلاقی هدایات، عفت و پاکیزگی کی اهمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساته ساته دنیوی مضرتوں کو واضح کیاجائے؟

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ وہ ادارے جہاں اس طرح جنسی تعلیم دی جائے کہ نسل انسانی جنسی بے راہ روی اوراخلاق باختگی کے دہانے پر چلی جائے اورانسانی غیرت وحمیت رخصت ہوجائے ، نہ تو ایسے نصاب اور تعلیمی مواد کے پڑھانے کی گنجائش ہے،اورنہ ایسے اداروں میں بچوں کوتعلیم دلانا قطعا جائز ہے،اورنہ ہی کسی قیمت پراس کی حوصلہ افزائی کی جائے گی، البتہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت سے یہ کہاجانا چاہئے کہ ہمارے یہاں حفظان صحت کوپیش نظر رکھ کر جنسیات کی تعلیم دی جاتی ہے، تاکہ وہ مخرب اخلاق مواد ہمارے اسکولوں کے نصاب میں شامل نہ کردے،اورایسے مواد یقیناً ہماری دینی کتابوں میں موجود ہیں جن سے انسانی حیاءاورعفت و پاکدامنی کی دولت سے بھی ہمارے بچے آشنا ہوجاتے ہیں اور بشری شعور بھی ان کے اندر بدرجہ اتم پیدا ہوجاتا ہے، نیز اس کے لئے یہ بہتر بات ہے کہ اسلامی اقداروا خلاق پر مبنی ایسی کتاب تیار کی جائے اور اسے عام کیاجائے۔

دلائل:

۱-”إن الذین یحبون أن تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذاب ألیم فی الدنیا والآخرة“(سورۂ نور:۱۹)۔

۲-"إن الله يأمر بالعدل والإحسان وايتاء ذى القربى،و ينهى الفحشاء والمنكر"(سورۂ نحل:۹۰)۔

۳-"أولا مستم النساء" (سورۂ نساء:۴۳)۔

۴-"ولا تباشروهن وأنتم عاكفون فى المساجد" (سورۂ بقرہ:۱۸۷)۔

۵-"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم"(سورۂ نور:۳۰)۔

۶-"ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ:۲)۔

۷-"فخلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة، فخلقنا المضغة عظاما، فكسونا العظام لحما، ثم أنشأه خلقا آخر فتبارک الله أحسن الخالقين"(المؤمنون:۴)۔

۸-"نساء كم حرث لكم فاتوا حرثكم أنى شئتم"(سورۂ بقرہ:۲۲۳)۔

۹-"يسئلونک عن المحيض قل هى أذى"(سورۂ بقرہ:۲۲۲)۔

۱۰-"ولا تقربوهن حتى يطهرن فأتوهن من حيث أمركم الله، إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين"(سورۂ بقرہ:۲۲۲)۔

۱۱-"أحل لكم ليلة الصيام الرفث إلى نساء كم"(سورۂ بقرہ:۱۸۷)۔

۱۲-"والذين هم لفروجهم حافظون، إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم فإنهم غير ملومين، فمن ابتغى وراء ذلک فاؤلائک هم العادون"(سورۂ مومن ۵،۶،۷)۔

۱۳-"والذى قدر فهدى"(سورۂ اعلی:۳)۔

۱۴-"وليستعفف الذين لا يجدون نكاحا حتى يغنيهم الله من فضله" (سورۂ نور:۳۳)۔

۱۵-"قال رسول الله ﷺ: مرو الصبى بالصلاة إذا بلغ سبع سنين، فإذا بلغ عشر سنين فاضربوه عليها، هذا لفظ ابى داؤد، قال الفقهاء: وهكذا فى الصوم ليكون ذلک تمرينا له على العبادة لكى يبلغ وهو مستمر على العبادة والطاعة ومجانبة المعاصى، وترک المنكر"(ابن کثیر،حاشیہ شرح ابوقایہ باب خیار البلوغ)۔

۱۶-"سبب الحرام حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام"(ہدایہ وبدائع الصنائع:۱/۱۷۵)۔

۱۷-"عن ثوبان؄ قال: قال رسول الله ﷺ: ماء الرجل أبيض وماء المرأة أصفر"(مسلم حدیث نمبر:۳۱۵،طبرانی حدیث نمبر:۱۳۹۸)۔

۱۸-"الحياء شعبة من الإيمان"(مشكوة/۱۲)۔

۱۹-"فإذا بلغ فليزوجه، وإن بلغ فلم يزوج فأصاب إثما، فإنما إثمه على أبيه"(مشكوة ۲/۲۷۱)۔

۲۰-"عن أم سلمة أم المؤمنين إنها قالت: جاء ت أم سليم امرأة أبى طلحة إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله! إن الله لا يستحى من الحق، هل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟ فقال رسول الله ﷺ: نعم إذا رأت الماء" (بخاری ۱/۲۵، کتاب الغسل باب إذا احتلمت المرأة)۔

۲۱-"عن أبى هريرة عن النبى ﷺ قال: إذا جلسه بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل" (بخاری ۱/۲۵ کتاب الغسل باب: إذا التقی الختانان)۔

۲۲-"وعن على قال: كنت رجلا مذاء فأمرت رجلا أن يسأل النبي ﷺ لمكان ابنته فقال: توضأ واغسل ذكرك" (بخاری کتاب الغسل باب غسل المذی والوضومنہ)۔

۲۳-"إذا سبق ماء الرجل ماء المرأة كان الشبه له، وإذا سبق ماء المرأة ماء الرجل فالشبه لها" (بخاری: ۴۴۸۰، متفق علیہ)۔

۲۴-"شرف الحياء، فإنه ما من نبى إلا وقد حث عليه، ولم ينسخ فيما نسخ من شرائع الأنبياء، ولم يبدل فيما بدل منها، وذلك؛ لأنه أمر قد علم صوابه، وبان فضله، واتفقت العقول على حسنه، وما كان كذلك لا ينسخ" (تحفۃ الربانیہ فی شرح الاربعین حدیثا النوویہ/۴۶)۔

۲۵-"لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق، إنما الطاعة فى المعروف" (بخاری حدیث نمبر: ۴۸۷۱)۔

۲۶-"إن النظرة سهم من سهام إبليس مسموم، من تركها مخافتى أبدلته إيمانا يجد حلاوته فى قلبه" (المجمع الکبیر للطبرانی ۱۰/۱۷۳)۔

ذرا غور فرمائیے، کتاب سنت میں جنسی امور کی کتنے لطیف اور انسانی قدروں اور نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمدہ پیرائے میں تعلیم دی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس سے عمدہ انداز اس حساس مسئلہ کو حل کرنے کا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

احتیاطی تدابیر اور بعض مفید مشورے:

بہت سے مقالہ نگار حضرات نے اسلام کی انسانی اور فطری حیاء واقدار پر مبنی تعلیمات کی روشنی میں یہ عندیہ دیا ہے کہ اگر بچیاں بڑی ہوجائیں اور قریب البلوغ یا بالغ ہوجائیں تو ان کو خواتین ہی کتب فقہ وسیرت میں مذکور تعلیمات سے روشناس کرائیں، تاکہ ان کو ان چیزوں کو سمجھنے میں کسی طرح کا حجاب محسوس نہ ہو اور وہ مسائل وآداب سے واقف بھی ہوجائیں۔

-مفتی عثمان بستوی نے یہ رائے بھی دی ہے کہ اگر مجبوری ہو تو پھر ان اسکولوں میں جنسی تعلیم دینا جائز ہے۔

-مولانا محمد عباس بن یوسف کہتے ہیں کہ اگر مجبورا ایسا نصاب داخل کرنا ہی پڑے تو اپنے یہاں ایسے ماہر استاد کو رکھیں جو اسلام کی روشنی میں ان چیزون کو بتا سکے، اس سے طلبہ برے اثرات سے محفوظ رہیں گے۔

-مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی کے نزدیک حکومت کے سامنے اپنا منصوبہ رکھنے اور اخلاقی اقدار تسلیم کرانے کی کوشش ہونی چاہئے۔

-مفتی حیدرعلی قاسمی کہتے ہیں کہ اس کو برائے نصاب ہی رکھا جائے، اس پر زیادہ توجہ نہ دی جائے۔

-مفتی اقبال قاسمی نے یہ رائے دی ہے کہ مسلم طلبہ و طالبات کو مستثنیٰ رکھنے کی سعی کی جائے، ورنہ مسلم استاذ رکھا جائے جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ چیزیں بتائے۔

-مفتی عبدالمصور خاں ندوی: مسلمانوں کو اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے۔

-مولانا اخلاق احمد قاسمی: مسلم بچوں کو اس سے مستثنیٰ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

-مولانا طیب ندوی: دین دار ٹیچر کے ذریعہ ہی تعلیم دی جائے۔

-قاری ظفرالاسلام صدیقی: مسلم بچوں کو مستثنیٰ کئے جانے کی کوشش کی جائے۔

-مفتی احسن عبدالحق ندوی: مسلمانوں کو اس کی پابندی نہیں کرنی چاہئے۔

-مفتی باقر ارشد بنگلوری: اس کتاب میں کوئی ایسی بحث نہ لائی جائے جو حیا سوزی پر مبنی ہو۔

-مفتی راشد حسین ندوی: اس کے خلاف آواز بلند کی جانی چاہئے۔

-مولانا صابر حسین ندوی نے مجلّہ "الوعی الاسلامی" کے حوالے سے جنسی تعلیم کے خدوخال پر پانچ اصول نقل کئے ہیں:

۱-"ضبط وسائل الحديثة والبعد عن وسائل الأثارة"، ۲-"لبس الحجاب بالنسبة لفتيات"، ۳-"منع الخلوة والاختلاط بين الرجال والمرأة، ۴-غض البصر، ۵-الزواج المبكر، يامعشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج" (بخاری حدیث نمبر: ۵۰۳۰)۔

-ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی نے کتاب کی ترتیب میں عمر کے مختلف مراحل کالحاظ، مثلاً سات سے دس سال کے لئے وضو و غسل کے آداب، ۱۵ اور اس سے زائد عمر والے بچوں کے لئے اجنبی سے تعلقات کا مفہوم اسلامی اقدار کی روشنی میں اس نزاکت کے ساتھ کہ اس عمر کے بچوں کے دل میں جنسی تحریک پیدا نہ ہو۔

سوال نمبر ۱۳-عصری اسکولوں میں تفریحی ، طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتا فوقتا بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اورمختلف کھیلوں کے مقابلے کرائے جاتے ھیں جس میں طلبہ و طالبات کا اختلاط بھی ھوتا ھے، اس کے لئے شرعی حکم کیا ھوگا؟ کیا مسلمان انتظامیہ کو اختلاط سے بچاتے ھوئے دونوں صنفوں کے لئے ان کاموں کو کرانا چاھئے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ اگر دونوں صنفوں کو الگ رکھا جاتا ہے اور اختلاط کی کہیں بھی

نوبت نہیں آتی ہے، لڑکیوں کی نگراں عورتیں اور لڑکوں کے نگراں مرد حضرات ہوتے ہیں تو بچوں کی بہتر نشو ونما اور صحت و تندرستی کے پیش نظر سیر و تفریح، وقتاً فوقتاً موٹر سائکل کی پردہ کی رعایت کے ساتھ ریس وغیرہ کے مقابلہ جائز ہیں، البتہ شہر کے باہر بالغ لڑکیاں بغیر محرم کے سیر و تفریح میں، خواہ اسکول کا گروپ ہی کیوں نہ جا رہا ہو نہیں جاسکتی ہیں۔

دلائل:

اس موقف پر مندرجہ ذیل دلائل نقل کئے ہیں:

۱-"**قل سیروا فی الأرض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم الله ینشأ النشأة الآخرة، إن الله علی کل شئ قدیر**"(سورۂ عنکبوت:۲۰)۔

۲-"**افلم یسیروا فی الأرض فتکون لهم قلوب یعقلون بها**"(سورۂ حج:۴۶)۔

۳-"**وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولی**" (سورۂ احزاب:۳۳)۔

۴-"**ولا تقربوا الزنا إنه کان فاحشة وساء سبیلا**" (سورۂ اسراء:۳۲)۔

۵-"**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدوا الله وعدوکم**"(سورۂ انفال:۶۰)۔

۶-"**ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله**"(سورۂ لقمان:۶)۔

۷-"**لعن رسول الله ﷺ المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال**"(بخاری کتاب اللباس حدیث:۵۸۸۵)۔

۸-"**لا ینظر الرجل إلی عریة الرجل ولا المرأة إلی عریة المرأة، ولا یقضی الرجل إلی الرجل فی ثوب واحد ولا تقضی المرأة إلی المرأة فی ثوب**" (ابوداؤد کتاب الحمام حدیث نمبر:۴۰۱۸)۔

۹-"**وفی سنن ابی داؤد: أما علمت أن الفخذ عورة**"(حوالہ سابق: حدیث نمبر ۴۰۱۴)۔

۱۰-"**عن عائشة أنها کانت مع النبی ﷺ فی سفر قالت: فسابقته، فسبقته علی رجلی، فلما حملت اللحم سابقته فسبقتنی، فقال هذه بتلک السبقة**"(ابوداؤد حدیث نمبر:۲۵۷۸)۔

۱۱-"**لا تسافر المرأة مسیرة یوم ولیلة إلا معها ذو محرم**" (ترمذی کتاب الرضاع حدیث نمبر:۱۱۸۳)۔

۱۲-"**عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ قال: استماع صوت الملاهی معصیة، والجلوس علیها فسق، والتلذذ بها کفر**"(نیل الأوطار حدیث نمبر:۳۵۵۳، ۸/۱۰۴)۔

۱۳-"**عن ابی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من حسن اسلام المرأ ترک مالا یعنیه**" (ترمذی، حدیث نمبر:۲۳۱۷)۔

۱۴-"المؤمن القوی خیر وأحب إلی الله من المؤمن الضعیف، وفی کل خیر"(مسلم، حدیث نمبر:۳۴(۲۶۶۴))۔

۱۵-"المرأة عورة، فإذا خرجت استسرفها الشیطان"(ترمذی حدیث:۱۱۷۳)۔

۱۶-"عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لیس للنساء نصیب فی الخروج إلا مضطرة ، یعنی لیس لها خادم"(الطبرانی فی الکبری حدیث۱۳۲۲۱مجمع الزوائدابواب العیدین)۔

۱۷-"لعن رسول ﷺ الرجل یلبس لسبة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل"(ردالمحتار۶۰۱/۹،کتاب الحظر)۔

۱۸-"وإن کانت امرأة فلا تسافر إلا مع ذی محرم، فإن عدمتها واضطرت إلی الخروج، سافرت مع نساء مؤمنات" (القوانین الفقہیہ/۳۸۰)۔

۱۹-"قال ابن عابدین: قوله: ولو فی الخلوة: أی إذا کان خارج الصلاة یجب الستر بحضرة الناس إجماعا، ولو فی الخلوة علی الصحیح"(شامی مع الدرکتاب الصلاة۷۵/۲)۔

۲۰-"اما إذا کان الممارس للریاضة لیس علیه إلا سروال قصیر، یبد ومن فخذه أو أکثر، فإنه لا یجوز، فإن الصحیح أنه یجب علی الثیاب ستر أفخاذهم، وأنه لا یجوز مشاهدة اللاعبین، وهم بهذه الحالة من الکشف عن أفخاذهن"(فتاوی العثیمین۹۸۶/۲)۔

۲۱-"قسم الحنفیة السفر من حیث حکمه إلی ثلاثة اقسام: سفر طاعة الحج ، والجهاد، وسفر یباح کالتجارة، وسفر معصیة کقطع الطریق، حج المرأة بلا محرم"(الموسوعۃ الفقہیۃ۲۷/۲۵)۔

۲۲-"ذهب الجمهور الفقهاء: الحنفیة المالکیة وهو الأصح عند الشافعیة إلی أن المرأة الأجنبیة الکافرة کالرجل الأجنبی بالنسبة للمسلمة، فلا یجوز أن تنظر إلی بدنها، ولیس للمسلمین أن تتجرد بین یدیها"(موسوعہ فقہیہ ۴۷/۳۱،مادہ:عورۃ)۔

۲۳-"وفی السراج: ودلت المسأله أن الملاهی کلها حرام، ویدخل علیهم بلا إذنهم للإنکار المنکر، قال ابن مسعود: صوت الملاهی والغنا ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات، قلت: وفی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام"(شامی مع الدرکتاب الحظر والاباحۃ۹/ ۵۰۲-۵۰۴)۔

۲۴-"عن عمرؓ:علموا أولادکم السباحة والرمایة ورکوب الخیل"(موسوعہ الردعلی المذاہب الفکریہ)۔

متفرق آراء:

سوال نمبر ۱۳ر کے جواب میں بعض مقالہ نگاران کی متفرق آراء بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

ان میں چند حضرات مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ چونکہ مختلف قسم کے دوڑ اور مسابقے ایسے ہوتے ہیں، جن میں خطرات بھی ہوتے ہیں، تضیع اوقات بھی ہیں، چھیڑ چھاڑ اور فقرے بازیاں، چوٹ لگنے کا خطرہ، اس لئے اس طرح کے مسابقوں میں شرکت سے احتراز لازمی ہے، اور اگر صحت وغیرہ پیش نظر ہو اور اسکول کی انتظامیہ مسلمان ہو تو صرف لڑکوں کے لئے دوسرے شہروں میں سیر و تفریح کے لئے جانا اور کھیل کود درست ہے، لڑکیوں کے لئے نہیں، اس موقف کو مفتی حیدر علی قاسمی اور مفتی نذیر احمد کشمیری نے اختیار کیا ہے۔

-مولانا معراج الدین کشمیر فرماتے ہیں کہ چونکہ لڑکیوں کے لئے باہر گھومنا پھرنا نسوانیت کے خلاف ہے، لہذا مناسب یہی ہے کہ لڑکیاں اس طرح کی سیر و تفریح سے پرہیز کریں، بالخصوص ہمارے اس زمانے میں، جبکہ بے حیائی اور فتنے عروج پر ہیں، البتہ محرم کے ساتھ خواتین کے سیر و تفریح کے موصوف بھی قائل ہیں۔

-مفتی سعید الرحمٰن قاسمی کہتے ہیں: بچیوں کے لئے جو بالغ ہوچکی ہیں یا قریب البلوغ مراہقہ ہیں ان کے بڑے مسائل ہیں، لہذا اس پرفتن دور میں ان غیر اسلامی مقابلہ میں شرکت کرنا جہاں اختلاط یا بے پردگی ہو ٹی وی کی اسکرینوں پر لڑکیوں کے مقابلہ کو ریلیز کیا جارہا ہو، ناجائز وحرام ہے۔

-مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی کہتے ہیں: عورتوں کے لئے کشتی اور کبڈی کے کھیل میں مقابلہ جائز نہیں ہے، کہ یہ مردانہ کھیل ہے۔

-مفتی نذیر احمد کشمیری کے نزدیک دوڑ وغیرہ صرف لڑکوں کے لئے درست ہے، لڑکیوں کے لئے نہیں۔

-مفتی اقبال احمد قاسمی کہتے ہیں کہ دراصل تعلیم کی آڑ میں یہود و نصاری کی تہذیب جو ساتھ ساتھ جڑی ہوئی ہے اس کو الگ کرنے کی ضرورت ہے، تعلیم جتنی ضروری ہے، ان کی مادر و پدر آزاد تہذیب سے بچنا بھی اتنا ہی ضروری ہے، اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلم انتظامیہ کو اپنے سیر و تفریح کے پروگرام ترتیب دینے چاہئیں اور بعینہ ان کی نقالی سے گریز کرنا چاہئے۔

-مفتی باقر ارشد قاسمی کہتے ہیں: ایسے مقامات پر بھی بچوں کو سیر و تفریح کے لئے نہیں لے جانا چاہئے جہاں شرکیہ اعمال انجام پاتے ہوں، جیسے مندر وغیرہ، اس سے بچوں کے ذہن خراب ہوں گے۔

-مفتی اعجاز الحسن باندے کی رائے بھی یہی ہے کہ ایسے کھیل کود کے پروگرام جن سے بچیوں کی نسوانیت تباہ ہوتی ہو، درست نہیں۔

-مولانا محمد بن عباس یوسف کہتے ہیں: قبل البلوغ گنجائش کے باوجود احتیاط اولی ہے۔

-مفتی محمد عثمان بستوی کہتے ہیں: مسلم انتظامیہ کا سیر وتفریح کھیل کود کے لئے دونوں صنفوں کا الگ الگ نظم کر کے بھی شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس سے صرف اختلاط سے حفاظت ہوگی، مگر دیگر خرابیوں کے دروازے کھلیں گے، اس لئے دیگر بہت سی خرابیوں کی وجہ سے سیر وتفریح، کھیل کود علاحدہ علاحدہ نظم کرنا بھی شرعا جائز نہیں، سیر وتفریح کے علاوہ لڑکیوں کی خوابیدہ صلاحیت کو بیدار کرنے کے لئے، ان کے درمیان تقابلی پروگرام کا انعقاد مفید ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، کھیل کود سیر وتفریح گھوڑ سواری، دوڑ، سائیکل ریس اس طرح کے پروگرام مردوں کی فطرت کے مطابق ہیں، لڑکیوں کی فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہیں، اس لئے لڑکوں کے لئے ورزش، تیراکی، دوڑ، گھوڑ سواری کا تقابلی پروگرام منعقد کرنا چاہئے اور لڑکیوں کے لئے کڑھائی، سلائی، بنائی، پینٹنگ، عمدہ کھانے کی قسمیں پکانے وغیرہ کا تقابلی پروگرام کرنا مفید ہے، اور یہی ان کے حق میں مفید ہے۔

-اس پر تمام مقالہ نگاران متفق ہیں کہ بالغ مراہقہ بچیاں سیر وتفریح میں مسافت سفر کے بقدر محرم کے بغیر نہیں جاسکتی ہیں، اگر چہ گروپ ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو۔

-اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صحت وتندرستی کو بڑھانے والے اور بچیوں کی فطرت سے ہم آہنگ ورزشی پروگرام مسلم انتظامیہ کا کرانا جن میں اختلاط سے بچا جائے، لباس وغیرہ میں شرعی حدود کی پابندی کی جائے، نماز کے اوقات کا لحاظ رکھا جائے، بچیوں کے تمام ارکان ذمہ داران، کوچ وغیرہ سب خواتین ہی ہوں، ان کے پروگرام کو کیمرے میں قید نہ کیا جائے اور نہ ہی ریلیز کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۱۴-ثقافتی پروگرام کے عنوان سے تقریریں، ڈرامے اور مکالمے کرانے کا سلسلہ بھی اسکولوں میں عام ہے، اس میں طالبات کو بھی تقریروں اور ڈراموں میں شریک کیاجاتا ہے، اس کے متعلق کیا شرعی حکم ہوگا؟

اس سوال کے دو اجزاء ہیں:

۱-تقریری پروگرام۔

۲-ڈرامے اور مکالمے:

سوال کے پہلے جز سے متعلق تمام مقالہ نگاران اس شرط کے ساتھ دس سال یا اس سے زیادہ عمر کی بچیوں کے لئے تقریروں کے پروگرام میں شرکت کرنا جائز مانتے ہیں، کہ مرد وخواتین کا اختلاط نہ ہو، بچیوں کا اپنا الگ پروگرام ہو اور ان کی آواز ہال سے باہر مردوں تک نہ پہنچے، اس شرط کے ساتھ بچیوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا جاسکتا ہے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اسلامی اور دینی ودعوتی کام بھی کرسکیں اور اسلام پر خواتین کے تعلق سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات دینے کے قابل ہوسکیں۔

دلائل:

مقالہ نگاران نے اپنے اس موقف پر مندرجہ ذیل دلائل دئے ہیں:

۱-"وقرن فی بیوتکن لا تبرجن تبرج الجاهلية" (سورۂ احزاب:۳۳)۔

۲-"ولا تخضعن بالقول فيطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروف" (سورۂ احزاب:۳۲)۔

۳-"يا يها النبی قل لأزواجک وبنا تک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلا بيبهن"(سورۂ احزاب:۵۹)۔

۴-"ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ:۲)۔

۵-"رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله" (سورۂ نور:۳۷)۔

۶-"ادع إلی سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة"(سورۂ نحل:)۔

۷-"يا يها الرسول بلغ ما أنزل إليک، وإن لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمک من الناس"(سورۂ مائدہ:۶۷)۔

۸-"قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها وتشتكی إلی الله، والله يسمع تحاور كما"(سورۂ مجادلہ:۱)۔

۹-"المؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر"(سورۂ توبہ:۷۱)۔

۱۰-"وإذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب، ذلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن"(احزاب:۵۳)۔

۱۱-"قال النبی ﷺ: النظرة سهم مسموم من سهام إبليس"(ترغیب والترہیب ۱/ ۴۷)۔

۱۲-"قال رسول الله ﷺ:ماتركت بعدی فتنة أضر علی الرجال من النساء"(مشكاة ۲/ ۲۶۷)۔

۱۳-"اتقوا مواضع القهم"(حدیث)۔

۱۴-"حديث جبرئيل ماالإيمان؟ وما الإحسان؟"(بخاری حدیث نمبر:۵،مسلم حدیث نمبر:۹-۱۰)۔

۱۵-"ويل للذی يحدث بالحديث ليضحک منه القوم فيكذب ويل له، ويل له"(مشكاة ۴/ ۶۳۱)۔

۱۶-"عن عائشةؓ أن أبا بكرؓ دخل عليها وعندها جاريتان فی أيام منیٰ تدفقان وتضربان والنبی ﷺ متغش بثوبه انتهزهما أبوبكر، فكشف النبی ﷺ عن وجه فقال: دعهمايا أبا بكر، فإنها أيام عيد، وتلک الإيام أيام منی"(بخاری)۔

۱۷-"إنک لاعبنا قال: إنی لا أقول إلا حقا" (شمائل ترمذی/ ۲۸)۔

۱۸-"ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين"(شامی ۲/ ۶۶۵)۔

۱۹-"نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب، قال عليه السلام: التسبيح بالرجال والتصفيق للنساء، فلا يحسن أن يسمعها الرجل" (ردالمحتار ۱/۴۰۶ باب شروط الصلاة باب ستر العورة)۔

۲۰-"إن هناک التزاما بمراعاة الزیّ والحشمة الإسلامية والحجاب بالنسبة للمرأة وعدم اختلاط الرجال بالنساء فی أماکن المتحرکة وتجنب عرض عفاتن المرأة" (الفتاوی الشرعیہ/ ۳۴۰)۔

۲۱-"وقال العلامة الجصاص تحت قوله: "ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن" الآية: وفيه دلالة على أن امرأة المنهية عن رفع صوتها بالكلام، بحيث يسمع ذلک الأجانب، إذا كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها، ولذلک کره أصحابنا أذان النساء؛ لأنه يحتاج فيه إلى رفع الصوت، والمرأة منهية عن ذلک" (احکام القرآن باب مایجب عن غض البصر عن المحرمات ۳/ ۳۱۹)۔

۲۲-"من حبس على مكان مرتفع والناس حوله يسألون منه بطريق الاستهزاء ثم يضربونه بالوسائد أی مثلا وهم يضحکون كفروا جميعا، أی لا ستخفا فهم بالشرع، وكذا لم يجلس على المكان المرتفع، ونقل عن الاستاذ نجم الدين الكندی سمرقند: أن من تشبه بالمعلم على وجه السخرية وأخذ الخشب وضرب الصبيان كفر، يعنی؛ لأن معلم القرآن من جملة علماء الشريعة فالا ستهزاء به وبمعلمه يكون كفرا" (شرح الاکبر للملا علی القاری فصل فی العلم والعلماء وکذا فی فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ، کتاب السیر ، الباب الثامن فی الاستخفاف بالعلم ۶/ ۳۳۷، بحوالہ کتاب النوازل ۱۶/ ۴۶۶)۔

۲۳-"ولا نجيزلهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما فی ذلک من استماله الرجال إليهن وتحريک الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة" (شامی ۱/ ۲۷۲)۔

۲۴-"والواجب على الدعاة، وعلى حكام المسلمين أن يساهموا فی هذا بكل مايستطيعون من طريق الإذاعة، ومن طريق الصحافة ومن طريق التلفاز ومن طريق الخطابة فی المحافل، ومن طريق الخطابة فی الجمعة، وغير الجمعة، وغير ذلک من الطرق التی يمكن إيصال الحق بها إلى الناس" (مجلّہ البحوث الاسلامیہ/ ۳۳۳)۔

۲۵-"صوت المرأة نفسه ليس بعورة لا يحرم مما به، إلا إذا كان فيه تكسر فی الحديث وخضوع فی القول، فيحرم منها ذلک لغير زوجها، ويحرم على الرجال سوى زوجها استماعه" (فتاوی اللجنہ الدائمۃ، فتوی نمبر ۲۰۹۲۹)۔

۲۶-"فإذا كانت التمثيلة، أو المسرحية تحمل هدفا محمودا وإيصال فكرة رشيدة، فلا حرج فی ذلک، ولو كانت فی حقيقتها مخترعة" (فتوی اسلام و، فتوی نمبر ۴۵۵۳۴)۔

۲۷-"وأما أذان المرأة ، فلأنها منهية عن رفع صوتها، لأنه يؤدي إلى الفتنة"(البحر الرائق کتاب الصلاۃ باب الاذان ۱/۴۵۸)۔

سوال نمبر ۱۴ کی شق (ب) کے بارے میں مقالہ نگاران کے دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان عدم جواز:

۱- یہ کہ اگر بچیاں ۱۰ رسال تک کی ہیں تو ان کے لئے ڈرامے اور مکالمے، نیز دیگر ثقافتی پروگرام جبکہ جملہ شرعی حدود کا خیال رکھا گیا ہو جائز ہیں، اور دس سال سے زیادہ عمر کی یا بالغ ہوں تو ان کے لئے جائز نہیں، یہ نقطہ نظر مندرجہ ذیل حضرات کا ہے:

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا سعود عالم قاسمی (ثانوی سطح کے بعد احتیاط لازم ہے)، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی (اس قید کے ساتھ کہ محض ہنسنے ہنسانے کے لئے نہ، جھوٹ اور بے ہودہ نقالی کا سہارا نہ لیا گیا ہو)۔

جبکہ مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد معراج الدین کشمیر، مولانا محمد عباس بن یوسف، مولانا ندیم احمد انصاری، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ اس میں بسا اوقات دین کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے، اور بچیوں کے لئے اسکی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے ڈرامے اسٹیج کرنا، مکالمے وغیرہ یہ ایک لایعنی کام ہے اور اسلامی طریقہ کے خلاف، نیز یہود ونصاری کی مشابہت ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے (مفتی ابوبکر قاسمی)۔

دوسرا رجحان (جواز):

اگر پروگرام میں شرعی حدود کی پابندی کی جاتی ہے، فتنہ سے ہر طرح مامون ہوتا ہے بچیوں کو اختلاط سے بچانے کا مکمل اہتمام ہوتا ہے، غیر مسلم دیوی، دیوتاؤں کی شکل اختیار نہیں کی جاتی، لباس اسلامی ہو، ڈرامے میں ایکشن غیر فطری نہ ہو اور اس پروگرام میں صرف خواتین ہی ہوں تو بچیوں میں جرات پیدا کرنے، اور ان کی خوابیدہ صلاحیت کو نکھارنے کے لئے ایسے مکالمے، ڈرامے اور ثقافتی پروگرام کرانے کی اجازت ہے، اور جائز ہے، بلکہ بسا اوقات بہتر ہوتا ہے، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی سلمان منصور پوری، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی محمد اشرف گونڈوی قاسمی، مفتی ظفر عالم ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبدالمنان آسام، مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحی، حافظ مفتی صادق محی الدین حیدرآباد، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی محمد باقر ارشد قاسمی، مولانا صفوان احمد حلیمی قاسمی، مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی مظاہر حسین عماد قاسمی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد طیب ندوی، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن ندوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا

سلیم الدین قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، قاضی عبدالجلیل قاسمی۔

مشروط جواز:

-مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی صاحب نے ۷ شرائط کے ساتھ اس کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

۱-اس میں دھوکہ نہ ہو، ۲-اس میں موسیقی کا استعمال نہ ہو، ۳-اس میں کسی مومن کی کردارکشی نہ کی گئی ہو، ۴-شکلیں نہ بگاڑی جائیں، ۵-اس میں انہماک ضرورت سے زائد نہ ہو، ۶-مرد وزن کا اختلاط نہ ہو، ۷-اصلاحی اور تذکیری مضامین سے بھرپور ہو تو دونوں صنفوں سے یہ کام کرایا جاسکتا ہے۔

پانچ شرطیں مولانا صابر حسین ندوی صاحب نے بھی ذکر کی ہیں۔

مفتی باقر ارشد قاسمی صاحب کہتے ہیں کہ دیوی دیوتاؤں کے میک آپ کر کے ڈرامہ اور مکالمہ کا کوئی پاٹ پیش کرنا ناجائز ہے۔

دلائل:

دونوں موقف کے دلائل جز اول (تقریری پروگرام میں شرکت) کے تحت گذر چکے ہیں، وہاں دیکھا جاسکتا ہے، تکرار لاحاصل سے بچتے ہوئے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر۱۵-نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں -جن میں جانوروں کی تصاویر اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں-نصاب میں شامل کرنا درست ہے، کیا تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لیاجاسکتا ہے؟ اسی طرح آج کل ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے-جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں-کلاسوں میں رکھے جاتے ہیں؛تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسمے بھی دیکھ لیں،اس کو جدید طریقہ تعلیم میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے، کیا یہ مجسمے کلاسوں میں مہیا کرنا جائز ہوگا؟

اس سوال میں بنیادی طور پر تین شقیں ہیں: ۱-جاندار اور انسانی اعظاء کی تصاویر نصابی کتابوں میں شامل کرنا، ۲-ڈیجیٹل تصاویر کے ذریعہ تفہیم، ۳-کلاس روم میں مجسمے رکھنا۔

ان تینوں کے الگ الگ جوابات حضرات مقالہ نگاران نے دیئے ہیں:

جواز:

شق (اول) کے جواب میں مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ بچوں کی نصابی کتابوں میں تصاویر کا

مقصد بچوں کے ذہن کو پڑھائے جانے والے مواد سے مزید قریب کرنا ہے اور مقصد چونکہ تعلیم ہے، اس لئے تعلیمی مقاصد کے تحت بچوں کی نصابی کتابوں میں جاندار اور انسانی اعضاء کی تصاویر شائع کرنا جائز ہے، البتہ صنفی اعضاء کو واضح نہ کرنا لازم ہے:

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا سلیم الدین قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی اکرم قاسمی ناگدا، مفتی باقر ارشد قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالدوس ندوی، حافظ مفتی صادق محی الدین، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبدالمنان قاسمی (آسام)، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مفتی محمد اشرف گونڈوی قاسمی، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی۔

ان حضرات مجوزین میں قاری ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے بدرجہ مجبوری کی قید کا اضافہ کیا ہے، جبکہ مفتی اقبال احمد قاسمی نے کراہت کا، مفتی اشرف گونڈوی نے تصاویر کے چھوٹی ہونے، مفتی ظفر عالم ندوی نے اس کے بہتر طریقے تعلیم نہ ہونے، اور مفتی عبدالمصور خاں ندوی نے احتیاط لازم ہے، کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

عدم جواز:

دوسری رائے نصابی کتابوں میں انسانی اعضاء اور جاندار کی تصاویر شائع کرنے کے بارے میں عدم جواز کی ہے، ان حضرات کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ ذی روح کی تصاویر کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، اس لئے کسی بھی جاندار کی تصویر شائع کرنا، خواہ تعلیمی مقاصد ہی کے لئے کیوں نہ ہو، جائز نہیں، اور جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تو اب تک کی انسانی دنیا بغیر تصویر کے بھی تعلیم حاصل کرتی چلی آئی ہے، اس لئے اس کی حاجت نہیں، اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنایا ہے:

مفتی محمد سلمان منصوری، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محمد معراج الدین کشمیر، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا ندیم احمد انصاری، مولانا محمد طیب ندوی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی حیدر علی قاسمی۔

البتہ ان حضرات مانعین میں سے بعض حضرات نے اس کی وضاحت بھی کی ہے کہ اگر بغیر تصویر والی کتاب میسر نہ ہو، یا تصویر والی کتاب اپنے معیار اور مواد کے لحاظ سے عمدہ ہو تو اسے نصاب میں شامل کرنے اور پڑھانے کی گنجائش ہے۔

حضرات مجوزین کے دلائل:

۱-"عن عائشة أم المومنین ؓ: أما سمعت أن سلیمان خیلالها أجنحة؛ قالت: فضحک حتی رأیت نواجذه" (نسائی، السنن حدیث نمبر: ۸۹۵۰، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۹۳۲، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۱۹۸۲)۔

۲-"قال ابن حجر: واستدل بهذا الحدیث علی جواز اتخاذ صور البنات واللعب من أجل لعب

البنات بهن، وخص ذلک من عموم النهی عن اتخاذ الصور، وبه جزم عیاض، ونقله عن الجمهور، وأنهم أجازوا بیع اللعب للبنات لتدریبهن من صغرهن علی أمر بیوتهن وأولادهن"(فتح الباری لابن حجر ۱۰/ ۵۲۷، دارالمعرفۃ بیروت)۔

۳-"ونصوّم صبااننا، ونجعل لهم اللعبة من العهن، فإذا بکی أحدهم علی الطعام أعطینا ذاک حتی یکون عند الإفطار" (بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر:۱۹۶۰،مسلم حدیث نمبر:۱۱۳۶)۔

۴-"یجوز تصویر لعب البنات، لأن عائشةؓ کانت تلعب بها عنده ﷺ، وحکمته تدریبهن أمر التربیة"(فتح المعین للملیباری ۳/ ۴۱۳)۔

۵-"مطابقة للترجمة من حیث إن رسول الله کان ینبسط إلی عائشة حیث یرضی بلعبها بالبنات، ویرسل إلیها صواحبها حتی یلعبن معها، وکانت عائشة حینئذ غیر بالغة، فلذلک رخص لها، والکراهة فیها قائمة للبوالغ"(عین:عمدۃ القاری ۲۲/ ۱۷۰)۔

۶-"یجوز بیع اللعبة، وأن یلعب بها الصبیان"(شامی ۱/ ۶۵۰)۔

۷-"فیسرّبهن إلیّ، فیلعبن معی"(بخاری کتاب الأدب حدیث نمبر:۶۱۳۰،مسلم حدیث نمبر:۲۴۴۰)۔

۸-لعنت تصویر بنانے والے اور تصویر اتارنے والے پر ہے،اس کے ذریعہ تفہیم اور دیکھنے پر کسی لعنت اور ممانعت کا ذکر نہیں ہے،"إن النبی ﷺ نهی عن ثمن الدم، وثمن الکلب، وکسب البغی، ولعن أکل الربا ومکله والواسمة والمستوسمة والمصور"(بخاری باب لا تدخل الملائکۃ بتاب فیہ صورۃ، حدیث نمبر ۵۹۶۲)، وکذا النهی، وإنما جاء عن تصویر ذی الروح"(بدائع ۱/ ۱۱۶)۔

۹-"وإذا کان التماثیل مقطوع الرأس فلیس بتمثال"(بدایۃ المبتدی/ ۲۰،اصاحب الہدایہ)۔

۱۰-"أو مقطوعة الرأس أی ممحوة الرأس......لا یکره؛ لأنها لاتعبد بدون الرأس عادة"(تبیین الحقائق ۱/ ۱۶۶)۔

۱۱-"عن عائشةؓ قال: دخل علی النبی ﷺ: وفی البیت قرام فیه صور، تتلون وجهه ثم تناول الستر فهتکه "(بخاری ادب،حدیث نمبر:۶۱۰۹)۔

۱۲-"قال أبوهریرةؓ: قال رسول الله ﷺ: أتانی جبرئیل فقال: إنی کنت آتیتک البارحة فلم یمنعنی أن أکون دخلت علیک البیت الذی کنت فیه، إلا أنه کان فی باب البیت تماثل الرجال، کان فی البیع قرام سترفیه تماثیل، وکان فی البیت کلب، فمربرأس التمثال الذی بالباب فلیقطع فلیصیر کهیئة الشجرة، ومر بالستر فلیقطع ویجعل منه وسادتین"(سنن الترمذی ابواب الأدب،حدیث نمبر:۲۸۰۶)۔

۱۳-’’ویکره أن یصلی وبین یدیه أو فوق رأسه أو علی یمینه أو علی یساره أو فی ثوبه تصاویر الخ وأشدها کراهة أن تکون أمام المصلی‘‘(الفتاوی الہندیہ ۱/ ۱۰۷)۔

۱۴-’’أو کانت صغیرة لا تتبین تفاصیل أعضائها للناظر قائما، وهی علی الأرض، ذکره الحلبی قال الشامی: هذا اضبط لما فی القهستانی: ولکن فی الخزانة: إن کانت الصورة مقدار طیر یکره، وإن کان أصغر فلا یکره‘‘(شامی ۱/ ۴۰۷)۔

۱۵-’’إلا أن تکون صغیرة ؛ لأن الصغار جدا لا تعبد، فلیس لها حکم الوثن‘‘ (البحر الرائق ۲/ ۵۰، ہدایہ ۱/ ۱۴۴)۔

۱۶-’’وفی الروایة الآتیة: دخلت أنا وأبوهریرة داراتبنی بالمدینة لسعید أو لمروان: قال: فرأی مصورا یصور فی الدار، وسعید هذا هو سعید بن العاص وکان هو مروان بن الحکم......لا یری حرمة الصورة المنقوشة فی الجدار التی لیس لها ظل‘‘(تکملہ فتح الملہم کتاب اللباس والزینة باب تحریم تصویر صورة الحیوان ۴/ ۱۵۴)۔

۱۷-’’إنه یرخص للصغار ما لا یرخص للکبار، لأن طبیعة الصغار اللهو، ولهذا تجد هذه الصور عند البنات الصغار کالبنات الحقیقة، کأنها ولدتها، وربهما تکون وسیلة لها لتربی أولادها فی المستقبل وتجدها تسمیها أیضا: هذه فلانة، وهذه فلانة، فقد یقول: قائل: إنه یرخص لها فیها، یعنی الألعاب التی هی دقیقة التصویر، وعلی صورة الإنسان تماما، فأنا أتوقف فی تحریمها ولا یمکن التخلص من الشبهة بأن یطمس وجهها‘‘(الشرح الممتع علی زاد المستقنع ۲/ ۲۰۸)۔

۱۸-’’ویجوز للحاجة الماسة، فإن الصم إلیکم لا یسمعون ولا ینطقون،فیلا قی المعلم صعوبة فی إفهامهم، وإیصال المعلومات إلی أذها نهم، ففی الصور المرسومة تقریب للمعنی ووسیلة إلی تصویر المراد وإدراک المقصود منه، کرسم القیام فی الصلاة، وقبض الیدین علی الصدر، وکتابة (قیام) ورسم الرکوع وکتابة کلمةّ(رکوع) وهکذا بقیة الأعمال إذا توقف الفهم علی الرسم واستخدام الصور المرسومة، سواء علی السبورة أو علی ورقة، ونحو ذلک‘‘(الفتاوی الشرعیة فی المسائل الطبیة ۱/ ۷۷، الشاملہ)۔

۱۹-’’الضرورات تبیح المحظورات‘‘(الاشباہ)۔

۲۰-’’واستثنی من المحرم لعبة بهیئة بنت صغیرة لتلعب بها البنات الصغآر، فیجوز تصویرها وبیعها، وشرائها لتدریبهن علی تربیة الأولاد‘‘(منح الجلیل ۲/ ۵۲۹)۔

۲۱-’’ویستثنی لعب البنات، وکذا الصبیان أی الذین یلعبونه من تصویر مشکلّ یسمونه عروسة‘‘(تحفة الحبیب علی شرح الخطیب بیان احکام الفرائض والوصایا ۴/ ۲۲۶)۔

۲۲-"لم نجد أحدا من الفقهاء تعرض لشئ من هنا، عدا ما ذكروه فى لعب الأطفال؛ أن العلة فى استثنائها من التحريم العام هو تدريب البنات على تربية الأطفال، كما قال جمهور الفقهاء، أو التدريب، واستيناس الأطفال وزيادة فرحهم لمصلحة تحسين النموكما قال الحليمى، وأن صناعة الصور أبيحت لهذه المصلحة مع قيام سبب التحريم، وهى كونها تماثيل لذوات الأرواح والتصوير لا يخرج عن ذلک"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۲/۱۲۱)۔

۲۳-"والعلة فى هذا الترخيص تدريبهن عن شأن تربية الأولاد، وتقدم النقل عن الحليمى، أن من العلة أيضا استيناس الصبيان وفرحهم، وأن ذلک يحصل لهم به النشاء والقوة والفرح و حسن النشو، ومزيد التعلم، فعلى هنا لا يكون الأمر قاصرا على الأناث من الصغار، بل يتعدا إلى الذكور منهم أيضا، ومن صرح به أبويوسف: ففى القنية: يجوز أن يبيع اللعبة، و أن يلعب بها الصبيان"(حوالہ سابق)۔

۲۴-"عن عائشة أن النبى ﷺ تزوجها وهى بنت ست سنين وبنى بها وهى بنت تسع لعبها معها"(صحیح مسلم ۱/۴۵٦)۔

۲۵-"كنت ألعب بالبنات فربما دخل على رسول الله ﷺ عندى الجوارى، فاذا دخل خرجن وإذا خرج دخلن"(بذل المجهود کتاب الادب ۱۳/۳۳٦)۔

۲٦-"وإن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذى فيه تمثال، فلا بأس باستعماله، لأن مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة"(شرح کتاب السیر الکبیر ۴/۲۸۱)۔

۲۷-"قال القاضى: إلا ماورد فى اللعب بالبنات لصغار البنات والرخصة فى ذلک"(شرح مسلم ۲/۱۹۹)۔

۲۸-"فيستثنى مما يحرم من المصور صور لعب البنات، فإنها لا تحرم، ويجوز استصناعها وصنعها وبيعها وشراء ها لهن؛ لأنهن يتدربن بذلک على رعاية الأطفال، وقد كان لعائشة رضى الله عنها جوار يلا عبنها بصور البنات المصنوعة من نحو خشب، فاذارأين الرسول الله ﷺ يستحين منه ويتقمعن، وأن النبى ﷺ يشتريها لها"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۷/۷۵)۔

مانعین کے دلائل:

۱-"إن الذين يوذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والأخرة"(احزاب:۵۷)۔

۲-"عن ابن مسعودؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة

المصورون"(بخاری کتاب اللباس ۸۸۰/۲، ظاہر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تصویر الحیوان)(شامی)،"قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فی الأحاديث يعنی مثل ما فی الصحيحين عنه ﷺ: أشد الناس عذابا"......يقال لهم أحيوا ما خلقتم، وسواء كان فی ثوب أو بساط أو دراهم أودينار، وفلس ، وإناء، وحائط وغيرها، فينبغی أن يكون حراما لا مكروها إن ثبت الإجماع أو قطعية الدليل لتواتره " (البحر الرائق، کتاب النوازل ۴۷۸/۱۶)۔

۳-"قالوا: إذا كانت الصور على البسط والفرس التی توطا بالأقدام فلا بأس بها"(عمدۃ القاری للعینی ۴۰/۱۲، فتح القدیر ۲۱۱/۱)۔

۴-"إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ماخلقتم"(بخاری، کتاب اللباس باب عذاب المصورین، القیامۃ)۔

۵-"من صور صورة فی الدنيا كلف يوم القيامة أن ينفسخ فيها الروح، وليس ينفسخ"(صحیح بخاری کتاب اللباس)۔

۶-"والمراد كلها ما تلعب به الصبية من الخرق والرقی ولم يكن لها صور مشخصة كالتصاوير المحرمة، فلا حاجة إلى ما قيل إن عدم إنكار النبی ﷺ لعبها بالصور، وإبقاء ها فی بيتها دال على أن ذلك كان قبل التحريم، وإن اللعب الصغار مظنة للاستخفاف"(حاشیہ مشکاۃ ۲۸۲/۲)۔

۷-"ولا يكره لو كانت تحت قدميه......أو مقطوعة الرأس والوجه أو مموحة عضو لا تعيش بدونه"(ردالمحتار ۶۴۸/۷)۔

۸-"عن أبی طلحةؓ قال: قال النبی ﷺ: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير" (بخاری حدیث نمبر:۵۹۴۹)۔

۹-"قال أصحابنا وغيرهم: تصوير الحيوان حرام أشد التحريم وهو من الكبائر وسواء صنعه مما يمتهن أو لغيره فحرام بكل حال، لأن فيه مضاهاة لخلق الله، وسواء كان فی ثوب أوبساط أو دينار أو درهم أو فلبس أو ابناء او حائط، وأما ما ليس فيه صورة حيوان كالشجر ونحوه فليس بحرام، وسواء هذا كله ماله ظل وما لا ظل له، وبمعناه قال جماعة العلماء، مالك والثوری وأبوحنيفة وغيرهم" (عمدۃ القاری ۷۰/۲۲)۔

۱۰-"اولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا، ثم صوروا فيه تلك الصور أولئك شراء خلق الله"(بخاری ۶۲/۱)۔

۱۱-"والظاهر أنه يلحق به الصليب، وإن لم يكن تمثال ذی روح؛ لأن فيه تشبها بالنصاری" (شامی/۴۳۵)۔

۱۲-"قال البيهقی بعد تخريجه: ثبت النهی عن اتخاذ الصور، فيحمل علی أن الرخصة لعائشة فی ذلک كان قبل التحريم، وبه جزم ابن الجوزی" (فتح الباری۱۰/ ۴۲۷-۵۲۶، رقم: ۶۱۳۰)۔

مانعین میں سے بعض حضرات نے اگر تصویر کا چہرہ مسخ کر دیا جائے یا سر کاٹ دیا جائے تو اس کی رخصت دی ہے۔

شق دوم: (لکڑی یا پلاسٹک کے مجسمے نصب کلاس روم میں رکھنا):

عدم جواز:

کلاس روم میں بچوں کی تفہیم کے پیش نظر جو لکڑی اور پلاسٹک کے ذی روح مجسمے رکھے جاتے ہیں اس کے بارے میں مندرجہ ذیل حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ چونکہ تمثیل ہے اور تمثیل وصور کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، اس لئے پلاسٹک اور لکڑی کے مجسمے رکھنا جائز نہیں ہے:

مفتی سلمان منصور پوری، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محمد معراج الدین کشمیر، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحی، مولانا صفوان احمد حلیمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا ندیم احمد انصاری، مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی (بکراہت)، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی سعیدالرحمٰن قاسمی، البتہ مانعین میں بعض حضرات نے مجسمہ کے سر اگر جدا کر دیئے جائیں تو اس کے رکھنے کی اجازت دی ہے۔

دلائل:

دلائل شق اول کے تحت تماثیل کی ممانعت سے متعلق گذر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے (کما مر آنفا)۔

جواز:

شق دوم (مجسمہ کلاسوں میں رکھنا):

مندرجہ ذیل حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ان مجسموں کا مقصد محض تعلیمی مواد کو بچوں کی فہم سے قریب کرنا اور اس کی تعلیم ہے، اور اس کی تعظیم مقصود نہیں ہے، بلکہ تدریب ہے، اس لئے یہ مجسمے احادیث میں مذکور تماثیل کی ممانعت سے مستثنیٰ اور بچوں کے کلاس روموں میں رکھنا جائز ہے، البتہ مجوزین میں سے بعض حضرات نے جواز کے ساتھ اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ مجسمے میں جنسی اعضاء واضح نہیں ہونے چاہئیں:

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی اقبال احمد

قاسمی (بکراہت)، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا معین الدین ندوی، مفتی عبدالمصور خاں ندوی (احتیاط لازم ہے)، مفتی محمد اشرف گونڈوی قاسمی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، مفتی ظفر عالم ندوی، مولانا محمد طیب ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی عبدالمنان قاسمی (آسام)، حافظ صادق محی الدین، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد اکرم قاسمی (ناگدا)، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، ڈاکٹر قاری ظفرالاسلام صدیقی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مفتی ابوبکر قاسمی (موصوف نے مجسمہ کے بجائے ڈیجیٹل تصویر کے استعمال کو بہتر قرار دیا ہے)۔

دلائل:

مذکورہ حضرات مجوزین کے دلائل (شق اول، یعنی نصابی کتابوں میں تصاویر) کے تحت گذر چکے ہیں، تکرار کی وجہ سے یہاں سے حذف کیا جاتا ہے، حسب خواہ وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

شق سوم (ڈیجیٹل تصویر):

(اتفاقی جواز):

سوال نمبر ۱۵ کے اس شق پر تقریبا تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ ڈیجیٹل تصاویر چونکہ محض اسکرین پر عکس ہوتی ہیں، جب تک اس کو کاغذ پر منتقل نہ کردیا جائے، اس میں دوام وثبات نہیں ہوتا، اور وہ سائے اور پانی، نیز شیشے میں دکھائی دینے والے عکس کی طرح ہے، اس لئے اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے، اور ڈیجیٹل تصویر سے تعلیمی مقاصد کے لئے کام لیا جاسکتا ہے۔

البتہ مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی، ڈیجیٹل تصویر کو بھی عام تصاویر کے حکم میں رکھتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے، اور مولانا محمد شفیق عبدالشکور فلاحی کہتے ہیں کہ ڈیجیٹل تصویر کے سلسلہ میں بھی احوط یہی ہے کہ بلاضرورت اس کے استعمال سے پرہیز کیا جائے، جبکہ مفتی محمد سلمان منصورپوری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی اور مفتی نذیر احمد کشمیری نے اس مسئلہ پر کوئی رائے علاحدہ سے نقل نہیں کی ہے۔

دلائل شق (الف) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

سوال نمبر ۱۶ —آج کل عصری تعلیمی اداروں میں طالبات کو بھی وھی مضامین پڑھائے جاتے ھیں جو طلبه کے لئے ھوتے ھیں، ان کو ایسے مضامین کی تعلیم نھیں دی جاتی،جو ان کی ضرورتوں سے متعلق ھو، جیسے: سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانه داری میں مھارت، اور اولاد کی تربیت وغیرہ، جو ادارے مسلمان انتظامیه کے تحت چلتے ھیں، وہ لڑکیوں کے لئے ان امور کی تعلیم کا انتظام

کرسکتے ھیں، تو کیاان کو اس طرح کا انتظام کرنا چاھئے، اور چاھئے تو کیا اسے واجب یا مستحب کا درجہ دیاجاسکتا ھے؟

اس سوال کے جواب میں حضرات مقالہ نگاران نے اتفاقی طور پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ چونکہ خواتین کا دائرہ اختیار گھر ہے، اسے اپنے افرادخانہ، خاونداورمحرم رشتہ دار جوان کی کفالت میں ہوں، اورخود اپنے بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کرنی ہوتی ہے، اس لئے ان تمام معاملات میں بہرحال انہیں سلیقہ مند ہونا چاہئے، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ ان کے اندر اخلاق اورعادات و اطوار کی بہتری کے ساتھ امور خانہ داری میں بھی مہارت ہو، اس لئے ان امور کا پڑھایا جانا اور مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں بطور خاص نہایت ہی مستحسن ومستحب، بلکہ خواتین کے وظیفہ حیات کے پیش نظران کے لئے لازم وضروری اورواجب کے درجہ میں ہے۔

دلائل:

۱-"**فإذا قضيت الصلاة فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل الله**"(سورہ جمعہ:۱۰)۔

۲-"**والمرأة راعية فی بيت زوجها وولده وهی مسؤلة عنهم**"(بخاری کتاب النکاح حدیث نمبر:۵۲۰۰)۔

۳-"**ألا تعلمين هذه رقية النملة، كما علمتيها الكتابة**" (سنن ابی داؤدحدیث نمبر:۳۸۸۷،طحاوی معانی الآ ثار،حدیث نمبر: ۷۱۸۳)۔

۴-"**طلب الحلال واجب على كل مسلم**"(مسندالفردوس للدیلمی حدیث نمبر: ۳۲۹۱۴)۔

۵-"**الوسائل لها أحكام المقاصد**"(مقاصدالشریعہ ۱/ ۴۷)۔

۶-"**ومعنى هذه القاعدة هو أن الأفعال التی تودی إلى مقاصدها يختلف حكمها باختلاف حكم المقاصد، فإن كان المقصود واجب فوسيلته واجب**"(سلسلہ المباحث الاصولیۃ، الوسائل الشرعیہ للدکتور عمر محمد جبہ جی/ ۳۱)۔

۷-"**الأمور بمقاصدها**"(الاشباہ)۔

۸-"**اعمال البيت واجبة عليها ديانة**"(محیط البرہانی،الفصل الثالث فی نفقۃ ذوالرحام ۳/ ۵۶۴)۔

۹-"**المسلمون عند شروطهم**"(بخاری،**أجر السمرة) فإن كان مشروعا، ولا تخالف نصامن كتاب الله ولاسنة رسول الله** ﷺ **فإنه يجب الوفاء يه**)(موسوعہ فقہیہ ۲۴/ ۹۵)۔

۱۰-"**مالا يتم الواجب إلا به، فهو واجب**" (العدۃ فی اصول الفقہ ۲/ ۴۱۹)۔

۱۱-"طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه لأمر لا بدمنه من أحكام الوضوء، والصلاة وسائر الشرائع ولأمور معاشه، وماوراء ذلک ليس بفرض، فإن تعلمها فهو أفضل، وإن تركها فلا إثم عليه، كذا في السراجية" (الفتاوی الہندیہ ۵/۳۷۷)۔

البتہ مندرجہ ذیل حضرات نے اس کو مسلم انتظامیہ پر لازم وضروری اور واجب قرار دیا ہے:

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا عبید اللہ ندوی (اسکول کے لئے مستحب اور والدین کے لئے واجب ہے)، مفتی مولانا شفیق بن عبد الشکور فلاحی، مولانا محمد طیب ندوی۔

ان حضرات کے پیش نظر یہ بات ہے کہ چونکہ یہ امور ایسے ہیں جو خواتین کی حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کو شادی کے بعد سماجی زندگی میں انہیں امور سے واسطہ پڑتا ہے، اولاد کی تربیت، ان میں سب سے اہم ہے، اس لئے یہ علوم ان کے لئے ضروری حد تک کارآمد ہیں، اس لئے یہ واجب کی حد تک مطلوب ہیں، اگر چہ ان کو واجب قرار دینے والے دلائل کتاب وسنت میں وارد نہیں ہیں، مگر دیانۃ اور خاندانی نظم وارتباط اور خانگی ضرورت کے پیش نظر واجب محسوس ہوتے ہیں۔

دلائل وہی ہیں جو فریق اول نے ذکر کئے ہیں، اس لئے الگ سے ان کے تذکرہ کی حاجت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۷-یہ بات ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کے لئے دین کی بنیادی واقفیت ضروری ہے، پہلے بچے پانچ چھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر میں اسکول میں داخل کئے جاتے تھے، اور ابتدائی جماعتوں میں تعلیم کابوجھ بھی کم ہوا کرتا تھا؛ اس لئے گھر میں بچوں کی بنیادی تعلیم ہوجایاکرتی تھی، خود ماں باپ میں بھی اتنی صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھالیں؛ لیکن مادیت کے غلبہ اور مغربی نظام تعلیم نے اس اہم فریضہ سے نہ صرف لوگوں کو غافل کردیا ہے؛ بلکہ اب اس کی ضرورت و اہمیت بھی دلوں سے رخصت ہوگئی ہے، اس پس منظر میں ضروری ہے کہ مسلمان اسلامی ماحول کے ساتھ عصری و تعلیمی ادارے قائم کریں اور ان میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔

سوال یہ ہے کہ ایسے اسکولوں میں کس حد تک دینی تعلیم شرعا ضروری ہے: تاکہ طلبہ و طالبات بقدر واجب دینی تعلیم حاصل کرلیں، اور دوسرے مضامین کی تعلیم بھی متاثر نہ ہو؟

اس سوال کا تعلق چونکہ اسکول میں داخل کئے جانے والے بنیادی دینی تعلیمی نصاب سے ہے، اس لئے ہر مقالہ نگار نے اپنے اپنے طور پر مختلف مشورے دیئے ہیں، جن کو یکجا بیان کرنا ممکن نہیں، اس لئے مقالہ نگاران کی آراء سے استفادہ کے پیش نظر ہر ایک کی رائے اور مشورے کا بنیادی حصہ ترتیب وار ان کے اسماء کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱-فرائض، واجبات، سنن مؤکدہ، حلال وحرام، اوامر ونواہی، ایمان، عقیدہ، ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم ضروری ہے (مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

۲-اتنا ضروری ہے جس سے بالغ ہونے کے بعد دینی فرائض واحکام سے واقف، حلال وحرام، حقوق اللہ وحقوق العباد سے واقف ہو سکے (مفتی حافظ صادق محی الدین)۔

۳-جتنے سے عبادات درست ہوجائیں، حلال وحرام کا شعور آ جائے، زندگی میں پیش آنے والے مسائل سے واقفیت ہوجائے، جن کے بغیر چارہ نہیں، طہارت ونفاست سے متعلق مسائل (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

۴-ترجمہ قرآن، فقہ (تعلیم الاسلام)، بنیادی احادیث، سیرت، عربی زبان (قاری ظفرالاسلام صدیقی)۔

۵-دین کی بنیادی تعلیم، عبادات کے ضروری احکام، حلال وحرام (مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی)۔

۶-توحید، رسالت، عبادات، قرآن کریم، سیرت، اخلاق وآداب، اسلامی تاریخ (مولانا عباس بن یوسف سعادتی)۔

۷-جوحصہ دینی تعلیم میں فرض کا ہے اس حد تک نصاب میں شامل کرنا ضروری ہے (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۸-فرائض دین، طہارت ونفاست، وضو، غسل کے مسائل، دین کی بنیادی تعلیم، عقیدہ رسالت (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۹-اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض سے بخوبی واقف ہوجائیں، طہارت، استنجاء، وضو، نواقض غسل، موجبات غسل، نماز روزہ، حج، زکوۃ سے متعلق مسائل (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

۱۰-اسلامی فرائض و واجبات کا علم اور حلال و حرام میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے (مفتی عبد المنان قاسمی، آسام)۔

۱۱-دین کی بنیادی واقفیت ضروری ہے (حافظ کلیم اللہ عمری)۔

۱۲-دین کی بنیادی واقفیت ضروری ہے (مفتی ظفر عالم ندوی)۔

۱۳-عقیدہ، احکام، اخلاق، معاملات، حقوق وفرائض، واجبات دین، دعا ماثورہ اور آداب حیات (ڈاکٹر سعود عالم قاسمی)۔

۱۴-دینیات کا ایسا جامع نصاب مرتب کیا جائے جو ابتدائی درجات سے درجہ ہفتم تک مکمل ہوجائے، اور طلبہ کو اسلام سے متعلق ضروری امور سے واقفیت ہوجائے (مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

۱۵-نصاب تعلیم، ذریعہ تعلیم، زبان وغیرہ تفصیلی گفتگو کے بعد مولانا لکھتے ہیں: دینی تعلیم کے لئے کسی حد کی وضاحت باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس نصاب اور نظام سے عصری تعلیم متاثر نہیں ہوگی، باقی فرض عین جو علوم ہیں مثلا نماز، روزہ، حج، روزہ مرہ سے متعلق حلال وحرام امور کی حد تک تعلیم دلانا ہر مسلمان پر فرض ہے (مفتی اشرف گونڈوی قاسمی)۔

۱۶-اسکولوں میں اس حد تک دینی تعلیم کا نظام ہونا لازم ہے جس سے حلال وحرام میں تمیز کر سکے، عقائد، ایمان، پاکی ناپاکی نماز وغیرہ تو ہر مرد وعورت پر فرض ہے ہی، "**وهو بقدر ما يحتاج إليه العبد فى إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى، ومعاشرة عباده، فقد فرض على كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين، والهداية، تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة**" (شامی مقدمہ ۱/ ۱۲۵) (مولانا محمد معین الدین قاسمی ندوی)۔

۱۷-چنانچہ اتنی تعلیم جو ہر مسلم شخص کے لئے ضروری ہے، دین کے بارے میں بنیادی واقفیت، توحید، اور شرک کی حقیقت، نبوت وحی کا اسلامی تصور، انبیاء اور بالخصوص حضور پاک ﷺ کے ضروری حالات زندگی پاکی، ناپاکی، نماز روزہ، حج، زکوۃ، قربانی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، ملازمت، کسب معاش، حلال وحرام کے طریقے وغیرہ، الی آخر (ماخوذ از شمع فروزاں ۲۰ر جولائی ۲۰۱۷) (مولانا محمد صابر حسین ندوی)۔

۱۸-بنیادی دینی تعلیم اس قدر ضروری ہے جس سے ان کے ذہنوں میں ان کی عظمت ظاہر ہوجائے اور اسلامی تعلیم اس کی رگ وپے میں سماجائے (مفتی محمد مقصود فرقانی)۔

۱۹-مسلم تنظیمیں اور ادارے ہاسٹل قائم کریں، تاکہ اسکول کے بچے وہاں رہ کر دینی ماحول میں خود کو ڈھال سکیں، یہ مغربی لادینی تعلیم کے لئے تریاق ہوگا (مولانا محمد نثار عالم ندوی)۔

۲۰-اتنی مقدار میں دینی تعلیم کا حصول ضروری ہے، جس کے ذریعہ عقیدہ کی درستگی ہوجائے، حلال وحرام کی تمیز کی جاسکے، فرائض کو جانا جاسکے، ایک ایسا نصاب مرتب کیا جائے جس میں پانچویں درجات کے اندر اندر ان تمام باتوں کو سمیٹ لیا جائے (مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۲۱-احقر کی رائے میں اس مطالعے کے دو حصے کرنے چاہئیں: پہلا حصہ ابتدائی ضروری معلومات پر مشتمل ہو جن کے بغیر ایک سچے مسلمان کی طرح زندگی گذارنا ممکن نہیں، اور دوسرا حصہ پہلے حصے کی تکمیل کے بعد ایسے مطالعے پر مشتمل ہو جس سے دینی معلومات میں اتنی وسعت اور استحکام پیدا ہوجائے کہ انسان گمراہ کرنے والوں سے گمراہ نہ ہو، پہلے حصے میں احقر کی نظر میں مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے: "حیاۃ المسلمین، فروع الایمان، تعلیم الدین، مردوں کے لئے بہشتی گوہر، جزاء الاعمال، سیرت خاتم الانبیاء، حکایات صحابہ، تاریخ اسلام کامل، اسوہ رسول اکرم ﷺ"، دوسرے حصے میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہونی چاہئے: "معارف القرآن، تفسیر عثمانی، معارف الحدیث کامل، بہشتی زیور کے مسائل، عقائد اسلام، شریعت وطریقت"۔ خلاصہ یہ کہ اسکول میں شروع سے داخل ہونے والے بچوں کے دین کی فکر اور ان کو مسلمان باقی رکھنے کے لئے مندرجہ بالا اقدامات ضروری ہیں، مسلم انتظامیہ یا مسلم ٹیچر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلم بچوں کی دینی تعلیم وتربیت سے ہرگز غفلت نہ برتیں کہ یہی اصل سرمایہ ہے، مولانا مفتی عبد اللہ کاپودرویؒ (گجرات، متوفی: جون ۲۰۱۸ء) نے اپنے بیان میں اسکول کے ذمہ داروں کو اس سلسلہ کے چند نکات کی طرف توجہ دلائی

تھی،جس کا خلاصہ یہ ہے:۱-بچوں کو تجوید اور عربی لہجے میں قرآن پاک سکھایا جائے،۲-موجودہ حالات میں عقائد کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور سرکاری اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اساتذہ اس کا بھی مطالعہ کریں،اور اس میں جو شرکیہ عقائد ہیں اس کے مقابلہ کا صحیح عقیدہ بچوں کو سکھایا جائے،۳-بہشتی ثمر اور دیگر کتب کے مسائل صرف پڑھنے پر اکتفاء نہ کرے،بلکہ اس کی عملی مشق کروائی جائے،پریکٹکل کرکے بتائیں،۴-نبی کریم ﷺ کی سیرت سکھائی جائے،خصوصا سیرت النبی ﷺ کے اہم ابواب کی جانب توجہ دی جائے،۵-بچوں کو اسلامی اخلاق کی طرف توجہ دلائی جائے (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۲۲-بقدر واجب دینی تعلیم:عقیدہ،عمل اور اخلاق کے اعتبار سے جو چیزیں بلوغ کے بعد لازمی ہوتی ہیں ان کی تعلیم بقدر واجب دینی تعلیم ہے:"**على الآباء والأمهات، وسائر الأولياء، تعليم الصغار، ما يلزمهم بعد البلوغ، يتعلم الصغير ما تصح به عقيدته من إيمان بالله وملائكته وكتبه ورسله، واليوم الآخر، وما تصح به عبادته ويعرفه ما يتعلق بصلاته وصيامه وطهارته ونحوها**"(موسوعہ فقہیہ ۱۰،۹/۳)،نیز تعلیم الاسلام سے زیادہ مختصر اور جامع کوئی کتاب نہیں (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۲۳-بقدر ضرورت مبادیات دین کا نظم کافی اور ضروری ہے،تفصیلی نصاب کے لئے مدارس موجود ہیں (مفتی اعجاز الحسن بانڈے)۔

۲۴-اس حد تک تعلیم دیں جس سے اسلام کے فرائض اور موٹے موٹے احکام اور تعلیمات سے باخبر ہوجائیں،غسل،وضو،روزہ سیکھ لیں،انبیاء کرام،صحابہ اور اولیاء سے واقف ہوجائیں،والدین کا ادب،بڑوں کا احترام،امانت داری،صدق لسانی اور دیگر اخلاق و آداب سے واقف ہوجائیں،"**قد يكون التعلم فرض عين وهو تعلم مالا بدمنه للمسلم، لإقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى، أو معاشرة عباده، فقد فرض على كل مكلف ومكلفة، بعد تعلمه، ما تصح به عقيد ته من أصول الدين، تعلم ما تصح به العبادات والمعاملات من الوضو، والغسل والصلاة والصوم أحكام الزكاة والحج لمن وجب عليه، واخلاص النية فى العبادات لله**"(موسوعہ فقہیہ ۶/۱۳)(مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۲۵-کم از کم ایک گھنٹہ دینی تعلیم کا نظم ضروری ہے،تاکہ ناظرہ قرآن اور دینیات کی ضروری چیزوں کی تعلیم دی جاسکے (مولانا محمد اکرم قاسمی،ناگدا)۔

۲۶-جتنے میں وہ اپنی روزمرہ کی زندگی شریعت کے مطابق گذارنے کے لائق ہوجائے (مولانا صفوان احمد حلیمی قاسمی)۔

۲۷-اس حد تک دینی تعلیم دینا ضروری ہے جس میں ان کے فرائض پورے ہوسکیں،اور وہ اسلامی شعائر کی عزت و قدر دانی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرسکے (مفتی عبد المصور خاں ندوی)۔

۲۸-بچوں کی دینی ذہن سازی کی طرف توجہ دی جائے،اور اسلامی عقائد پر مشتمل نصاب مرتب کیا جائے جو روزہ،نماز،

زکوۃ اور ارکان خمسہ، اسلامی آداب پر مشتمل ہو، مثلاً: ”عن ابن عباسؓ قال: كنت خلف النبی ﷺ یوما فقال: یا غلام إنی أعلمک كلمات، احفظ، الله يحفظك، احفظ، الله تجده تجاهک إذا سئلت فاسئل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوک بشئ لم ينفعوک إلا بشئ قد كتبه الله لک، وإن اجتمعوا على أن يضروک بشئ لم يضروک إلا بشئ قد كتبه الله عليک، رفعت الأقلام وجفت الصحف“ (ترمذی حدیث نمبر ۲۵۱۸) (مولانا معراج الدین کشمیر)۔

۲۹- فرائض وعقائد اور واجبات کی حد تک دینی تعلیم کا حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے (مولانا محمد اخلاق قاسمی)۔

۳۰- اس حد تک کہ اسلام کے شعائر، بنیادی احکام اور عقائد سے واقفیت ہو جائے (مولانا عبید اللہ ندوی)۔

۳۱- بچوں کو اتنی دینی تعلیم دینا ضروری ہے جس کا حاصل کرنا شرعاً فرض عین ہے (مفتی راشد حسین ندوی)۔

۳۲- بقدر فرض عین دینی تعلیم ضروری ہے (مولانا محمد عثمان قاسمی، چوکیہ جونپور)۔

۳۳- ایک گھنٹہ دینی تعلیم کو لازم رکھا جائے، نصاب کے مضامین میں اسلامی تہذیب کا خاص خیال رکھا جائے، اسکول میں باجماعت نماز کا اہتمام ہو (مولانا محمد شفیق عبد الشکور فلاحی)۔

۳۴- بچوں کی عمر، نفسیات اور ذہنی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے دینی تعلیم کا سلسلہ وار نصاب ان کی تعلیم میں شامل رکھیں، اس میں عقائد، مسائل، اخلاق، آداب، حلال وحرام، جائز وناجائز، طہارت، نجاست کے مسائل کے ساتھ مکمل ناظرہ قرآن، ضرورت کی حد تک تجوید، عم پارہ، سورہ یاسین، سورہ ملک وغیر، دعا، مکمل نماز، مختصر سیرت رسول اللہ ﷺ، سیرت صحابہؓ، اسلامی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ اور اخلاق کا تعارف شامل نصاب کیا جائے (مفتی نذیر احمد کشمیری)۔

۳۵- حالات کے پیش نظر دینی، اعتقادی، نیز شرعی مسائل پر مشتمل مضامین پڑھائے جائیں (مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

۳۶- توحید، شرک کی حقیقت، حضور ﷺ کے مختصر حالات، پاکی، ناپاکی، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، کسب معاش کے حلال طریقے، والدین اور عزیز واقارب کے حقوق، روزمرہ کے بارے میں حضور ﷺ کی سنتوں کی تعلیم دی جائے (مفتی حیدر علی قاسمی)۔

۳۷- مکاتب اسلامیہ میں درجہ پنجم تک جو اسلامی عقائد اور دینی تعلیم کا رائج نصاب ہے اس کو جدید طرز میں اسلامی ماحول عصری اسکول میں مقرر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ بچے نرسری سے پانچویں کلاس یا ساتویں کلاس تک قرآن پاک کی تلاوت، فرائض وعقائد، واجبات وسنن اور شریعت کے موٹے موٹے وسائل کے واقف ہو جائیں (مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)۔

۳۸- شرعی فرائض اور واجبات کا علم حاصل کرنا فرض ہے، خواہ وہ علوم عبادات ومعاملات سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ معاشرہ وتمدن سے، مستحبات کا علم مستحب اور مباحات کا علم مباح ہے (مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

۳۹- بچوں کو دوزخ سے بچانے کے لئے دینی تعلیم ضروری ہے، طریقہ معاش کی بھی تعلیم ضروری ہے، تاکہ وہ جائز طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کر سکے (مفتی محمد احسن عبدالحق ندوی)۔

۴۰- دینی تعلیم اس قدر دلانا واجب اور ضروری ہے جس سے وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض وواجبات کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں (مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۴۱- ایسا نصاب مقرر ہو جس میں عقائد، مختلف موقعوں کی دعائیں، اور ضروری مسائل کو اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ ایک مسلمان اپنی زندگی شریعت کے مطابق گذارنے کے لائق ہو جائے (قاضی عبدالجلیل قاسمی)۔

۴۲- دینی علوم کے حصول کی درجہ بندی اس طرح ہو، عقیدہ، عبادت، تزکیہ نفس، لوگوں کے ساتھ برتاؤ، حلال وحرام، ضروری وغیر ضروری کی پہچان ہو، مسلم اسکولوں کے ذمہ داران بھی کم از کم ایک گھنٹہ اپنے تعلیمی ادارے میں ناظرہ قرآن کے علاوہ عقائد، سیرت، اور فقہ وغیرہ کے لئے رکھیں (مولانا محمد طیب ندوی)۔

۴۳- مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر بچہ اور بچی کو اتنی دینی تعلیم ضرور دے جس سے وہ اپنے مذہبی فرائض بسہولت انجام دے سکے، اور ضروری عقائد ان کے ذہن میں راسخ ہو سکیں (مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

۴۴- اسکولوں میں دین کے علم کا فرائض وواجبات اور عقائد کی حد تک ہونا ضروری ہے (مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

۴۵- فرض عین تو پاکی وناپاکی کے مسائل اور نماز، روزہ وغیرہ عبادت کے احکام کا معلوم کرنا ہے، جو مکلّف پر واجب ہے، اور خرید وفروخت وکرایہ وغیرہ ان معاملات کے احکام کا معلوم کرنا ہے جن کی مکلّف کو اکثر حاجت پیش آتی ہے اور یہ ہم سب کو معلوم ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ ان پر نماز، روزہ، حج، زکوۃ فرض ہے اور بیع ورہن وغیرہ معاملات کرنے کا بہ کثرت ان کو اتفاق ہوتا ہے، مگر ان کو معلوم نہیں کہ ان کے متعلق شرعی احکام کیا ہیں؟ جن کا پورا کرنا ان کا فرض ہے، لہذا اپنے فریضے کو ترک کرنے کا ان پر گناہ ہوتا ہے اور ان کی کمائی صاف ستھری نہیں ہوتی، کیونکہ انہیں یہی معلوم نہیں کہ کون سی صورت معاملے کو فاسد کرتی ہے اور کون سی صورت اس کی اصلاح کرتی ہے (مولانا ندیم احمد انصاری)۔

سوال نمبر ۱۸ – اساتذہ کے تقرر میں مرد معلمین اور خواتین معلمات کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، بالغ لڑکے اور بالغ طالبات کے لئے جنس مخالف میں سے ٹیچر مقرر کرنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہوگا، یہ مسئلہ اس صورت میں مزید اہم بن جاتا ہے جب خاتون معلمہ کم تنخواہ پر مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت کا تقاضا ہو کہ وہ ان کی خدمت سے استفادہ کرے تو کیا ایسی صورت میں مخالف جنس ٹیچر کا تقرر درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کے درمیان دونوں طرح کی رائے پائی جاتی ہے، یعنی جواز اور عدم جواز، جواز کے

قائلین مجبوری اور ضرورت کے وقت جنس مخالف ٹیچر کے تقرر کی اجازت دیتے ہیں، جبکہ مانعین نے یہ کہتے ہوئے عدم جواز کی رائے اختیار کی ہے کہ مالی دشواری اور کم زیادہ تنخواہ پر معلمات کا مہیا ہونا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ خواتین کا استحصال ہے، اور جنس مخالف ہونے کی شرعی قباحت اپنی جگہ، چنانچہ حضرات مانعین لکھتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کے لئے تو کوئی مسئلہ نہیں، البتہ بڑے بچے بچیوں کے لئے جنس مخالف ٹیچر مقرر کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے، جس سے شریعت نے ہر قیمت پر روکا ہے، نیز دنیوی منفعت کو دینی مصلحت پر ترجیح نہیں دیا جاسکتا، اس لئے جنس مخالف ٹیچر کی تقرری کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا، اس عدم جواز کی رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا ندیم احمد انصاری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا محمد شفیق عبد الرشید فلاحی مظاہری، مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکیہ جونپور)، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، مولانا صفوان احمد حلیمی قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی عبدالمنان قاسمی (آسام)، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی ابوبکر قاسمی۔

دلائل:

حضرات مانعین جنہوں نے مختلف وجوہات اور فتنوں کے اندیشے اور احتیاط کے پیش نظر مخالف جنس ٹیچر کے تقرر کو ناجائز قرار دیا ہے، مندرجہ ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

۱-"**وإذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب**"(احزاب:۵۳)۔

۲-"**قل للمؤمنين يغضّوا من أبصارهم**"(سورۂ نور:۳۰)۔

۳-"**قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن**"(سورۂ نور:۳۱)۔

۴-"**إياكم والدخول على النساء**"(بخاری حدیث نمبر:۴۹۳۴)۔

۵-"**المرأة عورة إذا خرجت استشرفها الشيطان**"(ترمذی حدیث نمبر:۱۱۷۶)۔

۶-" **عن النبی ﷺ: أفعميا، وإن أنتما ألستما تبصرانه**"(ترمذی حدیث نمبر:۲۷۷۸)۔

۷-"**يفرق بين الصبيان فى المضاجع إذا بلغوا عشرسنين ويحول بين ذكور الصبيان والنسوان وبين الصبيان والرجال، فإن ذلك داعية إلى الفتنة ولو بعد حين......وفى البزازية: إذا بلغ الصبى عشرا لا ينام مع أمه وأخته وامرأة إلا بامراته أو جاريته، فالمراد التفريق بينهما عند النوم خوفا من الوقوع فى المحذور، فإن الولد إذا بلغ عشرا عقل الجماع، ولا ديانة لم ترده،...... خصوصا فى إنماء هذا الزمان، فإنهم يعرفون الفسق أكثر من الكبار**"(شامی علی الدر کتاب الحظر والاباحۃ ۹/۵۴۸)۔

۸-"فإنه إذا بلغوا لحلم" (جامع البیان ۷/ ۵۷۵)۔

۹-"فلا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض"، والدلالة أن الأحسن بالمرأة أن لاترفع صوتها بحيث يسمعها الرجال، ولا يضر بن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن" فإذا كانت منهية عن إسماع صوت خلخال فكلامها إذا كانت شابة تخشى من قبلها الفتنة أولى بالنهى عنه" (احکام القرآن للجصاص ، الاحزاب ۳/ ۳۷۰)۔

۱۰-"درأ المفاسد أولى من جلب المنافع، فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا، لأن اعتبار الشرع المنهيات أشد من اعتباره بالمأمورات" (الاشباہ: ۱۱۴)۔

۱۱-"وينظر من الأجنبية ولو كافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة......فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلى وجهها، فحل النظر مقدم بعدم الشهوة، ومالا فحرام، وهذا فى زمانهم، وأما فى زماننا فمنع من الشابة، وفى الشامية؛ لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة" (شامی ۹/ ۵۳۱، ۵۳۲ زکریا)۔

۱۲-"تعلم النساء من الرجال وما كان أعمى واجتماعهن معه مقام الفتنة على أن تنظر النساء على الرجال، وإن كانوا عميان أيضا مكروه" (مغنی المفتی والسائل بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۳/ ۴۰۳)۔

۱۳-"ويجب أن يكون تعليم النساء مع مراعاة آداب أمر الشارع المرأة بالتزامها للحفاظ على عرضها وشرفها وعفتها من عدم الاختلاط بالرجال، وعدم التبرج، وعدم الخضوع بالقول إذا كانت هناك حاجة للكلام مع الأجانب" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳/ ۱۳)۔

دوسری رائے بدرجہ مجبوری جائز:

جوحضرات بدرجہ مجبوری اورضرورت کی وجہ سے مخالف جنس ٹیچر کے تقرر کومختلف شرائط اور احتیاطی تدابیر کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد طیب ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا محمد معراج الدین کشمیر، مولانا محمد اکرم قاسمی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی قاسمی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا سلیم الدین قاسمی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، حافظ صادق محی الدین، مفتی مصطفی عبدالقدوس ندوی، حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی۔

مجوزین کی طرف سے لگائے گئے قیودات وشرائط:

۱-اصلاتوجنس مخالف ٹیچر کا تقرر جائز نہیں ہے، البتہ سن رسیدہ اور معمر ہو تو درست ہے (مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

۲-اگر مخالف جنسی ٹیچر مہیا نہ ہوتو صالح پاک دامن مرد اور صالح پاک دامن معلمات کا تقرر درست ہے (مولانا ریاض ارمان قاسمی)۔

۳-ضرورت اور مجبوری میں چونکہ جنس مخالف کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے ضرورت و مجبوری میں اجازت ہے (مفتی محمد عثمان بستوی)۔

۴-جب تک سخت مجبوری نہ ہو تقرر ہی نہ کیا جائے اور سخت مجبوری ہو تو احتیاط برتی جائے (مفتی راشد حسین ندوی)۔

۵-بقدر ضرورت شرعاً گنجائش ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ جنس مخالف ٹیچر کا تقرر نہ ہو، اور اگر شرعی محظورات کے ساتھ میں یہ عمل ہو تو بالکل جائز نہیں (مولانا معراج الدین کشمیر)۔

۶-معمر اور سن رسیدہ ٹیچر کا تقرر ہو (مولانا محمد اکرم قاسمی ناگدا)۔

۷-لڑکوں کے لئے عورت ٹیچر مقرر کرنا درست نہیں ہے، البتہ لڑکیوں کے لئے مرد ٹیچر مقرر کرنے کی گنجائش ہے، چند شرائط کے ساتھ ٹیچر نیک صالح ہو، پردہ کا معقول انتظام ہو، تنہائی کے مواقع، یعنی خلوت نہ ہو، سخت نگرانی میں ہو (مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی)۔

۸-اضطراری حالت میں جائز ہے (قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

۹-بالغ لڑکیوں کے لئے بدرجہ مجبوری جائز ہے، لڑکوں کے لئے معمر خاتون ٹیچر کا تقرر کیا جائے (مفتی اشرف قاسمی گونڈوی)۔

۱۰-کم تنخواہ پر خواتین معلمات کا تقرر استحصال ہے، اور ناجائز ہے (مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی)۔

۱۱-لڑکوں کے لئے معمر خاتون معلّمہ کا تقرر جائز ہے، چند شرائط کے ساتھ: معلّمہ پردہ کا التزام کرنے والی ہو، خاتون معلّمہ ایسا لب ولہجہ اختیار نہ کرے جو بیمار دل کے افراد میں کسی طرح کا لالچ پیدا کرے، اور مخالف جنس ٹیچر باکردار ہو، برائی اور فحاشی سے بچنے والی ہو، حسن سیرت سے آراستہ ہو، تقویٰ شعار ہو، (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)۔

۱۱-درجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے: ۱-استاد اور طالبات کے درمیان دیوار حائل ہو یا پردہ، ۲-تمام طالبات مکمل پردہ میں کلاس میں آئیں، اور استاذ بھی اپنی نظر کی حفاظت کرے، ۳-اگر معلّمہ ہو تو مکمل پردے میں ہو، ۴-اساتذہ اور طلبہ تعلیم کے علاوہ کوئی بات نہیں کریں گے (مولانا عبید اللہ ندوی)۔

۱۲-ناگزیر صورت میں عمر دراز معلمات کا تقرر کیا جائے جو باحجاب ہوں، اگر بچیوں کے لئے معلم مرد رکھنا مجبوری ہو جائے تو لڑکیوں کو شرعی حجاب کی پابندی کے ساتھ کلاس کرنی چاہئے (ڈاکٹر مسعود عالم قاسمی)۔

۱۳-جنس موافق کی تقرری میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے تو ایسی صورت میں حدود شرعیہ کی پابندی کے ساتھ پردہ کا

معقول انتظام کیا جائے اورسوال و جواب کوتحریری شکل میں دیا جائے ،تاکہ اختلاط سے کامل طور پر بچا جاسکے (مولانا محمد طیب ندوی)۔

۱۴-عورت کے لئے بالغ لڑکوں کو پڑھانا جائز نہیں ہے(مولانا اخلاق قاسمی،مولانا ریاض ارمان قاسمی)۔

۱۵-شرائط کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی نے لکھا ہے: پردہ کے پیچھے سے پڑھایا جائے،لڑکیاں خوشبو اورظاہری زینت کے بغیر آئیں،لڑکیاں اپنے گفتگو میں لوچ پیدا نہ کریں۔

اس طرح کے قیود وشرائط کا اور بھی مقالہ نگاران نے تذکرہ کیا ہے، یکسانیت کی وجہ سےطوالت سے بچتے ہوئے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

دلائل:

مذکورہ حضرات جنہوں نے مجبوری میں اس کی اجازت دی ہے،مندرجہ ذیل دلائل وشواہد پیش کئے ہیں:

۱-**"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"** (سورۂ حج:۷۸)۔

۲-**"یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"** (سورۂ بقرہ:۱۸۵)۔

۳-**"الدین یسر"** (بخاری)۔

۴-**"عن أبی سعید قال: جاء ت امرأة إلی رسول الله ﷺ فقال: یا رسول الله! ذهب الرجال بحدیثک فاجعل لنا من نفسک یوما نأتیک فیه تعلمنا مما علمک الله ، فقال: اجتمعن فی یوم کذا وکذا، مکان کذا وکذا فاجتمعن فأتاهن رسول الله ﷺ فعلمهن مما علمه الله"** (بخاری کتاب الاعتصام حدیث نمبر:۷۰۱۷،۲/۱۰۸۷)۔

۵-**"نعم النساء نساء الأنصار لم یمنعهن الحیاء أن یتفقهن فی الدین "** (بخاری کتاب العلم باب الحیاء)۔

۶-**"عن أبی موسی قال: ما أشکل علینا أصحاب رسول الله ﷺ حدیث قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علی"** (ترمذی حدیث نمبر:۳۸۸۲)۔

۷-**"إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما بارتکاب أخففهما"** (الاشباہ ۱۴۵/۵)۔

۸-**"جاز للأجنبی أن ینظر من المرأة إلی وجهها ویدیها بغیر شهوة، وإن کان یشتهیهما إذا نظر إلیها، جاز أن ینظر محذر، مثل أن یرید تزویجها أو الشهادة علیها وغیرها"** (احکام القرآن ۳/۴۰۸)۔

۹-**"وأما العجوز التی لا تشتهی فلا بأس بمصافحتها ومس یدها إذا أمن، ومتی جاز المس جاز سفره بها، ویخلو إذا أمن علیه، وعلیها وإلا لا"** (درمختار کتاب الحظر ۵۲۹/۹)۔

۱۰-**"وینظر من الأجنبیة ولو کافرة إلی وجهها وکفیها للضرورة فقط"** (درمختار مع الرد ۵۳۱/۹)۔

۱۱-"فیه جواز سماع كلام الأجنبية ومراجعتها الكلام للحاجة" (شرح مسلم ۲/ ۱۷۷)۔

۱۲-"قال حدثني أبوبكر بن حفص، قال : سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا وأخو عائشة على عائشة فسألها أخوها عن غسل رسول الله ﷺ فدعت بإناء نحو من صاع فاغسلت وأفاضت على رأسها وبيننا وبينها حجاب" (بخاری ۱/ ۲۹)۔

۱۳-"ويجوز الكلام المباح مع امرأة اجنبية" (ردالمحتار ۶/ ۳۶۹)۔

۱۴-"الضرر يزال" (الاشباہ)۔

۱۵-"الضرورات تبيح المحظورات" (الاشباہ)۔

سوال نمبر۱۹-اسی طرح اسکولوں کی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی طرف سے وقتا فوقتا معائنہ کرنے والے آتے رہتے ہیں، اور وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کلاس روم کی وسعت، باتھ روم، بچوں کے لئے کھیل کی سہولتیں، یونیفارم، فیس کا ڈھانچہ اور اسکول کی طرف سے دی جانے والی دیگر سہولیات کا معائنہ کرکے حکومت کی طرف سے منظوری کو برقرار رکھنے یا منسوخ کرنے کی تجویز دیتے ہیں، چونکہ بدقسمتی سے آج کل ہر میدان میں رشوت کا لین دین ایک معمول سا بن گیا ہے؛ اس لئے یہ رشوت کے طالب ہوتے ہیں، اور نہ دی جائے تو معمولی بہانوں سے منظوری کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کردیتے ہیں، کیا ایسی صورت میں ان کو رشوت دے کر اسکول کو بچایاجاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی اتفاقی رائے یہ ہے کہ چونکہ اسکول کو بچانا تا کہ اپنے بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرسکیں، یہ ہمارا جائز حق ہے اور کسی بھی جائز حق کے حاصل کرنے یا کسی کے ضرر سے محفوظ رہنے اور اپنے جان ومال کو ظلم سے بچانے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس لئے اسکول کو بچانے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی۔

چونکہ اس مسئلہ میں تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے، اس لئے اسمائے گرامی بخوف طوالت حذف کئے جاتے ہیں، اور صرف دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

دلائل:

۱-"دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم من نفسه وما له ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعني من حق الدافع" (شامی ۹/ ۶۰۷)۔

۲-"ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الأخذ" (شامی ۸/ ۳۵)۔

۳-"یروی عن ابن مسعودؓ أنه أخذ فأعطی دینارین حتی خلی سبیله"(شرح السنہ للبغوی ۱۶/ ۶۷)۔

۴-"وروی عن الحسن والشعبی وجابر بن زید وعطا، أنهم قالوا: لا بأس أن یصانع الرجل عن نفسه وماله، إذا خاف الظلم"(شرح السنہ للبغوی ۱۶/ ۶۷)۔

۵-"أما إذا اعطی لیتوصل إلی حق له ویدفع عن نفسه ظلما، فإنه غیر داخل فی اللعنة، وأما الحاکم فالرشوة علیه حرام أبطل بها حقه أو دفع بها ظلما"(الکبائر/ ۱۱۵)۔

۶-"نوع منها، أن یهدی الرجل إلی رجل مالا بسبب أن ذلک الرجل قد خوفه فیهدی إلیه مالا لیدفع الخوف عن نفسه أو یهدی إلی السلطان مالا لیدفع ظلمه عن نفسه أو عن ماله، وهذا نوع لا یحل الأخذ لآخذ، وإذا أخذ یدخل تحت هذا الوعید المذکور فی هذا الباب، وهل یحل للمعطی الإعطاء؟ عامة المشائخ، علی أنه یحل؛ لأنه یجعل ماله وقایة النفس أو یجعل بعض ماله وقایة للباقی"(فتاوی الہندیہ ۳/۳۳۱)۔

۷-"فإذا اعطی لیتوصل به إلی حق أو یدفع عن نفسه ظلما، فإنه غیر داخل فی هذا الوعید"(بذل المجہود ۶/ ۷ ۳۰، وہکذا فی اعلاء السنن للتھانوی ۱۵/ ۶۰)۔

البتہ بعض مقالہ نگار حضرات نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر اسکول انتظامیہ کی طرف سے اسکول کی خامیوں کو چھپانے کے لئے رشوت دی جارہی ہو تو پھر یہ رشوت جائز نہیں ہے، دونوں گنہگار رہوں گے۔

جبکہ مفتی عبدالمصور خاں ندوی نے اس رشوت کے معاملہ کو مطلقا حرام قرار دیا ہے، اور مفتی محمد عثمان قاسمی (چوکیہ، جونپور) نے اس شرط کے ساتھ کہ اگر اسکول کی انتظامیہ نے حکومت کی طرف سے عائد کردہ ساری شرائط پوری کرلی ہو تو درست، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل
سوال نمبر ۱ تا ۷

مولانا محمد عثمان بستوی ☆

لحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

أما بعد!

اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی کے ستائیسویں سمینار کے موضوعات میں سے ''عصری اداروں سے متعلق شرعی مسائل'' کے سوال نمبر ۱ تا ۷ / پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس احقر کے سپرد کی گئی، فقہ اکیڈمی کے توسط سے احقر کو کل ۳۲ / مقالات موصول ہوئے، جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مفتی حیدر علی قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، ڈاکٹر مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد احسن عبد الحق ندوی، مولانا حافظ حفیظ اللہ عمری، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی اعجاز الحسن باندے قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا معراج الدین، قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور فلاحی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی عبد المصور خان ندوی، مفتی صفوان احمد حلیمی قاسمی، مفتی محمد اکرم قاسمی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی صاحبان اور احقر محمد عثمان عفی عنہ۔

مقالہ نگار حضرات کی آراء اور دلائل کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کے بعد اپنی رائے کو بھی واضح کر دیا جائے گا۔

۱- اسلامی ماحول میں عصری اداروں کا قیام:

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے دو نقطہائے نظر سامنے آئے (۱) جواز و استحباب (۲) وجوب۔

☆ ریاض العلوم گورینی، جونپور، یوپی۔

قائلین جواز کے اسماء: مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا اعجاز الحسن قاسمی، مولانا معین الدین ندوی، مولانا معراج الدین، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا شفیق فلاحی، مولانا عباس ابن یوسف، مولانا صفوان احمد قاسمی صاحبان۔

البتہ مفتی محمد اخلاق قاسمی کے بیان میں تعارض ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ایسے اسکول اور کالجز کا قیام مسلمانوں کے لیے مباح ہے، اور پھر دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''عصری اداروں کا قیام اسلامی ماحول کے ساتھ مسلمانوں کے ذمے واجب کے درجے میں ہے'' عارض اس سے قاصر ہے کہ ان کی رائے کو واجب میں شمار کرے یا جواز میں۔

اور اسی طرح مولانا ریاض ارمان قاسمی نے تھوڑی سی تفصیل کی ہے کہ عامۃ المسلمین کے لیے عصری اداروں کا قیام جائز اور علماء کے لیے فرض کفایہ اور واجب ہے، لیکن مولانا کی یہ تفصیل بھی قابل غور ہے کہ اہل علم کے لیے تو فرض اور عوام کے لیے جائز اگر جائز ہے تو سب کے لیے اور اگر واجب ہے تو سب کے لیے واجب، اس فرق کی کوئی وجہ ظاہر نہیں، رہا حضرت اقدس تھانویؒ کا ملفوظ تو اس سے یہ تفصیل ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ حضرت کا ملفوظ اہل علم کو انگریزی وغیرہ کی تعلیم دینے سے متعلق ہے کہ علماء کے لیے، اہل علم ہی اس کا نظم فرمائیں اور کالجز وغیرہ میں اہل علم کی تعلیم مضرت سے خالی نہیں (العلم والعلماء: ۱۱۰، ۱۱۱)۔

جواز کے دلائل:۔ جواز سے متعلق مقالہ نگار کے دلائل کم وبیش مشترک ہیں اور وہ علم کی فضیلت واہمیت سے متعلق آیات وروایات ہیں مثلاً: **إقرأ باسم ربک الذی خلق الانسان الآیة**'' اور ''**إنما یخشی الله من عباده العلماء، طلب العلم فریضة علی کل مسلم، واعدوا لهم ما استطعتم من قوة**'' اور اس کے علاوہ بھی آیات وروایات اور اصول فقہیہ درج ہیں۔

عارض کا خیال ہے کہ '' **طلب العلم فریضة و أعدوا لهم ما استطعتم**'' سے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے، یہ جواز کی دلیل کیسے بنے گی؟ مقالہ نگار اس پر خود غور کرلیں۔

قائلینِ وجوب کے اسماء اور ان کے دلائل:

بتیس حضرات میں سے ۹ر کے علاوہ بقیہ تمام مقالہ نگار حضرات وجوب کے قائل ہیں، البتہ ان کی تعبیرات میں الفاظ کا اختلاف ہے، بعض نے فرض، بعض نے لازم اور ضروری، بعض نے واجب، جیسے الفاظ استعمال کیا ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف الفاظ کا اختلاف ہے، مآل اور مقصد سب کا ایک ہے، وجوب کے دلائل میں اہم دلائل: '' **ما لا یتم الفرض إلا به فهو فرض**'' (تبیین: ۱ر۱۰۴ مفتی شاہجہاں ندوی) ''**ما لا یتم الواجب إلابه فهو واجب**'' (الاشباہ للسیوطی: ۱۵۷ مفتی صابر حسین ندوی، مولانا سلیم الدین قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی) ''**مقدمة الواجب واجب**'' (مفتی اقبال احمد قاسمی) ''**الضرر یزال**'' (مفتی محبوب فروغ احمد) ''**واعدو لهم ماستطعتم** '' (مفتی راشد حسین ندوی) ''**مالا یتوصل الی ترک الحرام الا به یکون فرضا**'' (شامی: ۴ر۶۳، ۶۴) (مولانا محمد عثمان بستوی) وغیرہ ہیں۔

عارض کی رائے:

بندہ عارض بھی اسی نقطۂ نظر کا قائل اور انہیں دلائل کا مؤید ہے؛ کیونکہ مفید علوم عصریہ مثلاً: طب، ریاضی، سائنس، ٹیکنالوجی جیسے علوم کی ضرورت مسلمات میں سے ہے اور ان سے استغنا ناممکن ہے، نیز نسلِ نو کی ایک بہت بڑی تعداد کے دین وایمان کا تحفظ بھی اسلامی ماحول کے عصری اداروں پر موقوف ہے؛ کیونکہ ان نونہالانِ اسلام کو عصری کالجز سے نکالنا؛ تو ممکن نہیں، ہاں! متبادل فراہم کر کے دین واخلاق کا تحفظ ممکن ہے؛ اس لیے متبادل کا انتظام ضروری ہے، جیسا کہ متقدمین نے منطق وفلسفہ جیسے علوم کو سیکھ کر اس کے ضرر کا ازالہ کیا۔

۲- عصری اداروں کا نصاب تعلیم:

یہ سوال تین شقوں پر مشتمل ہے (۱) مسلمانوں کے زیر انتظام عصری اداروں کے نصاب تعلیم میں کن امور کا لحاظ ضروری ہے (۲) غیر شرعی وغیر اخلاقی مضامین وافکار کی اختیاری تعلیم کا حکم (۳) ان مضامین کی جبری تعلیم کا حکم۔

پہلے شق کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ نصاب تعلیم: توحید ورسالت، عبادات معاملات ومعاشرتی زندگی اور اسلامی تاریخ کے مضامین کے ساتھ عصری علوم کی ایسی مفید کتابوں پر مشتمل ہو، جو دین واخلاق، اعتقادات کے فساد کا سبب نہ ہوں۔

(۲) اپنے اختیار سے غیر شرعی وغیر اخلاقی مضامین کو نصاب میں داخل کرنے کے عدم جواز پر تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے، کیونکہ ان مضامین کے داخل کرنے سے مسلمانوں کے زیر انتظام تعلیمی اداروں کے قیام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا اور " **فر من المطر قام تحت الميزاب**" کا مصداق بن جاتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ (مشکاۃ: ۳۲) چشم بصیرت کے لیے کافی ہے۔

(۳) جب ان مضامین کا داخلِ نصاب کرنا قانونی مجبوری ہو اور کوئی چارہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں ان کی تعلیم کے لیے ایسے ماہر اساتذہ کا انتخاب کر کے ان مضامین کی تعلیم دلائی جائے، جو اس کے مفاسد سے اچھی طرح واقف ہوں اور اس کے ابطال پر قادر ہوں، یہی رائے تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کی ہے اور خود عارض بھی اسی کا قائل ہے؛ اس لئے کہ ضرورت کے وقت باطل مضامین کو اس کے بطلان کی وضاحت کے ساتھ پڑھانے کی شرعاً اجازت ہوتی ہے: "**قال الحافظ قد أجاز بعض العلماء تعلم السحر لأحد الأمرين: لتمييز ما فيه كفر من غيره فلا محذور فيه**" (احکام القرآن للتھانوی)۔

"**وقال الطيبي: فيه دليل على جواز تعلم ما هو حرام في شرعنا للتوقي والحذر عن الوقوع في الشر**" (مرقاۃ ۸/۷۷۴)۔

البتہ مفتی احسن عبد الحق ندوی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا عبد المصور خان صاحبان نے کسی حال میں ایسے نصابِ تعلیم کی اجازت نہیں دی ہے۔

۳- مفاسد پر مبنی تعلیمی اداروں میں داخلے کا حکم:

مالی وسائل کی کمی یا مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول کے فقدان یا کسی اور مجبوری کی بناء پر ایسے اسکولوں میں جس کا نصابِ تعلیم غیر شرعی وغیر اخلاقی مضامین پر مشتمل ہو، تعلیم دلانے کے جواز پر تمام مقالہ نگار حضرات کا تقریباً اتفاق ہے، البتہ درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا لازم وضروری ہے۔

(۱) اسلامی ماحول کے عصری اداروں کے قیام کی جلد از جلد فکر کی جائے۔

(۲) اپنے گھر کا ماحول اسلامی بنایا جائے۔

(۳) گھر پر بچوں کو دین واخلاق کی ضروری تعلیم دی جائے۔

(۴) کفر وشرک وبت پرستی کی شناعت وقباحت بچوں کے ذہن نشین کرائی جائے۔

(۵) خالی اوقات میں بچوں کو دینی مراکز، صباحی ومسائی دینی مکاتب سے مربوط کیا جائے، حاصل یہ کہ بچوں کے دین و اخلاق کے حفاظت کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہو، اختیار کرنا لازم ہوگا۔

اس کے برعکس مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی محبوب فروغ احمد، مفتی اشرف قاسمی اور مولانا عبدالمصور خان صاحبان نے ایسے اسکولوں میں تعلیم کو مطلقاً ناجائز کہا ہے۔

ان حضرات کے نزدیک اسکولوں سے ان مفاسد کے سد باب کی کوشش کی جائے اگر ممکن ہو؛ تو بچوں کو نکال لیا جائے؛ کیونکہ مسلمان رہ کر جاہل رہنا بہتر ہے۔

عارض کی رائے:

لیکن عارض کی رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے، کیونکہ جائز کہنے والے حضرات بھی جواز کے لیے یہ شرط ملحوظ رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام محفوظ رہے، اسلام کے ضیاع کی صورت میں کوئی بھی اس کی اجازت کا قائل نہیں۔

۴- مخلوط نظام تعلیم:

اس سوال میں دوشقیں ہیں (۱) مالی قلت اور خدابیزاری کی وجہ سے مخلوط تعلیم (۲) جداگانہ نظام تعلیم کے لیے عمر کی حد۔

(۱) مخلوط تعلیم خواہ خدا بیزاری کی وجہ سے ہو یا مالی قلت اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے کسی صورت میں جائز نہیں، اس پر تمام مقالہ نگار حضرات کا تقریباً اتفاق ہے؛ کیونکہ پردہ شریعت اسلامیہ میں فرض ہے اور حصول تعلیم کے لیے اس فرض کو ترک کرنا جائز نہیں، دلائل میں پردے کی فرضیت سے متعلق آیات وروایات درج کی گئی ہیں، البتہ مولانا اکرم قاسمی اور مفتی اشرف قاسمی نے بلوغ کے بعد الگ کرنے کو بہتر کہا ہے، جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ بلوغ کے بعد بھی علیحدہ انتظام لازم اور ضروری نہیں اور مولانا ظفر عالم ندوی اور مظاہر حسین قاسمی صاحبان نے مالی وسائل کی قلت کی بنا پر وقتی مخلوط نظام تعلیم کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ پردے کا اہتمام ہو، بندہ

بھی اسی کا قائل ہے، جس کی تفصیل سوال نمبر ۵ ر کے تحت آ رہی ہے۔

(۲) دوسرے شق کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ جنسی شعور بیدار ہونے سے قبل مخلوط تعلیم کی اجازت ہے اور جنسی شعور کے بیدار ہونے کے بعد مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں، لیکن تعیین عمر میں کچھ اختلاف ہے، بعض نے نو دس سال کی عمر بعض نے سات سال کی عمر سے علی حدہ انتظام کو لازم کہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف برہان نہیں؛ بلکہ اختلافِ زمان ہے ؛ کیونکہ جس وقت بچوں میں جنسی شعور دس سال سے پہلے ہی پیدا ہو جائے، تو سب کے نزدیک دس سال سے پہلے ہی علیحدہ انتظام لازم ہوگا اور دلائل میں احادیث اور فقہاء کی عبارات درج ہیں، جن کو اختصاراً حذف کیا جاتا ہے۔

۵- جداگانہ نظام تعلیم کی مختلف شکلوں کا حکم:

اس سوال کے تحت علیحدہ انتظام کی کل تین صورتیں درج ہیں اور ان کے احکام پر تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ پہلی شکل سب سے افضل ہے اور دوسری جائز ہے اور تیسری شکل کی بھی گنجائش ہے، البتہ اگر درمیان میں کوئی حائل نہ ہو، صرف نشست آگے پیچھے ہو، تو اس کو درج ذیل حضرات نے اختلاط ہی کی ایک شکل مان کر ناجائز کہا ہے، جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی صفوان حلیمی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا سعید الرحمٰن بستوی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا معراج الدین، مفتی صابر حسین ندوی فرماتے ہیں کہ یہ شکل مقناطیس کو لوہے کے قریب رکھ کر تماشہ دیکھنے کے مترادف ہے۔

مفتی باقر ارشد، مولانا محمد شفیق فلاحی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری اور مولانا معراج الدین صاحبان نے تیسری شکل کی دونوں شقوں کو ناجائز کہا ہے۔

عارض کی رائے:

لیکن بندہ عارض کا خیال یہ ہے کہ جب غیر مخلوط تعلیمی ادارے موجود نہ ہوں اور مخلوط اداروں میں تعلیم ضرورت اور مجبوری ہو، تو ایسی صورت میں تیسری شکل کی دونوں شقوں کی ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہوگی، بشرطیکہ درج ذیل امور کا اہتمام کیا جائے۔

(۱) خواتین پردے کے ساتھ ہوں۔

(۲) ان کا لباس شوخ اور پر کشش نہ ہو۔

(۳) خوش بو وغیرہ لگا کر نہ آئیں، جیسا کہ حضرات محدثین وفقہانے ان شرائط کو ملحوظ رکھ کر مسجدوں میں نماز باجماعت کی اجازت دی ہے (نووی)۔

چنانچہ مفتی سلیم الدین قاسمی نے قاضی اطہر مبارکپوری کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ جب محدّثات کسی محدّث سے سماع حدیث کے لیے جاتیں تو وہاں درسگاہ میں مرد وعورت کی نشست گاہیں الگ ہوتیں، ان محدثات طالبات کی، درس گاہوں میں مخصوص جگہ ہوتی تھی، جس میں وہ مردوں سے الگ رہ کر سماع کرتی تھیں، طلبہ اور طالبات میں اختلاط نہ ہوتا تھا (خواتین اسلام کی دینی خدمات: ۲۳)۔

۶- خلاف حقیقت عمر کا اندراج:

اسکول و کالج میں بلا کسی ضرورت ومجبوری کے خلافِ حقیقت عمر کا اندراج کرانے کے سلسلے میں تمام مفتیان کرام کا عدمِ جواز پر اتفاق ہے، البتہ اگر ایسی ضروت اور مجبوی ہو کہ بغیر عمر کا غلط اندراج کرائے، بچہ تعلیم سے محروم رہ جائے گا اور اس کا کوئی متبادل بھی موجود نہ ہو؛ تو اس سلسلے میں مقالہ نگار حضرات کے درمیان اختلاف ہے (۱) جائز: کیونکہ تعلیم ایک انسانی حق ہے اور اس سے روکنے والے قوانین ظلم ہیں اور ظلم کا دفاع جس طرح سے بھی کرنا ممکن ہو، جائز ہے۔

قائلین جواز کے اسماء:

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (توبہ واستغفار کے ساتھ)، مفتی صابر حسین ندوی، مظاہر حسین ندوی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مفتی جمیل اختر ندوی، مولانا اعجاز الحسن بانڈے، مفتی اقبال احمد قاسمی، سید باقر ارشد قاسمی، مولانا معین الدین ندوی، مولانا معراج الدین، مفتی عباس بن یوسف، مولانا سلیم الدین قاسمی، مولانا اخلاق قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی (آخر الذکرتین حضرات کے یہاں توریہ وتعریض کے ساتھ)۔

جواز کے دلائل:

”**جواز كذب الإنسان على نفسه وعلى غيره إذا لم يتضمن ضرر ذلك الغير إذا كان يتوصل بالكذب إلى حقه**“ (زاد المعاد ۲/ ۱۴۵) مفتی صابر حسین ندوی، مفتی جمیل اختر ندوی، مولانا عباس بن یوسف سعادتی۔

”**الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض؛لأن عين الكذب حرام**“ (شامی: ۹/ ۶۱۲) (مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا عباس بن یوسف سعادتی، مولانا اخلاق قاسمی)۔

”**الكذب محذور إلا في القتال للخدعة، وفي الصلح بين اثنين وفي إرضاء الأهل، وفى دفع الظالم عن الظلم**“ (الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/ ۳۵۲)، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا معراج الدین، مولانا عباس بن یوسف سعادتی۔

(۲) دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ خلافِ حقیقت اندراج اور حلف نامہ داخل کرنا، صرف اسکول تک محدود نہیں، بلکہ اس کے بعد جن جن مواقع میں عمر کے اندراج کی ضرورت پیش آئے گی، اس جگہ اسی خلاف حقیقت امر کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے حقوق بھی تلف ہونے کا امکان ہوگا، اور آئندہ عزت وآبرو کے خطرات کا بھی احتمال ہوگا، اور عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا یا دوسرے کی حق تلفی کرنا جائز نہیں، نیز مفتی راشد حسین ندوی صاحب لکھتے ہیں: مشکل یہ ہے کہ فقہاء نے جہاں کذب کی اجازت دی ہے، وہاں یہ شرط لگائی ہے کہ صریح کذب نہ بولا جائے، اس لیے کہ عین کذب ہر حالت میں حرام ہے، اور صورت مسئولہ میں گول مول بات کی گنجائش نہیں (یعنی تعریض کی کوئی صورت بنتی نظر نہیں آ رہی ہے: بندہ محمد عثمان عفی عنہ)۔

عارض کی رائے:

بندۂ عارض کا خیال یہ ہے کہ جب اس کے بغیر تعلیم کے تمام دروازے بند ہوتے نظر آئیں، تو بدرجۂ مجبوری اس کی اجازت ہونی چاہئے، جیسا کہ اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے، رہی بات عزت وآبرو کے خطرات اور دوسرے کے حقوق کی ضیاع کی تو یہ ایک احتمالی امر ہے یقینی نہیں؛ اور صرف امکان واحتمال حکم میں موثر نہیں ہوا کرتے، جیسا کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں: ''أن المصلحة إذا كانت غالبة فلا اعتبار بالندور إذ لا توجد في العادة مصلحة عرية عن المفسدةجملة'' (الموافقات للشاطبي:۳۵۸/۲) ''لا بأس أن يطرحه عن نفسه مع العلم بأن يطرحه على غيره إذ ا كان المطروح جوراً بيناً......قال حماد ابن أبى سليمان :إنما عليک أن تكلم في نفسک فإذا رفعت عنک فلا تبالي على من وضعت'' (الموافقات للشاطبي:۳۵۱/۲)۔

۷- یونیفارم کے اصول اور غیر شرعی یونیفارم کی صورت میں تعلیم کا حکم:

اس سوال کی بھی دو شقیں ہیں (۱) یونیفارم کے اصول (۲) غیر شرعی یونیفارم کے لزوم کے وقت حکم۔

یونیفارم میں درج ذیل امور کے لزوم پر تمام حضرات کا اتفاق ہے۔

(۱) ستر پوش ہو (۲) باریک وچست نہ ہو، جس سے اعضاء کی محاکات اور جھلک ظاہر ہو (۳) مرد کا لباس عورتوں کے اور عورتوں کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو (۴) کسی دوسری قوم کا مذہبی شعار نہ ہو (۵) طلبہ کے یونیفارم کا رنگ شوخ سرخ اور پیلا نہ ہو، نیز پائجامہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے نہ ہوں۔

رہی ٹائی تو اس سے احتراز کی افضلیت پر بھی سب نے اتفاق کیا ہے، البتہ عبدالمصور خان نے عیسائیوں کی مشابہت اور تقلید کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔

یونیفارم سے متعلق مذکورہ امور ضروریہ کو ملحوظ رکھنے کے بعد، لباس کے طرز، رنگ وغیرہ کے انتخاب میں منتظمین وذمہ داران کو اختیار ہے، البتہ صلحاء وصالحات کے لباس کے مشابہ یونیفارم تجویز کرنا بہتر ہے۔

(۲) جب اسکول میں غیر شرعی یونیفارم لازم ہو اور کوئی دوسرا متبادل اسکول موجود نہ ہو، تو مراہقات وبالغات کو اس میں تعلیم دلانے کے بارے میں مقالہ نگار حضرات کی آراء میں اختلاف ہے، اکثر لوگوں نے ناجائز کہا ہے، البتہ درج ذیل حضرات نے بدرجۂ مجبوری گنجائش دی ہے، بشرطیکہ دین واخلاق محفوظ رہے (۱) مفتی حیدر علی قاسمی (۲) مولانا باقر ارشد (۳) مولانا عباس بن یوسف۔

اور مولانا مظاہر حسین قاسمی نے لکھا ہے کہ مجبوری کے وقت ساتر لباس ساتھ رکھیں، کالج میں اتار دیں اور کالج سے باہر پہن کر نکلیں اور تقریباً یہی رائے مفتی اقبال قاسمی صاحب کی ہے۔

لیکن لڑکوں کوتعلیم دلانے کے بارے میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے سکوت اختیار کیا ہے۔

عارض کی رائے:

بندہ عارض اس مسئلے میں درج ذیل تفصیل مناسب سمجھتا ہے۔

(۱) اسکول صرف لڑکیوں کا ہو، اجنبی مردوں سے اس میں کوئی سابقہ نہ ہو، تو ضرورت اور مجبوری کے وقت ایسے اسکول میں مراہقات و بالغات لڑکیوں کو تعلیم دلانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ آمدورفت پورے پردے کے ساتھ ہو، یعنی نقاب وغیرہ پہن کر جائیں اور نکلیں تو پہن کر نکلیں؛ کیونکہ عورت کا ستر ایک عورت کے حق میں ما بین السرۃ والرکبۃ ہے۔ في الدر المختار (۹/ ۵۳۳): ''تنظر المرأة المسلمة من المرأة كالرجل من الرجل۔وقال الإمام الرازی المذهب إنها(الكافرة) كالمسلمة۔والمراد بنسائهن جميع النساء۔ وقول السلف محمول على الاستحباب وهذا القول ارفق بالناس اليوم فانه لا يكاد يمكن احتجاب المسلمات عن الذميات'' (روح المعانی:۱۸/ ۱۴۳)۔

(۲) اسکول صرف لڑکوں کا ہو اور ان کا یونیفارم شریعت کے موافق نہ ہو، یعنی گھٹنے کھلے ہوں یا ٹخنے ڈھکے ہوں، تو لڑکوں کو ایسے اسکول میں تعلیم دلانے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ ستر غلیظہ (سوأتین) کے علاوہ بقیہ حصے کا ستر ہونا فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے (والتفصیل في الشامیۃ :۹/ ۵۲۶ والبذل: ۳/ ۱۰۲) اور ضرورت و مجبوری کے وقت اختلاف کی وجہ سے تسہیل پیدا ہوجاتی ہے۔

(۳) کالج مخلوط ہو اور یونیفارم لڑکی اور لڑکیوں کا شرعی اصولوں کے مطابق نہ ہو، تو لڑکوں کو تعلیم دلانا جائز ہے، لڑکیوں کو نہیں؛ کیونکہ لڑکیوں کو مخلوط کالج میں بغیر پردہ کے حصول تعلیم کی کسی نے اجازت نہیں دی، اور لڑکوں کے لیے اجازت ہے، لیکن اپنے قلب و نگاہ کو محفوظ رکھنے، خلوت بالاجنبیہ اور بدنگاہی سے احتراز بہر حال فرض ہوگا، کیونکہ جو چیز مطلوب ہو وہ معصیت کے اختلاط کی وجہ سے ترک نہیں کی جائے گی، بلکہ حتی الامکان معصیت کو روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

''الصحيح عند فقهائنا أن لا يترك مايطلب لمقارنة بدعة كترك إجابة دعوة لما فيها من الملاهي وصلاة جنازة لنائحة، فإن قدر على المنع، منع وإلا صبر، وهذا إذا لم يقتد به وإلا لا يقعد، لأن فيه شين الدين'' (روح المعانی:۷/ ۲۵۲، شامی:۳/ ۱۳۷)۔

یہی رائے ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی و مولانا ظفر عالم صاحبان کی ہے۔

ایک صدائے درماندہ:

عصری تعلیم سے متعلق جتنے مسائل ہیں، خواہ وہ نصاب تعلیم کا مسئلہ ہو یا جداگانہ نظام تعلیم کا، یا دیگر مسائل، سب بے پناہ وسائل، قانونی اختیارات اور اس کے نفاذ کے محتاج ہیں، جس کا حصول مشکل ہی نہیں، بلکہ اس مشکل راہ کو عبور کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس لیے بندۂ عاجز کی رائے یہ ہے کہ کالج اور یونیورسٹیوں کے ضرر و نقصانات کا ازالہ اسلامی ماحول کے ایسے ہاسٹل سے کیا جائے، جس میں رہائش کے ساتھ تربیت و دیگر ضروریات مثلاً کوچنگ، کھانا اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کی بھی سہولیات ہوں، بندہ کی نظر مفکر

اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے ایک مضمون پر پڑی، جو عاجز کی بھی دلی آواز ہے، لہٰذا اس کا اقتباس پیش خدمت ہے:

”نظام تعلیم کی یہ بنیادی تبدیلی اور اس کی اسلامی تشکیل اگر چہ نہایت ضروری ہے، مگر دیر طلب اور طویل کام ہے، اور اس کے لیے وسیع وعظیم صلاحیتوں اور وسائل کی ضرورت ہے، جدید اسلامی نسل کا معاملہ ایک دن کی تاخیر اور التواء کا روادار نہیں، مندرجہ بالا کام کی تکمیل تک (اور حقیقتاً اس کی موجودگی میں بھی) یہ کام ان اسلامی اقامت خانوں (MUSLIM HOSTELS) سے لیا جاسکتا ہے، جن میں یونیورسٹیوں اور کالجوں کے مسلم طلبہ قیام کریں، اور وہاں اسلامی تربیت اسلامی زندگی اور ماحول کے قیام اور صالح ذہنی وروحانی غذا کے مہیا کرنے کا خاص اہتمام کیا جائے، اقامت خانوں کا طلبہ کی زندگی وسیرت اور ان کے اخلاق ورجحانات کی تشکیل میں جو گہرا حصہ ہے، اس سے وہ حضرات بے خبر نہیں، جو اس نسل کا کچھ تجربہ رکھتے ہیں، اسلامیہ اسکول اور کالج (جن پر ملت کے سرمایہ اور توجہ کا قیمتی حصہ صرف ہو چکا ہے) بہت جگہ حالات کی تبدیلی سے اپنی افادیت کھو چکے ہیں، پھر اکثر وہ ”کوہ کندن وکاہ برآوردن“ کا مصداق ثابت ہوتے ہیں، ان کے برعکس اقامت خانوں کی تاسیس وانتظام کی مشکلات کم اور فوائد زیادہ ہیں، اور جہاں نظام تعلیم کا سررشتہ صحیح الخیال ودردمند مسلمان زعماء وقائدین کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور اس کے بازیاب کی جلد امید نہیں، وہاں یہ اقامت خانے ہی زیر تعلیم مسلمان نوجوانوں کی اخلاقی حفاظت اور ذہنی ودینی تربیت کا سامان کرسکتے ہیں اور بہت سی سعید روحوں کو فاسد ومفسد ماحول اور مسخ کرنے والے نظام تعلیم اور مراکز تعلیم کی سمّیت سے محفوظ رکھ سکتے ہیں“ (اسلامی اقامت خانوں کے قیام کی تحریک سب سے پہلے مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اٹھائی، ان کے بعد اس تحریک کے سب سے بڑے داعی ان کے رفیق اور ہمارے مخدوم مولانا عبدالباری ندوی مرحوم تھے، جو اس موضوع پر برابر مضامین لکھتے اور دردمند وفعال مسلمانوں کو توجہ دلاتے رہتے تھے) (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: ۲۵۴، ۲۵۵)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

سوال نمبر ۸ تا ۱۴

مفتی اقبال احمد قاسمی☆

''عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل'' کے سوالنامہ ۸/ تا ۱۴/ کے سلسلہ میں جملہ مقالات کی روشنی میں عرض معروض کی خدمت اس حقیر کے حوالہ ہوئی تھی تادم تحریر موصولہ ۳۲/ مقالات پیش نظر ہیں مقالہ نگار حضرات کے نام آپ سماعت کر چکے ہیں۔

سوال نمبر: ۸- آپ کے سامنے ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے اسکولی طلباء سے داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس، امتحان فیس وغیرہ کے نام سے مختلف فیسیں لی جاتی ہیں اور داخلہ فیس کی مقدار بعض اوقات بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ رقم تعمیر، اسٹیشنری، تزئین کاری اور جدید وسائل مثلاً کمپیوٹر لیب وغیرہ خریدنے میں بھی صرف ہوا کرتی ہے، داخلہ فیس دینے والا فیس دے کر محدود عرصہ تک اس سے مستفید ہوتا ہے پھر وہ اسکول سے چلا جاتا ہے، فیس کی بڑھتی ہوئی اس مقدار نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا مشکل سے مشکل تر کردیا ہے، تو کیا تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنالینا جائز ہے؟ نیز ان میں بعض اسکول توشخصی ہوتے ہیں اور بعض تعلیمی اور رفاہی اداروں کے تحت چلتے ہیں، لیکن ان سے حاصل ہونے والے پیسوں سے غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوب صورت بنانے میں خرچ کردیا جاتا ہے، اسلام اس کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟

اس سوال میں بنیادی طور پر دو چیزیں حل طلب ہیں:

(۱) اسکولوں میں مروجہ فیسوں کے نظام کے ذریعہ تعلیم وتعلم کو کامیاب تجارت اور نفع بخش بزنس کے طور پر اختیار کرنے کی شرعی حیثیت؟

(۲) اسکول کی آمدنی اور فیس کے پیسوں کو تعلیمی سہولت میں صرف کرنے کے بجائے بلڈنگوں کی توسیع، تعمیر اور تزئین میں

☆ صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم (مسجد نکھوشاہ)، بیکن گنج کانپور، یوپی۔

لگادینے کا شرعاً حکم؟

اکثر مقالہ نگار حضرات نے صرف پہلے جزء سے تعرض کیا ہے چند حضرات نے دوسری شق کو بھی مختصراً ہی لکھا ہے۔سبھی مقالہ نگار حضرات کا اس پر تو اتفاق ہے کہ نفس تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے،لہٰذا تعلیمی امور سے متعلق یہ فیسیں فی نفسہ جائز ہیں جواز کی دلیل یہی ہے کہ جب دینی تعلیم پر اجرت درست ہے تو دنیاوی تعلیم پر اجرت کا معاملہ بدرجہٴ اولیٰ جائز ہوگا۔

اسی کے ساتھ اس پر بھی تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ فیس کی مقدار درمیانی ہونی چاہئے کہ کم از کم متوسط طبقہ کو بار محسوس نہ ہو۔

اس اجمالی متفق علیہ نکتہ کے بعد تفصیل کے تحت دو رائے سامنے آئی ہیں۔ ۱۳/افراد نے عصری تعلیمی اداروں،اسکولوں اور کالجوں کی مروجہ فیس کو جائز ٹھہرایا ہے باقی ۱۹/حضرات عدم جواز کے قائل ہیں۔مجوزین کے اسمائے گرامی ہیں:

پروفیسر سعود عالم قاسمی،علی گڑھ،مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی،مفتی تنظیم عالم قاسمی،مفتی راشد حسین ندوی،مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مولانا محمد اخلاق قاسمی،مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈی،مولانا ریاض ارمان قاسمی،مفتی سلیم الدین قاسمی مدھوبنی،مولانا معین الدین ندوی،مولانا محمد شفیق فلاحی مظاہری،مفتی محمد اکرم قاسمی۔

مولانا جمیل اختر ندوی لکھتے ہیں:

”سوال میں مذکور فیسوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب عمل کے بدلہ میں ہیں لہٰذا ”**الأجرة انما تکون فی مقابلة العمل**“ کے مصداق ہوکر ان سب فیسوں کے لینے کی گنجائش ہے۔یہی بات تعبیری فرق کے ساتھ مفتی راشد حسین ندوی صاحب نے بھی لکھی ہے۔

مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی لکھتے ہیں:

”جدید طرز کے اسکولوں کی مہنگائی کا سبب محض کاروباری جذبات ہی نہیں بلکہ بحسن وخوبی نظام چلانے کیلئے واقعی اخراجات کافی زیادہ ہوجاتے ہیں مثال کے طور پر مانٹیسری اسکول کا خاکہ جو افضل حسین ایم اے ایل ٹی کی کتاب ”فن تعلیم وتربیت“ ص ۳۲۷ میں ہے اس سے اسکول کے تقاضوں اور اخراجات کا اندازہ ہوسکتا ہے“۔

پروفیسر سعود عالم قاسمی،مفتی محمد اکرم قاسمی لکھتے ہیں:

”اسکولوں میں جو فیسیں مختلف عنوان سے لی جاتی ہیں وہ ملک کے تعلیمی نظام کا حصہ ہے اس کے بغیر غیر امدادی اسکول چلانا بہت مشکل ہے“۔

مولانا محبوب فروغ قاسمی،مفتی تنظیم عالم قاسمی،مولانا معین الدین ندوی قاسمی،مولانا محمد شفیق ابن عبدالشکور مظاہری فلاحی کا کہنا ہے کہ یہ اجارہ کا معاملہ ہے اس کو تجارت کے زمرہ میں رکھنے میں حرج نہیں آدمی اپنی محنت اور کام کی مزدوری جتنی چاہے طے کرسکتا ہے۔باہمی رضامندی سے یہ معاملہ طے ہوا ہے لہٰذا اس کے جواز میں کلام نہیں۔مفتی تنظیم عالم نے ہندیہ کا حوالہ دیا ہے:”من

اشتری شیئاً واغلیٰ فی ثمنه جاز''(ہندیہ ۳/۱۳۱)۔

مولانا محمد شفیق فلاحی صاحب نے ''**المسلمون علیٰ شروطهم الاشرطاً حرم حلالاً او حل حراماً**''(ترمذی ،حدیث نمبر:۱۳۵۲) کودلیل بنایا ہے۔

مولانا مظاہرحسین عماد قاسمی فرماتے ہیں کہ چونکہ شرعاً اجرت کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے عصری تعلیمی ادارے اگر زیادہ اجرت (فیس) لیتے ہیں توہمیں منع کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہر بچے کو مہنگے اسکولوں میں پڑھنا ضروری نہیں ''**لایکلف اللّٰہ نفساً الا وسعها**'' آخر ملک میں سرکاری اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے بچے بھی مستقبل کی نمایاں شخصیات بنیں نیز اسکول اور کالج والے اپنے اسٹیٹس اور مرتبے کے لحاظ سے فیس لیتے ہیں، جن اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ فیس لی جاتی ہے وہاں اعلیٰ ڈگری والے ماہر اساتذہ رکھے جاتے ہیں وہاں نفاست اور صفائی وستھرائی کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں سہولیات بھی زیادہ ہوتی ہیں اسلام نے ضروریات وحاجات کے ساتھ ساتھ تحسینیات کا بھی لحاظ کیا ہے''۔

بعض مقالہ نگاران نے جواز کو کراہت کے ساتھ مقید کیا ہے چنانچہ مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی لکھتے ہیں کہ یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔جبکہ مولانا محمد اخلاق قاسمی ،مولانا ریاض ارمان قاسمی ،فتاویٰ قاسمیہ ص۵۳۸، ج۲، باب الرشوۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حد سے زیادہ فیس کم از کم کراہت کے درجہ میں ہے۔

مولانا مفتی ظفر عالم ندوی نے بھی کتاب الفتاویٰ کے حوالہ سے جواز مع قابل اصلاح عمل کا رجحان ظاہر کیا ہے۔مذکورہ مجوزین کی رائے کے برعکس باقی مقالہ نگار حضرات مروجہ فیسوں کی وصولی کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

مفتی محمد عثمان قاسمی گورینی لکھتے ہیں کہ تعلیم اصل کے اعتبار سے حکومت کی طرف سے بلا معاوضہ ہونا چاہئے کیونکہ عامۃ الناس کی ضرورتوں سے متعلق علوم کی اشاعت حکومت کی ذمہ داری ہے۔اگر ضرورتاً عوض لینے کی مجبوری ہو تو اس کو بقدر ضرورت ہی ہونا چاہئے جیسا کہ قضاۃ وحکام کو بقدر ضرورت لینے کی اجازت ہے (شامی ۳۴۹/۶)۔

مفتی شاہ جہاں ندوی عدم جواز کے مزید دلائل لکھتے ہیں کہ تعلیم کو عام ہونا چاہئے جیسا کہ ''**اقراء باسم ربک**'' اور ''**طلب العلم فریضة**'' کا تقاضا ہے تعلیم کو تجارت بنالینے سے وہ عام نہ ہوسکے گی نیز تعلیم کو خدمت کے بجائے تجارت بنانا ظلم کے دائرہ میں داخل ہے اور ظلم حرام ہے۔

مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی نے لکھا ہے کہ ''تعلیم عبادت ہے تجارت نہیں جو حضرات اس کو تجارت بنانے کے درپے ہیں وہ انسانیت کے سوداگر ہیں اس نام اور راستے سے لوٹ مچانا بالکل ناجائز وحرام ہے''۔حافظ کلیم اللہ عمری مدنی نے بھی تعلیم کو ذریعہ معاش بنانے کو ظلم قرار دیا ہے،مفتی عبد المصور خاں ندوی نے لکھا کہ یہ حرام ہے۔مفتی مقصود رام پوری رقمطراز ہیں کہ وہ لوگ گنہگار ہیں جنہوں نے تعلیم کو مہنگا کردیا۔مولانا صابر حسین ندوی کرناٹک لکھتے ہیں: ایجوکیشن سسٹم کو تجارت گاہ بنانے اور کمرشیل کردینے کی اسلام

سخت مذمت کرتا ہے نبی اور صحابہ کے اسوہ کے خلاف ہے۔مفتی حیدرعلی ہوجائی آسام تعلیم کوخدمت کے بجائے نفع بخش تجارت بنا لینے کے نقصان بتاتے ہیں کہ یہ ایذ ارسانی کا ذریعہ ہے،تعلیم یافتہ لوگوں سے رحم وکرم اور خیر خواہی کا جذبہ اُٹھ جاتا ہے جیسا کہ تجربہ ہے موصوف نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے مضمون کا اقتباس بھی راہ عمل ص ۱۹۱ اور ص ۲۲۸، ج ۵ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔مفتی احسن عبدالحق ندوی کا خیال ہے کہ جوتعلیم گاہیں انسانیت،محبت اور فرض شناسی کا احساس پیدا کرنے کیلئے ہیں وہیں سے ایسی بداخلاقی حرص وطمع کا سبق ملے تو پھر کہاں انسانیت کا سبق ملے گا لہٰذا تعلیم کوخدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ نفع والی تجارت بنانا جائز نہیں مفتی سید باقر ارشد بنگلوری کا احساس ہے کہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں نے اس کوایک اچھا خاصا بزنس بنا ڈالا بلکہ اب تو’’اسٹوڈینٹس مافیا‘‘ بھی میدان میں ہیں باقاعدہ پروفیشنل طریقے سے طلبہ کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کے پاس جتنا زیادہ ڈونیشن ہے اس کو اتنے ہی زیادہ مارکس دئے جاتے ہیں اور پوزیشن کیلئے میرٹ کیلئے نیز اچھے مارکس کارڈ کیلئے بھی تجارت کی جاتی ہے۔مولانا عباس بن یوسف سعادتی کی رائے میں رفاہی اداروں کے تحت چلنے والے اسکولوں کیلئے خدمت کوتجارت بنانا صحیح نہیں بلکہ’’نہ نفع نہ نقصان‘‘والے نظریہ پر عمل لازم ہے،البتہ شخصی ادارے کیلئے اقل ترین نفع کی گنجائش ہے۔مولانا معراج الدین جموں کشمیر نے واضح کیا ہے کہ یہ تجارت ایک طرح کا اضطراری معاملہ ہے کہ عوام پڑھائی کیلئے مجبور ہیں اور تعلیم کے ٹھیکیدار جیب بھرائی کے لئے ہمہ تن متوجہ لیکن اسکولی وکالجز کے ذمہ داران چونکہ ایک معاہدہ کے تحت یہ سب کچھ کرتے ہیں اور بچوں کے والدین اس معاہدے کے فریق ہوتے ہیں اس لئے انہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اسکول کے ذمہ داروں کواس طرح کی لوٹ سے کہ جس میں سب کچھ لوٹنے کے بعد بھی محسن کہلاتا ہے خودکو باز رکھنا چاہئے اوراس حدیث کی وعید کا مصداق ہونے سے بچنا چاہئے۔

’’**عن علی بن ابی طالب**ؓ **قال سیأتی علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی مافی یدہ ولم یؤمر بذلک قال اللہ تعالیٰ ولاتنسو االفضل بینکم ویباع المضطرون وقدنھی النبی** ﷺ**عن بیع المضطر وبیع الغرر وبیع التّمرۃ قبل ان تدرک**‘‘(ابوداؤدشریف حدیث نمبر:۳۳۸۲،باب بیع المضطر)۔

مروجہ فیسوں کی بڑھتی ہوئی مصیبت کولگام لگانے کیلئے مولانا موصوف نیز مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی،احقر اقبال احمد قاسمی،مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی،مفتی تنظیم عالم قاسمی،مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی نے حکومت کے ذریعہ فیس کی مقدار کوکنٹرول کرنے کی رائے دی ہے یعنی حکومت جس طرح اشیاء کی قیمتیں متعین کرتی ہے اس کے لئے باضابطہ اصول مقرر ہیں اسی طرح فیس کی تعیین وتحدید بھی حکومت کی جانب سے طے ہوجانی چاہئے تاکہ پرائیویٹ ادارے اسی کے مطابق فیس وصول کریں اور یہ فیس اتنی ہی ہوکہ عام معتدل آمدنی والے افراد بآسانی ادا کرسکیں۔احقر نے فقہاء کے یہاں موجود تسعیر کے مسئلہ کو بنیاد بنا کر باب اجارہ کوتجارت پر قیاس کیا ہے۔مولانا شاہین جمالی صاحب نے قاعدہ تحمل ضرر الخاص لاجل دفع ضرر العام کے فقہی قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔

جبکہ مفتی تنظیم عالم قاسمی نے ''موسوعہ فقہیہ'' کی عبارت استدلال میں نقل کی ہے۔

''ان الإمام يرى الحجر اذ عم الضرر كمافي المفتى الماجن والمكارى المفلس و الطبيب الجاهل وهذه قضية عامة فتدخل مسئلتنا فيها لان التسعير حجر معنىً لانه منع عن البيع بزيادة فاحشة''(الموسوعة الفقية: ۱۰۴/۶)۔

یہ تفصیلات تو فیس سے متعلق تھیں اب اسی مسئلہ کا دوسرا حصہ کہ مذکورہ فیسوں کی آمدنی سے لمبی چوڑی تعمیرات اور خوبصورت بلڈنگیں دیدہ زیب عمارتیں بنانا اس سلسلہ میں کم ہی مقالہ نگار حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے۔''**مالا يدرك كله، لايترك كله**'' کے تحت موجود آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی اور مولانا ظفر عالم ندوی نے تحریر فرمایا کہ اسکول انتظامیہ کا مختلف ناموں سے فیس لیکر تعمیر و تزئین کاری اور دیگر وسائل تفریح کے خرید کر اسکول میں لگانے کا بلاشبہ یہ عنوان دھوکہ پر مبنی ہے۔ جو درست نہیں ہے، اسکول انتظامیہ کو چاہئے کہ جن مصارف میں وہ پیسے خرچ کریں انہیں مصارف کا عنوان دے کر فیس وصول کریں۔مفتی محمد شاہ جہاں ندوی نے لکھا کہ اسکول سے حاصل رقوم کو بلڈنگوں کی بیجا وسعت میں صرف کرنا اسراف وتبذیر میں داخل ہے:''**إن المبذرين كانوااخوان الشياطين**''(**الاسراء ۲۶**)۔

مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی نے لکھا کہ تعلیم کے نام پر وصول کی گئی رقم تعمیر میں لگانا وضع الشئی فی غیر محلّہ ہے جو ظلم اور ناجائز ہے۔ مفتی محمد عثمان گورینی لکھتے ہیں قومی ورفاہی ادارے اور ان کے املاک منتظمین کے پاس امانت ہیں تعمیرات وغیرہ میں قومی مال کا بیجا تصرف مزید قبیح ہے۔''**كل بناء وبال على صاحبه الا مالا بدمنه**'' رواہ ابوداؤد(مشکوۃ مع المرقات ۳/۷۹)وغیرہ۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ رفاہی اداروں کے تحت چلنے والے اسکولوں میں رقوم جس کام کے لئے ہوں انھی میں خرچ کرنا لازم ہے۔مفتی صفوان احمد حلیمی کی رائے یہ ہے کہ ماہانہ فیس لے کر اس سے بلڈنگ وغیرہ تعمیر کرنے کا اختیار ہے۔مفتی سید باقر ارشد بنگلوری یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر داخلہ کے وقت بچے کے والدین کو بتادیا جائے یا رسید میں اسکا ذکر کردیا جائے تو بچے کی فیس کو بچے کی تعلیمی ضروریات و تعلیمی معیار کی بلندی کے اخراجات کے ساتھ ساتھ عمارت کی تعمیر میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ ڈونیشن کی روپ میں ایک گنجائش ہوسکتی ہے کہ بچے سے ڈونیشن لیکر تعمیر وتزئین کی جاسکتی ہے۔موصوف نے ڈونیشن کے نام پر واجبی رقم لینے کا مشورہ دیا ہے تاکہ تعمیر میں وہ رقم لگائی جاسکے لیکن موصوف کو غالباً غلط فہمی ہوئی کیونکہ ڈونیشن تو اسٹوڈینٹس کی مرضی کے بغیر داخلہ کی مجبوری میں دی گئی رقم ہوتی ہے جو سراسر رشوت ہے وہ کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ نااہل اس راہ سے داخلہ پاتے ہیں اس لئے ڈونیشن کو جائز سمجھنا صحیح نہیں ہے۔احقر کے خیال میں بے تحاشا فیسوں کی وصولی یا ڈونیشن کے ذریعہ تعمیرات کی خواہش پوری کرنا بناء فاسد علی الفاسد ہے یعنی جب اتنی لمبی فیسوں کا جواز ہی محل نظر ہے تو لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر ان کے مالوں کو وصول کرنا اور اصحاب اموال کی مرضی کے بغیر تعمیرات میں صرف کردینا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ باقی تعلیمی اداروں کی جائز آمدنی کے مصرف کے سلسلہ میں ترجیحات اور ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ پہلا مصرف اساتذہ

دوسرا مصرف طلبہ تیسرا مصرف انتظامیہ چوتھا مصرف آلات تعلیم پانچواں مصرف عمارتیں اور چھٹا مصرف تزئین کاری اسی ترتیب پر حسب وسعت آمدنی صرف ہونی چاہئے۔مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی نے اپنے مقالہ میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔

۹ – اس سلسلہ میں ایک قابل توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ ماہانہ فیس لے کر بعض دفعہ طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجاتا ہے، مگر اس کا ٹیچر کلاس میں آتا رہا ہے تو کیا غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہوگا، حالانکہ دونوں نے اس سے استفادہ نہیں کیا ہے؟

اس مسئلہ کے جواب میں ایک مقالہ نگار مفتی حیدر علی قاسمی ہوجائی کے علاوہ باقی جمہور مقالہ نگار حضرات کا رجحان یہ ہے کہ طلبہ سے ان کے غیر حاضری کے ایام کی تعلیمی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہے دراصل فیس کا یہ معاملہ طلبہ اور انتظامیہ کے مابین عقد اجارہ ہے اور یہ فیس یعنی اجرت ادارے کی طرف سے فراہم کردہ سہولیات کے عوض ہے اب غیر حاضری کے دنوں میں طالب علم اگر چہ عملاً استفادہ نہیں کررہا ہے لیکن استفادہ کیلئے ٹیچر اور گاڑی کی سروس اس کے لئے بدستور جاری ہے لہٰذا اسکول کی انتظامیہ کو حسب معمول فیس لینے کا حق ہے طلبہ کا بالفعل استفادہ فیس کے جواز کے لئے شرط نہیں، استفادہ نہ کرنے میں کوتاہی طالب علم کی ہے نہ کہ اسکول کے عملہ کی لہٰذا اسکول کے ذمہ یہ خسارہ برداشت کرنا لازم نہیں۔مفتی محمد عثمان قاسمی گورینی شرح المجلۃ کی عبارت سے استدلال کرتے ہیں:

"والانتفاع الحقیقی لیس شرطا فی لزوم الاجرۃ لأن المنفعۃ لما کانت عرضا من الأعراض لاتبقی فی زمانین معاً فلیس من التصور تسلیمھاوقد اقیم تسلیم محل المنفعۃ وھو الماجور مقام تسلیمھا فتلزم الأجرۃ باستلام الماجور للتمکن من استیفاء المنفعۃ منہ اذ لیس فی وسع المؤجر اکثر من تمکین المستأجر من الانتفاع بالمأجور بتسلیمہ ایاہ فمتیٰ تحقق وجب الأجر وان لم ینتفع بھا کما اذا قبض المبیع ولم ینتفع بہ" (شرح المجلہ لعلی حیدر: ۳/ ۴۵۳)۔

اسی کے قریب عبارت فتاویٰ عالمگیریہ سے مولانا معراج الدین جموں کشمیر نے نقل کی ہے۔

"وکما یجب الأجر باستیفاء المنافع یجب بالتمکن من استیفاء المنافع اذا کانت الاجارۃ وکما یجب الأجر باستیفاء المنافع یجب بالتمکن من استیفاء المنافع اذا کانت الاجارۃ صحیحۃ۔ حتی ان المستاجر داراً أو حانوتا مدۃ معلومۃ ولم یسکن فیھا فی تلک المدۃ مع تمکنہ من ذلک تجب الاجرۃ کذا فی المحیط"(فتاویٰ عالمگیری: ۴/ ۴۱۲) الباب لثانی فی بیان متیٰ تجب الاجرۃ ومایتعلق بہ)۔

(مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب نے بھی اسی مفہوم کی عبارت درمختار کتاب الاجارۃ ص ۱۱، ج ۶ مطبوعہ سعید کمپنی، نیز شرح المجلہ ص ۲۶۳، ج ۱ فصل ثانی کتاب الاجارۃ مطبوعہ بیروت کے حوالہ سے نقل کی ہے۔مفتی راشد حسین ندوی نے شامی ص ۷، ج ۵، وص ۸، ج ۵، نیز ہندیہ ص ۱۱۳، ج ۴ سے عبارتیں ذکر کی ہیں نیز بزازیہ سے یہ جزئیہ نقل کیا ہے:

"وعن محمد استاجره ليعلم ولده حرفة ۔ ان بين المدة جاز، وينعقد العقد على تسليم نفسه فى المدة علم أولم يعلم"(بزازیۃ علی الہندیہ ۵/۳۸)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی احقر اقبال احمد قاسمی، مفتی سلیم الدین قاسمی نے اجارہ کے اس معاملہ کو اجیر خاص کے درجہ میں قرار دیا ہے یعنی اسکول کے ٹیچر، ڈرائیور گاڑی وغیرہ طلبہ کے حق میں اجیر خاص کے حکم میں ہیں جیسا کہ انتظامیہ کے حق میں بھی وہ اجیر خاص ہیں اجیر خاص کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدمت کے لئے حوالہ کردینے سے اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے مستاجر اس سے فائدہ اٹھائے یا نہیں جبکہ اجیر مشترک جب تک کام مکمل نہ کرے اجرت کا حق دار نہیں ہوتا۔ شامی میں ہے۔

"الأجير الخاص ويسمى أجير وحد وهومن يعمل لواحد اى لمعين واحدا أواكثر قال القهستانى لواستأجر رجلان أوثلاثة رجلا لرعى غنم لهما أولهم خاصة كان اجيراً خاصاًويستحق الأجر بتسليم نفسه فى المدة وان لم يعمل "(الدرمع الردص ۴۸، ج ۵، کتاب الاجارہ باب ضمان الاجیر۔ رشیدیہ)۔

مولانا سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی ظفر عالم ندوی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی کی رائے میں غیر حاضری کے زمانہ کی فیس لینا اس وقت جائز ہوگا، جبکہ داخلہ کے وقت زبانی یا داخلہ فارم میں تحریراً یا قواعد وضوابط میں اس کی وضاحت کردی گئی ہو یا عرف یہی چل رہا ہو تو **"المسلمون عند شروطهم فيما احل"**(مسلمان حلال معاملات میں اپنی شرطوں کے پابند ہیں) **"المعجم الكبير للطبرانى ص ۲۷۵، ص ۴، حديث ۴۴۰۴۔ والاعراف والعادات التى تجرى بين الناس فى معاملاتهم تقوم مقام النطق بالألفاظ(الموسوعة الفقهية ،ص ۵۵، ج ۳۰ لفظ عرف) "يلزم مراعاة الشرط بقدر الامكان "**(شرح المجلہ بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ص ۵۳۵، ج ۱۵، باب المدارس) جیسی عبارات کے مطابق حقیقی یا عرفی صراحت کے ساتھ ہی ایام غیر حاضری کی فیس لینا درست ہے ورنہ نہیں۔

احقر کے خیال میں اس کو عقد اجارہ تسلیم کر لینے کے بعد اجارہ کے اصول ومسائل پر عملدرآمد ہوگا پیشگی شرط ومعاہدہ زبانی یا تحریری ہونا ضروری نہیں۔

۱۰ – عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں، جو اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے تو کیا ایسے بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

مقالہ نگاران کے درمیان اس مسئلہ میں یعنی عصری تعلیم پانے والے غریب طلبہ کو زکوٰۃ دینے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ غریب طلبہ بھی غربت کی بنا پر منصوص مصارف ثمانیہ میں داخل ہیں، البتہ بقول قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ:

"بشرطیکہ وہ واقعی محتاج ہوں، عام طور پر اس میں دھوکہ ہوتا ہے، اس لئے پوری تحقیق کر لی جائے، ہوسکتا ہے کہ ایک شخص

اپنی ذاتی حیثیت میں غنی ہے، لیکن علی گڑھ یونیورسٹی یا دیگر بڑے شہروں یا لندن اورامریکہ میں وہاں کے مصارف برداشت نہیں کرسکتا۔لیکن وہ شریعت کی اصطلاح میں محتاج نہیں ہے، اس لئے اسے زکاۃ نہیں دی جاسکتی ،فقیرومحتاج سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بقدرنصاب مال نامی نہ ہو یا بقدرنصاب مال ہو،لیکن اس کی ضروریات اصلیہ میں مشغول ہو(فتاویٰ قاضی ص ۹۳، مقالہ جمیل اختر ندوی)۔

نیزان طلبہ کوزکوٰۃ دینے میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بالغ ہوں اگر نابالغ ہیں تو زکوٰۃ دینا جب ہی صحیح ہے جبکہ ان کے والد غریب ہوں اس لئے کہ مالدار کی نابالغ اولاد کا حکم مالدار جیسا ہوتا ہے ہاں بالغ اولاد کا حکم الگ ہے یعنی ان کا خود صاحب نصاب نہ ہونا کافی ہے۔شامی میں ہے:

’’ **ولا الیٰ طفله بخلاف ولد ہ الکبیر .... ان الطفل یعد غنیا بغنی ابیه بخلاف الکبیر فانه لایعد غنیا بغنی ابیه** ‘‘(درمختارمع ردالمحتار،ص ۲۷، ج ۲، کتاب الزکوٰۃ باب المصرف)مق (الہ محبوب احمد فروغ احمد قاسمی)۔

اورایک اہم بات زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم یا اشیاء مستحق طلبہ یااس کے والی کوتملیکاً حوالہ کیا جائے صرف اباحت اوراستعمال کی اجازت کی حدتک نہ ہونیز زکوٰۃ کی رقوم بلاتملیک دوسرے کاموں تعمیر وغیرہ میں نہ صرف کی جائے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے:’’ **اذا دفع الزکوٰۃ الی الفقیر لایتم الدفع مالم یقبضها ، أو یقبضها للفقیر من له ولایة علیه نحو الاب والوصی** ‘‘(ہندیہ ص ۱۸۹، ج ۱)(مقالہ مولانا معراج الدین کشمیر)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:’’ **فلایکفی فیها الاطعام الا بطریق التملیک** ‘‘ (ردالمحتار ص ۴۲۷، ج ۱)(مقالہ ڈاکٹر ظفرالاسلام صدیقی)۔

دوسری جگہ ہے:’’ **مصرف الزکوٰۃ هو فقیر وقیل طلبة العلم ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لااباحة** ‘‘(درمختارمع الشامی ج ۲۸۹ ،ص ۳)(مقالہ: مفتی سعید الرحمٰن قاسمی)۔

عصری تعلیم کے لئے غریب طلبہ کوزکوٰۃ کے جواز میں ڈاکٹرظفرالاسلام صدیقی نے ماضی قریب کے فقہاء مفتی کفایت اللہ صاحب کی ’’ کفایت المفتی ‘‘ص ۲۹۳، ج ۴، مفتی دارالعلوم دیوبند، مفتی نظام الدین صاحبؒ کی ’’ منتخبات نظام الفتاویٰ ‘‘ص ۴۲۷، ج ۱ کے حوالے بھی ذکر کئے ہیں۔مفتی حیدرعلی قاسمی نے حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے(فتاویٰ محمودیہ، ص ۱۹۲، ج ۱۴)۔

میں نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ’’ کتاب الفتاویٰ ‘‘ص ۳۳۸، ج ۸ سے اقتباس ذکر کیا ہے:

جواز کے بعد بعض مقالہ نگارحضرات نے افضلیت سے بھی بحث کی ہے مفتی محمد عثمان گورینی لکھتے ہیں’’ زکوٰۃ کے ادا ہونے میں کوئی فرق نہیں،البتہ دینی علوم کے طالب علم کوزکوٰۃ دینے کی صورت میں ڈبل اجرملتا ہے ایک ادائے زکوٰۃ کا دوسرے اشاعت دین کا شامی

میں ہے۔''التصدق علی العالم الفقیر افضل ای من الجاهل الفقیر''(ص ۳۰۴، ج ۳)،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی لکھتے ہیں: تقدم اوراولیت مدارس کے طلبہ کو ہونی چاہئے یا ان میں سے جو زیادہ ضرورتمند ہو۔مفتی حیدر علی قاسمی ہوجائی کی رائے میں عصری تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ نہ کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ مستحق اور مصرف ہوں کیونکہ عصری تعلیمی اداروں کے طلبہ دین بیزار ہوتے ہیں اس لئے ان کا تعاون تعاون علی الاثم ہے، نیز ان کو زکوٰۃ دینے سے مدارس متاثر ہوں گے۔لہٰذا''سدّاً للذریعه''ان کو زکوٰۃ نہ دینا ہی خیر ہے نیز صلحاء، فقہاء وعلماء پر خرچ کی ترغیب ہے ان کو تقویت پہونچانا نیکی پر تعاون ہوگا۔احقر کا خیال ہے علی الاطلاق یہ رائے درست نہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ بہت سے علوم عصریہ کی امت کو ضرورت ہے اور ہر طبقہ میں ماہرین کا پیدا کرنا قوم کیلئے فرض کفایہ ہے دین کے تحفظ وبقاء کے ساتھ ایسے طلبہ کی بمدز کوٰۃ کفالت ایک قومی ضرورت ہے، لہٰذا جو بھی غریب طالب علم کسی بھی فرض کفایہ کے علوم دینی ودنیاوی میں مشغول ہے وہ زیادہ مستحق ہے ضرورت کو بنیاد بنا کر مصرفِ زکوٰۃ کی ترجیحات وترتیب قائم کی جانی چاہئے۔

۱۱- بعض سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے، وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک شروع میں پڑھوائے جاتے ہیں، سوریہ نمسکار کرایا جاتا ہے، یوگا کرایا جاتا ہے، جس کا ایک جز سوریہ نمسکار بھی ہے، کہیں طلبہ پر اس کو لازم کر دیا گیا ہے، کہیں اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور اس کے لئے ماحول سازی کی جاتی ہے، بعض ریاستوں میں خود ریاستی حکومت نے اسکولوں پر اس کا آرڈر جاری کر دیا ہے، مشنری اسکولوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے اور اگرچہ اس کو لازم نہیں کیا جاتا ہے، لیکن ترغیب دی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان انتظامیہ اسکول میں زیادہ داخلے کی لالچ یا حکومت کو خوش کرنے کے لیے اس طرح کا عمل کراتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ:

☆ اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمانوں کیلئے کیا حکم ہے؟

☆ اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

☆ اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

☆ اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو کیا حکم ہوگا؟

☆ ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہو سکتا ہے تو اِن مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا جائز ہوگا؟

☆ کیا مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کریں۔

وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، سوریہ نمسکار وغیرہ یہ سب مشرکانہ قول وفعل ہیں جو ایمان واسلام کے سراسر منافی ہیں اور دین ایمان کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے اس لئے عصری علوم کی اہمیت اپنی جگہ لیکن ایک مسلمان کیلئے اس سے بھی زیادہ اہمیت والی چیز ایمان وعقیدہ کی سلامتی ہے، ایمان وعقیدہ کو خطرہ میں ڈال کر کسی بھی تعلیم کو حاصل کرنا جائز نہیں جاہل رہ کر زندہ رہنا کفر کے ساتھ خوشحال رہنے سے بہتر ہے۔ مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی "التقریر والتحبیر" (ص ۳۰۸، ج ۳) کے حوالہ سے ابن امیر الحاج کی عبارت نقل کرتے ہیں: " **ويقدم حفظ الدين من الضروريات على ماعداه عند المعارضة، لأنه المقصود الأعظم**"، نیز کفر وشرک کے معاملہ میں کسی کی اطاعت جائز نہیں "**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" (مشکوٰۃ ۲، کتاب الامارۃ ص ۳۲۱)۔

"**وعن معاذ قال: اوصانی رسول الله ﷺ بعشر كلمات قال: لاتشرک بالله شيئاً وان قتلت أو حرقت الخ**" (**رواه احمد، مشكوة، الفصل الثالث، باب الكبائر ص ۱۸**) (مقالہ: مولانا معراج الدین کشمیری)۔

شریعت نے مشرکانہ عمل کرنے یا کلمۂ کفروشرک کہنے کی گنجائش صرف اکراہ ملجی کی حالت میں دی ہے یعنی جب جان یا عضو کے تلف ہونے کا شدید خطرہ ہو تو صرف زبان سے بادل نخواستہ مشرکانہ کلمات کہنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ دل اسلام پر مطمئن ہو" **الامن أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**" (**پ ۱۴، سوره نحل**)، "**وان اكره على الكفر بالله تعالىٰ أو سب النبی ﷺ بقطع أوقتل رخص له ان يظهر مأامره به على لسانه وقلبه مطمئن بالإيمان**" (شامی ص ۱۸۵، ج ۹) (مقالہ مفتی عثمان)۔

اور اس حالت اکراہ ومجبوری میں بھی عزیمت یہی ہے کہ مرجانا گوارہ کرلے کفریہ کلمات زبان سے نہ نکالے جیسا کہ حدیث بالا کا یہی تقاضا ہے (مقالہ مفتی عثمان گورینی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا معراج الدین کشمیری)۔

چونکہ اس سوال کے ذیل میں چھ شقیں ہیں، اختصار کے پیش نظر ہر شق کے ساتھ ساتھ مقالہ نگار حضرات کی مجموعی رائے کا صرف خلاصہ ذکر کررہے ہیں۔

شق (۱) اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمان کے لئے کیا حکم ہے؟

سارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے اسکولوں میں تعلیم دلانا شرعاً جائز نہیں اگر داخل کرادیا تو ہٹالینا لازم ہے۔

شق (۲) اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

جوابات کا حاصل یہ ہے کہ جن سرکاری اسکولوں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جاتی ہے وہاں بھی بچوں کا ایڈمیشن کرانا پرخطر ہے اس لئے کہ یہ افعال دیکھ کر بچوں کے دلوں سے ان کی شناعت کم ہوجائے گی اور ماحول وصحبت کے برے اثرات کو وہ قبول کرسکتا ہے اس لئے دوسرے محفوظ اداروں کی موجودگی میں یہاں تعلیم دلانا جائز نہیں البتہ اگر کہیں ایسا ہو کہ دوسرے محفوظ اسکول موجود نہ ہوں صرف اسی طرح کا اسکول ہو تو صرف تعلیم حاصل کرنے کی حد تک اجازت ہے بشرطیکہ اداروں کی طرف سے مشرکانہ رسوم

سے کلی طور پر پرہیز کرنے کی اجازت ہو اور بچوں کو اس طرح کے پروگراموں کی قباحت سے اچھی طرح واقف بھی کرادیا جائے۔

شق(۳) اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب۔ ظاہر ہے کہ ایسے مشرکانہ اعمال کے لزوم کے ساتھ تعلیم کا حصول جائز نہیں تعلیم کیلئے شرکیہ رسوم کرنے کی شرعاً اجازت نہیں اب جبکہ وہاں کوئی اور ادارہ نہیں تو مسلمانوں کو اپنا ادارہ قائم کرنا واجب ہے اور جب تک ادارہ نہیں کسی مدرسہ ہی کی تعلیم پر اکتفا کیا جائے یا ایسی بستی کو چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت کو ترجیح دی جائے جہاں تعلیم جائز طریقہ پر دلائی جاسکے اگر یہ سب ممکن نہ ہو تو جاہل رہنے کو ترجیح دی جائے شرکیہ حرکات کے ساتھ تعلیم کو قبول نہ کیا جائے یا پھر مسلمانوں کو کم از کم ایسے لازمی امور سے مستثنیٰ کرایا جائے تو پھر تعلیم کی راہ نکل سکتی ہے۔

شق(۴) اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو کیا حکم ہوگا؟

شق نمبر دو کی طرح اس کا حکم ہے بدرجۂ مجبوری جبکہ وہاں کوئی اور محفوظ ادارے نہ ہوں شرک ومعصیت کے امور سے بچتے ہوئے صرف تعلیم میں شرکت کرنا جائز ہے البتہ بچوں کیلئے ان کی ترغیب سے تحذیر کرانا بھی لازم ہے۔

شق(۵) ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہوسکتا ہے تو ان مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا جائز ہوگا؟

کفر وشرک کی برائیوں سے پاک اداروں کے ہوتے ہوئے مشرکانہ افعال کو لازم کرنے یا ترغیب دینے والے اداروں میں داخلہ دلانا جائز نہیں۔

شق (۶) کیا مسلمان انتظامیہ کیلئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کریں۔

اس شق کے سلسلے میں آراء مختلف ہیں اکثر مقالہ نگار حضرات کی یہ رائے ہے کہ جس طرح مسلمان ان مشرکانہ اعمال کو خود نہیں کرسکتا اپنے اختیار کے اداروں میں غیر مسلموں کو بھی اس کے کرنے کی اجازت ترغیب یا رواج نہیں دے سکتا۔ غیر مسلموں کے لئے انتظام کرنا بھی تعاون علی الاثم ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ چونکہ اسلامی حکومت میں ذمیوں کے حقوق کی بڑی رعایت کی گئی ہے حتی کہ انہیں خنزیر وشراب وغیرہ کی خرید وفروخت کی بھی اجازت ہے ایسے میں اگر کوئی مسلمان اپنے انتظام میں غیر مسلم بچوں کی رعایت مصلحتاً کرے تو کراہت کے ساتھ اس کی گنجائش ہوگی (مفتی صابر حسین ندوی کرناٹک)، احقر نے لکھا ہے مسلم انتظامیہ غیر مسلم طلبہ کی حد تک آزادی دے سکتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق جو رسومات چاہیں علاحدہ جا کر خود کرلیں لیکن اسباب فراہم کرنا یا اپنی نگرانی میں انجام دلانا ہرگز جائز نہیں کہ تعاون علی الاثم لازم آئے گا۔

۱۲- عالمی سطح پر یہ رجحان پروان چڑھ رہا ہے کہ بچوں کو جنسیات کی تعلیم بھی دینی چاہئے، ہمارے ملک کے نصاب میں اس مضمون کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بھی اس کو لازم کر دیا جائے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بڑھتی ہوئی اخلاقی بے راہ روی کی وجہ سے زنا اور خلاف فطرت فعل وغیرہ کے واقعات بڑھتے چلے جارہے ہیں اور اس کی وجہ سے مختلف بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، اس لئے طلبہ وطالبات کو جنس کی حقیقت سمجھائی جائے اور اس کی آڑ میں محفوظ سیکس کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ بدکاری سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہیں، یہ افسوس کی بات ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم دینے اور برائی سے بچانے کے بجائے برائی کے محفوظ راستے تلاش کئے جارہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر حکومت اس کو لازم کردے تو اسکولوں میں اس کی تعلیم دینے یا اپنے بچوں کو داخل کرنے کے کیا احکام ہوں گے؟ کیا یہ بات مناسب ہوگی کہ حکومت سے کہا جائے کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں اور مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے؟

اس سوال کی عبارت میں خود تشفی بخش جواب موجود ہے جس کو اکثر مقالہ نگار حضرات نے تعبیری فرق کے ساتھ دہرایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ فحاشی وعریانیت کے نتیجہ میں زنا کی کثرت ہے اور خلافِ فطرت جنسی افعال کے واقعات بڑھ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے نت نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں اس کے سد باب کیلئے بجائے اس کے کہ زنا اور اسبابِ زنا کی روک تھام کی کوشش کی جاتی حکومت اور پرائیویٹ اداروں نے طلبہ وطالبات کو محفوظ سیکس کی تعلیم کے ذریعہ ان طریقوں کو بتانے پر زور دیا جو انہیں دنیاوی تکلیف اور بیماریوں سے بچا سکے اس طرح محفوظ راستے سیکھ کر طلبہ وطالبات نے مزید اپنے کو جنسی بے راہ روی میں مبتلا کر لیا ظاہر ہے کہ اسلام ایسی جنسی تعلیم کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ اسلام کا مطمح نظر صرف جسمانی بیماریوں کی حفاظت تک محدود نہیں ہے بلکہ ماحول کو پاکیزہ رکھ کر ہر طرح کے نقصانات سے معاشرہ کو محفوظ رکھنا اسلامی تعلیمات کا حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں جنسی تعلیم بقدر ضرورت موجود ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ ہی میں تین جگہ ذکر ہے:

''نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم ''(سورۂ بقرہ: ۲۲۳)۔

''أُحل لکم لیلة الصیام الرفث الیٰ نساء کم ھن لباس لکم الخ''(سورۂ بقرہ:۱۸۷)۔

''یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً الخ''(سورۂ بقرہ:۲۲۲)۔

''ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة الخ '' (سورۂ بنی اسرائیل:۳۲)۔

''ولیستعفف الذین لایجدون نکاحاً''(سورۂ نور:۳۳)۔

''والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم'' (سورۂ مومنون:۲۳)۔

نیز متعدد احادیث میں اس کا ذکر ہے مثلاً:

(۱) ''ملعون من أتی امرأة فی دبرھا''(ابوداؤد باب فی جامع النکاح۔ص ۳۵۵،حدیث نمبر ۱۵۵،بیروت)۔

(۲)''إذا أتی احدکم اھلہ فلیستتر ولایتجرد ان تجرد ا لعیرین''(رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر،ص ۱۹۶،ص ۱۰،حدیث نمبر:۱۰۴۴۳)۔

(۳)''من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج''(بخاری حدیث نمبر ۵۰۶۶، ۱۹۰۵)۔

(۴)''ان النظر سھم من سھام ابلیس ''(طبرانی ص ۱۷۳،ج ۱۰،حدیث نمبر ۱۰۳۶۲)۔

اس کے علاوہ شرم وحیا،عفت و پاکدمنی ، اورستر وحجاب ، نامحرموں کے اختلاط سے اجتناب وغیرہ مستقل تعلیمات موجود ہیں۔

بہر حال اسلام کی جنسی تعلیمات اوراغیار کی جنسی تعلیمات میں افکارونظریات کا بڑا فرق ہے لہٰذا(۱) مسلم انتظامیہ کوایسی تعلیم اپنے ادارے میں دینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۲)ایسے اسکول میں بچوں کو داخل نہ کرایا جائے جہاں جنسی تعلیم حاصل کر کے جنسی آزادی کی راہ اپنانے لگ جائیں۔(۳)اگر یہ جنسی تعلیم تمام اداروں کے لئے لازمی ہوجائے تو اسلام اور جنسیات کا موضوع باضابطہ مرتب کر کے اسکو پڑھایا جائے اوراس طرح کی کتاب شائع کر کے اس کانعم البدل پیش کیا جائے۔اوراسکولوں میں بھی اس کوتقسیم کرایا جائے۔

۱۳ - ۱۴: عصری اسکولوں میں تفریحی طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلے کرائے جاتے ہیں جس میں طلبہ وطالبات کا اختلاط بھی ہوتا ہے، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟ کیا مسلمان انتظامیہ کواختلاط سے بچاتے ہوئے دونوں صنفوں کے لئے ان کاموں کوکرانا چاہئے؟اسی سوال نمبر (۱۳) سے نوعیت وحکم کے اعتبار سے ملتا جلتا سوال نمبر(۱۴) وہ یہ کہ ثقافتی پروگرام کے عنوان سے تقریریں، ڈرامے اورمکالمے کرانے کا سلسلہ بھی اسکولوں میں عام ہے،اس میں طالبات کوبھی تقریروں اورڈراموں میں شریک کیا جاتا ہے،اس کے متعلق کیا شرعی حکم ہوگا؟

دراصل اِن دونوں سوال کے جواب کا اکثر حصہ مخلوط تعلیم کے مسئلہ کے بحث سوال نمبر ۴ میں آچکا ہے،مقالہ نگار حضرات نے وہیں قلم کی جولانی دکھلائی ہے اورمخلوط تعلیم یا مخلوط پروگراموں کے عدم جواز کو مدلل ذکر کیا ہے اورمخلوط طریقۂ تعلیم وتربیت کی خرابیوں اورنقصانات کوواضح کیا ہے،جیسا کہ اس مسئلہ کے عارض محترم اس کی کچھ تفصیلات پیش کرچکے ہیں،اس لئے اکثر مقالہ نگار حضرات نے کوئی خاص بحث نہیں کی ہے،بعض مقالہ نگار نے تفریح کی مختلف انواع اوراس کی تفصیلات مع احکام بیان کی ہیں،جیسا کہ مفتی سید باقر ارشد بنگلوری،مفتی حیدرعلی قاسمی کے مقالہ میں،مفتی عثمان گورینی نے خصوصاً ڈرامہ کے عدم جواز کی تفصیل ذکر کی ہے،اورفتاویٰ ریاض العلوم کی عبارت سے مدلل کیا ہے۔مفتی محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی اور مولانا معراج الدین کشمیری نے بھی ڈراموں کوناجائز لکھا ہے: چونکہ فقہ اکیڈمی

کی طرف سے اس سلسلہ میں بیسویں سیمینار میں مکمل گفتگو ہو چکی ہے۔ اور اسکا مجلّہ بھی شائع شدہ ہے اس لئے اس موقع سے اس بحث سے زیادہ تعرض نہ کرتے ہوئے صرف اسکی ایک تجویز ذکر کر کے آگے بڑھتے ہیں وہ یہ کہ اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لئے تمثیلی مکالمات اسٹیج کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ ان میں موسیقی کردار کشی، مرد وزن کا اختلاط، یا انبیاء، ملائکہ اور صحابہ کی تمثیل نہ ہو نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہوں (مجلّہ تفریح وسیاحت ص ۲۱)۔

مفتی راشد حسین ندوی نے لکھا ہے کہ چونکہ شرعاً مخلوط تعلیم جائز نہیں، سخت ناگزیر حالات ہی میں کبار علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور یہ گنجائش علماء نے تعلیم کی ضرورت کے تحت بیان کی ہے۔ ظاہر ہے تفریحی امور کسی بھی طرح ضرورت کے تحت نہیں آسکتے، لہٰذا مسلم انتظامیہ کے لئے مخلوط طور پر ان کا انتظام کرانا ناجائز ہے اگر ان امور کی ضرورت ہو تو دونوں صنفوں کے لئے الگ الگ جگہوں پر یا الگ الگ اوقات میں اس کا نظم کرایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ تفریحی امور فی ذاتہ جائز ہوں۔ مفتی عثمان گورینی لکھتے ہیں کہ طالبات کا تفریحی پروگرام منعقد کرنا شرعاً جائز نہیں خواہ اختلاط کے ساتھ ہو یا بغیر اختلاط کے کیونکہ بغیر اختلاط کی صورت میں اختلاط سے حفاظت تو ہوگئی لیکن دیگر مفاسد موجود ہوتے ہیں اسی لئے مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی نے غیر مخلوط تفریحی پروگرام کے جواز کے لئے یہ شرائط ذکر کی ہیں: (۱) کھیل سے مقصود محض ورزش یا تفریح ہو، (۲) کھیل بذات خود جائز ہو، اس میں کوئی ناجائز بات نہ پائی جاتی ہو، (۳) شرعی لباس و پوشاک کے ساتھ کھیلا جائے، (۴) اس کھیل سے شرعی فرائض میں کوتاہی یا غفلت پیدا نہ ہو۔ مفتی محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی لکھتے ہیں: اگر مسلم انتظامیہ یا غیر مسلم انتظامیہ اختلاط سے دور رکھ کر الگ الگ مقابلہ کرائیں اور لڑکیوں کے لئے نگرانی معلّمہ کے ذمہ ہو اور مقابلہ کی جگہ کھلی ہوئی بے پردہ نہ ہو اور اجنبی مردوں کی نظروں سے محفوظ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

''عن عائشةؓ انها كانت مع رسول الله ﷺ في سفر فسابقته فسبقته على رجلي فلما حملت اللحم سابقته فسبقني قال هذه بتلك السبقة'' (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ المصابیح ص ۲۰۱، اشرفی بکڈپو دیوبند)۔

سیر و تفریح کے لئے مراہقہ یا بالغہ طالبات کے سفر کرنے کے مسئلہ میں مفتی راشد حسین ندوی، مولانا معراج الدین کشمیر اور احقر نے لکھا ہے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ خواتین کا اس طرح کا سفر کرنا صحیح نہیں ہے وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاہلیۃ کے خلاف ہے، نیز حدیث میں ہے: **"المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان"** (ترمذی، مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ فصل ثانی)، البتہ محرم کے ساتھ باپردہ کہیں جانے کی اجازت ہے: **''عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لايخلون رجل بامرأة ولاتسافرن امرأة الاومعها محرم متفق عليه''** (مشکوٰۃ کتاب المناسک، فصل اول) **فإن بلغتها لاتسافر الابه، البحر الرائق كتاب الحج ۲/ ۳۳۹**)، نیز مسافتِ سفر سے کم کی دوری پر سیر و تفریح کے مقامات پر طالبات کو لے جایا جائے تو محرم کی شرط نہ ہوگی جیسا کہ '' **وهى لاتمنع من الخروج لغيره بدون المحرم** '' (المبسوط ۱/ ۴۳۱)۔

البتہ یہ شرائط ضرور ہوں گی (۱) فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو (۲) شرعی پردہ کے ساتھ ہو (۳) حرام امور سے اجتناب کیا جائے۔

مفتی محمد سلیم الدین قاسمی کا خیال ہے کہ سیر وتفریح کے لئے بالغ لڑکیوں کے ساتھ بااثر بارعب دیندار خواتین کا ہونا کافی ہے، بعض فقہاء خاص طور پر مالکی فقہاء نے دیندار خواتین کو محرم مرد کے قائم مقام کیا ہے: **"النسوة الثقات تقوم مقام المحارم"** (**الكوكب الدرى ابواب العمرة ص ۵۶، جزء ۹**)، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی لکھتے ہیں: چونکہ یہ سرگرمیاں تعلیم کا ہی حصہ ہیں اوران کے ذریعہ طبیعت میں نشاط، چستی، حوصلہ ہمت اور امنگ پیدا کرنا، نیز تاریخی وقدرتی چیزوں اور جسمانی نظام کا مشاہدہ کرانا ہوتا ہے، نیز ساتھ میں وہ طالبات ہوتی ہیں جن کے درمیان اطمینان حاصل رہتا ہے، لہٰذا مذکورہ باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس بات کی گنجائش ہونی چاہئے کہ مسلمان انتظامیہ دونوں صنفوں کو تفریحی وطبی سرگرمیوں میں علیحدہ علیحدہ انتظام کے ساتھ شریک کرے کیونکہ شرعی پابندیوں کے ساتھ یہ مباح الاصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**قل سيرو ا فى الارض فانظروا كيف بداء الخلق ثم الله ينشئ النشاء ة الآخرة**'' (العنکبوت:) ابن جزریؒ لکھتے ہیں:

''**وان كانت امرأة فلاتسافر الا مع ذى محرم فان عدمتها واضطرت الى الخروج، سافرت مع نساء مؤمنات**'' (القوانین الفقہیہ ص ۳۸۰)۔

سوال نمبر (۱۴) طالبات کے ثقافتی پروگرام اور ڈراموں میں حصہ لینے سے متعلق مفتی محمد سلیم الدین صاحب لکھتے ہیں: اگر لڑکیاں نابالغہ اور غیر مشتہاۃ ہیں تو ان بچیوں کا تعلیمی ڈرامے، ثقافتی پروگرام میں حصہ لینا، تقریر کرنا مباح اشعار کو ترنم سے پڑھنا اور یہ ساری چیزیں مردوں کے لئے سننا اور دیکھنا سب کچھ جائز ہے، کیونکہ ان صورتوں میں فتنہ کا خوف نہیں اور نہ ہی ناجائز امور کا ارتکاب اس طرح کے امور اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ حدیث شریف ہے:

''**عن عائشةؓ ان ابا بكرؓ دخل عليها وعندها جاريتان فى ايام مِنىٰ تدففان وتضربان والنبى ﷺ مثغش بثوبه فانتهرهما ابو بكر فكشف النبى صلى الله عليه وسلم عن وجهه فقال دعهما يا أبا بكر فانها أيام عيد وتلك الأيام أيّام منى**'' (**بخاری**)

محمد اخلاق قاسمی، مولانا محمد ریاض قاسمی وغیرہ نے فتاویٰ محمودیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نوعمر لڑکیوں کا اس طرح جلسہ کرنا بظاہر ان کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب کا ذریعہ بھی ہے ان کو معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں، مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے، تقریر کی مشق بھی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوتے ہیں، خاص کر جب مردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ لاؤڈ سپیکر پر ان کی تقریر مکالمے سنتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں اور نظمیں بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں خود عورت کا جمع ہونا مستقل فتنہ ہے اس وجہ سے تقریباتِ خاندان میں بھی شرکت کی ان کو اجازت نہیں دی جاتی اگر شوہر اجازت دے تو وہ

بھی ماخوذ ہوگا،فتنوں کا علم جگہ جگہ کے خطوط سے بھی ہوتا رہتا ہے جو بصورت استفتاء آتے ہیں،اگر چھوٹی بچیاں ہوں تو ان میں فتنہ نہیں بڑی لڑکیوں کا حال دوسرا ہے،ان کو اس طرح نہ تعلیم دی جائے نہ تقریر کرائی جائے۔

”ویمنعھا من زیارۃ الاجانب وعیادتھم والولیمۃ وان اذن کان عاصیا (الدرالمختار) (قولہ الولیمۃ) ظاھرہ ولوکانت عند المحارم لانھا تشتمل علی جمع فلاتخلوا من الفساد عادۃ“(شامی:۶۶۵/۳،فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۱۹۸)۔

مولانا محی الدین غازی نے جوابات تو وضاحت سے نہیں دئے اپنی یہ فکر ضرور پیش کی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں عصری تعلیم حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کو وہ سب کچھ انگیز کرنا پڑ سکتا ہے جس کا ذکر ان سوالات میں موجود ہے کہیں مخلوط تعلیم سے گذرنا ہوگا، کہیں دین مخالف مضامین اور نظریات پڑھنے ہونگے کہیں غیر اسلامی ترانے اور نظمیں اور بیانات دوہرانے ہونگے اس کے بغیر تعلیمی پسماندگی کے چیلنج کا سامنا کرنا ممکن نہیں۔احقر نے اپنے مقالہ میں اس مسئلہ کے آخر میں لکھا ہے کہ”دراصل تعلیم کی آڑ میں یہود ونصاریٰ کی تہذیب جو ساتھ ساتھ جڑی ہوئی ہے اس کو الگ الگ کرنے کی ضرورت ہے تعلیم جتنی ضروری ہے ان کی مادر وپدر آزاد تہذیب سے بچنا بھی اتنا ہی ضروری ہے اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلم انتظامیہ کو اپنے سیر وتفریح کے پروگرام ترتیب دینے چاہئے اوراس میں بعینہ ان کی نقالی سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ دینی انحطاط اور تنزلی کے ساتھ کسی مسلمان کیلئے عروج وترقی کا خواب کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

سوال نمبر ۱۵ تا ۱۹

مفتی راشد حسین ندوی ☆

فقہ اکیڈمی کے ستائیسویں فقہی سمینار منعقدہ ممبئی کا ایک موضوع: ''عصری تعلیمی اداروں سے متعلق مسائل'' ہے، اس کے سوال ۱۵ تا ۱۹ کے عرض مسئلہ کی ذمہ داری راقم پر ڈالی گئی ہے، جس کی سعادت راقم کو حاصل ہو رہی ہے۔

۱۵- پندرھویں سوال میں باتصویر کتابوں کو ابتدائی درجات میں داخل کرنے، ڈیجیٹل تصویر سے مدد لینے اور کلاسوں میں لکڑی یا پلاسٹک کے مجسمے رکھنے کا شرعی حکم پوچھا گیا ہے۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے چار آراء ظاہر کی گئی ہیں:

پہلی رائے: یہ ناجائز ہے، (مفتی حیدر علی قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی، مولانا معراج الدین، مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا اخلاق قاسمی)۔

ان حضرات نے ان احادیث اور فقہی عبارات سے استدلال کیا ہے جن میں تصاویر کی حرمت کا ذکر ہے، جیسے: ''لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة تماثیل'' وغیرہ، ان حضرات میں سے مولانا معراج الدین صاحب نے تعلیمی مقاصد کے لیے ڈیجیٹل تصویر کو جائز قرار دیا ہے۔

دوسری رائے: مسلمانوں کے لیے خود ایسا کرنا جائز نہیں، غیر مسلم اپنے اسکول میں کریں تو اس میں بچوں کو داخل کیا جا سکتا ہے، ڈیجیٹل تصاویر استعمال کی جا سکتی ہیں (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

مولانا موصوف کا بھی استدلال احادیث محرمہ نیز فتاوی محمودیہ اور فتاوی دار العلوم کی عبارات سے ہے، مولانا موصوف نے بھی ڈیجیٹل تصاویر کو جائز قرار دیا ہے، جن احادیث سے تصاویر کا جواز معلوم ہوتا ہے، ان کے بارے میں مولانا موصوف، نیز مولانا اخلاق صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ وہ ابتدائی دور کی ہیں، یا کپڑوں کے ٹکڑے رہے ہوں گے، یا ان کے سر کٹے رہے ہوں گے۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدانپور، رائے بریلی۔

تیسری رائے: مولانا اقبال صاحب قاسمی کی ہے کہ خیرالأ موراوسطہا کے تحت ان کا استعمال مکروہ ہے۔

چوتھی رائے: بقیہ مقالہ نگاروں کی ہے، ان حضرات نے اس عمل کو جائز قرار دیا ہے (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، ڈاکٹر مفتی شاہ جہاں ندوی، پروفیسر محمد مسعود عالم قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن عمری مدنی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، راشد حسین ندوی، مفتی اعجاز الحسن باندے قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی عبدالمصور خان ندوی، مفتی صفوان احمد حلیمی قاسمی، مفتی محمد اکرم قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، حافظ حکیم اللہ عمری مدنی، مولانا ظفر عالم ندوی)، ان میں سے صرف پروفیسر مسعود عالم قاسمی اور مفتی عبدالمصور خاں ندوی نے مجسموں میں چہرہ رکھنے سے احتیاط کی رائے ظاہر کی ہے، اور مفتی صفوان احمد حلیمی اور راشد حسین ندوی نے چہرہ مسخ کئے بغیر رکھنے کو ناجائز قرار دیا ہے، جبکہ مولانا سلیم قاسمی نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ واضح نہ ہوں، ان حضرات کا استدلال مندرجہ ذیل نصوص سے ہے:

۱- حدیث: ''أما سمعت إن لسليمان خيلا لها أجنحة'' الحديث، (ابوداود، نسائی) (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، پروفیسر محمد مسعود عالم قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۲- ''عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت ألعب بالبنات عند رسول الله ﷺ'' (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

۳- ''ويجعل لهم اللعب من العهن'' (بخاری) (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

۴- امام ابو یوسف سے مروی ہے: ''يجوز بيع اللعبة وأن يلعب بها الصبيان'' (ردالمحتار) (مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی)۔

۵- ضرورت کے تحت مالکیہ کا مسلک اختیار کرلیا جائے، ان کا مسلک موسوعہ میں اس طرح لکھا ہے: ''لا يحرم من التصاوير إلا ما جمع الشروط الآتية ، الشرط الأول: أن تكون صورة الإنسان أو الحيوان مما له ظل'' (مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۶- تصویر اہانت کے انداز میں ہو یا چھوٹی ہو تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، اس کو بھی اسی استثناء میں شامل کیا کا جائے ''لو كانت الصورة على وسادة ملقاة .... لا يكره لأنها تداس وتوطأ'' (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۷- ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی اور مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی نے شیخ عثیمین کا فتوی نقل کیا ہے۔

۸- ڈیجیٹل تصویر کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے مولانا تقی عثمانی صاحب کی تحقیق بھی کئی مقالہ نگاروں نے درس ترمذی

وغیرہ کے حوالہ سے پیش کی ہے کہ وہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے (مفتی عثمان بستوی، راشد حسین ندوی، محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی وغیرہم)۔

۹- ’’ الضرورات تبيح المحظورات ‘‘ (مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

فاضل مقالہ نگاروں کی آراء کے پیش نظر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ باتصویر کتابوں کو نصاب میں رکھا جاسکتا ہے، البتہ خود چھپوائے تو حتی الامکان جاندار کی تصویروں سے بچنے کی کوشش کرے اور رکھنا ہی ہو تو چہرہ غیر واضح کردے تو زیادہ بہتر ہوگا، ڈیجیٹل تصویر کو محققین نے تصویر کے حکم میں نہیں رکھا ہے، لہٰذا اس کا استعمال تعلیمی مقاصد کے لیے کیا جاسکتا ہے، جہاں تک مجسموں کا تعلق ہے تو ان سے جہاں تک ممکن ہو بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس لیے کہ غیر سایہ دار تصویر کی اجازت امام مالک نے دی ہے، مجسموں کی اجازت انہوں نے بھی نہیں دی ہے، جن احادیث سے گڑیوں یا گھوڑے جیسے کھلونوں کا جواز معلوم ہوتا ہے ان میں زیادہ امکان اسی کا ہے کہ وہ کپڑوں وغیرہ کے غیر واضح کھلونے تھے، اس لیے اگر رکھنے کی ضرورت ہو تو غیر واضح رکھے جائیں یا چہرہ کو مسخ کردیا جائے۔

۱۶- سوال نمبر ۱۶ کا حاصل یہ ہے کہ جو ادارے مسلم انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں ان میں لڑکیوں کے لیے امور خانہ داری اور بچوں کی تعلیم و تربیت نیز لڑکیوں کی ضروریات سے متعلق دوسری چیزوں کی تعلیم کے نظم کرنے کو کیا واجب یا مستحب قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کچھ مقالہ نگاروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس کو واجب قرار دیا جاسکتا ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے: مولانا یوسف بن عباس سعادتی، مفتی محمد عثمان بستوی، حافظ حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ’’علموا صبيانكم السباحة والرمي، والمرأة المغزل‘‘ (شعب الإیمان)(مولانا محمد یوسف بن عباس سعادتی)۔

۲- ’’ومن فرض الكفاية أيضاًالصنائع التي هي سبب قيام مصالح الدنيا كالخياطة والفلاحة‘‘ (موسوعہ) (مولانا محمد یوسف صاحب)۔

۳- ’’أما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه في قوام أمور الدنيا‘‘ (شامی)(مفتی محمد عثمان صاحب)۔

۴- ’’ قال رسول الله ﷺ: من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه‘‘ (مشکوۃ) (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۵- ’’طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه لأمر لا بد منه ..... ولأمور معاشه‘‘ (ہندیہ)(مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۶- "فإن كان المقصود واجبا فوسيلته واجب" (مولانا یوسف بن عباس)۔

بقیہ تمام مقالہ نگاروں کے نزدیک مسلم اداروں کے لیے ان امور کا انتظام کرنا مستحب ہے، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حدیث: "خير لهو المرأة المغزل" (کنز العمال) (مولانا سلیم الدین قاسمی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا حیدر علی قاسمی)۔

۲- حدیث: "والمرأة راعية على بيت زوجها وولده وهي مسؤلة عنهم" (مولانا سلیم الدین قاسمی، راشد حسین ندوی، مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور فلاحی)۔

۳- "يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا" الآية، (مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور فلاحی)۔

۴- لڑکیوں کو کڑھائی سلائی وغیرہ سکھلانے پر ابھارنے والی مختلف فقہی عبارات شامی، موسوعہ اور کفایت المفتی وغیرہ سے مثلا: "ومفاده أنه يدفعها إلى امرأة تعلمها حرفة كتطريز وخياطة الخ" (شامی) (مولانا اخلاق قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا معراج الدین، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مولانا حیدر علی قاسمی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

۵- "الدال على الخير كفاعله" (مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور)۔

۶- "ما نحل والد ولده أفضل من أدب حسن" (مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور فلاحی)۔

۷- "مروا أولادكم بالصلاة" الحديث" (مولانا محمد شفیق بن عبد الشکور فلاحی)۔

ان دلائل کا تقاضہ یہ ہے کہ عام حالات میں مسلم اداروں میں اس طرح کے ہنر کو سکھانا مستحب ہوگا، البتہ اگر ادارے باقاعدہ سرپرستوں سے سکھانے کا وعدہ کریں اور ذمہ داری لیں تو ان پر اس کو واجب قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ جن دلائل سے وجوب ظاہر ہوتا ہے وہ وجوب درحقیقت والدین اور اولیاء پر ہے، اداروں پر وجوب اسی وقت ہوسکتا ہے جب باقاعدہ ان کو وکیل بنایا جائے، بہر حال خواہ اس کو واجب قرار دیا جائے یا مستحب، اداروں کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ اداروں کی ذمہ داری معاشرہ کو صالح اور کامیاب افراد مہیا کرانا ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ ان امور میں مہارت کے بغیر کسی خاتون کے لیے معاشرہ کا کامیاب فرد بننا دشوار ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷- سترہویں سوال کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے عصری اداروں میں کس حد تک دینی تعلیم شرعاً ضروری ہے تاکہ طلبہ وطالبات بقدر واجب دینی تعلیم حاصل کرسکیں، اور دوسرے مضامین کی تعلیم بھی متاثر نہ ہو؟

اس کا جواب دیتے ہوئے فاضل مقالہ نگاروں کے جوابات میں الفاظ تعبیرات اور اجمال وتفصیل کے اعتبار سے اگرچہ اختلاف ہے لیکن اس مفہوم پر سبھی متفق ہیں کہ اس قدر دینی تعلیم فرض عین ہے کہ بچہ مکلّف ہونے کے بعد اپنے اوپر عائد

ہونے والے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دے سکے: ”**طلب العلم فریضة بقدر الشرائع وما یحتاج إلیه لأمر لا بد منه من أحکام الوضوء والصلاة وسائر الشرائع**“ (فتاوی ہندیہ) (مفتی محمد شاہ جہاں ندوی)۔

اس کی کچھ تفصیل بعض مقالہ نگاروں نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے الفاظ میں اس طرح کی ہے:

” توحید اور شرک کی حقیقت، نبوت ووحی کا اسلامی تصور، انبیاء بالخصوص پیغمبر اسلام کے ضروری حالات، پاکی وناپاکی، نماز روزہ حج زکاۃ اور قربانی کے بنیادی احکام، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، ملازمت اور نوکری، کسب معیشت کے حلال وحرام طریقے، شریعت کی حرام کی ہوئی چیزوں سے متعلق بنیادی معلومات، والدین میاں بیوی اور اعزاء واقرباء سے متعلق حقوق، شب وروز کئے جانے والے افعال کے بارے میں رسول اللہ علیہ کی سنتیں، اور مسنون وماثورہ اوراد واذکار یہ امور ہیں جن کا جاننا فرض ہے (شمع فروزاں) (مولانا صابر حسین ندوی، مولانا عباس بن یوسف سعادتی)۔

بعض حضرات نے ”الموسوعہ“ کی یہ جامع عبارت نقل کی ہے:

”**علی الآباء والامهات وسائر الاولیاء تعلیم الصغار مایلزمهم بعد البلوغ،فیعلم الصغیر ماتصح به عقیدته من ایمان بالله وملائکته وکتبه ورسله والیوم الآخر ،وماتصح به عبادته ،ویعرف مایتعلق بصلاته وصیامه وطهارته ونحوها**“ (الموسوعہ) (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہم)۔

بعض حضرات نے ردالمختار کی یہ جامع عبارت نقل کی ہے: ”**من فرائض الاسلام تعلم مایحتاج الیه العبد فی اقامة دینه واخلاص عمله لله تعالی ،ومعاشرة عباده ،فرض علی کل مکلف ومکلفة بعد تعلمه علم الدین تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والصوم وعلم الزکاة لمن له نصاب والحج لمن وجب علیه**“ (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا معین الدین ندوی)۔

اکثر حضرات نے اس کے لئے یہ تجویز کیا ہے کہ دینیات کے لئے ایک گھنٹہ رکھا جائے، مرحلہ وار دین کی بنیادی معلومات دیجائیں، اس کے لئے تعلیم الاسلام کا رکھنا مفید ہوگا، ساتھ ہی ناظرہ قرآن ختم کرانے کے ساتھ چند ضروری سورتیں یاد کرانے کا اہتمام کیا جائے۔

جبکہ مولانا جمیل احمد جلیلی، مولانا معراج الدین، مولانا سلیم الدین قاسمی وغیرہ کی رائے ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دینیات کا جامع نصاب مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

اور حافظ کلیم اللہ عمری مدنی اور مولانا اقبال قاسمی وغیرہ نے دینیات چمن اسلام، تحسین وتلقین، سجادین اور بنگلور حیدرآباد اور بھٹکل وغیرہ سے شائع شدہ مفید نصاب کا ذکر کیا ہے، مولانا اشرف قاسمی گونڈوی کی تجویز ہے کہ الگ سے دینیات کا گھنٹہ رکھنے کے بجائے پورا نصاب اسلامی تعلیمات کے مطابق تیار کیا جائے اور اسلام کی مبادیات کو ہندی، انگریزی، ریاضی وغیرہ میں پیش

کردیا جائے، اس طرح بچہ پر الگ سے کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔

جبکہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ کل دس گھنٹوں میں سے چار دینیات کے لئے رکھے جائیں، جن میں چند پارے، ترجمہ قرآن، ترغیب وترھیب کی احادیث اور دوسری مبادیات کو رکھا جائے۔

راقم کے خیال سے عملی طور پر دینیات کے لئے ایک گھنٹہ رکھنا اس میں ناظرہ قرآن مجید، چند سورتوں کا حفظ اور مبادیات اسلام پر مشتمل تعلیم الاسلام جیسی کوئی کتاب پڑھا دینا ان شاء اللہ آسان بھی ہوگا، اور اس عصری علوم کی تدریس کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا، زیادہ گھنٹے رکھنا عملاً میرے خیال سے دشوار ہوسکتا ہے، الگ سے دینیات کا گھنٹہ رکھے بغیر پورے نصاب کو اسلامی تقاضے کے مطابق کرلیا جائے تو عصری علوم کا حرج بھی نہ ہو اور فارغ ہونے والا طالب علم مولوی بن کر فارغ ہو، لیکن یہ کام وہی کرسکتے ہیں جو دینی علوم کے ساتھ عصری علوم میں بھی مہارت رکھتے ہوں اور زبان پر بھی بے پناہ قدرت انھیں حاصل ہو، جب تک اس طرح کا نصاب وجود میں نہ آجائے اس وقت تک دینیات کے لئے ایک گھنٹہ رکھ کر مبادی اسلام سے واقف کرادینا ہی مفید ہوگا۔

۱۸- سوال نمبر ۱۸ کا حاصل یہ ہے کہ طلباء کے لئے مخالف جنس ٹیچر کا رکھنا کیسا ہے؟ خاص طور سے اس وقت جب خاتون ٹیچر کم تنخواہ میں مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت اچھی نہ ہو؟

اس سوال کے جواب میں فاضل مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی رائے: جنس مخالف سے ٹیچر کا تقرر درست نہیں ہوگا، جنس موافق سے اساتذہ کا انتظام کیا جائے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبدالمصور خاں ندوی، محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحی مظاہری، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی سعید الرحمان قاسمی بستوی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، ان حضرات میں سے مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی سعید الرحمان بستوی اور حافظ کلیم اللہ عمری مدنی نے چھوٹے بچے بچیوں میں اس کی اجازت دی ہے، عدم جواز پر ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے ہیں:

۱-"واذاسألتموھن متاعاًفاسألوھن من وراء الحجاب" (مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور)۔

۲-"قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم" نیز "قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن(الآیہ)" (مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۳-"قال رسول الله ﷺ: المرأۃ عورۃ الحدیث" (مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۴-"ویفرق بین الصبیان فی المضاجع اذابلغواعشر سنین،ویحول بین ذکور الصبیان والنسوان"

الخ (ردالمحتار) (مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۵-''ویجب ان یکون تعلیم النساء مع مراعاۃ آداب امرالشارع المرأۃ بالتزامھاللحفاظ علی عرضھا وشرمھا وعقلھا من عدم الاختلاط بالرجال الخ'' (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۶-قاعدہ ''درء المفاسدأولی من جلب المنافع'' (مفتی سید باقر ارشد بنگلوری)۔

۷-''وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین الرجال الخ'' (شامی)۔

نیز فتاوی محمودیہ وغیرہ کی عبارات (مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی)۔

دوسری رائے: بقیہ مقالہ نگاروں کی ہے کہ غیر مشتہاہ بچے بچیوں کے لئے مخالف جنس ٹیچر کا تقرر درست ہے، بالغات کے لئے اگر عورتیں مہیا نہ ہوں تو ضرورتاً پردہ، تنہائی نہ ہونے اور سخت نگرانی کی شرط کے ساتھ صالح مردوں کی تقرری درست ہے اور اگر عورتوں کو رکھنے کی ضرورت ہو تو حجاب کے ساتھ تعلیم وتدریس کر سکتی ہیں۔

اس کے لئے بعض حضرات نے کچھ شرطیں بھی لگائی ہیں:

۱-سرکاری جبر ہو (مفتی صفوان احمد حلیمی)۔

۲-کم تنخواہ میں مقرر کرنا ناجائز استحصال ہے (مولانا حفیظ الرحمان عمری مدنی)۔

۳-مخالف جنس ٹیچر تبھی رکھ سکتے ہیں جب سن رسیدہ ہو (مولانا اقبال احمد قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی)۔

۴-جب موافق جنس ٹیچر دستیاب نہ ہو (مولانا صابر حسین ندوی)۔

۵-صرف بقدر ضرورت رکھا جائے (مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-حدیث: ''فاجتمِعن فی یوم کذاوکذا،فاجتمعن،فأتاھن رسول اللہ ﷺ فعلمھن مماعلمہ اللہ (بخاری) (مفتی محمد اکرم قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا سلیم الدین قاسمی، مولانا معین الدین ندوی قاسمی)۔

۲-''عن أبی موسی قال: ماأشکل علینا أصحاب رسول اللہ ﷺحدیثاًقط، فسألناعائشۃالا وجدناعندھا علماً'' (ترمذی) (مولانا سلیم الدین قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۳-''جاز للأجنبی أن ینظر من المرأۃ الی وجھھاوید یھابغیر شھوۃ '' (احکام القرآن) (مفتی محمد عثمان بستوی، مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۴- ''وتمنع المرأۃ الشابۃمن کشف الوجہ بین الرجال''''أماالعجوز التی لا تشتھی فلابأس بمصافحتھا'' (شامی) (مولانا معراج الدین، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا معین الدین ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا جمیل

اختر جلیلی ندوی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا سلیم الدین قاسمی)۔

۵-”یا أیها النبی قل لأزواجک وبناتک الآیة“ (مولانا راشد حسین ندوی)۔

۶-”قل للمؤمنین یغضوا من أبصارهم“ الآیة “ (مولانا معراج الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۷-”أو الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء الآیة“ (مولانا معین الدین قاسمی)۔

۸- ”والقواعدمن النساء التی لایرجون نکاحاًالآیة “ (مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۹-حضرت ام سلمہ کو نابینا صحابی سے پردہ کرنے کا حکم ہوا،حضرت عائشہ کوحبشیوں کا کھیل دکھایا گیا،تطبیق یہی ہے کہ ضرورتاً جائز ہے(مفتی عثمان بستوی)۔

۱۰-مفتی محمد اکرم قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی اورمولانا اقبال قاسمی وغیرہ نے ”کفایت المفتی“اور” امدادالفتاوی“ وغیرہ اردوفتاوی کی عبارات نقل کی ہیں جن میں شرعی احتیاطوں کے ساتھ مخالف جنس کو پڑھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

ان آراء کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لئے مخالف جنس ٹیچر رکھا جاسکتا ہے، بالغ لڑکےلڑکیوں کے لئے بغیر سخت ضرورت نہ رکھا جائے، سخت ضرورت ہوتو معمرافراد کو رکھا جائے نہ ملیں تو ناگزیر حالات میں مخالف جنس ٹیچر رکھا جاسکتا ہے، لیکن کسی حال میں خلوت نہ ہونے دی جائے اورشرعی ضابطوں پرسختی سے عمل کیا جائے واللہ اعلم۔

۱۹- سوال نمبر ۱۹ کا حاصل یہ ہے کہ محکمہ تعلیم کے افسران اسکولوں کا معائنہ کرتے ہیں،اوررشوت کے طالب ہوتے ہیں نہ دی جائے تو معمولی بہانوں سے اسکول کی منظوری منسوخ کردینے کی تجویز پیش کردیتے ہیں تو کیا ان کو رشوت دیکر اسکول کو بچایا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی عبدالمصور خاں ندوی نے رشوت دینے کوحرام قرار دیا ہے، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی نے کراھت کے ساتھ اجازت دی ہے، بقیہ مقالہ نگاراس پر متفق ہیں کہ اگر رشوت دیئے بغیر اسکول کی منظوری کے کینسل ہونے کا ظن غالب ہوتو بدرجہ مجبوری اضطراری حالت میں رشوت دینے کی گنجائش ہوگی البتہ کئی حضرات نے صراحت کی ہے کہ اس کی اجازت اسی وقت ہوگی جب اسکول مطلوبہ معیار پورا کررہا ہو، ورنہ اجازت نہیں ہوگی، ان حضرات کے کچھ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-”کمالو اضطر الی دفع الرشوة لاحیاء حقه ،جاز الدفع وحرم علی القابض“(شامی) (مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

۲-”الرابع مایدفع لدفع الخوف من المدفوع الیه علی نفسه أو ماله حلال للدافع حرام علی الآخذ“ (شامی)(مفتی حیدر علی قاسمی، مولانا صابرحسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی احسن عبدالحق ندوی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، راشد حسین ندوی، مولانا معین الدین ندوی قاسمی، مولانا معراج الدین، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا ریاض ارمان

قاسمی، مولانا محمد یوسف بن عباس سعادتی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۳-''وهل يحل للمعطى الاعطاء له عامة المشائخ على أنه يحل'' (فتاوی ہندیہ) (مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۴-اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی، احکام القرآن، فتح القدیر، مرقاۃ، بذل المجہود، موسوعہ اور اعلاء السنن وغیرہ کی عبارات۔(مفتی حیدر علی قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا معراج الدین، مولانا عبدالشکور فلاحی مظاہری، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی)۔

۵-مولانا حافظ حفیظ الرحمان عمری مدنی فرماتے ہیں کہ یہ رشوت کی تعریف: ''دفع المبلغ لقلب الحق باطلاً أو الباطل حقاً'' کے تحت نہیں آتا، یہی بات مولانا سلیم الدین قاسمی اور مفتی صفوان احمد حلیمی قاسمی نے شامی کے حوالہ سے کہی ہے۔

بہرحال فاضل مقالہ نگاروں کی آراء کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ جب اسکول تمام ضوابط اور معیار کو پورا کررہا ہو، اس کے باوجود رشوت نہ دینے پر منظوری منسوخ کرادینے کا خوف ہو تو رشوت دیجاسکتی ہے۔

ایسے حالات میں دینے پر ان شاء اللہ گناہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس حالت میں اس پر رشوت کی تعریف ہی صادق نہیں آتی ہے، حرمت اور کراہت اس وقت ہوگی جب معیار پورا نہ ہو اور غیر قانونی منظوری کے لئے رشوت دیجائے، جہاں تک رشوت لینے کا تعلق ہے تو وہ کسی صورت سے بھی جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔

☆☆☆

باب دوم

تفصیلی مقالات

عصری تعلیم سے متعلق شرعی مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد شاجہاں ندوی☆

۱-عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے کی حیثیت:

ایسے اسکول قائم کرنا جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں فرض کفایہ ہے، کیونکہ تمام وہ نافع عصری علوم جن سے کسی بھی قوم کا عروج وزوال وابستہ ہو، اوران سے معاشی، مالی اور فوجی میدان میں برتری حاصل ہوتی ہو، اور دنیوی معاملات کے انصرام وبندوبست میں ان سے کسی طرح بے نیازی نہیں برتی جاسکتی ہو، وہ فرض کفایہ ہے، علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں:

"أما فرض الكفاية فهو علم لا يستغنى عنه في قوام أمور الدنيا كالطب......" (غزالی، إحیاء علوم الدین ۱/۱۶، بیروت، دارالمعرفۃ، ع ۲۰۱۰ء) (فرض کفایہ ہر وہ علم ہے جس سے دنیوی معاملات کے انصرام وبندوبست کے سلسلہ میں کسی طرح بے نیاسی نہیں برتی جاسکتی ہو، جیسے طب جو کہ انسان کی جسمانی صحت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے، اور جیسے علم حساب جو معاملات، وصیتوں اور میراث وغیرہ کی تقسیم کے لئے لازم ہے......اسی طرح صنعتی علوم بھی فرض کفایہ ہیں، جیسے زراعت کا علم، کپڑے بننے کا علم، اور پولیٹکل سائنس (Political Science) بلکہ پچھنے لگانے اور سلائی کا علم بھی فرض کفایہ ہے، کیونکہ اگر کوئی شہر پچھنے لگانے والے سے خالی ہوجائے تو وہاں کے باشندگان کی طرف ہلاکت لپک پڑے گی)۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ امام غزالیؒ نے اپنے دور کے لحاظ سے مثال دی ہے، لیکن ہمارے اس عہد میں علم کی بے شمار قسمیں ہیں، اوران سب میں انسان نے خصوصی مہارت پیدا کرلی ہے، اور وہ علوم بھی ایسے ہیں جن سے کسی بھی قوم کا عروج وزوال وابستہ ہے، اوران سے معاشی، مالی اور فوجی میدان میں برتری حاصل ہوتی ہے، اوران تمام علوم کی مسلمانوں کو براہ راست یا بالواسطہ ضرورت ہے، لہذا تمام نافع عصری علوم کی تحصیل شریعت کی نگاہ میں فرض کفایہ ہے، امت اسلامیہ کے اندر بقدر حاجت تمام نافع علوم وفنون کے ماہرین کا وجود بھی لازم ہے، اسی طرح ٹیکنیکل علوم کے ماہرین کا وجود بھی لازم ہے، خود اللہ تعالی نے حضرت داؤدؑ اوران کی قوم پر احسان کا تذکرہ کے ضمن میں فرمایا کہ ہم نے ان کو زرہ سازی اور لوہے کے استعمال کا طریقہ سکھایا (سورۂ انبیاء:۸۰)۔

☆ عمید کلیۃ الحدیث، جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، مالاپورم، کیرالہ۔

علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:"فیتناول ماهو دینی كصلاة الجنازة، ودنيوی كالصنائع المحتاج إليها"(ابن عابدین، ردالمحتار، مقدمۃ الکتاب ۱/۱۲۶)(فرض کفایہ میں وہ معاملہ بھی شامل ہے جو دینی ہو، جیسے نماز جنازہ، اور وہ معاملات بھی جو دنیوی ہوں، جیسے صنعتیں جن کی ضرورت پڑتی ہے)۔

اور جب تمام نافع جدید علوم وفنون کی تحصیل شریعت کی نگاہ میں فرض کفایہ ہے، تو پھر مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق اسلامی ماحول میں ان کی تدریس وتعلیم کے لئے اسکول قائم کرنا بھی فرض کفایہ ہے، چنانچہ عام طور سے فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جس چیز کے بغیر فرض کی انجام دہی نہ ہوسکے، وہ بھی فرض ہوجاتی ہے، جیسا کہ علامہ زیلعی حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ومالا يتم الفرض إلا به فهو فرض" (زیلعی، تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ ۱/۱۰۴، قاہرہ، دار الکتاب الاسلامی، ۱۳۱۳ھ، ع۰ أ۰:۶)(جس چیز کے بغیر فرض کی تکمیل نہ ہوسکے، وہ بھی فرض ہوجاتی ہے)، نیز تکملہ حاشیہ "ردالمحتار" میں ہے:

"وكل مالا يتوصل إلى الفرض إلا به فهوفرض" (محمد علاء الدین، قرۃ عیون الأخیار تکملۃ ردالمحتار ۱/۲۷۴، ط: یعسوب)(ہر وہ چیز جس کے بغیر فرض تک رسائی نہ ہوسکے، وہ بھی فرض ہوجاتی ہے)، خود علامہ شامی نے بھی اس کی صراحت کی ہے(دیکھئے: ردالمحتار، مطلب علی المفتی الجواب بأي طریق کان ۵۹/۷۰۰۰، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء)۔

لہذا مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق ہر علاقہ میں عصری علوم کی اسلامی ماحول میں معیاری تعلیم کے لئے اسکول قائم کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، کیونکہ فرض کفایہ میں یہ بات ملحوظ ہوتی ہے کہ مناسب طریقہ پر اس چیز کی انجام دہی ہوجائے، چنانچہ فقہاء نے عام طور سے اس بات کی صراحت کی ہے کہ علامہ عبدالغنی میدانی حنفیؒ رقم طراز ہیں:

"إذا حصل المقصود بالبعض"(میدانی، اللباب فی شرح الکتاب، کتاب السیر ۱/۳۹۶، بیروت، دارالکتاب العربی، ع۰ أ۰:۴)(جبکہ بعض کی انجام دہی سے مقصود حاصل ہوجائے)۔

۲-نصاب تعلیم میں ملحوظ امور:

مسلمانوں کے لئے نصاب تعلیم میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

الف-ضرر رساں علوم وفنون سے اجتناب:

ہر اس علم کو پڑھانے سے اجتناب کیا جائے جس سے دینی یا دنیاوی یا جسمانی یا عقلی ضرر وابستہ ہو، لہذا غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم کے نام پر بے حیائی کی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھانے سے اجتناب لازم ہے، علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں:

"وأما المذموم فعلم السحر والطلسمات وعلم الشعبذة والتلبيسات"(غزالی، احیاء علوم الدین ۱/۲۳)

(رہے مذموم اور ناپسندیدہ علوم تو (یہ وہ ہیں جن میں ضرر ہو)، جیسے سحر، طلسم اور شعبدہ بازی وغیرہ کا علم)۔

ب- غیر شرعی افکار سے احتراز:

نصاب تعلیم غیر شرعی افکار پر مشتمل نہ ہو، لہذا ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس اور جنسی تعلیم کو اس طرح پڑھانا درست نہیں ہے، جس سے ان فاسد افکار وخیالات کی تائید ہو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”**إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فى الذين آمنوا لهم عذاب أليم في الدنيا والآخرة**“(سورۂ نور:۱۹)
(بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے)۔

البتہ غیر شرعی افکار کی شناعت طلبہ اور طالبات کے ذہن میں راسخ کرنا اور ان کی اس طرح تردید کرنا کہ اسلامی افکار و نظریات کی برتری اور خوبی ان پر واضح ہو جائے، درست ہے۔

ج- مفید مواد کا انتخاب:

ایسے مواد اختیار کئے جائیں جن سے اسلامی اور انسانی اہداف پورے ہوں، اور جن کو پڑھنے کے بعد طالب علم سماج کے لئے نافع بنیں اور اخلاق وکردار کے زیور سے آراستہ ہوں، نہ کہ گفتار کے غازی بنیں، اور ان کے اندر بددیانتی پیدا ہو، اور تخریبی ذہن پروان چڑھے، اور معنوی وروحانی پہلو پر مادی غالب ہو، کیونکہ یہ سب فساد میں شامل ہے۔

”**والله لا يحب الفساد**“ (سورۂ بقرہ:۲۰۵)(اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا)، نیز فساد مچانے والے اللہ تعالی کی نگاہ میں مبغوض ہیں،”**والله لا يحب المفسدين**“ (سورۂ مائدہ:۶۴)(اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اور اگر ان علوم وفنون کے ضمن میں ایسے نظریات آجائیں جو اسلامی افکار، اقدار اور روایات سے متصادم ہوں تو ان کی بھرپور تردید کی جائے، غرضیکہ مفید عصری علوم کو پڑھانے والے مسلمانوں کے اندر اجتہادی شان ہو، نہ یہ کہ مغرب جو بھی افکار و نظریات ان عصری علوم کے نام پر پیش کردے، اسے قبول کرلیا جائے، مثال کے طور پر ایک اچھے موضوع ''ماحولیاتی مطالعہ'' میں ''مالتھس'' کے نظریہ آبادی کو پیش کیا جاتا ہے، کہ ۱۹۷۸ء میں برطانوی ماہر معاشیات اور مردم نگار(Demographer) ''تھامس رابرت مالتھس''(Thomas Robert Malthus) نے آبادی پر اپنا ایک مضمون شائع کیا جو بعد میں بہت مشہور ہوا، مالتھس نے دریافت کیا کہ انسانی آبادی میں اضافہ جیومٹریکل(Exponential) طرز میں ہوتا ہے، یعنی 2,4,8,16,32,64 وغیرہ کی شرح میں ہوتا ہے، جبکہ غذائی یا معاشی اضافہ حسابی طرز (Mathematical) میں ہوتا ہے، یعنی 1,2,3,4,5,6 وغیرہ کی شرح میں ہوتا ہے، لہذا معاشی وسائل کے مقابلہ میں آبادی میں ضافہ کی شرح کافی بلند ہوتی ہے، چنانچہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا ت و معاشی ذرائع لوگوں کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرپائیں گے، اس لئے اس صورت حال سے بچنے کے لئے آبادی کی شرح کو کم کرنا ناگزیر ہے۔

''مالتھس'' کے مطابق آبادی میں اضافہ کی روک تھام دو طرح سے ہوتی ہے،۱-قدرت کی جانب سے، ۲-انسانی طریقوں سے۔

اس کا ماننا ہے کہ انسانی آبادی میں اضافے کو روکنے کے لئے قدرت خود اپنے ہتھکنڈے اپناتی ہے، ان ہتھ کنڈوں میں سیلاب، قحط سالی، زلزلے اور وبائی امراض وغیرہ شامل ہیں، جو آبادی کو کم کرتے ہیں۔

مالتھس نے ان طریقوں کی بھی نشاندہی کی جو انسان اپنا سکتا ہے، ان میں دیر سے شادی کرنا، بیوی کے علاوہ عورتوں سے تعلق رکھنا اور شرح پیدائش میں تخفیف کے دوسرے طریقے اختیار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

ظاہری بات ہے کہ یہ نظریہ اسلامی نقطہ نظر سے بالکل متصادم ہے، لہذا مسلمانوں کے زیر انتظام عصری علوم کے اداروں میں ایسے اجتہادی شان والے اسکالرز ہونے چاہئے جو منطقی دلائل کے ذریعہ اس طرح کے باطل نظریات کی تردید کرسکیں، اور اس بات کو ثابت کرسکیں کہ آبادی میں اضافہ کے ساتھ وسائل میں یکساں یا زیادہ اضافہ وہوتا ہے، لیکن دیکھنے میں یہ بات آتی ہے کہ مسلمانوں کے زیر انتظام عصری علوم کے اداروں میں موجود اسکالرز اپنے میدان میں اجتہاد کرنے اور عصری علوم کو اسلامی نظریات کے ساتھ پڑھانے کی بجائے کتاب وسنت میں اجتہاد کے نام پر تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں۔

د-قوت اختراع پیدا کرنے والے مواد کا انتخاب:

نصاب تعلیم ایسا ہو کہ طلبہ میں غور وفکر کی روح پروان چڑھے، صالح فکر کی آبیاری ہو اور ان کے اندر ایجاد واختراع کی قوت پیدا ہو، نہ کہ مغرب کی اندھی تقلید، کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنی کتاب کی بے شمار آیتوں میں غور وفکر کی دعوت دی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''**أفلا تعقلون**''(سورۂ بقرہ:۴۴)(کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟)، نیز ارشاد ہے:''**أولم ينظروا في ملكوت السموات والأرض، وما خلق الله من شيء**''(سورۂ اعراف:۱۸۵)(کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کے نظام اور ان چیزوں پر نگاہ نہیں کی جو اللہ نے پیدا کی ہیں)، نیز فرمان الہی ہے:''**وهو الذي مد الأرض وجعل فيها رواسي وأنهارا ومن كل الثمرات جعل فيها زوجين اثنين يغشي الليل النهار إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون**''(سورۂ رعد:۳) (اور وہی ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں اس میں پیدا کیں، وہ رات کو دن پر طاری کردیتا ہے، بے شک ان چیزوں کے اندر ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور کریں)۔

ی-مہارت پیدا کرنے والا نصاب:

عصری علوم کے نصاب تعلیم میں اس امر کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ اس کو پڑھ کر نکلنے والے طلبہ میں ایسی مہارت پیدا ہو کہ وہ معاشی، سیاسی، اور فوجی میدان میں مسلمانوں کے تفوق اور برتری کا ذریعہ بنیں، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**وأعدوا لهم ما**

استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم“(سورۂ انفال:۶۰)(اور ان کے لئے جس حد تک کرسکو فوج اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو، جس سے اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت رہے، اوران کے علاوہ کچھ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے ہو، اللہ انہیں جانتا ہے)۔

مسلمانوں کے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں فاسد مضامین کی تعلیم کا حکم:

امت اسلامیہ ایک اصولی امت ہے اس کی بعثت کا مقصد ہی اچھائیوں کی دعوت دینا اور برائیوں سے روکنا ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:”كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر وتؤمنون بالله“(سورۂ آل عمران:۱۱۰)(تم بہترین امت ہو لوگوں کی رہنمائی کے لئے اٹھائے گئے ہو، نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

اس لئے اس بات کی قطعا کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمان اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں فاسد نظریات اور غیر اخلاقی مضامین کو اس طرح پڑھائیں کہ جس سے ان کو تقویت ملے اور طلبہ کا ذہن تشویش کا شکار ہو، خواہ ان میں سے بعض مضامین کا پڑھانا حکومت کی طرف سے اسکولوں کے لئے لازم ہو، کیونکہ بہ حیثیت مسلمان امت مسلمہ اپنے اصول واقدار اور روایات سے سمجھوتہ نہیں کر سکتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی اجتماعی قوت کے ذریعہ حکومت پر دباؤ بنائیں کہ وہ ان مضامین سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھے، اور اگر ضرورت پڑے تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں، کیونکہ کسی سیکولر (Secular) ملک میں کسی مذہب کی تعلیم کو دوسرے مذہب کے لوگوں پر مسلط کرنا قانونا جرم ہے۔

۳- مفاسد پر مبنی تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے کا حکم:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:”فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون“(سورۂ نحل:۴۳)(سو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)۔

اس آیت میں ”عبارۃ النص“ سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ علم نہ ہونے کی حالت میں اہل علم سے سوال کرنا واجب ہے، جبکہ ”اشارۃ النص“ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اہل علم کو وجود میں لانا بھی واجب ہے، تاکہ ان سے معلوم کرنا ممکن ہو سکے، اسی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایسے ادارے کا قائم کرنا بھی فرض ہے جو اہل علم تیار کر سکے، اور شرعی نقطہ نظر سے علم نافع ہر وہ علم ہے جو انسانیت کے لئے دنیا یا آخرت کے اعتبار سے فائدہ مند ہو، لہٰذا اصلا مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جہاں ان کی اولاد ضروری دینی اور دنیوی علوم حاصل کر سکیں، جیسا کہ گزشتہ سطور میں یہ بات گزری ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، جس کو انجام دینا ضروری ہے، لہٰذا اگر اس فریضہ کو نظر انداز کیا گیا تو وہ تمام لوگ گنہگار رہوں گے جن کے اندر اس کی انجام دہی کی صلاحیت ہے۔ D2

اس لئے اصولی اعتبار سے مفاسد والے سرکاری ادارے یا عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے اداروں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نعمت اور امانت ہے، اور اس امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ہر اس چیز سے بچایا جائے جو ان کے لئے دینی یا دنیوی اعتبار سے مضرت رساں ہو، خاص طور سے ان کے دین وایمان کی حفاظت والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا أیھا الذین آمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم نارا" (سورۂ تحریم:۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے بچاؤ)، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**کلکم راع و کلکم مسؤول عن رعیته، فالإمام راع ومسؤول عن رعیته، والرجل راع في أھله وھو مسؤول عن رعیته**" (صحیح البخاری حدیث نمبر:۸۹۳، ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۸۲۹) (تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے، اور تم میں سے ہر ایک اپنے ماتحت کے بارے میں جوابدہ ہے، چنانچہ حاکم وقت نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اپنے ماتحت کے بارہ میں جوابدہ ہے)۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان جس ادارہ میں تعلیم حاصل کرتا ہے، وہاں کی فضا اور ماحول سے متاثر ہوتا ہے، چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ دینی علوم کا بھی ادارہ اگر ایسا ہو جو نماز اور سنن کے اہتمام سے غافل ہو، تو اس میں پڑھنے والا بھی اسی کیفیت سے دوچار ہوجاتا ہے، اور بسا اوقات والدین کی تربیت بھی بے اثر ہوجاتی ہے۔

نیز طالب علم عام طور سے اپنے استاذ ہی کا چربہ ہوتا ہے، اور استاذ کے رنگ میں ہی رنگ جاتا ہے، اور اسی کے ذہن ودماغ سے سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ہمارے اسلاف پر کہ ان کو اس حقیقت کا اچھی طرح علم تھا، چنانچہ محمد بن سیرینؒ کا قول ہے:

"**إن ھذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم**" (مقدمۃ صحیح مسلم ۱/۱۲، بیروت، دارالاحیاء، ع۰۱ ۵:۰) (بے شک یہ علم حدیث دین ہے سو غور کرلو کہ تم کس سے اپنا دین حاصل کررہے ہو)۔

توجس طرح شرعی علم اسی سے حاصل کرنا چاہئے جس کے دین وعلم پر اعتماد ہو، اسی طرح نافع عصری علوم ایسے افراد سے ہی حاصل کرنا چاہئے جن کے اخلاق وکردار پر اعتماد ہو۔

اور یہ امر مخفی نہیں کہ مفاسد والے سرکاری تعلیمی اداروں اور سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے اسکولوں کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو دیومالائی تہذیب میں مدغم کرنا ہے، اور اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے خوبصورتی کے ساتھ ایسے افراد کا تقرر کیا جاتا ہے جو مسلم بچوں اور بچیوں کے ذہن کو مسموم کرسکیں، اور انہیں میٹھا زہر پلاسکیں۔

اسی طرح عیسائی مشنری کا مقصد مسلم بچے اور بچیوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات کے کانٹے بھرنا اور ان کو اپنے ماضی اور آخری کتاب قرآن مجید سے دور کرنا ہے، چنانچہ اس پردہ کو اٹھاتے ہوئے علی جریشہ مستشرق شاتلی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”إن أردتم أن تغزوا الإسلام وتخضعوا شوكته، وتفضوا على هذه العقيدة التي قضت على كل العقائد السابقة واللاحقة، فعليكم أن توجهوا جهود هدمكم إلى نفوس الشباب المسلم والأمة المسلمة، بإمامة روح الاعتزاز، بما ضيهم المعنوي وكتابهم القرآن“ ()(اگر تم اسلام پر حملہ بولنا، اور اس کی قوت وشوکت کو زیر کرنا اور اس عقیدہ کا خاتمہ کرنا چاہتے ہو تو جس نے پچھے اور بعد میں آنے والے تمام عقائد کا خاتمہ کر دیا، تو تمہاری تخریبی کوشش کا رخ نوجوان مسلمان اور امت مسلمہ ہونا چاہئے، اس طرح کہ تم ان کے اندر سے اپنے ماضی اور اپنی کتاب قرآن کریم پر فخر کی روح نکال دو)۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم ملک میں عیسائی مشنری کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے ایسے افراد حکمراں ہیں جو سامراج کی زبان بولتے اور ان کے اہداف کو پورا کرتے ہیں۔

ان حقائق کے باوجود اگر کوئی والد اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں تعلیم کے لئے داخل کرنے پر مجبور ہو، اور اسے یقین ہو کہ وہ اپنے بچوں کو الحاد وتشکیک کے فتنہ سے بچالے گا تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ درج ذیل اقدامات اختیار کرے۔

دین وایمان کی حفاظت کے اقدامات:

بدرجہ مجبوری مفاسد والے ادارے میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے والے والدین پر فرض ہے کہ وہ انہیں الحاد وتشکیک کے فتنہ سے بچانے کے لئے درج ذیل اقدامات کریں:

۱-اسلام کے خلاف کسی طرح کا سمجھوتہ نہ کرنے کا احساس دلانا:

ہر دن والدین اس بات کی کوشش کریں کہ وہ اپنے بچوں کے دل میں اس احسا کو جگائیں کہ اسلام اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے، اس کے بغیر دنیا کی ہر ترقی بے معنی ہے، لہذا ہمیں ہر حال میں اسلام پر ثابت قدم رہنا ہے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

”إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ألا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون“ (سورۂ فصلت:۳۰) (بے شک ان لوگوں پر جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے، فرشتے اتریں گے کہ اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ کوئی غم، اور اس جنت کی خوش خبری قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے)۔

اور فرمان الہی ہے:”إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون“ (سورۂ احقاف:۱۳) (یقیناً جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر جمے رہے تو ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے)۔

اور حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”قل آمنت بالله ثم استقم“ (صحیح مسلم حدیث نمبر:۳۸، مسند احمد حدیث نمبر:۱۵۴۱۶) (کہو: میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر جم جاؤ)، اور حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نو باتوں کی ہدایت کی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ”لا تشرک بالله شيئا،

وإن قطعت أو حرقت" (بخاری، الأدب المفرد حدیث نمبر ۱۸، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اگرچہ تمہارے انگ انگ کاٹ دیئے جائیں، یا تم کو جلا دیا جائے)۔

۲-ایمان تازہ کرتے رہنا:

والدین کی ذمہ داری ہے کہ مجبوری میں وہ اپنے بچوں کو اگر ایسے اداروں میں داخل کریں تو پھر صحابہ کے حالات وواقعات کے ذریعہ ان کے ایمان کو تازہ کرتے رہیں، کہ کس طرح انہوں نے مخالف حالات اور تمام ترغیبات کے باوجود اپنے ایمان کو محفوظ رکھا، اور ان ہی میں سے سعد بن ابی وقاص ہیں جن کی ماں نے اسلام سے ان کو پھیرنے کے لئے کھانے پینے سے باز آنے کی قسم کھالی، پھر بھی وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے، اور اللہ تعالی نے ان کی ستائش کرتے ہوئے یہ آتی اتاری:

"وإن جاهداک علی أن تشرک بي ما ليس لک به علم، فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا" (سورۂ لقمان: ۱۵) (اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا، جس کے بارہ میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو)۔

۳-سوالات کے ذریعہ ان کے ایمان کی کیفیت کا اندازہ کرنا:

والدین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے اداروں میں تعلیم حاصل کرنیوالے اپنے بچوں سے روزانہ یہ سوال کریں کہ تمہاری ایمان کیفیت کا کیا حال ہے؟ کیا تم اپنے دین وایمان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟ شرک اور بت پرستی سے تم کو ایسی نفرت ہے کہ نہیں جیسی نجاست سے ہوتی ہے، غرض یہ کہ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کی فکر کی اسی طرح کی فکر ہر والدین کو کرنی چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ "ماتعبدون من بعدي" (سورۂ بقرہ: ۱۳۳) (تم میرے بعد کس کی پرستش کروگے؟) ہر والدین کے پیش نظر رہنا چاہئے۔

۴-مخلوط تعلیم کے نظام کی حیثیت:

مخلوط تعلیم کا نظام شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ خواتین نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: "غلبنا عليک الرجال فاجعل لنا يوما من نفسک، فوعدهن يوما لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۱۰۱، مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۱۲۷۹، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۲۹۶) (آپ سے تحصیل علم کے سلسلہ میں مرد ہم پر غالب آگئے ہیں، لہذا آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک دن مقرر کردیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا، جس میں ان سے ملے، اور ان کو نصیحت کی اور حکم دیا)۔

یہ حدیث صراحتا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کی تعلیم جداگانہ ہوگی، کیونکہ اگر اختلاط جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ان سے ارشاد فرمادیتے کہ دن متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم ہمارے مجلس میں آجایا کرو اور پیچھے بیٹھ کر مردوں کے ساتھ تم بھی تحصیل علم کرلیا کرو۔

۲- راستہ میں بھی کو اتین کو مردوں کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابواسید انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ راستہ میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوگیا، تو حضور ﷺ نے خواتین سے ارشاد فرمایا: "**استأخرن؛فإنه ليس لكن أن تحققن الطريق، عليكن بحافات الطريق، فكانت المرأة تلصق بالجدار حتى إن ثوبها ليعلق بالجدار من لصوقها به**" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۵۲۷۲، مسند شاشی حدیث نمبر: ۱۵۰۳، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۵۸۰ (۱۹/ ۲۶۱، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (تم درمیان راہ سے ہٹ جاؤ، کیونکہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے کہ تم درمیان راہ چلو، بلکہ تم پر لازم ہے کہ راستے کے کنارے سے چلو، سوانہوں نے ایسی فرمانبرداری کی کہ کوئی خاتون دیوار سے چپک کر چلتی، یہاں تک کہ ان کا کپڑا دیوار سے بہت زیادہ چپکنے کی وجہ سے اس سے ٹکرا جاتا)۔

یہ حدیث صراحتا اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ راہ چلنے میں بھی مرد اور خواتین کا اختلاط درست نہیں ہے، تو پھر درسگاہ میں کس طرح اختلاط درست ہوگا، جہاں بیٹھ کر آزادی کے ساتھ ہر طرح کی گفتگو کا پورا پورا موقع موجود رہتا ہے۔

۳- خواتین پر فرض نماز کی ادائیگی جماعت کے ساتھ واجب نہیں ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**وبيوتهن خير لهن**" (حاکم، المستدرک علی الصحیحین حدیث نمبر: ۷۵۵، صحیح ابن خزیمہ حدیث نمبر: ۱۶۸۴، اور یہ صحیح لغیرہ درجہ کی حدیث ہے) (اوران کے گھر ان کے لئے بہترین ہیں)، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصلا عورتوں اور مردوں کا اختلاط ممنوع ہے، البتہ فرض نمازوں میں عبادت کی فضا ہونے کی وجہ سے اس کی گنجائش رکھی گئی ہے، وہ بھی احتیاط کے ساتھ کہ خاتون مردوں کے پیچھے کھڑی ہوکر فرض نماز ادا کرلیں۔

اور یہ فضا تعلیم کے دوران موجود نہیں ہے، لہذا تعلیم میں اختلاط درست نہیں ہے۔

طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتوں کی حد:

طالبات جب نو سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کی الگ جماعت رکھنا ضروری ہے، گویا کہ پرائمری کلاس، یعنی پانچ کلاس کے بعد طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ایک لڑکی نو سال کی عمر میں بالغ ہوسکتی ہے، جیسا کہ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں: "**كان محمد بن مقاتل الرازيؒ يقدر ذلك بتسع سنين؛لأن النبي بنى بعائشةؓ وهي بنت تسع سنين، والظاهر أنه بنى بها بعد البلوغ**" (سرخسی، المبسوط ۳/ ۲۷۲، بیروت، دارالفکر طبع اول، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء) (کم سے کم کمسن خاتون کے بالغ ہونے کی مدت کی تحدید فقیہ محمد بن مقاتل رازیؒ نو سال سے کیا کرتے تھے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے

حضرت عائشہؓ سے خلوت کی، جبکہ ان کی عمر نو سال تھی، اور بہ ظاہر آپ ﷺ نے بلوغ کے بعد ہی ان سے خلوت کی ہوگی)۔

اور نفسانی چاہت کی حد کو تو وہ یقیناً نو سال کی عمر میں پہنچ جاتی ہے:"**وقدره أبو الليث بتسع سنين، وعليه الفتوى**"(ابن نجیم ،البحر الرائق، باب الحضانۃ ۴/ ۱۸۴، بیروت، دار المعرفہ)(خاتون کے نفسانی چاہت کی عمر کو پہنچنے کی تحدید فقیہ ابو اللیث نے نو سال کی عمر سے کی ہے، اور اسی پر فتوی ہے)۔

اور علامہ حصکفی حنفی محمد بن علی (م:۱۰۸۸ھ) رقم طراز ہیں:"**وقدربتسع، وبه يفتى**"(حصکفی ، الدر المختار، باب الحضانۃ ۳/ ۵۶٦، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸٦ھ، ع ۲:۱۰٦)(اور خاتون کے حد شہوت کو پہنچنے کی تحدید نو سال سے کی گئی ہے، اور اسی پر فتوی ہے)۔

اور لڑکے بھی عام طور سے دس گیارہ سال کی عمر سے جنسی شعور رکھنے لگتے ہیں، اور عورتوں کے صنفی اعضاء کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں، اور ان کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہوجاتے ہیں، اور محبت اور آشنائی کے مفہوم کو سمجھنے لگتے ہیں، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**أوالطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء**"(سورۂ نور:۳۱)(یا ایسے بچوں کے سامنے زینت کا اظہار ہونے دے سکتی ہیں جو ابھی عورتوں کی پس پردہ چیزوں سے آشنا نہ ہوں)۔

اور علامہ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"**فأما إن كان مراهقا أو قريبا منه، بحيث يعرف ذلك ويدريه، ويفرق بين الشوهاء والحسناء، فلا يمكن من الدخول على النساء**"(ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳/ ۳۴۹، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ)(سوا گر لڑکا قریب البلوغ یا اس کے آس پاس عمر کا ہو جو عورتوں کی ناز و ادا سے آشنا ہو، اور خوبصورت اور بدصورت خاتون کے درمیان فرق کرتا ہو، تو اسے عورتوں کے پاس جانے نہیں دیا جائے گا)۔

۵- جداگانہ نظام تعلیم کی جائز صورتیں:

۱- پہلی صورت کا حکم:

جداگانہ نظام تعلیم کی پہلی صورت کہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو، یہی سب سے بہتر اور لازمی صورت ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم، ذلك أزكى لهم، إن الله خبير بمايصنعون**"(سورۂ نور:۳۰)(مومنوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں، یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے، بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں)۔

نیز فرمان الٰہی ہے:"**وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن**"(سورۂ نور:۳۱)(اور مومنہ عورتوں کو ہدایت کیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بدنگاہی بدکاری کا ذریعہ ہے، جبکہ پس نگاہی پاکدامنی کا ذریعہ ہے، اس لئے نگاہ نیچی رکھنے کی ہدایت بہت اہم ہے، کیونکہ نگاہ ہی دراصل مرد وخاتون کے درمیان اولین ایلچی کا کام دیتی ہے، اگر اس کے اوپر ایمان داری کے ساتھ کوئی شخص پہرہ بٹھادے تو وہ شیطان کے بہت سے فتنوں سے محفوظ ہوجاتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نگاہ کی مکمل طور سے حفاظت اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ دونوں کی بلڈنگ الگ ہو، لہذا یہی صورت ضروری ہے۔

۲-حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ معاملات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں، سو جو شبہات سے بچ جائے اس نے اپنے دین اور عزت و آبرو کو محفوظ کرلیا، اور جو شبہات میں پڑ جائے، وہ حرام میں پڑ جائے گا، اس چرواہے کی مانند جو بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد چرائے تو قریب ہے کہ اس کی بکریاں اس میں چرنے لگیں، سن لو ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہے، ''**ألا وإن حمى الله محارمه**'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۲، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۹۹، سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۳۳۳۰) (اور خبردار! اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں)۔

اور یہ امر مخفی نہیں کہ عفت و پاکدامنی کی مکمل حفاظت اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ دونوں کی بلڈنگ الگ الگ ہو۔

۳-اسلام تعلیم کو پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کا ذریعہ بناتا ہے، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ لڑکے اور لڑکیاں عفت و پاکدامنی کے زیور سے آراستہ ہوں، اور اس کا عمدہ طریقہ یہی ہے کہ عفت کی راہ میں رہزنی کرنے والے امور پر قدغن لگادی جائے، چنانچہ عام طور سے فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ لڑکے جب جنسی اعتبار سے تمیز کی عمر کو پہنچ جائیں اور عشق ومحبت کے مفہوم سے آشنا ہونے لگیں، تو خاتون کا ان سے پردہ کرنا ضروری ہے، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں: ''**فأما الغلام فمادام طفلا غير مميز لا يجب الاستتار منه في شيء**'' (ابن قدامہ، المغنی، فصل حکم نظر الغلام إلی المرأة ۷/ ۴۵۸، بیروت، دارالفکر طبع اول، ۱۴۰۵ھ) (رہا لڑکا تو جب تک وہ تمیز نہ کرنے والا بچہ ہے تو اس سے کسی صورت میں پردہ واجب نہیں ہے)، اور ابن حجر ہیتمی شافعی (م: ۹۷۴ھ) رقم طراز ہیں: ''**والأصح أن المراهق وهو من قارب الاحتلام، أي باعتبار غالب سنه، وهو قرب الخمسة عشر، لا التسع، ويحتمل خلافه،** ''**كالبالغ**'' **فليزمها الاحتجاب منه كالمجنون**'' (ہیتمی، تحفۃ المحتاج، کتاب النکاح ۱/ ۱۰، بیروت، دارالکتب العلمیہ) (اور صحیح قول یہ ہے کہ قریب البلوغ لڑکا عمومی عمر کے اعتبار سے جو پندرہ کے آس پاس ہے، نہ کہ نو سال کے، اور اس حالت میں اختلاف کا بھی امکان ہے، بالغ مرد کی طرح ہے، لہذا خاتون پر اس سے پردہ کرنا لازم ہے، جیسے پاگل شخص سے پردہ کرنا لازم ہے)۔

اور امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا: ''**متى تغطي المرأة رأسها من الغلام؟ قال: إذا بلغ عشر سنين**'' (ابن قدامہ، المغنی ۷/ ۴۵۸) (خاتون اپنا سر لڑکے سے کب چھپائے گی، تو جواب دیا جبکہ لڑکا دس سال کا ہوجائے)۔

اور علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: "وأما الذي يعرف التمييز بين العورة وغيرها، وقرب من الحلم، فلا ينبغي لها أن تبدي زينتها له، ألا ترى أن مثل هذا الصبي أمر بالا ستئذان في بعض الأوقات، بقوله تبارك و تعالى: "والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مرات" (نور:۵۸، کاسانی، بدائع الصنائع کتاب الاستحسان ۵/ ۱۲۳، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۹۲، ع۰ ا۰ :۷) (بہر حال جو بچہ پوشیدہ اور دوسرے عضو کے درمیان تمیز کرنے سے آشنا ہو، اور بلوغ سے قریب ہو، تو عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے، کیا تم غور نہیں کرتے کہ اس جیسے بچے کو اللہ تعالی کے ارشاد" اور تمہارے اندر کے وہ بچے بھی جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے، تین وقتوں میں اجازت لیا کریں' کے ذریعہ بعض اوقات میں اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے)۔

۴-اس جداگانہ صورت میں بچوں کے رزلٹ ۱۵% سے ۲۲% تک بہتر ہوتے ہیں، ان طلبہ کے مقابلہ میں جو مخلوط نظام تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کرتے ہیں، آسٹریلیا کے سب سے زیادہ آبادی والے صوبہ نیو ساؤتھ ویلز کے اسکولوں کے سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے۔

۵-ماہر نفسیات کولن الیوٹ کا کہنا ہے کہ ایک گیارہ سال کی لڑکی کا ذہن اس آواز سے دس گنا پست آواز سے پراگندہ ہوجاتا ہے جس سے ایک طالب علم کا ذہن پراگندہ ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی طالب علم میز کی دراز کو اپنی کسی انگلی سے بجادے، تو طالبات گھبرا جائیں گی، جبکہ اس کے ساتھیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا (دیکھئے: سعود بن محمد، مفہوم الاختلاط بین الانساء والرجال، ص ۶۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی عمل کے بہتر نتائج اسی صورت میں حاصل ہوسکتے ہیں، جبکہ دونوں کی تعلیمی جگہ الگ الگ ہو۔

۶-ہیلری کلنٹن سابق امریکی وزیر خارجہ اور سابق امریکی صدر بل کلنٹن کی بیوی اپنی خودنوشت سوانح حیات (Living History) میں لکھتی ہیں: "حين كنت في سكن ابنتي المختلط في جامعة ستانفورد، حيث كان الأولاد والبنات معا في الممرات، كنت أتسأل كيف يستطيع أي أحد أن يدرس في مثل هذا الجو" (سعود بن محمد، مفہوم الاختلاط، ص ۷۶) (جب میں" اسٹانفورڈ" یونیورسٹی میں اپنی بیٹی کی مخلوط رہائش گاہ میں تھی، جہاں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ گزرگاہوں میں نظر آتے تھے، تو میں پوچھتی تھی کہ کوئی کیسے اس فضا میں پڑھ سکتا ہے؟) اس لئے یہی ضروری ہے کہ دونوں کی بلڈنگ الگ الگ ہو، تاکہ دونوں صنف کو بہتر تعلیمی ماحول فراہم ہوسکے۔

۲-دوسری صورت کا حکم:

جداگانہ نظام تعلیم کی دوسری صورت کہ دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو، یہ جائز صورت ہے، جبکہ کلاس روم اس طرح الگ ہوں کہ دونوں صنف میں دوستی گانٹھنے اور عشق بازی کے دروازے مسدود ہوں۔

۳-تیسری صورت کی دونوں شقوں کا حکم:

الف-تیسری صورت کی پہلی شق کہ ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو،لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے،اگر اس صورت میں دیوار اتنی اونچی ہو کہ طلبہ وطالبات کے لئے دوستی گانٹھنے اور عشق بازی کے مواقع بالکل نہ ہوں تو یہ صورت بدرجہ مجبوری جائز ہے،ورنہ ناجائز ہے۔

ب-تیسری صورت کی دوسری شق کہ ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو،لیکن آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں،باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں،جائز نہیں ہے،اس کے دلائل درج ذیل ہیں؛

۱-یہ مخلوط تعلیم کے نظام ہی کی ایک صورت ہے،چنانچہ مخلوط تعلیم کے نظام کے مدارس اور اسکولوں میں یہی شکل رائج ہے،یا دائیں بائیں بٹھانے کی شکل رائج ہے،بلکہ مخلوط تعلیم کے سرکاری اداروں میں بھی یہی دونوں صورتیں رائج ہیں۔

اسے سوال میں خوامخواہ جداگانہ نظام تعلیم کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے،گویا کہ یہ آنکھ میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے خطرناک اختلاط اسکول کالج کا اختلاط ہے،جہاں دونوں صنف کو کھل کر باتیں کرنے اور عشق بازی کے بھرپور مواقع حاصل ہوجاتے ہیں،خواہ لڑکیوں کو دائیں یا پیچھے بٹھایا جائے،اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اور اختلاط ختم نہیں ہوتا ہے۔

۲-وہ تمام مفاسد جو مخلوط تعلیم میں پائے جاتے ہیں،وہ سب اس صورت میں بھی پائے جاتے ہیں،چنانچہ طلبہ وطالبات میں بے محابہ باتیں ہوتی ہیں،اور ہر ایک کے بوائی فرینڈ(Boy Friend)اور گرل فرینڈ(Girl Friend)ہوتے ہیں،جبکہ یہ مغربی کلچر ہے،جس سے اسلامی معاشرہ ناآشنا ہے،کیونکہ اسلام نے مرد وخاتون کے درمیان شوہر یا محرم ہونے کی حالت کے علاوہ میں کسی بھی طرح کے تعلق سے منع کیا ہے،اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس طرح کی دوستی کسی حالت میں پاکیزہ نہیں ہوسکتی ہے،بلکہ یہ آتشی عشقیہ تعلق ہے،یا براہ راست جنسی تعلق ہے،چنانچہ ایک امریکہ سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ تقریباً ۴۷ فیصد زنا بالجبر کی شکار خواتین وہ ہیں جن کو ان کے دوستوں نے ہوس کا شکار بنایا،جبکہ ۲۰ فیصد وہ ہیں جن سے خاندان اور دیگر رشتہ داروں کے دوستوں نے زنا بالجبر کیا،گویا ستر فیصد دوشیزائیں پاکیزہ تعلق کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں(دیکھئے:سعود محمد،مفہوم الاختلاط،ص ۸۰)۔

۳-حج کے موقع پر جب ایک خثعمیہ خاتون آپ سے مسئلہ پوچھنے آئیں،اور وہ حضرت فضل کو اور حضرت فضل ان کو دیکھنے لگے،"فجعل رسول الله ﷺ يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر"(صحیح بخاری حدیث نمبر:۱۵۱۳،صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۳۳۴)(تو رسول اللہ ﷺ فضل بن عباسؓ کے چہرہ کو دوسری جانب پھیرنے لگے)۔

تو پھر اس صورت میں نگاہ کی حفاظت کیونکر ہوگی؟ کیا اس صورت میں طلبہ اور طالبات کی نگاہیں بار بار چار نہیں ہوں گی؟ جبکہ حج کی فضا اور کلاس روم کی فضا بالکل الگ ہے۔

۴-اس صورت میں بھی عام طور سے عشق ومحبت کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اور بہت سے طلبہ کی نگاہیں اس طرح چار ہوتی ہیں کہ ان کا پڑھنے لکھنے میں دل نہیں لگتا ہے۔

اشکال:

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں عورتوں کی صف پیچھے لگوائی ہیں، کیا اس صورت کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے؟

جواب: عبادت کی فضا ایک روحانی فضا ہوتی ہے اس پر تعلیمی ماحول کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

نیز مسجد میں خواتین کا ٹھہرنا مختصر وقفہ کے لئے ہوتا ہے جہاں دوستی گانٹھنے، عشق بازی کرنے اور کھل کر باتیں کرنے کے مواقع نہیں ہوتے ہیں، جبکہ کلاس روم میں ان سب چیزوں کی آزادی ہوتی ہے، خاص طور سے اس ٹکنالوجی اور فلم اور ٹی وی کے دور ترقی یافتہ میں، جس میں صرف نگاہیں چار نہیں ہوتی ہیں، بلکہ معاملہ آگے تک بڑھ جاتا ہے۔

ساتھ ہی نبی کریم ﷺ نے خواتین کی تعلیم کے لئے ایک دن مقرر فرمایا، اور یہ انتظام نہیں کیا کہ تم لوگ میری مجلسوں میں پیچھے آکر بیٹھ جایا کرو، اور دین کے احکام معلوم کرلیا کرو، لہذا یہ صورت کسی طور سے جائز نہیں ہے۔

۶-اسکولوں میں داخل کے لئے غلط عمر اندراج کرانے کی شرعی حیثیت:

اسکولوں میں داخلے کے لئے غلط عمر کا اندراج کرانا جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "واجتنبوا قول الزور" (حج: ۳۰) (اور جھوٹ بات سے بچو)، اور آلوسیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **"والمراد من الزور مطلق الكذب، وهو من الزور بمعنى الانحراف، فإن الكذب منحرف عن الواقع"** (آلوسی، روح المعانی ۱۷/۱۴۸، بیروت، دارالاحیاء، ع۰ أ۰: ۳۰) (اور "زور" سے مطلقا جھوٹ بولنا مراد ہے، اور وہ "زور" سے ماخوذ ہے، جس کا مفہوم منحرف ہونا ہے؛ کیونکہ جھوٹ حقیقت حال سے ہٹا ہوا ہے)۔

خواہ "زور" سے جھوٹ مراد ہو یا جھوٹی گواہی ہر حال میں اس آیت کے رو سے عمر کا غلط اندراج ناجائز ثابت ہوتا ہے۔

۲-فرمان الہی ہے: "والذين لا يشهدون الزور" (فرقان: ۷۲) (اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے)، اور علامہ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **"وقيل: المراد بقوله تعالى: لا يشهدون الزور، أي: شهادة الزور، وهي الكذب متعمدا على غيره"** (تفسیر ابن کثیر ۳/۴۰۰) (اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالی کے فرمان "لا يشهدون الزور" سے مراد یہ ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے ہیں، اور جھوٹی گواہی یہ ہے کہ دوسرے کے بارہ میں جان بوجھ کر جھوٹی بات کہی جائے)۔

اور بلا شبہ عمر کا غلط اندراج جھوٹی گواہی میں داخل ہے، لہذا اس آیت سے بھی واضح ہے کہ عمر کا غلط اندراج درست نہیں ہے۔

۳-حضرت خریم بن فاتک اسدیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**عدلت شهادة الزور الإشراك بالله عزو جل**'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۳۵۹۹، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۳۷۲، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۸۸۹۸، اور اس کی سند میں کلام ہے) (جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے درجہ میں ہے)۔

اس حدیث کی رو سے بھی عمر کا غلط اندراج جائز نہیں ہے۔

۴-حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو سنگین ترین کبیرہ گناہ قرار دیا (دیکھئے: صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵۹۷۷، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۸۸)۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمر کا غلط اندراج درست نہیں ہے۔

۵-حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**من غشنا فليس منا**'' (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۰۱) (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں)۔

اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ عمر کا غلط اندراج جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ فریب دہی میں داخل ہے۔

۶-عمر کے غلط اندراج پر بہت سے مفاسد مرتب ہوتے ہیں، مثلاً: ملازمت کے استحقاق کے بغیر ناحق اس سے فائدہ اٹھانا، حق کو مستحق سے دوسرے کی طرف پھیر دینا، وغیرہ۔

۷-خاص عمر کی تحدید تمام اسکولوں میں لازم نہیں ہے، لہذا اس اسکول میں داخلہ دلانا ممکن ہے، جو خاص عمر کو لازم نہیں قرار دیتا، یا اس میں نرمی برتتا ہے۔

مجبوری کی حالت کا حکم:

اصولی طور پر عمر کا غلط اندراج ناجائز ہے، البتہ اگر تمام اسکولوں میں خاص عمر لازم ہو، تو حق تعلیم کو مقدم رکھتے ہوئے، اور اس شرط کو ناواجبی قرار دیتے ہوئے عمر کم کر کے لکھوانے کی گنجائش ہے، کیونکہ شرعاً تعلیم حاصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہے، لہذا اپنے حق کی تحصیل کے لئے توریہ کے طور پر کہ سن پیدائش میں شک کا اظہار کرتے ہوئے یا برتھ سرٹیفیکٹ کے کھونے کی بنیاد پر کم عمر کا حلف نامہ داخل کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''**الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام**'' (حصکفی، الدر المختار، کتاب الحظر ۶/۴۲۷) (اپنے حق کو زندہ کرنے یعنی حاصل کرنے اور اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اس سے مراد توریہ ہے، اس لئے کہ بعینہ جھوٹ حرام ہے)۔

اور علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: ''**وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده، فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود......**'' (شامی، رد المحتار، کتاب الحظر ۶/۴۲۷) (ہر وہ پسندیدہ مقصد جس تک رسائی صرف جھوٹ کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہو، تو

ایسی حالت میں جھوٹ بولنا مباح ہے، اگر اس مقصد کی تحصیل مباح ہو، اور جھوٹ بولنا واجب ہے اگر اس مقصد کی تحصیل واجب ہو)۔

لہذا اگر تمام اسکولوں میں یہ ناواجبی شرط لازم ہو تو چونکہ سچ پر مرتب ہونے والا فساد جھوٹ پر مرتب ہونے والے فساد سے بڑھ کر ہے؛ کیونکہ بچہ اپنے بنیادی حق تعلیم سے محروم ہو جائے گا؛ لہذا ایسی حالت میں بچے کی عمر کم کر کے لکھوانے کی گنجائش ہوگی، علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: "فإن كانت مفسدة الصدق أشد، فله الكذب، وإن انعكس، أو شك، حرم" (شامی، ردالمحتار، کتاب الحظر، ۶/۴۲۷) (سو موازنہ کے وقت اگر سچ کا فساد جھوٹ کے فساد سے بڑھا ہوا ہو، تو اس کے لئے جھوٹ کی گنجائش ہے، اور اگر برعکس ہو، یا کس کا فساد بڑھا ہوا ہے، اس میں شک ہو تو حرام ہے)۔

یہ اس حالت میں ہے جبکہ صرف جھوٹ سے ہی صحیح مقصد کی تحصیل ہو سکے، سو اگر سچ سے بھی ہو سکے، تو پھر ہر حال میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔

۷- یونیفارم کے شرعی اصول وضوابط:

۱- اسکولی یونیفارم ستر کو ڈھانپنے والا ہو، مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے، جبکہ خاتون کا ستر پورا بدن ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وليضربن بخمرهن على جيوبهن" (نور:۳۱) (اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں)، اور اگر بالغہ خاتون ہے تو اس کے اسکولی یونیفارم کے اوپر پورے جسم کو ڈھانکنے والی ایک لمبی سی چادر یا نقاب یا برقعہ بھی ہونا چاہئے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: **"يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن، ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين، وكان الله غفورا رحيما"** (احزاب:۵۹) (اے نبی! اپنی بیویوں، اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادروں کے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں، یہ اس بات کے مناسب ہے کہ ان کا امتیاز ہو جائے، سو ان کو کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

۲- اسکولی یونیفارم دبیز ہونے کے ساتھ ڈھیلا ڈھالا ہو، تا کہ ستر کا مقصد حاصل رہے اور فتنہ وفساد کا سد باب ہو، اس لئے کہ خاتون کے بدن یا اس کے سائز یا اس کے اعضاء کے سائز کو اجاگر کرنیوالے اسکولی یونیفارم سے عشق بازی یا بدکاری کی راہ کا سد باب نہ ہوگا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے دبیز قبطی کپڑا دیا جو دحیہ کلبی نے آپ ﷺ کو ہدیہ دیا تھا، سو میں نے وہ اپنی بیوی کو دے دیا، بعد میں رسول کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم وہ قبطی لباس کیوں نہیں پہنتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ اسے میں نے اپنی بیوی کو پہننے کے لئے دے دیا ہے، اس کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہو کہ اس کے نیچے کپڑا ڈال لے)، **"فإني أخاف أن تصف حجم عظامها"** (مسند احمد حدیث نمبر:۲۱۷۸۶، ردالمختار، للضیاء المقدسی حدیث نمبر:۱۳۶۸، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کپڑا (تنگ ہونے کی وجہ سے) اس کی ہڈیوں کے سائز کو اجاگر کرے)۔

۳-اسکولی یونیفارم دبیز ہو اتنا باریک نہ ہو کہ اس سے خاتون کے بدن کا رنگ نمایاں ہو، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جہنمیوں کے دو گروہ کو میں نہیں دیکھا: ۱-ایک وہ گروہ جس کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے، جس سے وہ لوگوں کو ماریں گے، اور دوسرا گروہ ان خواتین کا ہے جو کپڑے پہن کر بھی برہنہ ہوں گی، وہ دوسروں کو مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر خراسانی اونٹ کے جھکے ہوئے کوہان کی طرح ہوں گے (یعنی وہ اپنے سر کو لپیٹ کر مثلاً عاریتاً لئے ہوئے بال (وگ) وغیرہ سے بڑا کرلیں گی) وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گی“، ”**ولا تجدن ريحها، وإن ريحها ليو جد من مسيرة كذا وكذا**“ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۲۸، صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۷۴۶۱، مسند ابی یعلی حدیث نمبر: ۶۶۹۰) (اور اس کی خوشبو بھی محسوس نہیں کرپائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے محسوس ہوگی)۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں: ”**وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله ﷺ**“ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۱۰۴، اور یہ صحیح لغیرہ حدیث ہے) (اور انہوں نے باریک لباس زیب تن کر رکھا تھا، تو سرکار دوعالم ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا)۔

۴-خاتون کا اسکولی یونیفارم مرد، اور مرد کا اسکولی یونیفارم خاتون کے مشابہ نہ ہو، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ: ”**لعن رسول الله ﷺ الرجل يلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرجل**“ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۹۸، السنن الکبری للنسائی حدیث نمبر ۹۲۵۳، مسند احمد حدیث نمبر: ۸۳۰۹، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (رسول کریم ﷺ نے اس مرد پر لعنت بھیجی ہے جو عورت کی پوشاک پہنے، اور اس عورت پر بھی لعنت بھیجی ہے جو مرد کا لباس پہنے)۔

۵-اسکولی یونیفارم دیدہ زیب تو ہو، لیکن اس سے محض نام ونمود، شہرت اور لوگوں پر بڑائی جتانا اور فخر واترانا مقصود نہ ہو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**من لبس ثوب شهرة ألبسه الله يوم القيامة ثوبا مثله، ثم تلهب فيه النار**“ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۴۰۲۹، مسند احمد حدیث نمبر ۵۶۶۴، ۶۲۴۴، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (جو شہرت کا لباس پہنے گا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اسے اسی جیسا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ بھڑکائی جائے گی)۔

عریانیت پر مجبور کرنے والے اسکول کے سلسلہ میں مسلمان طلبہ وطالبات اور ان کے اولیاء کی ذمہ داری:

ان افراد کی ذمہ داری کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف-یہ بات پہلے گزری ہے کہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق ہر علاقہ میں عصری تعلیم کے ادارے قائم کریں، چنانچہ اگر ان میں سے قدرت رکھنے والے ایسا نہیں کرتے ہیں، تو وہ گنہگار رہیں۔

ب-خاتون طالبات کی عزت وآبرو سب سے مقدم ہے، جہاں اس کی حفاظت ممکن نہ ہو، اور فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، اور دین واخلاق اور عزت وآبرو کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو، وہاں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”**ولا تبرجن**

تبرج الجاهلية الأولى“(احزاب:۳۳)(اور سابقہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو)، ان کو ایسے تعلیمی ادارے تلاش کرنے چاہئے جہاں اختلاط نہ ہو اور برقعہ یا کم از کم اسکارف پہننے کی اجازت ہو، یا پھر فاصلاتی نظام تعلیم (Distance Education) کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔

یہ ان طالبات کی بھی اور ان کے اولیاء کی بھی ذمہ داری ہے، جس کے بارے میں وہ اللہ تعالی کے نزدیک جوابدہ ہوں گے، لہذا سرپرستوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو ایسے ادارے میں پڑھنے پر مجبور کریں جہاں ان کے دین، اخلاق اور عزت و آبرو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو بچیوں پر لازم ہے کہ وہ ان کی بات ماننے سے انکار کردیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:”إنما الطاعة في المعروف“(صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعة للإمام، حدیث نمبر:۵۱۴۷، ۷۲۵۷، صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۸۴۰)(فرمانبرداری تو صرف نیکی کے کام میں واجب ہے)۔

نیز تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حکومت وقت سے پرامن طریقہ سے مطالبہ کریں کہ وہ تمام اسکولوں کو اس بات کا پابند بنائے کہ مسلمانوں کو ان کے دینی تقاضے کی پابندی کے ساتھ تعلیم کے مواقع فراہم کریں۔

ج- مسلمان طلبہ کو اگر صاف وشفاف اسکول دستیاب نہ ہو اور ان کو اپنے دین وایمان، اخلاق، اور عزت آبرو کی حفاظت کا یقین ہو، تو ان کے لئے گنجائش ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:”لا يكلف الله نفسا إلا وسعها“ (بقرہ:۲۸۶)(اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا)۔

لہذا بدرجہ مجبوری وہ ایسے اسکول میں تعلیم حاصل کرسکتے ہیں، بشرطیکہ تقوی کو پیش نظر رکھیں، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:”إنه من يتق ويصبر فإن الله لا يضيع أجر المحسنين“ (یوسف:۹۰)(یقیناً جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں، تو اللہ خوب کاروں کو اجر کو برباد نہیں کرتا)، اور فرمان الہی ہے:”ومن يتق الله يجعل له من أمره يسرا“(طلاق:۴)(اور جو اللہ سے ڈرے گا، تو اللہ اس کے لئے اس کے معاملہ میں آسانی پیدا کرے گا)۔

اور نگاہ کی حفاظت کریں، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:”قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم“(نور:۳۰)(مومنوں کو ہدایت کیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)۔

اور حتی الامکان عورتوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور ان سے بے ضرورت بات چیت کرنے سے دور رہیں، اور کسی خاتون سے تنہائی میں نہ ملیں؛ کیونکہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:”لا يخلون أحدكم بامرأة؛ فإن الشيطان ثالثهما“(مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۴، صحیح ابن حبان حدیث نمبر:۷۲۵۴، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)(تم میں سے کوئی کسی خاتون کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، کیونکہ ایسی حالت میں شیطان ان کے درمیان تیسرا فرد ہوتا ہے)۔

اور ”ٹائی“ اب اہل یورپ کی خصوصیت نہیں رہی، لہذا بدرجہ مجبوری اس کے استعمال کی گنجائش ہے، البتہ ایک گونہ ان سے

مرعوبیت کی دلیل ہے، لہذا عام حالتوں میں اس سے بچنا چاہئے۔

۸-تعلیم کو خدمت کی بجائے تجارت بنانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر:

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کو خدمت کی بجائے تجارت بنانا جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اسلام چاہتا ہے کہ تعلیم زیادہ سے زیادہ عام ہوتا کہ بامقصد اور نفع بخش انسانی معاشرہ کی تشکیل ہو سکے، چنانچہ روز اول سے اس نے تعلیم پر زور دیا ہے، اور قرآن کریم کی پہلی وحی میں ہی تعلیم اور اس کے وسائل کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "**اقرأباسم ربک الذي خلق، خلق الإنسان من علق، اقرأوربک الأکرم، الذي علم بالقلم، علم الإنسان مالم یعلم**"(علق:۱-۵)(پڑھو(اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا)۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**"(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر:۲۲۴، مسند ابی یعلی حدیث نمبر:۲۸۳۷، اور یہ تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح درجہ کی حدیث ہے)(علم کی تحصیل ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا خاتون فرض ہے)۔

اور اگر تعلیم کو تجارت بنالیا جائے، تو پھر وہ عام کیونکر ہو پائے گی، چنانچہ اس وقت یہ دیکھا جارہا ہے کہ عصری تعلیم پر مالداروں کی اجارہ داری ہوگئی ہے، اور غریب کا بچہ شاذ ونادر ہی ترقی کے مواقع حاصل کر پاتا ہے۔

۲-حکومت وامارت کی طرح تعلیم بھی ایک خدمت ہے، لہذا اتنی گرانبار فیس مقرر کرنا کہ غریب ہی نہیں، بلکہ متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا مشکل سے مشکل تر ہوجائے، راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی بات ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ اتنی مختصر فیس رکھی جاتی کہ زیادہ سے زیادہ قوم کے بچے تعلیم یافتہ ہوتے، جس طرح ایک حکمراں اگر محتاج ہو تو اسے اپنی ضرورت کے بقدر تنخواہ لینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے: "**إني أنزلت نفسي من مال الله منزلة مال الیتیم، إن استغنیت عنه استعففت، وإن افتقرت أکلت بالمعروف**"(مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر:۳۳۵۸۵، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی حدیث نمبر ۴۱۹۱، اور یہ صحیح اثر ہے)(میں نے اللہ کے مال کے سلسلہ میں خود کو یتیم کے مال کے درجہ میں رکھا ہے، اور اگر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہوئی، تو میں اس سے بچوں گا، اور اگر میں اس کا محتاج ہوا تو دستور کے مطابق اس سے کھاؤں گا)۔

۳-کسی چیز کا بے محل وموقع اور غلط جگہ استعمال کرنا ظلم ہے، اور ظلم حرام ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**الالعنة الله علی الظالمین**"(سورۂ ہود:۱۸)(خبردار! اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر)، اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حدیث قدسی میں اللہ تبارک وتعالی سے نقل فرمایا: "**یا عبادي إني حرمت الظلم علی نفسي، وجعلته بینکم محرما، فلا تظالموا**"(صحیح مسلم حدیث نمبر:۲۵۷۷، الأدب المفرد للبخاري حدیث نمبر:۴۹۰، صحیح ابن حبان حدیث نمبر:۶۱۹)(اللہ تعالی فرماتا

ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے، اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، لہذا تم آپس میں ظلم نہ کرو)، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعلیم کو خدمت کی بجائے تجارت بنا دینا ظلم کے دائرہ میں داخل ہے۔

ب- اسکول کی بلڈنگوں کی بے جا وسعت کا حکم:

تعلیمی اور رفاہی اداروں کے تحت چلنے والے اسکولوں سے حاصل ہونے والی رقوم کو غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کی بجائے بلڈنگوں کو بے جا وسعت دینے اور خوبصورت بنانے میں صرف کرنا مناسب نہیں ہے کہ یہ اسراف وتبذیر میں داخل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولا تبذر تبذيرا، إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين، وكان الشيطان لربه كفورا**" (اسراء: ۲۶-۲۷) (اور مال کو جہاں تہاں نہ اڑاؤ، بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے)۔

اور ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود ہذلی (م: ۳۲ھ) سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "تبذیر" "**إنفاق المال في غير حقه**" (المستدرک للحاکم حدیث نمبر: ۳۳۷۵، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۹۰۰۳، اور یہ صحیح اثر ہے) (ناحق مال کو خرچ کرنا ہے)، اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مال کو ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے (دیکھئے: صحیح البخاری حدیث نمبر: ۱۴۷۷، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۵۹۳)۔

اور فقیہ علی حیدرؒ لکھتے ہیں: "**التبذير صرف الشي في غير محله اللائق**" (علی حیدر، درر الحکام ۲/ ۵۸۷، بیروت، العلمیہ، ع ۰ أ ۰: ۴) (شے کو اس کے مناسب محل کے علاوہ میں خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے)۔

اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: "**والتحقيق أن بينهما فرقا، وهو أن الإسراف صرف الشي فيما ينبغي زائد اعلى ما ينبغي، والتبذير صرفه فيما لا ينبغي**" (ابن عابدین، رد المحتار، کتاب الفرائض ۶/ ۷۵۹-۷۶۰، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ، ع ۰ أ ۰: ۸) (اور تحقیق یہ ہے کہ اسراف اور تبذیر کے درمیان فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسراف مناسب چیز میں مناسب مقدار سے زائد شئی کو خرچ کرنے کا نام ہے، جبکہ تبذیر نامناسب چیز میں شے کو صرف کرنے کا نام ہے)۔

۹- غیر حاضری کے ایام کی فیس کا شرعی حکم:

غیر حاضری کے ایام کی تعلیمی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہے، اگر داخلہ کے وقت اس کی صراحت کر دی گئی ہو کہ طالب علم کلاس میں حاضر ہو یا حاضر نہ ہو، ہر حال میں اسے ماہانہ تعلیمی فیس اور ٹرانسپورٹ فیس دینی ہوگی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود**" (سورۂ مائدہ: ۱) (اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پورے کرو)۔

اور حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**المسلمون عند شروطهم فيما أحل**" (المعجم الکبیر للطبرانی ۴/ ۲۷۵، حدیث نمبر: ۴۴۰۴، اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے) (مسلمان حلال معاملات میں اپنی

شرطوں کے پابند ہیں)۔

نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ طالب علم کی غیر حاضری کے دنوں میں معلم اور ٹرانسپورٹ کی سروس جاری رہتی ہے، اور امام محمد بن سیرین سے مروی ہے: ''**قال رجل لكريه، ارحل ركابك، فإن لم أرحل معك يوم كذا وكذا فلك مائة درهم، فلم يخرج، فقال شريح: من شرط على نفسه طائعا غير مكره، فهو عليه**''(صحیح البخاری ۱۹۸/۳)(ایک شخص نے کرایہ پر جانور دینے والے سے کہا کہ اپنے اونٹ پر کجاوہ کس لو، اگر میں تمہارے ساتھ فلاں دن میں نکلا تو تمہارے لئے سو درہم ہے، لیکن وہ شخص نہیں نکلا، چنانچہ قاضی شریح نے فیصلہ کیا کہ جو شخص اپنے اوپر برضا و رغبت اور بے جبر کوئی شرط عائد کرلے تو وہ شرط اس کے ذمہ لازم ہے)۔

البتہ اگر کوئی معاہدہ نہ ہو اور طالب علم عذر حقیقی جیسے مرض وغیرہ کی بنیاد پر غیر حاضر ہو، تو ایسی صورت میں عرف کے مطابق فیصلہ ہوگا، سو اگر عام اسکولوں کا عرف ٹرانسپورٹ اور تعلیمی فیس لینے کا ہو، تو ٹرانسپورٹ اور تعلیمی فیس لینا درست ہوگا۔

۱۰-عصری تعلیم پانے والے غریب بچے پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کا حکم:

عصری تعلیم پانی والے غریب بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کے حکم سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے، کہ جدید اعلی تعلیم کے بغیر امت نہ معاشی اعتبار سے ترقی کرسکتی ہے اور نہ ہی باعزت قوم کی حیثیت سے زندگی گزار سکتی ہے، اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ ان تمام دنیاوی علوم وفنون میں جن کی امت اور انسانیت کو ضرورت ہے، مہارت پیدا کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

چنانچہ امت کو جس طرح شرعی علوم کے ماہرین: مفتی، قاضی، عالم اور فاضل حضرات کی ضرورت ہے، اسی طرح ڈاکٹر، انجینئر، دواساز، کاشتکاری کے ماہرین، مارکیٹنگ کی مہارت رکھنے والے، کپڑے بننے کی صنعتوں، یعنی ٹکسٹائل انڈسٹریز کی سوجھ بوجھ رکھنے والے قانونی محاسبین (Chartered Accountant) اور دیگر ان تمام علوم وفنون کے ماہرین کی بھی ضرورت ہے جو دنیوی نظام چلانے، مسلمانوں کے معاشی معیار کو بلند کرنے اور ملک وملت کی تعمیر وترقی میں حصہ لے سکیں اور امت مسلمہ کے تعمیری کردار کو اجاگر کرسکیں۔

لہذا فرض کفایہ دنیوی علم حاصل کرنے والے ان غریب بچوں کو جو اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے ہیں، زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، ایک تو اس لئے کہ وہ غریب ہیں اور فقراء زکوۃ کے مستحق ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**إنما الصدقات للفقراء والمساكين......**'' (توبہ:۶۰) (صدقات تو بس محتاجوں، مسکینوں، عاملین صدقات اور تالیف قلوب کے سزاواروں کے لئے ہیں، اور اس لئے کہ یہ گردنوں کو چھڑانے، تاوان زدوں کے سنبھالنے، اللہ کی راہ اور مسافروں کی امداد میں خرچ کئے جائیں)۔

اور دوسرے اس لئے کہ وہ فرض کفایہ دنیوی علم حاصل کرنے والے طلبہ ہیں۔

اور تیسرے اس لئے کہ کسب معاش ان کے لئے تحصیل علم اور اس میں مہارت سے مانع ہے، چنانچہ فقہاء نے بلوغ کے باوجود طالب علم لڑکے کا نفقہ باپ پر واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: "**أو طالب علم لا یتفرغ لذلک**" (علامہ ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب النکاح، باب النفقۃ ۴/ ۲۲۸) (یا بالغ لڑکا طالب علم ہو جو کسب معاش کے لئے فارغ نہیں ہوسکتا ہو)، اور شروانی اور عبادی شافعیؒ لکھتے ہیں: "**المعتمد الوجوب حینئذ، لکن بشرط أن یستفید من الاشتغال فائدة یعتد بها عرفا بین المشتغلین**" (حواشي الشرعاني والعبادي علی تحفۃ المحتاج ۸/ ۳۴۷، بیروت، دار الفکر، ع ۱۰:أ۰) (اور یہ معتبر قول ہے کہ والد پر علم میں مشغول رہنے والے لڑکے کا نفقہ واجب ہے، بشرطیکہ اس میں مشغولیت سے ایسا فائدہ حاصل کر رہا ہو جو علمی اشتغال رکھنے والے کے عرف میں معتبر ہو)۔

نیز طالب علم تحصیل علم اور کسب معاش دونوں کر سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ کما کر اپنے تعلیمی اخراجات برداشت کرے، اگرچہ غریب طالب علم کو زکوۃ دینے کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن فقہاء اس سے صرف شرعی علم کے طلبہ مراد لیتے ہیں (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۲۸/ ۳۳۷)، لیکن میری رائے میں فرض کفایہ دنیوی علم جس کی سماج کو ضرورت ہو، اس کے طلبہ کے لئے بھی گنجائش ہونی چاہئے، بشرطیکہ وہ کسی جماعت نہیں، بلکہ امت کے تمام طبقات کے لئے نافع ہوں، اور ان کے اندر اس فرض کفایہ علم کی تحصیل کی صحیح استعداد اور مکمل دلچسپی ہو، جیسا کہ فقہاء نے "طالب علم شرعی" میں بھی رشد (سوجھ بوجھ) کی شرط لگائی ہے (دیکھئے: ابن عابدین، ردالمحتار ۳/ ۶۱۴، بیروت، دار الفکر ۱۴۲۱ھ، ع ۸:أ۰)۔

۱۱- مشرکانہ امور پر مجبور کرنے والے سرکاری ادارے میں داخلہ کا حکم:

الف- شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد میں سے دین و ایمان کا تحفظ سب سے مقدم ہے، اور اللہ تعالی نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ اس میں حق کو غیر مستحق کو پہنچا دیا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "**إن الشرک لظلم عظیم**" (سورۂ لقمان: ۱۳) (بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے)، اور اللہ تبارک وتعالی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ شرک کسی حال میں معاف نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "**إن الله لا یغفر أن یشرک به، ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء، ومن یشرک بالله فقد افتری إثما عظیما**" (نساء: ۴۸) (اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے سوا جو کچھ ہے اس کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا، اور جو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے، وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے)۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے: "**إن الله لا یغفر أن یشرک به، ویغفر مادون ذلک لمن یشاء، ومن یشرک بالله فقد ضل ضلالا بعیدا**" (نساء: ۱۱۶) (یقیناً اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے نیچے جس کے لئے چاہے بخش دے گا، اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا)۔

اور حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سنگین ترین کبیرہ گناہ "الإشراک

بالله"(صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۶۵۶، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۷)(اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے)۔

لہذا مشرکانہ امور پر مجبور کرنے والے سرکاری ادارے میں داخلہ لینا جائز نہیں ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی اجتماعی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے پرامن طریقے پر حکومت کو مجبور کریں کہ وہ ایسا نہ کرے؛ کیونکہ ایک سیکولر ملک میں کسی مذہب کے مراسم کو دوسرے مذاہب والوں پر لازم کرنا دستور ہند کے خلاف ہے، اگر حکومت پھر بھی باز نہ آئے، تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جانا چاہئے۔

اگر ملک ہندو راشٹر بھی بن جائے تو حکومت کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں ہوگی کہ ہندو مذہب کے مراسم کو دوسرے مذاہب والوں پر لازم کرے، کیونکہ یہ مذہبی آزادی کا دور ہے، اس دور میں مذہبی جبر واستبداد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ امت اپنے جزئی اختلافات کو چھوڑ کر بنیادی اصول وعقائد اور حقوق کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو۔

ب- مشرکانہ مراسم کی اختیاری طور پر ترغیب دینے والے سرکاری ادارے میں داخلہ کا حکم:

سرکاری اداروں میں تعلیم کا حق ہر شہری کو حاصل ہے، لہذا ایسے سرکاری اداروں میں بدرجہ مجبوری داخلہ لینے کی گنجائش ہے، البتہ والدین پر لازم ہے کہ بچوں کو سخت تاکید کریں کہ کسی حال میں وہ ہندوانہ مراسم میں شریک نہ ہوں، اور ان مشرکانہ افعال سے سخت دلی نفرت کرتے رہیں، جیسی نفرت نجاست سے ہوتی ہے۔

ج- مشرکانہ مراسم کو لازم کرنے والے پرائیویٹ ادارے میں داخلہ کا حکم:

ایسے پرائیویٹ ادارے میں داخلہ لینا جائز نہیں ہے، خواہ اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو؟ کیونکہ دین وایمان سے کسی حال میں سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا ہے، اور شرک کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی سلائی، کڑھائی اور کپڑے بننے کا کام کرکے یا مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالے۔

درحقیقت جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالی اس کے لئے راہیں نکال دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:"**ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب**" (طلاق: ۲-۳)(اور جو اللہ سے ڈریں گے، تو اللہ ان کے لئے راہ نکالے گا، اور ان کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوگا)۔

بلاشبہ کسی مذہب کے مراسم پر دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو مجبور کرنا صریح ظلم ہے، مسلمانوں کو اس کے خلاف اجتماعی آواز بلند کرنی چاہئے، نیز مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ تعلیم پر توجہ دیں، اور ہر علاقہ میں اپنا اسکول قائم کریں۔

د- بہ طور ترغیب مشرکانہ مراسم کا حکم دینے والے پرائیویٹ ادارے میں داخلہ کا حکم:

بدرجہ مجبوری ایسے ادارے میں داخلہ لے سکتے ہیں، بشرطیکہ ماں باپ یا سرپرست بچوں کی سخت نگرانی رکھیں، اور ان کے

دل میں شرکیہ مراسم سے نفرت بٹھاتے رہیں، اوران کواس بات کی سخت تاکید کرتے رہیں کہ مشرکانہ افعال وے ہر حال میں دور رہنا ہے، اوران سے ایسی سخت نفرت کرنی ہے، جیسے نفرت نجاست سے ہوتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر نفرت کرنی ہے۔

ح: متبادل اداروں کی موجودگی میں ان اداروں میں داخلہ کا حکم:

اگر متبادل ادارے موجود ہوں جو مشرکانہ مراسم کی برائیوں سے پاک ہوں، اور وہاں داخلہ ممکن ہو تو پھر ان مشرکانہ افعال کی ترغیب دینے والے اداروں میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے کہ ماحول سے بچوں کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے، اور "الضرورات تقدر بقدرها" (مجلۃ الأحکام العدلیۃ دفعہ ۲۲) (ضرورتوں کا اعتبار بقدر ضرورت ہی ہوتا ہے)۔

ط: مسلمان انتظامیہ اور مشرکانہ رسوم:

اسلام اور شرک کا سمجھوتہ کسی حال میں نہیں ہوسکتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لكم دينكم ولي دين" (سورۃ کافرون: ٦) (تمہیں تمہارا دین، اور مجھے میرا دین)، چنانچہ شرک وکفر اور مشرکین کے اعمال ومراسم سے براءت کا اظہار کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "قل إنما هو إله واحد وإنني بريء مما تشركون" (سورۃ انعام: ۱۹) (کہہ دو وہ تو بس ایک ہی معبود ہے، اور میں ان سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو)۔

لہذا مشرکانہ مراسم کو کسی بھی مصلحت سے رواج دینا جائز نہیں ہے، بلکہ سخت گناہ اور حرام ہے اور اس میں دین وایمان کی بربادی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ولكن من رضي وتابع" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۸۵۴، مسند طیالسی حدیث نمبر: ۱۵۹۵) (لیکن جو راضی ہوا اور پیروی کی وہ برباد ہوا)۔

اور ایمان کا کمترین درجہ یہی ہے کہ کم سے کم دل سے مشرکانہ مراسم اور برائیوں سے نفرت اور بیزاری ہو، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے جو برائی دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، سو اگر ہاتھ سے بدلنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے بدل دے، اور جو زبان سے بدلنے پر قادر نہ ہو تو دل سے ناگوار سمجھے" "وذلک أضعف الإيمان" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۴۹، سنن نسائی حدیث نمبر: ۵۰۰۸) (اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "والذين لا يشهدون الزور" (فرقان: ۷۲) (اور جو کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے)۔

اور امام طبریؒ اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: "والذين لا يشهدون شيئا من الباطل، لا شركا، ولا غناء، ولا كذبا ولا غيره، وكل مالزمه اسم الزور" (طبری، جامع البیان في تأویل القرآن ۱۹/ ۳۱۴، ط: ۱، ۱۴۲۰ھ-۲۰۰۰ء، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ع ۰ ا: ۲۴) (جو کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے، نہ شرک میں، نہ گانے میں، نہ جھوٹ میں اور نہ ہی دوسری باطل شئی میں، نیز ہر اس باطل میں شرکت سے اجتناب کرتے ہیں، جیسے "زور" کا لفظ لازما شامل ہو)۔

لہذا مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی قطعا کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی مصلحت سے ان مشرکانہ مراسم کو رواج دے ،خواہ مسلم بچے ان میں شریک نہ ہوں، اور وہ دل سے اسے باطل سمجھتے ہوں اور ان پر راضی نہ ہوں، اور اگر مسلم اسکولوں کے ذمہ دار ایسا کرتے ہیں تو سخت گنہگار رہیں، بلکہ ایمان جانے کا خطرہ ہے، اور اگر وہ ان چیزوں پر راضی ہوں، تو پھر وہ کافر ہوگئے، کیونکہ کفر پر رضا بھی کفر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**وقد نزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها، ويستهزا بها، فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره، إنكم إذا مثلهم، إن الله جامع المنافقين والكافرين في جهنم جميعا**"(نساء:۱۴۰) (اور وہ کتاب میں تم پر یہ ہدایت نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ آیات الہی کا انکار کیا جارہا ہے، اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے، تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہوجائیں، ورنہ تم بھی انہی کے مانند ہوجاؤ گے، اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے)۔

اور علامہ قرطبی اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:"**من لم يجتنبهم فقد رضي فعلهم، والرضى بالكفر كفر، فكل من جلس في مجلس معصية، ولم ينكر عليهم، يكون معهم في الغرر رسواء، فإن لم يقدر على النكير عليهم، فينبغي أن يقوم عنهم حتى لا يكون من أهل هذه الآية**" (قرطبی انصاری، الجامع الأحکام القرآن ۵/ ۴۱۸، قاہرہ، دار الشعب، ع ۹ ۱۴۰:۸) (جو ان کی حرکتوں اور مشرکانہ افعال اور کفریہ اعمال سے دور نہ رہے، وہ ان کے عمل پر راضی ہے، اور کفر پر راضی رہنا بھی کفر ہے، سو ہر وہ شخص جو برائی کی مجلس میں بیٹھے، اور ان پر نکیر نہ کرے، وہ ان کے ساتھ گناہ میں برابر شریک رہیں گے، سو اگر ان پر نکیر کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، تو اس کے لئے مناسب ہے کہ ان کے پاس سے اٹھ کر چلا جائے، تا کہ اس آیت کا مستحق نہ قرار پائے)۔

اور علامہ ابن نجیمؒ سپرد قرطاس فرماتے ہیں:"**قال الطرسوسی :-إن قام تعظيما لذاته وما هو عليه، كفر: لأن الرضى بالكفر كفر، فكيف بتعظيم الكفر**" (ابن نجیم، البحر الرائق ۵/ ۱۲۴، بیروت، دار المعرفۃ) (فقیہ طرسوسی کا قول ہے کہ اگر کافر کی ذات اور اس کے کفریہ رویہ کی وجہ سے اس کی تعظیم میں کھڑا ہوجائے، تو وہ کافر ہوجائے گا؛ اس لئے کہ کفر پر رضامندی بھی کفر ہے، سو خود کفر کی تعظیم کا کیا حکم ہوگا؟)۔

اس فقہی جزئیہ سے بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مشرکانہ افعال و مراسم کو اپنے یہاں رواج دینے والے سخت گنہگار ہیں؛ بلکہ ان کے کفر کا خطرہ ہے۔

۱۲-الف: برائی کے محفوظ راستے سکھانے والے اسکول میں داخلہ کا حکم:

اخلاقیات کی تعلیم دینے اور برائی سے بچانے کی بجائے برائی کے محفوظ راستے سکھانے والے سرکاری اور پرائیویٹ اداروں کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے، اور تمام صالح افراد کو چاہئے کہ متحدہ آواز کے ذریعہ اس طرح کی کوشش کو دبائیں۔

اور اگر ہر طالب علم پر اس مادہ کا پڑھنا لازم ہو، تو ایسے حیاباختہ اسکول میں پڑھنا درست نہیں ہے کہ دین، اخلاق اور عزت و آبرو کی حفاظت شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وإما ينسينک الشيطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمين" (سورۂ انعام: ۶۸) (اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو)۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "من حام حول الحمی یوشک أن یقع فيه" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۵۲، ۲۰۵۱، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۹۹، سنن نسائی حدیث نمبر: ۴۴۵۳، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۰۵) (جو گناہوں کے قریب منڈلائے گا تو وہ ان میں مبتلا ہونے کے نزدیک پہنچ جائے گا)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "واللسان زناه الکلام" (المستدرک للحاکم حدیث نمبر: ۳۷۵۲، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (اور زبان کا زنا گفتگو کرنا ہے)۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إیاکم ومحقرات الذنوب؛ فإنهن یجتمعن علی الرجل حتی یهلکنه" (مسند احمد حدیث نمبر: ۳۸۱۸، مسند طیالسی حدیث نمبر: ۴۰۰، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (تم چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو؛ کیونکہ وہ آدمی کے پاس اکٹھے ہو کر اسے ہلاک کردیتے ہیں)۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے زیر انتظام اسکولوں میں اس کی تعلیم ہرگز ہرگز نہ دیں۔

ب- اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دینے کا حکم:

اس بات میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ مسلمان حکومت سے کہیں کہ ہم اسلامی اقدار اور اخلاقیات کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے کہ مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق، شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے۔

اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اخلاقی ہدایات اور عفت و پاکیزگی کی اہمیت کا بیان خود قرآن کریم میں موجود ہے، مثلاً اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تقربوا الزنا إنه کان فاحشة وساء سبيلا" (اسراء: ۳۲) (اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، کیونکہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور نہایت ہی بری راہ ہے)۔

اور اللہ رب العزت کا فرمان ہے: "والذين هم لفروجهم حافظون، إلا علی أزواجهم أو ماملکت أيمانهم فإنهم غير ملومين فمن ابتغی وراء ذلک، فأولئک هم العادون" (مومنون: ۵-۷) (اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت

کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیوی اور لونڈیوں کی حد تک، سو اس بارے میں ان کو کوئی ملامت نہیں، البتہ جو ان کے سوا کے خواہش مند ہوئے، تو وہی ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں)۔

اور افراد کے اندر عفت و پاکدامنی کی روح کو پروان چڑھاتے ہوئے ارشاد ہے: "**ویستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیهم الله من فضله**" (نور: ۳۳) (اور جو لوگ نکاح کرنے کی قدرت نہیں پا رہے، وہ اپنے کو ضبط میں رکھیں، یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے)۔

۲- نبی کریم ﷺ نے بدکاری سے بچانے کے لئے جلد شادی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اے جوانو کے گروہ! تم میں سے جسے شادی کی قدرت ہو وہ شادی کر لے،" **فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم؛ فإنه له وجاء**" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۱۹۰۵، ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۴۰۰) (کیونکہ وہ نگاہ پست رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور جسے شادی کی قدرت نہ ہو وہ مسلسل روزہ رکھے، کیونکہ اس سے اس کی شہوت ٹوٹ جائے گی)۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدنگاہی کی مضرتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**إن النظرة سهم من سهام إبلیس مسموم، من ترکها مخافتی أبدلته إیمانا یجد حلاوته في قلبه**" (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/ ۱۷۳، حدیث نمبر: ۱۰۳۶۲، اور اس کی سند میں کلام ہے) (بدنگاہی ابلیس کے تیروں میں سے زہر آلود تیر ہے، جو اسے میرے خوف سے چھوڑ دے، میں اس کے بدلہ اسے ایمان کی ایسی کیفیت سے نوازوں گا، جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا)۔

۳- فقہ و فتاوی کی کتابیں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام سے بھری پڑی ہیں۔

لہٰذا ایسی کتاب کی ترتیب وقت کی ضرورت ہے جو عمر کے مراحل کے اعتبار سے بچے اور بچیوں کو جنسی تعلیم و تربیت سے آراستہ، مثلاً: سات سے دس سال کی عمر میں ان کو وضو، نواقض وضو، طہارت کے احکام، اجازت لینے کے آداب اور نگاہ نیچی رکھنے کے احکام وغیرہ سے آراستہ کیا جائے۔

اور دس سے پندرہ سال کے مرحلہ میں عفت و پاکدامنی کے فوائد اور زنا کے مضرات وغیرہ سے واقف کرایا جائے۔

اور ۱۵ سال اور اس سے زائد کی عمر کے مرحلہ میں شادی بیاہ اور جنسی تعلقات کے مفہوم کی اسلامی اقدار کی روشنی میں ان کے سامنے اس طرح تشریح کی جائے کہ کسی طرح کی جنسی تحریک پیدا نہ ہو، غلط کاری کا خیال دل میں نہ آئے اور زنا کی اخروی اور دنیوی مضرت ان پر واضح ہو جائے، نیز عفت و پاکدامنی کا جذبہ ان کے اندر گہرا ہو جائے۔

۱۳- الف: عصری اسکولوں میں تفریحی اور طبی سرگرمیوں کا شرعی حکم:

طلبہ و طالبات کے اختلاط کے ساتھ دوڑ، سائیکل ریس (Bicycle Race) دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے

مقابلے کرانا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے بے حیائی اور برائی پنپتی ہے، اور مرد اور عورت کے آزادانہ تعلق کے راستے کھلتے ہیں، جبکہ اللہ تعالی نے نہ صرف زنا سے باز رہنے کا حکم دیا ہے جو زنا کی محرک، اس پر اکسانے والی اور اس کے قریب لے جانے والی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: "ولاتقربوا الزنى" (اسراء: ۳۲) (اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو)۔

چنانچہ اسی آیت کی روشنی میں فقہاء نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ "**الشريعة إذا حرمت شيئا حرمت مقدماته ومسهلاته**" (شریعت جب کسی چیز کو حرام قرار دیتی ہے تو اس کے مقدمات ومحرکات اور اس کو آسان بنانے والے تمام امور کو بھی حرام قرار دیتی ہے)، امام سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**حرم عليه دواعيه**" (سرخسی، المبسوط ۱۳/ ۲۸۱۸) (جب وطی حرام ہے تو اس کے مقدمات ومحرکات بھی حرام ہیں)۔

ب-اختلاط کے بغیر تفریحی اور طبی سرگرمیوں کے انعقاد کا حکم:

انسان ہمیشہ سنجیدہ نہیں رہ سکتا ہے، اسی لئے اسے تفریحی سرگرمیوں کی بھی ضرورت ہے، اسلام ان سے منع نہیں کرتا ہے، حضرت مطلب سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**الهوا والعبوا؛ فإني أكره أن يرى في دينكم غلظة**" (بیہقی، شعب الإیمان حدیث نمبر: ۶۵۴۲۔ اور اس کی سند میں انقطاع کا کلام ہے) (کھیلو کودو؛ کیونکہ مجھے ناپسند ہے کہ تمہارے دین میں سختی دیکھی جائے)، لہذا اختلاط سے بچاتے ہوئے دونوں صنفوں کے لئے ان کاموں کو کرانا مسلمان انتظامیہ کے لئے جائز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-خود حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا، چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا، اور میں دوڑ میں آگے بڑھ گئی: "**فلما حملت اللحم سابقته فسبقني. فقال: هذه بتلك السبقة**" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۵۷۸، مسند اسحاق بن راہویہ حدیث نمبر: ۸۰۶، بیہقی، السنن الکبری حدیث نمبر: ۱۹۵۴۴، طحاوی، شرح مشکل الآثار حدیث نمبر: ۱۸۸۰، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (سو جب میں بھاری بھر کم ہوگئی تو دوبارہ آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ کی، اور حضور ﷺ دوڑ میں مجھ سے آگے بڑھ گئے، اور فرمایا یہ اس دوڑ کے بدلہ ہوگیا)۔

۲-حضرت ربیعہ بنت معوذ کہتی ہیں: "**كنا مع النبي ﷺ نسقي ونداوي الجرحى، ونرد القتلى إلى المدينة**" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۸۸۲، ۵۶۷۹) (ہم جنگ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوتیں، زخمیوں کو پانی پلاتی اور ان کا علاج کرتی، اور شہداء کو مدینہ پہنچاتی تھیں)۔

اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان خواتین نے کم سے کم فرسٹ ایڈ (First Aid) یعنی ابتدائی طبی امدادات کو سیکھ رکھا ہو، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواتین کا طبی سرگرمیوں کو انجام دینا صحیح ہے۔

۲-حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے شادی کی، اور میں سات سال کی تھی، سو جب ہمارا مدینہ آنا

ہوا،تو چند خواتین میرے پاس آئیں"وأنا على أرجوحة، فذهبن بي وهيّأنني، وصنعني، فأتي بي رسول الله ﷺ فبنى بي"(صحیح بخاری حدیث نمبر:۳۸۹۴،صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۴۲۲،سنن ابی داؤد حدیث نمبر:۴۹۳۳)(اور میں" جھولے" پر تھی،سووہ مجھے لے گئیں،اور مجھے تیار کیا،اور میرا بناؤ سنگار کیا، پھر رسول الہ ﷺ کو میرے پاس لایا گیا،اور آپ نے میرے ساتھ خلوت کی)۔

اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ خواتین کے لئے کھیل کود اور تفریحی سرگرمیاں انجام دینا درست ہے۔

ج-طالبات کا دوسرے شہروں کی سیر کو جانے کا حکم:

خواتین کو بھی شہروں کی تفریحی سیر کا حق ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"قل سيروا في الأرض، فانظروا كيف بدأ الخلق"(عنکبوت:۲۰)(کہو، زمین میں چلو پھرو،اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے تخلیق کا آغاز کیا)۔

اس آیت میں وہ بھی شامل ہیں۔

لہذا طالبات کا دوسرے شہروں کی سیر کو جانا درست ہے، بشرطیکہ اگر وہ بالغ ہیں تو ان کے ساتھ ان کا کوئی محرم ہو، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:"لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم"(صحیح البخاری حدیث نمبر:۱۸۶۲،صحیح مسلم حدیث نمبر:۱۳۴۱)(عورت اپنے محرم رشتہ دار کے ساتھ ہی سفر کرے،اور اس کے پاس کوئی مرد نہ جائے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ محرم رشتہ دار ہو)۔

صرف قابل اعتماد خواتین یا مرد ٹیچر کے ساتھ نکلنا درست نہیں ہے کہ آئے دن اخبارات میں تنہا سفر کرنے والی خواتین کی عصمت لوٹنے کی خبریں آتی رہتی ہیں،اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ مرض وغیرہ کی وجہ سے ہوٹل میں تنہا رک جاتی ہے،اور اس کی عصمت لوٹ لی جاتی ہے۔

۱۴-خواتین کا ثقافتی پروگرام میں حصہ لینے کا حکم:

اگر اختلاط نہ ہو تو طالبات کا ثقافتی پروگرام، یعنی تقریر، ڈرامے اور مکالمے میں حصہ لینا شرعا درست ہے،اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-بامقصد ڈرامے جن کا مقصد اخلاقیات کی ترویج کرنا ہو،اور جن کا مرکزی خیال شرعی نقطہ نظر سے نہ ٹکراتا ہو،اور وہ شرعی حدود وضوابط کے دائرہ میں ہوں، شرعی اعتبار سے جائز ہیں، جیسا کہ حضرت جبرئیل نے سائل بن کر اسلام ایمان اور احسان کے بارہ میں سوال کیا(دیکھئے:صحیح البخاری حدیث نمبر:۵۰، ۴۷۷۷،صحیح مسلم حدیث نمبر:۹-۱۰)۔

جبکہ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ ان کو کسی چیز کا علم ہوجائے، بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ حاضرین کی معلومات میں اضافہ ہو،اور ڈرامے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کے کردار انجام دینے والے مشاہدین تک کسی فکر کو پہنچانا چاہتے ہیں۔

اور تمثیل کے ذریعہ صحیح فکر وخیال پہنچانے اور اخلاقیات ترویج کرنے کا حق جس طرح مرد کو ہے، اسی طرح خواتین کو بھی ہے، اس معاملے میں دونوں صنفوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ خواتین اپنی صنف کے سامنے یہ ڈرامے پیش کریں۔

۲-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"**قد سمع الله قول التي تجادلک في زوجها، وتشتكي إلى الله، والله يسمع تحاوركما**"(مجادلہ:۱)(اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو تم سے بحث کرتی تھی اپنے شوہر کے بارہ میں اور شکوہ کر رہی تھی اللہ سے، اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک خاتون کو دلیل وحجت کے ساتھ اپنی بات رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے، اور تقریر وغیرہ میں یہی چیز ہوتی ہے۔

۳-اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر**"(توبہ:۷۱)(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے رفیق ہیں، یہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں)۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا مردوں کی طرح خواتین کی بھی ذمہ داری ہے، اور اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے کبھی خطابت اور تقریر کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے، لہذا اس کی مشق کرنا طالبات کے لئے جائز ہے۔

۱۵-ابتدائی درجات کے بچوں کی کتابوں میں جاندار کی تصاویر کا حکم:

الف-ابتدائی درجات کے بچوں کی کتابوں میں جانداروں کی تصاویر شامل کرنا درست ہے، تاکہ بچے ان چیزوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے واپس آئے، اور ان کے مچان یا طاقچہ پر پردہ پڑا ہوا تھا، جو ہوا سے کھل گیا، اور میری گڑیائیں نظر آنے لگیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے درمیان ایک ایسا گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے چیتھڑے سے دو بازو بنے ہوئے تھے، اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ چیز کیا ہے؟ جسے میں ان گڑیوں کے بیچ میں دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: یہ گھوڑا ہے، تب آپ ﷺ نے پوچھا: اس کے جسم پر یہ کیا بنا ہوا ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ یہ بازو ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا گھوڑے کے بازو ہوتے ہیں؟ یہ سن کر میں نے جواب دیا:"**أما سمعت أن لسليمان خيلالها أجنحة؟قالت: فضحک حتى رأيت نواجذه**"(نسائی، السنن الکبری حدیث نمبر:۸۹۵۰، سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۹۳۳، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر:۱۹۸۲، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)(کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایسے گھوڑے تھے جن کے بازو تھے؟ اس جواب کو سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے ڈاڑھ کے دانت دیکھ لئے)۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت کی غرض سے جانداروں کی تصویروں کی گنجائش ہے، کیونکہ چاہے ہاتھ

سے نقش کردہ تصویر ہو یا کپڑے کی تصویر ہو، دونوں میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے۔

۲-حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں: "**واستدل بهذا الحديث على جواز اتخاذ صور البنات واللعب من أجل لعب البنات بهن، وخص ذلك من عموم النهي عن اتخاذ الصور، وبه جزم عياض، ونقله عن الجمهور، وأنهم أجازوا بيع اللعب البنات لتدريبهن من صغرهن على أمر بيوتهن وأولادهن**" (ابن حجر، فتح الباری: ۱۰/ ۵۲۷، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۳۷۹ھ، ع ۱۰: ۱۳) (اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ لڑکیوں کی شکل کی گڑیوں اور دیگر گڑیوں کی تصویر بنانا جائز ہے، تا کہ ان سے لڑکیاں کھیلیں، اور تصویریں بنانے کی عمومی ممانعت یہ مخصوص ہے، اسی پر قاضی عیاض نے جزم کیا ہے، اور جمہور اہل علم سے اسے نقل کیا ہے، اور یہ کہ انہوں نے لڑکیوں کی گڑیوں کو بیچنے کی اجازت دی ہے، تا کہ کمسنی سے گھر اور بال بچوں کے معاملات پر ان کی مشق کرائی جائے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت کی غرض سے بننے والی تصویریں تصویر کی عمومی ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، اور تمام کمسنوں کا یہی حکم ہے، البتہ دونوں صنف کے فرائض کو دیکھتے ہوئے ان کے مناسب حال کھلونے کے ذریعہ ان کی تربیت کی جائے۔

۳-اس طرح کی تصویروں سے اللہ تعالی کی تخلیق کی مشابہت کا دل میں خیال نہیں آتا ہے۔

ب-کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ تعلیم کا حکم:

تصویر خواہ کسی قسم کی ہو اس سے عمومی ممانعت ہے، البتہ بچے اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کی خاطر بننے والی تصویریں اس سے مستثنیٰ ہیں، لہذا ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ تعلیمی مقاصد پورے کئے جاسکتے ہیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے عاشوراء کے روزہ کا حکم دیا، تو ہم روزہ رکھتے تھے، "**ونصوم صبياننا، ونجعل لهم اللعبة من العهن، فإذا بكى أحدهم على الطعام أعطيناه ذاك، حتى يكون عند الإفطار**" (صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۹۶۰، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۱۳۶) (اور ہم اپنے بچوں کو روزہ رکھواتی تھیں، اور ان کے لئے اون کے کھلونے بناتی تھیں، سو اگر ان میں سے کوئی کھانے کے لئے روتا، تو ہم اسے کھلونا دے دیتیں، یہاں تک کہ وہ افطار کے وقت کو پہنچ جاتا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی تربیت کے لئے بننے والی جاندار کی تصویر عمومی ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔

۲-زین الدین ملیباری شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**يجوز تصوير لعب البنات؛ لأن عائشةؓ كانت تلعب بها عنده ﷺ وحكمته تدريبهن امر التربية**" (ملیباری، فتح المعین ۳/ ۱۳۴ طبع: ۱، ۱۴۱۸ھ) (لڑکیوں کی گڑیوں کی تصویر بنانا جائز ہے؛ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ ان سے آپ ﷺ کے پاس کھیلتی تھیں، اور اس کی حکمت تربیت کے معاملات کی ان کو مشق کرانا ہے)۔

اس فقہی جزئیہ سے بھی عیاں ہے کہ بچوں اور بچیوں کی تربیت کے لئے بننے والی تصویر عمومی ممانعت سے مستثنی ہیں۔

۳-علامہ بدرالدین عینیؒ رقم طراز ہیں: "مطابقته للترجمة من حيث إن رسول الله ﷺ كان ينبسط إلى عائشةؓ حيث يرضى بلعبها بالبنات، ويرسل إليها صواحبها حتى يلعبن معها وكانت عائشةؓ حينئذ غير بالغة، فلذلک رخص لها والكراهة فيها قائمة للبوالغ" (عینی، عمدۃ القاری ۲۲/ ۱۷۰، ط: شاملہ) (حدیث کی مطابقت باب کے عنوان سے اس اعتبار سے ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بے تکلف رہتے کیونکہ ان کے گڑیوں سے کھیلنے سے خوش ہوتے، اوران کی سہیلیوں کوان کے پاس بھیج دیتے تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں، اور حضرت عائشہؓ اس وقت نابالغ تھیں، سو اسی وجہ سے ان کو رخصت دی، اور بالغہ خواتین کے لئے اس سلسلہ میں کراہت موجود ہے)۔

علامہ عینیؒ کے کلام سے واضح ہے کہ کمسنوں کی تربیت کے لئے بننے والی جاندار کی تصویر میں عمومی ممانعت سے مستثنی ہیں۔

۴-تعلیم کی حاجت کی بنا پر یہ تصویریں عمومی ممانعت سے مستثنی ہیں۔

ج- پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے کلاسوں میں مہیا کرانے کا حکم:

پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے کلاسوں میں مہیا کرانا جائز ہے، تاکہ بچے جانوروں کے نام کے ساتھ ان کے مجسموں کا بھی مشاہدہ کرلیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول ﷺ کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی، لیکن جب حضور ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو میرے ساتھ کھیلنے والی سہیلیاں کھسک جاتی تھیں "فيسربهن إليّ، فيلعبن معي" (صحیح البخاری، کتاب الأدب، حدیث نمبر: ۶۱۳۰، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۴۴۰) (سو آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیتے، اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں)۔

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ تعلیم وتربیت کے مقصد سے جاندار کے مجسمے مہیا کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی گڑیوں میں لڑکیوں اور گھوڑوں کی تصویریں تھیں، اور یہ سب جاندار ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمومی ممانعت سے ان کا استثناء ہے۔

۲-جاندار کی مجسم تصویریں ہونے کے باوجود گڑیوں کا استثناء اسی لئے ہے کہ ان سے لڑکیوں کو بچوں کی پرورش کی تربیت ملتی ہے، اوران کو انسیت ومسرت، چستی اور قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ چیز جسمانی نمو میں مددگار بنتی ہے، اور سیکھنے کی زائد صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ واضح رہے کہ گڑیوں کے استثناء کی ان دونوں علتوں کی طرف حلیمیؒ نے اشارہ کیا ہے (دیکھئے: حلیمی، المنہاج فی شعب الایمان ۳/ ۹۷، بیروت، دارالفکر، ۱۳۹۹ھ، نیز دیکھئے: موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۱۲/ ۱۱۳)۔

اور یہ مصلحت تعلیم وتربیت کے لئے بننے والے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسموں میں بھی موجود ہے۔

اور استثناء کی دوسری علت یعنی کمسنوں میں چستی، قوت، بہتر نشوونما اور سیکھنے کی زائد صلاحیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کمسن

بچوں کے لئے بھی اس کا جواز ہے، جیسا کہ امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ ”**یجوز بیع اللعبة، وأن یلعب بها الصبیان**“(ابن عابدین، ردالمحتار ۱/ ۶۵۰، بیروت، دارالفکر ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء: ۸) (کھلونے کو فروخت کرنا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے بچے اس سے کھیلیں)۔

۳- یہ کہنا کہ یہ فنی مجسمے معمولی انداز سے کپڑے یا اون سے بننے والی گڑیوں سے مختلف ہیں، درست نہیں ہے؛ کیونکہ گڑیا کا استثناء تصویر ہونے کی بنیاد پر ہے، لہذا محض باریک بینی سے بننے کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں ہوگا۔

۱۶- دونوں صنف کی ضرورت کے مطابق تعلیم کے انتظام کا استحباب:

اصل یہ ہے کہ ہر ایک صنف کو اس کی ضرورت کے مطابق تعلیم دی جائے، لہذا مناسب یہ ہے کہ عورتیں وہ علم وفن حاصل کریں جن کی ان کو یا سماج کو ضرورت ہو، مثلاً: مختلف طبی علوم، نرسنگ یعنی بیماروں کی دیکھ بھال اور خدمت، دواسازی، اولاد کی پرورش کے اصول اور اصول تدریس وغیرہ، نیز عورت کے مزاج سے ہم آہنگ بعض پیشے، جیسے پکوان، بنائی، کڑھائی، ٹیلرنگ، ڈیزائننگ، امورخانہ داری میں مہارت وغیرہ، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”**وعلیه فله دفعها لا مرأة تعلمها حرفة کتطریز وخیاطة مثلاً**“ (ابن عابدین، ردالمحتار ۳/ ۶۱۲) (اس بنا پر باپ کو حق ہے کہ اپنی بیٹی کو ایسی خاتون کے حوالہ کرے جو مثال کے طور پر اسے بیل بوٹے بنانا، کشیدہ کاری اور سلائی سکھادے)، البتہ جو علم عورت کی طبیعت اور مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو اس کی تعلیم اسے نہ دی جائے، جیسے عمارت سازی، اور مشینوں کی مرمت وغیرہ۔

نیز کسی صنف کو ایسے علوم سکھانا جائز نہیں ہے جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہیں، جیسے گانے بجانے اور رقص وموسیقی کے علم۔

اور مسلمان انتظامیہ کے لئے اس طرح کا انتظام کرنا مستحب ہے، لیکن ہر نافع علم جس کی خاتون یا سماج کو ضرورت ہو، اور وہ فرض کفایہ ہو، اور اس کی فطرت اور مزاج کے موافق ہو، اس کے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ شفاء بنت عبداللہؓ سے نبی کریم ﷺ نے فرمائش کرتے ہوئے کہا: ”**ألا تعلّمین هذه رقیة النملة کما علّمتیها الکتابة**“ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۸۸۷، طحاوی، شرح معانی الآثار حدیث نمبر: ۱۸۳۷، مسند احمد حدیث نمبر ۲۷۰۹۵، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (کیا آپ اسے یعنی حفصہ بنت عمر کو پہلو میں نکلنے والے پھوڑے پھنسیوں کا منتر نہیں سکھائیں گی، جس طرح اسے آپ نے تحریر کا علم سکھایا)۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ ایک خاتون طبابت، کتابت اور صحافت وغیرہ تمام مفید علوم وفنون حاصل کرسکتی ہے۔

۱۷- اسکولوں میں بنیادی دینی تعلیم کی حد:

طلبہ اور طالبات کے لئے اس قدر دینی تعلیم شرعاً فرض عین ہے کہ وہ مکلّف ہونے کے بعد اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو بہ حسن وخوبی انجام دے سکیں یعنی انہیں استنجاء وطہارت، وضو، نواقض وضو، غسل، موجبات غسل، نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور روز

مرہ پیش آنے والے خرید وفروخت کے معاملات کے بنیادی احکام معلوم ہوسکیں، نیز بچیوں کو حیض ونفاس اور اس سے غسل وغیرہ کے احکام معلوم ہوجائیں، ''عالمگیری'' میں ہے: ''طلب العلم فريضة بقدر الشرائع، وما يحتاج إليه لأمر لا بدمنه من أحكام الوضوء والصلاة، وسائر الشرائع، ولأمور معاشه، وماوراء ذلک ليس بفرض، فإن تعلمها فهو أفضل، وإن ترکها فلا إثم عليه'' (ہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثلاثون في المتفرقات ۵/ ۳۷۷) (ضروری الٰہی احکام، اور ضروری معاملات کے ان احکام کے بقدر علم کی تحصیل فرض ہے جن کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، جیسے وضو، نماز اور دیگر لازمی امور کے احکام، اور جن احکام کی معاشی معاملات کے لئے ضرورت پڑتی رہتی ہے، اور اس کے علاوہ علم کی تحصیل فرض نہیں ہے، سو اگر اسے حاصل کرے تو بہتر ہے، اور اگر اسے چھوڑ دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

۱۸-الف: مخالف جنس ٹیچر مقرر کرنے کے سلسلہ میں شرعی حکم:

اصولی اعتبار سے یہ ضروری ہے کہ ہر صنف کے لئے اس کے موافق صنف سے ٹیچر مقرر کیا جائے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- یہ طریقہ ہر طرح کے فتنہ اور شبہات سے پاک وصاف ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''فمن اتقى الشبهات استبرألدينه وعرضه'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۲، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۵۹۹) (سو جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت وآبرو کو محفوظ کرلیا)۔

سو یہ حدیث صراحتا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شبہات سے بچنا شریعت میں مطلوب ہے۔

۲- شریعت چاہتی ہے کہ ایک جنس کا دوسری جنس سے حتی الامکان اختلاط نہ ہو، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''وفرقوا بينهم في المضاجع'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۹۵، مسند احمد حدیث نمبر: ۶۶۸۹، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (دس سال کی عمر کو پہنچنے والی اولاد کی خوابگاہ الگ کردو)۔

سو جب اپنی اولاد کے سلسلہ میں یہ احتیاط ہے، تو اجنبی مرد اور خواتین کے درمیان کتنی احتیاط لازم ہوگی۔

۳- مخالف جنس اساتذہ سے بار بار معاملہ کرنے سے عام طور سے شرم وحیا کم ہوجاتی ہے، اور یہ کمی بسا اوقات فتنہ کا سبب بن جاتی ہے، حالانکہ اسلام میں حیا کی اتنی اہمیت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایمان کے شعبوں میں سے اسے مستقلاً ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''والحياء شعبة من الإيمان'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۹، صحیح مسلم حدیث نمبر ۳۵، سنن نسائی حدیث نمبر: ۵۰۰۵، سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۶۷۶) (اور حیا ایمان کی ایک عظیم شاخ ہے)۔

اور حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إن مما أدرک الناس من كلام النبوة الأولى: إذا لم تستح فاصنع ماشئت'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۴۸۴، ۶۱۲۰، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۷۰۹۰، طحاوی،

شرح مشکل الآثار حدیث نمبر: ۱۵۳۳)(لوگوں نے نبوت سابقہ کی تعلیم سے جو پایا، وہ یہ ہے کہ اگر تمہارے اندر شرم نہ ہو، تو جو چاہو وہ کرو)۔

۴- مخالف جنس اساتذہ کی صورت میں طلبہ میں نزاکت اور بزدلی کے کردار پیدا ہونے، اور طالبات میں مردانہ کردار کے پنپنے کا خطرہ رہتا ہے، خاص طور سے خاتون ٹیچر کی صورت میں طلبہ کی طرف نسوانی خصوصیات وہ صفات منتقل ہوتی ہیں، اور وہ تعلیم پر توجہ دینے کی بجائے ان کے حسن وادا کے گرویدہ ہوجاتے ہیں، اور دوسروں کے پاس اس کا تذکرہ کرتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ نے اس مخنث کو عورتوں کے پاس آنے سے روک دیا تھا جس نے صرف یہ بیان کیا تھا کہ فلانہ عورت موٹی ہے، جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس اس حال میں آئے کہ میرے پاس ایک مخنث تھا، جس نے میرے بھائی عبداللہ بن امیہ سے کہا، اے عبداللہ! اگر اللہ تعالی طائف کو مسلمانوں کے لئے فتح کردے، تو تم غیلان کی بیٹی کو اختیار کرنا؛ کیونکہ وہ جب چلتی ہے تو موٹاپے کی وجہ سے سامنے سے چار شکنیں نظر آتی ہیں، اور پیچھے سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:"لایدخلن هؤلاء عليكن"(صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۳۴۲، ۵۲۳۵، ۵۸۸۷، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۱۸۰)(یہ افراد تم لوگوں کے پاس نہ آئیں)۔

ساتھ ہی خاص طور سے خواتین ٹیچر کو بہت سی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ کبھی تیز نگاہ، تو کبھی ناپسندیدہ بات اور کبھی چھیڑخوانی برداشت کرنی پڑتی ہے، جیسا کہ یہ سب باتیں مشاہدہ سے ثابت ہیں، اور اخبارات اور انٹرنیٹ پر اس طرح کی خبریں ہروقت آتی رہتی ہیں۔

۵- عفت وعصمت پر سیندھ لگتی ہے، چنانچہ مخالف جنس اساتذہ کی صورت میں قلب ونظر کی کما حقہ حفاظت نہیں ہو پاتی ہے، اور شرعی ضوابط کی مکمل پابندی نہیں ہو پاتی ہے، جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم، ذلك أزكى لهم، إن الله خبير بما يصنعون**"(نور: ۳۰)(مومنوں کو کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں، یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے، یقیناً اللہ باخبر ہے، ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں)۔

ب- مجبوری کی صورت میں مخالف جنس ٹیچر کے تقرر کا شرعی حکم:

مجبوری کی حالت میں مخالف جنس ٹیچر کے تقرر کی گنجائش ہے، بشرطیکہ درج ذیل شرعی ضوابط کی پابندی کی جائے:

۱- مخالف جنس ٹیچر تقوی شعار ہو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون**"(سورۂ آل عمران: ۱۰۲)(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ہو)، نیز ارشاد ہے:"**فاتقوا الله ما استطعتم، واسمعوا وأطيعوا**"(تغابن: ۱۶)(سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک ہو سکے، اور سنو اور مانو)۔

اورحضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا:"یا أبا ذر اتق الله حیث کنت" (مسند احمد حدیث نمبر:۲۲۰۵۹، المستدرک للحاکم حدیث نمبر:۱۷۸، بیہقی، شعب الإیمان حدیث نمبر:۸۰۲۳، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (اے ابوذر! جہاں کہیں بھی رہو، اللہ سے ڈرتے رہو)۔

۲-مخالف جنس ٹیچر بدنگاہی سے بچے۔

۳-مخالف جنس ٹیچر کی کم سے کم تقرری ہو، مالی حالت کو بہانہ بنا کر خاتون معلمات کی بھرمار نہ کردی جائے، کہ "الضرورات تقدر بقدرها" (ابن عابدین، ردالمحتار ۲/ ۲۰۴) (ضرورت کی تحدید بقدر ضرورت ہوتی ہے)۔

۴-بالغ طلبہ کے لئے بدرجہ مجبوری معمر خاتون کا تقرر ہو۔

۵-خاتون معلّمہ پردہ کا التزام کرنے والی ہو، اور ایسا برقعہ استعمال کرے جو ڈھیلا ڈھالا ہو، جس کی وجہ سے پرکشش اعضاء کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

۶-خاتون معلّمہ ایسا لہجہ اختیار نہ کرے جو بیماردل کے افراد میں کسی طرح کا لالچ پیدا کرے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"فلا تخضعن بالقول فیطمع الذي في قلبه مرض، وقلن قولا معروفا" (احزاب:۳۲) (سوتم لہجہ میں نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہوجائے، اور بات بھلے طریقے کے مطابق کہو)۔

۷-مخالف جنس ٹیچر باکردار، برائی وفحاشی اور بدقواری سے بچنے والا ہو، جیسا کہ ارشاد الہی ہے:"ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها وما بطن" (انعام:۱۵۱) (اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ پھٹکو، خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ)۔

لہذا مخالف جنس ٹیچر حسن سیرت سے آراستہ ہو۔

۱۹-بدرجہ مجبوری رشوت دے کر اسکول کو بچانے کا شرعی حکم:

اصولی اعتبار سے رشوت دینا اور لینا دونوں حرام ہیں، اللہ تعالی نے رشوت خوری کو یہودیوں کی پہچان بتایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:"أکالون للسحت" (مائدہ:۴۲) (یہ پکے حرام ورشوت خور ہیں)۔

اور علامہ آلوسیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"الحرام من "سحته" إذا استأصله......والمراد به هنا علی المشهور: الرشوة في الحکم" (آلوسی، روح المعانی ۶/ ۱۴۰، بیروت، دارالإحیاء، ع ۱۴۰۰:۳۰) ("سحت" سے مراد حرام ہے، جو "سحتہ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: جڑ سے اکھاڑ دینا، اور مشہور قول کے مطابق اس سے اس جگہ فیصلہ کرنے کے لئے رشوت لینا مراد ہے)۔

اورحضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:"لعن الله الراشي والمرتشي، والرائش الذي تمشي بينهما" (المستدرک للحاکم حدیث نمبر:۷۰۶۸، مسند احمد حدیث نمبر:۲۲۳۹۹، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے، البتہ "الرائش" کے

اضافہ میں کلام ہے)(اللہ تعالی کی لعنت ہے، رشوت دینے، رشوت لینے اور دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے پر)۔

لیکن اگر رشوت کے بغیر اسکول کی منظوری کو برقرار رکھنا ممکن نہ ہو،تو رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں گناہ لینے والے کو ہوگا، علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:"**كما لو اضطر إلى دفع الرشوة لإحياء حقه، جاز له الدفع ، وحرم على القابض**" (ابن عابدین، ردالمحتار ۵/ ۷۲)(جیسے کوئی اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہوجائے، تو دینا جائز ہے، اور لینے والے پر حرام ہے)۔

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:"**الثالث :أخذ المال يسوي أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع، وهو حرام على الآخذ فقط**" (مرجع سابق، مطلب في الكلام على الرشوة ۵/ ۳۶۲)(رشوت کی تیسری قسم یہ ہے کہ مال اس لئے لے کہ دینے والے کے معاملہ کو بادشاہ کے پاس درست کرے، اس سے ضرر کے ازالہ کے لئے یا نفع کی تحصیل کے لئے، اور یہ صرف لینے والے پر حرام ہے)۔

اور آگے لکھتے ہیں:"**الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله، حلال للدافع، حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا تجوز أخذ المال ليفعل الواجب**" (ابن عابدین، ردالمحتار ۵/ ۳۶۲)(رشوت کی چوتھی قسم یہ ہے کہ اپنی جان یا مال کے سلسلہ میں اس شخص سے خوف کے ازالہ کے لئے اس کو دی جائے، اور یہ دینے والے کے لئے حلال ہے، اور لینے والے پر حرام ہے، اس لئے کہ مسلمان سے ضرر کو دور کرنا واجب ہے، اور واجب کو انجام دینے کے لئے مال لینا جائز نہیں ہے)۔

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:"**إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسه، أو أحد من أهل بيته لم يأثم**" (مرجع سابق ۸/ ۵۰۹، مطلب في معنى التمليك)(اگر اپنی ذات یا اپنے گھر والوں میں سے کسی سے ظلم دور کرنے کے لئے رشوت دے، تو گنہگار نہیں ہوگا)۔

البتہ ملک کے باشعور افراد کو چاہئے کہ رشوت کی گرم بازاری ختم کرنے کے لئے تحریک چلائیں، تاکہ سماج سے اس لعنت کا خاتمہ ہو۔

☆☆☆

تعلیمی اداروں میں ثقافتی پروگرام اور شرعی حدود

مفتی راشد حسین ندوی☆

۱-عصری علوم کی تدریس کے لیے اسکول اور کالج قائم کرنے کا حکم:

اسلام میں علم کو بہت اہمیت دی گئی ہے، آنحضرت ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، اس کی ابتداء ہی علم کی تاکید سے ہوئی، اور کتاب وسنت میں جگہ جگہ اس کی اہمیت پر صراحت سے تاکید کی گئی، یہاں تک کہ طلب علم کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا (ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم)۔

علماء نے فرض عین ضروری دینی علم حاصل کرنے کو قرار دیا ہے (مرقاۃ: ۱/ ۴۳۴، احیاء العلوم: ۱/ ۲۵-۲۶، ہندیہ: ۵/ ۳۷۷)۔

لیکن دوسرے علوم وفنون کی اپنی اہمیت ہے، ان کے بغیر زندگی کی گاڑی چلنا دشوار ہے، اور زمانہ کے شانہ بشانہ چلنا مشکل ہے، جب کہ امت مسلمہ کو صحیح معنی میں دنیا کی امامت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور جن چیزوں کی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہو ان کو علماء نے فرض کفایہ قرار دیا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

’’غیر شرعی علوم کی تین قسمیں ہیں: محمود، مذموم، مباح، محمود وہ ہیں جن سے دنیاوی امور وابستہ ہوں، جیسے طب اور حساب، اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک فرض کفایہ، دوسرے وہ جو فضیلت والے ہیں اور فرض نہیں ہیں، جہاں تک فرض کفایہ کا تعلق ہے تو یہ وہ علوم ہیں کہ امور دنیا کو چلانے میں جن سے استغناء نہیں کیا جاسکتا......اور ہمارے اس قول سے تعجب نہ ہونا چاہیے کہ طب اور حساب فرض کفایہ میں سے ہیں، اس لیے کہ صنعتوں کے اصول بھی فرض کفایہ میں سے ہیں، جیسے کاشت کاری، کپڑے کی بنائی اور گھوڑوں کی دیکھ بھال، بلکہ پچھنے لگانا اور کپڑوں کی سلائی کرنا بھی‘‘ (احیاء العلوم ۱/ ۲۷)۔

یہ عبارت اپنے مفہوم کو بیان کرنے میں تشریح کی محتاج نہیں ہے، اور صاف طور سے اس بات کی رہنمائی کر رہی ہے کہ امت مسلمہ کو جن ماہرین کی بھی ضرورت ہو اس طرح کے ماہرین کا تیار کرنا خود امت پر فرض کفایہ ہے، اس میں سائنس داں، انجینئر، ڈاکٹر، لیڈی ڈاکٹر اور دوسرے تمام شعبے آتے ہیں، اس لیے کہ اگر جدید عصری علوم میں مہارت نہ ہو تو ہم کلی طور پر یورپ وامریکہ کے

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدانپور، رائے بریلی۔

محتاج بنے رہیں گے، جیسا کہ فی الحال بنے ہوئے ہیں، ہم کو دشمن کے مقابلہ کے لیے ہر طرح کی طاقت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ﴿وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (سورۂ انفال: ٦٠)، عصرِ حاضر نے جس طرح کا دفاعی نظام بنالیا ہے، اس کے مقابلہ کے لیے ظاہر ہے عصرِ حاضر کے علوم کی ضرورت ہے، مواصلات، نقل وحمل کے ذرائع، اور مختلف راحت وآرام کی اشیاء کی ایجادات جدید علوم کی رہینِ منت ہے، ہم جدید علوم سے تہی دامن ہوں گے تو ان چیزوں میں ہمیشہ مغرب کے محتاج بنے رہیں گے، لہٰذا ان علوم کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

عصری دانش گاہوں کے قیام کا حکم:

پھر جب عصری علوم کی اپنی اہمیت ہے اور ان کا حصول فرضِ کفایہ ہے، اس کے بغیر دوسری قوموں سے پچھڑ جانے کا خوف ہے، تو معیاری اسکول اور کالجوں کا قیام بھی فرضِ کفایہ ہوگا، اس لیے کہ ان کا حصول بغیر معیاری اسکولوں اور کالجوں کے ممکن نہیں، لہٰذا اگر کسی علاقہ میں اس طرح کے اسکول قائم نہیں ہیں تو ایسے اسکولوں اور کالجوں کا قائم کرنا مسلمانوں کا ملی فریضہ ہے، اور چونکہ ان سے ملت کا وقار اور ان کا مفاد وابستہ ہے، لہٰذا اس کی حیثیت فرضِ کفایہ کی ہے، اگر کوئی بھی اس کی طرف توجہ نہ کرے تو سب گنہ گار ہوں گے اور زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ان کالجوں کے قیام میں علماء کا رول قائدانہ ہو، تاکہ ان کالجوں کو ان مضرتوں سے محفوظ رکھا جاسکے جن کا ذکر آگے آنے والا ہے، اور اس کا مکمل انتظام کیا جائے کہ عصری علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ طلباء کے اندر عقائد کی پختگی، دین پر عمل کا جذبہ، ملی شعور اور اسلامی غیرت وحمیت بھی پیدا ہوجائے، سچی بات یہ ہے کہ صحیح معنوں میں اس طرح کی درسگاہیں میرے علم کے مطابق موجود نہیں ہیں، جبکہ میرے خیال سے دینی مدارس سے کم ان کی ضرورت نہیں ہے۔

۲-نصابِ تعلیم میں غیر شرعی مضامین کا مسئلہ:

حدیث شریف میں ایسے علم سے پناہ مانگی گئی ہے جو دین ودنیا کسی بھی اعتبار سے مفید نہ ہو:

"**أللهم انی أعوذ بک من علم لا ینفع**" (أبوداؤد، کتاب الصلاۃ، أبواب الوتر، باب فی الاستعاذۃ: ۱۵۴۸، ترمذی دعوات باب: ۳۴۸۲، ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ: ۲۵۰)۔

ظاہر بات ہے جس چیز سے پناہ مانگی گئی ہو اس کے سیکھنے سکھانے کا جواز کس طرح ہوسکتا ہے، اسی لیے فقہی کتابوں میں صراحت سے سحر جیسے علوم کی ممانعت کی گئی ہے، ہندیہ میں ہے:

"**العلم ثلاثة: علم نافع......وعلم یجب الاجتناب عنه وهو السحر وعلم الحکمة والطلسمات وعلم النجوم الا علی قدر ما یحتاج الیه فی معرفة الأوقات..الخ**" (ہندیہ ۲۷۸/۵)۔

اس عبارت میں علم حکمت سے بھی اجتناب کی بات کہی گئی ہے، جب کہ اس میں فی الجملہ فوائد بھی ہیں، اسی لیے ہمارے مدارس میں آج بھی فلسفہ اور منطق کی تعلیم ہوتی ہے، تو جن علوم سے کوئی بھی فائدہ نہ ہو، ان کا جواز کیسے ہوسکتا ہے؟ سوال میں غیر شرعی

افکار کا ذکر کرتے ہوئے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء اور فرائڈ کے نظریہ جنس کی بات کہی گئی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے یہ بالکل فاسد نظریات ہیں، ساتھ ہی ان نظریات سے سائنسی ترقی وابستہ نہیں ہے، بہت سے مغربی محققین نے بھی ان نظریات کو بالکل سطحی اور غیر سائنسی قرار دیا ہے، لہٰذا ممکن ہو تو ان کو نصاب میں رکھا ہی نہ جائے، اگر سرکاری طور پر ان کا رکھنا لازمی ہو اور ڈر ہو کہ نہ رکھنے پر کالج کی منظوری منسوخ کی جاسکتی ہے تو کسی دیندار اور تجربہ کار استاد کو ان کو پڑھانے کے لیے رکھا جائے جو ان نظریات کے پرخچے اڑانے پر قادر ہو۔

جہاں تک دیو مالائی تاریخ کا تعلق ہے تو آزادی کے بعد ہی سے نام نہاد سیکولر حکومتوں نے بھی اس کو نصاب کا جزء بنائے رکھا، اور اب تو خاص نظریات والی حکومتیں اقتدار میں ہیں، وہ اس دیو مالائی تاریخ ہی پر اکتفاء نہیں کرنا چاہتی ہیں، بلکہ ہر اعتبار سے مسلم دور حکومت کے آثار کو کھرچ کر پھینک دینا چاہتی ہیں اور بلراج مدھوک اور دینا ناتھ بترا کے نظریات کو تھوپنے کے منصوبے بنا رہی ہیں، تو اگر یہ مضامین لازم نہ ہوں تو ان کی جگہ کوئی مناسب کتاب پڑھائی جائے، ورنہ لازمی مضمون ہو تو کسی ماہر استاد کو اس کی تدریس کے لیے مقرر کیا جائے جو کتاب پڑھانے کے ساتھ بچوں کو ان غلطیوں کی طرف توجہ دلانے پر بھی قادر ہوں۔

جہاں تک میوزک اور ڈانس جیسی شرعاً ناجائز اور حرام چیزوں کا تعلق ہے، تو ان سے نہ صرف یہ کہ دین و دنیا کا کوئی نفع متعلق نہیں ہے بلکہ وہ صراحتہً ناجائز امور میں سے ہیں، اگر ان کا سکھانا لازم نہ ہو تو ان کا حکم ظاہر ہی ہے، اور اگر سرکاری طور پر ان کا سکھانا لازم ہو تو اس طرح کی کھلی ہوئی ناجائز چیز کو لازمی بنانے پر احتجاج کرنا چاہیے، اور کسی صورت سے ان کو نصاب کا جزء نہ بنانا چاہیے:

”قال رحمه الله تعالى: السماع والقول والرقص الذى يفعله المتصوفة فى زماننا حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والفناء والمزامير سواء“(ہندیہ ۵/۳۵۲)۔

(قوله: وكره كل لهو) أى كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما فى شرح التاويلات، والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فانها كلها مكروهة لانهازى الكفاء واستماع الدف والمزمار وغير ذلك حرام.الخ“(شامی ۵/۲۷۹)۔

۳-بچوں کے ایمان کی حفاظت والدین پر لازم ہے:

بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کرنا ان کے ماں باپ اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (سورۂ تحریم:۶)۔

اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں:

’’ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر لائے، سمجھا کر، ڈرا کر، پیار سے، مار سے، جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے‘‘۔

تمام مفسرین نے گھر والوں میں اولاد کو پہلے نمبر پر رکھا ہے، بعض نے ان کو ”أنفسکم“ میں شامل مانا ہے، چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

”والمراد بالأهل على ما قيل ما يشمل الزوجة والولد والعبد والأمة، واستدل بها على أنه يجب على الرجل تعلم ما يجب من الفرائض وتعليمه لهؤلاء، وأدخل بعضهم الأولاد في الأنفس، لأن الولد بعض من أبيه“ (روح المعانی ۲۸/۱۵۶)۔

اور حدیث شریف میں ہے:

”عن عبد الله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ألا! كلكم راع ومسئول عن رعيته، فالامام الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته، والرجل راع على أهل بيته وهو مسئول عن رعيته، والمرأة راعية على بيت زوجها وولده وهى مسئولة عنهم“ (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا: ۵۲۰۰، وصحیح مسلم، کمافی المشکوۃ، کتاب الامارۃ والقضاء، ص: ۳۳۰)۔

لہٰذا سوال میں مذکور ایسے اسکولوں میں بچوں کو تعلیم دلانا جائز ہی نہیں ہے، جہاں بچوں کے ایمان پر ڈاکہ پڑنے کا اندیشہ ہو، اس لیے کہ مشنری اسکولوں میں اگرچہ تعلیم کا نظم اچھا ہوتا ہے، لیکن یہ اسکول عیسائیت کے فروغ کے مشن کے لیے ہوتے ہیں، وہ آہستہ آہستہ بچوں کے ذہن میں عیسائیت کے بیج ڈال دیتے ہیں، غیر محسوس طریقہ سے اسلامی عقائد میں دراڑ پیدا کر دیتے ہیں، بعد میں یہ بیج برگ وبار لاتے ہیں اور یہ دراڑ بڑھتی جاتی ہے، اس طرح مسلمان بچے ظاہر طور پر مسلمان نظر آتے ہیں، لیکن اندر سے اسلامی عقائد پر کاری ضرب لگ چکی ہوتی ہے، لہٰذا بہت سے مسائل میں ان کی تائید عیسائیت یا یورپین تہذیب کو حاصل ہوتی ہے، پھر مختلف اوقات خاص طور سے صبح کی دعا میں شرکیہ کلمات کی ادائیگی کرانا ان اسکولوں میں ایک عام بات ہے۔

جہاں تک آر ایس ایس کے اسکولوں کا تعلق ہے تو ان میں نصاب تعلیم ان کے خاص نظریات کے تحت ہوتا ہے، چنانچہ دیو مالائی قصوں کی بھرمار ہوتی ہے، اور بہت سے شرکیہ افعال بھی کھلم کھلا انجام دیے جاتے ہیں، علم کی دیوی کی پوجا تک تمام بچوں سے کرائی جاتی ہے، ظاہر ہے جان بوجھ کر شرکیہ افعال کی ادائیگی کے لیے بچوں کو بھیجنے کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟

سرکاری اسکول خواہ پہلے ان شرکیہ اعمال سے کچھ الگ بھی رہے ہوں، لیکن مرکز اور بہت سے صوبوں میں خاص نظریات والی پارٹی کے اقتدار میں آجانے کے بعد سرکاری اسکول بھی سنگھ پریوار کے اسکولوں کی طرح ہو گئے ہیں، بہرحال چاہے مشنری اسکول ہوں، آر ایس ایس کے ہوں یا سرکاری، اگر نصاب تعلیم یا اسکول کے دوسرے اعمال اور سرگرمیاں ایسی ہوں جن سے اسلامی عقائد پر

ضرب لگتی ہو، یا شرکیہ افعال انجام دینے پڑتے ہوں، تو بچوں کا وہاں داخلہ کروانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ مسلمان کے لیے ایمان وعقیدہ ہی سب سے بڑی دولت ہے، اگر اسی پر ڈاکہ پڑنے کا خوف ہے تو اس کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے؟ لیکن اگر دوسرے اسکول سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، اور بچوں کی تعلیم کے لیے صرف یہی اسکول ہیں تو بدرجہ مجبوری ان اسکولوں میں داخلہ کرایا جاسکتا ہے، لیکن پھر ضروری ہوگا کہ مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے:

۱-اس کا اہتمام کیا جائے اور یقینی بنایا جائے کہ بچوں کا ناظرہ قرآن مجید ضرور مکمل ہو۔

۲-دین کی ضروری اور بنیادی باتیں سکھانے کے لیے کوئی عمدہ کتاب مثلاً تعلیم الاسلام وغیرہ پڑھائی جائے۔

۳-توحید، عقیدۂ آخرت، نماز، روزہ اور ارکان اسلام سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔

۴-ان کی اسلامی تربیت کا خصوصی خیال رکھا جائے، اور گاہے گاہے ان کی اسکولی زندگی کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے، تاکہ اگر کوئی خلاف عقیدہ بات ان کے ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے تو بروقت اس کا تدارک کیا جاسکے۔

۵-ان امور کے لیے اچھا ٹیوٹر اور استاد رکھا جائے، پیسہ بچانے کے لیے معمولی ٹیوٹر رکھنے سے یہ مقاصد حاصل ہونا مشکل ہے۔

۶-خود بھی پوری فکرمندی کے ساتھ پیش رفت کا جائزہ لیتا رہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''ایک غیر مسلم ملک میں مسلمان اولاد کی اصلاح وتربیت کا مسئلہ بہرحال ایک سنگین اور نازک مسئلہ ہے، جن صورتوں میں وہاں رہائش اختیار کرنا مکروہ یا حرام ہے، ان صورتوں میں تو وہاں رہائش اختیار کرنے سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔''

''البتہ جن صورتوں میں وہاں رہائش اختیار کرنا بلا کراہت جائز ہے (ظاہر ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں مسلمانوں کے قیام کا بھی یہی حکم ہے) ان میں چونکہ وہاں رہائش اختیار کرنے پر ایک واقعی ضرورت داعی ہے، اس لیے اس صورت میں اس شخص کو چاہیے کہ اپنی اولاد کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دے اور جو مسلمان وہاں مقیم ہیں ان کو چاہیے کہ وہ وہاں ایسی تربیتی فضاء اور ایک پاکیزہ ماحول قائم کریں جس میں آنے والے نئے مسلمان اپنے اور اپنی اولاد کے عقائد اور اعمال واخلاق کی بہتر طور پر نگہداشت اور حفاظت کرسکیں'' (فقہی مقالات ۱/۲۲۶)۔

۴-مخلوط تعلیم والے اداروں میں تعلیم حاصل کرنا:

میرے خیال سے اس کے دلائل پیش کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مخلوط نظام تعلیم اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، خواہ کتنی بھی احتیاطیں کی جائیں، لیکن اگر لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم حاصل کررہے ہیں، تو ایک دوسرے سے سابقہ ضرور پڑے گا، نگاہ پڑے گی، ایک دوسرے کی آواز سننے کی نوبت آئیگی، اور احتیاط کی کمی ہو تو بات آگے بھی بڑھ سکتی ہے، بلکہ بعض اوقات

بڑھ جاتی ہے، ناجائز دوستیاں قائم ہوتی ہیں، اور بعض اوقات سنگین نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔

اس لیے جہاں تک ممکن ہو مخلوط نظام تعلیم والے اداروں سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے اور ملی امور کے ذمہ داران کو لڑکے اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ کالج قائم کرنا چاہیے، مخلوط نظام تعلیم روح اسلام کے خلاف ہے، لہٰذا اگر مسلمانوں کو کالج قائم کرنا ہے تو محفوظ شکل یہی ہے کہ دونوں صنفوں کے لیے الگ الگ انتظام کیا جائے، اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱-مسلمان مردوں اور عورتوں کو قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ نگاہیں پست رکھیں، مخلوط نظام تعلیم میں اس پر عمل ناممکن ہے۔

۲-مرد وعورت کو تنہائی اختیار کرنے سے روکا گیا ہے، فرمایا گیا کہ مرد وعورت تنہا ہوں تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، اس نظام تعلیم میں اس کی نوبت بار بار آئے گی۔

۳-مسلمان عورتوں کو فتنہ کا خوف ہو تو چہرہ بھی ڈھانپ لینے کا حکم ہے، مخلوط نظام تعلیم میں اس پر بھی عمل دشوار ہوتا ہے اور اس کی خرابیاں بھی سامنے آتی رہتی ہیں:

”وتمنع المرأة الشابة عن كشف الوجه بين رجال لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة (بل لخوف الفتنة) اى الفجور بها، قاموس أو الشهوة، والمعنى: تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة؛ لأنه مع الكشف قد يقع النظر اليها بشهوة“ (شامی ۱/ ۲۹۹)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”شریعت کا اصل حکم تو یہ ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے پرہیز کیا جائے، خاص طور سے ایسا مستقل مشغلہ اختیار کرنا جس میں نامحرم خواتین کے ساتھ مستقل میل جول ہو بغیر ضرورت کے جائز نہیں، لہٰذا حکومت اور مسلم معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے بجائے لڑکوں کے لیے الگ اور لڑکیوں کے لیے الگ تعلیمی ادارے قائم کریں“ (فتاوی عثمانی ۱/ ۱۹۲، نیز دیکھئے: کتاب الفتاوی ۱/ ۴۲۳)۔

کس عمر سے الگ کرنا ضروری ہے:

الگ کرنے کا حکم فتنہ سے بچانے کے لیے ہے، لہٰذا جب لڑکے لڑکیاں جنس کو سمجھنے لگیں، اور ان میں اپنی صنف کا شعور ہونے لگے، تبھی ان کا الگ نظام کرنا ضروری ہوگا، اس سے پہلے ایک ساتھ رکھا جاسکتا ہے، اس کے سلسلہ میں مختلف نصوص وارد ہوئے ہیں:

۱-حدیث شریف میں حکم دیا گیا ہے کہ بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم دیا جائے اور دس سال کے ہوجائیں تو نماز چھوڑنے پر ان کو سزا دی جائے اور بستر الگ کردیئے جائیں:

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء

سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم فی المضاجع" (أبوداود، کتاب الصلاۃ باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ:۴۹۵)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شعور کی عمر دس سال سے ہوجاتی ہے۔

۲-حضرت عائشہؓ کی رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی (مسلم، مشکوۃ، کتاب النکاح، باب الولی)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ سال کی عمر میں عورت کا بلوغ ممکن ہوتا ہے۔

۳-فقہی عبارات میں اس کی حد بندی سنین کے بجائے حد شہوت تک پہنچنے سے کی گئی ہے، شامی میں ہے:

"وفی السراج: لا عورة للصغير جدا، ثم ما دام لم يشته فقبل و دبر، ثم تغلظ إلى عشر سنين، ثم كبالغ (قوله: ثم كبالغ) أی عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين، وفی النهر: كان ينبغی اعتبار السبع لأمرهما بالصلاة إذا بلغا هذا السن،اهـ، أقول: سيأتی فی الحظر ان الأمة إذا بلغت حد الشهوة لا تعرض على البيع فی ازار واحد يستر بين السرة والركبة، لأن ظهرها وبطنها عورة،اهـ، فقد اعطوها حكم البالغة من حين بلوغ حد الشهوة، واختلفوا فی تقدير حد الشهوة، فقيل سبع، وقيل تسع، سيأتی فی باب الامامة تصحيح عدم اعتباره بالسن، بل المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلة صخمة، وهذا هو المناسب اعتباره هنا" (شامی ۱/۴۰۱)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بچوں کو بالغین کا حکم دینے کے بارے میں ایک قول سات سال کا ہے، دوسرا نو سال کا، تیسرا دس سال کا اور چوتھا قول یہ ہے کہ لڑکی جب حد شہوت کو پہنچ جائے اور جماع کے لائق ہوجائے تو اسے بالغوں کا حکم دیا جائے گا، علامہ شامی نے اس آخری قول کو پسند کیا ہے۔

اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بچہ خاص طور سے لڑکی کے خصوصی حالات دیکھ کر ہی اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مکمل پردہ کی ضرورت ہے یا نہیں، حد بندی کرنی ہی ہوتو سات تا دس سال تک اسے کم عمر مانا جاسکتا ہے، اور مخلوط تعلیم کی گنجائش ہوسکتی ہے، یہ عمر عام طور سے پرائمری درجات کے بچوں کی ہوا کرتی ہے، لہذا پرائمری درجات تک اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ راجح قول حد شہوت تک پہنچنے کا ہے، لہذا اگر کوئی لڑکی بڑی معلوم ہورہی ہوتو اس کے لیے الگ سے نظم کرنے کی ضرورت ہوگی۔

۵-الف: لڑکے لڑکیوں کے لیے الگ الگ بلڈنگ:

جب غیر مخلوط تعلیم کا نظم کرنا ہوتو اس کی سب سے اعلی اور بہترین شکل یہی ہوگی کہ طلباء اور طالبات کے ادارے بالکل الگ الگ ہوں، اس طرح دونوں کے اختلاط کا کوئی موقع ہی نہیں رہے گا، اس لیے مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ جب غیر مخلوط تعلیم کا نظام قائم کرنا ہوتو پہلے نمبر پر اسی کی کوشش کریں۔

ب-ایک بلڈنگ علاحدہ کلاس:

اگر غیر مخلوط تعلیم کے لیے نظام اس طرح کا بنایا کہ بلڈنگ ایک ہی ہے، لیکن کلاس روم الگ الگ ہیں، نکلنے اور داخل ہونے کے دروازے اور باتھ روم الگ الگ ہیں، لڑکوں کو مرد اساتذہ اور لڑکیوں کو خواتین اساتذہ پڑھاتی ہوں، تو اس شکل میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے:

”(قوله: أو بحائل) قال في القينة: سكن رجل في بيت من دار، وامرأة في بيت آخر منها، ولكل واحد غلق على حدة، لكن باب الدار واحد، لا يكره مالم يجمعهما بيت، اهـ، ورمز له ثلاثة رموز، ثم رمز الى كتاب آخر هي خلوة فلا تحل“ (شامی ۵/۲۶۰، کتاب الحظر والاباحۃ)۔

اس عبارت میں خلوت کا ذکر ہے اور عمارت کا دروازہ بھی ایک مانا گیا ہے، تب بھی زیادہ کتابوں میں اس کی اجازت دی گئی، تو سوال میں جس مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو اس میں خلوت کی کوئی بات نہیں ہے، دروازے بھی الگ ہیں، لہٰذا اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، البتہ بلڈنگ سے باہر اختلاط ممکن ہے، پہلی صورت میں اس کا بھی امکان نہیں تھا، لہٰذا پہلی والی شکل زیادہ مناسب ہوگی، اس کے بعد اس کا درجہ ہوگا، بلڈنگ سے باہر اختلاط سے بچانے کے لیے بھی انتظامیہ کوئی مناسب بندوبست کرسکتی ہے۔

ج-طلباء وطالبات کے لیے کلاس روم:

جب ایک ہی کلاس روم میں طلباء اور طالبات کا نظم ہو تو خواہ ان کی نشستیں الگ الگ ہی کیوں نہ کردی گئی ہوں، اس کو مخلوط نظام تعلیم ہی کہا جائے گا، اس لیے کہ مخلوط نظام تعلیم کے اداروں میں بھی طلباء اور طالبات کے بیٹھنے کا نظم عام طور سے الگ ہی رکھا جاتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ چونکہ پردہ اور احتیاط کی ان کے یہاں کوئی اہمیت نہیں ہوتی، لہٰذا کبھی یہ بھی کرتے ہیں کہ دائیں طالبات کو رکھا جائے اور بائیں طلباء کو، یا آگے لڑکیوں کو اور پیچھے لڑکوں کو، اگر مخلوط نظام تعلیم ہو تو ان شکلوں میں نسبۃً وہ شکل بہتر رہے گی جس کا ذکر سوال میں کیا گیا کہ آگے لڑکوں کو رکھا جائے اور پیچھے لڑکیوں کو، اس لیے کہ اس میں نسبۃً فتنہ کا اندیشہ کچھ کم رہے گا۔

لیکن ظاہر بات ہے کہ جب پیریڈ خالی ہوگا تو طلباء اور طالبات کو اختلاط سے روکنا ممکن نہیں ہوگا، لہٰذا اس طرح کی شکل کو جداگانہ قرار نہیں دے سکتے، یہ مخلوط نظام ہی کی ایک شکل ہے، مسلمان جب ادارہ قائم کریں تو اس طرح کا نظام ہرگز قائم نہ کریں، ہاں اگر اس کے سوا کوئی شکل ممکن نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس کو گوارہ کیا جاسکتا ہے۔

البتہ طلباء اور طالبات کی نشستوں کے درمیان عارضی دیواریں ہوں، آمد ورفت کے الگ دروازے ہوں، صرف پڑھانے والے ایک ہوں تو اس کو جداگانہ نظام کہا جاسکتا ہے، اگر پوری احتیاط کے ساتھ یہ نظام جاری کیا جائے تو اس کی شرعاً گنجائش ہوسکتی ہے، ان دونوں شکلوں کی گنجائش ردالمحتار کی اس عبارت سے ظاہر ہورہی ہے:

”(قوله أو بحائل)......ولو طلقها بائنا وليس إلا بيت واحد، يجعل بينهما سترة، لأنه لو لا السترة

تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية وليس معها محرم، فهذا يدل على صحة ما قالوه،اهـ، لأن البيتين من دار كالسترة بل أولى، وما ذكر من الاكتفاء بالسترة مشروط بما إذا لم يكن الزوج فاسقا، إذ لو كان فاسقا يحال بينهما بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما كما ذكره في فصل الأحداد......والذى تحصل من هذا، ان الخلوة المحرمة تنتفى بالحائل وبوجود محرم أو امرأة ثقة قادرة. الخ"(شامی ۵/ ۲۶۰، کتاب الحظر والاباحۃ)۔

۶-غلط عمر درج کرانا:

جھوٹ کی مذمت پر زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، کتاب وسنت میں بے شمار نصوص میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جھوٹ بولنا فیشن میں داخل ہو گیا ہے، لوگ بلاضرورت ہی جھوٹ بولتے رہتے ہیں، اور جھوٹ کے ذریعہ مخاطب کو دھوکہ دے کر بڑی خوشی اور ایک طرح کی فتح محسوس کرتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

البتہ کچھ موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت شریعت نے دی ہے:

۱-جان ومال بچانے کے لیے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی۔

۲-لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے، اس کا ذکر بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں صراحت سے ہے:

"**ليس الكذاب الذى يصلح بين الناس**"(مشکوۃ، باب حفظ اللسان، ص:۴۱۲)۔

۳-جنگ میں دھوکہ دینے کے لیے۔ ۴-بیوی کو خوش رکھنے کے لیے۔ ۵-ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے۔ ۶-اپنے حق کے حاصل کرنے کے لیے۔

"**والكذب محظور إلا فى القتال للخدعة، وفى الصلح بين اثنتين وفى إرضاء الأهل، وفى دفع الظالم عن الظلم**"(ہندیہ ۵/ ۳۵۲، شامی ۵/ ۳۰۳)۔

علامہ شامی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے، اور احیاء العلوم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی عمدہ چیز کا حصول اگر جھوٹ کے بغیر ممکن نہ ہو تو جھوٹ مباح ہو جائے گا، اور اگر اس کا حاصل کرنا واجب ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہوگا۔

"**......وان أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح أن أبيح تحصيل ذلك و واجب إن وجب تحصيله**"(شامی ۵/ ۳۰۳)۔

ان عبارات کے ظاہر سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اگر سچ بولنے پر نقصان ہو، جھوٹ بولنے میں فائدہ ہو تو تعریض کے انداز میں جھوٹ بولنے کی گنجائش ہوگی، لہٰذا اگر بچوں کی تعلیم کے لیے صحیح عمر بتانے پر کوئی بھی اسکول لینے کے لیے تیار نہ ہو اور بچہ کے تعلیمی

نقصان کا خطرہ ہو تو علامہ شامی کی عبارت سے ایسا لگ رہا ہے کہ جھوٹ کی گنجائش ہوگی، لیکن مشکل یہ ہے کہ فقہاء نے جہاں جھوٹ کی اجازت دی ہے، وہاں یہ شرط لگائی ہے کہ صریح جھوٹ نہ بولا جائے، تعریض کا انداز اختیار کیا جائے، اس لیے کہ عین کذب ہر حالت میں حرام ہے اور یہاں باقاعدہ ایڈمیشن فارم میں صراحت سے عمر لکھنی ہوتی ہے، گول مول بات کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے صراحتاً جھوٹ کی اجازت سمجھ میں نہیں آتی:

"قال الطحاوی وغیرہ: ھو محمول علی المعاریض، لأن عین الکذب حرام، قلت: وھو الحق......ویؤیدہ ما ورد عن علی و عمران بن حصین وغیرھما ان فی المعاریض لمندوحة عن الکذب وھو حدیث حسن لہ حکم الرفع" (شامی ۵/ ۳۰۳)۔

لہٰذا جھوٹ بولنے کے بجائے سرپرستوں کو چاہیے کہ اسکول میں داخل کرانا ہے تو اسکول کی طرف سے بچہ کی جو عمر مقرر کی گئی ہے، اسی میں داخلہ کرالے، کسی وجہ سے اس عمر میں داخلہ نہ کرا سکے تو ایسے اسکول میں داخل کرائے جہاں اس عمر کی شرط نہ ہو، یا سرکاری اسکول میں داخلہ کرادے، اس لیے کہ کھلم کھلا جھوٹ بولنے کی اجازت شرعاً نہیں ہوسکتی۔

۷- یونیفارم کے اصول وضوابط:

اصل جواب سے پہلے چند امور پر توجہ دینا ضروری ہے:

۱- بالغ مردوں کا واجب الستر بدن ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، اگرچہ اس میں فقہاء کا کچھ اختلاف ہے کہ ناف اور گھٹنے ستر میں داخل ہیں یا نہیں، لیکن احناف کے یہاں ناف ستر میں داخل نہیں ہے، جب کہ گھٹنے ستر میں داخل ہیں:

"وینظر الرجل من الرجل......سوی ما بین سرتہ الی ما تحت رکبتہ فالرکبة عورة لروایة الدار قطنی: ما تحت السرة الی الرکبة عورة.الخ" (شامی ۵/ ۲۵۸)۔

۲- عورتوں کا پورا جسم واجب الستر ہے، سوائے چہرے، ہتھیلیوں اور بعض روایات کے مطابق دونوں قدموں کے، بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ کا چھپانا بھی واجب ہے، حدیث شریف میں صراحت سے آیا ہے:

"**المرأة عورة**" (ترمذی، مشکوۃ، باب النظر الی المخطوبة) (عورت پوری کی پوری واجب الستر ہے)۔

فقہی کتابوں میں اس کی تفصیلی بحثیں موجود ہیں:

"وینظر من الأجنبیة ولو کافرة إلی وجھھا وکفیھا فقط، قیل والقدم.الخ" (شامی ۵/ ۲۶۱، ۱/ ۲۹۷-۲۹۸)۔

۳- بالکل چھوٹے بچوں کا جسم واجب الستر نہیں ہوتا، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اس کی تقدیر بعض علماء نے چار سال سے کی ہے، اور بعض نے بولنے کی عمر سے:

"وفی السراج: لا عورة للصغير جدا (قوله: لا عورة للصغير جدا)، وكذا الصغيرة، كما فی السراج......وفسره شيخنا بابن أربع فما دونها......وقدره فی الأصل قبل أن يتكلم"(شامی ۱/۳۰۰)۔

۴- پھر جب تک حدشہوت کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک عورت غلیظہ کو چھوڑ کر بقیہ جسم واجب الستر نہیں ہے، لیکن جیسا کہ او پر گذر چکا ہے کہ شہوت تک پہنچنے کی حد بندی میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک روایت دس کی ہے، ایک ۹ سال کی، ایک سات سال کی، اور زیادہ راجح یہ ہے کہ اس کی تحدید عمر سے نہیں کی جاسکتی، اس کا فیصلہ بچہ کو دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے، علامہ شامی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"واختلفوا فی تقدير حد الشهوة، فقيل سبع، وقيل تسع، وسيأتی فی باب الإمامة تصحيح عدم اعتباره بالسن، بل المعتبر أن تصلح للجماع، بأن تكون عبلة صخمة، وهذا هو المناسب اعتباره هنا فتدبر"(شامی ۱/۳۰۰، باب شروط الصلاۃ)۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ بچے اور بچیاں جب چار سال اور سات سال یا بقول بعض ۹ یا دس کے درمیان کے ہوں تو شرعاً اگر چہ ان کے لیے مکمل ستر واجب نہیں ہے، گنجائش موجود ہے، لیکن اسی عمر سے ان کے اندر شرم وحیاء اور شریعت اسلامیہ کے احکام اور اس کے تقاضوں کی روح پھونکنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا ابتداء ہی سے لڑکوں میں گھٹنے اور اس سے اوپر کے حصوں کو بند رکھنے کی عادت ڈالنا، نیز بچیوں میں پورے جسم کو ڈھانپنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے، البتہ جب تک وہ حد شہوت تک نہیں پہنچتے اس وقت تک اگر کسی اسکول میں اس کے خلاف کسی ضابطہ پر عمل کرنا پڑے تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

لیکن جب لڑکا اور لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائے تو اب لڑکی کا پورا جسم سوائے چہرے، ہتھیلی اور قدم کے واجب الستر ہو چکا ہے، اور لڑکے کے گھٹنے واجب الستر ہو چکے ہیں، لہٰذا اگر کوئی ادارہ ایسے غیر شرعی یونیفارم پر اصرار کرتا ہے جس میں اس شرعی حکم پر عمل نہیں کیا جاسکتا، تو بچوں کے سر پرستوں کی ذمہ داری ہے کہ کسی بھی طرح اسکول کی انتظامیہ کو شرعی حکم سمجھانے کی کوشش کریں، تعصب کے سبب اگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہو تو کسی ایسے ادارہ میں داخلہ دلائیں جہاں اس کا خیال رکھا جاتا ہو، اس کی خلاف ورزی کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ٹائی کا حکم:

جہاں تک ٹائی کا تعلق ہے تو اگر یونیفارم میں داخل ہو تو بچوں کو پہنا سکتے ہیں، اگر چہ بہتر نہیں ہے کہ اس کو پہنا جائے، مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"اسلام کی نظر میں یہ بات نہایت ناپسندیدہ ہے کہ مسلمان اپنی معاشرت اور وضع قطع میں غیر مسلموں کی معاشرت اختیار کریں، ٹائی بھی ایسی ہی چیزوں میں ہے"۔

پھر مفتی محمود صاحبؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے: ''ٹائی ایک وقت میں نصاری کا شعار تھا، اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاری بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، بہت سے صوم وصلاۃ کے پابند بھی استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہت سخت ہوگی، کہیں ہلکی، جہاں اس کا استعمال عام ہو جائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا'' (کتاب الفتاوی ۶/۹۶، فتاوی محمودیہ ۱۲/۴۰۷)۔

یونیفارم کس طرح کا مقرر کیا جائے:

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ یونیفارم ایسا ہونا چاہیے جو واجب الستر بدن کو ڈھانپنے والا ہو، واجب الستر بدن کی تفصیلات اوپر کی جاچکی ہیں، اس میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان فرق کیا گیا ہے، یہ فرق ملحوظ رکھا جائے، شہوت کی حد تک پہنچنے سے پہلے اگرچہ اس میں تخفیف کی کچھ گنجائش ہے، لیکن اگر کوئی ادارہ اسلامی طریقہ کے مطابق ڈریس مقرر کرنا چاہتا ہے تو صحیح طریقہ یہی ہوگا کہ اس حد تک پہنچنے سے پہلے ہی بچوں کو پورے ضوابط کا عادی بنائے، لڑکوں کا ایسا ڈریس ہو جس میں گھٹنے بند رہتے ہوں، اور لڑکیوں کا ایسا ڈریس ہو جس میں بال سمیت پورا جسم ڈھکا ہوا ہو، خواہ وہ حد شہوت تک نہ پہنچے ہوں، ٹائی کی اگرچہ گنجائش ہے، لیکن وہ بالکل بے ضرورت چیز ہے، اور کراہت سے خالی بھی نہیں ہے، اس لیے اس کو بھی نہ رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

لڑکوں کے لیے پٹھانی سوٹ، یعنی شلوار قمیص کو ڈریس بنایا جاسکتا ہے، کرتا پائجامہ یا کرتا اور ڈھیلا ڈھالا پینٹ، جس میں ٹخنوں کو کھلا رکھنے کا اہتمام ہو بھی اس مقصد کو پورا کرسکتے ہیں، لڑکیوں کے لیے شلوار، اوپری بدن ڈھانپنے کے لیے کوئی مناسب لباس، مثلاً: فراک، جمپر یا لیڈیز کرتا اور ساتھ میں اسکارف کو ڈریس بنایا جاسکتا ہے، ان سے واجب الستر حصے بھی ڈھک جائیں گے اور یہ لباس خوشنما بھی معلوم ہوں گے، لڑکوں کے لیے شرٹ اور پینٹ مقرر کیا جائے جیسا کہ عام طور سے رواج ہے تو اس سے جسم ڈھک جاتا ہے، لیکن اعضاء کی ساخت ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کراہت سے خالی نہیں ہے۔

جب غیر اسلامی ڈریس لازم ہو:

مرد وعورت کے لیے جسم کے جن حصوں کو واجب الستر قرار دیا گیا ہے، ان کو ضرورت شدیدہ کے بغیر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے، نہ خلوت میں نہ جلوت میں، ضرورت شدیدہ کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کی حاجت ہو، یا ولادت کا مسئلہ درپیش ہو، یا کوئی بیماری ہو تو یہ اعضاء کھولے جاسکتے ہیں۔

''الا لفرض صحیح) کتغوط واستنجاء'' (شامی ۱/۲۹۷)۔

''ویجوز النظر إلی الفرج للخاتن وللقابلة وللطبیب عند المعالجة ویغض بصره ما استطاع'' (ہندیہ ۵/۳۳۰، شامی ۵/۲۶۱)۔

لہٰذا اگر اسکول میں لڑکوں کا یونیفارم ایسا ہو جس میں گھٹنا کھولنا پڑتا ہو، یا لڑکیوں کو بال یا جسم کا کوئی حصہ کھولنا پڑتا ہو تو

سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے اسکولوں میں بچوں کا داخلہ نہ کرائیں، دوسرا اسکول دیکھے جس میں یہ خرابی نہ ہو، دوسرا اسکول نہ ملے تو اسکول انتظامیہ سے بات کرے اور شرعی مجبوری بیان کرے، مان جائے تو داخلہ کرادے ورنہ بچہ بڑا ہو چکا ہے تو کسی بھی صورت میں وہاں داخلہ کرانا جائز نہیں ہوگا:

''ایسے نرسری اسکولوں میں انگریزوں کا مخصوص لباس نیکر قمیص اور اسکرٹ اور ٹائی پہنا کر بھیجنا شرعاً ممنوع ہے، اس کا گناہ والدین کو ہوگا'' (کتاب النوازل ۱۵/ ۷ ۳۳)۔

۸-اسکول کی مختلف فیسوں کا حکم:

ان میں سے بعض فیسیں تو خدمات کا عوض ہیں، جیسے ٹرانسپورٹ فیس اس لیے لی جاتی ہے کہ طلباء کو لانے لے جانے کے لیے ادارہ گاڑی مہیا کرتا ہے، اس گاڑی کو چلانے کے لیے تیل اور ڈرائیور کا خرچ ادارہ کو دینا پڑتا ہے، لہٰذا اس کے لیے جو فیس لی جاتی ہے وہ باب الاجارہ سے تعلق رکھتی ہے، جس کے وصول کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اسی طرح ماہانہ فیس بھی حق الخدمت ہے، پرائیویٹ اداروں کو ٹیچروں کی تنخواہ دینی ہوتی ہے، ظاہر ہے اگر کچھ وصول نہ کیا جائے تو ادارہ چلانا ناممکن ہے، مطبخ فیس اقامتی اداروں میں لی جاتی ہے، یہ فیس بھی کھانے کا عوض ہے، اور اس کا تعلق باب البیع سے ہے، امتحان فیس بھی مختلف مصارف اور خدمات کا عوض ہے، اس کا تعلق بھی باب البیع والاجارہ سے ہے، ان فیسوں کو اگر حد میں رکھا جائے تو جواز میں کوئی کلام نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان کا تعلق اجارہ یا بیع سے ہے۔

جہاں تک داخلہ فیس کا تعلق ہے تو اس کا تعلق بھی باب الاجارہ سے ہے، اس لیے کہ طلباء کا نام فائلوں میں درج کرنا ہوتا ہے رجسٹر اور کمپیوٹر پر چڑھانا ہوتا ہے، یہ سب چیزیں خدمت ہی کے دائرہ میں آتی ہیں اور ان کا مناسب معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

لیکن داخلہ فیس کو ڈونیشن کے نام سے آج کل بہت زیادہ بڑھا دینے کا جو رجحان پیدا ہو گیا ہے، یہ محل نظر ہے، اس لیے کہ شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ بغیر عوض کچھ لیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُم﴾ (النساء: ۲۹)۔

یہی وجہ ہے کہ انکم ٹیکس کو ناجائز قرار دیا گیا، اکثر علماء نے تعزیر مالی کو ناجائز قرار دیا ہے، تو جبری ڈونیشن (عطیہ) کیسے جائز ہو سکتا ہے، مفتی عبد الرحیم لاجپوری فرماتے ہیں:

''داخلہ کے لیے اسکول والوں کا ڈونیشن کے نام سے رقم کا مطالبہ کرنا ہی صحیح نہیں ہے، یہ ڈونیشن نہیں ہے رشوت ہے'' (فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۷۳)۔

جہاں تک تعلیم کو خدمت کے بجائے تجارت بنا لینے کا تعلق ہے، تو یہ مرض تعلیم کے ساتھ ساتھ طب اور خدمات کے کئی

دوسرے معزز شعبوں میں بھی سرایت کر گیا ہے، یہ اسلامی نقطہ نظر سے بھی ظلم یعنی "وضع الشئ فی غیر محله" ہے، اور انسانی نقطہ نظر سے بھی نہایت قبیح اور ننگ انسانیت فعل ہے۔

۹- طالب علم سے غیر حاضری کے زمانہ کی فیس لینا:

طالب علم پر کلاس روم یا ادارہ کی گاڑی سے استفادہ کے عوض جو ماہانہ فیس مقرر کی جاتی ہے، یہ ایک طرح کا عقد اجارہ ہے، اور عقد اجارہ کا ضابطہ یہ ہے کہ موجر جب محل اجارہ کو استفادہ کے لیے پیش کر دے گا تو خواہ مستاجر اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے اس کو متعین اجرت دینی پڑے گی، البتہ اگر کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہو تو جب تک انتفاع نہ پایا جائے اجرت واجب نہ ہوگی، شامی میں ہے:

"(قوله أو تمكنه منه) في الهداية: وإذا قبض المستاجر الدار فعليه الأجرة، وإن لم يسكن، قال في النهاية: وهذه مقيدة بقيود: أحدها: التمكن، فان منعه المالك أو الأجنبي أو مسلم الدار مشغولة بمتاعه لا تجب الأجرة، والثاني أن تكون صحيحة فلو فاسدة، فلا بد من حقيقة الانتفاع .الخ" (شامی ۵/۷-۸، کتاب الاجارۃ، ہندیہ ۴/ ۱۱۳، کتاب الاجارۃ)۔

اس عبارت سے صاف ہو گیا کہ ادارے کی انتظامیہ کو غیر حاضر طالب علم سے فیس لینا جائز ہے، اس لیے کہ انتظامیہ نے طالب علم کو کلاس میں بیٹھنے اور استفادہ کرنے کی سہولت دے دی، تو اب وہ خواہ غیر حاضری ہی کیوں نہ کرے اسے مکمل فیس دینی ہوگی، اس لیے کہ موجر نے اس کے لیے جگہ چھوڑ دی، کسی دوسرے کو نہیں دی، جب کہ کلاس میں استفادہ کرنے والوں کی تعداد محدود رکھی جاتی ہے، اب اگر اس کے فائدہ نہ اٹھانے کی بنیاد پر ادارہ کو فیس کی معافی پر مجبور کیا جائے تو اس میں اس کا نقصان ہوگا، ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی اجیر خاص کو رکھے، اس سے کوئی کام نہ لے، اور کام نہ لینے کی بنیاد پر اجرت نہ دے۔ "فتاوی بزازیہ" میں ہے:

"وعن محمد استأجره ليعلم ولده حرفة، إن بين المدة جاز، وينعقد العقد على تسليم نفسه في المدة علم أو لم يعلم" (بزازیہ علی الہندیہ ۵/۳۸)۔

۱۰- عصری مدارس کے طلباء پر زکاۃ کی رقم صرف کرنا:

قرآن مجید میں زکاۃ کے مصارف تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں، ان مصارف میں فقیر اور مسکین سرفہرست ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ﴾ (سورۂ توبہ ۶۰)۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان شخص غریب اور مستحق زکوۃ ہے تو اس پر زکوۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے، اس حکم میں اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بھی شامل ہیں، حدیث شریف میں صراحت کی گئی ہے کہ زکوۃ مالداروں سے لی جائے گی اور ناداروں پر صرف کی جائے گی، فقہی کتابوں میں وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مقدار میں مال ہو اور مسکین وہ

ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو:

"**ثم هو فقير وهو من له أدنى شئ أى دون نصاب أو قدر نصاب غير نام متفرق فى الحاجة ومسكين من لا شئ له**" (شامی ۲/ ۶۴)۔

لیکن یہ جواز اس وقت ہے جب ایسے عصری علوم حاصل کر رہا ہو جس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچنے کی امید ہو، ورنہ اگر کسی ایسے ادارہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے جس میں اس کی ذہن سازی اسلام کے خلاف اور باطل کی تقویت کے لیے کی جا رہی ہو تو اس کے لیے وہاں تعلیم حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور اس کی کسی بھی طرح کی مدد کرنا تعاون علی الاثم اور ناجائز ہے، خواہ وہ زکاۃ سے کی جائے یا عطیات سے۔

۱۱- اسکولوں میں مشرکانہ اعمال:

اسلام کی پوری دعوت ہی توحید پر مرکوز ہے، شرک کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ اتنی واضح بات ہے کہ نہ تو تفصیلات کرنے کی ضرورت ہے، نہ کتاب وسنت سے دلائل لانے کی، اور یہ جو چیزیں بیان کی گئی ہیں یہ کھلم کھلا مشرکانہ اعمال ہیں، ایک مسلمان کے لیے سب سے اہم چیز اس کا دین وایمان ہے، قرآن مجید میں اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿**وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ**﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۰۲)۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿**أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاء إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُواْ نَعْبُدُ إِلَـهَكَ وَإِلَـهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَـهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ**﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۳۳)۔

مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ خود اپنی اور اہل وعیال کی آخرت کی کامیابی کو یقینی بنائیں:

﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُم**﴾ (سورۂ تحریم: ۶)۔

بلاشبہ عصری علوم کا حصول وقت کی ضرورت ہے، سوال (۱) کے تحت اس کی بحث کی جا چکی ہے، لیکن ایک مسلمان کے لیے اس سے بھی زیادہ اہمیت والی چیز ایمان وعقیدہ کی سلامتی ہے، عصری علوم کو ان کی سلامتی کی قیمت پر حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور جن چیزوں کا نام لیا گیا ہے محققین نے ان کو مشرکانہ قرار دیا ہے، چنانچہ "وندے ماترم" کے بارے میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"یہ سنسکرت زبان کا فقرہ ہے، اور اس کے معنی یہ ہے کہ میں اپنے مادر وطن کا پرستار ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں" (جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۷۴)۔

یوگا اگر صرف جسمانی ورزش پر مشتمل ہو تو وہ صرف جسمانی ورزش کا ایک ذریعہ ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس

کے بعض آسنوں میں منھ سے ''اوم'' کی آواز نکالی جاتی ہے، ظاہر ہے یہ جائز نہیں ہوسکتا، سوریہ نمسکار کی حقیقت سے میں واقف نہیں ہوں، لیکن اس کا لفظ خود بتارہا ہے کہ یہ خالص شرکیہ فعل ہے، اور سورج کی عبادت کے مترادف ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر کے سامنے دعا کرنا بھی خالصتاً مشرکانہ فعل ہے، یہ چیزیں اتنی واضح ہیں کہ ان کے لیے دلائل کی بھی ضرورت نہیں، اس پر جبر وہی حکومتیں کرسکتی ہیں جو خاص مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنی فکر، تہذیب اور فلسفہ دوسروں پر تھوپنا چاہتی ہوں، اس تمہید کے بعد سوالات کے جواب مندرجہ ذیل ہیں:

الف: جن سرکاری اسکولوں میں جبری طور پر یہ اعمال کرائے جاتے ہوں ان میں بچوں کا داخلہ کرانا جائز نہیں ہے، اگر داخلہ کرالیا ہوتو بچہ کو فوراً نکال لیا جائے، اور کسی محفوظ ادارہ میں داخلہ دلایا جائے، اس لیے کہ حالت اکراہ میں اگر چہ کفریہ کلمات کے ادائیگی کی اجازت ہے، لیکن عزیمت اس صورت میں بھی اسی میں ہے کہ کفریہ کلمات نہ نکالے جائیں:

﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيْمَان﴾

اور اس مسئلہ میں بھی اکراہ کی نوبت میرے علم کے مطابق نہیں آئی ہے، اس لیے کہ اکراہ یہ ہے کہ نہ کرنے پر جان لینے، عضو تلف کردینے یا قید وغیرہ کردینے کی دھمکی دی جارہی ہو، اور یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اسکول سے نکال دیا جائے گا:

''هو (الإكراه) لغة حمل الإنسان على شئ يكرهه وشرعا فعل يوجد من المكره'' (شامی ۵/ ۸۸)۔

''وإن أكره على الكفر. الخ'' (أیضا ص: ۹۳ کتاب الاکراہ)۔

ب: جن سرکاری اسکولوں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جاتی ہے وہاں بھی بچوں کا ایڈمیشن کرانا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ یہ افعال دیکھ کر بچوں کے دلوں سے ان کی شناعت کم ہوجائے گی، اور نوعمری کے سبب ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن شرکت کر ڈالے اور اس میں برائی نہ سمجھ پائے۔

پھر بھی اگر کہیں ایسا ہو کہ دوسرے اسکول موجود نہ ہوں، صرف اسی طرح کا اسکول ہو، تو اس میں اس شرط کے ساتھ داخلہ کرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بچہ کو اچھی طرح سمجھا دے کہ اس طرح کے اعمال میں شرکت نہیں کرنی ہے، انتظامیہ سے بھی صراحت سے کہہ دے کہ میرے بچوں کو ان اعمال سے دور رکھا جائے، اور گاہے گاہے جائزہ بھی لیتا رہے کہ کہیں اس کے بچہ کو ان اعمال میں تو شریک نہیں کیا جارہا ہے۔

اور اگر متبادل اسکول موجود ہوں جن میں یہ اعمال نہیں ہوتے تو پھر بچوں کو ایسے اسکولوں سے دور رکھے اور ان متبادل اسکولوں میں بھی داخلہ کرائے۔

(ج): ہم نے اوپر وضاحت کی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ایمان وعقیدہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، للهذا اس طرح کی صورت حال میں مندرجہ ذیل کام کرنے چاہیے:

۱-انتظامیہ کو اپنا نقطہ نظر سمجھانے کی کوشش کرے، اور صاف کہہ دے کہ ہمارے لیے ان چیزوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس کو ہٹایا جائے یا کم از کم ہمارے بچوں کو ان اعمال سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

۲-اگر انتظامیہ نہ مانے (جس کا موجودہ ماحول میں زیادہ امکان ہے) تو مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اپنا اسکول قائم کریں، جس کو ان مشرکانہ افعال سے پاک رکھیں۔

۳-اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بچہ کو عصری تعلیم دلانے کے بجائے کسی مدرسہ میں بھیج کر دینی تعلیم دلائی جائے، عصری تعلیم وقت کی ضرورت ہے، میں اس کا بھرپور مؤید ہوں، لیکن ایسی عصری تعلیم کے مقابلہ میں تو جاہل رہنا بھی گوارہ کیا جاسکتا ہے جو دین و ایمان پر سیدھے ڈاکہ ڈال دے اور ہماری شناخت ہی ختم کردے۔

(د): اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو (ب) میں گزر چکا ہے۔

(ھ): اوپر کی تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ اس صورت میں کسی بھی طرح اس کی گنجائش نہیں ہوگی۔

(و): نہ تو تمام بچوں کے لیے یہ سب کرانے کی گنجائش ہوگی، نہ صرف غیر مسلم بچوں کے لیے کرانے کی گنجائش ہوگی، ترقی ان افعال کے کرانے سے نہیں ہوسکتی، اسکول کا تعلیمی معیار بلند کرنے سے ہوگی، اگر تعلیمی معیار بلند ہو تو خود بخود رجوع عام ہوگا، اگر معیار اچھا نہ ہو تو خواہ پوجا پاٹ کا بھی انتظام کرادیں ترقی نہیں ہوسکتی، لوگ ایڈمیشن اچھی تعلیم کے لیے کراتے ہیں، پوجا پاٹ کے لیے نہیں۔

۱۲-جنسی تعلیم کا مسئلہ:

اس مسئلہ کے بارے میں فقہ اکیڈمی نے اپنے سترہویں سیمینار میں بحث کی تھی، اور اس کے بارے میں مندرجہ ذیل تجویز منظور کی تھی:

”۱-پرائمری اور مڈل سطح سے طلباء اور طالبات کو جنسی تعلیم دینا، اور انہیں صنفی اعضاء کے وظائف کے بارے میں بتانا در اصل مغربی ایجنڈہ ہے، جسے حکومت ہند نے قبول کرلیا ہے، یہ نہ صرف یہ کہ اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے، بلکہ خود ہندو ملکی روایات اور مشرقی اقدار کے بھی خلاف ہے، اور حکومت کو ایسی باتوں سے باز رہنا چاہیے کہ ورنہ اس کے اخلاقی اثرات نہایت نامناسب ہوں گے“۔

”۲-دراصل ضرورت اخلاقی تعلیم و تربیت کی ہے جو نوجوانوں کو غیر قانونی روابط اور جنسی انحراف سے بچائے، ایڈز اور اس جیسی بیماریوں سے بچانے کا صحیح طریقہ اخلاقی تعلیم اور غیر شرعی تعلق سے مردوں اور عورتوں کو بچانا ہے، نہ کہ غیر قانونی تعلیمات کو محفوظ طریقہ پر انجام دینا، یہ تو گناہ اور برائی کی دعوت ہے، جو اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً جائز نہیں، نیز یہ سماج کے لیے اخلاقی اور صحت دونوں ہی اعتبار سے تباہ کن ہے“ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کا فیصلہ: ۱۱۵-۱۶۶)۔

اس لیے اگر حکومت لازم کردے تو ہمیں اس بے حیائی کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے، اگر کامیابی مل جائے تو بہت خوب، ورنہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو چاہیے کہ جدید طرز پر قریب البلوغ اور بالغ بچوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیاوی مضرتوں کو واضح کرنے والی کتاب تیار کریں اور مسلمان اپنے اداروں میں اسے داخل نصاب کریں اور جہاں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے نہ ہوں، اور مجبوراً ایسے اداروں میں بچوں کو داخل کرنا پڑے جہاں مغربی طرز کی جنسی تعلیم دی جاتی ہے، تو وہاں سرپرست بچوں کو یہ کتاب مطالعہ کرانے کا اہتمام کریں، کتاب کی زبان بھی ایسی رکھی جائے جس کو استاد کی مدد کے بغیر بھی بچے آسانی سے سمجھ سکیں، اس طرح انشاء اللہ معصوم ذہن اس مغربی گندگی کی مضرتوں سے ایک حد تک محفوظ رہ سکیں گے اور یہ کتاب اس زہر کا تریاق ثابت ہوگی۔

۱۳-عصری اسکولوں کی تفریحی سرگرمیوں کا حکم:

سوال (۴) کے جواب میں اس پر بحث کی جا چکی ہے اور صراحت سے بتایا گیا ہے کہ شرعاً مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے، اس کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے، سخت ناگزیر حالات ہی میں کبار علماء نے ایسے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔

یہ گنجائش علماء نے تعلیم کی ضرورت کے تحت بیان کی ہے، ظاہر ہے تفریحی امور کسی بھی طرح ضرورت کے تحت نہیں آسکتے، لہٰذا مسلم انتظامیہ کے لیے مخلوط طور پر ان کا انتظام کرانا ناجائز ہے، اگر ان امور کی ضرورت ہو تو دونوں صنفوں کے لیے الگ الگ جگہوں پر یا الگ الگ اوقات میں اس کا نظم کرایا جا سکتا ہے (بشرطیکہ یہ تفریحی امور فی ذاتہ جائز ہوں)۔

اور اگر بچیوں کے لیے پکنک کا انتظام کرنا ہو تو یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ مسافت مدت سفر (۲۴۸/۷۷) کے اندر ہی کا پروگرام بنایا جائے، اس لیے کہ مسافت سفر کا سفر کرنے کے لیے خواتین کے لیے محارم کی موجودگی ضروری ہوتی ہے، حدیث شریف میں صراحت سے یہ حکم وارد ہوا ہے۔

نیز تفریحی امور میں صنفی اور جنسی فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے، لڑکوں والی تفریحات سے ان کو دور رکھا جائے ورنہ مردوں کی مشابہت ہوگی جس سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، اور اس طرح کی تفریحات بچیوں کے لیے مضر بھی ہو سکتی ہیں۔

۱۴-اسکول کے پروگراموں میں طلباء وطالبات کی شرکت:

اگر طالبات کے لیے الگ اسکول ہیں، اور پروگرام میں صرف طالبات اور خواتین اساتذہ رہتی ہیں، تو ان کے درمیان تقریری پروگرام اور سادہ مکالمات میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بلکہ اس سے ان طالبات کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا، رہے وہ پروگرام جن کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، جیسے ڈانس یا بے ہودہ ڈرامے وغیرہ تو ان کی اجازت اس حالت میں بھی نہیں دی جاسکتی، ہاں شرعی حدود میں رہتے ہوئے تمثیلی مکالمات کے انداز میں ڈرامے پیش کیے جاسکتے ہیں (محمود الفتاوی ۱۶۶/۳)۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے: "قال رحمه الله: السماع والقول والرقص الذی یفعله المتصوفة فی زماننا

حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء والمزامير سواء" (فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۵۲)۔

اور" شامی" میں ہے:"**(قوله وكره كل لهو)......والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماع كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فانها كلها مكروهة لانهازى الكفار**"(شامی ۵/ ۲۷۹)۔

اور اگر مخلوط اسکول ہے تو اس کے بارے میں (۴) پر بحث ہو چکی ہے، وہاں تقریری پروگرام اور سادہ مکالمات میں بھی طالبات کا حصہ لینا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ نامحرموں کے سامنے آنا پڑے گا، اور اگر پردہ کے اہتمام کے ساتھ آئیں تب بھی آواز سنائی دے گی، آواز صحیح قول کے مطابق اگرچہ عورۃ یعنی واجب الستر نہیں ہے، مردوں سے ضروری بات کی جاسکتی ہے، لیکن اچھی آواز بنا کر پیش کرنا جو مردوں کو مائل کرنے والی ہو جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت کی اذان مکروہ قرار دی گئی، علامہ شامی فرماتے ہیں:

"**وصوتها على الراجح (قوله وصوتها) معطوف على المستثنى يعنى انه ليس بعورة (قوله على الراجح) (الى) ومن هذا لم يجز ان توذن المرأة**"(شامی ۱/ ۲۹۹، باب شروط الصلاۃ)۔

فقہ اکیڈمی کی ایک تجویز میں ہے:

"۱۰- اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لیے مکالمات اسٹیج کیے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں موسیقی یا کسی کی کردارکشی یا مرد وزن کا اختلاط یا انبیاء اور صحابہ کی تمثیل نہ ہو، نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہو" (فقہ اکیڈمی کے فیصلے:۲۴۶)۔

۱۵- تدریس میں تصویر سے مدد لینا:

احادیث میں جاندار کی تصویر بنانے رکھنے اور دیکھنے کی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں پر ہوگا:

"**عن عبد الله بن مسعودؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: أشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون**" (متفق علیہ، مشکاۃ، باب التصاویر، ص:۳۸۵)۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ ہر تصویر میں جان ڈال دی جائے گی، اور وہ جہنم میں اس کو عذاب دے گی، پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: تصویر بنانی ہی ہو تو درختوں اور غیر جاندار چیزوں کی بناؤ۔

"**عن ابن عباس قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: كل مصور فى النار، يجعل له بكل صورة صورها نفسا فيعذبه فى جهنم، قال ابن عباس: فان كنت لا بد فاعلا، فاصنع الشجر ومالا روح فيه**" (متفق علیہ، مشکاۃ باب التصاویر، ص:۳۸۵)۔

علامہ نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''یہ اس شخص پر محمول ہے جو بت بنائے اور اس کی پوجا کرے تو اس کو سخت عذاب ہوگا، اس لیے کہ وہ کافر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو اللہ کی صفت خلق سے مشابہت کرے اور اس کا اعتقاد رکھے وہ بھی کافر ہے، اور اس کا عذاب بھی سخت ہے، جو اس کا ارادہ نہ کرے وہ فاسق ہے اور وہ کافر نہیں ہے، جیسے کہ دوسرے گناہوں پر ہوتا ہے:

''**وهذا محمول على من صور الأصنام**'' (حاشیہ مشکاۃ، ص: ۳۸۵)۔

البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت دراصل مجسمہ بنانے کی ہے جس کو سایہ دار تصویر سے تعبیر کیا جاتا ہے، کپڑے یا کاغذ پر تصویر بنائی جائے تو حرام نہیں ہے، چنانچہ ایک حدیث میں استثناء کرکے بتایا گیا:

''**الا ما كان رقما فی ثوب**'' (وہ تصویر جائز ہے جو کپڑے پر نقش ہو) (سنن ترمذی، باب ما جاء فی الصورۃ عن أبی طلحۃ وسہل بن حنیف وفی فقہ السنۃ: رواہ الخمسۃ ۲/ ۵۹)۔

اسی لیے امام مالک کی طرف یہی قول منسوب کیا گیا ہے اور موجودہ دور کے بہت سے عرب علماء بھی اسی کے قائل ہیں، ان کی نمائندگی کرتے ہوئے سید سابق لکھتے ہیں:

''**أما الصور التی لا ظل لها كالنقوش فی الحوائط على الورق والصور التی توجد فی الملابس والستور والصور الفوتوغرافية فهذه كلها جائزة**'' (فقہ السنۃ ۲/ ۵۸)۔

سید سابق نے امام طحاوی کی ایک عبارت نقل کی ہے جس سے بظاہر متضاد نظر آنے والی احادیث میں تطبیق ہوجاتی ہے اور تحریم کی اصل حکمت کا اشارہ مل جاتا ہے:

''ابتداء میں شارع نے تمام تصویروں کی ممانعت کی، خواہ وہ نقش ہی کے طور پر ہو، اس لیے کہ تصویروں کی پوجا سے ان کا زمانہ قریب تھا، لہٰذا تمام تصویروں سے روکا گیا، پھر جب اس کی ممانعت ثابت ہوگئی تو جو کپڑے میں منقوش ہو اس کو کپڑے بنانے کی ضرورت سے مباح کردیا اور جو تحقیر کے ساتھ ہو اس کو بھی مباح کردیا، اس لیے کہ جو تحقیر کے ساتھ ہو اس کی جاہل کے ذریعہ تعظیم سے اطمینان تھا، اور جو تحقیر کے ساتھ نہ ہوا ان کی ممانعت باقی رہی'' (فقہ السنہ ۲/ ۵۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے تصویر کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، اخیر میں اس بحث کا خلاصہ چند نکات میں تحریر کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ذی روح کے مجسمے بنانا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے۔

پھر نمبر چار پر ہے: عام تصویر جن میں احترام یا عبادت اور پرستش مقصود نہ ہو بھی ناجائز ہی ہیں جیسا کہ عام علماء ہند و پاک کا مسلک ہے، البتہ یہ مسلک اجتہادی اور مختلف فیہ ہے، اور سلف وخلف کا اس پر اتفاق نہیں ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کی ہوئی تفصیلات،

اور ہمارے زمانہ کے عام علماء عرب اور ہندو پاک میں بھی بعض ثقہ اور مستند علماء کرام کے تعامل سے واضح ہوتا ہے" (جدید فقہی مسائل ۱/ ۳۵۸)۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ نصابی کتابوں میں غیر جاندار کی تصاویر ہیں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر جاندار کی تصاویر ہیں، لیکن ان کے چہرے مٹا دیے گئے ہیں، کان، ناک، آنکھ وغیرہ سے عاری کر دیے گئے ہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے:

"ولا يكره لو كانت تحت قدميه (الى) أو صغيرة لا تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما وهى على الأرض، ذكره الحلبى أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه أو بغير ذى روح لا يكره؛ لأنها لا تعبد" (شامی ۱/ ۴۸۰، باب مایفسد الصلاۃ)۔

اور اگر واضح تصاویر ہیں، چہرے مٹائے نہیں گئے ہیں تو ہندوستان کے عام اصحاب افتاء کے نزدیک اس طرح کے فوٹو ممنوع ہیں، لہٰذا نصابی کتابوں میں بھی ان کا رکھنا صحیح نہیں ہے، البتہ تصویریں اگر ایسی جاندار چیزوں کی ہوں جن کی عبادت کا شائبہ نہیں ہوتا تو علماء عرب کے نزدیک ان کی گنجائش ہے، چونکہ مسئلہ اجتہادی ہے، اور ابتدا ہی سے امام مالک کے نزدیک غیر سایہ دار تصویر کی گنجائش رہی ہے، لہٰذا اگر عمدہ نصابی کتاب ہے تو تعلیمی ضروریات کے تحت اس کا نصاب میں داخل کرنا جائز ہوگا، جس طرح نوٹ اور کئی اشیاء میں تصویر کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اس میں بھی نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوگی۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان کی نصابی کتابوں میں بعض ایسی شخصیات کی تصویریں ہوتی ہیں جن کی برادران وطن پوجا کرتے ہیں، اس جواز میں ان کتابوں کا شامل کرنا محل نظر ہے۔

ڈیجیٹل تصویر کا حکم:

جہاں تک ڈیجیٹل تصویر کا تعلق ہے تو بعض محققین نے اس کو دوسری تصویروں کے حکم سے الگ رکھا ہے، مولانا تقی عثمانی صاحب ایک طویل بحث کے بعد اخیر میں لکھتے ہیں:

"تیسری قسم وہ ہے جو ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دکھائی جاتی ہے، یعنی ایک تقریر اور اس کی تصاویر کے ذرات کو لے کر محفوظ کرلیا، اور پھر ان ذرات کو اسی ترتیب سے چھوڑا تو پھر وہی منظر اور تصویر آنے لگی، میرے نزدیک اس کو بھی تصویر کہنا مشکل ہے، اس لیے کہ جو چیز ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہوئی ہے، وہ صورت نہیں ہوتی، بلکہ برقی ذرات ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ویڈیو کیسٹ کی ریل کو خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں تصویر نظر نہیں آئے گی، اس لیے میرا رجحان اس طرف ہے کہ...... یہ تصویر کے حکم میں نہیں آتیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا صحیح پروگرام پیش کیا جا رہا ہو جو فی نفسہ جائز ہو...... تو اس کا دیکھنا جائز ہوگا" (درس ترمذی ۵/ ۳۵۲)۔

اور مولانا اسماعیل کچھولوی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"تصویر کھینچنا ناجائز ہے، اور اس میں گناہ کبیرہ ہے، البتہ موبائل میں ڈیجیٹل طریقہ پر تصویر کھینچی جاتی ہے، اس میں تصویر

نہیں بنتی، اس لیے گناہ نہیں ہوگا'' (فتاوی دینیہ ۵/۱۶۷)۔

ان تفاصیل سے واضح ہوا کہ تعلیمی مقاصد حاصل کرنے کے لیے بدرجہ اولی ڈیجیٹل تصویر سے مدد لی جاسکتی ہے۔

مجسموں کا حکم:

اوپر کی تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ سب سے زیادہ قباحت مجسموں ہی میں ہوتی ہے، لہٰذا اگر یہ واضح مجسمے ہوں تو ان کی شرعاً اجازت نہیں ہوگی، البتہ اگر چہرہ بگاڑ دیا جائے تو ان کی گنجائش ہوسکتی ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت کی جاچکی ہے۔

۱۶-طالبات کو سلائی کڑھائی وغیرہ سکھانا:

تعلیمی اداروں کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ معاشرہ کو اچھا شہری مہیا کرائیں اور ایسے افراد تیار کریں جو ملک وملت کے لیے مفید ثابت ہوں۔

اور یہ بات ناقابل تردید ہے کہ اگر فطرت سلیمہ مسخ نہ ہوگئی ہو، معاشرہ اسی فطرت پر ہو جس پر اللہ نے اس کو پیدا فرمایا ہے تو تقسیم کار یہی ہے کہ امور خانہ داری صنف نازک کے کندھوں پر ہوتے ہیں، حدیث شریف میں اس کی اسی حیثیت کے پیش نظر فرمایا کہ عورت گھریلو امور کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

''**عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ......:والمرأة راعية على بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم**'' (بخاری، کتاب النکاح، باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجها (۵۲۰۰) مشکوۃ، کتاب الامارۃ والقضاء عنهما ص: ۳۳۰)۔

جب یہ طے ہے کہ عورت کو عمومی حالات میں گھریلو امور کو سنبھالنا ہے، اور فطری طور پر عورت ان امور میں دلچسپی بھی رکھتی ہے، تو طالبات کے لیے بلاشبہ ایک مضمون ان امور سے متعلق ہونا چاہیے جو عملی زندگی میں ان کے کام آنے والا ہے، اس مضمون میں سب سے زیادہ توجہ بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کے اصولوں کے سکھانے پر دی جائے، گھر چلانے کے کامیاب طریقے بتائے جائیں، ساتھ ہی میں سلائی کڑھائی اور کھانا پکانے کے طریقے عملی طور پر سکھائے جائیں، چونکہ ان امور سے کامیاب ازدواجی زندگی میں مدد ملے گی، اور بحیثیت ایک ماں کے مستقبل میں وہ بچوں کو صحیح تربیت دینے کے لائق بن سکے گی، اس لیے اس مضمون کا رکھنا شرعاً مستحب قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۷-ضروری دینی تعلیم کی حد:

بچوں کو اتنی دینی تعلیم دینا ضروری ہے جس کا حاصل کرنا شرعاً فرض عین ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

''**عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: طلب العلم فريضة على كل مسلم**'' (ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم)۔

یہاں جس علم کو فرض عین قرار دیا گیا ہے، اس سے کون سا علم مراد ہے؟ امام غزالی فرماتے ہیں:

''اس کے بارے میں ۲۰ سے زیادہ اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ عقیدۂ توحید، نیز نماز، روزہ اور زکوۃ جیسے فرائض کا جاننا فرض عین ہے''۔

''واختلف الناس فی العلم الذی ھو فرض علی کل مسلم......'' (احیاء العلوم ۱/ ۲۵، مظاہر حق ۱/ ۹۶-۹۷)۔

اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں علم سے مراد وہ ہے جس کے حصول کے بغیر چارہ کار نہ ہو، جیسے خالق کی معرفت، اس کی وحدانیت، اس کے رسول کی نبوت اور نماز کی کیفیت کا علم، اس لیے کہ اتنے کا سیکھنا فرض عین ہے۔

''قال الشراح: المراد بالعلم ما لا مندوحة.الخ'' (مرقاۃ ۱/ ۴۳۴، نیز دیکھئے: ہندیہ ۵/ ۳۷۷)۔

اور عملی طور پر ضروری علم دین اس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا ناظرہ ختم کرادیا جائے، درجہ اول سے ۵ تک ۳۰ پاروں کو تقسیم کردیا جائے، ضروری سورتیں یاد کرادی جائیں اور کوئی ایک ایسی کتاب پڑھا دی جائے جس میں عقائد اور ارکان اسلام کی جانکاری دی گئی ہو، جیسے مفتی کفایت اللہ صاحب کی ''تعلیم الاسلام'' یا مولانا عبدالحی صاحب کی ''اسلام کی تعلیم'' تو انشاء اللہ بچہ کو دین کا اتنا علم حاصل ہوجائے گا جس کو علماء نے فرض عین قرار دیا ہے۔

۱۸-جنس مخالف کا بطور ٹیچر تقرر:

اصل تو یہی ہے کہ طلباء کے لیے مرد استاد اور طالبات کے لیے خاتون استاد کا بندوبست کیا جائے، صرف تنخواہ کے مصارف بچانے کے لیے جنس مخالف کا ٹیچر نہ مقرر کیا جائے، لیکن جب اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو طالبات کے لیے مرد استاد کی خدمات ان شرائط کے ساتھ لی جاسکتی ہیں کہ پردہ کا پورا خیال رکھا جائے، درمیان میں دیوار وغیرہ کے ذریعہ حائل بنادیا جائے جیسا کہ مدارس البنات میں کیا جاتا ہے، اور بہتر یہ ہوگا کہ حتی الامکان معمر ٹیچر لانے کی کوشش کی جائے۔

اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر لڑکیوں کو اس کا پابند کیا جائے کہ برقع میں رہیں، چہرہ بند رکھیں، نیز کسی بھی صورت میں کسی لڑکی کے ساتھ استاد کی تنہائی نہ ہونے پائے، اس لیے کہ احادیث میں صاف فرمایا گیا کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، یہاں مراد نامحرم مرد ہے، اور استاد بھی نامحرم ہوتا ہے، مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں:

''اگر استاد غیر محرم ہو، تو اس کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو دوسرے غیر محرموں کے لیے ہیں، اس لیے مدارس میں تو استاد اور طالبات کے درمیان دیوار یا گاڑھے کپڑے کی آڑ کا نظم ہونا چاہیے......ورنہ لڑکی کم سے کم نقاب پہن کر آئے اور استاد کے ساتھ اس کی تنہائی نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے'' (کتاب الفتاوی ۱/ ۴۲۸، فتاوی عثمانی ۱/ ۱۹۲)۔

اور اگر لڑکوں کے لیے خاتون ٹیچر ہیں تو بہتر یہی ہوگا کہ کسی آڑ سے طلباء کو تعلیم دیں، ورنہ کم از کم پردہ میں رہ کر پڑھائیں اور تنہائی کی نوبت نہ آنے دیں، بغیر شہوت کے ان کے لیے مردوں کا دیکھنا جائز ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں خواتین

مسجدوں میں آتی تھیں، یقیناً ان کی نظر مردوں پر پڑتی رہی ہوگی، پھر آنحضورﷺ نے حضرت عائشہ کو اپنی آڑ میں لے کر حبشیوں کا کھیل دکھلایا تھا، اس سے بھی اس کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

لیکن اس کے باوجود جب شہوت میں پڑ جانے کا خوف ہو تو عورتوں کے لیے مردوں کا دیکھنا جائز نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ سے آنحضرتﷺ نے نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کی آمد پر حجاب کا حکم دیا تھا، اور یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: "أفعمياوان أنتما" (کیا تم دونوں بھی نابینا ہو)

خلاصہ یہ کہ جب فتنہ کا اندیشہ تو مردوں کے لیے عورتوں کا چہرہ دیکھنا حرام ہے، خاتون ٹیچر منتخب کی جائیں تو بہرحال اس کا خطرہ رہے گا، لہٰذا جب تک مجبوری نہ ہو تو تقرر ہی نہ کیا جائے اور سخت مجبوری ہو تو پوری احتیاط برتی جائے اور اوپر مذکور ضابطوں کا خیال رکھا جائے۔

اس سلسلہ کی چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں:

۱- ﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِم﴾ (سورۂ نور: ۳۰)۔

۲- ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِن﴾ (أیضا: ۳۱)۔

۳- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِن﴾ (سورۂ أحزاب: ۵۹)۔

اور حدیث میں آیا ہے: "عن عبد الله بن مسعودؓ عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان" (رواہ الترمذی، مشکوۃ، کتاب النکاح، باب النظر الی المخطوبۃ، ص: ۲۶۹)۔

اور علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال، لا ،لأنه عورة، بل لخوف الفتنة" (شامی ۱/ ۲۹۹)۔

۱۹- بدرجہ مجبوری رشوت:

رشوت بہت سنگین گناہ ہے، حدیث شریف میں اس کے لینے اور دینے والے پر لعنت کی گئی ہے:

"عن عبد الله بن عمرو قال: لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي" (أبو داؤد قضاء، باب فی کراھیۃ الرشوۃ: ۳۵۸۰، ترمذی، احکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی: ۱۳۳۶، ابن ماجۃ، احکام، باب التغلیظ فی الحیف والرشوۃ: ۲۳۱۳)۔

لیکن سخت مجبوری کے تحت رشوت دینے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے، جب کہ لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، علامہ شامی نے رشوت کے بارے میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے، یہاں ہم صرف متعلقہ سوال کے متعلق عبارت نقل کر رہے ہیں:

"ثم الرشوة أربعة أقسام......الثالث أخذ المال ليسوى امره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع

وهو حرام علی الأخذ فقط"(شامی ۴/ ۳۳۸، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والھدیۃ)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسکول سرکاری ضابطوں کو پورا کر رہا ہے، اس کے باوجود رشوت نہ دینے پر خطرہ ہے کہ منفی رپورٹ لگا کر اسکول کی منظوری رد کی جاسکتی ہے، تو اس صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی احکام

مولانا اقبال احمد قاسمی☆

۱-اسلامی تشخص کے ساتھ عصری تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حکم:

''عصری علوم'' یعنی عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے والے علوم بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہیں یہ دنیا چونکہ دارالاسباب ہے اس لئے یہاں معاشی یا سماجی ضرورت کے لئے دنیاوی علوم وفنون کا سیکھنا نہ صرف شخصی اعتبار سے بلکہ قومی اور ملی اعتبار سے انتہائی ضروری ہے۔قومِ مسلم کو من حیث القوم دنیاوی اعتبار سے پسماندگی سے نکالنا اور ہر شعبۂ حیات میں قائدانہ کردار کا حامل بنانا امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے ہر طرح کے منکرات سے بچتے ہوئے اسلامی ماحول کے ساتھ مطلوبہ معیار تعلیم کے اسکولوں کا قیام'' مقدمۃ الواجب واجب'' کے قبیل سے ہے، یعنی واجب لغیرہ ہے اور پوری قوم کے صاحب استطاعت حضرات کا اس طرف متوجہ ہونا فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔اور اگر یہ علوم دینی علوم کے حصول کے لئے معاون یا دین اسلام کی اشاعت کا سبب اور وسیلہ ہوں تو اُن کے فرض کفایہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اسی نقطۂ نظر سے حکم فرمایا تھا کہ تم سریانی زبان سیکھ لو چنانچہ حضرت زیدؓ نے پندرہ سترہ دنوں کی قلیل مدت میں یہ زبان سیکھ لی تھی۔

''عن زید بن ثابت مرفوعاً قال: أمرنی رسول الله ﷺ أن أتعلّمَ له کَلِماتِ مِنْ کتاب یھود وقال انّی واللّٰہ مآمن یھودَ علی کتابی قال فَمامرَّبی نصفُ شھرٍ حتیّٰ تعلمتہ له قال فلمّا تعلّمْتُه کان إذا کتبَ إلی یھود کتبتُ إلیھم وإذاکتبوا إلیه قرأتُ له کتابَھم'' (ترمذی شریف ص ۱۰۰/ج ۲/ابواب الاستیذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ باب فی تعلیم السریانیۃ)۔

اسی لئے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ڈاکٹری، کامرس، انجینئرنگ اور انگریزی زبان وغیرہ سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

''درمختار'' میں ہے: **''وأما فرض الکفایة من العلم: فھو کل علم لایستغنی عنه فی قوام أمور الدنیا،**

☆ صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم (مسجد نکھٹوشاہ)، بیکن گنج کانپور یوپی۔

كالطب والحساب والنحو واللغة والكلام ۔ وأصول والصناعات والفلاحة كالحياكة والسياسة والحجامة الخ" (ردالمختار مقدمہ فی فرض الکفایۃ ۱/۴۲)۔

حرمین شریفین کی افتاء کمیٹی نے صراحت کی ہے:

"**إذاكان هناک حاجة دينية أو دنيوية الیٰ تعلم اللغة الانجليزيه أو غيرها من اللغات الأجنبية فلامانع من تعلمها، أما إذا لم يكن حاجة فانه يكره تعلمها۔وبالله التوفيق وصلى الله علیٰ نبينا محمد واله وصحبه وسلم ۔بحواله فتاوی اللجنة الدائمة ۔ للبحوث العلمية والأفتا**"(فتاوی علماء البلد الحرام ص ۵۸۵)۔

مولانا یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

" آج کل تعلیم گاہوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ علم نہیں بلکہ ہنر، پیشہ اور فن ہے وہ بذات خود نہ اچھا ہے نہ برا اس کا انحصار اس کے صحیح یا غلط مقصد اور استعمال پر ہے آنحضرت ﷺ نے جس علم کو فرض قرار دیا ہے جس کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور جس کے حصول کی ترغیب دی ہے اس سے دین کا علم مراد ہے اور اسی کے حکم میں ہوگا وہ علم بھی جو دین کیلئے وسیلے وذریعے کی حیثیت رکھتا ہو" (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ص ۸،۱۷۴)۔

۲-اسکولوں کے نصاب میں غیر شرعی افکار ونظریات کو پڑھانا:

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب وتہذیب سے دور کرنے کیلئے نت نئے ہتھکنڈے اسلام دشمن قوتوں اور حکومتوں نے اپنائے اور مسلمانوں کے ملّی ودینی وجود وبقاء کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی اور یہ سلسلہ جاری ہے۔انہیں ناپاک کوششوں کا ایک حصہ عصری تعلیم میں غیر اسلامی نظریات کی شمولیت بھی ہے ملک کے سرکاری اسکولوں میں جو نصاب اب دیکھنے کو مل رہا ہے وہ ملک کے سیکولرزم کے بالکل منافی ہے وہ جمہوریت کے بجائے خالص ہندو تصورات اور غیر اسلامی نظریات پر مبنی ہے، مثلاً ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کے حالات ہندو تاریخ کی عظمت اور ہندو فکر وعقیدہ کی بالا دستی، مسلم حکمرانوں کے کارناموں کو مسخ کر کے ان کو ظالم وجابر گردانا یہاں تک بعض اوقات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر نازیبا تبصرہ یہ ہندوانہ فکر وتہذیب کو مسلط کرنے کی سوچی سمجھی سازش ہے، یہ ناپاک اور مذموم سعی اس سے قبل انگریز کرتے چلے آئے تھے جنہوں نے عیسائی مشنری کے ذریعہ مسلمانوں کے نونہالوں پر ڈاکہ ڈالا اب اس کی جگہ بھگوا نصاب تعلیم کے ذریعہ ہندوکرن کی مہم شباب پر ہے وندے ماترم اور سرسوتی وندنا کے ذریعہ شرک کا زہر پوری تعلیم میں گھولا جا رہا ہے ظاہر ہے ایسے نصاب تعلیم کی حمایت کیسے کی جاسکتی ہے کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے قصد واختیار سے ایسے نصاب کو من وعن قبول کرے، بلکہ جو ادارے مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ موضوع اور فن کو اس طرح ترتیب دیں یا مرتب کتب کا انتخاب کریں جو مذکورہ بالا مفاسد سے خالی ہوں اور بطور خاص نصاب میں جہاں جہاں غیر اسلامی نظریات کا درس موجود ہے یا خلاف شرع تہذیب کا فروغ ہے وہاں مدلل اس کا جواب شامل

کیا جائے خصوصاً جن مضامین کا پڑھانا سرکاری طور پر ضروری ہے وہاں نوٹس کے ذریعہ غلط باتوں کی نشاندہی کی جائے لازمی مضامین جن کا ترک کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اداروں کی ذمہ داری ہے کہ اُن مضامین (غیر شرعی) کے معلم اور ٹیچر کے ذریعہ اسباق میں غلط باتوں کی اصلاح کرتے چلیں ان ہی شرائط کے ساتھ مذکورہ نصاب پڑھنا پڑھانا جائز ہوگا، ورنہ ایسی تعلیم کو خیر باد کہنا ہی لازم ہے۔ شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے یا بلفظ دیگر دفعِ مضرت جلبِ منفعت پر مقدم ہے (الاشباہ والنظائر، ص ۱۱۴)۔

سعودیہ افتاء کمیٹی کے ایک فتویٰ کا اقتباس مضمون کی مناسبت سے سپرد قرطاس ہے:

"لایجوز تعلیم القوانین الوضعیة لتطبیقها مادامت مخالفة لشرع الله وتجوز دراستها وتعلمها لبیان مافیها من دخل وانحراف عن الحق، ولبیان مافی الإسلام من ا لعدل والاستقامة والصلاح وما فیه من غنی، وکفایة لمصالح العباد۔ ولایجوز علم أن یدرس الفلسفة والقوانین الوضعیة ونحوهما إذاکان لایقوی علی تمیز حقها من باطلها خشیة الفتنه ۔ ولانحراف عن الصراط المستقیم ، ویجوز لمن یهضمها ویقوی علی فهمها بعد دراسة الکتاب والسنة ، لیمیزخبیثها من طیبها ولیحق الحق ویبطل الباطل ، مالم یشغله ذلک عما هوأوجب منه شرعاً" (فتاویٰ علماء البلد الحرام بحوالہ فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء ص: ۵۸۶-۵۸۵)۔

اسلامی شریعت اپنے تحفظ کیلئے اتنی حساس واقع ہوئی ہے کہ خلاف شرع مضامین تو درکنار منسوخ آسمانی کتب سے استفادہ پر بھی ناگواری کا اظہار کیا گیا ہے، حدیث میں حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ منقول ہے:

"عن جابرؓ عن النبی ﷺ حین أتاه عمر فقال: انا نسمع أحادیث من یهود تعجبنا أفتری أن نکتب بعضها؟ فقال: أتهوکون أنتم کما تهوکت ا لیهود والنصاری؟ لقد جئتکم بها بیضاء نقیة، ولوکان موسی حیا ما وسعه إلاّ اتباعی۔ رواه احمد والبیهقی فی کتاب شعب الایمان ۔ وهو حدیث حسن"۔

"وعن جابرؓ أن عمر بن الخطابؓ أتی رسول الله ﷺ بنسخة من التوراة فقال یا رسول الله ! هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرء ووجه رسول الله ﷺ یتغیر، فقال أبو بکرؓ: ثکلتک النواکل ماتری بوجه رسول الله ﷺ فنظر عمر إلی وجه رسول الله ﷺ فقال: أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله رضینا بالله ربا وبالإسلام دینا وبمحمدٍ نبیا، فقال رسول الله ﷺ: والذی نفسی محمد ﷺ بیده لوبدالکم موسی فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل، ولوکان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی ۔رواه الدارمی" (مشکاۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ص ۳۱)۔

ان نصوص سے واضح ہے کہ خلاف شرع مضامین کو اپنے اختیار کی حالت میں پڑھانا جائز نہیں اور مجبوری میں پڑھانے کیلئے

مذکورہ شرائط وہدایات پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۳-سرکاری یا مشنری یا سنگھ پریوار کے اداروں میں تعلیم دلانا:

اس میں شبہ نہیں کہ نئی نسل کیلئے مفاسد وخطرات سے محفوظ ذریعۂ تعلیم دورِ حاضر کا ایک اہم مسئلہ ہے خصوصاً جہاں مسلمانوں کے تحت چلنے والا ادارہ نہ ہو اوران کی دنیاوی تعلیم کا انحصار سرکاری اداروں یا مشینری اسکولوں نیز سنگھ پریوار کے قائم کردہ پاٹھ شالاؤں پر ہو وہاں نئی نسل غیر اسلامی نظریات اعمال واخلاق سے متاثر ہو کر غیروں کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اور وہ مسلمانوں کے معاشرے میں رہنے کے قابل نہیں رہتے صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔ دور دراز کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں تعلیم لازمی اور مفت ہونے کی وجہ سے اور مسلمانوں کا اپنا اسکول نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان بچوں کواُن اسکولوں میں لازمی تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے اور لوگ فری اسکیم کی بنا پر فیس والے اداروں میں (اگر موجود بھی ہوں) داخل نہیں کراتے یا اس کی حیثیت ان میں نہیں ہوتی، چنانچہ عیسائی مشنریز یا سنگھ پریوار کے اسکولوں کے جو نتائج بد ہونے چاہئے مسلم بچے اس کے شکار ہوتے ہیں، جبکہ دین وایمان کا تحفظ دینا کی ہرشی پر مقدم ہے اگر کسی تعلیم کے نتیجہ میں دین وایمان سے ہی کوئی بیزار ہو گیا تو ایسی تعلیم تو زہر ہے بچوں کو ایسی تعلیم سے دور رکھنا ہی واجب ہے، بقول اکبر الہ آبادی۔

فلسفی کہتا ہے کیا پروا ہے گر مذہب گیا
اور میں کہتا ہوں بھائی یہ گیا تو سب گیا

اس لئے ایسی صورتحال میں اولاً تو مسلمانوں کو ان مفاسد سے پاک اسکول قائم کرنا واجب ہے اگر اپنے اسکول نہ قائم کئے جاسکیں تو ایسی جگہ سے منتقل ہو کر وہاں آباد ہونا چاہئے جہاں بچوں کی تعلیم بغیر مفاسد کے دلائی جاسکے یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر بدرجۂ مجبوری بچوں کو ان اسکولوں میں داخل تو کرایا جائے، لیکن اسکول کے بعد ان کو مساجد میں بھیجیں جہاں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ضروریاتِ دین کی تعلیم حاصل کرسکیں اور زہر کا تریاق انہیں مل سکے اس طرح نئی نسل گمراہی سے بچ سکے گی اسی طرح گھر میں وقتاً فوقتاً بچوں کو اسلامی تعلیمات توحید ورسالت وآخرت وغیرہ سے آگاہ کیا جائے تو انشاء اللہ مسلمان بچے اسکول کی تعلیم سے لادینی اثرات قبول نہیں کریں گے اس سلسلہ میں والدین کو اپنی ذمہ داری نبھانا ہوگی۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يا أيها الذين اٰمنوا قوا انفسكم وأهليكم نارا وقودها النا س و الحجارة**" (سورۂ تحریم:۶)۔

اور ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**كل مولود يولد على الفطرة وأبواه يهودى، انه وينصرانه**" (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص ۳۱، باب القدر)۔

"**وفى القنية: له إكراه طفله على تعليم ا لقرآن وأدب وعلم لفريضة على الوالدين**" (درمختار باب التعزیر ۴/۷۸ سعیدی)۔

’’فتاویٰ محمودیہ‘‘ میں ہے:’’ بلکہ جبریہ تعلیم کے پیش نظر جب بچے اسکولوں میں داخل ہونے پر مجبور ہیں اور اپنا ادارہ کوئی قابل اطمینان نہیں اور وہاں کا سارا ماحول غیر ہے۔ تو کوشش کی گئی کہ اس مجموعی لادینی ماحول میں مسلمان بچیوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ جس قدر بھی مسلم معلّم ان کے دین کی حفاظت کرسکیں غنیمت ہے (فتاویٰ محمودیہ، ۳/۳۹۶، ڈابھیل)۔

۴۔مخلوط نظام تعلیم کے لئے عمر کی تحدید:

مرد وزون کا کسی شعبہ میں اختلاط بہت سے مفاسد کا سبب ہوتا ہے نظام تعلیم میں لڑکے و لڑکیوں کا ایک ساتھ پڑھنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھیل کود، غرضیکہ ہر قسم کا میل جول جن اخلاقی وسماجی برائیوں کو جنم دیتا ہے واقعات وتجربات کی روشنی میں ہر شخص خوب واقف ہے یہ مخلوط تعلیم اُن بے خدا تہذیبوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے جنہوں نے آزادیٔ نسواں اور مساوات کے پرفریب نعرہ کے ذریعہ صنف نازک کے ساتھ بہت بڑا فراڈ کیا ہے۔ اسلام کی بخشی ہوئی عزت وناموس اور ڈھکی چھپی عفت وعصمت کو انہوں نے سرعام نیلام کردیا ہے اسلام نے عورتوں کو جو تحفظ فراہم کیا تھا اور پردہ وغیرہ کے ذریعہ سے ان کو اجنبی مردوں سے بچایا تھا اس پر انہوں نے تعلیم کے نام پر ڈاکہ ڈال کر ان کو مادر پدر آزاد کردیا ہے۔ بہرحال اسلامی نقطۂ نظر سے اگرچہ علم نافع کا حصول مرد کی طرح عورت کا بھی حق ہے، لیکن عورتوں کی درسگاہ مرد کی درسگاہ سے علیحدہ ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کے علم کیلئے الگ مجلس مقرر فرمائی مردوں کے ساتھ شرکت کا حکم نہیں دیا۔

’’عن ابی سعید الخدریؓ قال: جاء ت امرأة الی رسول اللہ ﷺ فقالت: یا رسول اللہ، ذهب الرجال بحدیثک، فاجعل لنا من نفسک یوماً نأتیک فیه تعلمنا مما علمک اللہ، قال: اجتمعت فی یوم کذا وکذا فی مکان کذا وکذا فاجتمعن فأتاهن رسول اللہ ﷺ، فعلمهن مما علمه اللہ۔ الحدیث‘‘(البخاری (۷۳۰) وأطرافہ فی (۱۰۱)۔

اسی طرح نماز جیسی عبادت میں مختصر وقت کیلئے بھی مرد وعورت کے اختلاط کو پسند نہیں فرمایا گیا، بلکہ عورتوں کو سب سے پیچھے علیحدہ صف بندی کا حکم دیا گیا، بلکہ ان کے لئے گھروں کی کوٹھری میں ہی تنہا نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا۔

’’خیر صفوف النساء آخرها، وشرها أولها‘‘(مسلم رص ۴۴۰)۔

غرضیکہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہی ہے کہ مخلوط تعلیم کسی مرحلہ میں نہ جاری کی جائے ابتدائی درجات اور چھوٹے طلبہ وطالبات جن میں شعور ابھی بالغ نہیں ہوتا ان میں بظاہر حرج نہیں کہ وہ ایک ساتھ پڑھیں اور کھیلیں کودیں، لیکن چند سالوں کی ممارست کے بعد یہی تعلق آگے کے تعلقات کا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے، اس لئے محتاط اہل علم نے ابتدائی درجات کے لئے بھی مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں دی شیخ بن بازؒ کے فتاویٰ میں ہے:

’’وهناک أمر أخر، وهو أن تعلیم النساء للصبیان فی المرحلة الإبتدائیة یفضی إلی الاختلاط لم یمتد ذلک إلی المراحل الأخری، فهو فتح لباب الاختلاط فی جمیع المراحل بلاشک، ومعلوم مایترتب علی

اختلاط التعليم من المفاسد الكثيرة والعواقب الوخيمة التي أدركها من فعل هذ النوع من التعليم في البلاد الأخرى. ولذافإني أرى أن من الواجب قفل هذ الباب بغاية الأحكام، وأن يبقى أولادنا الذكور تحت تعليم الرجال في جميع المراحل ، كما يبقى تعليم بناتنا تحت تعليم المعلمات من النساء في جميع المراحل، وبذلک نحتاط لديننا وبنينا وبناتنا ، ونقطع خط الرجعة على أعدائنا وحسبنا من المعلمات المحترمات أن يبذلن وسعهن ، بكل إخلاص وصدق وصبر في تعليم بناتنا وعلى الرجال أن يقوموا بكل إخلاص وصدق وصبر على تعليم أبنائنا في جميع المراحل". (بحوالۂ فتاوی اسلامیہ ابن باز ۳/۱۰۶، فتاویٰ علماء البلد الحرام ص ۵۶۸)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مخلوط تعلیم ہی فتنہ ہے اس سے جو اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ جگ ظاہر ہیں مخلوط تعلیم کا سبب آزادانہ ذہنیت اور مغرب سے مرعوبیت ہوتب تو یہ ''ظلمات بعضها فوق بعض '' کا مصداق ہے اور اگر اس کا سبب سہولت پسندی اور اخراجات کی قلت ہے اور انتظامیہ کے پاس وسائل کا فقدان ہے تو بھی مخلوط تعلیم کے ذریعہ مفاسد سے حفاظت کے لئے مخلوط نظامِ تعلیم کو روکنا ہی واجب ہے ۔ مفاسد کے ساتھ تعلیم کا رواج کوئی نیکی نہیں ، لہٰذا اپنی استطاعت کے مطابق جائز دائرہ میں ہی کام کرنا لازم ہے۔ ''لايكلف الله نفسا إلا وسعها'' ۔اور ''درأ المفاسد اولىٰ من جلب المنافع ''کا یہی تقاضا ہے۔اب رہا یہ سوال کہ کیا ہر عمر کے بچے بچیوں کے لئے بھی یہ بندش ہے یا کوئی گنجائش ہے تو بہر حال احتیاط تو وہی ہے جو شیخ بن بازؒ کا موقف ہے کہ کسی عمر میں مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں ،لیکن دس سال سے کم کے بچے بچیاں اگر ایک ساتھ پڑھیں تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ان کا الگ الگ نظام بنانا ضروری نہیں ، جیسا کہ خود اسلامی مکاتب میں یہی معمول ہے اور حدیث پاک کے اشارہ سے بھی عمر کی یہی تحدید معلوم ہوتی ہے:

''عن عمربن شعيب عن ابيه عن جده قال : قال رسول الله ﷺ:مرو أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربواهم عليها وهم أبناء عشر، وفرّقوا بينهم في المضاجع ''(ابوداؤد ۱/ ۷۹، مشکوۃ کتاب الصلاۃ فصل ثانی ۱/ ۵۸)۔

مولانا یوسف لدھیانوی شہید لکھتے ہیں: ''دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کر دینے کا حکم فرمایا گیا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیاں زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے'' (آپ کے مسائل اوران کا حل ۸ / ص ۱۷۷، مدلل)۔

۵ - اسکول میں داخلے کیلئے عمر کی تحدید اور عمر کا غلط اندراج کرانا:

اسکولوں کے نظام میں داخلے کیلئے خاص عمر کی ایسی تحدید کہ داخل ہونے والے طلبہ کو جھوٹ کا سہارا لینا پڑے یہ گناہ بے لذت ہے ۔اور عمر کی تحدید کا یہ التزام شرعاً ایک غیر ضروری چیز ہے ۔ ہاں داخل طلبہ کے درمیان ہم عمری کا لحاظ کرنے کیلئے تقریبی عمر کی قید کہ لگ بھگ یہ عمر ہونی چاہئے اس طرح کی شرط ، البتہ مناسب ہے ، اس لئے کہ ہم عمروں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہوتی ہے كقوله

تعالیٰ:" وكواعب أترابا"(سورۂ نبا:۳۳)،اوراس صورت میں داخلہ کے لئے ان کے والدین کوجھوٹے حلف نامہ کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔لیکن اگرکسی اسکول میں کوئی عمر کی حدلازمی شرط کے طور پررکھی گئی ہوتو وہاں جھوٹ بول کرداخلہ کے لائق عمر کو بتانا یہ ناجائز ہے۔

ارشادربانی ہے:" ياأيها الذين اٰمنو ا لاتخونو الله والرسول وتخونوا أماناتكم "(سورۂ انفال:۲۷)۔

اوراس ناجائز کی اجازت صرف اس صورت میں ہوگی جبکہ اس کا کوئی متبادل نہ ہواور بچے کے تعلیم سے محروم رہ جانے کا خطرہ ہو۔کیونکہ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اس کے ارتکاب کی اجازت صرف اسی صورت میں دی گئی ہے جبکہ ظلم سے بچنا ہو یا کسی جائزحق کا حاصل کرنامقصود ہو۔

"إن كل مقصود محمود يمكن التوصل اليه بالكذب وحده، فمباح أن أُبيح تحصيل ذلك لمقصود وواجب إن وجب تحصيله"(شامی ۹/ ۶۱۲)۔

امیرالمؤمنین فی الحدیث ابوعبداللہ بخاریؒ نے اپنی صحیح کی "كتاب العلم"میں"باب متى يصح سماع الصغير" کے تحت ضابطہ وکلیہ کے طور پرتعلیم حدیث کے لئے کسی خاص عمر کی تحدیدوتقیید کولازم نہیں کیا، بلکہ کسی بھی عمر کا بچہ اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے جس معیار کا علم سیکھ سکتا ہے اس کا سیکھنا اوراس کوسکھانا معتبروجائز ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے بھی امام بخاریؒ کے مذکورہ ترجمۃ الباب اورنقل کردہ حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے اسی نقطۂ نظر کو واضح فرمایا ہے کہ بچہ کے حصول علم کیلئے عمر کی کوئی تعیین نہیں، بلکہ بچہ کی فہم کا اعتبار ہے چاہے وہ تین چارسال کی عمر کا ہو(فتح الباری ۱/ ۲۰۸)۔

علامہ شبیراحمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:(اس مسئلہ میں)بہترین تحقیق شیخ ابن ہمام کی ہے جوشرحِ تحریر میں ہے اورحافظ ابن حجرنے اسی کوترجیح دی ہے کہ سال کی کوئی تعیین نہیں، بلکہ بچوں کے قویٰ اوراحوال کے اختلاف اورواقعات کی نوعیت کے تفاوت پراس کا مدار ہے، ہرپہلو کا خیال کرکے ہرمقام میں اسی کے موافق فیصلہ کیا جائے گا،کلی اورضابطہ کے طورپرکوئی خاص تعیین وتحدید جوہرجگہ جاری ہوسکے نہیں ہوسکتی،مثلاً بعض بچے تین چارسال ہی کی عمر سے بہت ذہین اورہوشیاراوربات کوخوب یادرکھنے والے ہوتے ہیں اوربعض اس سے زیادہ عمر کوپہنچ کربھی کونداورناسمجھ رہتے ہیں،توان دونوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا،اسی طرح واقعات کی نوعیت مختلف ہے بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ دوچارسال کا بچہ ذراسمجھ دارہو،وہ بھی یادرکھ سکتا ہے،مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں چارسال کی عمر کا تھا تواس وقت یہ مکان بناتھا،اس کوہرشخص قبول کرے گا،اس طرح کا قصہ یادرکھنا چنداں مستبعد نہیں اوراگروہ یوں کہے کہ میں نے چار سال کی عمر میں اس جگہ فلاں بڑے عالم کی تقریرسنی تھی وہ بخاری شریف پڑھارہے تھے اورفلاں حدیث میں ایسی تقریرکی تھی اس کوکوئی بمشکل قبول کرسکتا ہے کیونکہ چارسال کے بچے کوصحیح بخاری کے دقائق کا سمجھنا اوریادرکھنا عادتاً ممکن نہیں(بحوالۂ فیض الباری ۲/ ۶۳،زبدۃ الفتاویٰ ۱/ ۱۵۴،گجرات)۔

۶-یونیفارم اوراس کے شرعی حدود:

اسکول میں پڑھنے والے طلبہ کے لباس میں یکسانیت اوران کا ڈریس یونیفارم ایک محمود اور مستحسن امر ہے کسی بھی شی میں بے ترتیبی اوراس کا بے جوڑ ہونا قبیح معلوم ہوتا ہے اللہ رب العزت نے داؤدعلیہ السلام کوحکم دیا کہ جوتم زرہیں تیار کروتوان میں کڑیوں میں یکسانیت ہونی چاہئے۔

ارشادربانی:" اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ "(سورۂ سبا:۱۱)(کہ تم کامل زرہیں بناؤاورکڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازہ رکھوکہ ساری کڑیاں یکساں نظرآئیں)(مستفاد بیان القرآن)،اس کے علاوہ حج جیسی عظیم الشان عبادت کیلئے مرد حاجیوں کا یونیفارم خوداللہ رب العزت نے مقررکردیا غرضیکہ یونیفارم کی اہمیت ایک مسلم امر ہے، دنیا کے مختلف شعبوں اورمحکموں کے عملہ وملازمین کیلئے اپنی اپنی ڈریس ہوتی ہے فوج سے لیکرقلی اور ہوٹل کے بیروں تک کا ایک مخصوص اپنا لباس ہوتا ہے وہ لباس نہ رہے تواسکی اپنی شناخت وحیثیت واضح نہیں ہو پاتی۔دینی مدارس میں بھی وضع قطع اورمسنون لباس کی ایک حیثیت تقریباً لازم ہوتی ہے اگرچہ رنگ وغیرہ کاتعین نہیں ہوتا حضرت تھانویؒ نے اپنی دارالعلوم دیوبندکی سرپرستی کے موقع پردارالعلوم کو یہ فرمان جاری کیا تھا کہ طلبہ کا ایک یونیفارم متعین کردیں حضرت کے ملفوظات میں ہے:

"میں نے حضرات دیوبندکوکہلا بھیجا تھا کہ طلبہ کا ایک خاص طرز متعین ہونا چاہئے،مثلاً لباس معین وضع کا ہو،جیسا کہ اپنے بزرگوں کا تھابعض لوگ کہتے ہیں کہ طلبہ اسکوآج کل اپنی تحقیرخیال کرتے ہیں،مگرایسےامورکی طرف التفات ہی کیوں کیا جائے(العلم والعلماء،ص ۱۷۲،بحوالہ الکلام الحسن ص ۵۳)۔

بہترین یونیفارم:

بہترین یونیفارم وہ ہے جولباس کا مقصد پورا کرتا ہویعنی پوری طرح ساتر بھی ہواورزیب وزینت والا بھی ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ:" قدانزلنا علیکم لباسایواریکم سواتکم وریشا"(سورۂ اعراف:)۔

"قال ﷺ: البسوا من ثيابكم البياض فإنها أطهر وأطيب "(نسائی ۲۹۷/۲)۔

"وعن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : إن اللّٰہ یحب أن یریٰ أثر نعمة علیٰ عبده الخ یعنی إذا اتیٰ ا للّٰہ عبد اًمن عباده نعمة من نعم الدنیا فلیظهر ها من نفسه بأن یلبس لباسا یلیق بحاله لإظهار نعمة اللّٰہ علیه الخ"(مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب اللباس فصل ثانی ۴۳۱/۴)۔

"ولابأس بلبس الثیاب الجمیلة إذالم یکن للکبر"(بزازیہ علی الہندیہ ۳۶۸/۶،شامی کتاب الحظر ۳۵۱/۶)۔

اس لئے بہترین یونیفارم جوشرعی حدودکو پورا کرنے کے ساتھ سنت وزینت کا جامع بھی ہو یہ ہوگا کہ سفیدرنگ کے کپڑے ہوں کرتا پائجامہ ہو یاشیروانی نماقمیص اور پاجامہ اسی طرح نیتا اورقائدین کے طرز کا کرتہ پائجامہ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔خواتین کے لئے

رنگین شلوار جھمپر ہے، بشرطیکہ کسی مخصوص فرقہ کا وہ شعار نہ ہو۔

”اِنَّ اللباس الذی یتشبه به الانسان باقوام کفرة لایجوز لبسه، لمسلم اذاقصد بذالک التشبه بهم“ (تکملہ فتح الملہم ۴؍۸۸، کتاب اللباس)۔

اس طرح کے یونیفارم بحمد للہ دینیات کے کورسوں میں رائج ہیں اسلامی لباس کو یونیفارم بنانے میں تو مسلمانوں کے لئے فخر کی بات ہے نہ کہ احساسِ کمتری کی دراصل آدمی کے دل میں جس کی عظمت ہوتی ہے اس کی وضع قطع کو اپنانا پسند کرتا ہے اسلامی لباس کے بجائے انگریزی لباس اور غیر شرعی یونیفارم کو ترجیح دینا یہ یہود ونصاریٰ کی ذہنی غلامی اور مرعوبیت کی بات ہے اور نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی عظمت دل میں نہ ہونے کی علامت ہے۔ اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ نوجوان طلبہ میں اسلامی جذبہ بیدار کیا جائے اور دینی لباس اور اسلامی شعائر کی اہمیت بتا کر ان چیزوں کی محبت پیدا کر کے اس پر ان کو آمادہ کیا جائے۔

الحمد للہ بعض مسلم اسکول اور کالجز میں بھی شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے طلبہ اور طالبات کے یونیفارم پر عمل کیا جاتا ہے بھٹکل وغیرہ کے اسکولوں میں یہ خوشنما اسلامی ڈریس پہنے طلبہ کا نظارہ دیکھنے کو ملا اس کے علاوہ بمبئی کے فائن ٹچ دینیات کے نظام میں بھی ولباس التقویٰ ذلک خیر کا منظر نمایاں ہے، اس لئے کوئی مشکل نہیں کہ ہم اپنے اختیار کے اسکول وکالجز کے لئے جہاں صرف مسلم طلبہ ہوں ان کو مکمل شرعی لباس کی شکل میں یونیفارم اور جہاں مسلم وغیر مسلم دونوں ہوں وہاں بھی کم از کم جو اسلامی حدود ہیں پینٹ شرٹ وغیرہ پہننے کے ان حدود کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی خاکہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے لباس کے سلسلہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے۔ صرف ستر پوشی وغیرہ کی مصلحت سے چند حدود وقیود بیان کر دئے گئے ہیں مرد کے لئے مرد کے اعتبار سے اور عورت کے لئے عورت کے شایانِ شان اگر یونیفارم کی تجویز میں اُن حدود کو پامال کیا جاتا ہے جیسا کہ آج کے اسکول وکالجز کے یونیفارموں کا حال ہے اور سوالنامہ میں بھی جس کا ذکر ہے ظاہر ہے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

۷-اسکول کی مختلف فیسیں اور اسکولی طلباء کا استحصال:

شریعت نے تعلیم وتعلم پر اجرت کے لینے دینے کی اجازت دی ہے حتّٰی کہ متاخرین احناف نے دینی معاملات امامت وتدریس وتعلیم قرآن پر بھی اجارہ کو جائز قرار دیا ہے، علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

”بناء علی قو ل المتاخرین المفتی به من جواز الاستیجار علی الامامة والتدریس وتعلیم القرآن“ (شامی ۳؍۴۲۱)، اور اجرت کے باب میں کوئی تحدید وتعیین نہیں کی گئی ہے، بلکہ فریقین کی باہمی رضا پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے تعلیم کی فیس ہو یا دیگر اخراجات کی فیس جو تعلیمی وسائل سے متعلق ہیں ان کو اجارہ کے اصول پر طے کیا جاسکتا ہے، البتہ محض عطیہ یا ڈونیشن کو بطور شرط کے لینا یہ اجرت سے زائد معاملہ ہے اور یہ رشوت میں داخل ہے جس کا لینا اور بغیر مجبوری کے دینا حرام ہے باقی

فیسوں کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

"الإجارة عقد على المنافع بعوض" (فتح القدیر ۹/ ۵۸، مصری)۔

"وعلم أن الإجارة عقد على المنفعة بعوض هو مال" (المبسوط ۸/ ۸۲، کوئٹہ)۔

"وكل ماصلح ثمنا أى بدلاً فى البيع صلح اجرة؛ لأنها ثمن المنفعة" (درمختار کتاب الاجارة ص ۶، سعیدی، فتاویٰ ہندیہ ۴/ ۱۲ ۴۱۲ اجارہ باب ا، رشیدیہ)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے فتاویٰ میں ہے:

"اسکول والے جو تعلیمی فیس لیتے ہیں وہ پڑھانے کی اجرت ہے، گویا فقہ کی اصطلاح میں اجارہ کا معاملہ ہے جس کی ایک فریق اسکول کی انتظامیہ ہوتی ہے اور ایک فریق تعلیم حاصل کرنے والے بچے یا تعلیم دلانے والے سرپرست ہوتے ہیں اجارہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دونوں فریق کے درمیان جو معاملہ طے پائے اس کے مطابق اس کی پابندی کرنا فریقین پر ضروری ہے، لہٰذا جب اسکول کی انتظامیہ نے شروع ہی میں بتادیا کہ ماہ مئی کی فیس اور ٹرم فیس بھی دینی ہوگی تو یہ سب مقررہ اجرت کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، یہ بات پیش نظر رہے کہ اسکول کی انتظامیہ ٹیچرس کو مئی کی تنخواہ ادا کرتی ہے اور اگر اسکول کرایہ کی عمارت میں ہو تو اس ماہ کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے، البتہ مسلم انتظامیہ کو بحیثیت مجموعی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ تعلیم بنیادی طور پر ایک خدمت ہے نہ کہ تجارت (کتاب الفتاویٰ ۷/ ۱۳۸)۔

اب رہا مسئلہ فیس کی بڑھتی ہوئی مقدار کا جس نے غریب اور متوسط طبقہ کے لئے تعلیم کے حصول میں مشکلات کھڑی کردی ہیں اور اسکول والوں کو مالا مال کردیا ہے تو واقعی تعلیم کی گراں فروشی کے مضر اثرات سماج پر پڑ رہے ہیں اور مہنگی تعلیم کے بعد پھر وہ اخراجات عوام کی جیب سے نکالے جاتے ہیں جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ لمبی لمبی فیس مریضوں اور ضرورتمندوں سے وصول کرتے ہیں اس لئے فی نفسہ اسکول والوں کا اسکولی طلبہ سے لمبی لمبی فیس لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن اس کو دیگر مفاسد کی وجہ سے روکا جانا ضروری ہے، تاکہ طلبہ کی پریشانی کا بھی حل نکل سکے اور عوام بھی اس کی وجہ سے متأثر نہ ہوں، جیسا کہ "تسعیر" یعنی قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ ہے کہ کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ غذا جیسی ضروری اشیاء کی قیمتوں پر حکومت کی طرف سے یا کسی بااختیار ادارہ کی طرف سے کنٹرول کیا جائے اور تاجروں کو من مانے طریقہ سے نفع خوری کی اجازت نہ دی جائے تاکہ عوام خاص کر غرباء کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت عمرؓ نے ایک صحابی (حاطب بن ابی بلتعہ) کو جب دیکھا کہ وہ مدینہ کے بازار میں خشک انگور (منقّیٰ) نامناسب حد تک گراں فروخت کررہے ہیں تو آپ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا کہ: "إما ان تزيد فى السعر وإما أن ترفع من سوقنا" (بحوالہ جمع الفوائد معارف الحدیث ۷/ ۱۳۹) (یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ، یعنی قیمتیں مناسب حد تک کم کرو یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اٹھالو)۔

ابوابِ تجارت کی طرح بابِ اجارہ میں یہی یہی اصول کارفرما ہوگا اور حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ جس طرح اس نے سستی تعلیم کی مہم کے تحت سرکاری اسکول میں تعلیم کو مفت اور آسان بنایا ہے ایسے ہی پرائیویٹ اداروں کے لئے فیس وغیرہ کی کوئی مناسب حد مقرر کر کے بقیہ دیگر اخراجات کے لئے ان کا تعاون کرے تاکہ معقول تعلیم کے لئے معقول معاوضہ ہی لیا جائے اجارہ کے نام پر اسٹوڈینس کی مجبوری سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔

۸-غیر حاضر طالب علم سے تعلیمی یا ٹرانسپورٹ وغیرہ کی فیس وصول کرنا:

جو طالب علم اسکول نہیں آتا اور کلاس سے غیر حاضر ہوتا رہتا ہے، جبکہ اس کے لئے اسکول کے دروازے کھلے ہیں اور استاذ بھی پڑھانے میں مصروف رہتا ہے اور گاڑی رکشہ بھی اس کو لینے اور چھوڑنے کیلئے آتا جاتا ہے تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ قصور طالب علم کا ہے اجیر نے بہر حال کام پورا کیا مستأجر (طالب علم) نے لاپرواہی برتی کہ اجیر سے بھرپور استفادہ نہیں کیا تو اس میں اجیر کی کوئی کوتاہی نہیں، لہٰذا اجیر (اسکول وٹیچر) کو پوری فیس وصول کرنے کا حق ہے۔جیسا کہ ''باب الاجارہ'' کی فقہی نصوص سے واضح ہے۔

''والأجير الخاص هو الذى يستحق الأجرة بتسليم نفسه فى المدة، وإن لم يعمل كمن استاجر رجلاً شهرا لخدمة أو لرعى الغنم'' (ہدایہ، کتاب الاجارہ)۔

سوال میں مذکور صورت اجیر خاص کی ہے یعنی استاذ اور ڈرائیور وغیرہ طلبہ کے حق میں اجیر خاص ہیں، لہٰذا وہ اپنی حاضری کے بعد اجرت کے مستحق ہیں خواہ طالب علم آئے یا نہ آئے۔

۹-عصری تعلیم کیلئے غریب طلبہ کو زکوٰۃ دینا:

شریعت نے زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کئے ہیں ان میں غرباء ومساکین کو سرِ فہرست رکھا ہے۔لہٰذا جب اسکول میں تعلیم پانے والا طالب علم غریب ہے تو غربت کی بنیاد پر اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

''إنما الصدقات للفقراء والمساكين'' (سورۂ توبہ ۱۰، ۶۰)۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق کسی تعلیم سے وابستہ نہیں، بلکہ غربت وافلاس کے پیش نظر کسی بھی غریب کو دی جاسکتی ہے۔اب اگر وہ غریب دینی تعلیم کے لئے زکوٰۃ لیتا ہے تو اشاعتِ علم دین کا ذریعہ بننے کی وجہ سے زکوٰۃ دینے والا دوہرے اجر کا مستحق ہوجاتا ہے، یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی ساتھ ہی علم دین کی خدمت بھی اور اگر عصری تعلیم کے لئے وہ غریب زکوٰۃ لیتا ہے تو عصری تعلیم کی جس درجہ افادیت ہوگی اسی درجہ اس کا ثواب بھی مضاعف ہوگا۔زکوٰۃ بہر صورت ادا ہوجائے گی۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے فتاویٰ میں ہے:

جواب:۔زکاۃ کا تعلق اصل میں ایک ضرورت مند شخص کی ضرورت کو پوری کرنے سے ہے نہ کہ تعلیم سے، تعلیم انسان کی ایک ضرورت ہے، اس لئے زکاۃ کی مد سے طلبہ کا تعاون کیا جاتا ہے، تعلیم کا تعلق چاہے دین سے ہو یا دنیا کے امور سے، غریب طلبہ کو زکاۃ

کی رقم دینا درست ہے، البتہ تین باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے: اول: زکاۃ لینے والا شخص واقعی زکات کا مستحق ہو، عام طور پر عصری تعلیم میں جو طلبہ شریک ہوتے ہیں، وہ خوشحال گھرانے کے ہوتے ہیں اور زکاۃ کے مستحق نہیں ہوتے، اس کا اچھی طرح اندازہ کر لینا چاہئے، دوسرے ایک شخص کو ایک نصاب زکاۃ سے کم رقم دی جاسکتی ہے، بیک وقت اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور ایک دفعہ اتنی رقم کا مالک ہونے کے بعد اس کو مزید رقم دی جائے تو زکات ادا نہیں ہوتی، تیسرے: دینی تعلیم میں لگے ہوئے طالب علم پر اگر زکاۃ خرچ کی جائے تو دہرا اجر ہوگا، زکاۃ بھی ادا ہو جائے گی اور دین کی حفاظت واشاعت کا اجر بھی ہوگا، جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر خرچ کرنے میں حاصل نہیں ہوسکتی، غرض کہ مذکورہ حدود کی رعایت کرتے ہوئے عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو زکاۃ کی بھی رقم دی جاسکتی ہے، لیکن دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا زیادہ باعث اجر وثواب ہے (کتاب الفتاویٰ ۳۳۸/۸)۔

۱۰-مشرکانہ ماحول واعمال والے اداروں میں مسلم بچوں کو داخل کرنا:

جن اسکولوں کی تعلیم میں شرک اور ہندوانہ عقیدوں کی آمیزش ہو یا عیسائی مشرکانہ حرکات وہاں کے نظام کا حصہ ہو ایسے ایمان سوز اداروں سے مسلم نونہالوں کو بچانا ان کے والدین کا فریضہ ہے ایسے بچوں کا دنیاوی تعلیم سے ناخواندہ رہ جانا ان کے مشرک ہو جانے سے کروڑ ہا درجہ بہتر ہے۔ اگر کفر وشرک سے حفاظت کے ساتھ دنیاوی تعلیم کی سبیل بن جائے، خواہ کتنی ہی گراں ہو یا علاقہ سے دور جا کر حاصل کرنا پڑے اسے گوارہ کرنا لازم ہے ورنہ جہنم کے ایندھن سے بچنے بچانے کے حکم کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

ارشاد باری تعالی ہے: "يا أيها الذين آمنو ا قوا أنفسكم وأهليكم ناراً وقودهاالناس والحجارة" (سورۂ تحریم: ۶)۔

ایسے علاقے اور بستیاں جہاں مسلمانوں کے دو چار گھر ہوں اور قریب وبعید میں کوئی ایسا ادارہ دنیاوی تعلیم کا نہ ہو جہاں مذکورہ مفاسد کے بغیر تعلیم ممکن ہو اور حکومت نے تعلیم کو جبری ولازمی قرار دیا ہو کہ تعلیم نہ دلانے پر گرفت ہو تو مسلم بچوں کی تعلیم ایسے کفر وشرک کے ماحول میں دلانے کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ اولاً تو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسی جگہ رہائش کو ترک کر کے وہاں سکونت اختیار کریں جہاں ان کے بچوں کے دین کی حفاظت کے وسائل ہوں اور انہیں شرک کے ماحول والے اسکول میں جانے پر مجبور نہ ہونا پڑے نیز ایسے حالات میں بطور خاص بچوں کو شروع سے ہی ایمان وتوحید اور دین کی بنیادی باتوں سے آشنا کرا دیا جائے اور ان کو اللہ کے رنگ میں رنگ دیا جائے کہ ان پر کوئی بھگوا رنگ نہ چڑھنے پائے۔

اسکول کے مشرکانہ جراثیم سے بچنے کیلئے بچوں کو یہ ہدایت بھی کی جائے کہ وہ وندے ماترم وغیرہ کے گیت یا سوریہ نمسکار یا کسی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑنے سے اپنے کو دور رکھیں یا تو اتنی تاخیر سے جائیں کہ یہ پروگرام ہو چکا ہو، بالفرض شریک ہی ہونا پڑ جائے تو زبان کو خاموش رکھیں بلند آواز سے پڑھے جانے والے گیتوں میں ایک دو کا خاموش رہنا مشکل نہیں یا دوسرے جائز کلمات یا کلمہ استغفار زبان ومنہ سے کہتا جائے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ بھی پڑھ رہا ہے کیا پڑھ رہا ہے یہ اندازہ نہ کر سکیں۔ ایسے مشرکانہ گیت

اور مشرکانہ حرکات پر دل سے کبھی راضی نہ ہوں۔ ان شرائط کے ساتھ جبری تعلیم کے تقاضوں کو ایسے تعلیمی اداروں میں داخل کر کے پورا کرنا بدرجۂ مجبوری جائز ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ''**وقدنزل عليكم فى الكتب أن إذا سمعتم ايٰت الله يكفربها ويستهزأبها فلاتقعدو معهم حتّٰى يخوضو فى حديث غيره إنكم إذامثلهم ۔ إن الله جامع المنفقين والكفرين فى جهنم جميعاً**'' (سورہ: ۱۴۰)۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کے باوجود کافروں کی ان محفلوں اور صحبتوں میں شریک ہوتا ہے جہاں اللہ کی آیات واحکام کے خلاف کفر بکا جاتا ہو اور دین وشریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہو اور وہ شخص ہنسی خوشی ٹھنڈے دل سے ان لوگوں کو خدا ورسول اور قوانین شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے سنتا ہے تو اس میں اور ان کافروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ یہی حکم سورہ انعام کی آیت ۶۸ میں بیان ہوا ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ وہاں مذاق اڑانے والے مشرکین تھے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، یہاں استہزا اور مذاق اڑانے والے یہود تو علانیہ تھے اور منافقین غریب اور کمزور مسلمانوں کے سامنے۔ اس آیت میں سورۂ انعام کی آیت کا حوالہ دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ ہم تو پہلے ہی یہ حکم نازل کر چکے ہیں کہ کافروں، فاجروں کی مجلس ومحفل میں مت بیٹھو لیکن تعجب ہے کہ یہ غافل لوگ اس سے چار قدم آگے بڑھ کر ان سے دوستی کرنے لگے اور ان کو عزت وقوت کا مالک سمجھنے لگے۔ آیت نے واضح کر دیا کہ ایسی محفلوں اور اجتماعات میں شریک ہونا بالکل کافرانہ کام ہے جن میں اللہ ورسول اور دین وشریعت کا مضحکہ اڑایا جاتا ہو، چاہے وہ اسکولوں اور کالجوں میں ہو یا شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں، بازاروں اور میلوں میں یا مغرب زدہ حلقوں میں۔ قرآن کی وعید کہ ''یقیناً تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے'' ایک مسلمان کے دل کو لرزا دینے کے لئے کافی ہے، بشرطیکہ ایمان کی کوئی رمق باقی ہو، اور قومی وملی لحاظ سے بھی یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے (تفسیر بیان القرآن ص ۱۳۱)۔

مفتی شفیع صاحبؒ اہل باطل کی مجلسوں میں شرکت پر تفصیلی کلام کے بعد تحریر فرماتے ہیں: '' خلاصہ یہ ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں:

اول ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ یہ کفر ہے۔ دوم اظہار کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ یہ بلا عذر فسق ہے سوم کسی ضرورت دنیوی کے واسطے مباح ہے چہارم تبلیغ احکام کیلئے عبادت ہے۔ پنجم اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذور ہے (معارف القرآن ص ۵۸۶، ج ۲، ربّانی)۔

ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

ارشاد باری ہے: ''**وإذا ريت الذين يخوضون فى آياتنا فأعرض عنهم**'' (سورۂ انعام: ۶۸)۔

''**وهذا يدل علىٰ أن علينا ترک مجالسة الملحدين وسائر الكفار عند إظهارهم الكفر والشرک**

وماالایجوز علی اللہ تعالیٰ إذا لم یمکنا إنکارہ، وکنا فی تقیة من تغییرہ بالید أواللسان"(احکام القرآن سورۃ الانعام باب النہی عن مجالسۃ الظالمین ۳/ ۳)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:" ایسی تعلیم دلانا جس کے اثر سے بچے بگڑ جائیں اور دین سے بے تعلق ہوکر بے دین بن جائیں (عقائد، اخلاق، اعمال خراب ہوجائیں) جائز نہیں۔ یہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں، بلکہ ان کو تباہ اور برباد کرنا ہے، اس بگاڑ سے حفاظت کا انتظام ہوجائے تو دنیاوی تعلیم بھی درست ہے اول عقائد اور اخلاق واعمال شرعیہ کی تعلیم دی جائے، بزرگوں کی صحبت میں رکھا جائے، دینی کتب کا مطالعہ ہمیشہ کرتے رہیں تو حفاظت ہوسکتی ہے (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۳۸۸، ڈابھیل)۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:" بلکہ جبریہ تعلیم کے پیش نظر جب بچے اسکولوں میں داخل ہونے پر مجبور ہیں اور اپنا ادارہ کوئی قابل اطمینان نہیں اور وہاں کا سارا ماحول غیر ہے تو کوشش کی گئی کہ اس مجموعی لادینی ماحول میں مسلمان بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ جس قدر بھی مسلم معلم ان کے دین کی حفاظت کرسکیں غنیمت ہے (حوالۂ بالا ۳/ ۳۹۶)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوا کہ:

(۱) ایسے سرکاری اداروں میں مسلم بچوں کا داخلہ لینا جائز نہیں جہاں یہ مشرکانہ اعمال جبری طور پر کرنا پڑیں۔

(۲) مشرکانہ اعمال اگر اختیاری طور پر کئے جاتے ہیں تو بھی (دیگر ایسے اسکولوں کی موجودگی میں جہاں یہ شرکیہ حرکات نہ ہوں) وہاں داخلہ لینا جائز نہیں۔" یاایھا الذین آمنوا قوا أنفسکم واھلیکم ناراً "(سورۂ تحریم: ۷)۔

(۳) جہاں کوئی دیگر ادارہ نہ ہو اور موجودہ ادارہ میں یہ اعمال لازم ہوں تعلیم بھی جبری ہو تو دین وایمان کے تحفظ کے ساتھ قلب واعضاء وجوارح سے شرکت نہ کرکے ظاہری جسمانی شرکت کو گوارہ کیا جائے گا۔

(۴) جہاں کفریہ وشرکیہ اعمال وحرکات کی ترغیب ہو حکم نہ ہو تو ایسے ادارہ سے بھی بچوں کو دور ہی رکھنا واجب ہے۔

(۵) دیگر ایسے اداروں کے ہوتے ہوئے جہاں یہ شرکیہ رسوم نہیں ہوتی ان کو چھوڑ کر کسی بھی مقصد سے مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے اداروں میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا بچوں کو آگ میں جھونکنے کے مترادف ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

(٦) مسلم انتظامیہ غیر مسلم طلبہ کی حد تک آزادی دے سکتی ہے کہ وہ شرکیہ رسومات خود کرلیں، لیکن اسباب فراہم کرنا یا اپنی نگرانی میں اس کو انجام دلانا جائز نہیں۔" لاتعاونوا علی الاثم والعدوان "(سورۂ مائدہ: ۲)۔

۱۱- جنسیات اور محفوظ سیکس کی تعلیم:

انسان کی فطری اور بشری ضروریات میں ایک جنسی تقاضے بھی ہیں جو انسان کو خود اپنے وقت پر اس کی فطرت اسکو سکھاتی ہے جس طرح جانوروں میں یہ صفت بھوک وپیاس کی طرح موجود ہے ایسے ہی انسانوں میں یہ مادہ خالق فطرت نے خود بخود رکھا ہے یعنی

جنسی افعال جنسیات کی تعلیم کے بغیر فطری طور پر زندگی کا حصہ بنتے ہیں جیسے نومولود بچہ کو ماں کے سینے سے دودھ پینے، بھوک لگنے پر رونے اور خوش ہونے پر ہنسنے کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ معلم فطرت خود بچہ کو سکھاتا ہے اسی طرح جنسی افعال عمر کی ایک حد پر پہنچنے کے بعد ازخود انسانی شعور کا حصہ بن جاتے ہیں اس کے لئے قبل از بلوغ ''تعلیم برائے نوبلوغیت'' کا نصاب پڑھانے اور سمجھانے اور ان کے شہوانی خیالات ابھارنے اور ان کے جذبات کو ہیجان کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں، بلکہ نوبلوغیت اور مراہقت کا زمانہ تو ان کے خیالات کو پاکیزہ بنائے رکھنے اور اپنی عفت وآبرو سے چھیڑ چھاڑ سے بچانے کیلئے ایسے لٹریچر سے دور رکھنے کا زمانہ ہے جس کو پڑھ کر وہ جلد بلوغ کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور اپنی تعلیم کا تجربہ شروع کردیتے ہیں اس طرح وہ غلط راہ پر پڑجاتے ہیں اور آزادانہ جنسی تعلق کا انہیں کوئی خوف نہیں ہوتا۔ بے حیاء مذہب بیزار خدا فراموش قوموں نے جن کے یہاں جائز جنسی تعلق پر قناعت واکتفاء کا تصور نہیں جانوروں کی طرح سیکس کی عام آزادی سب کو فراہم کرکے انسان سے حیوان کی صف میں دھکیلنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس حیوانیت کے نتیجہ میں دنیا کے نقصانات اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا نہ ہونے پائیں اس کے لئے انہوں نے '' جائز جنسی تعلق'' پر اکتفا کرنے کی دعوت دینے کے بجائے ''محفوظ جنسی تعلق'' کا نعرہ لگایا اور نوعمر لڑکوں ولڑکیوں کو بھی جنسی افعال کے بارے میں وہ سب طریقے کھول کر بتادئے کہ ان کے لئے محفوظ طریقہ پر برائی کرنا آسان ہوگیا جس کا نتیجہ یہ کہ بدکاری کے محفوظ طریقے معلوم ہونے سے بدکاری اور پھیل گئی۔ جنسی تعلیم نے بدکاری کو بڑھاوا دیا اور بیماری سے بچنے میں وہ کتنے کامیاب ہوئے وہ ایڈس اور ایچ آئی وی کے مریضوں کی کثرت سے واضح ہے کہ ہر سال سولہ کروڑ تیس لاکھ افراد جنسی مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں (مغربی تہذیب انحطاط کی شاہراہ پر رصفحہ ۲۵۷)۔

اس لئے جنسی تعلیم جو درجہ ٦ سے درجہ ۸ تک اسکولوں میں نصاب کے لئے '' یووا'' (نوجوان) کے نام سے مرتب کی گئی ہیں وہ نوجوان نئی نسل کے لئے انتہائی خطرناک اور ان کی عزت وناموس کو محفوظ طریقہ سے تارتار کرنے والی ہیں، لہٰذا اس نصاب کو پڑھانا ان کے ساتھ خیرخواہی نہیں بلکہ ان کی جوانی کو خود ضائع کرنے کی دعوت دینا ہے۔ تاہم نوبلوغیت۔ کیلئے ایسی تعلیم وہدایات کی ضرورت ضرور ہے جس سے نہ صرف یہ کہ وہ جنسی بیماریوں میں مبتلا ہو، بلکہ وہ جنسی بے راہ روی کا بھی شکار نہ ہو مثلاً:

(۱) دس برس کے بعد بستروں کو علاحدہ کردینے کا حکم۔

(۲) طہارت وجنابت کے مسائل۔

(۳) اغلام بازی، مشت زنی اور زنا کے نقصانات وعیدیں۔

(۴) نکاح والی زندگی کی ترغیب اور بیوی سے تعلق کے فضائل

(۵) آداب زفاف، آداب مباشرت وغیرہ۔

(٦) حیض ونفاس کے زمانہ کے موٹے موٹے مسائل وغیرہ۔

(۷)طبی اعتبار سے کچھ مفید باتیں۔

اس لئے ارباب حل وعقد کا فریضہ ہے کہ وہ اسکولوں سے جنسیات کے موجودہ نصاب کی سرکوبی کریں اوران کے نقصانات سے آگاہ کرکے اس کو ختم کرائیں۔کم ازکم یہ نصاب سب طلبہ وطالبات کے لئے لازم نہ ہواس کی سعی کریں اور مسلم طلبہ وطالبات کو اس نصاب سے مستثنیٰ کرائیں۔اگر یہ کورس لازم ہی ہوجائے تو مضمون کو پڑھانے کیلئے اسلامی اخلاق واقدار کی روشنی میں خود ایسی کتاب مرتب کی جائے جس سے طلبہ وطالبات کو عفت وعصمت کی اہمیت بھی معلوم ہو اور زنا بدکاری لواطت وغیرہ کے نقصانات کا بھرپور تذکرہ ہوتا کہ معاشرہ میں پاکیزگی برقرار رہے بالغ ہوتے ہی وہ زنا وغیرہ کے محفوظ طریقوں کا تجربہ نہ شروع کردیں۔

اورآخری درجہ میں جبکہ ان کی مرتب کردہ کتاب ہی لازم ہواور کوئی متبادل یا راہ فرار ممکن نہ ہوتو پھر مسلمان معلم واستاذ کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نصاب کو ایسے پڑھائے کہ اس کے مضر حصہ کو حذف کرے یا اس کی خرابیوں کو واضح کرکے زبانی طور پر اسلامی ہدایات بھی ساتھ ساتھ دیتا رہے۔

۱۲، ۱۳-عصری اسکولوں کے مخلوط تفریحی پروگرام اور کھیل کود کے مقابلے وغیرہ:

اسلام دین فطرت ہے فطری طور پر انسان کی خوش طبعی اور سیروتفریح نیز کھیل کود کی طرف رغبت ہوتی ہے اور یہ طب وصحت کی رو سے ضروری بھی ہے نبی کریم ﷺ نے بھی حکم دیا کہ:

"روحوا القلوب ساعة فساعة"(احکام القرآن ۳/ ۱۹۵،مفتی شفیع صاحب)۔

اس کے علاوہ قولی اور فعلی دونوں طرح نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں دلچسپی کا عنصر ملتا ہے جس کی تفصیل "تفریح وسیاحت" کے مجلّہ میں اکیڈمی کی طرف سے شائع شدہ ہے۔

اس لئے کالج میں لڑکے لڑکیوں کے وہ تفریحی پروگرام جو فی نفسہ بھی جائز ہوں اور اختلاط مرد وزن کی خرابی بھی نہ ہو نہ ہی لباس غیر ساتر ہو تو اس کی اجازت ہی نہیں اس کی ترغیب دی جائے گی۔لیکن افسوس کہ اسکولوں وکالجوں کے پروگرام اس معیار پر پورے نہیں اترتے (الا ماشاء اللہ) ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت نے جب عبادت میں اختلاط سے روک دیا اور جس زمانہ میں خواتین کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی اس میں بھی صفوں کی ترتیب یہ تھی کہ آگے مرد کھڑے ہوں درمیان میں بچے اور پیچھے عورتیں اور مسجد سے نکلنے کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے عورتیں چلی جائیں پھر مرد حضرات نکلیں اسی طرح اور دیگر احتیاط برتی گئیں۔اور ابھی اوپر کے صفحات میں مخلوط تعلیم کا عدم جواز واضح کیا گیا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عبادت وتعلیم میں اختلاط کی جب اجازت نہیں تو کھیل کود اور سیروتفریح،سائیکل ریس وغیرہ میں مخلوط پروگرام کی شرعاً اجازت کہاں ہوسکتی ہے۔

پھر تفریح کے لئے دوسرے شہر جانا بلا محرم کے جیسا کہ اسکولوں کے پروگرام کا یہ بھی حصہ ہوتا ہے شرعاً یہ بھی جائز نہیں بلکہ خواتین کا سیروتفریح کیلئے گھومنا پھرنا ہی نسوانی فطرت کے خلاف ہے۔قرآن کریم میں عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور

ضرورتاً محرم کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے صرف سیر وتفریح کے لئے شرعی مسافت کے بقدر دوری والے سفر کرنا اور طالبات کو سفر میں لے جانا خواہ گروپ میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اسلامی مزاج اور صنفِ نازک کی فطرت کے خلاف ہے۔

ارشاد باری ہے:"**وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الأولیٰ**" (سورۂ احزاب ۳۳)۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:"**المرأة عورت فإذا خرجت استشرفها الشيطان**"(رواہ الترمذی،فصل ثانی مشکوۃ باب النظرالی المخطوبہ ص ۲۶۹)۔

"**وعن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله** ﷺ: **لايخلون رجل بامرأة ولاتسافرن امرأة الاومعها محرم**"(متفق علیہ مشکوۃ کتاب المناسک ص ۲۲۱ فصل اول)۔

خلاصہ یہ کہ سیر وتفریح کے مخلوط پروگرام کی تو شرعاً گنجائش ہی نہیں اور اختلاط سے بچاتے ہوئے بھی خواتین کے پروگراموں میں سفر کی ضرورت نہیں اور یہ گھر کے محرم حضرات کے ساتھ ہی ممکن ہے اسی طرح کھیل کود کے انتخاب میں بھی غیروں کی نقالی اور مشابہت خصوصاً کھیل کے غیر ساتر کپڑوں کے ساتھ کھیلنے گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دراصل تعلیم کی آڑ میں یہود ونصاریٰ کی تہذیب جو ساتھ ساتھ جڑی ہوئی ہے اس کو الگ الگ کرنے کی ضرورت ہے تعلیم جتنی ضروری ہے ان کی مادر وپدر آزاد تہذیب سے بچنا بھی اتنا ہی ضروری ہے اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلم انتظامیہ کو اپنے سیر وتفریح کے پروگرام ترتیب دینے چاہئے اور اس میں بعینہ ان کی نقالی سے گریز کرنا چاہئے۔

۱۴-ثقافتی پروگرام:

اسی طرح ثقافتی پروگرام کے عنوان سے جو تقریریں، ڈرامے اور مکالمے کرانے کا سلسلہ اسکولوں میں رائج ہے اس کے لئے مخلوط محفلوں کا انعقاد خصوصاً دس سال سے زائد بچے وبچیوں کے لئے جائز نہیں طالبات کی اپنی محفل علاحدہ ہونی چاہئے جو اُن کی معلمات ہی کی نگرانی میں ہو اور طلبہ کی محفل علاحدہ اس کے علاوہ ڈراموں اور مکالموں میں بھی شرعی حدود کی پاسداری لازم ہے محض ہنسنے اور ہنسانے کیلئے جھوٹ اور بیہودہ نقالی وغیرہ کو جگہ نہ دینی چاہئے۔حدیث میں ہے:

"**ويل للذى يحدث بالحديث ليضحك منه ا لقوم فيكذب ويل له ويل له**"(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۶۳۱/۴، ممبئی)۔

"**ويكره لهن حضور الجماعات يعنى الشواب منهم لمافيه من خوف الفتنه**"(ہدایہ باب اللباس،۸/ ۳۷۳)۔

"**ومتى كره حضور المسجد للصلاة فلان يكره حضور مجالس الوعظ خصوصاً عندهولاء الجهال الذين تحلو بحلية العلماء أولیٰ**"(البحر الرائق ۳۵۸/۱، باب الامامہ)۔

شریعت مطہرہ میں عورت کو آواز سے قرآن پڑھنے، تلبیہ پڑھنے، دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور موقع ضرورت میں بھی اجنبی مرد سے نرم ونازک اور دلکش انداز میں گفتگو کرنے سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے:

"فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروف" (سورۂ احزاب:۳۲)۔

لہٰذا دس سال سے زائد عمر کی طالبات کا طلبہ یا مردوں کے سامنے جلسہ میں آکر پر تکلف انداز میں تقریر ونعت یا مکالمہ وغیرہ پیش کرنا درست نہیں۔

"ولانجیز لهن رفع ا صواتهنّ ولاتمطیطها ولاتلیینها وتقطیعها کما فی ذلک من استمالة الرجال الیهن وتحرک الشهوات منهم ومن هذا لم یجز أن تؤذن المرأة" (شامی باب شروط الصلاۃ وفی ستر العورۃ، ۱/ ۲۷۲)۔

"وأیضاً۔نغمة ا لمرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب قال علیه الصلاة والسلام: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء فلایحسن ان یسمعها الرجل" (حوالۂ بالا)۔

۱۵- باتصاویر کتابوں، یا حیوانوں کے مجسمے نیز ڈیجیٹل تصاویر کے ذریعہ بچوں کو تعلیم دینا:

جدید طریقۂ تعلیم میں بہت سے ناجائز امور کی آمیزش ہوگئی ہے۔ چونکہ جدید عصری نظام تعلیم حلال وحرام سے آزاد بے دینوں کے ہاتھ میں ہے اور "الاناء یترشح بما فیه" کے بمصداق ایسے لوگوں سے یہ امید بھی نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ اسلامی شریعت کا پاس ولحاظ کر کے تعلیمی نظام ترتیب دیں گے نتیجہ یہ کہ مسلم طلبہ وطالبات کے ذہنوں سے تصویر کی حرمت وکراہیت شروع ہی سے ختم ہوجاتی ہے مزید برآں آرٹ کے نام پر تصویر سازی کا عمل بھی ان کا جزءِ تعلیم ہے جس کو اسکولی طلبہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ذی روح کی تصاویر ماضی میں بت پرستی کا سبب بن چکی ہیں اور آج بھی تصاویر کی عظمت اور پوجا پاٹ کا عمل جاری ہے، لہٰذا اسلام جو دنیا میں آخری اور دائمی دین کی حیثیت سے اللہ پاک نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعہ انسانوں کو دیا ہے اس میں توحید کی حفاظت کے لئے شرک کے چور دروازوں کو بھی ہمیشہ کیلئے بند کردیا گیا ہے، لہٰذا تصاویر جو اسباب شرک میں سے ایک ہے اور وہ امر واقعہ بن کر اپنی گمراہیوں کے ساتھ رونما ہو چکی ہے، اس لئے اس کی بندش کے لئے اسلام نے تصویر کے عمل کو ہمیشہ کیلئے حرام قرار دیدیا ہے۔ اور تصویر کی حرمت کے سلسلہ میں شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں مثلاً:

"إن اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون" (البخاری رقم الحدیث:۵۹۵۰)۔

"لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولاصورة تماثیل" (بخاری ومسلم، ۲۱۰٦، ۳۲۲۵)۔

اسی لئے فقہاء کرام نے ذی روح کی تمام قسم کی تصویروں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور پتھر کی تراشی ہوئی یا کاغذ پر قلم و پرکال سے

بنائی ہوئی یا کیمرہ سے لی ہوئی ہر طرح کی تصویر کو ناجائز ہی کہا ہے۔ نیز تصویر کا مقصد یادگار بنانا ہو یا کوئی اور (سوائے مجبوری کی حالت کے) تصویر سازی کا عمل ناجائز ہے۔ جہاں تک بات طفل مکتب کو تصاویر کی مدد سے پڑھانے اور سمجھانے کی ہے یہ بھی کوئی واقعی ضرورت میں داخل نہیں بچوں کو اسباق کی وضاحت کیلئے غیر جاندار کی تصاویر کافی ہیں۔ اور جاندار چیزوں کی محض تصاویر بچوں کی تعلیم میں شامل کرنے کا بڑے ہونے پر کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بچوں کی تعلیم کا سلسلہ کوئی نیا نہیں صدیاں گزر گئیں تصاویر کے بغیر تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری تھا اور تصاویر سے بے نیاز ہوکر بچے آج سے زیادہ علم والے پیدا ہوئے تھے اس لئے آج بھی تصاویر کا سلسلہ حذف کردیا جائے تو بچوں کی تعلیم میں اس کا کوئی حقیقی نقصان نہیں، لہٰذا ماضی کا تجربہ اور صدیوں کا مشاہدہ یہ شہادت فراہم کرتا ہے کہ تصاویر، مجسمے۔ اسی طرح ڈیجیٹل تصاویر کی حقیقی ضرورت نہیں، ہاں مزید وضاحت کے لئے کچھ معاونت ضرور میسر آتی ہے، لیکن اتنی سی آسانی کیلئے امر حرام کا ارتکاب جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

"فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلميه والافتاء" کے مجموعہ میں کئی فتاویٰ اس سلسلہ میں حرمت کے مذکور ہیں۔ ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: **"ماموقف المسلم من الصور التوضيحية التى فى الكتب الدراسية والكتب العلمية والمجلات الإسلامية النافعة، مع أنه لابدمن وجود هذه الصور للتوضيح وتقريب الفهم؟**

جواب: **"تصوير ذوات الأرواح حرام مطلقاً، لعموم ا لآحاديث التى وردت فى ذلك وليست ضرورية للتوضيح فى الدراسة، بل هى من ا لأمور الكماللية لزيادة الايضاح، وهناك غيرها من وسائل الايضاح يمكن الاستغناء بها عن الصور فى تفهيم الطلا ب والقراء، وقد مضى على الناس قرون وهم فى غنى عنها فى التعليم والايضاح وصاروا مع ذلك أقوى منا علماً وأكثر تحصيلاً وما ضرهم ترک الصور فى دراستهم، ولانقص من فهمهم لما أرادو ولامن وقتهم وفلسفتهم فى إدراک العلوم وتحصيلها، وعلى هنا لايجوز لنا أن نرتكب ماحرم الله من ا لتصوير لظننا أنه ضرورة، وليس ضرورة لشهادة الواقع بالاستغناء عنه قرونا طويلة۔**

خلاصہ یہ کہ تحقیق وجستجو سے بچوں کے لئے اسکول میں تصاویر کے استعمال کی جو مختلف صورتیں رائج ہیں اس کے بارے میں حرمت، کراہت، اجازت کے مختلف اقوال فقہاء کے یہاں ملتے ہیں حرمت میں احتیاط اور اجازت میں توسع ہے اور "خیر الأمور اوسطہا" ہے، اس لئے احقر صرف کراہت کا قائل ہے۔ جو ضرورتاً مرتفع بھی ہوجاتی ہے۔ جن فقہاء کے یہاں اس کا جواز منقول ہے وہ مندرجہ ذیل عبارات سے واضح ہے۔

’’موسوعۃ فقہیہ‘‘ میں ’’التصویر للمصلحة کالتعلیم وغیرہ ‘‘کے تحت میں ہے:

’’لم نجد احدا من الفقهاء تعرض لشی من هنا، عدا ماذکروہ فی لعب الأطفال: أن العلة فی استثنائها من التحریم العام هو تدریب البنات علی تربیة الأطفال کما قال جمهور الفقهاء ، أو التدریب واستئناس الأطفال وزیادة فرحهم لمصلحة تحسین النمو کما قال الحلیمی، وأن صناعة الصور أبیحت لهذه المصلحة مع قیام سبب التحریم وهی کونها تماثیل لذوات الأرواح، والتصویر لایخرج عن ذلک‘‘۔

بچوں کیلئے تصاویر کی رخصت کے سلسلہ میں ایک اور جگہ مزید وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں:

’’والعلة فی هذا الترخیص تدریبهن عن شأن تربیة الأولاد ، وتقدم النقل عن الحلیمی: أن من العلة أیضا استئناس الصبیان وفرحهم وأن ذلک یحصل لهم به النشاء والقوة والفرح وحسن النشوء ومزید التعلم، فعلی هنا لایکون الأمر قاصرا علی ا لأناث من الصغار، بل یتعداه إلی الذکور منهم أیضا۔ وممن صرح به أبو یوسف : ففی القنیة عنه: یجوز بیع اللعبة ، وأن یلعب بها الصبیان‘‘(موسوعہ فقہیہ ۱۲/۱۲۱،تصویر)۔

۱۶-خواتین کیلئے اسکولی نصاب میں امورخانہ داری وغیرہ کی شمولیت:

مردوزن،نوع انسانی کی دو صنفیں ہیں دونوں میں طبعی وفطری فرق قدرت نے رکھا ہے۔دونوں صنفوں کے درمیان قدرتی فرق کے پیش نظر اوردونوں کی زندگی کے تقاضوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کیلئے عدل ومساوات اورقانونِ فطرت کے عین مطابق اسلام نے تقسیم کار کا اصول رکھا ہے اور مردوزن کے درمیان داخلی وخارجی ذمہ داریوں کا بٹوارہ کرکے ہرایک کو اس کی ہدایات دی ہیں جس سے انسان کی سماجی زندگی متوازن ہوجاتی ہے اور ہرایک کو اس کے حقوق بھرپور مل جاتے ہیں،جیسا کہ تجربہ شاہد ہے اور جہاں اس کی خلاف ورزی ہے افراط وتفریط ہے وہاں معاشرہ اورفیملی سسٹم بالکل تباہ ہوچکا ہے،مساواتِ مردوزن اورآزادیٔ نسواں کے پرفریب نعروں میں عورت اس طرح پس کر رہ گئی ہے جیسے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان بے زبان غلہ کے دانوں کو پیس دیا جاتا ہے۔

بہرحال جب انسان کی دونوں صنفوں کے تقاضوں اوران کے حقوق وفرائض میں فرق ہے تو اُن تقاضوں کی تکمیل کے اسباب وذرائع میں فرق بدیہی ہے،لہٰذا علم کی دنیا میں بھی بہت سے علوم کے قدرے مشترک ہوتے ہوئے بہت سے علوم ایسے بھی سامنے آئیں گے جن کی اہمیت مردوں کیلئے زیادہ ہے عورتوں کو چنداں اس کی حاجت نہیں اسی طرح بہت سے علوم یا ہنروفنون وہ ہونگے جوعورتوں کیلئے زیادہ موزوں ہوں گے مردوں کیلئے نسبتاً اس کی ضرورت کم ہوگی بلکہ بعض علوم کی تعلیم عورتوں کے لئے مضر بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ حدیث پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کا فن عام طالبات کونہیں سکھلانا چاہئے اسی طرح جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم عورتوں کے لئے مناسب نہیں معلوم ہوتی۔

’’قال ابن حجر الهیثمی المکیؒ: روی الحکیم الترمذی عن ابن مسعودؓ ان النبی ﷺ قال: ’’لا

تسکنوا نساء کم الغرف ولاتعلموهن الکتابة"

"وأخرج الترمذی الحکیم عن ابن مسعود ایضاً۔ رضی الله تعالیٰ عنه ۔ انه ﷺ قال: "مرّ لقمان علی جاریة فی الکتاب ، فقال: لمن یصقل هذ السیف ""؟ ای حتی یذبح به ، و حینئذٍ فیکون فیه اشارة الی علة النهی عن الکتابة، وهی أن المرأة اذاتعلمتها توصلت بها الی أغراض فاسدة، وأمکن توصل الفسقة الیهاعلی وجه أسرع وأبلغ وأخدع من توصلهم الیها بدون ذلک ، لأن الإنسان یبلغ بکتابته فی أغراضه الی غیره مالم یبلغه برسوله، ولأن الکتابة أخفی من الرسول ، فکانت أبلغ فی الحیلة وأسرع فی الخداع والمکر، فلأجل ذلک صارت المرأة بعد الکتابة کالسیف الصقیل الذی لامرّ علی شی الأقطعه بسرعة، فکذلک هی بعد الکتابة" (الفتاوی الحدیثیہ ص ۱۹۹)۔

لیکن ممانعت کتابت علی الاطلاق یاتمام احوال میں ہرگز نہیں ہے بلکہ حدیث میں کتابت النساء کی ترغیب بھی منقول ہے۔ اس لئے شراح حدیث نے اس میں تفصیل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں فتنہ کا خطرہ ہو وہاں ممانعت ہے جہاں فتنہ نہ ہو بلکہ ضرورت ہوتو اس کی گنجائش ہے (آجکل کتابت کی جگہ کمپیوٹر نے لے لی ہے اس کا بھی وہی حکم ہوگا)۔

(۱) "عن شفاء بنت عبداللهؓ قالت: دخل علی النبی ﷺ وانا عند حفصةؓ ، فقال لی: ""ألا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة" (سنن أبی داؤد:۲/۱۸۶، باب ماجاء فی الرقی، سعید)۔

"قال الشیخ فی بذل المجهود : "فیه دلیل علی جواز کتابة النساء، وأما حدیث : "لاتعلموهن الکتابة" محمول علی من یخشی علیها الفساد" (۵/ ۸۰، معهد الخلیل الاسلامی کراچی، ومسند الأمام احمد ابن حنبل: ۶/ ۳۷۲، رقم الحدیث: ۲۶۵۵۵، حدیث شفاء بنت عبدالله، داراحیاء التراث العربی، بیروت)۔

"لاتسکنوهن الغرف ، ولاتعلموهن الکتابة وعلموهن الغزل وسورة النور" من حدیث عائشه، ومن حدیث ابن عباس بلفظ"لاتعلموا نساء کم الکتابة ولاتسکنوهن العلالی"۔

"وعن مجاهد مرسلاً "علموا رجالکم سورة المائدة، وعلموا نساء کم سورة النور" أخرجه سعید بن منصور فی سننه وروی البیهقی فی الشعب عن أبی عطیة الهمدانی کتب عمر بن الخطاب تعلموا سورة برأة وعلموا انساء کم سورة نوح" (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ۲/ ۲۰۸، ۲۰۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

"واعلم ان النهی عن تعلیم النساء الکتابة لاینافی طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب ، لأن فی هذه مصالح عامة من غیر خشیة مفاسد تتولد علیها بخلاف الکتابة ، فانه وأن کان فیها مصالح الأن فیها خشیة مفسد، ودرء المفاسد مقدم علی جلب المصالح، (الفتاوی الحدیثیۃ ص ۱۱۹، مطلب: یکرہ تعلیم النساء الکتابۃ،

قدیم وکذا فی حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۳۳۲، قدیمی)۔

مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ انہیں، عورتوں کے لئے مفید وکار آمد مضامین کی طرف توجہ دینا چاہئے اور جو نصاب لازمی نہ ہوں ان میں افادیت کی بنیاد پر نصاب میں اصلاح وترمیم کرکے ہی خواتین کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کرنا چاہئے خصوصاً اختیاری مضامین کے تحت سلائی کڑھائی دستکاری وغیرہ ہنر کو سکھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔لیکن امور خانہ داری، سلائی کڑھائی، پکوان امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت وغیرہ امور کو اپنے نصاب کا حصہ بنانا لازم وواجب نہیں کہا جاسکتا درجۂ استحباب وتحسین میں ان کا شمار ہوگا۔ درجۂ وجوب میں اس لئے نہیں کہ ادارہ نے سب علوم وفنون اور ہنر وصنعت سکھانے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے جو نصاب اسکول وکالج کا مروج ہے اسی کی تعلیم کا معاملہ فریقین کے مابین ملحوظ ہوتا ہے۔اور ''المعروف کالمشروط'' کی طرح معروف تعلیم میں یہ امور مشروط نہیں ہوتے لہٰذا ادارہ کے ذمہ ان کا سکھانا لازم قرار نہیں پاتا ادارہ نے اپنے یہاں کا نصاب پڑھادیا باقی تعلیم خواتین کسی اور ادارہ یا معلمات کے یہاں حاصل کرسکتی ہیں۔ دونوں تعلیم کی کفالت ادارہ کے ذمہ نہیں ہے یوں بھی ہر فن کے لئے الگ الگ ادارے قائم ہیں البتہ انتظامیہ، خواتین کے مفاد میں مذکورہ امور کو اپنی تعلیم وتربیت کا حصہ بنالیں تو زیادہ بہتر اور خواتین کے لئے زیادہ سہولت کا باعث ہوگا۔

۱۷-عصری اسکولوں میں بقدر ضرورت دینی تعلیم کی ضرورت:

مقصدِ حیات اللہ کی یاد، مقصد زندگی اللہ کی بندگی ہے، ''وماخلقت الجن والإنس إلا لیعبدون'' (سورۂ ذاریات: ۵۶)، ولادت کے بعد اذان کے ذریعہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت کی گواہی کانوں کے راستے سے دل کی دھڑکنوں تک پہنچانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب پر مقدم ہے۔قرآن کریم نے اقراء کے تاکیدی حکم میں رب کے نام اور خالق کی معرفت کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے کہ تعلیم کوئی بھی ہو خالقِ کائنات اور ربِ ذوالجلال کی معرفت اور خداشناشی وخودشناسی کے ساتھ ہی ہونی لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**اقراء باسم ربک الذی خلق۔ خلق الإنسان من علق۔ اقراء وربک الأکرم الذی علم بالقلم۔ علم الإنسان مالم یعلم**'' (سورۂ علق: ۱-۴)۔

اس لئے وہ تعلیم جس سے انسان کو توحید خداوندی، رسالت نبوی اور عقیدۂ آخرت کی بنیادی باتیں معلوم ہوں اور پاکی وناپاکی، نماز وعبادت کے ضروری مسائل کا علم ہو اور نکاح وطلاق اسلامی معاشرت اور حقوق العباد صفائی معاملات حلال وحرام کا پتہ ہو اور قرآن پاک ناظرہ اور کچھ سورتیں صحیح تجوید کے ساتھ پڑھ سکے کم از کم علم دین کا یہ درجہ ہر مسلمان کے لئے خواہ وہ کوئی مشغلہ اور کسی پیشہ اور کسی محکمہ سے وابستہ ہو فرض عین ہے۔اسی کو حدیث پاک میں فرمایا گیا: ''**طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم**''۔

''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں ہے:

"والمراد بالعلم العلم الشرعی الذی یفید معرفة مایجب علی المکلف من أمر دینه فی عبادته ومعاملا ته والعلم بالله وصفاته وما یجب له من القیام بامره وتنزیهه عن النقائص ومدار ذلک علی التفسیر والحدیث والفقه" (۱/۱۹۲ کتاب العلم)۔

اب چونکہ دین کی یہ بنیادی تعلیم بچوں کو اسکول میں داخل ہونے سے پہلے نہیں مل پاتی اور اسکول میں اگر دینی تعلیم بقدر ضرورت نہ ہو تو پھر وہ ڈاکٹر، انجینئر، وکیل وغیرہ بن کر بھی دین کی الف، ب سے بھی ناواقف رہ جاتا ہے اور وہ اپنے ماں باپ کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لائق بھی نہیں رہ جاتا اور اس طرح یہ نام کا مسلمان علم دین کی بنیادی باتوں سے جاہل رہنے کے سبب خود گنہگار رہوتا ہے اور اس کے والدین بھی گنہگار ہوتے ہیں۔

اب اس کے دو ہی حل ہیں یا تو علیحدہ سے بچوں کی ضروری دینی تعلیم کی فکر کی جائے جیسا کہ اسکولی بچوں کے لئے فائن چِچ بمبئی والوں کا دینیات کا نظام ہے کہ بچہ اسکول بھی جائے اور گھنٹہ دو گھنٹہ کیلئے دین کی بنیادی تعلیم بھی علیحدہ مستقل حاصل کرے۔

دوسری آسان شکل یہ ہی ہے کہ اسکول جو اپنے اختیار کے ہیں ان میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم وتربیت کا نظام بھی اسکول کے نصاب کے ساتھ ساتھ چلایا جائے اور اس کے لئے ایک گھنٹہ بھی کافی ہے کہ اس ایک گھنٹہ میں استاذ (فکرمند دینی مزاج والا استاذ) ان کو دین کے عقائد واعمال اور دین اسلام کی ضروری تعلیمات، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ناظرہ مع تجوید سکھلائے نیز قرآن کی مختصر سورتیں، سنتیں، حدیثیں، دعائیں وغیرہ یاد کرا کر ان کی عملی تربیت کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ نصاب دینی تعلیم کا بچوں کے لئے کیا ہو جو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ چلایا جا سکے جس سے دینی تعلیم کا تقاضا پورا ہو جائے۔ سو الحمد للہ ملک کے مختلف اسکولوں وکالجز میں ایسے نصاب کی کمی نہیں ہے۔ حیدرآباد، بنگلور، بمبئی وغیرہ میں مختلف مفید کورس اسی مقصد کے تحت پڑھے پڑھائے جاتے ہیں بھٹکل کا مولانا ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی کا "اسلامیات" کا کورس بھی انتہائی مفید اور جامع ہے۔ جب اسکولی بچے قرآن ناظرہ واردو کی کچھ شدبد حاصل کرلیں تو پھر ان کے لئے اور عام مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لئے مولانا تقی عثمانی کا تجویز کردہ نصاب کا پڑھانا (یا صرف مطالعہ بھی) اپنے پڑھنے والوں کو دینِ اسلام سے مکمل واقفیت کے ساتھ ہی ان کی زندگی کی اصلاح کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مرتب کردہ نصاب مع تمہید یہ ہے فرماتے ہیں:

"آپ نے بہت اہم سوال پوچھا ہے۔ بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرنا واقعتاً ہر مسلمان پر فرض ہے۔ احقر کی رائے میں اس مطالعے کے دو حصے کرنے چاہئیں۔ پہلا حصہ ابتدائی ضروری معلومات پر مشتمل ہو جن کے بغیر ایک سچے مسلمان کی طرح زندگی گذارنا ممکن نہیں، اور دوسرا حصہ پہلے حصے کی تکمیل کے بعد ایسے مطالعے پر مشتمل ہو جس سے دینی معلومات میں اتنی وسعت اور استحکام پیدا ہو جائے کہ انسان گمراہ کرنے والوں سے گمراہ نہ ہو۔ پہلے حصے میں احقر کی نظر میں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ ضروری ہے:

(۱)حیاۃ المسلمین: از حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

(۲)فروع الایمان: از حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

(۳)تعلیم الدین: از حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

(۴)مردوں کے لئے ''بہشتی گوہر'' اورعورتوں کے لئے ''بہشتی زیور'' از حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

(۵)جزاء الاعمال: از حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

(۶)سیرت خاتم الانبیاء: از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۷)حکایات صحابہ: از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری

(۸)تاریخ اسلام کامل: از حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

(۹)اسوۂ رسول اکرم ﷺ: از حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفیؒ

دوسرے حصے میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہونی چاہئیں

(۱)معارف القرآن: از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(یا)تفسیر عثمانی: از حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

(۲)معارف الحدیث کامل: از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ

(۳)بہشتی زیور کے مسائل: از حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

(۴)عقائد اسلام: از حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ

(۵)شریعت وطریقت: از حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

خلاصہ یہ کہ اسکول میں شروع سے داخل ہونے والے بچوں کے دین کی فکر اور ان کو مسلمان باقی رکھنے کیلئے مندرجہ بالا اقدامات ضروری ہیں، مسلم انتظامیہ یا مسلم ٹیچر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلم بچوں کی دینی تعلیم وتربیت سے ہرگز غفلت نہ برتیں کہ یہی اصل سرمایہ ہے، مولانا عبداللہ کاپودروی نے اپنے ایک بیان میں اسکول کے ذمہ داروں کو اس سلسلہ کے چند نکات کی طرف توجہ دلائی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)بچوں کو تجوید اور عربی لہجے میں قرآن پاک سکھایا جائے۔

(۲)موجودہ حالات میں عقائد کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور سرکاری اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اساتذہ اس کا بھی مطالعہ کریں، اور اس میں جو شرکیہ عقائد ہیں اس کے مقابلہ کا صحیح عقیدہ بچوں کو سکھایا جائے۔

(۳)بہشتی ثمر اور دیگر کتب کے مسائل صرف پڑھنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کی عملی مشق کروائی جائے پریکٹیکل کر کے بتائیں۔

(۴) نبی کریم ﷺ کی سیرت سکھائی جائے خصوصاً سیرت النبی ﷺ کے اہم ابواب کی جانب توجہ دی جائے۔

(۵) بچوں کو اسلامی اخلاق کی طرف توجہ دلائی جائے (خلاصۂ بیان جامعہ علوم القرآن، جمبوسر (گجرات)۔

۱۸-طلبہ کو معلّمہ کے ذریعہ اور طالبات کو معلم کے ذریعہ تعلیم دلانا:

جس طرح بالغ یا قریب البلوغ لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کی شرعاً اجازت نہیں مخلوط تعلیمی نظام کی طرح شرعاً اور اخلاقاً یہ بات بھی درست نہیں کہ مرد استاذ بالغ یا قریب البلوغ لڑکیوں کو پڑھائے اسی طرح کسی عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ بالغ یا مراہق لڑکوں کو تعلیم دے۔ اور ممانعت کے دلائل وہی ہیں جو مخلوط تعلیم کے تحت گزر چکے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

" **لما كان الرجال يهيجهم النظر إلى النساء علىٰ عشقهن والتوجه بهن ويفعل بالنساء مثل ذلك ....اقتضت الحكمة أن يسدد هذا الباب**" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۳۲۸)۔

لیکن ممانعت کے حکم میں اس وقت تخفیف ہوگی، جبکہ معلم یا معلّمہ جوانی کی حدوں سے گزر چکے ہوں بوڑھے ہوں جس طرح کے فقہاء نے بلامحرم کے سفر کو منع کیا ہے، لیکن ایسی بوڑھی عورتوں کے لئے بلامحرم کے سفر میں جانے کی گنجائش دی ہے جن کے تنہا سفر کرنے یا نامحرموں کے ساتھ سفر کرنے میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ خود حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس کی اجازت کی صراحت فرمائی (امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۱)۔

"**أماالعجوز التی لاتشتهی ، فلابأس بمصافحتها ومس يدها اذا أمن ومتى جازالمس جاز سفره بها، ويخلو اذاأمن عليه وعليها وإلالا**" (درمختار کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۵۲۹، فصل فی النظر اللمس)۔

معلّمہ کے عمر دراز ہونے سے فتنہ کے مواقع نہ ہوں گے۔ اور اس طرح کم تنخواہ والی خاتون معلّمہ کے تقرر سے اسکول پر بار بھی نہ پڑے گا، اس سلسلہ میں ایک اہم فتویٰ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا درج ذیل ہے:

" اصلاً اسلامی طریقہ تو یہی ہے کہ لڑکیوں کو معلمات اور لڑکوں کو مرد اساتذہ تعلیم دیں، اگر اساتذہ مخالف جنس کے ہوں تو بعض دفعہ یہ بات فتنہ کا باعث بن جاتی ہے اور شریعت میں ایسی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایسے فتنوں کا سدباب ہو، لیکن اگر کسی مضمون کی تعلیم کے لیے اساتذہ دستیاب نہ ہوں، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ پڑھانے والی معلّمہ سن رسیدہ ہوں اور پورا بدن چھپائے ہوں، صرف چہرہ اور ہتھیلیاں نظر آئیں:

"**وينظر من الأجنبية ولو كافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة**" (درمختار مع الرد ۹/ ۵۳۱)۔

اسی طرح مرد اساتذہ جو لڑکیوں کی کلاس میں پڑھائیں، وہ معمر ہوں اور گزشتہ تجربات کے مطابق اخلاق وعادات قابل بھروسہ ہوں، نیز لڑکیوں کا یونیفارم اسکول کے پورے وقت کے لیے یا کم سے کم ان اسباق کے لیے جو مرد اساتذہ سے متعلق ہوں، برقعہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ بوقتِ ضرورت مخالف جنس کے استاذ سے استفادہ کی گنجائش ہے، کیونکہ کلاس میں طالبات یا طلبہ کی

کثرت کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ کم ہوتا ہے، البتہ یہ ایک عبوری انتظام ہے، کوشش یہی کرنی چاہئے کہ مستقل انتظام میں لڑکوں کے لیے مرد اساتذہ اور لڑکیوں کے لیے خاتون اساتذہ کا نظم ہو (کتاب الفتاویٰ ۷ / ۱۳۳)۔

۱۹- اسکول کی منظوری بچانے کیلئے رشوت دینا:

حکومت کی طرف سے اسکول و کالجز کے لئے جو ضوابط و شرائط متعین کئے گئے ہیں فی الجملہ ان میں طلبہ کی سہولت اور ان کی راحت اور معیار کی ترقی ملحوظ ہے اسکول میں میدان کا ہونا بڑے کمرے، کلاس روم کی وسعت، صفائی و ستھرائی کا معیار وغیرہ یہ معقول باتیں ہیں ان کا لحاظ ضروری ہے۔ بعض لوگ معیار پر پورے اترے بغیر تعلیم کو محض کمرشیل بنا لیتے ہیں اور ان کے اداروں کی بنیاد افسران کی چاپلوسی خوشامد اور رشوت پر قائم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ یہ رشوت کا لینا دینا دونوں ہی ناجائز اور مجرمانہ عمل ہے اور حدیث پاک ''**لعن اللّٰہ الراشی والمرتشی**'' (المعجم الکبیر للطبرانی رص ۱۴۱۵) کا مصداق ہے۔ یہ صورت زیر بحث سوال سے بظاہر خارج ہے کیونکہ رشوت کے آڑ میں غلط کام کرتے رہنے کی نہ شرعاً اجازت ہے نہ قانوناً۔

اصل مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ جو اسکول اور کالجز حکومت کے معیار کو پورا کر رہے ہیں اور کہیں سے قانون شکنی نہیں ہے پھر بھی محکمۂ تعلیم کے افسران (سفید پوش بھکاری) اسکول کے ذمہ داران سے لین دین کی بات کرتے ہیں اور ان کی جیب گرم نہ کی جائے تو بلاوجہ منفی رپورٹ لگا کر پریشان کرتے ہیں ایسے لٹیروں سے نجات پانے اور اسکول کی بقا کیلئے ان کو خوش رکھنا ضروری ہوتا ہے ایسی صورت میں مجبوراً رشوت کا سہارا لینا پڑتا ہے تو اسکول بچانے کیلئے یہ رشوت دینا کس حد تک درست ہے؟ یہ رشوت ہے تو جس طرح اسکا لینا حلال نہیں تو دینا کیوں درست ہوسکتا ہے؟ آگے کی سطور میں اسی کا جواب عرض ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ رشوت ہی ہے، کیونکہ رشوت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کو پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے پھر وہ صاحب معاملہ سے کچھ وصول کرے تو یہ رشوت ہے لہٰذا یہ سرکاری افسران جن کی ڈیوٹی یہ ہی کام ہے اس کو OK کرنے کا پیسہ طلب کریں تو یہ رشوت ہے۔

''**الرشوۃ ھی ما یدفعہ الانسان لیأخذمالیس من حقہ أو یتھرب بھا من حق علیہ**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۴ / ۲۵۶)۔

''**وقال ابن عابدین فی حاشیتہ :الرشوۃ مایعطیہ الشخصُ الحاکم وغیرہ لیحکم لہ أو یحمِلَہ علیٰ مایُرید**'' (شامی ۵ / ۳۶۲ کتاب القضاء مطلب فی الرشوۃ)۔

قال الشیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ: ''**وواضح من ھذاالتعریف أن ا لرشوۃ أعم من أن تکون مالا أو منفعۃ یمکنہ منھا، أو یقضیھا لہ۔ والمراد بالحاکم: القاضی، وغیرہ: کل من یرجی عندہ قضاء مصلحۃ الراشی، سواء کان من ولاۃ الدولۃ وموظفیھا أو القائمین بأعمال خاصۃ کوکلاء التجار والشرکات وأصحاب العقارات**

ونحوهم، والمراد بالحكم للراشي، وحمل المرتشي على مايريده الراشي: تحقيق رغبة الراشي ومقصده ، سواء كان ذلك حقا أو باطلاً انتهى‘‘(مجموع فتاوی ابن باز ۲۲۳/۲۳۔۲۲۴)۔

(ترجمہ)علامہ شامی نے رشوت کی بہت جامع تعریف اس طرح کی ہے:

رشوت وہ ہے، جسے ایک شخص کسی حاکم وغیرہ کو اس لیے دیتا ہے تا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا اسے وہ ذمہ داری دے دے، جسے یہ چاہتا ہے(شامی، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ)۔

مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انہوں نے اس تعریف سے یہ واضح کر دیا کہ رشوت عام ہے، چاہے وہ مال ہو یا کسی اور طرح کی کوئی منفعت اور حاکم سے مراد’’ قاضی‘‘(جج) ہے اور’’وغیرہ‘‘ سے مراد ہر وہ شخص، جس کے ہاں رشوت دینے والے کی مصلحت پوری ہوسکتی ہو، چاہے اس کا تعلق حکمرانوں سے ہو یا سرکاری ملازمین سے یا خاص اعمال بجالانے والے ذمہ داروں سے۔مثلاً تاجروں،کمپنیوں اور جاگیرداروں وغیرہ کے نمائندے وغیرہ۔’’فیصلہ‘‘ سے مراد یہ ہے کہ رشوت لینے والا، رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دے، تا کہ رشوت دینے والے کا مقصد پورا ہوجائے،خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر(مقالات وفتاویٰ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز: ۳۲۴)۔

فتاویٰ حقانی میں ایک سوال ہے کہ کیا کام میں رکاوٹ پیدا ہونے کے خوف سے ٹھیکیدار کا افسرانِ بالا کو رشوت دینا جائز ہے؟ جس کا جواب یوں دیا گیا کہ ٹھیکہ دینے کے بدلے جو افسران کمیشن کے نام پر پیسے لیتے ہیں، وہ رشوت میں داخل ہے۔کام کی نگرانی کرنا، ان کا فریضۂ منصبی ہے،اس کے بدلے حکومت سے تنخواہ لیتے ہیں،لہٰذا اگر ٹھیکیدار ٹھیکہ لینے کا حق دار ہو اور بغیر رشوت کے اسے ٹھیکہ نہ دیا جاتا ہو بحالت مجبوری اس کو تو رشوت دینے کی رخصت ہے،مگر افسران بالا کے لیے لینا ہرگز حلال نہیں(۲۷۳/۶)۔

اب یہیں سے رشوت کے لینے اور دینے دونوں کے حکم میں فرق واضح ہوجاتا ہے اور اسکول کے ذمہ داروں کے لئے گنجائش کی راہ نکلتی ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے فقہی مسائل میں اس کو خوب واضح کیا ہے لکھتے ہیں:

’’رشوت جس طرح لینا حرام ہے،اسی طرح اصولی طور پر دینا بھی حرام ہے۔اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں ایک متفق علیہ اصول ہے کہ جس چیز کا لینا جائز نہیں، اس کا دینا بھی جائز نہیں:’’ماحرم أخذه ، حرم اعطاه‘‘،البتہ چونکہ رشوت لینا کبھی بھی مجبوری نہیں بن سکتی اور رشوت دینا بعض دفعہ مجبوری بن جاتی ہے،اس لیے فقہاء نے ضرورت اور مجبوری کے مواقع پر رشوت دینے کی اجازت دی ہے اور اس سلسلہ میں حضور ﷺ کے اس عمل کو پیش نظر رکھا ہے کہ آپ ﷺ بعض شرپسند شعراء کو اس لیے کچھ دیا کرتے تھے کہ وہ بے ہودہ ہجو پر مبنی اشعار کہنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے سے اجتناب کریں۔

رشوت دینے کی گنجائش کب ہوگی؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے یہ اصول متعین کیا ہے کہ اگر رشوت نہ دے تو ناحق طریقہ پر اس کو جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو کہ جس ذمہ دار کے پاس اس کی درخواست زیرغور ہے، وہ اس کے ساتھ انصاف سے کام نہ لے گا اور اس

کے اور دوسرے امیدواروں کے درمیان مساویانہ سلوک روانہیں رکھے گا۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: "**الرشوة لخوف على نفسه أو ماله أو ليوسى أمره عند السلطان أو أمير.**" (الاشباہ والنظائر: ۱/ ۳)۔

جان یا مال پر خوف کی وجہ سے، نیز اس لیے کہ سلطان یا امیر اس کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرے، رشوت دینے کی گنجائش ہے۔ یہ ممنوع صورتوں سے مستثنیٰ ہے (جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۳۳)۔

خلاصہ یہ کہ اگر اسکول قانونی معیار پورا کر رہا ہے اس کے باوجود رشوت دینی پڑتی ہے تو رشوت دینے والا معذور اور رشوت لینے والا گنہگار ہوتا ہے اور اگر اسکول اپنی خامیوں کو چھپانے کیلئے رشوت دیتا ہے تو وہ لینے اور دینے والے دونوں مجرم اور گنہگار ہوں گے۔

☆☆☆

نصاب تعلیم کے مفاسد اور ان سے تحفظ کی تدابیر

مفتی محمد عثمان بستوی☆

اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر دنیا میں اپنا نائب مقرر کیا، دنیا میں پائی جانے والی ہر چیز ہر توانائی اور تمام قدرتی وسائل کو اس نے انسانوں کے لئے پیدا کیا، ”هو الذی خلق لكم ما فی الأرض جميعا“ (سورۂ بقرہ:۲۹)، اور اس کے استعمال کے لئے وحی و عقل عطا فرمائی، تاکہ اللہ کے حکم اور اپنی عقل کے غور و فکر اور تحقیق و جستجو سے ان کو دریافت کرے، اور اللہ کی بیان کردہ حدود میں اپنے نفع کے لئے استعمال کرے، چنانچہ اللہ تعالی نے انسانی ضرورت کے علوم و فنون، صنعت و حرفت کی تعلیم حضرات انبیاء کو دی، مثلاً پہیہ اور گاڑی کی ایجاد، حضرت آدم علیہ السلام نے کی جس کی تعلیم وحی کے ذریعہ ہوئی، چنانچہ بانی مسلم یونیورسٹی علامہ سرسیدؒ نے بڑی عمدہ بات کہی کہ زمانہ نے طرح طرح کی گاڑیاں ایجاد کر لی لیکن مدار کار ہر قسم کی گاڑیوں کا دھری اور پہیہ پر ہی رہا (معارف القرآن ۶۲۱/۴)۔

جہاز کی صنعت حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعہ وجود میں آئی ”واصنع الفلك بأعيننا ووحينا“ (سورۂ ہود:۳۷)، زرہ سازی کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعہ ایجاد ہوئی ”وعلمناه صنعة لبوس لكم لتحسنكم من بأسكم“ (سورۂ انبیاء:۸۰)، ”وألنّا له الحديد، أن اعمل سابغات وقدّر فی السود“ (سورۂ سبا:۱۰،۱۱)، فن کتابت حضرت ادریس علیہ السلام کے ذریعہ ایجاد ہوئی اور عربی کتابت کے موجد سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (کتاب حدیث ص ۴۰، عہد صحابہ و عہد رسالت میں)۔

علم فلکیات اور علم ریاضی کی ابتداء بھی حضرت ادریس علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی (معالم التنزیل ۲۳/۵)، اسی طرح علم طب کی ایجاد اور زمینی و آسمانی اشیاء کے متعلق موزون قصائد کے ذریعہ اظہار خیال بھی ان ہی کی اولیات میں سے ہیں (تاریخ الحکماء بحوالہ قصص القرآن ۹۶/۱)۔

اسی طرح زراعت و باغبانی تجارت وغیرہ بھی سنت انبیاء ہے، ”إن قامت الساعة وفی يد أحدكم فسيلة فإن استطاع أن لا تقوم حتى يغرسها فليغرسها، التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء“ (ترمذی

☆ ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

۲/۴۹۸)، اور آپ ﷺ نے بھی مفید دنیوی علوم وفنون سکھانے کا اہتمام فرمایا، چنانچہ حضرت عروہ بن مسعودؓ اور غیلان ابن سلمہؓ نے اہم جنگی ساز وسامان کی صنعت سیکھنے کے لئے جرش کا سفر کیا اور وہاں جا کر دبابہ (ٹینک)، منجنیق (توپ) اور ضبور بنانے کی تربیت حاصل کی، اسی زمانہ میں غزوہ حنین ہوا، اسی لئے وہ غزوہ حنین اور طائف کے محاصرے میں شریک نہ ہوسکے (البدایہ والنہایہ ۳/ ۵۵۳)۔

اس مختصر سی تفصیل سے بخوبی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسانی ضرورت مثلاً معاش اور صحت، دفاع وغیرہ سے متعلق علوم عصریہ اگر صحیح نیت اور مقصد سے حاصل کئے جائیں تو صرف جائز ہی نہیں، بلکہ عبادت ہیں، ان علوم کا ماخذ وحی اور انبیاء کی تعلیمات ہیں، اس لئے فی نفسہ اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، البتہ وہ علوم عصریہ جن سے عقائد کا فساد، اخلاق کا بگاڑ فحاشیت وعریانیت کا سیلاب وجود میں آتا ہے اس کی اجازت نہ تو اسلام دیتا ہے اور نہ ہی عقل وتہذیب، لہذا علوم عصریہ کے حصول میں اچھے برے مفید ومضر وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر علم حاصل کرنا چاہئے، آنکھیں بند کر کے مغرب کی اتباع اور تقلید میں ہر قسم کے علوم عصریہ کی تحصیل میں محنت و صلاحیت کو ضائع کرنا دانشمندی اور اسلامی تقاضہ کے خلاف ہے، چنانچہ علامہ مناظر حسن گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بلاشبہ خندق کے اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر قوم ہی کا کوئی طریقہ کیوں نہ ہو، لیکن اس میں اگر افادے کا کوئی پہلو ہو تو مسلمانوں کو اس کو اختیار کرنے میں قطعاً پس وپیش نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ پیغمبر اسلام نے خود اپنے عمل اور اپنے صحابیوں کے اجماع سے اس کی سنت قائم فرما دی ہے، آج اپنے عہد وانحطاط وزوال میں مسلمانوں کے سامنے سے پیغمبر کی یہ سنت تو نکل گئی اور یاد رہی بھی تو وہ روایت جس کی صحت میں بھی لوگوں کو کلام ہے، "من تشبه بقوم فهو منهم" (حدیث) (اور جو کسی قوم کے جیسا بننے کی کوشش کرے گا وہ ان ہی میں سے ہے) اور اس بنیاد پر مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو مسلمانوں کو ہر ایسی چیز کے اختیار کرنے سے روکتا ہے جس کا دنیا کی کسی غیر مسلم قوم سے تعلق ہے، مگر ان ہی سے میں پوچھتا ہوں کہ اس حدیث کا اگر وہی مطلب ہے جو آپ لوگ پھیلا رہے ہیں تو پیغمبر نے عجمیوں کے اس مکیدہ (گھات) کو کیوں اختیار فرمایا اور کیا یہ ایک ہی مثال ہے، پڑھئے فتح خیبر کے واقعات پڑھئے ان ہی میں ایک واقعہ آپ کو یہ ملے گا کہ صعب نامی قلعہ پر جب مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو تہہ خانوں کی تلاشی کا حکم دیا تو لکھا ہے:

"وجدوا فی هذا الحصن الذی هو حسن الصعب آلة حدب ودبابات منجنيق" (اسلامی معاشیات/ ص ۳۸) (انہوں نے اس قلعہ میں، یعنی صعب نامی قلعہ میں جنگ کے بعض آلات پائے اور دبابے اور منجنیقیں بھی ہاتھ لگیں)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ علم دین کے علاوہ جن علوم کو علوم دنیا کہا جاتا ہے وہ علوم بھی کوئی مذموم چیز نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی فی الجملہ محمود ہیں، بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جو فرض کفایہ ہیں اور ان کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے، مثلاً کھانا پکانے کا علم، علاج معالجہ کا علم سیکھنا، کپڑے سلنا، اسی طرح وہ بہت سے علوم جن کے اوپر انسان کی زندگی موقوف ہے وہ فرض کفایہ ہیں، لہذا اگر کوئی

شخص انسانیت کی خدمت کی نیت سے ان علوم کو حاصل کرے تو وہ بھی اجر وثواب کا باعث ہے، البتہ علوم دینیہ حسن لعینہ ہیں اور علوم دنیویہ حسن لغیرہ ہیں (انعام الباری ملخصا ۲/۲۹-۳۰)۔

اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اپنے فتوی میں فرماتے ہیں: اسلام بنیادی طور پر علم وتحقیق کے کاموں کا حامی ہے نہ کہ مخالف، بلکہ اگر کہا جائے کہ مذاہب عالم میں اس کا امتیاز ہے تو غلط نہ ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ علم انسانیت کے لئے نفع بخش اور مفید ہو، عصری علوم بھی زیادہ تر نفع بخش اور فائدہ مند ہیں اور ان کے ذریعہ انسانیت کی خدمت سرانجام پاتی ہے، اس لئے ایسے عصری علوم جو نافع ہوں اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ مسلمان لڑکیاں حاصل کریں تو کوئی حرج نہیں (کتاب الفتاوی ۱/۴۲۳)۔

علامہ شامیؒ نے ان علوم کی تحصیل کو جن سے بے نیازی نہیں ہوسکتی ہے، فرض کفایہ قرار دیا ہے، یعنی قوم میں کچھ ایسے افراد کا ہونا لازم ہے جو ان علوم سے واقف ہوں، تاکہ لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

"**قال فی تبیین المحارم: وأما فرض الکفایة من العلم فهو کل علم لا یستغنی عنه فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب والنحو واللغة والکلام والقرأت......والعلم بأعمار هم وأصول الصناعات والفلاحة کالحیاکة والسیاسة والحجامة وفی شرح الزعفرانی: السحرحق عندنا وجوده وتصوره وآثره، وفی ذخیره الناظر: تعلمه فرض لرد الساحرأهل الحرب، وحرام لیفرق به بین المرأة وزوجها وجائر لیوفق بینهما**" (شامی ۱/۳۴)۔

۱- تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ مفید علوم عصریہ کا حاصل کرنا ضرور اور فرض کفایہ ہے، لہذا اس کے اسباب اور وسائل کو حاصل کرنا اور اسکے تعلیمی مراکز قائم کرنا بھی لازم اور فرض کفایہ ہوگا، کیونکہ فرائض کے مقدمات فرض ہوتے ہیں، چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں: "**مقدمة الواجب واجب**" والا قاعدہ ایسا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ سب ملل میں مسلم ہے، اس لئے اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی، تاہم تبرعا ایک حدیث پیش خدمت ہے: "**عن عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من علمّ الرمی ثم ترکه، فلیس منا أو قد عصی رواه مسلم**" (مشکوۃ ص ۲۲۸)، ظاہر ہے کہ تیراندازی دین میں کوئی عبادت مقصودہ نہیں، لیکن چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ واجب ہے اور بوقت ضرورت تیراندازی اس کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے اسے بھی واجب قرار دیا اور اسے سیکھ کر بھلانے والے کو عاصی فرمایا (احسن الفتاوی ۱/۴۱۴-۴۱۵)۔

اور حضرت تھانویؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ سنسکرت کی تعلیم وتعلم کا فی نفسہ جائز ہونا تو بوجہ عدم مانع جواز کے ظاہر ہے، اور قاعدہ مقررہ ہے کہ جو امر جائز کسی امر مستحسن یا واجب کا مقدمہ وموقوف علیہ ہو وہ بھی مستحسن کا واجب ہوتا ہے اور مصلحت مذکورہ سوال کے استحسان یا ضرورت میں کوئی خفا نہیں، لہذا اس زبان کی تحصیل ایسی حالت میں بلاشبہ مستحسن یا ضروری ہے علی الکفایہ، اسی بنا

پر ہمارے علماء متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا اور علم کلام بطرز معقول مدون فرمایا۔

"یؤیده ماروا ه مسلم عن حذیفة رضی الله عنه قال: کان الناس یسألون رسول الله ﷺ عن الخیر، وکنت اسئله عن الشر مخافة أن یدرکنی الحدیث، قلت وإدراک الشرک للمسلمین کإدراکه لنفسه" (امداد الفتاوی ۴/ ۲/ ۷۲-۷۳)۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة" (سورۂ انفال: ۶۰) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرض وواجب کے اسباب ووسائل کا فراہم کرنا بھی واجب ہوگا۔

عصری تعلیمی ادارے کا قیام:

تفصیل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عصری تعلیم کے ایسے ادارے قائم کرنا جس میں احکام اسلام کی رعایت کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم دی جائے لازم اور واجب کفایہ ہے، کیونکہ علوم عصریہ کی امت کو اجتماعی وانفرادی طور پر ضرورت ہے، اس سے بے نیازی نہیں ہوسکتی ملک کے ساتھ ملت کو بھی سائنس داں، ریاضی داں، جغرافیہ داں، انجینئرس، ڈاکٹرس، ماہر اقتصادیات اور دیگر تمام شعبہ جات کے ماہرین کی ضرورت ہے، نیز اسلامی ماحول کے عصری ادارے امت کے ایک بڑے طبقہ کو بے دینی والحاد سے بچانے کا ذریعہ ہیں، لہذا سد باب کے ضابطہ سے بھی اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام لازم اور ضروری ہوگا، کیونکہ اگر کسی امر مباح پر حرام سے بچنا موقوف ہو تو ایسی صورت میں امر مباح کا اختیار کرنا فرض وواجب ہوجاتا ہے۔

"لأن ما یتوصل إلی ترک الحرام ا إلا به یکون فرضا" (شامی ۴/ ۶۳-۶۴)۔

"أما فی حال التوقان قال بعضهم: هو واجب بالإجماع، لأنه یغلب علی الظن أو یخاف الوقوع فی الحرام، وفی النهایة: إن کان له خوف الوقوع فی الزنا بحیث لا یتمکن من التحرز إلا به کان فرضا، ویمکن الحمل علی اختلاف المراد، فإنه قید الخوف الواقع سببا للإفتراض بکونه بحیث لا یتمکن من التحرز إلا به، ولم یقید به فی العبارة الأولی، ولیس الخوف مطلقا یستلزم بلوغه إلی عدم التمکن، فلیمکن عند ذلک المبلغ فرضا وإلا فواجب" (فتح القدیر ۳/ ۱۸۷)۔

۲- وہ علوم عصریہ جو مفید نہ ہوں، بلکہ دین واخلاق کے فساد کا ذریعہ ہوں ان کا حاصل کرنا شرعا ناجائز وحرام ہے اور ایسے کالجز میں بغیر مجبوری کے پڑھنا پڑھانا جائز نہیں، خصوصا جب یہ تعلیمی ادارے کسی مسلمان کے زیر انتظام چلتے ہوں، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے انجیل کی تعلیم کے سلسلے میں درج ذیل نصوص نقل فرمائی ہیں:

"قال الله تعالی:" ویتعلمون ما یضرهم ولا ینفعهم"، وعن أبی هریرةؓ قال: کان أهل الکتاب یقرء ون التوراة بالعبرانیة ویفسدونها بالعربیة لأهل الإسلام، فقال رسول الله ﷺ: لا تصدقو الکتاب ولا

تکذبوھم وقولوا: آمنا باللہ وما أنزل إلینا رواہ البخاری"(مشکوۃ)،"وعن جابر عن النبی ﷺ وحین أتاہ عمر فقال: انا نسمع أحادیث من یھود تعجبنا افتری أن تکتب بعضھا فقال امتھکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاری لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة، ولو کان موسی حیاما وسعہ إلا اتباعی، رواۃ احمد والبیھقی فی شعب الإیمان"۔

"وعن جابر أن عمر بن الخطابؓ أتی رسول اللہ ﷺ بنسخة من التوارۃ فقال: یا رسول اللہ ھذہ نسخة من التوراۃ فسکت فجعل یقرأو وجہ رسول اللہ ﷺ یتغیر، فقال ابوبکر: ثکلت الثواکل ماتری مابوجہ رسول اللہ ﷺ فنظر عمر إلی وجہ رسول اللہ ﷺ فقال أعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ، رضینا باللہ رباوبالإسلام دینا وبمحمد نبیا، فقال رسول اللہ ﷺ: والذی نفس محمد بیدہ لو بد الکم موسی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل، ولو کان حیاء و أدرک نبوتی لا تبعنی، رواہ الدارمی"(امدادالفتاوی ۶۴/۴)۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جوعلوم مفید نہ ہوں، بلکہ مضر ہوں ان کا پڑھنا پڑھانا جائز نہیں اور روایت سے معلوم ہوا کہ جن کتابوں سے فساد اعتقاد کا امکان اور احتمال ہوان کی تعلیم جائز نہیں، جب حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے کتب سماوی کی آیات پڑھنے پر آپ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی تو عام مسلمانوں کو غیر کتب سماویہ کی فرضی کہانیوں پر مشتمل عقائد ایمان واخلاق کو برپا کرنیوالے مضامین کا پڑھنا پڑھانا بدرجہ اولی ناراضگی کا سبب ہوگا، اس لئے ایمان وعقائد اخلاق واعمال کو برباد کرنے والی کتب کو پڑھانا شرعاناجائز اور حرام ہے۔

قانونی مجبوری کا حکم:

اگر کسی ملک میں عصری تعلیم کے اداروں میں اس طرح کے مضامین اور کتابوں کا پڑھنا پڑھانا قانونالازم ہوتوایسی صورت میں بدرجہ مجبوری اس طرح کے مضامین اور کتابوں کا داخل نصاب کرنا اور پڑھانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ان کتب میں جو چیزیں فساد اعتقاد واعمال کا سبب ہوں ان کو واضح کردیا جائے اور ان کا غلط ہونا اور شرعاناجائز وحرام ہونا بیان کردیا جائے، چنانچہ حضرت اشرف علی تھانویؒ نے سودی حساب وکتاب کی تعلیم کے سلسلے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر نوکری کا بقا اس پر موقوف نہ ہوتو نہ سکھلائے، ورنہ سکھلاکر یہ روزمرہ کہہ دیا کیجئے کہ اس حساب سے سود میں کام لینا جائز نہیں (امدادالفتاوی ۱۷۴/۴)۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد:"وماأنزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت وما یعلمان من أحد حتی یقولا إنما نحن فتنة فلا تکفر"(بقرہ:۱۰۲)، سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابطال باطل کی تعلیم کے لئے باطل کو نقل اور بیان کرنا شرعا جائز ہے، کیونکہ دونوں فرشتے سحر محرم کو اور اس کی حرمت کو لوگوں سے بیان کرتے تھے اور یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں جو اس پر

عمل کرے گا وہ سراپا نقصان اور خسارہ میں ہوگا، اور جو اس سے احتراز کرے گا وہ کامیاب وکامران ہوگا۔

”**وقال الحافظ فی الفتح: واما تعلمه وتعليمه فحرام، فإن كان فيه ما يقتضی الكلفر كفر واستتيب منه ولا يقتل فإن تاب قبلت توبته، وإن لم يكن فيه ما يقتضی الكفر عزر قال: وقد أجاز بعض العلماء تعلم السحر لأحد الأمرين إما لتمييزمافيه كفر من غيره، وإما لإزالته عمن وقع فيه، فأما الأول فلا محظور فيه إلا من جهة الإعتقاد، فإن سلم الإعتقاد فمحرفة الشئ بمجرده لا تستامر معنى كمن يعرف كيفية عبادة أهل الأوثان للأثان؛ لأن كيفية ما يعمله الساحر إنما هی حكاية قول وفعل بخلاف تغاطيه والعمل به**“(احکام القرآن للتھانوی ۱/۴۹)۔

حافظ ابن حجرؒ کی صراحت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی علم میں ضرر اور فساد کا پہلو ہو تو فساد کو جاننے کے لئے اس کی تعلیم جائز ہے،”**فيه دليل على جواز تعلم ما هو حرام فی شرعنا للتوقی والحذر عن الوقوع فی الشر،كذا ذكره الطيبی**“ (مرقاۃ ۸/۷۷۴-۴۸۸)۔

۳- ایسے تعلیمی ادارے جس کا نصاب مخرب اخلاق وفساد اعتقاد کے مضامین پر مشتمل ہو ان اداروں میں تھوڑے سے دنیوی نفع کے لئے بچوں کو تعلیم دلانا شرعا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تھوڑے سے دنیوی نفع کے لئے اپنی اولاد کا اعتقادی قتل ہے اور جس طرح سے دنیوی نفع اور نقصان سے بچنے کے لئے اولاد کا جسمانی قتل حرام ہے، اسی طرح سے اعتقادی قتل بھی حرام ہوگا، چنانچہ مفسرین کرام نے آیت کریمہ ”**ولا تقتلوا أولاد كم خشية إملاق**“(سورۂ بنی اسرائیل:۳۱) کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت سے اولاد کا قتل کرنا سخت ترین جرم اور گناہ ثابت ہوتا ہے، یہ تو اپنی جگہ ظاہر ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اولاد کو تعلیم وتربیت نہ دینا جس کے نتیجہ میں وہ خدا اور رسول اور آخرت کی فکر سے غافل رہے بداخلاقیوں اور بے حیاتیوں میں گرفتار ہو، یہ بھی قتل اولاد سے کم نہیں، قرآن کریم نے اس شخص کو مردہ قرار دیا ہے جو اللہ کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت نہ کرے ”**أومن كان ميتا فأحييناه**“(سورۂ انعام:۱۲۲) میں اسی کا بیان ہے، جو لوگ اپنی اولاد کے اعمال واخلاق کے درست کرنے پر توجہ نہیں دیتے ان کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں یا ایسی غلط تعلیم دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلامی اخلاق تباہ ہوں وہ بھی ایک حیثیت سے قتل اولاد کے مجرم ہیں، اور ظاہری قتل کا اثر تو صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کو تباہ کرتا ہے، یہ قتل انسان کی اخروی اور دائمی زندگی کو تباہ کردیتا ہے (معارف القرآن ۳/۴۸۴)۔

”**ياأيها الذين آمنوا قوا أنفسكم بأداء الواجبات وترک المعاصی وأهليكم بالتعليم والتأديب والأمر بالمعروف والنهی عن المنكر نارا**“(تفسیر مظہری ۹/۳۴۰)۔

نصاب تعلیم کے مفاسد سے بچنے کا حل:

۱-سب سے پہلا اس کا حل یہ ہے کہ مسلم قوم اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی ادارے اپنے نظم وانتظام کے تحت قائم کریں،

اوراس کومحض ایک امر مباح نہیں، بلکہ کار ثواب فرض اور واجب سمجھ کر پوری محنت واخلاص کے ساتھ قائم کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر مذکورہ مفاسد سے بچنے کا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا ہے، لہذا جس امر مباح کے ذریعہ ارتکاب حرام سے تحفظ ہو اس امر مباح کو اختیار کرنا شرعا واجب ہوجاتا ہے، جس کی نظائر کتب شرعیہ میں بہت سی ہیں، ”**ویکون واجبا عند التوقان، فإن تیقن الزنا إلابه فرض أی بأن کان لا یمکنه الإحتراز عن الزنا إلا به، لأن مالایتوصل إلی ترک الحرام إلا به یکون فرضا**“ (شامی ۴/ ۶۳-۶۴)۔

۲-جب تک اسلامی ماحول کے عصری ادارے قائم نہ ہوسکیں اور غیروں کے غیر اسلامی ماحول والے اداروں میں بچوں کو بھیجنا مجبوری ہوتو بچوں کے والدین کے ذمہ درج ذیل امور کا اہتمام لازم ہے:

۱-اپنے گھر کا ماحول اسلامی بنائیں، ۲-گھر پر بچوں کو دین واخلاق کی ضروری تعلیم دیں، ۳-کفر وشرک، بت پرستی کی شناعت وقباحت اور اس کا غلط ہونا بچوں کو ذہن نشین کرائیں، ۴-اہتمام کے ساتھ بچوں کو نماز کے لئے مسجد لے جائیں، ۵-خالی اوقات میں بچوں کو دینی مراکز سے مربوط کریں، ۶-بچوں کے ذہن اور سمجھ کے مطابق دین اور اسلام سے متعلق مفید وموثر رسائل و میگزین پڑھنے کے لئے دیں، ۷-صباحی ومسائی دینی مکاتب میں بچوں کو ضرور داخل کریں اور انکے دینی تعلیم کی فکر کریں، حاصل یہ کہ بچوں کے دین واخلاق کے حفاظت کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہوں ان کو اختیار کرنا لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل اسلام اپنے عصری ادارے قائم کریں جب تک انتظام نہ ہو مجبوراً تعلیم دلانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ دینی واخلاقی بگاڑ سے تحفظ کا پورا اہتمام ہو۔

۴- اسلام مرد وعورت کے بے محابا اختلاط کو حرام وناجائز قرار دیتا ہے اسی لئے اسلام میں پردے کا نظام مشروع ہے اور بے پردگی کو ناجائز وحرام قرار دیا گیا ہے، اور فتنہ کے تمام دروازوں کو بند کردیا گیا ہے، چنانچہ عورتوں کو خوشبو لگا کر باہر نکلنے، بجنے والے زیور پہننے، نرم لہجہ میں گفتگو کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

”**ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولی......یدنین علیهن من جلابیبهن......ولا تخضعن بالقول...... ولایضربن بارجلهن**“ ()، اور آپ ﷺ نے بھی مرد وعورت کے اختلاط سے منع فرمایا ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ سلام پھیرتے تو عورتیں جانے کے لئے کھڑی ہوجاتیں، نبی کریم ﷺ کھڑے ہونے سے قبل تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے، ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس لئے تھوڑی دیر بیٹھے رہتے تھے کہ عورتیں پہلے اٹھ کر چلی جائیں اور جب مرد اٹھ کر جائیں تو ان کی عورتوں سے ملاقات نہ ہوسکے (بخاری شریف)۔

ابن شہاب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم لوگ یہ دروازہ کیوں نہ عورتوں کے لئے چھوڑ دیں، اسی طرح اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مسجد سے نکلے راستہ میں مرد عورتوں سے جا ملے تو نبی

کریم ﷺ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ تم لوگ بیچ راستہ کی حقدار نہیں ہو تم لوگ راستہ کے کنارے پر رہو، ایک روایت میں ہے کہ عورتوں کو راستے کے بیچ میں چلنے کا حق حاصل نہیں (خواتین کی آزادی عہد رسالت میں رص ۱۹۰)۔

آج کل کی مروج مخلوط تعلیم میں پردہ جو نصوص قطعیہ سے فرض ہے فوت ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سی معاشرتی خرابیاں وجود میں آتی ہیں اولاً ان کے دلوں سے پردہ کی اہمیت ہی ختم ہوجاتی ہے، دوسرے بدنظری ایک معمول بن جاتا ہے اور بے حیائی اور جنسی انارکی اور اخلاقی بگاڑ جیسی خرابیاں اسی مخلوط تعلیم کا نتیجہ ہیں، لہذا مخلوط تعلیم کو رواج دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اور کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ مخلوط تعلیم کا نظم کرے، اگر تعلیمی نظام کسی مسلمان سے وابستہ ہو تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کا جداگانہ انتظام کرے۔

وسائل کی کمی کی وجہ سے مخلوط نظام تعلیم کا قیام:

وسائل کی کمی کی وجہ سے مخلوط تعلیمی نظام کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ پردہ شریعت میں فرض عین ہے اور تعلیم زیادہ سے زیادہ واجب اور فرض کفایہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر واجب اور فرض کفایہ کی وجہ سے فرض عین کا ترک ہو تو فرض عین پر عمل مقدم ہوگا اور فرض عین کے ترک کی اجازت ہرگز نہ ہوگی، مثلاً اگر جنازہ تیار ہو اور کسی فریضہ کا وقت ختم ہو رہا ہو تو فریضہ جنازہ پر مقدم ہوگا، حاصل یہ کہ فرض عین کو فرض کفایہ پر تقدیم حاصل ہے۔

"والجنب أولى بمباح أو حائض أو محدث وميت ولو لأحد هم فهو أولى هذا بالإجماع أى ويبم الميت ليصلى عليه لكن فى السراج أن الميت أولى لأن غسله يراد للتنظيف وهو لا يحصل بالتراب ثم رأيت بخط الشارح عن الظهيرية أن الأول أصح، وأنه جزم به صاحب الخلاصة وغيره" (شامی ۱/ ۴۲۴)۔

پردہ کی عمر و جداگانہ انتظام تعلیم:

پردہ سے مقصود مرد و عورت کو بدنظری اور برے خیالات کے گناہ سے محفوظ رکھنا ہے، سو جس عمر سے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو اس عمر سے وہ احکام حجاب کے مکلّف ہوں گے، اور جس وقت وہ احکام حجاب کے مکلّف ہوں گے، اس وقت ان کا صنف مخالف کے ساتھ اختلاط جائز نہ ہوگا، لہذا حد شہوت کی عمر کو پہنچنے کے بعد مخلوط تعلیم جائز نہیں اس سے پہلے ہی ان کا الگ نظام قائم کردینا واجب ہے، کیونکہ حد شہوت کو پہنچنے کے بعد ان پر بالغ مرد و عورت کے احکام جاری ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"او الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء اى الذين لم يبلغوا حد الشهوة والقدرة على الجماع" (روح المعانی ۵/ ۱۳۱)، رسول پاک ﷺ نے دس سال کی عمر کو حد شہوت کی عمر قرار دیا ہے: **"قال رسول الله ﷺ مروا أولادكم بالصلوة وهم ابناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم آبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم فى**

المضاجع"(مشکوۃ ۱/ ۵۸)،"لأنهم بلغوا أوقاربوا البلوغ"(مرقاۃ ۲/ ۱۱۵)۔

حضرات فقہاء کے اقوال:

مذکورہ بالا آیات وروایات کی روشنی میں حضرات فقہاء نے دس سال کے لڑکے اور نو سال کی لڑکی کو احکام حجاب کا مکلّف قرار دیا ہے، اگر وہ خود اس میں کوتاہی کریں تو ان کے اولیاء پر فرض ہے کہ ان سے عمل کروائیں۔

"قال العلامة الحصکفیؒ :ولومراهقا يجامع مثله وقدره شيخ الإسلام بعشر سنين، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله: ولومراهقا)هو الدانی من البلوغ نهر(قوله: يجامع مثله)تفسير للمراهق، ذكره فی الجامع، وقيل هو الذی تتحرک آلته ويشتهی النساء كذا فی الفتح، ولا يخفی أنه لا تنا فی بين القولين نهر"(ردالمحتار ۳/ ۵۳۸)،"قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالى: وقدر بتسع وبه يفتی، وبنت إحدی عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعی، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: بل فی محرمات المنح وبنت تسع فصاعدامشتهاة اتفاقاسائحانی"(ردالمحتار ۲/ ۶۴۰،احسن الفتاوی)۔

اور بعض لوگوں نے مراہقت کی عمر کولڑکی کے لئے نو سال اور لڑکے کے لئے بارہ سال بیان کی ہے،"وتحصل من هذا أنه لابدفی كل منهما من سن المراهقة وأقله للأنثی تسع، وللذكر إثنا عشرة"(شامی ۴/ ۱۱۲)،ان روایات فقہیہ سے حضرات فقہاء نے یہ حکم نکالا ہے کہ جب لڑکے کی عمر دس گیارہ سال کے قریب ہوجائے اور لڑکی کی عمر نو سال کے قریب تو پھر ان کے اختلاط پر پابندی لگا دینا چاہئے۔

مولانا یوسف لدھیانویؒ اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں کہ دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کردینے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیاں زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے، دور جدید میں مخلوط تعلیم بے خدا تہذیب کی ایجاد کردہ بدعت ہے جو ناگفتنی قباحتوں پر مشتمل ہے، معلوم نہیں ہمارے مقتدر حضرات اس نظام تعلیم میں کیوں تبدیلی نہیں فرماتے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۱۷۷-۱۷۸)۔

حاصل تفصیل مذکور کا یہ ہے کہ دس سال کے بعد لڑکے اور لڑکیوں کا نظام تعلیم علاحدہ علاحدہ کردینا واجب ہے، اور اسی میں انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اور اس میں کوتاہی بے انتہا مفاسد وجرائم کا دروازہ کھولتی ہے۔

۵-جداگانہ نظام تعلیم کی صورتیں:

۱-جداگانہ نظام تعلیم کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی الگ الگ بلڈنگ ہو اور ہر صنف کے لئے اسی جنس کا استاذ بھی ہو یہ صورت سب سے محفوظ اور بہتر ہے، لیکن اگر بلڈنگ الگ الگ ہونے کے ساتھ استاذ مخالف جنس کا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ طلبہ اور اساتذہ میں سے ہر ایک اپنی نگاہ کو پاکیزہ رکھیں اور حتی الامکان غض بصر سے کام لیں، بقدر ضرورت جنس

مخالف پر نظر ڈالنے پر اکتفا کریں، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ تعلیم کی غرض سے مردوں کو دیکھنے کی گنجائش ہے، مگر یہ گنجائش ضرورت کی حد تک ہی محدود رہنی چاہئے (فتاویٰ عثمانی ۱/ ۱۹۲)۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں نے آپ ﷺ سے علاحدہ صرف عورتوں ہی کو تعلیم اور وعظ و نصیحت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے الگ سے ایک علاحدہ مکان میں تعلیم اور وعظ و نصیحت فرمائیں، اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے علاحدہ مکان ہو تو بہتر ہے، نیز یہ صورت مطلوب پردہ شرعی کے زیادہ قریب ہے۔

"عن أبی سعید الخدری قال: قال النساء للنبی ﷺ: غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدهن یوما لقیهن فیه فوعظهن أمرهن فکان فیما قال لهن مامنکن امرأة تقدم ثلثة من ولدها، إلا کان لها حجابا من النار، فقال امرأة: وإثنین؟ فقال: واثنین" (بخاری ۱/ ۲۰)۔

۲-جداگانہ نظام تعلیم کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بلڈنگ ایک ہو، لیکن درسگاہ وکلاس روم الگ الگ ہوں آنے جانے اور دیگر ضروریات کے راستے بھی علاحدہ ہوں دونوں صنفوں میں اختلاط بالکل نہ ہو تو شرعا اس کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں صحابیات مسجد میں تشریف لاتیں تھیں تو ان کے آمد ورفت کے راستے الگ تھے، نیز صحابہ کرام عورتوں کے جانے کے بعد مسجد سے نکلتے تھے، اس لئے اگر جداگانہ نظام تعلیم میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے اگر پہلے طریقہ پر عمل ممکن نہ ہو تو کم از کم دوسرے طریقہ ہی کو اختیار کیا جائے۔

"عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: خیر صفوف الرجال أولها وشرها أخرها، وخیر صفوف النساء أخرها وشرها أولها، وقال النووی: إنما فضل أخر صفوف النساء الحاضرات مع الرجال لبعدهن من مخالطة الرجال ورؤیتهم وتعلق القلب بهم عند رویة حرکاتهم وسماع کلامهم، ونحو ذلک، وذم أول صفوفهن بعکس ذلک" (مسلم مع شرحہ ۱/ ۸۱۲)، روایت مذکورہ میں عورتوں کی آخری صف کو پہلی صف سے بہتر کہا گیا ہے کیونکہ آخری صف میں موجود عورتیں فتنہ سے پہلے کے مقابل میں زیادہ دور ہوں گی، کیونکہ آخری صف والوں کو مردوں کی حرکات و سکنات وآواز وغیرہ کا علم پہلے کے مقابلے بہت کم ہوگا، اس لئے اس کو بہتر کہا گیا ہے، لہذا نظام تعلیم کے جس طریقہ میں فتنہ کم سے کم ہو وہ طریقہ زیادہ بہتر ہوگا۔

۳-جداگانہ نظام تعلیم کا یہ طریقہ کہ بلڈنگ اور کلاس روم دونوں ایک ہوں، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی دیواریں ہوں اور ایک صنف کی دوسرے صنف پر نظر نہ پڑے اور ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے یا آگے کی نشست لڑکوں کے لئے خاص ہو اور پیچھے کی لڑکیوں کے لئے یا صنف نازک کے استاذ ہونے کی صورت میں اگلی نشست لڑکیوں کے لئے خاص ہو اور پچھلی لڑکوں کے لئے خاص ہو اور ان دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ ایک دوسرے سے مس اور اختلاط کی کوئی صورت نہ

ہواور راستہ وغیرہ دونوں کے الگ الگ ہوں اور اختلاط کی کوئی شکل نہ ہوتو اخیر درجہ میں اس کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ لڑکیاں مکمل پردہ کے ساتھ ہوں، زیب وزینت اور بھڑ کیلے خوشنما لباس اور دیگر مائل کرنے والی چیزوں سے دور ہوں۔

''قال النووی: لا تمنع المساجد لکن بشروط ذکرها العلماء ماخوذة من الأحادیث، وهو أن لا تکون متطیبة ولا متزینة ولاذات خلاخل یسمع صوتها ولا ثیاب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا شابة ونحوها ممن یفتتن بها، وأن لا یکون فی الطریق ما یخاف به مفسدة ونحوها'' (مسلم مع شرحہ ۱/ ۱۸۳)۔

''کتاب الفتاوی'' میں ہے کہ غیر مخلوط درسگاہ نہ ہو، چونکہ یہ (تعلیم) بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لئے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو اور پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت وتنہائی کی نوبت نہ آتی ہو (کتاب الفتاوی ۱/ ۴۲۵)۔

اور حضرات فقہاء نے حج کے موقع پر استیلام کے لئے یہ شرط قرار دیا ہے کہ مرد وعورت کا ایک دوسرے سے اختلاط نہ ہوتو جب ایسے موقع پر کہ جس میں ایک درجہ میں اختلاط گوارہ کیا گیا ہے حتی الامکان دونوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ رہنے کی تاکید بھی کی گئی ہے، تو تعلیم کے لئے بدرجہ اولی دونوں کا ایک دوسرے سے علاحدہ رہنا لازم وضروری ہوگا۔

''والمرأة فی جمیع ذلک کالرجل، لأنها مخاطبة کالرجال غیر أنها لا تکشف رأسها، لأنها عورة وتکشف وجهها لقوله علیه السلام إحرام المرأة فی وجهها ولو سدلت شیئا علی وجهها وجافته عنه جاز، هکذا روی عن عائشة، ولأنه بمنزلة الإستظلال بالمحمل ولا ترفع صوتها بالتلبیة ولا ترسل ولا تسعی بین المسلمین؛ لأنه مخل بستر العورة ولا تستلم الحجر إذا کان هناک جمع، لأنها ممنوعة عن مماسة الرجال، إلا أن تجد الموضع خالیا'' (ہدایہ ص ۲۲۵، کتاب الحج)۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے آخری صورت درجہ مجبوری کی ہے، ورنہ پہلی دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے جہاں تک ہوسکے ان میں بھی پہلی شکل کو اختیار کرنے کی کوشش کی جائے، اگر اس میں سخت مشقت ودشواری ہوتو دوسری شکل اختیار کرنے کی گنجائش ہے، لیکن تیسری شکل میں چونکہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے اور شرائطوں پر عمل وجوب عنقاء جیسا ہے، اس لئے اس شکل کے اختیار کرنے کی شرعا اجازت نہیں، لیکن اگر منتظمین کی طرف سے پہلی دونوں شکلوں کا انتظام نہ ہوتو اساتذہ کے لئے لازم ہے کہ آخری شکل اختیار کرکے تعلیم دیں، یہ آخری شکل ضرورت اور مجبوری کی ہے، اس لئے اس کو ضرورت ہی کی حد تک خاص رکھنا چاہئے، ورنہ عام حکم اس کا وہی ہے جس کو حضرت عائشہؓ نے واضح فرمایا ہے:

''عن عائشة قالت: لو أدرک رسول الله ﷺ ما حدث النساء لمنعهن المسجد'' (ابوداؤد ۱/ ۹۱)۔

۶- خلاف حقیقت حلف نامہ وسرٹیفکیٹ کو حضرات علماء نے کذب اور خداع میں داخل فرمایا ہے، لہذا شرعا اس کی اجازت

نہیں، البتہ بدرجہ مجبوری اور ضرورت کے وقت توریہ کی گنجائش ہے، یعنی ایسی بات کہہ سکتا ہے جو بظاہر خلاف واقع ہو، مگر اس سے کوئی صحیح مطلب نکل سکتا ہو، "قال الحصكفي رحمه الله تعالى: الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/۶۱۲)۔

۷- لڑکوں کے یونیفارم میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا لازم اور ضروری ہے: ۱- پوری ستر کو چھپانے والا ہو، "فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل والمرأة لا تقره الشريعة الإسلامية، مهما كان جميلا أو موافقا للدور الأزياء" (تکملہ فتح الملہم ۴/۸۸)، ۲- ٹخنے سے اوپر ہو، "لقوله ﷺ: لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جرازاره بطرا" (بخاری ۲/۸۶۱)، ۳- اتنا چست اور باریک نہ ہو کہ ستر جھلکے یا اس کی محاکات ہو، "وكذلك اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذى يحكى للناظر شكل حصة من الجسم الذى يجب ستره فهو فى حكم ما سبق فى الحرمة وعدم الجواز" (تکملہ فتح الملہم ۴/۸۸، شامی ۹/۵۳۵)، ۴- کفار وفساق اور زنانہ لباس کے مشابہ نہ ہو، "لعن النبى ﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال" (بخاری ۲/۸۷۴)، "أن اللباس الذى يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة، لا يجوز لبسه لمسلم الخ" (تکملہ فتح الملہم ۴/۸۸)، "لقوله رسول الله ﷺ: إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها" (مسلم ۲/۱۹۲)۔

لڑکیوں کے یونیفارم میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا لازم اور ضروری ہے: ۱- سر سے لے کر قدمین تک پوری ستر کو چھپانے والا ہو، "فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل والمرأة لا تقره الشريعة الإسلامية، مهما كان جميلا أو موافقا لدور الأزياء" (تکملہ فتح الملہم ۴/۸۸)، اور عورت کا ستر سر سے لے کر قدمین تک ہے، یہ تمام فقہاء کا اتفاقی مسئلہ ہے صرف قدمین اور چہرہ اور ہتھیلیوں کا استثناء ہے سر تمام فقہاء کے یہاں ستر میں داخل ہے (التفصیل فی معارف السنن ونیل الأوطار ۲/۶۷-۶۸)۔

لہذا یونیفارم میں سر کا ڈھکنا لازم ہوگا سر کھولنے کی شرعا اجازت نہ ہوگی، البتہ اگر اسکول میں کسی اجنبی مرد سے کسی قسم کا کوئی سابقہ نہ پڑے تو پھر سر کھلا رکھنے کی گنجائش ہوگی، لیکن بہتر اور افضل بہر حال سر ڈھار کھنا ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضرورت کے وقت عورتوں کے لئے اپنی کلائیوں اور بازو کھلا رکھنے کی گنجائش ہے، "وعن أبى يوسف أنه يباح النظر إلى ساعدها ومرفقها للحاجة إلى إبدائها إذا أجرت نفسها للطبخ والخبز" (شامی ۹/۵۳۱)۔

۲- یونیفارم اتنا باریک اور چست نہ ہو کہ اعضائے مستورہ کی محاکات ہو۔

۳- لڑکیوں کے یونیفارم کا رنگ برانگیختہ کرنے والا نہ ہو، بلکہ سادگی لئے ہوئے ہو، "لاتكون متطيبة وثياب فاخرة" (مسلم ۱/۱۸۳)۔

۴-لڑکوں کے یونیفارم سے مشابہت نہ ہو،"**لعن النبی ﷺ المتشبهات بالرجال**"(بخاری ۲/۸۷۴)۔

لڑکے اورلڑکیوں کے یونیفارم سے متعلق امورضروریہ کوملحوظ رکھنے کے بعدلباس کےطرز زندگی وغیرہ کے انتخاب میں منتظمین وذمہ داران کواختیار ہے،البتہ یونیفارم میں صلحاءاورصالحات کےلباس کےمشابہ یونیفارم تجویزکرنا بہتر ہے،رہاٹائی کا مسئلہ تو وہ اس وقت کسی قوم کا شعارنہیں، بلکہ لباس کا ایک جز ہے،اس لئے اس میں تشددنہیں،البتہ احترازکرنا احتیاط اوراولویت سے خالی نہیں(درس ترمذی ۵/۳۳۲)،حضرت مفتی صاحب نےلکھاہے کہ اس کی حرمت سے کف لسان کرتا ہوں۔

ب-اگراسکول کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہواوراسلامی اسکول بھی موجودنہ ہوتواس کا بہترحل یہ ہے کہ مسلمان اپنے ماحول کےعصری اسکول قائم کریں اورجب تک اپنے اسکول کا قیام نہ ہوحتی الامکان عریاں لباس میں اپنی بچیوں کواسکول بھیجنے سے احترازکرنالازم ہے،البتہ اگراسکول صرف لڑکیوں کا ہواوراسکول میں مردوں سےکوئی سابقہ نہ پڑےتوناقص یونیفارم کےاوپر نقاب ڈال کراسکول تک جائیں اوراسکول کے اندراپنا نقاب اتاردیں تواس کی کچھ گنجائش ہے،مفتی شفیع صاحبؒ "**أونسائهن**" (نور)کےتحت فرماتے ہیں:سبھی عورتیں مسلم اورکافرداخل ہیں اورسلف صالحین سےجوکافرعورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پرمبنی ہے،علامہ آلوسی نے اسی کو اختیارفرمایا ہے،"**هذا القول اوفق بالناس اليوم، فإنه لا يكاد يمكن احتجاب المسلمات عن الذميات**"(معارف القرآن ۶/۴۰۴)،لیکن اگراسکول میں اجنبی مردوں سےبھی سابقہ پڑےتو عریاں لباس میں طالبات کواسکول بھیجنا جائزنہیں،الا یہ کہ کوئی مجبوری ہوجس کے بغیر چارہ کارنہ ہوتواس کی بات دوسری ہے،"**لأن الضرورات تبيح المحظورات**"۔

خلاصہ یہ ہے کہ عریاں لباس پہننا پہنانا شرعاحرام ہے،بغیرشرعی ضرورت اورمجبوری کےعریاں لباس میں اجنبی مردوعورت کے سامنے ہونا جائزنہیں،لہذاذمہ داروں اوراولیاءکواس لباس میں بھیجنے کی اجازت نہ ہوگی،البتہ مجبوری کے احکام جداگانہ ہوتے ہیں،"**فإن ماحرم لبسه حرم إلباسه**"(شامی ۹/۵۲۲)،"**لوكان على المرأة ثياب لا بأس بأن يتأمل جسدها إذا كان بغير شهوة**"(شامی ۹/۵۳۵)۔

۸-تعلیم بغرض تجارت:

تعلیم کوپیشہ تجارت بنانااوراس کےذریعہ سے مال ودولت کمانا اصول شریعت کےخلاف ہے،شریعت میں ایسی تعلیم جس کا نفع قوم سے وابستہ ہو،مفت ہونا چاہئے،یعنی اس کا انتظام حکومت کی طرف سے بلا معاوضہ کیاجانا چاہئے اورعلوم عصریہ میں سے اکثرمثلاًڈاکٹری،انجینئرنگ وغیرہ کا نفع قوم کی طرف لوٹتاہے،اس لئے انسانی خدمت والےعلوم کومفت ہوناشریعت کےمزاج سے ہم آہنگ ہے،"**فی حظر الخانية سئل عن الرازی عن بيت المال هل للأغنياء فيه نصيب؟ قال: لا، إلا أن يكون عاملا أو قاضيا......وليس مراد الرازی الاقتصاد على العامل أو القاضی، بل أشاربهما إلى كل من فرغ نفسه**

لعمل المسلمين......وكذا الوالي وطالب العلم والمحتسب والقاضي والمفتي والمعلم بلا أجر"(شامی ۳۴۹/۶)، عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عامۃ الناس کی ضرورتوں سے متعلق علوم کی اشاعت حکومت کی ذمہ داری ہے جس کو بلامعاوضہ ہونا چاہئے، اور جب تعلیم کواصل کے اعتبار سے بلامعاوضہ ہونا چاہئے تو اگر ضرورتاً اس پرعوض لینے کی مجبوری ہوتو اس کو بقدر ضرورت ہی ہونا چاہئے، لہذا ضرورت سے زائد تعلیم پر اجرت وصول کرنا تعلیم کے اغراض ومقاصد کے خلاف ہے، کیونکہ تعلیم کی غرض انسانیت کی خدمت ہے، نہ کہ تجارت، اسی وجہ سے آج کے دور میں تعلیم خدمت نہیں، بلکہ ایک مہذب تجارت بن چکی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آج کے دور میں تعلیم تجارت سے آگے نکل کر مہذب ڈکیتی بن گئی ہے تو شاید غلط نہ ہوگا، بہر حال تعلیم کا مقدس پیشہ بغرض خدمت ہونا چاہئے، نہ کہ بغرض تجارت، یہی اصول شریعت اور مزاج شریعت کے ہم آہنگ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے کلمہ خیر سکھلانے کو صدقہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ صدقہ مفت ہوگا، نہ کہ بالعوض، اگر اس پر معاوضہ وصول کیا جائے تو یہ اجارہ ہوجائے گا، نہ کہ صدقہ، اور اگر مجبوراً عوض وصول کرنا ہی ہو تو بقدر ضرورت ہو، تاکہ غرض فوت نہ ہو۔

"**عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ كل سلامى من الناس عليه صدقة......ويعين الرجل على دابته فيحمل عليها أويرفع عليها متاعه صدقة، والكلمة الطيبة صدقة إلى آخر الحديث**"(مشکوۃ/۱۶۷)، تاہم اگر کوئی ذاتی ملکیت کا ادارے پر اجرت لیتا ہے تو اجرت کا مالک ہوجائے گا اور اس کو اپنی ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہے۔

ضرورت سے زائد تعمیر عمارت:

ادارے خواہ شخصی ہوں یا رفاہی ضرورت کے بقدر تعمیر مجبوری ہے، اسی طرح ان کی صفائی کے لئے ان کا رنگ وروغن بھی ضروری ہے لیکن ضرورت سے زائد تعمیر شخصی ذاتی اداروں میں بھی شرعاً پسندیدہ نہیں، اسی طرح بے جا زیب وزینت بھی شریعت میں منع ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ضرورت سے زائد تعمیرات کو وبال قرار دیا ہے اور اسی طرح ایک روایت میں ہے جو پیسہ ضرورت سے زائد تعمیرات میں خرچ ہوا اس میں کوئی خیر نہیں، کیونکہ ضرورت سے زائد تعمیر وزیب وزینت میں خرچ اسراف میں داخل ہے، اسراف شریعت میں جائز نہیں۔

اور اگر یہ چیزیں قومی ورفاہی اداروں میں پائی جائے تو اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ قومی ورفاہی ادارے اور ان کی املاک منتظمین کے پاس بطور امانت ہیں جس کا تقاضہ یہ ہے کہ مصلحت وضرورت کے وموافق مقاصد میں استعمال کیا جائے اور ہر قسم کے اسراف وفضول خرچی سے احتراز کیا جائے، حضرات فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی پانی وضو کے لئے وقف ہے تو اسے پینا جائز نہیں، اس سے قومی مال میں بیجا تصرف کے حکم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، حاصل یہ کہ شریعت میں اصل نگاہ مقاصد پر ہوتی ہے وسائل اور اسباب یہ بقدر ضرورت مطلوب ہوتے ہیں، اسباب اور وسائل میں صلاحیت کو فنا کرنا مقاصد سے غفلت کی دلیل ہے، چندروایات ذیل میں ملاحظہ ہیں:

"عن رسول الله ﷺ قال: ما أتفق مومن من نفقة إلا أجر فيها إلا نفقته فی هذا التراب" (رواہ الترمذی، مشکاۃ مع المرقاۃ ۹/۳۷۷)۔

"وفی روایة قال رسول الله ﷺ: النفقة کلها فی سبیل الله إلا البناء فلا خیر فیه، قال علی القاری لوقوع الإسراف وإن الله لا یحب المسرفین" (مشکوۃ مع المرقات ۹/۳۷۷)۔

"وفی روایة طویلة قال رسول الله ﷺ: أما إن کل بناء وبال علی صاحبه إلا ما لا إلا مالا یعنی مالابدمنه" (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ مع المرقاۃ ۹/۳۷۹)۔

اورضرورت کے مطابق شخصی اورذاتی ملکیت کی تعمیر میں شرعا کوئی حرج نہیں اوررفاہی اورتعلیمی اداروں میں ضرورت کے مطابق تعمیرات صرف جائز ہی نہیں، بلکہ پسندیدہ ہیں، چنانچہ ملاعلی قاری فرماتے ہیں:"اراد مابناہ للتفاخر والتنعم فوق الحاجة لا أبنیة الخیر من المساجد والمدارس والرباطات، فإنها من الآخرة، وکذا مالابدمنه للرجل من القوت والمبلس والمسکر، وقال النبی ﷺ:کل بناء وبال علی صاحبه یوم القیامة إلا مسجدا" (مرقاۃ ۹/۳۷۹)۔

۹- ادارے میں داخل ہونے والے طلبہ اورادارے کے انتظامیہ کے درمیان فیس کا جو معاملہ ہوتا ہے یہ عقد اجارہ ہے اور اجرت ادارے کے ان وسائل اورسہولیات کا عوض ہوتی ہے جو طالب علم حاصل کرتا ہے،لہذا اگر ادارے کی سہولیات جاری ہوں اور کوئی طالب علم ازخود اس سے مستفید نہ ہوتو شرعا اس کے ذمہ اجرت واجب ہوگی، کیونکہ جب مطلوبہ سہولیات ادارے کی جانب سے فراہم کردی گئیں تو وہ اجرت کا مستحق ہوگیا، چاہے کوئی طالب علم استفادہ کرے یا نہ کرے۔

"والإنتفاع الحقیقی لیس شرطا فی لزوم الأجرة ،لأن المنفعة لما کانت عرضا من الأعراض لا تبقی فی زمانین معا، فلیس من المتصور تسلیمها وقد اقیم تسلیم محل المنفعة وهو المأجور مقام تسلیمها، قتلزم الأجرة باستلام المأجور للتمکن من استیفاء المنفعة منه، إذ لیس فی وسع المؤجر أکثر من تمکین المستأجر من الانتفاع بالمأجور بتسلیمه إیاه، فمتی تحقق وجب الأجر، وإن لم ینتفع بها، کما إذا قبض المبیع ولم ینتفع به" (شرح المجلۃ لعلی حیدر ۱-۳/۴۵۳-۴۵۴)۔

۱۰- زکوۃ کسی بھی مستحق کو دینے سے ادا ہوجائے گی،خواہ وہ کسی مدرسے کا طالب علم ہو یا کسی کالج، یونیورسٹی کا طالب علم ہو زکوۃ کے ادا ہونے میں کوئی فرق نہیں، البتہ دینی علوم کے طالب علم کو زکوۃ دینے کی صورت میں دہرا اجر ملتا ہے ایک ادائے زکوۃ کا دوسرے اشاعت دین کا،لیکن کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم کو دینے پر اداء زکوۃ کا تو اجر ملے گا،لیکن اشاعت دین کا اجر نہیں ملے گا۔

"مصرف الزکوة هو فقیر، وهو من له أدنی شئ، ومسکین من لا شئ له الخ......إن طالب العلم یجوز

له أخذ الزكوة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم وإستفادة لعجزه عن الكسب"(شامی ۳/ ۲۸۳-۲۸۶)، "**التصدق على العالم الفقير أفضل أى من الجاهل الفقير**"(شامی ۳/ ۳۰۴)۔

۱۱- مشرکانہ ترانے وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، سوریہ نمسکار اور یوگا یہ سب مشرکانہ افعال مشرکانہ کلمات اور مشرکانہ تہذیب کا حصہ ہیں، اور اسلام اس بات میں بہت ہی حساس ہے، اسلام میں کسی بھی مشرکانہ کلمہ ومشرکانہ تہذیب کی کوئی گنجائش نہیں، اسی لئے اس نے تصویر سازی اور تصویر رکھنے کو بھی حرام قرار دیا ہے، جبکہ تصویر کے رکھنے سے شرک نہیں ہوتا ہے، لیکن یہ اس کا ذریعہ اور سبب بن سکتا ہے، اس لئے دور کے شائبہ کو بھی ختم کر دیا، مندرجہ بالا تہذیب اختیار کرنے سے مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا، اس لئے اسکی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، نیز اس سے اعتقادی فساد پیدا ہوگا جو عملی فساد کے مقابلے میں بہت بڑھا ہوا ہے، شریعت نے اس کی اجازت صرف اکراہ ملجی کی حالت میں دی ہے، یعنی جب جان یا عضو کے تلف ہونے کا شدید خطرہ ہو تو صرف زبان سے مشرکانہ کلمات کہنے کی اجازت ہوتی ہے، بشرطیکہ دل اسلام پر مطمئن ہو اور اسکولوں میں ان کی اجازت دینے سے طلبہ کے دلوں سے اس کی قباحت ختم ہو جائے گی، لہذا جاہل رہ کر زندہ رہنا کفر کے ساتھ خوش حال رہنے سے بہتر ہے۔

"**وإن أكره على الكفر بالله تعالى لو سب النبى ﷺ بقطع أو قتل رخص له أن يظهرما أمربه على لسانه ولقبه مطمئن بالإيمان**"(شامی ۹/ ۱۸۵)، جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کی تہذیب اختیار کرتی ہے تو اس کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ اسی ہندوستان میں یونانی آئے، افغانی آئے، تاتاری آئے، ترک آئے، مصری اور سوڈانی آئے، مگر مسلمانوں سے پہلے جو بھی قومیں آئیں ان میں سے کسی قوم کا وجود باقی نہیں سب کے سب ہندو قوم میں جذب ہو گئے، اور مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار سال سے زائد مدت گذر چکی ہے، لیکن وہ اپنی شناخت کے ساتھ آج بھی زندہ اور باقی ہیں، دیگر قوموں کے ختم ہو جانے کا راز غیروں کی تہذیب اختیار کر لینا ہے اور مسلمانوں کے زندہ رہنے کا راز اپنی تہذہب کو محفوظ رکھنا اور غیروں کی تہذیب سے دور رہنا ہے، ورنہ دیگر قوموں کی طرح آج ان کا بھی کوئی نام ونشان باقی نہ ہوتا، خلاصہ یہ کہ ایسی تعلیم وتہذیب جس سے ملت کا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائے کسی طرح گوارہ نہیں کیا جاسکتا (امدادالفتاوی ملخصا ۴/ ۲۳۴)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں جزئیات مسئولہ کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱-اگر سرکاری اسکولوں میں ان مشرکانہ کلمات وتہذیب پر جبر کیا جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں سے دور رکھیں، ان میں تعلیم دلانا شرعا جائز نہیں۔

۲-اگر سرکاری اداروں میں ان پر جبر نہ کیا جائے، لیکن ترغیب دی جائے تو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ طلبہ ان میں عملی حصہ نہ لیں اور بچوں کو دور رہنے کی انتہائی تاکید بھی کر دی جائے اور ان کو اس کے خطرات سے واقف کرانا بھی لازم ہے۔

۳-اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کا کوئی متبادل نہ ہو تو

بھی مسلمانوں کواس سے دور رہنا اوراپنے بچوں کواس سے دور رکھنا لازم ہے اور ساتھ ساتھ میں جلد از جلد اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنا بھی واجب و لازم ہے، جب تک ادارہ قائم نہ ہوسکے اس وقت تک بچوں کو ایسے اسکولوں سے دور رکھا جائے اور ان کو دینی تعلیم دی جائے۔

۴-اوراگر غیر مسلم پرائیویٹ اداروں میں بطور ترغیب ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو ان اداروں میں تعلیم جائز ہے، بشرطیکہ ان میں عملی حصہ نہ لیا جائے اور بچوں کواس کی شناعت وقباحت سے واقف کرادیا جائے۔

۵-اگران برائیوں سے پاک ادارے موجود ہوں تو ان برائیوں کو لازم کرنے والے یا ان کی ترغیب دینے والے اداروں میں بچوں کو داخل کرنا جائز نہیں، کیونکہ فساد اعتقاد کا خطرہ بہرحال موجود رہتا ہے، اس لئے جب محفوظ ادارے موجود ہوں تو دین وایمان کو خطرات میں ڈالنا دانشمندی کا تقاضہ نہیں۔

۶-کسی مسلمان انتظامیہ کے لئے اپنے اسکول کی ترقی کی غرض اور مصلحت کے تحت ان مشرکانہ اور کافرانہ تہذیب وتمدن کو رواج دینا شرعاً حرام و ناجائز ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے: جو کوئی کسی برائی کی بنیاد رکھتا ہے تو اس برائی میں جتنے لوگ مبتلا ہوں گے سب کا گناہ اس کے اوپر ہوگا اور تعاون علی الاثم کے گناہ سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں، اس لئے اپنے اسکولوں میں اس کو رواج دینا اگرچہ غیر مسلم بچوں ہی کے لئے ہو شرعاً ناجائز وحرام ہے اور اگر مسلمان بچوں کو ان اعمال سے دور رکھا جائے تو ان کے لئے اس میں تعلیم حاصل کرنا جائز ہے۔

"النیروز والمهرجان لا یجوز ای الهدایا باسم هذین الیومین حرام وإن قصد تعظیمه کما یعظمه المشرکون یکفر، قال أبو الحفص الکبیر لو أن رجلا عبد الله خمسین سنه ثم اهدی لمشرک یوما لنیروز بیضة یرید تعظیم الیوم فقد کفر وحبط عمله، ولو اهدی لمسلم ولم یرد تعظیم الیوم بل جری علی عادة الناس لا یکفر وینبغی أن یفعله قبله أو بعده، نفیا للشبهة ،ولو شری فیه مالم یشتره قبل إن اراد تعظیمه کفر، حکی أن واحد أمن مجوسی سربل کان کثیرالمال وحسن التعهد بالمسلمین فاتخذ دعوة لحلق رأس ولده فشهد دعوته کثیر من المسلمین وأهدی بعضهم إلیه فشق ذلک علی مفتیهم......والأولی للمسلمین أن لا یوافقهم علی مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح والسوری" (شامی ۱۰/ ۴۸۵-۴۸۶)۔

اس کے بعد چند آثار ونصوص مشرکانہ اعمال وافعال میں شرکت کے عدم جواز سے متعلق نقل کی جاتی ہیں:

مشرکانہ اعمال وافعال میں شرکت کا حکم:

"یغزو جیش الکعبة فإذا کانوا ببیداء من الأرض یخسف بأولهم وآخرهم قالت قلت یا رسول الله !کیف یخسف بأولهم وآخرهم وفیهم أسواقهم، ومن لیس منهم،قال یخسف بأولهم وأخرهم ثم یبعثون علی

نیاتھم“(انعام الباری۶/۲۲۹)،حضرت عائشہؓ کی ایک روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ایک لشکر کعبہ کی طرف جنگ کے لئے نکلے گا جب وہ مقام بیداء کے پاس پہنچے گا تو اس کا اول وآخر سب زمین میں دھنسادیئے جائیں گے، جبکہ ان میں بازار بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں جو اس ارادہ سے ان لوگوں میں شامل نہ ہوں گے، حضور ﷺ نے فرمایا سب دھنسا دیئے جائیں گے، البتہ قیامت کے اندا پنی نیتوں اورارادوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

۲-”من کثر سوادقوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریک من عملہ بہ“()،حضرت عبداللہ بن مسعودؓفرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جوکسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے اس کا شماراسی قوم کے ساتھ ہوگا اور جوکسی قوم کے عمل سے راضی ہوگا وہ اس کےعمل میں شریک مانا جائے گا۔

۳-”من بنی بلا دالأعاجم وصنع بنیروزھم ومھر جانھم وتشبہ بھم حتی یموت وھو کذلک حشر، معھم یوم القیامۃ“(اقتضاء الصراط المستقیم/۵۵۷)حضرت عبداللہ بن عمروؓفرماتے ہیں جوغیر مسلموں کے علاقے میں گھر بنائے اوران کے تہواروں کی نقل کرے، ان میں شریک ہواوراسی حالت میں مرجائے تو قیامت کے دن اس کا حشرانہیں کے ساتھ کیا جائے گا۔

۴-”لا یمالون أھل الشرک علی شرکھم ولا یخالطونھم“ (اقتضاء الصراط المستقیم۱/۴۲۸)،حضرت عبد اللہ بن عمروؓفرماتے ہیں اہل شرک کے شرکیہ افعال کی طرف متوجہ نہ ہواور نہ ان کے ساتھ کسی مقام پر جمع ہو۔

۵-”إیاکم أن تدخلوا علی المشرکین یوم عیدھم فی کنائسھم“(اقتضاء الصراط المستقیم۱/۴۲۸)، حضرت عطاء بن یسارفرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین کے تہواروں میں ان کے عبادت خانوں میں داخل ہونے سے بچو۔

۱۲- عصری اداروں میں جنسی تعلیم کا مغربی نظریہ اوراس کا طور وطریقہ بے حیائی فحاشی اور جنسی بے راہ روی کا سبب اور ذریعہ ہے، اس لئے شرعا اس کے نظریہ اور طریقہ کے مطابق جنسی تعلیم شرعا حرام و ناجائز ہے، تعلیمی اداروں کو اس سے محفوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

”إن الذین یحبون أن تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب ألیم فی الدنیا والآخرۃ“(نور:۱۹)، ”لأن الأصل أن سبب الحرام حرام“(ہدایہ)،”ماأدی إلی الحرام فھو حرام“(بدائع الصنائع)،حاصل یہ کہ جنس سے متعلق آج کل کے مروج امور جوشہوانی وحیوانی خیالات کو برانگیختہ کرنے اور جذبات کو بے قابو کرنے کا سبب وذریعہ ہوتے ہیں ان کا سکھلانا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔

عمر کے مناسب جنس سے متعلق ضروری مسائل کی تعلیم:

جنس سے متعلق شرعی مسائل ان بچوں کوسکھلانا جائز ہی نہیں، بلکہ واجب اورضروری ہے جوقریب البلوغ ہیں اوران کوان

مسائل سے سابقہ جلد ہی پڑنے والا ہو، چنانچہ تربیت الاولاد میں ہے کہ شرعی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مربی اپنے بیٹے بیٹی کو ایسے امور بتلا سکتا ہے جن کا تعلق جنس اور شہوت سے ہو، بلکہ بعض دفعہ ان کا بتلانا واجب ہوجاتا ہے، جبکہ کوئی شرعی حکم اس پر مرتب ہوتا ہو، چنانچہ بہت سی آیات میں جنسی اتصال وملاپ کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے اسکے علاوہ زنا وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے، نیز بعض آیتیں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلاتی ہیں کہ انسان کو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کس طرح کرنا چاہئے اور کس سے نہیں اور یہ کہ رمضان میں ہمبستری کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور حالت حیض میں عورتوں سے دوری اختیار کرنا چاہئے تو یہ سب چیزیں جنس اور خواہش نفس ہی سے متعلق ہیں، پس اگر بچہ سن شعور کو پہنچ جائے اور اس کا استاذ ومربی ان حقائق کو اس کے سامنے بیان نہ کرے تو وہ ان آیات کو کیسے سمجھے گا اس کے علاوہ قرآن کریم کی دعوت تدبر کے بھی خلاف ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: "كتاب انزلناه إليك مبارك ليدبروا آياته وليتذكر أولوا الألباب" (سورۂ ص: ۲۹) بلکہ قرآن کریم ایسے لوگوں پر نکیر کرتا ہے جو قرآن کریم پڑھ کر ان آیتوں پر غور نہ کرے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: "أفلا يتدبرون القرآن ام على قلوب أقفالها" (سورۂ محمد: ۲۴)، اس سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کریم دیگر علوم ومعارف پر مشتمل ہے اسی طرح ضرورت کے متعلق جنسی مسائل پر بھی مشتمل ہے، لہذا ان مسائل کو بھی سمجھنا ضروری ہے، لیکن عمر کے ہر حصے سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دیجئے، لہذا یہ قطعاً نامعقول بات ہے کہ آپ دس سال کے عمر کے بچے کو جنسی ملاپ کے اصول بتلائیں، لڑکی کو یہ جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں کو انجام دینا چاہئے، لیکن اگر کسی لڑکی کی ماں موجود نہیں تو اس کی جگہ کوئی اور عورت یہ کام انجام دے تو بہتر ہے، یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ جذبات کے اس بے قابو سیلاب اور بے راہ روی کے اس تباہ کن منجدھار سے پورے عالم کو آج صرف اسلام کا نظریہ جنس ہی بچا سکتا ہے، کاش کہ مسلمان اس فلسفہ کو سمجھتے اور اپنی متاع گم شدہ دوبارہ حاصل کرتے (تربیت الاولاد ۳۹۸-۴۰۰)۔

حکومت سے وضاحت:

حکومت کو اس سے آگاہ کردینا کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں مناسب ہی نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے اس میں کوئی کذب نہیں، لہذا اس وضاحت کے ذریعہ سے اگر اس کے نظریہ کے مطابق جنس کی تعلیم سے محفوظ رہنا ممکن ہو تو پھر اس کی کوشش کرنا بقدر استطاعت لازم اور ضروری ہے، نیز مسلمان تعلیمی اداروں کے ذمہ یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام اخلاقی ہدایات عفت وپاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان اور دنیوی مضرتوں کے بیان پر مشتمل کتاب ترتیب دے کر اپنے نصاب کا حصہ بنائیں، تاکہ حکومت کی طرف سے جبراً لازم کی جانے والی جنسی تعلیم سے اپنے اداروں کو محفوظ رکھ سکیں، "لأن مالا يتوصل إلى ترك الحرام إلا به يكون فرضا" (شامی ۴/ ۶۳-۶۴)۔

جنسی تعلیم پر حکومت کی طرف سے جبر:

اگر حکومت کی طرف سے اپنے نظریہ کے مطابق تعلیمی اداروں کو جنسی تعلیم دینے پر مجبور کیا جائے تو تعلیمی اداروں کے منتظمین

واساتذہ پر لازم ہے کہ وہ اس کی تعلیم اس طرح دیں کہ اس کا نقصان بچوں پر نہ پڑے، نیز اس نظریہ کی قباحت اور خرابیوں کو بھی بیان کیا جائے، اگر اسلامی ماحول کے تعلیمی ادارے موجود نہ ہوں اور تعلیم دلانے کے لئے وہ ادارے ناگزیر مجبوری بن چکے ہوں جس میں حکومت کے نظریہ کے مطابق اس کی طرف سے تھوپی ہوئی جنسی تعلیم دی جاتی ہو، تو بدرجہ مجبوری "**الضرورات تبیح المحظورات**" کے ضابطہ سے ایسے اداروں میں تعلیم دلانا جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کے سد باب کی فکر واہتمام کرنا بھی واجب ہے، "**فيه دليل على جواز تعلم ما هو حرام في شرعنا للتوقي والحذر عن الوقوع في الشر كذا ذكره الطيبي**" (مرقات ۸/۷۷۴-۸۷۴)۔

۱۳- بالغ لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط جب پاکیزہ ماحول اور عبادت کے وقت شریعت میں جائز نہیں تو سیر وتفریح کے وقت یہ اختلاط بدرجہ اولی ناجائز وحرام ہوگا، "**ولا تسعى بين المسلمين، لأنه مخل بستر العورة لا تستلم الحجر إذا كان هناك جمع، لأنها ممنوعة عن مماسة الرجال إلا أن تجد الموضع خاليا**" (ہدایہ ص ۲۵۵ کتاب الحج)، "**لا تمنع المسجد لكن بشروط ذكرها العلماء ماخوذة من حديث، وهو أن لا تكون متطيبة ولا متزينة ولاذات خلاخل ليسمع صوتها ولا ثياب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا شابة ونحوها ممن يفتتن بها، وأن لا يكون في الطريق ما يخاف به مفسدة ونحوها**" (شرح مسلم ۱/۱۸۳)۔

علامہ نووی نے نماز کے لئے خروج کی جو شرائط ذکر کی ہیں وہ قابل غور ہیں کہ خوشبو نہ لگائیں، اور زیب وزینت نہ اختیار کریں، بجنے والا زیور نہ پہنیں، پرکشش لباس نہ ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، نوجوان نہ ہوں کہ جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو اور راستہ میں کسی قسم کا فتنہ وفساد کا خوف نہ ہو، ان شرائط میں اگر غور کیا جائے تو سیر وتفریح کے لئے جانے والی عورتوں میں ان میں سے کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی ہے، ان کا نکلنا فتنہ سے خالی نہیں نوجوان ہونا ظاہر ہے پرکشش لباس کا پہننا لڑکوں سے اختلاط کا ہونا اور زیب و زینت اختیار کرنا بالکل بدیہی ہے، اس لئے طالبات کا تفریحی سفر میں نکلنا شرعاً حرام وناجائز ہے، نیز اگر یہ سفر بقدر مسافت ہو تو اسکی ممانعت مستقل ہے، قرآن کریم میں عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے، سیر وتفریح کے لئے گھومنا پھرنا نسوانی فطرت کے خلاف ہے، اور بغیر محرم کے سفر کی تو شریعت نے اجازت ہی نہیں دی ہے، ان احکام پر درج ذیل نصوص شاہد ہیں:

"**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية**" (سورۂ احزاب: ۳۳)، "**وقال رسول الله ﷺ المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان**" (رواہ الترمذی، مشکوۃ باب النظر إلی المخطوبۃ ص ۲۶۹)، "**وقال رسول الله ﷺ لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن إمرأة إلا ومعها محرم**" (مشکوۃ مناسک ص ۲۲۱)۔

علاحدہ پروگرام:

مسلم انتظامیہ کا سیر وتفریح کھیل وکود کے لئے لڑکے اور لڑکیوں کا الگ الگ انتظام کرنا بھی شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ

نہیں، کیونکہ الگ الگ نظم وانتظام سے صرف اختلاط سے حفاظت ہوجائے گی لیکن دیگر بہت سی برائیاں اور مفاسد کا دروازہ کھلے گا، جب شریعت مطہرہ نے بلاضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی ہے تو ظاہر ہے کہ سیر وتفریح کسی ضرورت میں داخل نہیں، نیز سفر بغیر محرم کے ہوگا اور دیگر بہت سی قباحتوں کی وجہ سے سیر وتفریح کھیل کود کا علاحدہ علاحدہ نظم کرنا بھی شرعاً جائز نہیں۔

"وقرن فی بیوتکن فیه الدلالة علی أن النساء مامورات بلزوم البیت ومنهیات عن الخروج" (احکام القرآن ۳/۴۷۱)، البتہ وقتی سیر وتفریح جو محرم کے ساتھ ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اسی طرح عبادت وغیرہ کے لئے اسفار بھی مستثنیٰ ہیں، حاصل یہ کہ طالبات کا تفریحی پروگرام منعقد کرنا شرعاً جائز نہیں، خواہ اختلاط کے ساتھ ہو یا بغیر اختلاط کے سیر وتفریح کے علاوہ لڑکیوں کی خوابیدہ صلاحیت کو بیدار کرنے کے لئے ان کے درمیان تقابلی پروگرام کا انعقاد مفید ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

کھیل کود، سیر وتفریح، گھوڑ دوڑ، سائیکل ریس جیسے پروگرام مردوں کی فطرت کے مطابق ہیں، اور مستقبل کی زندگی میں ان کو کام آنے والے ہیں، لیکن اس طرح کے پروگرام لڑکیوں کی فطرت کے مطابق نہیں اور نہ ہی لڑکیوں کی زندگی میں ان کے کام آنے والے ہیں اس لئے لڑکے اور لڑکیوں کے پروگرام الگ الگ نوعیت کے مقرر کرنے چاہئے، لڑکوں کے لئے ورزش تیراکی، دوڑ گھوڑ سواری کا تقابلی پروگرام منعقد کرنا مفید ہے اور اس کے برعکس لڑکیوں کے لئے کڑھائی، بنائی، سلائی، پینٹنگ، عمدہ قسم کے کھانے پکانے کا تقابلی پروگرام منعقد کرنا مفید ہے، اس لئے لڑکیوں کا پروگرام اس طرح کی ہنرمندی کی صلاحیت بیدار کرنے کے لئے کرنا چاہئے۔

۱۴-ثقافتی پروگرام:

لڑکیوں کے درمیان تقریری پروگرام منعقد کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ آواز ان کی اپنی مجلس تک ہی محدود ہو، اور یہ پروگرام صرف طالبات کے درمیان ہو مردوں سے اختلاط نہ ہو کیونکہ لڑکیوں کو بھی افہام وتفہیم اور مافی الضمیر کی ادائیگی کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے تقریری پروگرام ان کی ایک ضرورت ہے، جس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

علم دین کے حاصل کرنے اور اس کو پہنچانے میں مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے "نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وآداها الحدیث" کی تفسیر میں عبدا کا مصداق مرد وعورت دونوں کو قرار دیا، اسی طرح تعلیم وتعلیم سے متعلق جو روایات ہیں ان میں حضرت نے مرد وعورت سب کو داخل فرمایا، لہٰذا معلوم ہوا کہ مرد کی طرح سے عورتیں بھی افہام وتفہیم دعوت وتبلیغ کے لئے تقریر کی محتاج ہیں۔

ڈرامے اور مکالمے کا حکم:

اسکولوں میں ڈرامے اور مکالمے کی جو نوعیت رائج ہے وہ شرعی اصول کے مطابق جائز نہیں، کیونکہ اس میں سب سے بڑی خرابی لہو ولعب کا شامل ہونا ہے اگر کوئی کلمہ خیر ہو دین کی بات ہو لہو ولعب کھیل وتماشہ کی شکل میں پیش کیا جائے تو اس کا ناجائز ہونا

حضرات فقہاء کے یہاں مصرح ہے اور بعض نے تو دین کی بات کو ہزل کے ساتھ پیش کرنے کو کفر قرار دیا ہے، چنانچہ مالا بدمنہ میں ہے: مسئلہ: اگر کوئی شخص قرآن کی آیت کو پیالے میں رکھ کر اس کو پانی سے بھر دے اور پڑھے: "وکاسا دھاقا "تو کافر ہو جائے گا (مالا بدمنہ اردو ص ۱۵۲)۔

"وكذا قولهم بكفره إذا قرأ القرآن فى معرض كلام الناس كما إذا اجتمعوا فقرأ فجمعناهم جمعا، وكذا إذا قرأ: وكاسا دهاقا عند رؤية كأس، وله نظائر كثيرة فى ألفاظ التكفير كلها ترجع إلى قصد الإستخفاف به، قال قاضى خان الفقاعى إذا قال عند فتح الفقاعى للمشترى صل على محمد قالوا يكون آثما" (الاشباہ والنظائر ۱۰۳-۱۰۴)۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ دین کی بات کو بطریق ہزل پیش کرنا شرعاً حرام و ناجائز ہے اور مروجہ ڈرامے اور مکالمے ہزل کھیل و تماشے سے زائد کچھ نہیں ان کا مقصد افہام و تفہیم نہیں، بلکہ لوگوں کو ہنسانا مقصود ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دین کی کوئی بات اگر غیر سنجیدگی کے ساتھ کہی جائے گی تو اس میں کوئی تاثیر نہ ہوگی، مکالمے اور ڈرامے میں سنجیدگی کا فوت ہونا ظاہر و باہر ہے، اس لئے بندہ عاجز کے نزدیک مکالمہ اور ڈرامہ شرعی ضابطہ کے مطابق جائز نہیں، نیز یہ اسلامی طریقہ کے بھی خلاف ہے۔

سلف صالحین میں کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں، یہ ناچنے گانے فلمی اداکار وغیرہ کی نقل اور مشابہت ہے اور وہیں سے یہ تعلیمی اداروں میں بھی رواج پا گیا ہے، ورنہ تو حضرات اکابر کے کتب فتاوی اور تحریریں اس سے بالکل خاموش نہ ہوتیں، اگر یہ ان کے زمانہ میں رائج ہوتا تو اس کے متعلق ضرور وہ وضاحت فرماتے، بہر حال بندہ اس کو غیروں کی مشابہت اور نقل ہزل کھیل تماشہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہی سمجھتا ہے، "من تشبه بقوم فهو منهم ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به" (کنز العمال ۹/ ۲۲، نیز دیکھئے: فتوی ریاض العلوم ۷/ ۵۵)۔

۱۵- ڈیجیٹل تصویر کو مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تصویر کے حکم میں نہیں رکھا ہے، بلکہ اس پر عکس کا حکم لگایا ہے (درس ترمذی ۵/ ۳۵۲)، اور عرب علماء میں سے بہت سے کیمرے کی تصویر کو مطلقاً تصویر کے حکم میں نہیں رکھتے ہیں (التفصیل درس ترمذی ۵/ ۳۴۹)، اس لئے ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ سے تعلیم و تعلم کی گنجائش ہے، لیکن جانوروں کے مجسمے تعلیمی اداروں میں فراہم کرنا اور اس کے ذریعہ سے تعلیم میں مدد لینا شرعاً جائز نہیں۔

" کتاب الفتاوی" میں ہے: ذی روح کی تصویر سے چونکہ احادیث میں صراحۃً منع کیا گیا ہے، اس لئے تعلیمی مقاصد کے لئے بھی ان کا استعمال درست نہیں، "إن الملائكة لاتدخل بيتا فيه الصورة" (بخاری: ۵۹۵۸، کتاب الفتاوی ۱/ ۴۳۱)۔

لیکن بعض علماء کرام سے بچوں کی گڑیا اور کھلونے اگر مصور ہوں تو ان سے کھیلنے کی اجازت ملتی ہے، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بچوں کی گڑیا اور چھوٹے کھلونے اگر مصور ہوں تو ان کی خرید و فروخت اور بچوں کا کھیلنا ان سے جائز ہے، جیسا

کہ حضرت عائشہؓ کے واقعہ مذکورہ حدیث ۲۴ سے ثابت ہو چکا ہے، جس میں فقہاء کے اختلاف کی تفصیل اوپر آ چکی ہے، حنفیہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لئے اس کی اجازت دی گئی ہے عام نہیں اور اکثر حضرات کے نزدیک ان کا بھی عدم جواز ہی راجح ہے (جواہر الفقہ ۳/ ۲۳۵)، اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کے لئے بعض علماء کے نزدیک مصور کھلونوں سے کھیلنا جائز ہے، لہذا اگر تعلیمی اداروں میں چھوٹے بچوں کے لئے مجسم تصویر فراہم کی جائے تو کھلونے کے درجہ میں رکھ کر اس کے جواز کی گنجائش نکلتی ہے، جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

۱۶- مسلمان انتظامیہ کے تحت چلنے والے لڑکیوں کے تعلیمی ادارے میں ان امور کی تعلیم جن سے لڑکیوں کو آئندہ زندگی میں سابقہ پڑنا ضروری ہے، استحباب سے تو خالی نہیں اگر غور کیا جائے تو اس کا وجوب سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جن چیزوں سے دنیوی زندگی میں سابقہ پڑتا ہے اور بے نیازی نہیں ہوسکتی ان امور کی تعلیم شرعا واجب ہے، اسی لئے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ علوم جن کو علوم دنیا کہا جاتا ہے وہ علوم بھی کوئی مذموم چیز نہیں، بلکہ وہ بھی فی الجملہ محمود ہیں، بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جو فرض کفایہ ہیں اور ان کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے، مثلاً کھانا پکانے کا علم، اس کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہے، کچھ لوگ ہوں جو اس کو سیکھیں، کپڑا سینے کا علم اسی طرح سے وہ بہت سے علوم جن کے اوپر انسان کی دنیوی زندگی موقوف ہے، وہ فرض کفایہ ہیں (انعام الباری ملخصا ۲/ ۳۰-۲۹)۔

مفتی صاحب کی تصریح سے مذکورہ علوم کی تحصیل کا مستحب ہونا تو معلوم ہی ہوتا ہے، بلکہ بعض کا لازم وضروری ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، "**أما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه فى قوام أمور الدنيا**" (شامی ۱/ ۱۲۶)، اس ضابطہ سے بھی مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے لڑکیوں کے ادارہ میں سلائی، کڑھائی، پکوان امور خانہ داری میں مہارت اولاد کی تربیت وغیرہ سے متعلق علوم کو سکھلانا لازم اور ضروری معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اولیاء نے اپنا فریضہ ان ہی منتظمین کے حوالہ کر دیا ہے، گویا یہ ان کے وکیل ہیں، اس لئے ان کو اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس پر پوری توجہ دینا لازم ہے۔

۱۷- مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم اس قدر دلانا واجب اور ضروری ہے جس سے وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض وواجبات کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، چنانچہ علامہ نووی علیہ الرحمہ نے اس سلسلے میں یہ صراحت کی ہے کہ والدین اور تمام سرپرستوں کے ذمہ بچوں کو ان امور کی تعلیم دینا واجب ہے جس سے ان کے اعتقاد اور عبادت نماز وروزہ وغیرہ صحیح اور درست ہو جائیں، اور محرمات مثلاً بدکاری، چوری، غیبت، جھوٹ وغیرہ کی شناعت سے واقف ہو جائیں۔

"**على الآباء والأمهات تعليم أولادهم ما سيتعين عليهم بعد البلوغ فيعلمه الولى الطهارة والصلوة والصوم ونحوها ويعرفه تحريم الزنا واللواط والسرقة وشرب الخمرأى المسكر والكذب والغيبة وشبهها ويعرفه أن بالبلوغ يدخل فى التكليف، ويعرفه ما يبلغ به، وقيل هذا العلم مستحب، والصحيح وجوبه وهو**

ظاهر نص الشافعي رحمه الله تعالى"(المجموع ۱/۵۰)۔

۱۸- جنس مخالف استاذ مقرر کرنے میں فتنہ کا سخت خطرہ ہوتا ہے، اس لئے حضرات فقہاء نے مراہق بچے اور بچیوں کو جنس مخالف کے ذریعہ تعلیم دلانے کو ناجائز کہا ہے، کیونکہ مراہقت کے بعد پردہ لازم ہوجاتا ہے، جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جاچکا، لہذا بلاضرورت کے جنس مخالف استاذ مقرر کرنا شریعت میں جائز نہیں، البتہ ضرورت اور مجبوری کے احکام جداگانہ ہیں، ضرورت کے وقت جنس مخالف کے چہرے کو دیکھنے کی حضرات فقہاء نے اجازت دی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ نگاہوں کو پاکیزہ رکھیں اور بقدر ضرورت دیکھنے پر اکتفاء کریں، عورت کا مرد سے پردہ کرنا اس روایت سے ثابت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی کے گھر میں جانے پر آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے بلاوجہ کسی اجنبی مرد کو دیکھنا منع ہے، اور جواز حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے ہے جس میں آپ ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو حبشہ کا کھیل دکھلانا مذکور ہے، ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہی ہے کہ بلاضرورت دیکھنا منع ہے اور ضرورت ہو تو گنجائش ہے، اسی طرح مردوں کو غض بصر کا حکم ہے اور اس سلسلے میں متعدد روایتیں منقول ہیں اور جواز "**ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر**" (سورۂ نور:۳۱) سے ثابت ہے، اس لئے غض بصر والی روایات غیر ضرورت پر محمول ہیں اور آیت سے جواز ضرورت کے وقت ثابت ہے، تفصیل کے لئے (احکام القرآن للجصاص ۳/۴۰۸) ملاحظہ ہو۔

"**جاز للأجنبى أن ينظر من المرأة إلى وجهها ويديها بغير شهوة، فإن كان يشتهيها إذا نظر إليها جاز أن ينظر لعذر مثل أن يريد تزويجها أو الشهادة عليها وغيرها**"(احکام القرآن ۳/۴۰۸)۔

۱۹- حضرات فقہاء نے دفع مضرت، نیز جلب منفعت کے لئے بھی رشوت دینے کی اجازت دی ہے، "**ثم الرشوة أربعة أقسام منها ماهو حرام على الآخذ والمعطى وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة، الثانى: إرتشاء القاضى ليحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق، لأنه واجب عليه، الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط**"(شامی ۸/۳۴-۳۵)، اس تصریح سے دفع مضرت اور جلب منفعت دونوں مقصد سے رشوت دینے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور کالج کو منسوخی سے بچانا یا تو دفع مضرت میں آئے گا، یا جلب منفعت میں، لہذا اس کے لئے رشوت دینے کی اجازت ہے۔

☆☆☆

تعلیم اور تعلیم گاہوں سے متعلق احکام شرعیہ

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

۱-	علم دین کا ہو، یا دنیا کا انسان کی سرخروئی وسربلندی کا زینہ ہے، علم سے تہذیب وشائستگی آتی ہے، بلندی وکامرانی کی منزلیں کھلتی ہیں، زندگی میں بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، نیز سماج ومعاشرہ کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، نیز اسی میں ملک وملت کی قیادت وسیادت اور بالادستی بھی مضمر ہے، گویا علم سراپا نور ہے جو ہر چہار جانب کو روشن ومنور رکھتا ہے، اگر دین کا علم ہے تو دین کی جہتیں منور رہتی ہیں، اگر دنیا کا علم ہے تو دنیا کی راہیں اور روشن رہتی ہیں، علم دین کے مراکز مدارس ہیں تو علم دنیا کے مراکز عصری تعلیم گاہیں بنام اسکول وکالج اور یونیورسٹی ہیں، ان مراکز بالخصوص عصری درسگاہوں میں پڑھائے جانے والے بعض علوم وفنون کی حیثیت فرض کی ہے تو بعض مستحب ومباح کی، نیز بعض حرام ومکروہ کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے تفصیل سے دونوں قسم کے علوم پر روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر شرعی علوم بعض محمود، بعض مذموم اور بعض مباح ہیں، محمود و پسندیدہ علم وہ ہے جس سے دنیا کے مصالح اور معاملات جڑے ہوئے ہیں، جیسے طب وحساب وغیرہ پھر اس محمود علم کے مختلف مراتب ہیں: فرض کفایہ، مستحب، مباح، فرض کفایہ وہ علوم ہیں جن سے زندگی گذارنے میں استغناء وبے نیازی نہیں برتی جاسکتی ہے، طب وحساب وغیرہ اس کے زمرے میں آتے ہیں، مستحب علم وہ ہے جو زندگی کی گاڑی کو پٹری پر رواں دواں رکھنے والے علوم کے لئے مددگار ومعاون ثابت ہوتے ہوں، مباح علوم وہ ہے جن سے کوئی نہ کوئی فائدہ متعلق ہو اور ضرر نہ ہو، جیسے تاریخ ملل وغیرہ، اور مذموم وہ علم ہے جس میں فائدہ نہ ہو، بلکہ ضرر ہو، جیسے شعبدہ بازی وغیرہ (احیاء العلوم ۲/ ۲۳۰، طبع بیروت)۔

علامہ شامی نے بھی مقدمہ شامی میں علم پر اچھی بحث کی ہے (الدر مع الرد ۱/ ۳۲ مقدمہ، طبع رشیدیہ)۔

بہرحال دو قسم کے علوم ہیں، دونوں میں بعض کا حصول فرض عین اور بعض کا فرض کفایہ، کچھ ایسے بھی ہیں جن کا پڑھنا صرف مستحب ومباح ہوگا، نیز کچھ علوم وفنون وہ ہیں جن کے حصول میں قباحت بھی ہے، ان دونوں قسموں کو مدارس اسلامیہ میں نہ تو پڑھنے پڑھانے کا دستور ہے، اور نہ ہی ممکن ہے، تجربات ومشاہدات اس کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، جنہوں نے دونوں کو خلط ملط کیا، انہوں نے اب تک کوئی طور نہیں الٹا دیا ہے، خواہ دنیا کے دل دادہ بن کر اور پیٹ کے پجاری بن کر نکلے ضرور ہیں، مگر دین کا خادم بن کر

☆	خادم حدیث جامعہ حسینیہ کائم کلم، کیرالا۔

نکلنے کی مثال اگر ہوگی تو شاذ ونادر ہوگی، اس لئے دینی وشرعی علوم کے لئے مدارس کا رخ کیا جاتا ہے، مگر دنیاوی علوم اور عصری فنون کی تحصیل کے لئے عصری درسگاہوں میں داخلہ لیا جاتا ہے، ان عصری درسگاہوں کی باگ ڈور اسلام بیزار، اور اسلام مخالف ہاتھوں میں ہے، جن کو دین کی فکر تو کجا اپنی عزت وناموس کی حفاظت کا اہتمام بھی نہیں، عریاں ماحول، اسلام کے خلاف ریشہ دوانی والے مضامین کی بھرمار، شریعت ودین کا مذاق واستہزاء ہی نہیں، انکارتک کی مسموم فضا سے پورا ماحول پراگندہ ہو چکا ہے، عصری علوم کے طلبہ کے دین اور ایمان کو بچانے کے لئے اسلامی ماحول سے بھرپور اسکول کا قیام نہ یہ کہ جائز ہوگا، بلکہ "الضرر یزال" کے اصول پر واجب ہوگا، کچھ مرد میدان کو اس خاردار وادی میں قدم رکھنا ازبس ضروری ہے، امت کا بڑا طبقہ لادینیت اور الحاد کی آگ میں جھلس رہا ہے، ہر مرد مومن کا فریضہ بنتا ہے کہ اپنی مقدور بھر کوشش کرے، اور کوشش کرنے والوں کی ہمت افزائی کریں۔

۲-عصری درسگاہوں کا نصاب تعلیم:

جن عصری دانشکدوں کا انتظام وانصرام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، ان کو نصاب ونظام کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، ایسے مضامین کو خاص اہمیت دینی چاہئے جو طلبہ کے معاد کو اولین مرحلے میں سنوار دے، احکام ومسائل کا ضروری حصہ بھی داخل نصاب ہونا چاہئے جن سے ہر بالغ مرد وعورت کو سابقہ پڑتا ہے، یعنی طہارت ونجاست کے مسائل، نماز وروزہ کا خاطر خواہ حصہ، زکاۃ و حج کے موٹے اور ضروری احکام، نیز معاملات ومعاشرت کی بابت اسلام کے رہنما اصول وضوابط پر مشتمل مضامین مختلف مراحل میں داخل کرکے یہاں سے نکلنے والوں کے باطن کو مسلمان اور ایمان والا بنایا جانا چاہئے۔

البتہ ایسے مضامین جن سے اخلاق بگڑتے ہوں، ایمان واعتقاد پر ضرب پڑتی ہو، یا دیومالائی کہانیاں جن کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں، اگر طلبہ کو ایسی کہانیاں پڑھائی جاتی ہوں، نیز قانوناً ان کا پڑھانا ضروری نہ ہو تو ان سے مکمل طور پر احتراز لازم ہے، فقہاء نے ان کتابوں کی بابت جو فلاسفہ کی تصنیف کردہ تھیں، اور اسلام کے نظریہ توحید پر زد پڑ رہی تھی ان کتابوں کے بارے میں لکھا ہے:

"ذلک کله خارج عن الدين المستقيم: رائع عن الطريق القديم، فلا يجوز النظر في تلک الكتب ولا يجوز إمساكها، فإنها مشحونة من الشرک والضلال.

ووجدت أيضا تصانيف كثيرة في هذا الفن للمعتزلة مثل عبد الجبار الرازي، و الجبائی، والكعبي والنظام وغيرهم، فلا يجوز إمساک تلک الكتب والنظر فيها كيلا تحدث الشكوک ولا يتمكن الوهن في العقائد" (عالمگیری ۵/۳۷۷، کتاب الکراہیۃ، الباب الثلاثون في المتفرقات) (یہ سب دین مستقیم سے خارج ہیں، اور سیدھے راستے سے منحرف ہیں، پس ان کتابوں کو دیکھنا اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے کہ شرک وضلال سے لبریز ہیں۔

کچھ اور تصانیف اس فن میں معتزلہ مثلاً عبدالجبار رازی، جبائی، کعبی، اور نظام وغیرہ کی ہیں، ان کتابوں کو اپنے پاس رکھنا یا دیکھنا جائز نہیں ہے، تاکہ شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں، اور عقائد میں کمزوری نہ آئے)۔

اگر ان مضامین میں سے بعض کا پڑھانا اور نصاب کا حصہ بنانا اسکول چلانے کے لئے ضروری ہوتو بڑے مفسدہ کو دفع کرنے کی نیت سے ان کتابوں کو پڑھایا جائے اور ان کے نظریات وخیالات کی تردید کی جائے، نیز دیو مالائی داستان سنا کر اس کی شناعت پر اور لا اعتباریت پر متنبہ کرنے کے ساتھ مسلمانوں کی صحیح تاریخ طلبہ کو بتایا جائے، نیز اس کی افادیت پر خوب زور دیا جائے انشاء اللہ اس کی وجہ سے ان کتابوں اور مضامین کے بے اعتباریت بھی واضح ہوجائے گی، اور اسلام کی خوبیاں ذہن و دماغ میں پیوست بھی ہوں گی۔

۳- مفاسد والے سرکاری اداروں میں بچوں کی تعلیم:

بچے ان کے گارجین کے پاس امانت ہیں، بچپن بننے وبگڑنے کا وقت ہوتا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''**الصبي أمانة عند والديه وقلبه الطاهر جوهرة نفسية، فإن عوّد الخير وعلّمه نشأ عليه وسعد في الدنيا والآخرة**'' (تربیۃ الأولاد ۲/۷۹ طبع دار السلام، بیروت) (بچے والدین کے پاس امانت ہیں، ان کا صاف ستھرا قلب قیمتی اور نفیس جوہر ہے، اگر خیر کا عادی بنادیا گیا اور اس کی تعلیم دی گئی تو اسی پر نشأۃ ہوگی، اور دنیا وآخرت میں سعادت حاصل ہوگی)۔

اللہ نے واضح طور پر حکم دیا ہے: ''**قوا أنفسكم وأهليكم ناراً وقودها الناس والحجارة**'' (تحریم: ۶) (اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے)۔

لہذا ایسے ادارے کو سپرد کرنا جو اخلاق و عادات کو بگاڑ دے، ایمان و اعتقاد کا سودا کرلے، ذہن و دماغ کو کفر وشرک یا شکوک وشبہات سے بھردے ہرگز جائز نہیں، اس سے بہتر ہے کہ بچے جاہل رہیں، مگر ہوں مسلمان، علم و دانش کے میدان میں کورے ہوں، مگر شرک بیزار، بہت سی معلومات سے ناآشنا ہوں، مگر ہوں دین و اعتقاد کے پختہ رجال، مجبوری کیسی، قانونی مجبوری یعنی بغیر ایسے سرکاری اداروں میں پڑھے ہوئے ملک کا شہری بننا محال ہو شاید کہ ابھی ایسے حالات نہیں ہیں، سرکار کو تو صرف سرٹیفیکٹ درکار ہے، ہندوستان کے جن علاقوں کے بارے میں ڈھنڈورا ہے علم و دانش کا، وہاں بھی کثیر تعداد سرٹیفیکٹ ہولڈر کی ہے، اس لئے دین و ایمان کو بیچ کر سرکار کے سامنے جی حضوری کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴- مخلوط تعلیم:

مخلوط تعلیم میں بے پردگی، اختلاط، شہوت برانگیختہ کرنا وغیرہ مختلف مفاسد پائے جاتے ہیں، اس لئے سرکاری یا غیر سرکاری اسکولوں میں جہاں بھی مخلوط تعلیم ہوتی ہے وہاں بے پردگی واختلاط سے بچنے کے لئے مکمل انتظام ہونا ضروری ہے، درمیان میں دبیز قسم کا پردہ ڈال دیا جائے تو بھی کافی ہوجائے گا، مگر اس کے لئے انتظامیہ راضی نہ ہوتو مرد وزن کے لئے الگ بیٹھنے کا نظم ہونا ضروری ہے، نیز دونوں ہی صنف مقدور بھر نظر کو نیچی رکھنے کا اہتمام کریں، اگر یہ بھی ممکن نہیں ہے تو اداروں میں پڑھانے کے بجائے اپنے گھروں پر لڑکیوں کو تعلیم دلایا جائے یا دینی تعلیم پر اکتفاء کیا جائے، عصری فنون کی خواہشات وتمناؤں کو دل سے نکال دیا جائے۔

البتہ یہ دونوں صنف اگر شہوت کی عمر کونہیں پہنچے ہیں تو پھر آپس میں بے پردہ رہنے، اختلاط کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں حرج نہیں ہے، اس میں کلاس کا معیار نہیں عمر شہوت کا اعتبار ہوگا۔

"**الغلام الذي بلغ حد الشهوة كالبالغ كذا في الغياثية**"(عالمگیری ۳۳۰/۵، کتاب الکراہیۃ، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر الخ)(وہ بچہ جو حد شہوت کو پہنچ جائے بالغ کی مانند ہے)۔

"**هذا إذا كانت في حد الشهوة فإن كانت صغيرة لا يشتهى مثلها فلا بأس بالنظر إليها و من مسها؛ لأنه ليس لبدنها حكم العورة؛ ولا في النظر والمس معنى خوف الفتنة**"(عالمگیری ۲۲۹/۵، کتاب الکراہیۃ، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیہ الخ)(یہ اس صورت میں ہے جب کہ حد شہوت میں ہو اگر بچی ایسی ہو کہ اس سے شہوت نہ ہوتی ہو تو اس کو دیکھنا یا چھونے میں حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے بدن کو عورت کا حکم نہیں ہے، اور نہ اس کے دیکھنے اور چھونے میں فتنہ کا خوف ہے)۔

۵- جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہیں:

مرد وعورت کے لئے جداگانہ نظام تعلیم کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگوں میں انتظام ہو۔

۲- دونوں کے لئے بلڈنگ ایک ہی ہو، مگر کلاس روم الگ ہو، آنے جانے کے راستے الگ تھلگ ہوں اختلاط کی بظاہر صورت نہ ہو۔

۳- دونوں صنفوں کے لئے کلاس روم ایک ہی ہو، مگر دونوں کے لئے بیٹھنے کی جگہ الگ الگ ہو، نیز دونوں کے مابین پردہ حائل ہو جس کی وجہ سے نہ تو اختلاط ہوتا ہو، نہ نظر سے نظر دوچار ہوتی ہو، آمدورفت کے راستے بھی جداگانہ ہو۔

راقم کے خیال میں پہلی شکل سب سے اچھی اور محتاط ہے، ویسے جائز تینوں ہی شکل ہیں، اصل میں قباحت مختلف مفاسد کی وجہ سے آتی ہے، بذات خود علم کی تحصیل تو مطلوب ومحمود شئی ہے، اور وہ مفاسد اختلاط مرد وزن، بے پردگی، فتنہ کا خوف وغیرہ ہیں ان تینوں صورتوں میں ان مفاسد کا سد باب ہورہا ہے، اس لئے تینوں صورتیں جائز ہوں گی، رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ دور میں عورتیں مختلف مجالس میں شرکت کے لئے آتی تھیں، مسجد میں بھی نماز کے لئے آتی تھیں، حالانکہ خواتین کے لئے مساجد سے کہیں بہتر گھر میں نماز پڑھنا ہے، دربار رسالت سے متعدد بار اس کی تاکید اور ترغیب بھی دی گئی ہے، مگر جب عورتیں حاضر ہوتی تھیں تو اسلامی ضابطہ کی پابندی کا اہتمام کیا گیا، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

"**كان رسول الله ﷺ إذا سلم قام النساء حين يقضي تسليمه ويمكث هو في مقامه يسيرا قبل أن يقوم، قال: نرى-والله اعلم-أن ذلك كان لكي تنصرف النساء قبل أن يدركهن من الرجال**"(بخاری ۱۲۰/۱، کتاب الأذان، باب صلاۃ النساء خلف الرجال)(رسول اللہ کے رسول جب سلام پھیرتے تو عورتیں سلام پھیرتے ہی اٹھ جاتیں، اللہ کے

رسول تھوڑی دیر اٹھنے سے پہلے بیٹھے رہتے، راوی کہتے ہیں: کہ اللہ کوزیادہ معلوم، اللہ کے رسول ایسا اس لئے کرتے تھے کہ مردوں کے اختلاط سے پہلے عورتیں لوٹ جائیں)۔

اصل فتنہ کا سد باب کرنا ضروری ہے، اس لئے اگر دونوں صنفوں کی درسگاہ ایک ہی ہوتو ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی دبیز پردہ یا دیوار حائل ہو، اسی طرح استاذ بھی مخالف صنف کے لئے پردہ کے پیچھے ہو اگر ایسا نہیں ہوگا تو جائز نہیں ہوگا۔

۶- بچے کی عمر کم لکھوانا:

پڑھنے کی عمر کی تحدید نہیں ہے، جب بھی بچہ سمجھ دار ہو جائے، یعنی سن تمیز کو پہنچ جائے وہ پڑھنے کے لائق سمجھا جائے گا، اس موضوع پر محدثین نے اچھا کلام کیا ہے، سرخیل محدثین امام بخاری نے ''کتاب العلم'' میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے اور رجحان ظاہر کیا ہے کہ اس کو ماہ وسال کی قید سے مبرا رکھا جائے گا، حضرت محمود بن لبیدؓ نے صرف پانچ سال کی عمر میں سماع حدیث کیا، بعض اور بھی صغار صحابہ ہیں جنہوں نے اس سے بھی کم عمر میں حضور ﷺ سے حدیثیں سنی ہیں، بہر حال پڑھنے کی کم سے کم عمر کی تعیین نہیں کی جاسکتی ہے، اسی لئے علماء اصول سن تمیز پر بات کو ختم کرتے ہیں:

''**يعتبر كل صغير بحاله، فإذا فهم الخطاب وردالجواب صححنا سماعه، وإن كان دون خمس، وإلا أي:إن لم يفهم ولم يضبط لم يصح**'' (ظفر الأماني شرح مختصر الجرجاني تحقيق:عبد الفتاح رص ۵۰۲) (ہر بچے کی اپنی حالت کا اعتبار ہوگا، پس جب بات سمجھنے اور جواب دینے لگے تو ہم اس کے سماع کی صحت کا فیصلہ کریں گے اگر چہ پانچ سال سے کم عمر ہو، اور اگر فہم وضبط نہیں ہے تو صحیح نہیں ہوگا)۔

لیکن آج کل اسکولوں میں پڑھنے سے پہلے بھی بعض تفریحی واعدادی کورس ہوتے ہیں جس کے لئے داخلے لئے جاتے ہیں، نیز ہر ایک کی عمریں مقرر ہوتی ہیں، عمروں کے مقرر کرنے میں بہر حال کچھ نہ کچھ مصالح پیش نظر ہوں گی، مثلاً ایک عمر کے بچے ہی ایک کلاس میں ہوں، تا کہ سب کی فہم وفراست عام طور پر یکساں ہو، اسی طرح بعض اخلاق وکردار کے تئیں جو مفاسد ہیں ان کا سد باب ہو، ان کے اپنے اصول وضوابط ہیں جو انتظامی ہوتے ہیں، ان پر روک نہیں لگائی جاسکتی ہے۔

ایک گارجین اپنے بچے کی مطلوبہ عمر کے بجائے کم وبیش کر کے بتاتا ہے، اور جھوٹا حلف نامہ، اور غلط شناخت نامہ پیش کرتا ہے تو جھوٹ کی جن مواقع پر گنجائش دی گئی ہے یہ ان مواقع میں سے نہیں ہے، اس لئے جان بوجھ کر اس طرح کرنا گناہ سے خالی نہیں۔

البتہ بعض اوقات واقعتا مجبوری ہوتی ہے، مثلاً بچہ بیمار ہے، مطلوبہ عمر میں وہ اس تعلیم کا اہل ہی نہیں ہے، انتظامیہ بھی بہت سخت ہے، کچھ سننے کے لئے روادار نہیں، کوئی اور اسکول وعصری درسگاہ قابل اعتبار نہیں اور نہ اسلامی ماحول پیدا کرنے میں کامیاب ہے تو اگر جھوٹ بول کر داخلہ کروا دیا جائے، اور بعد میں سچی توبہ کرلے تو شاید عند اللہ ماخوذ نہ ہو، مگر مروجہ سرکاری اسکولوں کے لئے جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، غلط شناخت نامہ وحلف نامہ مہیا کرنا جائز نہیں ہوگا، عصری درسگاہوں کے منتظمین کو چاہئے کہ ایسے بچوں کے

لئے لچک دار رویہ اپنائیں اور ایسے بچوں کے داخلہ کی سہولت مہیا کریں یا پھر الگ سے ایسے کلاسز شروع کریں جن میں داخلہ لینے کے لئے جھوٹ بولنا نہ پڑے، بہر حال جھوٹ کا معاملہ انتہائی سنگین ہے، حدیثوں کے مطابق جھوٹ بولنے کی وجہ سے ملائکہ بھی دور بھاگ جاتے ہیں۔

۷-اسکولوں میں یونیفارم کا مسئلہ:

لباس کے سلسلہ میں اسلامی اصول یہ ہے کہ وہ ساتر ہو، کسی قوم کا شعار نہ ہو، وہ لباس کسی مفسدہ کا باعث نہ ہو، اگر ایسا لباس پہنا جائے تو اسلامی روایات وہدایات کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے اگر لباس ان صفات کی حامل نہیں ہو تو یقیناً غیر شرعی کہا جائے گا اور اس کو پہننے کی اجازت نہیں دی جائے گی، تحفظ مال، تحفظ عقل اور تحفظ نفس کے ساتھ تحفظ دین اور تحفظ عزت وآبرو بھی اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں، جہاں بھی ان مقاصد پر ضرب پڑے اس کو نکار دیا جائے گا۔

بعض لباس ایک زمانہ میں کسی غیر قوم کا شعار ہوتا ہے، لیکن دوسرے زمانے میں شعار کے بجائے عام ہوجاتا ہے تو تشبہ کی بنا پر ممانعت کا جو حکم تھا وہ بدل جاتا ہے، ''ٹائی'' کا معاملہ اس وقت کچھ اس طرح ہے، کسی وقت میں عیسائیوں کا قومی ومذہبی شعار تھا، لیکن اب شعار ہونے کا تصور تک ختم ہو چکا ہے، ہر خاص وعام جو کسی منصب پر فائز ہو، یا دنیا کے کسی ہنر وفن میں ماہر ہو اس کی پہچان و شناخت ہے، اس لئے ٹائی لگانے کو انگیز کیا جا سکتا ہے، جبکہ کسی اسکول میں اسکا لگانا لازم وضروری ہو۔

البتہ وہ لباس جس کی حرمت وممانعت بے پردگی وعریانیت کی وجہ سے ہے جیسے ''نیکر'' وغیرہ تو اس کی اجازت کسی بھی صورت میں نہیں دی جا سکتی ہے، اسکول کے انتظامیہ سے گفت وشنید کر کے ساتر لباس کو منظور کروایا جائے گا، اور بے جا تقلید سے الگ ہو کر اسلامی روایات واقدار کی پاسبانی کی جائے گی۔

۸-عصری درسگاہوں کے پیش نظر اس وقت خدمت سے زیادہ تجارت ہے:

عصری درسگاہوں میں دنیاوی علوم وفنون ہی پڑھائے جاتے ہیں، جن سے دنیا کی معیشت ورہن سہن استوار ہیں، ان درسگاہوں میں خدمت کا جذبہ کم، پیسے کمانے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کی فیسوں کی بھرمار ہے، یہی وجہ ہے کہ تعلیم جواز قبیل منافع ہے اس کے عوض رقوم وصول کی جاتی ہے، یہ اجارہ ہے:

''**الإجارة شرعا: عقد المنافع بعوض**'' (عالمگیری ۴/۴۰۹، کتاب الإجارة، الباب الاول) (اجارہ شریعت میں عوض کے مقابلہ منافع پر عقد کا نام ہے)۔

عبادت کے بدلے پیسے وصول کرنا جائز نہیں ہے، حنفیہ کا اصل ضابطہ یہی ہے:

''**في الأصل ألا يجوز الاستيجار على الطاعات كتعليم القرآن والفقه والأذان والتذكير والتدريس والحج والعمرة......ويجوز الاستيجار على تعليم اللغة والأدب بالإجماع**'' (عالمگیری ۴/۴۴۸، کتاب الاجارة،

الباب الخامس عشر،الفصل الرابع)(اصل میں جو طاعات ہیں:تعلیم قرآن وفقہ،اذان،وعظ ونصیحت،تدریس،حج وعمرہ ان کی اجرت لینا جائز نہیں ہے،اور تعلیم لغت وادب پر بالاِ جماع اجرت لینا جائز ہے)۔

"ولا تجوز الإجارة علی شئ من الغناء والنوح والمزامیر والطبل وشئ من اللهو" (عالمگیری ۴/۴۴۹، کتاب الإ جارۃ،الباب الخامس عشر،الفصل الرابع)(گانے بجانے،نوحہ،مزامیر،ڈھول اور کسی بھی قسم کے کھیل کود پر اجرت لینا جائز نہیں ہے)۔

بعد کے فقہاء نے تعلیم وتدریس،نیز امامت واذان پر اجرت لینے کی اجازت بھی بعض مصالح کے پیش نظر دی ہے،اور اس بابت دوسرے ائمہ کی تقلید کی ہے۔

ظاہر ہے اسکولوں میں پڑھائے جانے والے مضامین کا تعلق عبادات سے نہیں ہے،اس لئے اس کو تجارت کے زمرے میں رکھنے میں حرج نہیں ہے۔

البتہ جو اسکول تعلیمی ورفاہی اداروں کے تحت چلتے ہیں،وہاں جن رقوم سے غریب ونادار بچوں کی تعلیمی سہولت فراہم کی جاتی ہو ان سے تعمیری کام کرنا،فردوسی اقامت گاہوں کو دیدہ زیب بنانا ظلم کے دائرے میں آتا ہے،رقوم جس کام کے لئے ہوں انہی میں خرچ کرنا عدل وانصاف ہے،دوسرے مصرف کے لئے دوسری رقوم کا انتظام کیا جائے،بلکہ تعلیمی سہولت کو جتنا فروغ دیا جائے اسلام کی نگاہ میں اچھا ہوگا۔

۹-غیر حاضر طلبہ کی فیس:

بعض اوقات طلبہ فیس جمع کر دیتے ہیں،مگر کسی معقول عذر کی وجہ سے کلاس میں حاضر نہیں ہو پاتے ہیں،البتہ استاذ کلاس میں آتے ہیں اور پڑھاتے ہیں تو جو طلبہ غیر حاضر ہیں ان کی تعلیمی فیس،اسی طرح ٹرانسپورٹ فیس لینا جائز ہے یا نہیں؟ دراصل اس کا مدار اس بات کی تحقیق پر ہے کہ طلبہ کا جو معاملہ اسکول کے انتظامیہ سے ہے وہ عقد اجارہ کی کون سی قسم ہے،کیونکہ اجارہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں،اس لحاظ سے اجیر بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔

"الأجراء علی ضربین: مشترک وخاص، فالأول من یعمل لا لواحد، أویعمل له عملا غیر موقت، أوموقوتا بلا تخصیص کأن استاجره لیرعی غنمه شهرا بدرهم کان مشترکا إلا أن یقول: لا ترعی غنم غیری" (الدر مع الرد ۵/۴۵،کتاب الإ جارۃ،باب ضمان الأ جر،طبع رشیدیہ)(اجیر کی دو قسمیں ہیں:مشترک اور خاص،مشترک وہ ہے جو ایک کے لئے کام نہ کرے،یا ایک کے لئے ہو تو موقت نہ ہو،یا موقت ہو تو تخصیص نہ ہو،جیسے اجیر رکھا،تاکہ اس کی بکریاں چرائے گا ایک مہینہ ایک درہم میں تو مشترک ہوگا،الا یہ کہ کہے:میرے علاوہ کسی اور کی بکریاں نہیں چراؤ گے)۔

"والثاني وهو الأجیر الخاص ویسمی أجیر وحد، وهو من یعمل لواحد، أي:لمعین واحد أو اکثر

قال القهستاني:لو استاجر رجلان أو ثلاثة رجلا لرعي غنم لهما أو لهم خاصة كان أجيراً خاصا، ويستحق الآجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل“(الدر مع الرد ۵/۴۸ کتاب الإجارة، باب ضمان الأجير،طبع رشیدیہ) (دوسری قسم اجیر خاص ہے،اس کا نام اجیر وحد ہے،اور وہ ہے جو ایک کے لئے،یعنی ایک یا زیادہ معین کے لئے کام کرے،قہستانی نے کہا:اگر دو یا تین اشخاص نے ایک شخص کو اپنی بکریاں چرانے کے لئے خاص طور پر لیا تو اجیر خاص ہوگا،اور اجر کا مستحق ہوگا،اجرت کا مستحق اپنے آپ کو مدت میں حوالہ کردینے سے ہوگا اگرچہ کام نہ کرے)۔

اجیر خاص اپنے آپ کو خدمت کے لئے حوالہ کردینے سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے،جبکہ اجیر مشترک جب تک کام مکمل نہ کرے اس وقت تک اجرت کا حق دار نہیں ہوتا ہے۔

اسکول کے انتظامیہ کا معاملہ جن طلبہ سے ہوتا ہے راقم سمجھتا ہے کہ یہ اجیر خاص کا معاملہ ہے،کیونکہ خاص ومشترک میں ما بہ الامتیاز یہ ہوتا ہے کہ خاص کسی دوسرے کا کام نہیں کرپاتا ہے،جبکہ مشترک کو دوسرے کا عمل قبول کرنے کی کھلی آزادی ہوتی ہے۔

جب طلبہ کا داخلہ مکمل ہوگیا اور آمدورفت کے لئے گاڑی وطلبہ کی تعداد کے ساتھ ان کی شخصیات تک کا تعین ہوگیا تو اب کسی دوسرے کا کام وہ نہیں کرتا ہے،اور قانوناً کر بھی نہیں پاتا ہے،نئے طلبہ کا اب داخلہ نہیں ہوسکتا ہے،تو یہ اجیر خاص کی شان ہوئی،اب اگر اساتذہ کلاس میں آرہے ہیں،گاڑی لینے کے لئے جارہی ہے،مگر طلبہ نہیں آتے ہیں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے،انتظامیہ کی جانب سے تو مکمل طور پر معقود علیہ کی حوالگی ہورہی ہے،لہذا فیس کا استحقاق ہوجائے گا۔

اگر طلبہ کو غیر حاضر کرنی ہے اور چاہتے ہیں کہ فیس ادا نہ کریں تو اس معاملہ کو فسخ کرنا ہوگا،اس کی صورت یہ ہوگی کہ اطلاع دینی ہوگی کہ اتنی مدت تک آنا نہیں ہوگا،ہاں ایسا عذر ہوجائے جو سب کو معلوم ہو تب بغیر اطلاع دینے سے بھی معاملہ ختم ہوسکتا ہے۔

”إن العذر إذا كان ظاهرا يتفرد، وإن كان مشتبها لا يتفرد، كذا في فتاوى قاضي خان“ (عالمگیری ۴/۴۵۸ کتاب الإجارۃ،الباب الثانی عشر في فسخ الاجارۃ)(عذر جب کہ واضح ہو تو ایک فریق بھی اجارہ فسخ کرسکتا ہے،اور اگر واضح نہ ہو تو کوئی ایک فریق کرنے کا مجاز نہیں ہوگا)۔

۱۰-عصری درگاہوں کے نادار طلبہ کے لئے زکاۃ کی رقم:

اگر عصری اداروں کے طلبہ غریب ہوں تو ان کو زکاۃ اس وقت دے سکتے ہیں،جبکہ وہ بالغ ہوں،اور اگر نابالغ ہیں تو ان کے والد بھی غریب ہوں،ورنہ تو ان کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے،اس لئے کہ مالدار کی نابالغ اولاد کا حکم مالدار جیسا ہوتا ہے،ہاں بالغ اولاد کا حکم الگ ہوتا ہے۔

”ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير......إن الطفل يعد غنيا بغنى أبيه بخلاف الكبير فإنه لا يعد غنيا بغنى أبيه، ولا الأب يعنى ابنه ولا الزوجة بغنى زوجها، ولا الطفل بغنى أمه“ (درمختار مع ردالمحتار ۲/۲۷۰ کتاب الزکاۃ،

باب المصرف)(اورزکاۃ مالدار کے بچے کونہیں دے سکتے ہیں، برخلاف بڑی اولاد کے، نابالغ، باپ کے غنا کی وجہ سے غنی متصور ہوتا ہے، برخلاف بالغ کے، اس لئے کہ وہ باپ کے غنی ہونے کی وجہ سے غنی نہیں سمجھا جاتا اور نہ باپ بیٹے کے غنا کی وجہ سے، اور نہ بیوی شوہر کے غنا کی وجہ سے، اور نہ بالغ ماں کے غناء کی وجہ سے مالدار سمجھے جاتے ہیں)۔

۱۱-اسکولوں کے مشرکانہ عمل میں شرکت:

ایک مسلمان کے نزدیک سب سے اہم چیز اللہ کو ایک ماننے کا جذبہ، اور ذات وصفات میں وحدہ لاشریک لہ کا اعتقاد ہے، وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، سوریہ نمسکار یہ سب مشرکانہ قول وفعل ہیں جو ایمان واسلام کے منافی ہے، جب تک جان جانے کا اندیشہ نہ ہو مشرکانہ عمل کرنے یا کلمہ کفروشرک کہنے کی اجازت نہیں ہے۔

"وإن أمره على الكفر بالله أو سب النبي ﷺ بقطع أو قتل رخص له أن يظهر ما أمربه على لسانه ويوري وقلبه مطمئن بالإيمان وأؤجر لوصبر لتركه الإجراء المحرم، ولم يرخص الإجراء بغيرهما بغير القطع والقتل" (درمختار علی ردالمحتار ۵/ ۹۳، کتاب الاکراہ طبع رشیدیہ) (اگر اللہ کے ساتھ کفر، یا رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے پر قطع یا قتل کی دھمکی کے ساتھ اکراہ کیا گیا تو رخصت ہے کہ جو کہا جارہا ہے اس کو زبان سے ظاہر کردے اور توریہ کرے، لیکن قلب ایمان پر منشرح ہو، اگر صبر کیا تو ماجور ہوگا حرام کو اپنی زبان پر جاری کرنے کو ترک کرنے کی وجہ سے، بغیر قطع وقتل کے اکراہ کے اجرائے کفروشرک کی اجازت نہیں ہے)۔

الف-لہذا سرکاری اداروں میں جبری طور پر مشرکانہ عمل کرایا جاتا ہے تو ایسے ادارہ سے داخلہ ختم کرالینا ضروری ہے، یا پھر انتظامیہ سے بات کرکے مسلمان لڑکوں کو مستثنی کرنے پر مجبور کیا جائے۔

ب-اگر ان مشرکانہ امور کو ادا کرنا اختیار ہو تب تو ان کو اختیار کرنا جائز ہے ہی نہیں، بلکہ ایسے اسکول میں داخلہ نہیں لینا چاہئے، اس لئے کہ ماحول کا اثر ناگزیر ہوتا ہے، آج اختیاری طور پر چھوڑ رہا ہے، اسلامی احکام میں رسوخ نہ ہونے کی بنا پر اور گردوپیش کے اثرات سے متاثر ہوکر خدانخواستہ یہ طلبہ بھی ان میں شریک ہوئے تو ارتداد سے بچا یا نہیں جاسکتا۔

ج-اگر کوئی اور ادارہ نہ ہو، صرف غیر مسلم انتظامیہ کے ماتحت ہی اسکول چل رہا ہو اور وہاں ان مشرکانہ اعمال کو لازم کردیا گیا ہو تب بھی دنیاوی علوم کی تحصیل ایسے ادارے میں جائز نہیں ہے جہاں ایمان واسلام ہی محفوظ نہ ہو۔

د-اگر پرائیویٹ ادارہ میں بطور ترغیب ہو تو بھی اس کا حکم یہی ہوگا کہ ایسے اداروں سے داخلہ ختم کروالیا جائے۔

ھ-اگر مسلمان انتظامیہ کے ماتحت اسکول چلتے ہوں اور وہاں پر برائیاں نہ پائی جاتی ہوں، نیز داخلہ بھی ہوسکتا ہو تو مسلم اسکولوں میں داخلہ لیناہی ضروری ہوگا۔

و-جس طرح مسلمان کے لئے ان مشرکانہ اعمال میں شرکت جائز نہیں اس کی معاونت بھی جائز نہیں ہے، اللہ کا صاف حکم

ہے:"ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (المائدہ:۲)۔

۱۲-جنسی تعلیم کی جگہ اسلامی تعلیم:

اسلام نے جس طرح بچوں کی تعلیم پر زور دیا ہے، اخلاق وآداب کو آراستہ کرنے کی بھی خوب تاکید کی ہے عمر کی یہی منزلیں سیکھنے کی بھی ہیں، اور سنوارنے کی بھی، ابتداء کے اثرات دل ودماغ پر زندگی بھر چھائے رہتے ہیں، اگر عنوان شباب میں اخلاق بگڑ گئے تو بعد میں سدھارنا مشکل ترین ہوجاتا ہے، آج جنسی آگاہی، اور سیکس کی تعلیم کو جو اہمیت دی جارہی ہے، وہ نہ یہ کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، بلکہ اخلاقی اقدار کو بھی پست کرنے والا ہے، جنسی آگاہی سیکھنے وسکھانے پر موقوف نہیں، یہ تو طبعی و فطری امور کی طرح ودیعت کردیا گیا ہے، اس منزل پر پہنچ کر خود ہی ادراک ہوجاتا ہے، لہذا صنفی امور کو آشکارا کرنا، بالخصوص بچوں اور بچیوں کو اس سے آشنا کرنا اچھے اخلاق و پاکیزہ کردار کے لئے سم قاتل ہے، رسول اللہ ﷺ کا حکم تو یہ ہے کہ جب بچے اور بچیاں دس سال کے ہوجائیں تو بستر الگ کردو کہ اب صنفی شدبد ہونے والی ہے، آج دنیا اخلاقی قدروں کی جس گراوٹ سے دوچار ہے، ایسی ہی تعلیم کی دین ہے، حیاسوزی کا ایسا ننگا ناچ کھیلا جارہا ہے کہ انسان وجانور کا فرق تک اٹھ چکا ہے، حیاو پاکدامنی کا بیش بہا خزانہ تقریبا نذر آتش ہو چکا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ حیاوشرم، عفت وعصمت، اخلاق وآداب بلوغ وقریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام پر مشتمل کتاب کو پڑھانے پر زور دیا جائے، اور حکومت سے کہا جائے کہ ہم بھی جنسی تعلیم دے رہے ہیں، یہ حکومت کو دھوکہ دینا نہیں، بلکہ حکومت کے مفاد میں ہے، "النصیحۃ للمسلمین ولأئمتھم" کا تقاضا ہے کہ ہر بات پر آمنا وصدقنا کہنے کے بجائے نتائج وعواقب کو دھیان میں رکھ کر پروگرام ترتیب دیا جائے۔

۱۳-عصری درسگاہوں میں ہونے والے مختلف پروگرام:

لڑکے ولڑکیوں کا اختلاط ان کے مابین بے حجابانہ تعلقات اسلام میں روا نہیں ہے، اس لئے عصری درسگاہوں میں ہونے والے مختلف کھیل کود جو جسمانی ورزش یا دماغی راحت کے لئے ہوتے ہیں، بعض تو ایسے ہیں جو صنف نازک کے لئے مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے ان کی صنفیت متاثر ہوتی ہے، اس کے باوجود اگر اس قسم کے ورزشی عمل کو نافذ کیا جاتا ہے تو مسلم انتظامیہ کے لئے ضروری ہے کہ دونوں صنف کے لئے الگ الگ انتظام کرے، اگر مسلم انتظامیہ ایسا نہیں کرپاتی تو مسلم مقتدر علماء کی ذمہ داری ہوگی کہ ایسے منتظمین تک پہنچ کر اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرائیں، اور عواقب ونتائج سے آگاہ کریں، اور ان کو مجبور کریں کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف اختلاط مردوزن بے پردگی وغیرہ سے گریز کریں۔

۱۴-تقریر وڈرامے میں لڑکیوں کی شرکت:

عورت کی آواز بھی عورت ہے، ضرورت کے مواقع مستثنی بھی ہیں، ضرورت میں تعلیم وتعلم، قاضی کی عدالت میں شہادت و

دعوی کرنا و دعوی کا سامنا کرنا، ڈاکٹروں کے یہاں بات کرنا وغیرہ داخل ہیں، ان مواقع پر بھی بہتر یہی تصور کیا گیا کہ کم سے کم آواز کا اظہار ہو۔

”نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب، قال عليه السلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلايحسن أن يسمعها الرجل“ (ردالمحتار ۱/۴۰٦، باب شروط الصلاۃ، مطلب: فی ستر العورۃ) (عورت کی آواز عورت ہے، عورت کا عورت سے قران پڑھنا بہتر ہے: اللہ کے رسول ﷺ نے مردوں کے لئے تسبیح اور عورتوں کے لئے تصفیق مقرر کیا ہے، پس اچھا نہیں ہے کہ مرد عورت کی آواز سنے)۔

اس لئے اگر عصری درسگاہوں میں تقریری پروگرام یا ڈرامے و مکالمے اسٹیج کئے جاتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان پروگراموں کی آواز غیر محرم مردوں تک نہ پہنچے اور بے حجابی کا ماحول نہ ہو تو لڑکیوں کا ڈرامہ و مکالمہ یا تقریر وغیرہ پیش کرنا صحیح ہوگا، ورنہ جائز نہیں ہوگا۔

۱۵- تعلیمی مقاصد کے لئے تصاویر اور مجسمے:

تصویر کی بابت بڑی سختی برتی گئی ہے، ایک حدیث میں اللہ کے رسول نے فرمایا: ”أشد الناس عذابا يوم القيامة المصوّرون“ (مسلم ۲/۲۰۱ کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان) (قیامت کے دن سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا)۔

تصویر سے مراد ذی روح کی تصویر ہے، اور اس جزء کے ساتھ بنائی جائے جس کے بغیر ذی روح کی حیات باقی نہیں رہ سکتی ہو، یعنی سر کے ساتھ ہو تو حرمت ہے، بلاضرورت شدیدہ تصویر کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

”إن تحققت الحاجة إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال، فلا بأس باستعماله، لأن مواضع الضرورة مستثناة عن الحرمة، كما في تناول الميتة“ (کتاب السیر الکبیر ۴/۲۱۸، باب ما یکرہ دار الحرب ومالا یکرہ) (اگر ایسے ہتھیار کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو جس میں تصویر ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں ہے، اس لئے کہ مواضع ضرورت حرمت سے مستثنی ہوتے ہیں، جیسا کہ میتۃ کھانے میں)۔

اسکولوں میں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی جاندار کی تصویر و مجسمے محض بچوں کے ذہنی نشو ونما کے لئے رکھے، کیونکہ یہ مواضع ضرورت میں سے نہیں ہے، بلا اس کے بھی تعلیم ہوسکتی ہے، نیز ایسی کتابیں شائع کرنا جن میں تصویریں ہوں اور وہ مقصود بھی ہو کہ طلبہ کی تقریب فہم کے لئے ہوں تو ”الامور بمقاصدها“ کا تقاضا ہے کہ بالکل جائز نہ ہو،“ فتاوی دار العلوم“ میں ہے:

” تصاویر ذی روح کا اندراج کتب درسیہ میں اور غیر کتب درسیہ میں سب میں ممنوع اور حرام ہے، اور احادیث میں جس

قدر وعید شدید تصاویر بنانے، رکھنے اور کھینچنے اور کھینچوانے کے بارے میں وارد ہیں وہ کسی مصلحت اور کسی غرض کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اندراج تصاویر کو بہ غرض تقریب الی الذہن جائز کہا جائے، لہذا مصالح ومنافع عاملہ پر مصلحت دینی وحکم شرعی کو مقدم کرنا چاہئے'' (فتاوی دارالعلوم ۱۶/۱۰۳، کتاب الحظر والإباحۃ، جدید نسخہ)۔

البتہ اگر انتظامیہ غیر مسلموں پر مشتمل ہے اور ان کی طرف سے تصویر والی کتاب لازم ہے، یا وہ مجسموں کو کلاس روم میں رکھتے ہیں، تاکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو سمجھانے میں آسانی ہو تو یہ فعل ان کا ہے، اہمیت علم کے پیش نظر چھوٹے بچوں کے لئے استفادہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

بعض حدیثوں میں حضرت عائشہؓ کا کپڑے کی گڑیا سے کھیلنا ثابت ہے۔

''**كنت ألعب بالبنات فربما دخل علي رسول الله ﷺ وعندي الجواري، فإذا دخل خرجن، وإذا خرج دخلن**'' (بذل المجہود ۱۳/۳۳۶ کتاب الأدب، باب اللعب بالبنات، ترتیب جدید) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، میرے پاس بچیاں ہوتیں جب رسول اللہ ﷺ داخل ہوتے وہ نکل جاتیں، اور جب اللہ کے رسول باہر چلے جاتے تو وہ آجاتیں)۔

ہر چند کہ اس میں تصریح نہیں ہے کہ گڑیا کا سر تھا یا نہیں، اگر سر ہونا ثابت ہوجائے تو بھی احتمال ہے کہ یہ تصویر کی حرمت سے پہلے کا قصہ ہے، ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

''حضرت عائشہؓ کی گڑیا کیسی تھی کپڑے کی یا لوہے، تانبے کی، یا پیتل، مٹی کی، اور پھر ان میں ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ اعضاء بھی موجود تھے یا نہیں، جب تک مستدل ان چیزوں کی تحقیق نہ کرے اس وقت تک زمانہ مروجہ کی گڑیاں بنانے اور فروخت کرنے میں استدلال درست نہ ہوگا'' (فتاوی محمودیہ ۲۹/۳۱۴، بہ ترتیب جدید، کتاب الحظر والاباحۃ)۔

ایک اور روایت ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک کونے میں گڑیا رکھا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے مابین ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے دو پر تھے، تو پوچھا: بیچ میں کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا: دو پر ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے کے پر ہوتے ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ کہنے لگیں، آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے، اس جواب پر اللہ کے رسول ﷺ ہنسنے لگے) (بذل المجہود ۱۳/۳۳۷، ترتیب جدید، کتاب الادب، باب اللعب بالبنات)۔

اس میں بھی احتمال ہے کہ سر والا گھوڑا نہ ہو، بہرحال یک گونہ احتمال ہے کہ واقعتاً ذی روح کا مجسمہ ہو اور محض بچی ہونے کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا ہو۔

اسی طرح اگر غیر مسلم منتظمین ایسے جاندار کی تصویروں والی کتابیں، یا کلاس روم میں مجسموں کا نظم کرتے ہیں تو گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ بچوں کو استفادہ کرنے میں حرج نہ ہوگا۔

لیکن زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے، آج کل ساری چیزیں اسکرین ڈیجیٹل طور پر سکھایا جاسکتا ہے، اور سکھایا جارہا ہے، اس طریقہ تعلیم میں تصاویر کونقش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے تصاویر کے بجائے زیادہ سے زیادہ ڈیجیٹل طریقہ کو اپنانا بہتر ہوگا۔

۱۶-عصری تعلیم گاہوں میں کشیدہ کاری وغیرہ فنون:

مسلم انتظامیہ کے زیر انتظام چلنے والے اسکول بھی اصلاً تعلیم گاہ ہیں، تعلیم کے ضمن میں تربیت بھی آتی ہے، لہذا جس کا تعلق تربیت کے باب سے ہے، مثلاً اولاد کی تربیت کا اسلامی ضابطہ اور عملی تجربہ کیا ہے یہ تو تعلیم کے ساتھ ہونا لابدی ہے، البتہ جن امور کا تعلق پیشہ وحرفت سے ہے، ظاہر ہے اسکول اس کام کے لئے قائم تو نہیں کئے گئے ہیں، مگر عورتوں کا بعض خوبیوں کے ساتھ متصف ہونا سماج میں ضروری باور کیا جاتا ہے، لوگ ان خوبیوں کے متلاشی بھی ہوتے ہیں، بعض دفعہ ان صفات کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شریف گھرانے تک اختلاف وانتشار کے شکار ہوتے ہیں گویا کہ آج وقت کی ضرورت ہے، ان ضروریات کی تکمیل بھی ناگزیر ہے، مگر تعلیمی نصاب کی تکمیل ہوتے ہوتے کافی وقت گذر جاتا ہے، اس لئے انتظامیہ کے لئے بہت مناسب ہے کہ جس طرح کمپیوٹر کورس اور آرٹ کورس وغیرہ پر توجہ دی جاتی ہے، امور خانہ داری میں ماہر بنانے، زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے فنون پر بھی اہمیت کے ساتھ توجہ دی جائے، اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف مواقع پر عورتوں سے خطاب فرمایا اور ان کے مناسب حال امور سے آگاہ کیا ہے، اس سے اتنا تو اخذ کیا ہی جاسکتا ہے کہ آج کے حالات کے مناسب عورتوں کی جائز، بلکہ بعض بنیادی ضروریات ہیں ان کا اہتمام کیا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

۱۷-عصری درسگاہوں میں اسلام کی تعلیم:

یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی توجہات مادیت کی طرف ہے، اتنا وقت وفرصت کہاں کہ بچوں کو دینی تعلیم کی شدبد دلا سکے، تعلیم کا میدان تو اور بھی حساس ہو چکا ہے، ہر شخص دور دور کی سوچ رہا ہے، من من میں سوچ سوچ کر فلک بوس عمارتیں بنا رہا ہے اور اپنے زعم و خیال میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہے، اور دین کی بنیادی معلومات سے خود بھی بے بہرہ ہے اور اپنی اولاد واحفاد کو بھی بے بہرہ رکھ رہا ہے، اسی لئے تقاضا شدید سے شدید تر ہوتا جارہا ہے کہ اسلامی ماحول میں دنیوی ادارے قائم ہوں، جہاں بنیادی طور پر عصری تعلیم ہو، مگر ذہن ومزاج، اور اندرون باطن دین کے رنگ میں رنگا ہو، تاکہ پڑھنے والے کی ہر حال و ڈھال، نشست وبرخاست، گفتار وکردار اسلامی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔

چونکہ بعض علم کا درجہ فرض عین ہے، اس لئے دینی تعلیم میں جو حصہ فرض عین کا ہے اس کو نصاب کا بنیادی جزء بنایا جائے، فرض عین وہ علم ہے جو ہر شخص کے لئے لازم وضروری ہے، اس میں سرفہرست وہ علم ہے جس سے ''عقیدہ'' درست ہو جائے، اس کے بعد وضو، نماز، روزہ ان کے بنیادی احکام کا جاننا بھی ایک بالغ انسان پر ضروری ہے، نیز عصری تعلیم گاہوں میں پڑھنے والوں کی بابت

سوچ یہی ہے کہ بعد میں ان کو کثیر مال حاصل ہوگا، لہذا ایک مالدار پر زکاۃ بھی واجب ہے اور حج بھی لازم ہے چنانچہ ان دونوں سے متعلق ضروری علم ہونا لابدی ہے، اسی طرح زندگی گزارنے کے لئے آداب معاشرت سے روشناس کرانا بھی اہم ہے۔

''من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى و معاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والصوم، وعلم الزكاة لمن له نصاب، والحج لمن وجب عليه'' (ردالمحتار ۱/۳۱ مقدمہ طبع رشیدیہ پاکستان) (فرائض اسلام میں سے اس کا تعلم ہے جس کی ضرورت بندہ کو دین قائم کرنے، اخلاص پیدا کرنے، اور بندوں کے ساتھ رہنے سہنے میں پڑتی ہے، ہر مکلّف پر دین وہدایت کے بعد وضو، غسل، نماز، روزہ کا علم حاصل کرنا، نیز جس کے پاس نصاب ہو تو زکاۃ وحج کا علم حاصل کرنا فرض ہے)۔

۱۸-مخالف جنس ٹیچر کا تقرر:

کسی چیز کے حلال ہونے کے لئے دو باتیں لابدی ہیں: ایک تو وہ شی خود پاکیزہ ہو، دوسری اس کے حصول کا طریقہ بھی جائز ہو، نیز کوئی مفسدہ لازم نہ آتا ہو، عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت اسی لئے ممنوع ہے کہ مفسدے کا سبب ہے۔

''ولا يحضرن الجماعات لقوله تعالى: وقرن في بيوتكن ، ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن أطلقه إلى قوله: والفتوى اليوم الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد، ومتى كره حضور المسجد للصلاة، فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى'' (البحر ۱/۳۵۸، باب الإمامہ طبع کوئٹہ) (جماعتوں میں حاضر نہیں ہوں گی، اللہ کا ارشاد ہے: ''وقرن بي بيوتكن'' اور اس لئے کہ ان کے نکلنے میں فتنہ سے امن نہیں ہے، آج کے زمانہ میں فتوی تمام نمازوں میں کراہت کا ہے، فساد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے، اور جب مسجد میں نماز کے لئے حاضری مکروہ ہے تو مجالس وعظ میں حاضری بالخصوص ان جاہلوں کی مجلس میں جنہوں نے صرف علماء کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے بالطریق الاولی مکروہ ہوگا)۔

جن حضرات نے عورتوں کو کتابت سے منع کیا ہے ان کے پیش نظر بھی یہی ہے کہ اس کیوجہ سے اغراض فاسدہ کی راہ کھلے گی فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''درء المفاسد أولى من جلب المنافع''، اس لئے مخالف جنس ٹیچروں کے تقرر میں اگر اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ بے پردگی، اختلاط، بغیر محرم کے گھر سے نکلنے کی نوبت نہ ہو تو جائز ہوگا، ورنہ نہیں، لیکن جو صورت حال ہے وہ سب کے سامنے ہے، اس میں کسی چیز کی رعایت تو کجا تصور سے باہر ہے، اس لئے اجازت فراہم کرنا بڑے بڑے فتنہ کے دروازے کے چوپٹ کو کھولنا ہے۔

۱۹-محکمہ تعلیم کو بعض مصالح کے لئے رشوت دینا:

یہ بھی المیہ ہے کہ سرکاری افسران کوئی بھی کلام بلا رشوت نہیں کرتے، اگر معاملہ مسلمانوں کا ہوتو منظر نامہ اور بھی دیگر گوں ہوجاتا ہے، ان نوکرشاہوں کو معمولی بہانہ چاہئے منظوری ختم کرنے کے لئے، مختلف دفعات تھوپنے کے لئے، اس لئے مسلم انتظامیہ کو چاہئے کہ اپنے انتظامات صاف ستھرے رکھیں، جن جائز اور مفید شرائط محکمہ تعلیم کی طرف سے ہوں ان کی بھرپور رعایت کریں، اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسانا عقل مندی و دانشمندی نہیں ہے، بالخصوص جبکہ شریعت کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آرہی ہے، اس کے باوجود محکمہ تعلیم کے نگراں آتے ہیں اور وہ رشوت کے متمنی ہوتے ہیں تو رشوت دے دیں، گناہ ووبال کے ذمہ دار وہ ہوں گے، دینے والے کی گردن پر انشاء اللہ کوئی بار نہیں آئے گا، فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے:

"**الرشوة أربعة أقسام......الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب**"(ردالمحتار ۳۳۸/۴ کتاب القضاء مطلب فی الکلام علی الرشوة) (رشوت کی چار قسمیں ہیں- چوتھی قسم یہ ہے کہ مدفوع علیہ کی جانب سے جان یا مال پر خوف ہے، اس کو ختم کرنا ہے تو دینے والے کے لئے حلال ہے، لینے والے کے لئے حرام ہے، اس لئے کہ مسلمان سے دفع ضرر واجب ہے)۔

"**ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أو ماله فهو حرام على الأخذ غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع في ماله فرشاه ببعض المال**"(البحرالرائق ۲۶۲/۶ کتاب القضاء، طبع رشیدیہ) (رشوت کی ایک صورت یہ ہے کہ جان یا مال کے خوف کی وجہ سے دے، تو لینے والے پر حرام ہے، دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح جب مال کی طمع ہو، پس کچھ مال بطور رشوت دیا ہو)۔

"**يجوز للإنسان عند الجمهور أن يدفع رشوة للحصول على حق أو لدفع ظلم أو ضرر، ويكون الإثم على المرتشي دون الراشي**"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۲۳/۲۲) (انسان کے لئے جمہور کے نزدیک جائز ہے کہ کسی حق کے حصول کے لئے یا ظلم وضرر کو دفع کرنے کے لئے رشوت دے، گناہ رشوت لینے والے پر ہوگا، دینے والے پر نہیں)۔

☆☆☆

نصاب تعلیم اور اسلامی نقطۂ نظر

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی ☆

۱-اسلامی ماحول کا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا:

حالاتِ زمانہ کے اعتبار سے اجتہادی احکام اسلامی میں تغیر وتبدل فقہاء کے نزدیک مسلّم اصول ہے۔اسی رعایت سے مدارسِ اسلامیہ کے نصابِ تعلیم میں عصرقدیم کے بہت سے علوم شامل کئے گئے تھے۔اب عصرجدید میں علوم عصریہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے اس لئے علوم عصریہ کے اسکول پہلے صرف مستحب درجہ میں قائم کرنے کا حکم تھا۔اب نئے حالات کے تقاضے کے پیش نظر یہ واجب علی الکفایہ کے حکم میں ہے۔

”وعلى الآباء والأمهات تعليم أولادهن مايستعين عليهم بعدالبلوغ۔فيعلمهٗ الولى الطهارة۔والصلوٰة ونحوهاويعرفهٗ تحريم الزناواللواطة والسرقه وشرب المسكر والكذب والغيبة وشبهها۔ويعرفهٗ ان بالبلوغ يدخل فى التكليف ويعرفهٗ مايبلغ بهٖ۔ وقيل: هذاالعلم مستحب۔والصحيح وجوبهٖ، وهوظاهرنص الشافعى“(المجموع ۱/۵۰)۔

(اور ماں باپ پر اپنی اولاد کو ایسی تعلیم دینا جو بالغ ہونے کے بعد ان کے لئے کارآمد ہوں بہت ضروری ہے۔پس گارجین کو چاہئے کہ وہ اولاد کو طہارت، نماز وغیرہ (عقائد وعبادات) کی تعلیم دیں اور زنا، ہم جنسی اور چوری، نشہ خوری، جھوٹ، غیبت، اور ان جیسی چیزوں کے حرام ہونے کو سمجھائیں۔اور انھیں بتائیں کہ بالغ ہونے کے ساتھ وہ ان احکام کے مکلّف اور شرعی طور پر پابند ہو جاتے ہیں، اور جن ذرائع سے ان باتوں کے پابند ہوں انہیں سمجھایا جائے، کہا گیا ہے کہ یہ علم مستحب ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ واجب ہے، امام شافعی کے نص وصراحت سے بھی یہی ظاہر ہے)۔

اس عبارت میں ویعرفہٗ مایبلغ بہٖ سے یہی عصری تعلیم گاہ مراد ہے، کیونکہ مذکورہ مقاصد تک پہنچانے کا ذریعہ اسلامی ماحول کے اسکول کا قیام ہے جو اسلام پر قائم رہتے ہوئے جدید ترقی یافتہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرسکتا ہے۔

☆ شیخ الحدیث مدرسہ امدادالاسلام میرٹھ یوپی۔

۲-نصاب تعلیم میں ایسے مضامین کو شامل کرنا جو اسلامی نظریہ سے ہو نہ ہو؟

مسلمانوں کے زیر انتظام اداروں کو چونکہ سرکاری تعلیم گاہوں کے معیار سے بھی وابستہ رکھنا ہے اس لئے ان غیر شرعی علوم وافکار کو اس نقطۂ نظر سے شامل نصاب کیا جاسکتا ہے کہ ان علوم وافکار کو حقائق وتاریخ کے معیار پر پرکھ کر ان کا کھرا، کھوٹا ہونا بھی بتایا جائے۔ تا کہ ایک طرف سرکاری نصاب کا تقاضا پورا ہو جائے تو دوسری طرف اسلامی علوم وافکار کی عظمت مسلم طلباء کے دماغوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس کی نظیر حدیث کا وہ واقعہ ہے جس میں دورِ جاہلیت کے انسانیت سوز طریقوں کو بتاتے ہوئے اسلامی طریقۂ نکاح کی اہمیت کو سمجھایا گیا ہے۔

''إن عائشۃؓ زوج النبی ﷺ اخبرتہٗ ان النکاح فی الجاھلیت کان علی أربعة أنحاءٍ منھانکاح الناس الیوم یخطب الرجل إلی الرجل ولیۃٗ او ابنتہٗ فیصدقھاثم ینکحھا''۔

(حضرت عروہ ابن الزبیرؓ کو حضرت عائشہؓ زوج النبی ﷺ نے بتایا کہ جاہلیت کے زمانے میں نکاح کے چار طریقے تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ وہی ہے جو آج اسلام میں رائج ہے وہ یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص کو عورت کے ولی کو یا خود عورت ہی کو پیغام نکاح دیتا تھا۔ پھر اس کے لئے مہر متعین کرتا تھا، پھر اس سے نکاح کر لیتا تھا)۔

(۲) دوسرا طریقۂ نکاح ''استبضاع'' کا تھا۔ ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا تھا کہ تو جب حیض (ماہواری) کی گندگی سے فارغ ہو جائے تو فلاں آدمی کے پاس یہ پیغام بھیج دے کہ وہ تجھ سے ہمبستری کرے، اس درمیان اس کا شوہر اس سے الگ رہتا تھا۔ اور اس وقت تک اس کو چھوتا بھی نہیں تھا جب تک اس اعلیٰ دماغ شخص کے نطفہ کا حمل ظاہر نہ ہو جائے یہ کام اصل شوہر اعلیٰ ذہن، بہادر بچہ کی طلب میں کرتا تھا (ہندو قانون کی کتاب '' منواسمرتی'' میں اس طریقہ کا نام ''نیوگ'' بتایا گیا ہے اور خود منو مہاراج نے اس طریقہ کو پشو دھرم، حیوانی طریقہ قرار دیا ہے)۔

(۳) تیسرا طریقۂ نکاح یہ تھا کہ کچھ لوگ جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی وہ سب لوگ باری باری اس عورت سے زنا کرتے تھے۔ پھر وہ عورت جب انھیں میں سے کسی ایک کے نطفہ سے حاملہ ہو جاتی تھی تو حمل جننے کے بعد چند راتیں گزر جاتیں تو وہ عورت ان سب دیوّثوں کو بلا لیتی۔ کوئی شخص بھی ان زنا کاروں میں سے اپنی حاضری کو منع نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ جب سب لوگ جمع ہو جاتے تو عورت ان سے کہتی کہ تم لوگوں نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے اور اب بچہ پیدا ہو چکا ہے، لہٰذا اے فلاں شخص وہ جس کو پسند کرتی تھی اس کا نام لے کر کہتی یہ بچہ تمہارا ہے، اور اس بچہ کو اس شخص معین کے حوالہ کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ شخص اس بچہ سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا (گویا اجتماعی زنا کاری یا ساموہک بلاتکار کی یہ صورت تھی جو اس دور کے حیوانی معاشرے میں جائز تھا اور اس کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا)۔

(۴) چوتھے نکاح کی صورت یہ تھی کہ بہت سارے لوگ عورت کے گھر جمع ہو جاتے تھے اور ان میں سے جتنے لوگ بھی اس

کے پاس جا کر زنا کرنا چاہتے کرتے تھے اور وہ کسی کو منع نہیں کرتی تھی۔ یہ طوائف عورتیں ہوتی تھیں۔ اپنے دروازے پر جھنڈا لگا دیا کرتی تھیں جوان کے طوائف پیشہ، یعنی جسم فروش عورت ہونے کی علامت ہوا کرتی تھی، لہٰذا جس کا دل چاہتا ان سے زنا کرتا تھا۔ پھر ان طوائفوں میں سے جس کسی کو حمل ٹھہر جاتا تھا۔ تو یہ طوائفیں اپنے حمل کو جننے کے بعد ان سب کو اکٹھا کرتیں اور قیافہ شناس این ۔ڈی۔ اے ٹیسٹ کرنے والے کو بلا کر بچہ کی ان زنا کاروں میں سے جس کسی کی شکل وصورت سے مشابہت ہوتی پہچان کرواتی تھیں، اور قیافہ شناس جس کی نشان دہی کر دیتے بچہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا۔ اور اسی کے بیٹے کے طور پر پکارا جاتا تھا، اور وہ شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔

"فلمابعث محمدﷺ بالحق هدم نكاح الجاهلية كلّهُ، إلاالنكاح الناس اليوم" (صحیح بخاری ص۷۶۹/ ۷۷۰/ ج ۲/ رشیدیہ دہلی)۔

پھر جب حضرت محمدﷺ کی بعثتِ برحق ہوئی تو آپﷺ نے نکاحِ جاہلیت کے تمام طریقوں کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا۔ اور آج جو طریقۂ نکاح اسلام میں رائج ہے صرف اسی کو برقرار رکھا۔

واضح رہے کہ طوالت سے بچنے کے لئے میں نے یہاں صرف حدیثِ عائشہؓ کے لفظ بہ لفظ ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ اور پوری تفصیل اس لئے نقل کی ہے، تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کسی غیر شرعی یا مخالف افکار واعمال کو پڑھے سمجھے بغیر اس کی صحیح تردید نہیں کی جاسکتی، اسی نقطۂ نظر سے ڈارون ازم فرائڈ کا نظریۂ جنس، غیر اخلاقی مضامین، دیو مالائی کہانیاں، اسکولوں میں لازمی نصاب تعلیم کی مجبوری سے مسلم ادارے میں شامل کرنے کی گنجائش ہے، لیکن مسلم طلباء کو تاریخ، واقعات اور انسانی اخلاق وشرافت اور صالح اقدار کی کسوٹی پر کس کراس کے کھرے کھوٹے کو بتانا بھی ضروری ہے، البتہ میوزک، ڈانس اور سیکس ایجوکیشن کی قطعی گنجائش مسلمانوں کے زیر انتظام ادارے میں نہیں ہے۔ جنس کی تعلیم کے اخلاقی، شرعی، اور انسانی پہلوؤں سے میل کھانے والی کچھ جزئی باتیں حرمتِ زنا، حرمتِ ہم جنسی، بحالتِ حیض عورت سے صحبت کی حرمت، اس حالتِ حیض میں طوافِ بیت اللہ کی حرمت، نماز چھوڑ دینے کی اجازت، زمانۂ حیض ونفاس میں حکم شریعت کی یکسانیت، طہارت کے بعد کے احکام، حیض ونفاس سے پاکی کا طریقہ وغیرہ شامل نصاب کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن سیکس ایجوکیشن جو پریکٹیکل زنا کاری سکھانے کے ہم معنی ہے، اس کو پڑھنا پڑھانا قطعاً حرام ہے۔

"قال الإمام الشاة ولى الله. اعلم أنه لماكان الرجال يهيجهم النظر إلى النساء على عشقهن والتوجه بهن ويفعل بالنساء ذالک۔ وكان كثيرامايكون ذالک سببا؛ لأن يبتغى قضاء الشهوة منهن على غيرالسنة الراشده كاتباع من هى فى عصمة غيره أوبلانكاح أوغيراعتباركفأةالذى شهودفى هذاالباب يغنى عماسطرفى الدفاتر۔ اقتضت الحكمة أن يسددهذاالباب" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۳۳۲، ذالعورات، قدیمی)۔

(امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عورتوں کی جانب مردوں کی نگاہیں عورتوں کے عشق اور

ان کی طرف متوجہ ہونے پر ابھارتی ہیں اور یہ عورتوں کے ساتھ ہوتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات یہی نظر بازی، سنت راشدہ کے برخلاف ان عورتوں سے قضاءِ شہوت کا سبب بن جاتی ہے، جیسے ایسی عورت کے پیچھے پڑ جانا جو دوسرے کی حفاظت میں ہو، یا بلا نکاح ہو، یا دونوں کا یکساں خاندانی معیار نہ ہو۔ اور اس قسم کے واقعات کا مشاہدہ اتنا عام ہے کہ بے شمار اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہی کافی ہے، لہٰذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس (گناہ) کے دروازے کو بند کر دیا جائے۔

۳- ایمان کے منافی اعمال انجام دئے جانے والے اسکولوں میں بچوں کو مجبوراً تعلیم دلانا:

اگر ایسے اسکولوں میں پڑھانے سے دین وایمان کو خطرہ ہو یا کوئی بت پرستانہ یا مشرکانہ اعمال کا ارتکاب کرایا جاتا ہو تو مسلمانوں کے لیے ان میں بچوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر انتظامیہ یا قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ مسلم طلباء کو مشرکانہ اعمال سے مستثنیٰ رکھا جا سکتا ہو تو جائز ہے۔ بصورت دیگر مسلمانوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایسے اداروں سے اپنے بچوں کو نکالیں، مسلمانوں کے زیر انتظام اداروں میں یا کسی ایسے ادارے میں داخل کریں جہاں ان کے بچوں کے دین وایمان کے برباد ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

"یاأیھاالذین آمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم نارًا" (سورۂ تحریم: ۶)۔

(اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)۔

"قال قتادہ۔ تأمرھم بطاعۃ اللّٰہ وتنھاھم عن معصیۃ اللّٰہ، وأن تقوم علیھم بأمراللّٰہ وتأمرھم بہ" (تفسیر ابن کثیر ۴ / ۵۰۲، مکتبہ دار السلام ریاض)۔

(حضرت قتادہؓ اس آیت شریفہ کا مطلب بتاتے ہیں۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کو اللہ کی اطاعت کا حکم کریں۔ اور اللہ کی معصیت سے بچائیں۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرائیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کا ان کو پابند کریں)۔

یہاں مسلم گارجین کو یہ دھیان رکھنا ضروری ہے کہ وہ شرعی طور پر خود بھی پابند ہیں کہ بھاری تنخواہ، عہدہ اور منصب کے لالچ میں اپنی اولاد کو جہنم کا ایندھن نہ بنائیں۔ شرعی اصول بھی یہی ہے:

"**إن فیھا خشیۃ ومفسدۃ۔ ودرأ المفاسد مقدم علی جلب المنفعۃ**" (الفتاویٰ الحدیثیہ ۱۱۹ / مطبوعہ قدیمی)۔

(چونکہ اس میں فسادِ عقیدہ کا خطرہ ہے اور اصول یہ ہے کہ فساد دور کرنے کو نفع کے حصول پر مقدم رکھا جائے گا)۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: "**فإذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ قدم دفع المفسدۃ غالبًا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنیھات أشد من اعتنائہ بالمامورات، ولذا قال علیہ السلام: فأتوا منہ ما استطعتم، وإذا نھیتکم عن شی فاجتنبوہ۔ وروی فی "الکشف" حدیثا۔ لترک ذرّۃٍ مما نھی اللّٰہ عنہ أفضل من عبادۃ الثقلین**" (نور البصائر

شرح الاشباہ والنظائرص ۴۴۹ رج ارنصر المومنین بڑودہ گجرات)۔

(جب فساد اور منفعت کا تعارض اور ٹکراؤ ہو جائے تو فساد کو اکثر حالت میں دور کرنا منفعت کے حصول پر مقدم رکھا گیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ شریعت کی توجہ منہیات وممنوعات کو روکنے پر زیادہ شدید ہے۔ بمقابلہ مامورات پر توجہ کرنے کے۔اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی قدرت ہو مامورات (جن کے کرنے کا حکم ہو) کو پورا کرو اور جب میں کسی کام سے روک دوں تو فوراً رک جاؤ، اور ''کشف'' میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس کا ایک ذرہ بھی ترک کردینا تمام جنات وانسان کی عبادت سے افضل ہے)۔

۴-مخلوط تعلیمی نظام:

اس سلسلے میں لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان علیحدگی اور پردے کا جو معیار قرآن وحدیث سے سمجھ میں آتا ہے وہ کلاس نہیں بلکہ عمر ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡهَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ''(سورۃ النور:۳۱)۔

(یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کے پوشیدہ مقامات (مباشرت وجماع کے معاملات) سے بے خبر ہوں)۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات میں جن عورتوں اور مردوں کے بے پردہ آمنے سامنے ہونے کی اجازت دی ہے ان میں سے بارہویں قسم کا حکم یہاں بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے۔اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق، یعنی قریب البلوغ ہے، اس سے پردہ واجب ہے (معارف القرآن ص ۴۱۶ رج ۶ راشرفی بکڈپو دیوبند)۔

حدیث رسول اللہ ﷺ میں جس عمر میں عورتوں اور مردوں کے درمیان جنسی تعلق کا میلان اور آپس کے میل جول کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے وہ بارہ برس کی عمر ہے، اس عمر میں جوانی کی ادائیں دونوں میں پوری طرح ابھرنے لگتی ہیں، اس لئے زناکاری کے دلدل میں گرجانے کا شدید خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی لئے اس کے علاج اور روک تھام کے لئے نکاح کو ضروری قرار دیا گیا۔

''عن عمربن الخطابؓ وانس بن مالک عن رسول اللہ ﷺ، قال فی التورات مکتوب :من بلغت ابنته اثنتیٰ عشرة سنةً، ولم یزوّجهافأصابت إثمافإثم ذالک علیه، رواهماالبیهقی فی شعب الإیمان''(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۱ رسعد بکڈپو دیوبند)۔

ایک اورحدیث میں فرمایا گیا:''قال رسول اللہ ﷺ مروا أولادکم بالصلوٰة وهم أبناء سبع سنین واضربوهم علیهاوهم أبناء عشرسنین وفرّقوا بینهم فی المضاجع''(رواہ ابوداؤد وکذا رواہٗ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ کتاب الصلوٰۃ۔سعد بکڈپو دیوبند)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنی اولادوں کو نماز کا حکم دیا کرو جب سات برس کے ہوجائیں تو ان کے بستر بھی الگ الگ کردو)۔

قرآن وحدیث کے مذکورۂ بالا احکام کی روشنی میں مسئلہ مذکورۂ بالا کی وضاحت وصراحت ہوجاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ دس برس کی عمر تک انھیں مخلوط تعلیم گاہوں میں پڑھایا لکھایا جاسکتا ہے، دس برس پورے ہونے تک وہ مراہق یا مراہقہ ،یعنی قریب البلوغ ہوجاتے ہیں۔پس یہی حد ہے ان کے درمیان بستر کے علیحدگی کی۔کیونکہ اس عمر میں صنفی وجنسی تعلقات کی آپس میں دلچسپی شروع ہوجاتی ہے۔

کلاس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آٹھویں کلاس تک مخلوط تعلیم گاہ گوارا کی جاسکتی ہے، کیونکہ عمومی طور پر آٹھویں کلاس کے بچے اور بچیاں قریب البلوغ ہونے کی حد میں ہوتے ہیں۔قریب البلوغ نہیں ہوتے جہاں سے ان کے درمیان بستر کی علیحدگی اور آپسی میں میل جول سے اجتناب اور بچیوں کے لئے حجاب کے احکامات لاگو ہوجاتے ہیں۔

۵- جداگانہ نظام کی تین صورتیں:

(الف) ☆ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

(ب) ☆ دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں،لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

(ج) ☆ ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو،لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں،باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں۔

اگر ان تعلیمی بلڈنگوں کو مسجد کے درجے میں مان لیا جائے جہاں عہد نبوت میں عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آیا جایا کرتی تھیں اور ان کے پردے کے دو اہتمام ہوتے تھے۔ایک خود کا اہتمام اور دوسرا قدرتی اہتمام۔خود کے اہتمام میں **"متلففات بمروطهن"** وارد ہے۔اور قدرتی اہتمام یہ کہ صرف عشاء اور فجر کی نمازوں میں شرکت کی اجازت تھی۔اس میں آنے اور جانے کے دونوں اوقات میں رات کا پردہ حائل ہوتا تھا۔اور مغرب میں اس لئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں تھی کہ جاتے وقت دن کی روشنی موجود ہوتی تھی۔

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ پہلی صورتِ الف زیادہ ضروری ہے بشرطیکہ دونوں بلڈنگوں میں اتنا فاصلہ اور دوری ہو کہ آتے جاتے وقت طلباء اور طالبات کے مخلوط ہوجانے کا امکان نہ ہو۔جہاں تک جواز کا سوال ہے تو جواز تینوں صورتوں میں ہے۔کیونکہ آپسی اختلاط سے بچاؤ اور حفاظت کی تدبیر تینوں صورتوں میں موجود ہے۔دلیل یہ ہے کہ آپس میں تاک جھانک کو روکنے کے لئے دیوار حائل ہے یا دوری اور مناسب فاصلہ رکھا گیا ہے۔حدیث میں ہے:

”عن أم سلمہؓقالت کان رسول اللّٰہ ﷺ إذاسلم۔قال النساء حین یقضی تسلیمۂ۔ویمکث ھوفی مقامہٖ یسیرًا۔قبل أن یقوم۔قال:نریٰ واللّٰہ اعلم لکی تنصرف النساء قبل أن یدرکھن من الرجال“(صحیح بخاری ا/۱۲۰، باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال،نعیمیہ دیوبند)۔

(حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فراغت کا سلام پھیر لیتے تھے تو عورتیں فوراً کھڑی ہوجاتیں جوں ہی حضور ﷺ سلام پورا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ اٹھنے سے پہلے اپنی جگہ کچھ دیر بیٹھے رہتے تھے۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسا اس لئے کرتے تھے واللہ اعلم، تاکہ عورتیں لوٹ جائیں قبل اس کے کہ مردان سے جا ملیں)۔

۶-تاریخ پیدائش کے لئے جھوٹا حلف داخل کرنا:

نرسری میں داخلہ کے لئے چار سال سے کم عمر کی شرط لگانا اسکول انتظامیہ کا ظلم ہے، اور ظالم کے ظلم کو دفع کرنے کے لئے جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے، لہٰذا بچے کی تعلیم کے لئے مجبوراً غلط تاریخ پیدائش کا حلف نامہ داخل کرنا جائز ہے۔

”والکذب محظورإلافی القتال للخدعۃ، وفی الصلح بین اثنین وفی إرضاء الأھل وفی دفع الظالم عن الظلم“(الفتاویٰ الھندیہ ۵/۳۵۲،الباب السابع عشرفی الغناء الخ زکریا دیوبند)۔

اور جھوٹ بولنا ناجائز وممنوع ہے مگر: ۱-جنگ میں دشمن کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے، ۲-اور دو آدمیوں میں صلح کرانے کے لئے، ۳-اور گھر والی کو راضی کرنے کے لئے، ۴-اور ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے۔

۷-اسکولی یونیفارم کا مسئلہ:

اسلام میں کوئی ”یونیفارم ڈریس“ مقرر نہیں ہے کوئی بھی تراش خراش اور ڈیزائن جو اسلامی پردے کی نگہداشت کے ساتھ ہو اختیار کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ لباسِ فساق وفجار اور کسی دوسرے کے مذہبی شعار سے مشابہ نہ ہو۔

مردوں اور عورتوں کے لئے حدِ ستر کو محیط لباس فرض ہے۔رسول اللہ ﷺ اور صلحاء سے مشابہ لباس مستحب ہے، اور دیدہ زیب ڈیزائن والا لباس جائز اور مباح ہے۔قرآن میں ہے:

”یابنی آدم قدانزلناعلیکم لباسًایواری سوآتکم وریشاولباس التقویٰ ذالک خیر“(سورۂ اعراف:۲۶)(اے اولادِ آدم: ہم نے تمہارے اوپر ایسا لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہ کو چھپا سکے اور اس میں زیب وزینت بھی ہو، اور پرہیزگاری کا لباس تو بہت ہی بہتر ہے)۔

مسلم طلبہ وطالبات اور ان کے اولیاء کے لئے ان احکام کی پابندی لازم ہے۔

۸-اسکول کی تعمیرات پر بے جا خرچ:

خدمت تعلیم کے عوض مناسب فیس لینا جائز ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ بدر میں سے جو فدیہ دینے کے قابل

نہ تھے، ان کو کتابت سکھانے کی ذمہ داری پر رہا فرما دیا (سیرۃ النبی ﷺ)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فدیہ کے عوض تعلیم کتابت ایک طرح کی فیس تھی جسے ان کی غربت کے سبب معاف کر دیا گیا، لیکن فیس کی مختلف شکلیں بنا کر اسے نفع خوری کا ذریعہ بنانا اور خدمت تعلیم کو اس کی جائز حد سے بڑھا کر زیادہ سے زیادہ نفع بخش تجارت بنا دینا اسلام کی نظر میں ناجائز ہے، خاص طور پر جبکہ اس کا ضرر غریبوں، بلکہ متوسط طبقہ کے لوگوں تک دراز ہو جائے، جس کے نتیجہ میں علم سے محرومی عام ہونے لگے تو بلاشبہ یہ اسلام کی نظر میں کسب حلال نہیں ہے۔

پرائیویٹ اسکول اور رفاہی اداروں کے تحت چلنے والے اسکول اگر تعلیمی فیس کے ساتھ ضروری تعمیرات کا خرچ بھی شامل رکھتے ہوں تب تو جائز ہے، لیکن غریب بچوں کی تعلیمی ضرورت پوری کرنے کے بجائے اگر صرف وسعتِ تعمیرات اور ضرورت سے زیادہ تزئین پر خرچ کریں تو یہ بھی ناجائز ہے۔

ایک فقہی اصول: "**يحتمل ضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام**"۔ ضرر خاص کو ضرر عام کو دور کرنے کے لئے یعنی غریبوں کے ضرر تعلیم کو دور کرنے کے لئے اسکول انتظامیہ کے ضرر فیس کو برداشت کیا جائے گا، کے اصول سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، اس کے ذیل میں بہت سی جزئیات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

"**منها: التسعير عند تعدى أرباب الطعام فى بيعه بغبن فاحش. ومنها: بيع طعام المحتكر جبرًا عليه عند الحاجة وامتناعه من البيع دفعًا للضرر العام**" (نور البصائر، شرح الاشباہ والنظائر ۱/ ۷۴۳، بڑودہ گجرات)۔

(جب غلہ والے حاجت مند لوگوں پر ظلم کر کے غبنِ فاحش یعنی ضرورت سے زائد مہنگے دام پر غلہ بیچنے لگیں جبکہ عام لوگوں کو غلہ کی شدید حاجت ہو، تو دام مقرر کر دینا درست ہے تاکہ عوام کا ضرر دور ہو سکے۔ اسی طرح کوئی ذخیرہ کر کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہے تو جبراً اس کو بیع سے روک دینا جائز ہے ضرر عام کو دور کرنے کے لئے)۔

زیر بحث مسئلے میں بھی ادارہ کے ذمہ داران مختلف ناموں سے ناقابل تحمل فیس وصول کر کے غریبوں اور متوسط طبقے کو تعلیم سے محروم کرنے لگیں، تو اپنی اجتماعی قوت کا مظاہرہ کر کے انھیں زائد نفع خوری کے سے روکنے کی کوشش کریں یا حکومت سے اس سلسلے میں مداخلت کی درخواست کریں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

۹- غیر حاضر طلبہ سے فیس وصول کرنا:

جو ماہانہ فیس آپس میں طے ہوتی ہے وہ پورے مہینے کے لئے ہے۔ طالبِ علم یا ٹیچر کا استفادہ نہ کرنا ان کی خود کی کوتاہی ہے، لہٰذا طالب علم کی غیر حاضری سے ماہانہ فیس یا ٹرانسپورٹ فیس کم نہیں ہوگی۔ بلکہ پوری فیس ادا کرنی پڑے گی۔

"**تلزم الأجرة أيضًا فى الإجارة الصحيحة بالاقتدار على استيفاء المنتفعة، مثلا لو استاجر احدٌ دارًا بإجارة صحيحةٍ فبعد قبضها. يلزمه إعطاء الأجرة، وإن لم يسكنها**" (شرح المجلۃ، سلیم رستم ۱/ ۲۶۳، الفصل الثانی

کتاب الاجارہ، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

اجارۂ صحیحہ میں بھی اجرت لازم ہوجاتی ہے۔منفعت حاصل کرنے پر قادر ہونے کی وجہ سے،مثال کے طور پر اجارۂ صحیحہ سے کسی نے گھر کرایہ پر لیا اوراس کے قبضے کے بعد دور چلا گیا تب بھی اس کو اجرت دینا لازم ہے اگر چہ وہ اس گھر میں رہائش نہ کرسکا ہو۔

علامہ حصکفی نے بھی یہی بات لکھی ہے:”فیجب الأجر لدار قبضت، ولم تسکن.لوجودتمکنه من الإنتفاع“ (الدرالمختار کتاب الاجارہ ۱۱/۶ سعید کمپنی)(ایسے گھر کی اجرت واجب ہے جس پر قبضہ کے بعد رہائش نہ کرسکا ہو اس گھر سے نفع حاصل کرنے کی قدرت پائے جانے کی وجہ سے)۔

۱۰-اسکول کے محتاج طلبہ پر زکوۃ صرف کرنا:

قرآن مجید میں ذکر کردہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اصل مصرف غربت ہے۔

”إنماالصدقات للفقراء.الآیة“(سورۃ التوبہ:۶۰)(صدقات توصرف فقیروں،غریبوں کے لئے ہیں)۔

حدیث میں ہے:”إن اللّٰہ افترض علیھم صدقة فی أموالھم یؤخذمن أغنیائھم وتردفی فقرائھم“(صحیح بخاری ۱/۱۸۷ نعیمیہ دیوبند)(اللہ نے مسلمانوں پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ کو فرض کیا ہے،مسلمانوں کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے،اورانھیں کے غریبوں پر خرچ کی جائے)۔

لہٰذا غریب طالب علم عصری ادارے میں پڑھتا ہو یا دینی ادارے میں وہ بہر حال زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

۱۱-زیادہ طلبہ کی خواہش یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے مشرکانہ اعمال اوران سے متعلق مسائل مثلاً:

شق (۱) کوئی بھی مشرکانہ ترانہ گانا یا مشرکانہ عمل کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔شرک اور معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

”لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.الحدیث“(فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۹۷ مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، فیض القدیر ۱۲/۸۶ ۱۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض)۔

شق (۲) ایسے اداروں میں مسلم بچوں کا داخلہ درست ہے،لیکن ترانہ نہیں گانا چاہئے۔مشرکانہ افعال میں شرکت سے گریز کرنا چاہئے۔

شق (۳) ایسی چیزوں سے بچنے کے لئے آئینی تدابیر اختیار کی جائیں (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۹۷)۔

شق (۴) مسلم طلباء کو ایسے اداروں میں داخلہ سے پرہیز کرنا چاہئے۔بصورت دگر مشرکانہ عمل میں ترغیب کو ہر گز قبول نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کرنی چاہئے۔

شق (۵) جوادارے ایسی برائیوں سے پاک ہوں انھیں میں داخلہ کو ترجیح دینا چاہئے۔ایسے اداروں کی موجودگی میں مشرکانہ افعال کولازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے ادارے میں داخلہ جائز نہیں ہوگا۔

شق (۶) مسلمان انتظامیہ کے لئے اسکول کی ترقی یا کسی دوسری مصلحت سے ان چیزوں کو رواج دینا حرام ہے خواہ وہ غیر مسلم بچوں کے لئے الگ سے اس کا انتظام کریں۔

”**فإنه، وإن كان فيهامصالح، إلاأن فيهاخشية مفسدة ودراء المفاسديقدم على جلب المصالح**“ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۱۱۹ر قدیمی)۔

اگرچہ اس میں مصالح ومنافع ہیں مگر اس میں خطرناک فساد پیدا کرنے والی چیزیں ہیں، اور فساد کو دور کرنا مقدم ہوتا ہے حصول منافع ومصالح پر۔

۱۲-جنسیات کی تعلیم اور اس سے وابستہ مسائل:

معلمِ فطرت نے ہر جاندار مخلوق میں جنسی جذبہ رکھا ہے اور فطرت نے خود ہی اس کی تعلیم بھی دی ہے اور اس کے طریقۂ کار کو بھی سمجھا دیا ہے۔ ہر جاندار مخلوق سکیس کرتی ہے مگر کیا دانشورانِ فرنگ میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ اس نے کس ڈگری کالج اور کس ٹیچر اور پروفیسر سے سیکس ایجوکیشن حاصل کیا ہے؟ آج جو لوگ سیکس ایجوکیشن کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں وہ ذرا سوچیں کہ ان کا وجود خود اسی سیکس کے ذریعہ ہوا ہے لیکن اس کے لئے ان کے پرکھوں اور والدین نے یورپ کے کس اسکول وکالج میں سیکس کی تعلیم حاصل کی تھی۔کیا اس کی نشاندہی وہ کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس کے لئے اتنا شور مچانے کی ضرورت کیا ہے؟

سیکس ایجوکیشن یا جنسیات کی تعلیم دراصل باہمی رضامندی سے زنا اور بدکاری کے فروغ کی کوشش ہے۔اسی تعلیم کی بدولت آج کا آدمی انسانیت کی حد سے گزر کر حیوانیت کی پست سطح پر اتر چکا ہے۔ ہوموسیکس ولٹی یا ہم جنسی، کتوں سے فطری خواہش کی تکمیل اور انسانی معاشرے میں حیوانی کردار کے مظاہرے اسی تعلیم کے بھیانک نتائج ہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے اس نے جنس کی تعلیم تو دی ہے، لیکن انسانی اخلاقیات سے اس کو گرنے نہیں دیا ہے۔اس نے فطری عمل کو پاکیزہ، پابندِ اصول اور پابندِ حجاب بنایا ہے جو انسان کی فطری حیا کا تقاضا ہے۔اگر کسی اسکول میں سیکس ایجوکیشن کو لازم قرار دیا جائے تو وہاں مسلم بچوں کا داخلہ کرانا ناجائز ہے۔ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے بیٹے نے باپ کو قتل کر کے تختِ شاہی کو تو حاصل کر لیا لیکن باپ نے مرنے سے پہلے اپنے پرائیویٹ روم میں ایک شیشی میں زہر بھر کر اوپر ”**ھٰذادواءٌنافع للجماع**“ کا لیبل چپکا کر اپنی مخصوص الماری میں رکھ دیا۔ بیٹے نے باپ کے خصوصی ترکہ پر قبضہ کرنے کے لئے خصوصی کمرہ کو کھولا تو یہ شیشی دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور سیکس بڑھانے کے شوق میں غٹا غٹ پی گیا۔ پھر تاریخ سے پوچھئے کیا ہوا؟ خود گیا، حکومت گئی، اور اپنے پیچھے ایران کو ویران کر گیا۔

حکومت کو یہ بتانا مناسب ہے کہ اسلام اپنے طور پر سیکس کی تعلیم دیتا ہے۔لیکن سیکس پر ابھارتا نہیں۔اور نہ اس کا عملی تجربہ کراتا ہے بلکہ جائز اور ناجائز سیکس کے نتائج سے باخبر کرتا ہے۔سیکس کو حیا،ضابطہ اور پاکیزگی کا پابند بناتا ہے۔حیض ونفاس کے مسائل،خون حیض کی طہارت کا طریقہ،علاقہ زوجیت قائم کرنے کے بعد منی کے احکام وغیرہ جس صنف سے جس مسئلہ کا تعلق ہے اسی کے ذریعہ سمجھاتا ہے۔اگر ''اسلامی جنسیات'' کے نام سے کوئی کتاب مرتب ہوجائے اور اس کا مترجم ایڈیشن حکومت اور اسکول والوں کو پیش کیا جائے تو موجودہ دور کے ایک تقاضے کی تکمیل ہوجائے گی۔اوراس کو بہترین خدمتِ دین قرار دیا جائے گا۔

۱۳-اختلاط سے بچاتے ہوئے تفریحی پروگرام میں شرکت:

سرکاری اسکولوں میں طلباء کے لئے مسابقہ، دوڑ لگانا، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلے جائز ہیں۔

''طلبة العلم اذااختصموافی السبق فمن کان أسبق یقدم سبقه، وإن اختلفوافی السبق إن کان لأحدهم بیّنة تقام بیّنتهٔ، وإن لم یکن یقرع بینهم'' (فتاویٰ عالمگیری،لفتاویٰ ہندیہ ۵/ ۳۲۴ فی المسابقہ،زکریا دیوبند)۔

(اگر دوڑ لگانے میں طلباء جھگڑنے لگیں تو جو طالب علم آگے نکلے گا اسی کو آگے مانا جائے گا اور اگر دوڑ میں ہی اختلاف کریں تو اگر کسی کے پاس گواہ ہو تو اس کی گواہی پر فیصلہ ہوگا ورنہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی)۔

لیکن اگر طلباء اور طالبات کا مختلط مقابلہ ہو تو یہ ناجائز ہے۔اسلام میں اس کے جواز کا کوئی ثبوت موجود نہیں، اگر مسلم انتظامیہ یا غیر مسلم انتظامیہ اختلاط سے دور رکھ کر الگ الگ مقابلہ کرائیں اور لڑکیوں کے لئے نگرانی معلّمہ کے ذمہ ہو اور مقابلہ کی جگہ کھلی ہوئی بے پردہ نہ ہو اور اجنبی مردوں کی نظروں سے محفوظ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

''عن عائشةؓ انهاکانت مع رسول الله ﷺفی سفرفسابقتهٔ فسبقتهٔ علی رجلّی فلماحملتُ اللحم سابقتهٔ فسبقنی، قال: هذهٖ بتلک السبقة'' (رواہٗ ابوداؤد،مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۱/۱،شرفی بکڈپو دیوبند)۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں تو میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا، پس میں پیدل دوڑ میں آنحضرت ﷺ سے آگے بڑھ گئی، پھر جب میں جسم میں بوجھل ہوگئی تو پھر دوڑ لگائی،اس میں آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دوڑ پچھلے دوڑ کا بدلہ ہوگیا)۔

اس سے پتہ چلا کہ دوڑ کا یہ مقابلہ وقتی طور پر نہ تھا، بلکہ متعدد بار یہ مقابلہ ہوا۔معلوم ہوا عورتوں کا مسابقہ بھی جائز ہے۔لیکن عورتوں کے لئے کشتی اور کبڈی کے کھیل میں مقابلہ جائز نہیں، کیونکہ یہ مردانہ کھیل ہیں، اوران سے مشابہت عورتوں کے لئے ناجائز ہے۔

۱۴-اسکولوں میں ثقافتی پروگرام کے شرعی حدود:

نابالغ طالبات کے درمیان مکالمے اور تقریری مقابلے کی گنجائش ہے،لیکن ڈرامے کی اجازت نہیں،اس میں تمثیلی طور پر

مرد اور عورت کے لباس میں نقالی ہوتی ہے جو شریعت میں ناجائز ہے۔

بارہ برس کی عمر کی طالبات کے لئے جواز کی شرط یہ ہے کہ ان کی تقریریں اور مکالمے صرف عورتوں کے درمیان ہوں۔ مردوں تک ان کی آواز نہ پہنچتی ہو، اگر کھلے ماحول میں مرد و عورت کے مخلوط مجمع میں ہو تو جائز نہیں ہے۔

"وفی الکافی لاتلّبی جهرًا؛لأن صوتهاعورة،ولانجیزلهن رفع أصواتهن ولاتمطیطها ولا تلیینها وتقطیعها، لمافی ذالک استمالة الرجال الیهن،وتحریک الشهوات منهن، ومن هذالم یجزأن توذن المرأة،قلت ویشیرإلی هذاتعبیرالنوازل بالنغمة" (ردالمحتار ۱/۴۰۶ سعید کمپنی، مطلب فی النظر الی وجہ الامرد)۔

(اور "کافی" میں ہے کہ عورت تیز آواز میں تلبیہ نہیں پڑھ سکتی اس لئے کہ اس کی آواز بھی عورت (پردہ) ہے اور ہم ان کے لئے جائز قرار نہیں دے سکتے آواز بلند کرنے کو، اور نہ کھینچ تان کر نزاکت والا انداز اور کاٹ چھانٹ کر آواز نکالنے کو، اس لئے کہ اس میں عورتوں کی طرف مردوں کے مائل ہونے کا خطرہ ہے اور عورتوں کی طرف سے شہوت ابھارنے کا اندیشہ ہے، اسی سبب سے عورتوں کے لئے اذان دینا جائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ "نوازل" میں عورتوں کے نغمہ اور ترنم کی تعبیر سے اسی (عدم جواز کی) طرف اشارہ ہے)۔

۱۵- نصابی کتابوں میں جانوروں اور اعضاء انسانی کی تصاویر:

اگرچہ اسلام میں کسی بھی جاندار کی تصویر کھینچنا حرام ہے۔ لیکن جہاں اس کا استعمال احترام وعبادت کے طور پر نہ ہو بلکہ تحقیر وتصغیر کے طور پر ہو تو فقہاء کے کلام سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ "صاحب ہدایہ" سے نقل کرتے ہیں:

"لو کانت الصورة علی وساة ملقاة اوعلی بساط مفروش لایکره، لأنهاتداس وطوطاء"۔

(پڑے ہوئے تکیے اور بچھے ہوئے بستر پر تصویر ہو تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اس کو روندا اور کچلا جاتا ہے)۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: **" کان لهاثوب فیه تصاویر ممدودالی سهوة وکان النبی ﷺ یصلی إلیه فقال: یاعائشة اخرّ یه عنی، قالت: فاخرّتهٔ فجعلتهٔ وسائد"** (صحیح مسلم ۲/۲۰۱ اشرفی بکڈپو دیوبند)۔

(حضرت عائشہؓ کے پاس ایک کپڑا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں اور انہیں ایک سامان رکھنے والے طاق میں پھیلا دیا تھا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ اس طرف ہی نماز پڑھنے لگے، پھر ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! اسے میرے سامنے سے ہٹا دو۔ فرماتی ہیں کہ میں نے اسے ہٹا دیا اور اس کا تکیہ بنا دیا)۔

انھیں کی دوسری حدیث میں ہے کہ اس کپڑے پر پرندے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ انھیں کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے اسے کاٹ کر دو تکیے بنا دیے پھر اس میں کھجور کے ریشے بھر دیے پھر **"فلم یعِبْ ذالک علی"** (رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر اس کے ناجائز استعمال کا عیب نہیں لگایا) (صحیح مسلم ۲/۲۰۰ اشرفی دیوبند)۔

صحیح مسلم کی ایک اورحدیث میں حضرت زید بن خالد جہنی اورحضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ ''إلا رقمًافی ثوب'' ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کپڑے یا کاغذ پر نقش جائز ہے، اگر چہ علامہ نو وی ؒ نے ان سے غیر جاندار کے نقش ہونے کی تاویل کی ہے، اور جاندار کی تصویر کو خواہ اس کا سایہ ہو یا نہ ہو، جیسا کہ مجسموں اور مورتیوں میں ہوتا ہے، مطلقا حرام قرار دیا ہے۔

''ولافرق فی هذاکلهٖ بین ماله ظل ومالاظل له۔ هذاتلخیص مذهبنافی المسئلة وبمعناهٗ قال جماهیرالعلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وهومذهب الثوری ومالک وابی حنیفةؒ وغیرهم۔وقال بعض السلف: إنماینهی عماکان له ظل ولابأس بالصورة التی لیس لهاظل وهذامذهب باطل''(شرح نووی علی المسلم ۲/۱۹۹اشرفی بکڈ پو دیو بند)۔

(ان سب احادیث میں سایہ اور بلا سایہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور یہی اس مسئلہ میں ہمارے مذہب شافعی کا خلاصہ ہے اور اسی کے ہم معنی جمہور علماء وصحابہ وتابعین اوران کے بعد والوں کا مذہب ہے، اور سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، اور بعض سلف نے کہا ہے کہ ممانعت اس تصویر کی ہے جس کا سایہ ہو، یعنی جسم والی تصویر ہو، مگر جس تصویر کا سایہ نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور یہ مذہب باطل ہے)۔

پھرانہوں نے لکھا: ''**قال القاضی: إلاماوردفی اللعب بالبنات لصغارالبنات والرخصة فی ذالک**''(صحیح مسلم ۲/۱۹۹)(قاضی عیاضؒ نے کہا کہ چھوٹی بچیوں کے لئے گڑیا سے کھیلنے کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے، اس میں گڑیا کے مجسمہ سے کھیلنے کی رخصت ہے)۔

جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا بچپن کی رخصتی میں گڑیا سے کھیلنا، اسی طرح صحابہؓ کے بچوں کا عاشورہ کے روزے میں گڑیا سے کھیلنے کا واقعہ حدیث میں موجود ہے۔

''عن عائشةؓ: کنت ألعب بالبنات عندالنبی ﷺوکان لی صواحب یلعبن معی وکان رسول اللہ ﷺإذادخل ینقمعن فیسرِّبهن إلیّ فیلعبن معی''متفق علیه(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۰/عشرۃ النساء)۔

''عن عائشة أن النبی ﷺتزوّجها،وهی بنت ست سنین وبنٰی بها وهی بنت تسع ولعبهامعها''(صحیح مسلم ۱/۴۵۶، اشرفی دیو بند)۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیا سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ میری سہیلیاں بھی کھیلتی تھیں، جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ چھپ جایا کرتی تھیں مگر آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے، پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں)۔

اس تفصیل سے دو باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں۔ ایک تو تحقیر وتوہین کی صورت میں جائز ہونا۔ دوسرے چھوٹے بچے اور

بچی کا گڑیا یعنی مجسمہ سے کھیلنے کا جواز۔

یہ دونوں باتیں مسئلہ مذکورہ میں بچوں کے لئے کتابی جاندار تصویروں کے جواز کو ثابت کرتی ہیں۔کیونکہ کتابی تصویریں احترام کے لئے نہیں بلکہ بچوں کے ہاتھوں تحقیر وتوہین کے لئے استعمال ہوتی ہیں، اور خصوصی طور پر جب بچوں کا گڑیا سے کھیلنے کی رخصت وارد ہے تو تعلیم کے لئے مصور کتابوں کا بچوں کو پڑھانا بھی جائز ثابت ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہئے کیونکہ بعض کتابی تصویر ہمارے لئے انتہائی نفرت انگیز ہوتی ہے جیسے سور کی تصویر۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ بچوں کے نصابی کتابوں میں جاندار تصویر والی کتابیں یا ڈیجیٹل تصویر والی کتابیں یا کھلونے اور پلاسٹک کے مجسمے تعلیم کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔تاہم مسلم درسگاہوں کا اِن سے پاک ہونا زیادہ بہتر ہے۔

۱۶-امور خانہ داری سے متعلق مضامین پڑھائے جانے کی حیثیت:

عصری درسگاہوں میں طلباء اور طالبات کو ان کے صنفی فرق کو نظر انداز کر کے مساوی جنس کے درجہ میں رکھ کر پڑھایا جاتا ہے، اس لئے مضامین بھی یکساں ہوتے ہیں اور ان سے طالبات کے روشن مستقبل کی خاطر تجرباتی مضامین کو شامل نصاب کرنے کا مطالبہ بے معنی ہے۔قدیم انسانوں کا تصورِ زوجیت ''وائف از لائف'' پر مبنی تھا اور جدید ذہن نے اس کو'' وائف از پاٹنر لائف'' بنادیا ہے۔لیکن اسلام میں ان کی تخلیق اور حیاتیاتی فرق کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو دراصل دونوں اصناف کی فطرت کا تقاضا ہے، اس لئے یہاں طالبات کی عصری تعلیم کے ساتھ ان کی دینیات اور امور خانہ داری میں کارآمد ہر ضروری چیز کی تعلیم وتربیت کا نظم مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے اداروں میں کرنا واجب ہے۔

''وعن أبی سعیدؓ وابن عباسؓ قالا:قال رسول اللّٰہ ﷺ:من وُلدله ولدٌ فلیحسن أسمهٗ وادّبهٗ فإذابلغ فلیزوّجهٗ، فإن بلغ ولم یزوجهٗ ،فأصاب إثمًافإنما إثمهٗ علی أبیه''(مشکوٰۃ المصابیح)۔

(حضرت ابوسعید وحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے یہاں اولاد پیدا ہو تو ضروری ہے کہ اس کا بہترین نام رکھے اور بہترین ادب (آدابِ شریعت وآداب زندگی) سکھائے۔اور بالغ ہوجائے تو ضرور شادی کردے۔اگر نہیں کرے گا اور اولاد کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا)۔

اس حدیث میں ''فَلْیُحْسِنْ'' لام تاکید کے ساتھ صیغۂ امر ہے جس کی اصل وجوب ہے اور ادب کے دائرے میں اولاد کی تربیت اور ضروریات زندگی کی تعلیم جیسے سلائی، کڑھائی، اور امور خانہ داری جیسے پکوان سب کچھ داخل ہیں۔

''طلب العلم فریضة بقدرالشرائع ومایحتاج إلیه لأمرلابدمنه من أحکام الوضوء والصلاۃ وسائر الشرائع ولأمورمعاشه وماوراء ذالک لیس بفرض''(الفتاویٰ الھندیہ ۳۷۷/۵ کتاب الکراہیۃ زکریا دیوبند)۔

(احکام شریعت کے بقدر اور جو اس سلسلے میں ضروری امور ہیں جیسے احکام وضو ونماز اور تمام احکام شریعت اور معاش کے

امور روزی روٹی اور زندگی گزارنے سے متعلق ضرورتوں کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اور اس کے ماسوا فرض نہیں ہے)۔

"طلب الحلال واجب علی کل مسلم" (مسند الفردوس للدیلمی حدیث: ۳۲۹۱۴) (حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے)۔

"انفقوا من طیباتِ ما کسبتم" (سورۂ بقرہ: ۲۶۷) (اپنی پاک حلال پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو)۔

اور: "فإذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللّٰہ" (سورۂ جمعہ: ۱۰)۔

"انفقوا۔ انتشروا۔ ابتغوا"۔ سب صیغہ امر ہیں "والأمر حقیقۃ للوجوب" امر کا حقیقی معنی واجب ہونا ہے۔

۱۷- اسلامی ماحول کے عصری ادارے کا قیام:

سب سے پہلے ایمانیات، اللہ کی توحید ورسالت، انبیاء، فرشتے، جنت، دوزخ، تقدیر، موت کے بعد کی زندگی، قیامت، حساب کتاب پر یقین رکھنے کی تعلیم، پھر اسلامیات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے ضروری مسائل۔ اس کے بعد معاشرتی مسائل کی مختصر تعلیم، پھر حقوق والدین، اور معاشیات کی ہلکی پھلکی تعلیم، یہ سب طلباء وطالبات کے لئے یکساں طور پر ضروری ہے۔ تاہم کچھ خصوصی مسائل جن کا تعلق عورتوں سے ہے جیسے حیض ونفاس، جنابت وطہارت اور حقِ زوجیت کے مسائل کی تعلیم جو لیڈی ٹیچر کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ کیرالہ، کرناٹک، مہاراشٹر کے کتنے ہی مسلم اسکولوں میں اس نصاب کے مطابق تعلیم ہورہی ہے، ضرورت مند حضرات یہاں سے رجوع کرسکتے ہیں۔

۱۸- مخالف جنس ٹیچر کا تقرر:

مفتی محمود حسن صاحبؒ لکھتے ہیں: "اسلامیہ اسکول میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو معلّمہ کی حیثیت سے مقرر کرنا شرعاً درست نہیں۔ اسی طرح سیانی لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں داخل کرنا جائز نہیں۔ دس سال کی لڑکی (حسب سوال سائل) کو ہرگز ایسے اسکول میں داخل نہ کیا جائے اس میں سخت فتنہ ہے" (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۸۹، مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند)۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "(وتمنع) المرأۃ الشابۃ (من کشف الوجہ بین الرجال) لا؛ لأنہ عورۃٌ، بل (لخوف الفتنۃ) کمسہ، وإن أمن الشہوۃ۔ الخ" (الدر المختار ص ۴۰۶، باب شروط الصلوٰۃ سعید کمپنی)۔

اور نوجوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا صرف اس لئے نہیں کہ چہرہ بھی عورت (ستر ہی میں داخل) ہے، بلکہ فتنہ کے خوف کی وجہ سے، اسی طرح عورت کو چھونا منع ہے اگرچہ شہوت سے امن ہو)۔

۱۹- اسکول کی منظوری کو منسوخی سے بچانے کے لئے رشوت:

اگر محکمۂ تعلیم کی طرف سے عائد ضابطہ کی تمام کارروائیاں درست ہوں اور اسکول کی فارملیٹی پوری ہو کسی کمزوری کا کسی حصے میں وجود نہ ہو پھر بھی چیکنگ افسر بہانہ بنا کر منظوری رد کردینے کے درپے ہوں تو ایسی حالت میں وہ ظالم ہیں اور ظالم کے ظلم سے بچنے

کے لئے رشوت کے علاوہ دوسرا چارۂ کار نہ ہوتو اسکول کو بچانے کے لئے بدرجہ مجبوری اس کی اجازت ہوگی۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:''ومنهاای یهدی الرجل الیٰ رجل مالابسبب أن ذالک الرجل قدخوّفه فیهدی إلیه مالالیدفع الخوف عن نفسهٖ۔أویهدی إلی السلطان مالالیدفع ظلمهٗ عن نفسهٖ أو عن مالهٖ وهذانو ع لایحل الأخذ لاحد۔ وإذا أخذیدخل تحت الوعیدالمذکورفی هذالباب۔وهل یحل للمعطی الاعطاء بهٖ،عامة المشائخ علی أنه یحل،لأنه یجعل ماله وقایةًلنفسهٖ أویجعل بعض مالهٖ وقایةً للباقی''۔(الفتاویٰ العالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الھندیہ ۴/۳۳۱،مما یتصل الفصل الرشوۃ زکریا دیوبند)۔

(اوررشوت کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی کو مال (رشوت) دے اس سبب سے کہ اس آدمی نے اس (رشوت دینے والے) کو ڈرا دھمکا یا تھا۔پس وہ اپنی ذات سے خوف کو دور کرنے کے لئے مال (رشوت) دے یا کسی بادشاہ کو مال (رشوت) دے،تاکہ اس کے ظلم کو اپنی ذات اور اپنے مال سے روک دے۔اس قسم کی صورت حال میں کسی آدمی کے لئے رشوت لینا حلال نہیں ہے،اگر لیتا ہے تو حدیث میں مذکور وعید(الراشی والمرتشی کلاهمافی النار) کے تحت داخل ہوگا،اورکیا اس صورت میں رشوت دینے والے شخص کو رشوت دینا حلال ہوگا؟ (یا نہیں؟) عام مشائخ اس رائے پر قائم ہیں کہ رشوت دینا حلال ہوگا، کیونکہ اس نے یہ رشوت اپنی ذات کی حفاظت کے لئے دی ہے، یا اس نے اپنے مال کا کچھ حصہ (بطور رشوت) دے کر اپنے باقی مال کو بچایا ہے)۔

☆☆☆

غیر مسلم انتظامیہ اور مشنریز کے زیر انتظام اسکولوں میں تعلیم

مفتی حافظ سید صادق محی الدین، حیدرآباد

۱ – اسلام نے علم کی تقسیم علم نافع اور علم غیر نافع سے کی ہے، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگی ہے اور علم غیر نافع سے پناہ چاہی ہے۔ "**اللهم انی أسأ لک علما نافعا**"(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۰/ ۲۳۴،رقم:۲۹۸۷۵)،"**اللهم انی أعوذ بک من علم لا ینفع**"(صحیح مسلم:۱۳/۲۵۱،رقم:۴۸۹۹)،آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے: "**اللهم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ما ینفعنی وزدنی علما**"(سنن الترمذی:۱۲/۲۶،رقم:۳۵۲۳)(اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے سکھایا ہے اس کو میرے لئے نفع بخش بنایئے اور مجھے ایسی چیزوں کی معرفت عطا فرمایئے جو میرے لئے نفع بخش ثابت ہوں اور میرے علم میں اضافہ فرمایئے)،علم نافع میں مقدم ایمانیات،اعتقادات اور اس سے متعلقہ سارے احکام ومسائل ہیں جن کے جانے بغیر مومنانہ کیفیات کے ساتھ زندگی کا سفر طے نہیں ہوسکتا بقدر ضرورت اس (علم نافع) کا جاننا سارے ایمان والوں پر فرض عین ہے۔علوم نافع کی دوسری قسم ان علوم کی ہے جن کا امور دنیا سے تعلق ہے ان کا جاننا مصالح دنیویہ سے مربوط ہے،اسکی تحصیل کے بغیر انسان کی جائز بنیادی ضروریات کی تکمیل اور اسکے مفادات کی تحصیل ممکن نہیں رہتی،عام طور پر نفع بخش علوم وفنون کی تحصیل اور اس میں خاص مہارت کو محقق علماء وفقہاء نے فرض کفایہ کے درجہ میں مانا ہے:"**واما فرض الکفایة من العلم فهو کل مالا یستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب**"پھر ان منافع بخش علوم میں دینی ودنیوی کی تقسیم بھی کی ہے: "**فیتناول ما هو دینی کصلاة الجنازة،ودنیوی کالصنائع المحتاج الیها**"(ردالمحتار نقلا عن تبیین المحارم ۱/۲۶)۔

ان علوم کے بھی مختلف درجات مانے گئے ہیں کچھ تو فرض کفایہ کے درجہ میں ہیں اور کچھ مستحب ومباح کے درجہ میں،اور یہ تقسیم احوال وظروف کی بنیاد پر ہے،سابقہ ادوار میں تحقیقات واکتشافات کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا ہے،موجودہ دور علم وتحقیق میں نئی نئی جہتوں اور نئے نئے علوم کے اکتشافات کی وجہ اہم مانا جارہا ہے۔ان علوم میں مہارت پیدا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ عام انسانوں کے ساتھ مسلم امت کا براہ راست یا بالواسطہ ضرورت کا تعلق قائم ہوجاتا ہے،ہونا تو یہ چاہیئے کہ نئی نئی تحقیقات وایجادات کا سہرہ اوراقوام کے بجائے مسلم قوم کے سر باندھا جائے،یہ امت جہاں خیر امت ہونے کی وجہ دینی جہتوں میں امامت کے منصب پر فائز ہے وہیں امور دنیا میں بھی وہ اپنے آپ کو اس مقام کا اہل ثابت کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنیادی اسلامی و دینی علوم کی تحصیل فرض عین ہے،علوم اسلامیہ میں کمال درجہ کی مہارت فرض کفایہ کے درجہ میں ہے لیکن موجودہ دور میں معاد(فکر آخرت اور اسکی تیاری) کے ساتھ دنیا کی دوڑ میں اوروں سے آگے رہنا، تحقیق وتفتیش کے موجدین میں سرفہرست نمایاں اپنا مقام بنانا بھی امت مسلمہ کیلئے ناگزیر ہے۔قوموں کے عروج وزوال کی داستان اس سے وابستہ ہے،اس لئے خلق خدا کے لئے مفید ثابت ہونے والے ان نفع بخش علوم میں امت کی ایک جماعت کو کمال درجہ کی مہارت حاصل کرنا چاہئے ،اس تناظر میں ایسے ماہرین امت مسلمہ میں تیار ہونا چاہئے جونئ نئ تحقیقات اور ایجادات سے انسانیت کا دامن بھردیں،موجودہ دور کے علماء وماہرین تعلیم کوغوروخوض کرکے اگلے پچیس سے پچاس سال کا نشانہ طے کرکے ایسے ماہرین تیار کرنے کی منصوبہ بندی کرنا چاہئے جس سے امت مسلمہ اوروں کو دینے والی بنے اوروں سے لینے والی نہیں۔حدیث پاک میں وارد ہے: ”خیر الناس من ینفع الناس فکن نا فعا لهم“(جامع الاحادیث: ۴۳۰/۳۴ ،رقم: ۳۷۶۴۰)،ان علوم کے فرض کفایہ ہونے سے مراد یہی ہے کہ امت اس کام سے غفلت نہ برتے ۔یہ صحیح ہے کہ اسلام نے انسانیت کو معرفت ربانی اور معاد کی فکر کرنے کی تلقین کی ہے،لیکن یہ بات بھی مسلم ہے کہ اچھی اور بہتر دنیا اور عمدہ معاش کے بغیر آخرت کی راہ کھوٹی ہوسکتی ہے،اس لئے اللہ کے نبی ﷺ نے ارشادفرمایا ہے :”کاد الفقر أن یکون کفرا“(شعب الایمان للبیہقی: ۲۶۷/۵ ،رقم: ۶۶۱۲)،سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے صبح وشام کے اذکار میں ایک ذکر یہ بھی مروی ہے: ”اللهم إنی أعوذبک من الکفر والفقر واعوذ بک من عذاب القبر لا إله إلا أنت “ (جامع الترمذی: ۳۵۰۳)،اس دعا میں آپ ﷺ نے ایک ہی جملہ میں کفر وفقر سے پناہ چاہی ہے۔

اس تناظر میں عصری علوم کے ایسے اداروں کا قیام امت مسلمہ پر لازم ہوجاتا ہے جوملت اسلامیہ بلکہ ساری انسانیت کے لئے نفع بخش ثابت ہوں تاکہ اسلامی حدودوقیود میں رہتے ہوئے مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق امت مسلمہ کی ایک نئی کھیپ تیار ہوسکے جوفی الوقت اوروں سے آگے نہ سہی انکے دوش بدوش میدان عمل میں اپنالوہا منواسکے،اسلام اور اسلام کے تقاضوں کی بھرپور تکمیل کے ساتھ امت مسلمہ کی ساکھ برقرار رکھنے کیلئے ان اداروں کے قیام کی بڑی ضرورت ہے۔

موجودہ دوراپنی ملی حمیت وغیرت اوراپنی مذہبی اہمیت کومنوانے کیلئے عصری میدانوں میں بھی اپنا انفرادی اعلی مقام بنانے کی سخت ضرورت کی دعوت دے رہا ہے،اور یہ کام عصری علوم کی اعلی درسگاہوں کے قیام اوراسکے بہتر اور عمدہ نظم وانصرام کے بغیر ممکن نہیں،یہ سارے احوال ایسے اداروں کے بطور فرض کفایہ قائم کئے جانے کی نشاندہی کررہے ہیں۔

۲- ۱۸۵۹ء میں چارلس ڈارون نے ایک انتہائی جاہلانہ وملحدانہ نظریہ پیش کیا جس کو” نظریہ ارتقاء“ کہا جاتا ہے،اگراس کے نظریہ کومختصر لفظوں میں پیش کیا جائے تو اس طرح ہوگا،” ماحول کے مطابق حیاتی اجسام میں اپنی بقاء کیلئے مسلسل تبدیلی“ آگے چل کر نظریہ ارتقاء کے حامیوں نے دعوی کیا کہ انسان بن مانس (بندر) کی نسل سے ہے،ماحول کی تبدیلی نے اس کوانسان بنادیا۔فرائڈ ۱۸۵۶-۱۹۳۹ء ایک یہودی مفکر ہے،اس نے کئی نظریات پیش کئے ،اس کے نظریات اکثر فطرت کے مخالف،قدرت کے نظام

فطرت سے متصادم تھے، علمی وتحقیقی دنیا میں ہر دو کے نظریات کو اکثر مستشرق مفکرین نے بھی رد کر دیا ہے لیکن ہر دور میں ایک ایسا طبقہ ضرور پیدا ہوتا ہے جو الحاد و بے دینی وحقائق فطرت سے روگردانی کر کے ان افکار کو فروغ دینے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، ایسے ملحدانہ اور حقائق فطرت سے انکار پر مبنی افکار ونظریات بہت جلد پذیرائی حاصل کر لیتے ہیں، کائنات کے بنانے والے خالق ومالک پر ایمان لانے کے بجائے سوچے سمجھے بغیر سائنس کے نام پر جھوٹے مفروضات کو سچ جان کر تسلیم کر لیتے ہیں۔ کتاب وسنت پر مبنی حقائق اس کا شدید انکار کرتے ہیں، خالق کائنات نے نظام قدرت میں اتنا توازن رکھا ہے اور اس نظام کی کنہ وحقیقت اور اسکی نزاکت وباریکی انسانی اذہان کی گرفت سے باہر ہے، زمین وآسمان میں اسکی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں وہ خود خالق کائنات کے وجود کا زبان حال سے اقرار کر رہی ہیں، اللہ سبحانہ ہی زمین وآسمان کا اور اسکے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا خالق ومالک ہے اور اس سارے نظام قدرت کی باگ ڈور اسی کے دست قدرت میں ہے۔

عصری علوم کی اعلی درسگاہیں مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو ظاہر ہے نصاب تعلیم کلیۃ اسلامی نہج کا ہو، ملحدانہ اور حقائق فطرت پر مبنی افکار ونظریات کی روش منحرفانہ سے بالکلیہ پاک وصاف ہو۔ ظاہر ہے الحاد و بے دینی پر مبنی غیر شرعی افکار اور غیر اخلاقی مضامین وجنسیات کی تعلیم اور تاریخ کے عنوان سے دیومالائی کہانیوں وغیرہ کی نصاب تعلیم میں شمولیت کی شرعا کوئی گنجائش نہیں، اس لئے مسلمان اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں ان غیر شرعی مضامین کو عام حالات میں شامل نصاب رکھنے اور پڑھانے سے سخت اجتناب کریں، جمہوری ممالک میں ملکی قوانین کے زور وجبر کی وجہ ایسے غیر اسلامی افکار ومضامین کے پڑھانے کا لزوم ہو تو اولاً مسلم زیر انتظام تعلیمی اداروں کو چاہیئے کہ وہ دستور کے چوکھٹے میں رہتے ہوئے عدلیہ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، کوشش بسیار کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو تو پھر ثانیاً ایسے ماہر اساتذہ کا تقرر کیا جانا چاہیئے جو ان مضامین کو پڑھاتے ہوئے اسکی خرابی وبرائی عمدہ اسلوب کے ساتھ واضح کر سکیں، ان غیر شرعی مضامین سے جو اسلامی اعتقادات وافکار پر ضرب پڑتی ہے ان کی بنیادی خرابی کو واضح کرتے ہوئے اسلامی اعتقادات وافکار کی حقانیت وصداقت ذہن نشین کرانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غیر اخلاقی مضامین میوزک، ڈانس وغیرہ سے حتی الامکان احتراز کی کوشش کی جائے جنسی تعلیم اور غیر معقول دیومالائی کہانیاں وغیرہ پڑھانے سے بھی سخت اجتناب کیا جائے اور ان کی قباحت وشناعت بچوں کے ذہن نشین کروائی جائے، اسکی جگہ اسلامی اخلاق واقدار پر مبنی مضامین پڑھائے جائیں، سیرت النبی ﷺ، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم وسیرت صحابیات رضی اللہ عنہن کو شامل نصاب رکھا جائے، سیرت کے ان گوشوں سے ان نکات کو طلبہ کے ذہن نشین کروایا جائے جو دین وایمان کی حفاظت کے ایمانی جذبات کو تازہ رکھیں۔

۳- سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے اداروں کے اہداف سے ملت اسلامیہ بخوبی واقف ہے، ان کا مقصد کفر وشرک کا پرچار زور وزبردستی مشرکانہ افکار واعمال جیسے ''یوگا''، ''سوریا نمسکار''، ''وندے ماترم'' کا پابند کرنا، ''گیتا کے اشلوک'' کا پڑھایا جانا اور اس طرح کے مشرکانہ افکار واعمال کو سارے شہریوں پر مسلط کرنا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنانا اور ان کو اپنے مذہب حق

کے افکار واعمال سے دور کرنا ہے، اس لئے وقفہ وقفہ سے کہیں ان مشرکانہ طور طریق کے لزوم اور کہیں ترغیب جہاں مسلمان اس پر راضی نہ ہوں وہاں بسا اوقات ترہیب کے ہتھکنڈے استعمال کئے جارہے ہیں۔ ہندو تہذیب وثقافت کو عام کرنے کی جان توڑ کوشش ہو رہی ہے، خاص کر تعلیمی اداروں کو اس رنگ میں رنگنے کا منصوبہ بنالیا گیا ہے۔ اس خطرہ سے امت مسلمہ کو آگاہ ہو کر سیلاب کی آمد سے پہلے کٹہ باندھ لینا چاہیئے۔ عیسائی مشنری کے تحت چلنے والے اداروں کا مقصد بھی عیسائی اعتقادات کو پھیلانا اور مسلمانوں کے دل ودماغ میں بداعتقادای کے بیج بونا ہے تاکہ مسلمان فکری ارتدار کا شکار ہوجائیں یا دین حق کے بارے میں کم ازکم شکوک وشبہات میں مبتلا ہوجائیں اس طرح وہ عیسائی نہ بن پائیں تو پوری طرح مسلمان بھی باقی نہ رہیں۔ امت مسلمہ کا ایک روشن خیال طبقہ ہے جو دنیا کی ترقی کی دوڑ میں آگے رہنے کے جذبہ سے اسلام کے پاکیزہ نظام کو نعوذ باللہ فرسودہ، دقیانوسی اور موجودہ تقاضوں سے غیر ہم آہنگ تصور کرتا ہے۔ دین حق کی صداقت اور اسکی اہمیت سے آنکھیں موند کر باطل افکار کے ترانے گانے لگتا ہے۔ ایک نومسلم مغربی مصنف محمد اسد مغربی نظام تعلیم اور ان کے طرز تربیت کے مضر اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "**Islam at the cross road**" کے صفحہ سو (۱۰۰) پر لکھتے ہیں:

"There can be no daub what ever that religious belief is rapidly Losing ground among the "intelligentsia" educated on western lines"

الغرض اس بات میں ہرگز کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ روشن خیال افراد امت جن کی تعلیم کی بنیاد مغربی طرز کی ہے ان کے عقائد بڑی سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ یوروپ کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اسلامی افکار واعمال کو نہ صرف سینے سے لگائے رکھا بلکہ امت مسلمہ کو فرنگی تہذیب وثقافت کی خرابی وبرائی سے آگاہ کیا، فرماتے ہیں:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

ایک امریکن یہودی خاتون ۱۹۶۰ء میں اسلام کی حقانیت وصداقت سے متاثر ہوکر یہودی مذہب سے توبہ کرلی اور مسلمان ہوگئی، اس معزز ومحترم خاتون کا نام مریم جمیلہ ہے، عیسائی مشنری یا کانونٹ کے تحت چلنے والے اداروں میں امت مسلمہ کے بچوں کو شریک کروانے کے مفاسد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "**Islam and the Muslim women today**" صفحہ تیرہ (۱۳) پر لکھتی ہیں:

"'The Muslim mother on no account ever consent to sending her child ren to Christian missionary schools or convent where they are totally alionted from there religious and cultural heritage, although she must realize that the government national schools do not provide a much happier solution"

’’مسلم ماں کو کسی بھی حال اپنی اولاد کو عیسائی مشنری اسکولوں یا کانونٹ میں تعلیم دلانے پر آمادہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ان اداروں میں مسلم بچوں کا اپنی مذہبی تہذیب واسلامی ثقافت سے رشتہ کاٹ دیا جاتا ہے، یہ بھی یقین رکھنا چاہیئے کہ اس سلسلہ میں سرکاری اسکول کی صورتحال بھی کوئی اطمینان بخش نہیں ہے‘‘

الغرض ایسے اسکولس جوسنگھ پریوار کے تحت چلتے ہیں یا عیسائی مشنری کے تحت باطل افکار کو دل ودماغ میں راسخ کرنے کی منصوبہ بندمہم کی تکمیل کی طرف گامزن ہیں۔ان کا مقصد اولین امت مسلمہ کو پیغام حق سے دور کرنا،ان کے ایمان ویقین کو متزلزل کرنا، ان کے دل دماغ میں شکوک وشبہات کا تخم بونا اوران کے اسلامی تشخص کو ختم کر کے ان کو اپنی انفرادی شان سے محروم کرنا ہے اوروہ اس میں بڑی حدتک کامیاب ہیں۔

اس تناظر میں ہم کو نصاب تعلیم کے مذکورہ مفاسد جن کی نشاندہی سوال (۲) میں کی گئی ہے بڑے غوروخوض سے انکا جائزہ لینا چاہیئے ،سرکاری تعلیمی اداروں میں یہ مفاسد ظاہر ہے زیادہ ہوتے ہیں، یہ بھی درست ہے کہ بھاری بھرکم فیس ادا کرنے کی اہلیت نہ رکھنے والوں کیلئے ان سرکاری اسکول میں تعلیم کا حصول آسان ہوتا ہے،اورایسے مقامات جہاں مسلم زیرانتظام ادارے موجود نہ ہوں بلکہ عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلائے جانے والے ادارے کام کررہے ہوں جبکہ قریب میں مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والا کوئی اسکول نہ ہوتو ایسی صورتحال میں سوال یہ ہے کہ ایسے اداروں میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کیلئے والدین پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس صورتحال میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اولین درجہ میں اپنے اوراپنے اہل وعیال کے دین وایمان کی فکر کریں ،اللہ سبحانہ نے استطاعت دی ہوتو ان اداروں سے دامن بچاتے ہوئے اپنے بچوں کی عصری تعلیم کا انتظام ایسے شہروں میں کریں جہاں مسلم زیرانتظام ادارے کام کررہے ہوں ،اس کام کیلئے ان کو تنگ کھانے پینے اورتنگی سے زندگی گزارنے کی ضرورت پڑے تو عیش وعشرت کو خیرباد کہکر اپنے بچوں کی اعلی دینی یا عصری تعلیم کی فکر کریں۔اورجو ماں باپ یہ بھی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان کو چاہئے کہ وہ ملک بھر میں جو دینی مدارس وجامعات کام کررہے ہیں اور جہاں کے نصاب تعلیم میں دینی واسلامی علوم کے ساتھ عصری علوم کی شمولیت بھی ہو ایسے اداروں میں اپنے بچوں کو شریک کروانے کی کوشش کریں۔سوال میں ذکر کردہ اداروں میں شریک کروانا ہی ناگزیر سمجھا جارہا ہوتو پھر ماں باپ کا فرض ہے کہ اپنے کمسن بچوں کے ابتدائی درجات،یعنی ساتویں جماعت تک کی تعلیم کا نظم اپنے گھر پر کریں، یا پھر بستی کے تمام کمسن بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے اپنی حیثیت کے مطابق ایک ادارہ قائم کریں اوراس میں ابتدائی درجات یعنی چھٹی یا ساتویں جماعت تک کی تعلیم کا انتظام ہو، ساتویں جماعت کے قابل بچوں کو آگے تعلیم دلانے کا کوئی بااعتماد مسلم انتظامیہ کا ادارہ نہ ہو،اس مجبوری کی وجہ عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے مدارس میں شریک کروانا ناگزیر ہوتو پہلے ان کو دین وایمان میں راسخ العقیدہ،اسلام کی بنیادی تعلیمات اوراسکی روح سے واقف اوراسلامی افکار کا حامل بنائیں ،انشاء اللہ اسکے مفید نتائج وثمرات حاصل ہوں گے، اورغیراسلامی ماحول میں پہنچ کرایسے

بچے اس ماحول سے متاثر نہیں ہوں گے، غیر دینی اداروں میں شرکت ناگزیر ہو تو دین وایمان کی حفاظت کے ساتھ یہ راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے، بظاہر اس شر سے بھی خیر کا پہلو ان شاء اللہ برآمد ہوسکتا ہے۔

الغرض غیر اسلامی افکار واعتقادات کے حامل اداروں میں اپنے بچوں کو شریک کروانا ناگزیر ہو تو اپنے بچوں کے دل ودماغ میں اسلامی اعتقادات وافکار کو راسخ کر کے شریک کروائیں، ماں باپ اس کے پہلے ذمہ دار ہیں اگر وہ اس ذمہ داری کو پورا نہ کرسکیں یا کوتاہی برتیں تو دردمند علماء ومشائخ اور دینی تنظیموں کا فرض ہے کہ وہ اس فریضہ کو پورا کریں۔

۴- عصری درسگاہیں مخلوط طرز تعلیم کی ہوں تو ظاہر ہے اسکے مفاسد سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، دین بیزار افراد بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ معاشرہ ان مفاسد سے پاک ہو، سوال میں مخلوط تعلیم کے جن معائب کی نشاندہی کی گئی ہے جیسے کلاس روم میں لڑکے لڑکیوں کی مخلوط نشستیں، کلاس روم کے باہر کھیل کود کے میدانوں میں انکی مخلوط شرکت، چائے خانوں میں انکا میل جول وغیرہ، ظاہر ہے ان کے غیر شریفانہ اور انسانی اخلاق واقدار کے منافی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اس غیر اسلامی کلچر نے جو غضب ڈھایا ہے اسکے مضر اثرات اس وقت سماج بھگت رہا ہے، ان حالات میں مسلم زیر انتظام چلنے والے اداروں کے ذمہ دار۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ عمارت کا انتظام کرنے پر قادر ہوں اور ایسے اسباب ان کیلئے بآسانی مہیا ہوں تو ابتدائی درجات ہی سے ضرور ایسا انتظام کرنا چاہئے، علیحدہ عمارت کا نظم دشوار ہو تو چھٹی جماعت تک مخلوط تعلیم کا نظم رکھا جاسکتا ہے، ساتویں جماعت سے کم از کم مخلوط نظام تعلیم کے نظم کو ختم کر کے علیحدہ علیحدہ تعلیم کا بندوبست کیا جانا چاہئیے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے: **''مروا أولا دکم بالصلاة، وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم ابناء عشر وفرقوا بينهم فی المضاجع''** (ابوداؤد:۴۹۵)، حدیث کے آخری حصہ **''وفرقوا بينهم فی المضاجع''** یعنی جب بچے چھے سال کی عمر پوری کر کے ساتویں سال میں داخل ہوجائیں تو لڑکے اور لڑکیوں کی خواب گاہیں الگ کردی جائیں۔ **''عن ابی رافع عندالبزاز بلفظ قال: (وجدنا فی صحيفة فی قراب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بعد وفاته فيها مكتوب: بسم الله الرحمن الرحيم وفرقوا بين الغلمان والجواری والأخوة والأخوات لسبع سنين''**۔ (نيل الأوطار من أحاديث سيد الأخيار شرح منتقى الأخبار، محمد بن على بن محمدالشوكانی، ۱/۳۷۷) سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم گاہیں بھی جدا جدا ہوں، چونکہ سات سال کی عمر میں بڑی حد تک شعور بیدار ہوجاتا ہے، صنفی احساسات کے بھی بیدار ہونے کا احساس جاگنے لگتا ہے۔ اس لئے اگر عمارت ایک ہو تو کلاس روم علیحدہ علیحدہ رکھے جائیں اور انکے اوقات تعلیم بھی الگ الگ ہوں، یہ نظم بھی دشوار ہو تو پھر ساتویں جماعت کے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان مستقل یا عارضی دیوار وغیرہ حائل ہو کہ ایک ہی استاذ دونوں کو بیک وقت تعلیم دے سکے، اس صورت میں لڑکے اور لڑکیوں کی آمد ورفت کے اوقات میں بھی اچھا خاصہ فصل ہونا چاہئے، بہرحال انتظامیہ کو چوکنا رہنا چاہئے اور ہر وہ تدبیر اختیار کرنی چاہئے جس سے مفاسد کا دروازہ بند ہو۔

۵-جداگانہ نظام تعلیم کی تین صورتیں:

☆ لڑکے اورلڑکیوں کے لئے الگ الگ عمارت ہو،اسباب مساعد ہوں تو پھراس طرح کا انتظام شرعاضروری ہوگا۔

☆ بصورت دیگر دوسری صورت پرعمل ہونا چاہیئے۔سوال ۲رمیں ذکر کردہ اہتمامات یعنی کلاس روم،آمدورفت کے راستے اور قضاء حاجت کے مقامات الگ الگ ہوں اسکے ساتھ مزید یہ انتظام بھی ہو کہ لڑکے اورلڑکیوں کی آمدورفت کے اوقات میں وقفہ رکھا جائے،لڑکیوں کوان کے سرپرست اپنی نگرانی میں اداروں سے اپنے گھرلے جائیں یااداروں کی طرف سے ایسی بسوں کا انتظام ہو جو صرف اورصرف بچیوں کو بحفاظت تمام انکے مکانات تک پہنچائیں۔اسباب واحوال اسکی بھی اجازت نہ دیتے ہوں تو بصورت مجبوری سوال میں ذکرکردہ

☆ تیسری صورت:۔یعنی ایک ہی بلڈنگ اورایک ہی کلاس روم جوطلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی حائل یا پھرلڑکوں کی نشستیں آگے اورلڑکیوں کی نشستیں پیچھے اورانکی آمدورفت کے جداگانہ راستوں کے انتظام کے ساتھ یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جو جواز کے دائرہ میں آتی ہے۔اس صورت میں انتظامیہ اوروالدین کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ حفاظتی اقدامات کا بھرپورخیال رکھیں۔

۶- عصری درسگاہوں میں داخلہ کی شرط اگر یہ لازم کردی گئی ہے کہ نرسری میں داخلہ اس بچہ کومل سکے گا جو چارسال سے کم عمر کا ہو،اول تو یہ شرط غیرفطری ہونے کی وجہ سے شرعاغیر درست ہے،دوسرے یہ کہ اسکول میں داخلہ کیلئے بچوں کے سرپرست عمر کم لکھواتے ہیں اورجھوٹا حلف نامہ بھی داخل کرتے ہیں تو وہ دوہرے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں،اول عمرکم لکھوانے کا اور دوسرا جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے کا۔چونکہ یہ غلطی وقتی بھی نہیں ہے کہ جسکا تدارک کیا جاسکے،بلکہ تادم زیست اسی غلط تاریخ پیدائش کا ہرجگہ اندراج ہوتا رہتا ہے،یہ غلطی کوئی انفرادی یا چندافراد کی نہیں ہے،بلکہ عصری درسگاہوں میں شرکت کی اس ناروا شرط کی وجہ امت کا ایک بڑا طبقہ اس غلطی کا مرتکب ہورہا ہے۔امت کے اکابر اوربچوں کے سرپرست اس شرط کوختم کرنے کیلئے ذمہ داران مدارس سے رجوع کریں،بصورت دیگرزعماء ملت واساطین امت خاص طور پر مالدار افراد کا فرض ہے کہ وہ امت کے نونہالوں اورنوجوانوں کی تعلیم وتربیت کیلئے مالی منفعت سے زیادہ ملت کی بھلائی کے جذبہ سے اسلامی وعصری درسگاہوں کا قیام عمل میں لائیں۔ ماہر، دردمند اساتذہ کا انتخاب کریں،تاکہ اچھے نتائج حاصل ہوں،اوران درسگاہوں میں موجودہ عصری درسگاہوں کی اس اولین شرط کے برخلاف چھ سال کی عمرمیں بچوں کوداخلہ دیں،چونکہ چھ سال تک کا زمانہ ان کی جسمانی نشونما،نیزماں باپ اورگھریلو ماحول میں رہتے ہوئے بہت کچھ سیکھنے اورتربیت پانے کا ہے،ماہرین نفسیات چھ سال سے پہلے بچوں کے ذہنوں پرکسی طرح کا بوجھ ڈالنے کے مخالف ہیں،سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پاک''بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے''۔''**مروا أولادكم وهم أبناء سبع سنين**''(ابوداؤد:۴۹۵)سے بھی یہی مفہوم مستفاد ہوتا ہے کہ اس عمر سے پہلے بچوں پرکوئی پابندی عائد

نہ کی جائے، چونکہ فطری طور پر وہ اس پابندی کے متحمل نہیں۔ چھ سال کی عمر تک کا زمانہ ذہنی وجسمانی نشونما کا ہے،اس تناظر میں موجودہ نظام تعلیم میں کمسن بچوں کی درسگاہوں میں شرکت جسمانی وذہنی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔مزید برآں بچوں کے وزن سے زیادہ کتابوں اور کاپیوں کے بیاگ کا بوجھ ہوتا ہے جو انکی پیٹھ پر ڈھو دیا جاتا ہے یہ بھی ظلم ہے اور اتنی ساری کتابوں کا پڑھنا اور ہوم ورک وغیرہ، جیسے لزومات نے انکی فطری آزادی سلب کر لی ہے۔

وِپرو کے چیرمن عظیم پریم جی نے ''Dancing in the rain'' کے عنوان سے لکھا ہے جس میں اس خیال کا اظہار کیا ہے'' بچہ مزدوری کی لعنت نے جہاں بچوں کا بچپن چھین لیا ہے وہیں کمسن بچوں کی اسکولوں میں شرکت اور ان پر تعلیم کے بوجھ نے بھی ان کے بچپن پر ڈاکہ ڈالا ہے اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے چونکہ مدارس میں بچوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا جا رہا ہے۔کمسنی میں لکھنے پڑھنے کی بے وقت ذمہ داری سے ان کو کھیل کود کی آزادی حاصل نہیں ہے، گویا اس طرح ہم ان کا بچپن چھیننے کے مرتکب ہو رہے ہیں،جس سے ان کی فطری نشونما اور قدرتی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، بچہ مزدوری کی طرح کمسن بچوں پر تعلیم کا بوجھ عائد کرنے کی وجہ وہ بچے اپنی حقیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں،بچپن کا زمانہ قدرت نے دیا ہی اس لئے ہے کہ ان کو من کے مطابق کھیل کود کی آزادی ملے،تا کہ وہ آگے چل کر اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکیں، ملک ضرور آزاد ہوا، کیا آزادی اسی کا نام ہے؟ ملک تو آزاد ہے،مگر ملک کی آنے والی نونہال نسل آزادی سے محروم، بلکہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے' ان کے خیال سے جو منشا جھلکتا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ بزمانہ کمسنی بچہ مزدوری کی لعنت ہو یا کمسن بچوں پر بے وقت تعلیم کا بوجھ ہو، دونوں صورتوں میں معصوم بچے پابندیوں کی زد میں ہیں، والدین اور سماج دونوں اس کے ذمہ دار ہیں، والدین بچوں کو تعلیم کے میدان میں آگے دیکھنے کے جذبہ سے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وقت سے پہلے اپنے بچوں پر تعلیم کا بوجھ مسلط کر رہے ہیں۔اور سماج کے وہ ذمہ دار جو اشاعت علم کا علم تھامے ہوئے ہیں وہ بھی اپنے مادی مفادات کیلئے تعلیم جو جذبہ خدمت سے ہونی چاہئے اس کو ضرورت سے زیادہ منافع کی تحصیل کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں،اس لئے انہوں نے ابتدائی درجہ میں اتنی جماعتیں کھول رکھی ہیں جس میں ڈھائی تین سال کا بچہ شریک ہو کر ایس ایس سی تک چودہ پندرہ سال کی عمر تک پہونچ سکتا ہے، جب کہ چھ سال کی عمر میں اگر پہلی جماعت میں بچے کو شریک کیا جائے تو تعلیم کے احسن مقاصد انسانوں کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

اس لئے ملت اسلامیہ کو ضرور ایسے اداروں کے قیام کی بھرپور متحدہ کوشش کرنی چاہیئے جس سے نظام تعلیم کو فطری بنیادوں پر قائم کیا جا سکے،اور جس میں بنیادی ضروری اسلامی عقائد واعمال کی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم وتربیت کا اعلی نظم ہو اور مسلمان بلاوجہ جھوٹ کہنے اور جھوٹا حلف نامہ کا سہارا لینے پر مجبور نہ ہوں۔جھوٹ کی شناعت کتاب وسنت کے منصوصات سے ثابت ہے'' چاہیئے کہ تم بتوں کی گندگی سے بچتے رہو اور جھوٹ سے بھی پرہیز کرتے رہو۔'' **فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور** ''(الحج: ۳۰) جھوٹ میں جھوٹی بات بھی اور جھوٹا حلف نامہ دونوں داخل ہیں،جھوٹ سے اجتناب کے لئے اللہ سے

ڈرنے اور صادقین کی صحبت اور معیت اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے، ظاہر ہے سچا انسان متقی ہوگا اور جو جھوٹا ہے اسکا دل تقوی سے عاری ہوگا، ''یا أیها الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین'' (التوبہ:۱۱۹)، حدیث پاک میں وارد ہے مومن سے اور کوتاہیوں کا صدور تو ممکن ہے، لیکن جھوٹ کا صدور ممکن نہیں۔ ''قیل لرسول اللہ ﷺ: أیکون المؤمن جبانا؟ فقال :نعم ، فقیل له: أیکون المؤمن بخیلا؟ فقال: نعم، فقیل له: أیکون المؤمن کذابا ؟ فقال :لا'' (شعب الایمان للبیہقی ۶/۴۵۶، رقم ۴۴۷۲)۔

''إذا کذب العبد تباعد عنه الملک میلا من نتن ما جاء به'' (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الصدق والکذب، رقم ۱۹۷۲) (جب کوئی جھوٹ بات کہتا ہے تو اس جھوٹ کی بدبو اور سڑاہند سے فرشتہ ایک میل دور ہوجاتا ہے)، مادی عالم میں جیسے اشیاء میں خوشبو و بدبو محسوس کی جاتی ہے اسی طرح روحانی اعتبار سے عمدہ اقوال واعمال میں خوشبو اور برے اقوال واعمال میں بدبو ہوتی ہے جس کو فرشتے محسوس کرتے ہیں، بسا اوقات اللہ کے ان نیک بندوں کو بھی اسکا احساس ہوتا ہے جنکی روحانیت انکی مادیت پر غالب آگئی ہو۔

۷- اسلام ایک مکمل نظام حیات کا نام ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں وہ کامل رہبری کرتا ہے، کتاب وسنت میں لباس، ستر، اورحجاب وغیرہ کے واضح احکامات موجود ہیں، موجودہ عصری درسگاہوں میں مخصوص لباس ''یونیفارم'' لازم ہے، بعض اداروں میں مردانہ لباس میں ٹائی کو اور زنانہ لباس میں اسکرٹ کو لازم کیا جاتا ہے، طلباء کو دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے ساتر لباس پہننے اور طالبات کو حجاب کے لئے برقعہ پہننے کو خلاف ڈسپلن قرار دیتے ہوئے سختی سے منع کیا جاتا ہے، بعض اسکولس وکالجس میں اسکارف پہننے کی بھی اجازت نہیں، ایسے خلاف شرع امور اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اداروں میں لازم ہوں اور اعلی تعلیم کے حصول کیلئے ان اداروں کے سوا کوئی اور ادارے بھی نہ ہوں تب تو طلبہ وطالبات کے سرپرستوں اور عمائدین قوم کو اس خصوص میں غیر مسلم اداروں کے انتظامیہ سے ملاقات کر کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، یا پھر ملکی قانون معاون ہو تو اس سے بھی بھرپور استفادہ کیا جانا چاہئے، بصورت دیگر ایسے اداروں میں شرکت سے سخت اجتناب کرنا شرعا ضروری ہوگا، کیونکہ کتاب وسنت کے واضح اور منصوص احکامات کی خلاف ورزی ایمان والوں کے لئے جائز نہیں۔ ایسی درسگاہوں میں شریک ہوکر علم حاصل کرنے کو قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن اس مقصد کے لئے شرعی احکامات کو پامال نہیں کیا جاسکتا، خاص طور پر لڑکیوں کے لباس اور ان کے حجاب سے متعلق ہرگز کوئی سمجھوتہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ مسلم زیر انتظام چلنے والے اداروں میں اگر غیر اسلامی وغیر ساترانہ لباس پہننے کو لازم کیا جارہا ہو، حیاء وحجاب کے تقاضوں کی پاسداری کو منع کیا جارہا ہو تو اس سے زیادہ افسوسناک صورتحال اور کیا ہوسکتی ہے؟ ان اداروں میں اغیار کا دیکھا دیکھی اگر ایسی غلطی دہرائی جارہی ہو تو اولین فرصت میں اسکی اصلاح ہونی چاہئے، علماء وصلحاء امت اور عمائدین قوم اس میں دلچسپی لیں اور بھرپور نمائندگی کریں تو اصلاح ناممکن نہیں۔

ان حالات میں ملت اسلامیہ کے ذمہ داروں پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اسلامی احکامات کی پاسدار اعلی عصری علوم کی درسگاہیں قائم کریں اوران کو اسلامی تعلیمات کا ایسا رول ماڈل بنائیں جو اغیار کو بھی اپیل کرے، اغیار میں صاف ستھرے اذہان رکھنے والے بکثرت ایسے اصحاب موجود ہیں جو حیاء وحجاب کے اسلامی نظام کو پسند کرتے ہیں، بعید نہیں ایسے افراد اپنی لڑکیوں کو اسلامی مزاج کے مطابق چلائے جانے والے اداروں میں شریک کروانے کو ترجیح دیں۔

۸- تعلیم اور علاج ومعالجہ کے شعبے جو کبھی جذبہ خدمت کو نصب العین بنا کر کام کرتے تھے، حکومتی سطح پر ان دونوں شعبوں میں رعایا کی بڑی خدمت کی جاتی تھی، بعض شہری بھی خدمت خلق کے جذبہ سے یہ دونوں کام ضروری مصارف کی حد تک مالی بوجھ عائد کر کے کم سے کم نفع پر اپنی یہ خدمات فراہم کرتے تھے۔لیکن موجودہ دور میں حکومتوں نے ان ضروری بنیادی شعبوں میں اپنی سرپرستی ختم کردی ہے اور رعایا کو بے یارومددگار چھوڑ دیا ہے، سماجی سطح پر ان دونوں شعبوں میں ادارے قائم کرنے والے ذمہ دار کم سے کم منافع پر خدمت کے بجائے زیادہ سے زیادہ حصول منفعت کے اصول پر کاربند ہیں، دنیا کی بے جا حرص وہوس نے ان کو اندھا کردیا ہے، بڑے پیمانہ پر انسانیت کا استحصال ہورہا ہے، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے: ''إن لكل أمة فتنة، وفتنة أمتي المال'' (سنن الترمذی، ماجاء ان فتنۃ ہذہ الأمۃ فی المال، رقم ۵۹۲، والبخاری فی ''التاریخ الکبیر'' ۴/۱/۲۲۲) (ہر امت کے لئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے)، بلاشبہ موجودہ دور میں اس مال کی بیجا حرص نے انسانوں کو شرف انسانیت پر باقی نہیں رکھا، دنیوی واخروی اہم سعادتوں سے انسان محروم ہوتے جارہے ہیں، ایسے میں اسکا آسان حل یہی ہے کہ سرمایہ دار طبقہ خدمت کے جذبہ سے آگے آئے اور ان دونوں شعبوں میں اپنی مخلصانہ خدمات پیش کرے، تاکہ غیر سماجی عناصر کے بیجا استحصال پر روک لگ سکے، جمہوری حکومتوں کو بھی تعصّبات اور بھید بھاؤ کے بغیر فراخدلانہ انداز میں ان دونوں شعبوں میں اپنی مثالی خدمات پیش کرنا چاہئے۔

مختلف عنوانات سے جو فیس وصول کی جاتی ہیں وہ اسی مقصد میں صرف ہونی چاہئے جس مقصد کیلئے وہ وصول کی جاتی ہیں، نیز ضروری اخراجات کی پابجائی کو پیش نظر رکھ کر کم سے کم منافع کے حصول کے ساتھ فیس کے حصول کا تعین ہونا چاہیئے شخصی ادارے ہوں کہ رفاہی ہر دو کو ضرور اس نقطۂ نظر پر عمل کرنا چاہیئے، اگر مختلف عنوانات سے حاصل کی جانے والی فیس کی رقم فرضی عنوانات کے تحت وصول کی جارہی ہو، رقم کی وصولی مقصود ہو اور عنوانات بہانہ ہوں تو یہ طرز فکر شرعا ناجائز ہے، یہ بھی کہ غیر ضروری فیس کا بوجھ طلبہ کے سرپرستوں پر عائد کرکے اس کو عمارتوں کی وسعت اور اسکی تزئین پر صرف کیا جارہا ہو تو شرعا اسکے ناجائز ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں کیونکہ تعلیمی اداروں کا کام انسانیت کی تعمیر وتزئین ہے، نہ کہ عمارتوں کی تعمیر وتزئین، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اسکو ناپسند کیا ہے: ''فواللہ لئن یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیرلک من أن یکون لک حمر النعم'' (صحیح البخاری: ۳۴۹۸، مسلم: ۲۴۰۶)۔

اسکے برعکس انسانیت کی تعمیر وتربیت کے لئے اللہ سبحانہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کومبعوث فرمایا، چنانچہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد جلیلہ کا ذکر قرآن پاک کے (۱) سورۃ البقرۃ (۲) سورۃ آل عمران (۳) سورۃ الجمعہ میں بیان ہوا ہے جس میں کتاب وحکمت کی تعلیم ،انسانی نفوس کی تربیت وتزکیہ کا ذکر فرمایا گیا ہے،احادیث پاک میں وارد ہے: (اپنی اولاد کو ادب سکھلاؤ اوران کوادب سکھلانے میں اچھے آداب کوملحوظ رکھو)۔

''أدبوا أولادكم وأحسنوا أدبهم'' (سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۱)۔

''علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم'' (مصنف عبدالرزاق)۔

''أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم وحب آل بيته وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن فی ظل عرش الله يوم لا ظل إلا ظله'' (رواہ الطبرانی۔جمع الجوامع: ۱۲۵۱/۱۰)۔

''مانحل والدولدا أفضل من أدب حسن'' (الترمذی، باب ماجاء فی ادب الولد)۔

مختلف عناوین سے فیس کی وصولی نے غریب ومتوسط طبقات کے طلبہ وسرپرستوں کومشکلات سے دوچار کردیا ہے اوران فیس کی رقم تعمیر وتزئین کاری اور جدید وسائل کمپیوٹر لیاب وغیرہ میں صرف کی جارہی ہوتو ظاہر ہے فیس دینے والے محدود عرصہ تک ہی اس سے استفادہ کرسکیں گے، نیز بعد میں آنے والے طلبہ سے بھی مختلف عناوین سے فیس وصول کرنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے،اس لئے مذکورہ مقاصد کے لئے طلبہ پرکسی طرح کا مالی بوجھ عائد کرنا شرعا جائز نہیں ہوگا۔تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عمارت اور دیگر تعلیمی اداروں سے متعلقہ ضروریات وغیرہ ازخود فراہم کریں نہ کہ طلبہ پراسکا بوجھ ڈالیں،فیس بھی اتنی مقرر کریں جس سے اداروں کے ضروری اخرجات،اساتذہ وملازمین کے مشاہرات کی پابجائی کے بعد ادارے کے کارکرد اوراس عظیم مقصد میں اپنا وقت صرف کرنے والے ذمہ داروں کے لئے جومشاہرہ بطور صلہ ان کی محنت کی مناسبت سے طے کیا جائے اسکی تکمیل ہو۔تاہم صاحب حیثیت طلبہ اورسرپرستوں یا دیگر صاحبان خیر سے عمارت کی تعمیر یا جدید وسائل تعلیم وغیرہ کیلئے ضرورت داعی ہوتو مالی تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے،اس صورت میں اس طرح تعاون کے ساتھ تعمیر ہونے والی عمارت یا کمپیوٹر لیاب وغیرہ کے سازوسامان کا حکم وقف کا ہوگا انتظامیہ شرعا اسکا مالک نہیں ہوگا،تعلیمی ادارے شخصی ہوں کہ رفاہی ہردو پرلازم ہے کہ وہ شرعی احکام کوبہرصورت ملحوظ رکھیں۔

۹- تعلیمی ادارے میں طالب علم کی شرکت پر ماہانہ تعلیمی فیس اورٹرانسپورٹ سے استفادہ کی فیس طے ہوگئی ہوتو طالب علم کو چاہئے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کرے، کیونکہ حصول علم میں آسانی کی غرض سے ٹرانسپورٹ کی سہولت مہیا کی جاتی ہے۔جب کہ ادارہ حسب معاہدہ ٹرانسپورٹ کی سہولت کے ساتھ اپنی ذمہ داری کونبھاتے ہوئے تعلیم کا نظم جاری رکھا ہو،تاہم کوئی طالب علم غیر حاضر رہ کر استفادہ نہ کیا ہوتب بھی حسب معاہدہ فیس کی ادائیگی اس پرلازم ہوگی اورادارے کواسکا لینا بھی جائز ہوگا۔چونکہ اساتذہ

کے مشاہرات مقرر ہوتے ہیں جو کلاس میں شریک تمام طلبہ کو درس دیتے ہیں کسی طالبعلم کی غیر حاضری کی بناء اس کی فیس کی مناسبت سے استاذ کے مشاہرہ میں کٹوتی نہیں کی جاسکتی ،علی ہذا ٹرانسپورٹ کیلئے گاڑی اور ڈرائیور دونوں کا بندوبست ہوتا ہے، ظاہر ہے اس کا محنتانہ بھی مقرر ہوتا ہے،کوئی طالبعلم ٹرانسپورٹ کی سہولت سے استفادہ نہ کرے تو ٹرانسپورٹ کے اخراجات میں کوئی کمی نہیں ہوتی ، چونکہ جو طلباء ٹرانسپورٹ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ان کی خواہش وایماپر ہی ٹرانسپورٹ کا انتظام ہوتا ہے۔

۱۰- عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے بچے جو غریب ہوتے ہیں اور اپنی تعلیم کے اخرجات کے متحمل نہیں ہوتے زکات کے مال سے انکی مدد کی جاسکتی ہے، زکات کے علاوہ کارہائے خیر میں خرچ کی جانے والی رقومات ترجیحا غریب ونادار بچوں کی عصری ودینی تعلیم میں خرچ کی جاسکتی ہیں۔عام طور پر مسجدوں کی تعمیر وتزئین اور دینی مدارس کی اعلی طرز کی تعمیرات میں رقم خرچ کرنے ہی کو کار ثواب سمجھا جاتا ہے،حسب ضرورت مساجد کی تعمیر اور مصلیان مسجد کیلئے بنیادی سہولتوں کی فراہمی یقیناً قابل ترجیح ہے،لیکن بلاضرورت مساجد ومدارس وغیرہ کی زرکثیر صرف کرکے اعلی طرز کی تعمیر وتزئین کا رجحان محل نظر ہے۔شہروں کی بعض مساجد میں جدید ماربلس اور گرینائٹ کے ساتھ عمدہ وقیمتی فرش فروش پھراس پر قیمتی قالین وغیرہ ظاہر ہے یہ سب ترجیجی ضرورت کے بجائے اضافی تزئین وآرائش کے زمرہ میں آتے ہیں،جس کو رسول مقبول ﷺ نے قرب قیامت کی علامت فرمایا ہے:

"إذا زخرفتم مساجدكم وحليتم مصاحفكم فالدمار عليكم"(جامع الاحادیث :۲۱۳،کنز العمال:ما یکرہ فعلہ فی المسجد،۸/ ۳۲۴)۔

"ما أساء قوم قط إلا زخرفوا مساجدهم "(فیض القدیر:۵/ ۴۴۹،رقم:۷۹۱۸)جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ تزئین مساجد میں لگ جاتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ ان احادیث پاک کے تناظر میں کیا اضافی تزئین وآرائش میں صرف ہونے والی رقم بھی صدقہ جاریہ اور ثواب جاریہ کے دائرہ میں آسکتی ہے؟ جبکہ مسلم امت کی اکثریت خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے،تعلیم ،صحت ،بقدرضرورت اپنا اور اپنے لواحقین کی بھوک مٹانے کا سامان،صاف ستھری سادی سیدھی رہائش کا کوئی انتظام جن کے لئے میسر نہیں ،اعلی تعلیم اور تحقیقات وایجادات کے وہ میدان جو اس امت کے لئے ایک چیلنج ہیں اس میں ان کا پچھڑا پن کیا یہ امت کے اصحاب خیر کی ترجیحات میں شامل نہیں ہونا چاہیئے؟ زندہ قوموں کی شناخت یہ ہے کہ وہ زیبائش وآرائش کی ظاہر داریوں سے اپنا دامن بچاکر اسراف وفضول خرچی کے جرم کی مرتکب نہیں ہوتیں۔اس تناظر میں یقیناً زکوۃ کی رقم سے عصری علوم کی تحصیل میں غریب ونادار بچوں کی مدد شرعا جائز ہے، نیز درج بالا سطور میں اسلام کی سانچی تعلیمات کی جو حقیقی روح پیش کی گئی اس کا تقاضہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں صدقات جاریہ کی ترجیحات پر نظر ثانی کی جانی چاہیئے۔زکوۃ کے علاوہ ذی حیثیت اصحاب کو اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کی بنیادی ترجیحات میں فراخ دلی کے ساتھ صرف کرنا چاہئے۔

۱۱- سرکاری یا خانگی اسکولوں میں مشرکانہ ترانے "وندے ماترم" یا گیتا کے اشلوک شروع میں پڑھائے جاتے ہوں یا "یوگا"

کرایا جاتا ہو جس کا ایک جز ''سوریہ نمسکار'' بھی ہے اس کو طلبہ پر کہیں لازم کردیا گیا ہو تب تو اس سے ضرور اجتناب کرنا چاہئے، ایسے اداروں کے ذمہ داروں سے اس خصوص میں نمائندگی کر کے امت مسلمہ کی نسل کو اس سے مستثنی کروالیا جانا چاہئے، سیکولر ملک میں اس طرح کا لزوم دستور کے سخت مغائر ہے، تعلیمی اداروں کے ذمہ دار استثنی دینے کیلئے تیار نہ ہوں تو قانونی اداروں کا سہارا لیا جائے، بعض ریاستوں نے اسکے لزوم کے جو احکامات جاری کردئے ہیں دستور کی روشنی میں وہ قابل چیلنج ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ یا جمعیۃ العلماء وغیرہ جیسے مؤقر اداروں کو اپنا دفاعی رول ادا کرنا چاہئے، کامیابی حاصل نہ ہو تو ایسے اداروں سے اپنا تعلیمی رشتہ قائم رکھنا شرعا جائز نہ ہوگا۔

جن اداروں میں اسکی ترغیب دی جاتی ہے یا ماحول سازی کی جاتی ہے تو اس ترغیب اور ماحول سازی سے متاثر ہوئے بغیر ایمانی تقاضوں کو مقدم رکھنا فرض ہے، اسلئے کہ یہ ترغیب یا ذہن سازی آئندہ چل کر جبری تعمیل کی طرف لے جاسکتی ہے۔ مشنری اسکولوں میں اگر حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہو، لیکن اسکو لازم نہیں کیا جاتا ہو تو امت مسلمہ کے نونہالوں اور نوجوانوں پر اس میں شرکت سے احتراز کرتے ہوئے ایسے اداروں میں تعلیم جاری رکھنے کی شرعا گنجائش ہے، الغرض جن اداروں میں حسب صراحت صدر مشرکانہ اعمال کا لزوم نہ ہو تو ان سے سخت اجتناب کرتے ہوئے تعلیم جاری رکھی جاسکتی ہے۔

☆ سرکاری اداروں میں جبری طور پر ان مشرکانہ اعمال کو لازم کیا گیا ہو تو مسلمانوں کو ایسے اداروں میں شریک ہونا جائز نہیں، ایسے اداروں میں شرکت مجبوری ہو تو پھر حسب صراحت بالا اس لزوم کے خلاف امت کے ذمہ داروں کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے اور دستور میں دیئے گئے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھنی چاہئے۔

☆ اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اسکی ترغیب دی جاتی ہو جبر نہ کیا جاتا ہو تو مسلم بچوں کی دینی نہج سے تعلیم وتربیت کے اہم فریضہ کو پورا کرتے ہوئے عصری علوم کی ان درسگاہوں میں شریک کروانے کی شرعا گنجائش فراہم ہوسکتی ہے بشرطیکہ اعتقادی وفکری اعتبار سے کوئی صاف ستھرے ماحول کے تعلیمی ادارے موجود نہ ہوں۔

☆ اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اسکو لازم قرار دیدیا گیا ہو اور اسکے سوا کوئی ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو ایسے اداروں میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیئے اسکا اچھا اور بہتر حل یہی ہے کہ مخلص مسلم انتظامیہ کے تحت خدمت کے جذبہ سے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں نیز اداروں کے قیام اور اشاعت علم کیلئے اپنی ترجیحات میں ایسی تبدیلی لائی جائے جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے۔

☆ اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب مشرکانہ اعمال کے کرنے کا حکم دیا جائے تو امت مسلمہ کیلئے اس ترغیبی حکم کی پابندی بھی ناجائز ہوگی، اسلئے ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرانے میں ضرور احتیاط برتنی چاہئے، اسکے متبادل اور ادارے موجود نہ ہوں تو اپنے اعتقادات واعمال کی حفاظت کے ساتھ بچوں کا داخلہ کرایا جاسکتا ہے، ایسے راسخ العقیدہ دینی احکام

واعمال پر مضبوطی سے قائم بچوں کو شریک کروایا جائے جو مشرکانہ ماحول سے نہ صرف خود متاثر نہ ہوں گے بلکہ اوروں کو اسلامی فکر سے عملاً متاثر کرسکیں گے۔

☆ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے تعلیمی ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ بھی ہوسکتا ہو تب تو مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے اداروں میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

موجودہ غیر اسلامی وغیر دینی حالات میں ملت اسلامیہ کی نئی نسل کے دین وایمان کی فکر ملت اسلامیہ کے ذمہ داروں، خاندان کے سربراہوں پر لازم ہے۔سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۳۰ تا۱۳۳ میں اپنی اور اپنی نسلوں کی دینی وایمانی حفاظت کا جو فکر انگیز اور دردمندانہ پیغام ملتا ہے اس سے روشنی حاصل کرنا اور اس روشنی کو دوسروں تک پہونچانا ایمان والوں پر فرض عین ہے،''**ان الدين عند الله الإسلام** ''(آل عمران:۱۹)،''**ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخاسرين**''(آل عمران:۸۵)،''**و لا تموتن إلا وأنتم مسلمون**'' (آل عمران:۱۰۲) کفروشرک کے گھٹاٹوپ اندھیاروں میں امت مسلمہ ان آیات پاک کو مینارۂ نور بنالے۔

☆ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت بھی شرعاً یہ بات درست نہیں ہوگی کہ مسلم اداروں میں مشرکانہ امور کو رواج دیا جائے،مسلم بچوں کو ان امور سے الگ رکھتے ہوئے غیر مسلم بچوں کے لئے ان غیر اسلامی مشرکانہ افعال واعمال کو جاری رکھنے کا بھی شرعاً کوئی جواز نہیں،کیونکہ یہ'' تعاون علی الاثم'' ہے:''**وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**'' (المائدۃ:۲)،اللہ سبحانہ نے ایک اہم اصول بیان کردیا ہے،ملت اسلامیہ اپنے اعتقادات واعمال میں اس سے روشنی حاصل کرے۔ زندگی کا یہ وہ زرین اصول ہے جو آپسی تعلقات اور روابط میں ایک خط فاصل قائم کررہا ہے،اقوام عالم سے بھی اس امت کا جو ربط وتعلق خیر امت ہونے کی بنیاد پر قائم ہے اسکو بھی اسی اساسی تناظر میں برتنا چاہئے،ساری انسانیت سے خیر وبھلائی،نیکی وپارسائی کے امور میں تعاون ومدد کی اجازت حاصل ہے،برائی وگناہ کے کاموں میں کسی طرح کی اعانت شرعاً جائز نہیں۔یہ زرین اصول ملت اسلامیہ کے لئے ایک روشن چراغ ہے،کفروشرک ظلم وجور کے تاریک ماحول میں بھی یہی اصول رہبر ورہنما ہونا چاہئے۔انفرادی طور پر اگر کسی پر افتاد پڑی ہو تو ظاہر ہے جان بچانے کیلئے اسکی گنجائش مانی گئی ہے،''**من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**''(النحل:۱۰۶)(اپنے ایمان کے بعد جو اللہ سے کفر کرے،بجز اسکے جس پر جبر کیا جائے اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو) کی آیت پاک کی روشنی میں علماء وشارحین کا اجماع ہے کہ جسکو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان کی حفاظت کے لئے قولی یا فعلی کفر کا مرتکب ہوجائے اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا،''**أجمع أهل العلم على أن من أكره على الكفر حتى خشي على نفسه القتل أنه لا إثم عليه، إن كفروقلبه مطمن بالإيمان**'' (قرطبی:۱۰/۱۸۲)(اس

رخصت سے وہ استفادہ کرسکتا ہے، تاہم عزیمت کی راہ یہی ہے کہ جان کی پرواہ کئے بغیر ایمان کی راہ پر قائم رہے)۔

لیکن اجتماعی طور پر اور وہ بھی سیکولر ملک میں مسلم طبقہ کو نشانہ بنایا جا رہا ہو اور کفریات وشرکیات کے اختیار کرنے پر کہیں ترغیب اور کہیں جبر وتشدد سے کام لیا جا رہا ہو تو ایسے میں کسی بھی جہت سے ان افعال واعمال مشرکانہ کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، ایمانیات کی حفاظت ہر حال میں مقدم ہے اس سلسلہ میں کسی مصلحت آمیز سمجھوتہ کی اسلام میں قطعا کوئی گنجائش نہیں ۔یہ دستور وقانون کی جنگ کا مسئلہ ہے مسلمانوں کو از روئے دستور اس بات کا حق ہے کہ وہ حکومت اور قانون کے اداروں سے رجوع کریں اور اس بات کا سخت مطالبہ کریں کہ سرکاری درسگاہوں اور اداروں کو مذہبی رنگ سے پاک وصاف رکھا جائے۔ ملک کے سارے شہری اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات کا اپنے طور پر انتظام کرلیں، سیکولر ملک کا فرض ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں صرف تعلیمی نصاب جس میں اخلاقیات کو شامل کیا گیا ہو کا انتظام کرے۔ کسی ایک خاص مذہب کے اعتقادات اور مذہبی اعمال کو ہرگز شامل نصاب نہ کرے، اس وقت سرکاری اداروں میں خاص مواقع پر ایک خاص مذہب کے مذہبی امور پوجا پاٹ وغیرہ کو رواج دیدیا گیا ہے اس پر سخت قدغن لگائے ، کیونکہ سیکولر ملک کی پہچان اسکے سیکولر کردار سے ہے، سیکولر ملک کی اس خاص شناخت کو متاثر کرنا گویا جمہوریت کو داغدار کرنا اور جمہوری ملک سے دشمنی کرنا ہے۔

۱۲- اللہ سبحانہ نے انسانوں کو فطرت پر پیدا کیا ہے، فطرت سے مراد اسلام ہے، اسلام کے سارے احکام فطری ہونے کی وجہ دلوں کو اپیل کرتے ہیں، فطری تقاضے انسانی فطرت میں ودیعت کردیئے گئے ہیں ، بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی تعلیم وتربیت کے بغیر اپنے لبوں کو حرکت دیکر ماں کی چھاتیوں سے اپنی غذا حاصل کرنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے جنسی معلومات بھی ایک فطری امر ہے اسکو سکھانے کی ضرورت نہیں ، البتہ بچہ جب مراہق یعنی قریب البلوغ ہوجاتا ہے تو جنسی تقاضے خود بخود بیدا ہونے لگتے ہیں اور جسمانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، اسلام میں حیاء کی بڑی اہمیت ہے اسلئے وہ ایسی پاکیزہ ہدایات دیتا ہے جسکی وجہ جنسی تقاضوں کی بیداری انسان کو بے راہ روی سے بچاتی ہے، اسلام میں مردوں اور عورتوں کو غض بصر، شرمگاہوں کی حفاظت اور زیب وزینت کے کھلے عام اظہار کی ممانعت کے احکام اسی لئے دیئے گئے ہیں کہ انسانی نفوس پاکیزہ رہیں (النور: ۳۰/۳۱) خواتین کی عفت وعصمت کی غرض سے حیاوحجاب کے خاص احکام دینے کے ساتھ کبھی اجنبی مرد سے بات چیت ناگزیر ہو تو اسلام نرم لب ولہجہ، لوچدار انداز کلام سے منع کرتا ہے، خواتین کی جبلی نزاکت ، فطری حسن مردوں کیلئے جیسے باعث کشش ہے انکی آواز اور لب ولہجہ کے انداز میں بھی مردوں کیلئے کشش وجاذبیت ہے اسلئے اول تو اجنبی مردوں سے بلا ضرورت بات چیت سے بھی منع کیا گیا ہے لیکن پس پردہ گفتگو ناگزیر ہو تو باوقار طرز گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی یعنی فطری نرمی ولطافت کے بجائے بالقصد ایسا کھرا انداز اختیار کیا جائے جس میں معروف طریقہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور وہ اخلاق کے منافی بھی نہ ہو، اس ہدایت کا مقصود یہ ہے کہ کمزور دل کا روگی جو نفس کے زیر اثر رہتا ہو اسکے دل ودماغ میں کوئی فاسد خیال جگہ نہ بنا سکے، ظاہر ہے گفتگو میں نزاکت ونرمی، لب ولہجہ کا اتار چڑھاؤ بسا اوقات غلط

فہمیوں اور بیجا جسارتوں کا دروازہ کھول سکتا ہے اس لئے معاشرہ میں فتنہ وفساد کا راستہ ہی اسلام نے بند کردیا ہے۔

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجہ میں بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدہ کے مطابق کلام کرو'' (الاحزاب: ۳۲)۔

ان ہدایات سے مقصود یہ ہے کہ انسان جنسی جذبات واحساسات کو تازہ کرنے والی اور ابھارنے والی چیزوں سے اپنا دامن بچائے، اس لئے قبل از بلوغ جنسی تعلیم کا اہتمام کیا جائے تو شدید خطرہ اس بات کا ہے کہ قبل از وقت بلوغ کے بعد ہونے والی تبدیلیوں سے واقفیت کی وجہ معصوم بچے بچیاں بے راہ روی کا شکار ہو جائیں ''**ما أدى إلى الحرام فهو حرام**'' (بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۷)، اسلامی قانون کی ایک اصل ''سد ذریعہ'' بھی ہے یعنی ان ذرائع پر بھی روک لگے جو انسان کو برائی کے راستہ پر لیجا سکتے ہیں، حق سبحانہ وتعالی نے زنا کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے: ''**ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا**'' (بنی اسرائیل: ۳۲)، اس ممانعت سے مقصود ان راستوں پر روک لگانا ہے جو فواحش ومنکرات کی طرف لیجانے کا باعث بن سکتے ہیں۔

اس لئے قبل از بلوغ جنسی تعلیم دینے کا اسلام حامی نہیں۔ البتہ اسلام کی وہ تعلیمات جو بنیادی ودینی کہلاتی ہیں ان سے قریب البلوغ بچوں کو ضرور واقف کروانا چاہئے جیسے: احتلام کہ جس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، حیض وغیرہ کے احکام سے خاص طور پر قریب البلوغ لڑکیوں کو آگاہی دینا تاکہ طہارت وجنابت وغیرہ کے مسائل سے وہ واقف ہوں اور اسکے مطابق عمل کرسکیں۔ اسلام چونکہ فواحش ومنکرات سے بچنے کی تلقین کرتا ہے ان ہدایات سے بھی ان کو روشناس کروانا چاہئے، قرآن پاک کی آیات: ''**إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فى الذين آمنوا لهم عذاب أليم فى الدنيا والآخرة والله يعلم وأنتم لا تعلمون**'' (النور: ۱۹)، ''**وينهى عن الفحشاء والمنكر**'' (النحل: ۹۰) جیسی آیات مبارکہ اور احادیث پاک ''**الحياء شعبة من الإيمان**'' (صحیح البخاری، ۱/ ۲۱، رقم ۹)۔

''**إذا لم تستح فاصنع ما شئت**'' (صحیح البخاری: ۱۱/ ۳۰۳، رقم: ۳۲۲۵)۔

''**إن لكل دين خلقا، وإن خلق الإسلام الحياء**'' (شعب الایمان: ۶/ ۱۳۵، رقم: ۷۷۱۲)۔

''**الحياء والايمان قرنا جميعا، فإذا رفع أحدهما رفع الآخر**'' (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۱/ ۲۸، رقم: ۳۱۰۱۰) وغیرہ کی روشنی میں ان کو سمجھانا چاہئے کہ وہ ہر طرح غلط روی سے اپنا دامن بچائیں، الغرض عمر کے ہر حصہ سے متعلق اسلام کے احکامات سے بچوں کو واقف کروانا چاہئے۔

قبل از وقت جنسی تعلیم مفاسد کے دروازے کھولتی ہے اس لئے جنسی تعلیم کا انتظام، صنفی وظائف کی تفصیلات سے آگہی مبنی برمصالح فطرت نہیں، یہ دراصل مغربی تہذیب کا تحفہ ہے، بے شرمی وبے حیائی کے فروغ کو جہاں اسلام سخت ناپسند کرتا ہے وہیں یہ امر مشرقی تہذیب اور انسانی تمدنی روایات کے بھی یکسر منافی ہے۔ اس طرح کا مغربی کلچر جو حیاسوز ہے جس سے انسانی اخلاق کی گراوٹ معاشرہ میں دیکھی جاتی ہے، یہ نہ صرف انسانوں کے لئے نقصان رساں ہے، بلکہ معاشرہ کی تباہی وبربادی میں بھی اسکا بڑا

نمایاں رول ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جو دن کے اجالے میں سر کی آنکھوں سے دیکھے جارہے ہیں، اسلئے جنس کی تعلیم اگر حکومت سرکاری درسگاہوں میں لازم کردے یا خانگی اداروں کو بھی اسکا پابند کرے تو ایسے اداروں میں اپنے بچے بچیوں کو شریک نہ کروائیں، بلکہ ایسے اداروں کا انتخاب کریں جو ان منکرات سے پاک ہوں۔ ایسے ادارے بھی عنقا ہوں یا پھر حکومت تمام سرکاری وغیر سرکاری اداروں پر اسکا لزوم عائد کردے تب آخری صورت یہی رہ جاتی ہے کہ حکومت سے مطالبہ کرکے مسلم بچے بچیوں کو اس کلاس میں حاضری سے استثنی کروالیا جائے اور یہ وضاحت بھی کردی جائے کہ مسلمان اپنے بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں تعلیم دیتے ہیں اور یہ بات بھی درست ہے کہ مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکے اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی و بے حیائی پر اخروی عذاب کے ساتھ ساتھ اسکے دنیوی نقصانات کو واضح کیا جائے۔

۱۳- تفریح اور ورزشی کھیل کود وغیرہ انسانی فطرت کا حصہ ہیں اس سے انسانی صحت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسلام اسکی حوصلہ افزائی کرتا ہے، عصری اسکولوں میں تفریحی طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلہ کرائے جاتے ہیں تو شرعی حدود کی پاسداری کے ساتھ اس میں حصہ لیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے طلبہ اور طالبات کا اختلاط جس طرح تعلیم گاہوں میں مزاج شریعت کے منافی ہے اسی طرح مذکورہ تفریحی وطبی سرگرمیوں میں بھی طلبہ وطالبات کا اختلاط غیر اسلامی ہے۔ نماز اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے، صدر اسلام میں بعض مصالح کی وجہ خواتین کو حجاب کی پابندی کے ساتھ جماعت میں شرکت کی اجازت حاصل تھی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اس پاکیزہ دور میں جو احوال دیکھے گئے اسکو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو جماعت کی حاضری سے نہ صرف مستثنی کردیا گیا، بلکہ جماعت کی شرکت سے زیادہ گھر میں خواتین کی نماز کو زیادہ فضیلت واجر والی قرار دیا گیا ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے یہاں تک فرمایا'' موجودہ احوال کو محمد رسول اللہ ﷺ محسوس فرمالیتے تو خواتین کو مساجد میں آنے سے منع فرمادیتے''، ''**إن عائشة زوج النبی ﷺ قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ما حدث النساء لمنعهن المسجد**'' (سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)، الغرض مخلوط تعلیمی نظام، مخلوط کھیل کود اور تفریحی وغیرہ امور میں طلبہ وطالبات کے اختلاط سے اسلامی وایمانی تقاضے متاثر ہوتے ہیں، اسلامی اعتقادات پر ضرب پڑتی ہے، اخلاق وعادات بگڑتے ہیں، طلبہ وطالبات کے لئے آزادانہ میل جول کا ماحول فراہم ہوتا ہے جو بے شرمی و بے حیائی کے راستہ پر ان کو ڈالنے کا موجب بنتا ہے گو کہ جائز حدود میں کھیل کود، سیر وتفریح وغیرہ کے فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ان امور کی انجام دہی اختلاط مرد وزن کی وجہ بڑے مفسدہ کا باعث ہے۔ اس لئے اسلامی شریعت کا قانون جلب منفعت سے زیادہ مفاسد کی روک تھام کو زیادہ اہم گردانتا ہے: ''**درأ المفاسد أولی من جلب المنافع، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا، لأن اعتبار الشرع المنهیات اشد من اعتنائه بالمامورات**'' (الاشباہ والنظائر: ۱۱۴)۔

چونکہ طلبہ وطالبات کا اختلاط مضرت رساں ہے گو یا یہ آگ و پٹرول کو ایک جگہ جمع کرنے کے مترادف ہے، اس لئے مذکورہ صدر سارے امور اسلامی نقطۂ نظر شرعا جائز نہیں ہوں گے ہاں! اگر کوئی مسلمان انتظامیہ اختلاط سے بچاتے ہوئے طلبہ کے لئے بالکل علحدہ اور طالبات کے لئے بالکل علحدہ مواقع واوقات کا لحاظ کر کے اسلامی حدود وقیود کا لحاظ رکھتے ہوئے ان تفریحی وطبی امور کو انجام دینا چاہتا ہو تو شرعا اسکی اجازت دیجا سکتی ہے۔

۱۴- ''ثقافتی پروگرام'' کے عنوان سے اسکولوں میں تقاریر، ڈرامے اور مکالمے کروائے جاتے ہوں تو ان میں دو امور ملحوظ رکھے جانے ضروری ہیں، ایک تو یہ کہ تقریری مواد اسلامی مزاج وفکر سے ہم آہنگ ہو، غیر اسلامی وغیر اخلاقی مواد سے پاک ہو، خاص طور پر ڈرامے اور مکالمے فرضی یا کسی کی تضحیک وتنقیص کی بنیادوں پر نہ ہوں چونکہ عام طور پر ڈرامے اور مکالمے بامقصد نہیں ہوتے اور بامقصد ہوتے بھی ہیں تو فرضی وجھوٹی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اسلئے اسکی جانچ ضروری ہے اس میں شرکت سے متعلق اسلامی احکام کا پاس ولحاظ ہر حال میں مقدم ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تقریری یا ڈرامے اور مکالمے کے پروگرام طلبہ وطالبات کے اختلاط کے ساتھ نہ ہوں، چونکہ عام طور پر طلبہ وطالبات کے درمیان یہ پروگرام مشترکہ طور پر منعقد کئے جاتے ہیں اس لئے طلبہ طالبات کے اشتراک کے بغیر علیحدہ طور پر اسکا انتظام ہو تو ایسے پروگراموں میں شرکت کی شرعا گنجائش ہے۔

۱۵- نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں جن میں جانوروں کی تصاویر اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوں تو نصاب تعلیم میں ان کی شمولیت شرعا درست نہیں ہوگی، نیز پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں کلاسوں میں رکھے جاتے ہیں تا کہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسموں کا مشاہدہ کر لیں۔ جدید طریقہ تعلیم میں اسکو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح کے مجسمے کلاسوں میں مہیا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ ذی روح کی تصاویر اور ان کے مجسمے بنانا یا ان کو گھروں میں آویزاں کرنا اسلام میں جائز نہیں، ان کی صنعت میں چونکہ تعاون علی الاثم ہے اور احادیث پاک میں اس پر سخت وعید وارد ہے اس لئے علماء کا عمومی رجحان اس کے ناجائز ہونے کا ہے۔ ان علماء کا استدلال ان احادیث پاک سے ہے۔

''**إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم**'' (البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ)، جولوگ یہ تصاویر بناتے ہیں یقیناً قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائیگا اور کہا جائے گا جن کو تم نے بنایا ہے اب انہیں زندہ کرو ''**إن أشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون**'' (صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب عذاب مصورین یوم القیامۃ) بے شک روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب مصوروں کو ہوگا۔ ''**من صور صورة في الدنيا كلف يوم القيامة أن ينفخ فيها الروح وليس بنافخ**'' (صحیح البخاری، کتاب اللباس من صور صورة کلف یوم القیامۃ) (جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی بروز حشر اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے، حالانکہ وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا)۔

ان کے رکھنے کی ممانعت حدیث پاک میں وارد ہے، آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے: ''جس گھر میں کتا اور تصاویر ہوں

وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے''،''لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة تماثيل'' (مسلم: کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان)۔

اسلام کی فطری حساسیت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ اہل اسلام میں شرکیات کی کوئی صورت راہ بنا سکے، احادیث پاک میں جو وعید وارد ہے وہ اسی نقطہ نظر سے ہے۔ اس لئے نمازی کے آگے یا دائیں بائیں عظمت واحترام کی جگہ میں تصاویر آویزاں ہوں تو نماز درست نہیں ہے،"ويكره أن يصلي وبين يديه أو فوق راسه أو على يمينه أوعلى يساره او في ثوبه تصاوير الخ،وأشدها كراهة أن تكون أمام المصلي" (الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۰۷)، البتہ فرش میں یا تحقیر کی جگہ میں ہوں تو اسکی ممانعت شدید نہیں بشرطیکہ وہ سجدہ کی جگہ نہ ہوں۔"(كره عكسه عند عدم العذر،ولبس ثوب فيه تماثيل)..ذي روح،وأن يكون فوق راسه أو بين يديه أو(بحذائه)يمنة أويسرة ،أومحل سجوده(تمثال)ولوفي وسادة منصوبة ،لامفروشة" (الدر المختار ۱/۶۴۸)۔

تاہم لڑکیوں کے کھیلنے کے گڑا گڑیا ذی روح جانوروں کے پتلے، کھلونے جن سے بچے کھیلتے ہیں ان کے بنانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ مصنوعات بچوں کے کھیل کے لئے بنائی جاتی ہیں اور بچوں کا ان کے ساتھ کھیلنے کا شرعاً جواز معلوم ہوتا ہے، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ گڑیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں، اوران کے ساتھ ان کی سہیلیاں بھی کھیل میں شریک رہا کرتی تھیں (بخاری: ۶۱۳۰/مسلم: ۲۴۴۰)، ابن جریر ہشام سے روایت کردہ اس حدیث کی نقل اس طرح کرتے ہیں'' میں بچیوں کی شکل کے بنے ہوئے کھلونوں سے کھیلتی تھی'' ابوعوانہ وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں'' اس حدیث پاک سے بچیوں کے کھیلنے کے لئے گڑیا اور کھلونے کی تصاویر اور اسکی شکل بنانے کا جواز معلوم ہوتا ہے'' وہ تصاویر جو کھلونوں کی قسم سے ہیں ایسی تصاویر کو گویا عام ممانعت سے خاص کیا گیا ہے، قاضی عیاضؒ نے اس موقف کی تائید کی ہے اور جمہور کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔ غزوۂ تبوک یا غزوۂ خیبر سے آپ ﷺ واپس لوٹے اور راوی کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے دروازہ پر لٹکا ہوا پردہ ہٹایا جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے لگایا تھا، اس روایت میں مزید یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں سے پردہ ہٹایا تو پوچھا عائشہ یہ کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ میری گڑیاں ہیں آپ ﷺ کو وہاں پر بندھا ہوا گھوڑا بھی نظر آیا جس کے دو پر تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا گھوڑے کی بھی پر ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے؟ یہ سن کر آپ ﷺ مسکرا دیئے (ابوداؤد: ۴۹۳۲)، ان روایات کے پیش نظر نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں جن میں جانوروں کی اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں شامل نصاب کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ اعضاء انسانی یا حیوانی میں صنفی اعضاء کی شمولیت نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے ڈیجیٹل تصاویر سے کام لیا جائے تو اسکے جواز میں کوئی کلام نہیں کیونکہ ڈیجیٹل تصاویر اصل تصاویر ہیں یا اسکا غیر پائیدار عکس اس میں

علماء کا اختلاف ہے۔اس لئے بعض محققین عام تصاویر کے مقابل ڈیجیٹل تصاویر کے جواز کے قائل ہیں، ابتدائی درجات کے بچوں کو جانوروں کے نام پڑھاتے ہوئے ان کے مجسمے بتائے جائیں تو یہ بھی جائز معلوم ہوتا ہے۔جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسموں یا انکی تصاویر کا مشاہدہ کرنے سے ان کے نام کے ساتھ ان کی پہچان ذہن نشین ہوتی ہے اس لئے جدید تحقیق کے مطابق اسکی افادیت کی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ان سے استفادہ کا جب جواز ثابت ہو گیا ہو تو ان کی خرید وفروخت اور کلاسوں میں ان کا مہیا کرنا بھی جائز ہوگا۔تاہم ان تصویروں ومجسموں کے آنکھ، ناک، منہ وغیرہ کو ہلکا سا مسخ کر دیا جائے کہ ان کے خدوخال اصلی ہیئت پر نہ رہیں تو یہ صورت زیادہ بہتر اور احوط معلوم ہوتی ہے،اور جو مقصد ان سے حاصل کیا جانا پیش نظر ہے ان شاءاللہ وہ بھی حاصل ہوگا۔

۱۶- عصری تعلیمی اداروں میں اگر طالبات کو بھی وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو طلبہ کے لئے ہوتے ہیں تو ان کے پڑھانے میں شرعاً کوئی قباحت اس وقت نہیں ہوگی، جبکہ وہ مضامین دونوں کو ایک ساتھ پڑھانے سے کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو۔اور وہ مضامین اگر طلبہ وطالبات ہر دو کے لئے مناسب وموزوں ہوں اور ان کی نصابی ضرورت کو پورا کرتے ہوں تو ان کی تعلیم ضرور دیجاسکتی ہے،البتہ طالبات کے لئے ان کی ضرورتوں سے متعلق تعلیم، جیسے: سلائی، کڑھائی، پکوان، امورخانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت وغیرہ کا مسلم انتظامیہ نے کوئی نظم نہ کیا ہو تو ان پر یہ انتظام شرعاً ضروری نہیں، کامیاب زندگی کے لئے طالبات کو ان امور میں ضرور مہارت حاصل کرنا چاہئے، لیکن اسکی ذمہ داری ان کے والدین کے سر پر رہے گی۔تاہم مسلم انتظامیہ اگر طالبات کی اس ضرورت کو بھی اہمیت دے اور اپنے ادارہ میں اسکا نظم وانتظام کرے تو یہ باعث استحباب ہوگا۔

۱۷- یہ بات بالکل مبنی برحقیقت ہے کہ ہر مسلمان دین کی بنیادی تعلیمات سے ضرور واقف ہو،سابقہ ادوار میں چھ یا سات سال کی عمر میں بچوں کو اسکول میں داخل کیا جاتا تھا اور ابتدائی درجات میں تعلیم کا بوجھ بھی کم ہوا کرتا تھا اس لئے گھر میں بچوں کی بنیادی تعلیم ہو جایا کرتی تھی اور ماں باپ بھی اتنی صلاحیت ضرور رکھتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو بنیادی تعلیم دیں۔چونکہ اس وقت مادیت کا غلبہ ہے اور مغربی نظام تعلیم نے مادیت کو اور ابھارا ہے جسکی وجہ اس اہم فریضہ سے مسلمان بھی غافل ہو گئے ہیں، یہ بھی امکان ہے کہ اس کی ضرورت واہمیت بھی دلوں سے رخصت ہو گئی ہو،اس پس منظر میں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اسلامی ماحول کے ساتھ عصری وتعلیمی ادارے قائم کریں اور ان میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔اس تناظر میں پہلا سوال یہ ہے کہ ایسے اسکولوں میں کس حد تک دینی تعلیم شرعاً ضروری ہے تاکہ طلبہ وطالبات دینی تعلیم حاصل کرلیں اور دوسرے مضامین کی تعلیم بھی متاثر نہ ہوں؟اس پس منظر میں ضروری ہے کہ بچوں کو اس قدر بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کر دیا جائے جس سے وہ بلوغ کے بعد اپنے اوپر عائد ہونے والے دینی احکام وفرائض کو بخوبی جان لیں اور اس پر عمل کریں، ایمان، اسلام، احسان، عبادات ومعاملات، حلال وحرام، اخلاق وعادات وغیرہ کو اسلامی احکامات کے مطابق بنائیں۔شرعی احکام کے مطابق مقصد زندگی کا تعین کر کے زندگی گزاریں، ایک سچے مسلمان اور اچھے انسان بن کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کریں۔اور جہنم کی

آگ سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو بچا سکیں۔ یہ فریضہ اگرچہ کہ بچوں کے ماں باپ پر عائد ہوتا ہے لیکن ان کی غفلت وعدم توجہی کی وجہ مسلم بچوں کی اسلامی خطوط پر نشو ونما ممکن نہیں رہی ہے، اس لئے مسلم تعلیمی ادارے اس اہم اور بنیادی ضرورت کو اہمیت دیں، روحانی مربی بن کر ماں باپ کی جگہ لیں تو یہ امر باعث اجر وثواب ہوگا۔ چونکہ خام پتھر کو تراش کر نگینہ بنانا جوہری کا کام ہے اس فن میں جس قدر وہ مہارت ظاہر کریگا اتنا ہی نگینہ قیمتی بنے گا۔ بچوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے اساتذہ وتعلیمی اداروں کو ایسی ہی کچھ ذمہ داری نبھانا چاہیئے، سابقہ ادوار میں جو نظام تعلیم رائج تھا اساتذہ ومعلمین کا اس میں نمایاں رول رہا ہے، اصل یہ ہے کہ اساتذہ دل دردمند وفکر ارجمند کے مالک ہوں تبھی اساتذہ اور اداروں کی محنتوں کا ثمر ملک وقوم کو ملتا ہے۔ ماں باپ چونکہ جسم کی پرورش کرتے ہیں اور اساتذہ روح کے مربی ہوتے ہیں اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو اپنے ان اشعار میں سمویا ہے :

اقدم استاذی علی نفس والدی   وان نالنی من والدی الفضل والشرف
فذاک مربی الروح والروح جوهر   وهذامربی الجسم والجسم کالصدف

(مجانی الادب فی حدائق العرب:۱/۲۱)

بچوں کی دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کے اس نظم میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ عصری درسگاہوں کے نصاب میں شامل ضروری مضامین متاثر نہ ہونے پائیں۔

۱۸- بالغ طلبہ اور بالغ طالبات کے لئے جنس مخالف میں سے ٹیچر مقرر کرنا اسلامی مزاج کے بالکل منافی ہے البتہ یہ اس وقت درست ہوسکتا ہے جب تک کہ لڑکے اور لڑکیاں صنفی شعور سے نا آشنا ہوں، ایسے نابالغ طلبہ وطالبات کے لئے مرد ٹیچرس بھی مقرر کئے جاسکتے ہیں اور خاتون ٹیچرس بھی۔ لیکن جب وہ قریب البلوغ ہوں تو کم از کم ان کی کلاس علیحدہ ہونے چاہیئے اور ان کے ٹیچرس بھی جنس مخالف سے مقرر نہیں کئے جانے چاہئے، خاص طور پر بالغ لڑکوں کی تعلیم کے لئے خاتون معلمات کا تقرر احتیاط کے خلاف ہوگا، تاہم اسکول کی مالی حالت اس قابل نہ ہو کہ وہ مناسب ومعقول مشاہرہ اساتذہ کو ادا کرسکے اس دشواری کے حل کے لئے اگر خاتون معلمات کا تقرر اس لئے کیا جاتا ہو کہ وہ کم تنخواہ پر مہیا ہوجاتی ہیں تو اس صورت میں شرعی احکامات کی روشنی میں احتیاط کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاتون معلمات کے تقرر کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۱۹- اسکول کی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی طرف سے وقتا فوقتا معائنہ کرنے والے آتے رہتے ہیں ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ کلاس روم کی وسعت، باتھ روم، بچوں کے لئے کھیل کود کی سہولتیں، یونیفارم، فیس کا ڈھانچہ اور اسکول کی طرف سے دیجانے والی دیگر سہولیات کا معائنہ کرکے حکومت کی طرف سے منظوری کو برقرار رکھیں یا منسوخ کرنے کی تجویز دیں۔ چونکہ بدقسمتی سے آج کل ہر میدان میں رشوت کا لین دین ایک معمول سا بن گیا ہے اس لئے یہ رشوت کے طالب ہوتے ہیں اور نہ دی جائے تو معمولی بہانوں سے منظوری کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کردیتے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا ایسی

صورت میں ان کو رشوت دیکر اسکول کو بچایا جاسکتا ہے؟ رشوت کی ممانعت قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے: ''**ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوابها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون**'' (البقرۃ:۱۸۸) (آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ اور نہ حاکموں تک اسکو پہونچاؤ کہ کوئی حصہ لوگوں کے مال سے تم ظلما کھا جاؤ جبکہ تم جانتے ہو)، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت پاک کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یہ حکم ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو، لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح صاحب حق کا حق غصب کر لے تو یہ ظلم ہے جو شرعا حرام ہے۔ اس باطل کارروائی سے متاثر ہو کر عدالت سے کیا گیا فیصلہ ظلم وحرام کو جائز وحلال نہیں کرسکتا (تفسیر ابن کثیر:۱/۵۲۱)، ''**من اخذ مال غير ہ لا على وجه اذن الشرع فقد اكله بالباطل**''، علامہ قرطبی آگے لکھتے ہیں: ''اگر کوئی رشوت دیکر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹی گواہیاں پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال میں تبدیل نہیں کرسکتا''، ''**فالحرام لا يصير حلالا لقضاء القاضي**'' (قرطبی:۲/۳۳۸)۔

یہ آیت پاک رشوت کی ممانعت میں صاف وصریح ہے، کیونکہ رشوت ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ حق دار اپنے حق سے محروم ہوتے ہیں اور عمومی حیثیت سے حقوق عامہ پر براہ راست اسکی ضرب پڑتی ہے۔

رشوت کی مذمت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے: ''**لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي**'' (سنن ابی داؤد: کتاب الاقضیۃ/باب کراہیۃ الرشوۃ، رقم: ۳۵۸۰)، ایک دوسری روایت میں ہے: ''رشوت لینے اور دینے والے دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے''، ''**الراشي والمرتشي في النار**'' (جامع الاحادیث: ۱۳/۱۶۰، رقم: ۱۲۸۱۷)، رشوت کے معنی یہ ہیں کہ'' کوئی اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے کسی ذی اختیار یا کارپرداز فرد کو کچھ دے'' (مجمع البحار) چونکہ حالات یکسر تبدیل ہوگئے ہیں، نت نئی ایجادات کی وجہ جہاں انسان ترقی کے منازل طے کررہا ہے وہیں رشوت کی نئی نئی شکلیں اس ترقی یافتہ دور کی دین ہیں۔ پہلے کبھی ناحق وباطل مطالبات منوانے کے لئے رشوت دی اور لی جاتی تھی لیکن ترقی یافتہ دور میں جائز مطالبات یا اپنا حق منوانے کے لئے بھی رشوت کا چلن عام ہو چکا ہے اور اب اس رشوت کی قباحت وشناعت کو ہلکا کرنے کے لئے بجائے رشوت کے ہدیہ، تحفہ اور نذرانہ کا خوبصورت نام دیدیا گیا ہے۔ لغت میں رشوت کے معنیٰ'' وہ نذرانہ جو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کسی کو پیش کیا جائے خواہ وہ مقصد جائز ہو کہ ناجائز'' اس لئے رشوت لینے اور دینے والے دونوں گناہ کے اس وقت مستحق ہوں گے، جبکہ دونوں کا مقصد ناحق اور باطل کی حمایت کرنا ہو یا کسی پر ظلم کرنا یا کرانا ہو یا کسی امر شرعی کی پامالی ہو مثلا: کوئی شخص جس کا کسی ایک شئی میں شرعا کوئی استحقاق نہ ہو لیکن وہ صاحب اختیار کو رشوت دیکر اپنے حق میں فیصلہ کرالے یا کسی شئی کا وہ مالک ہو اور اسکے ہاں بطور ثبوت حق ملکیت کے دستاویزات بھی ہوں اور وہ دستاویزات اس نے صاحب اختیار کو فراہم کردیئے ہوں تب بھی دوسرا کوئی فرد باطل پر ہوتے ہوئے ناحق کو حاصل کرنے

کے لئے صاحب اختیار کو رشوت دیکر اپنے حق میں فیصلہ کرالے۔

الختصر حق دار کو اسکے حق سے محروم کرنے کے لئے یا کسی ناحق شئ کو باطل طریقہ سے رشوت دیکر اپنی ملکیت نہ ہونے کے باوجود اپنے حق میں فیصلہ کرالینے کو حدیث پاک میں موجب لعنت عمل فرمایا گیا ہے، ایسی صورتوں میں رشوت لینے والا شخص بھی حدیث پاک کی رو سے مستحق لعنت ہے کیونکہ اس نے صاحب حق کو اسکا جائز حق دینے کے لئے یا درست اور حق فیصلہ اسکے حق میں کرنے کے لئے اس نے رشوت لی ہے۔ اسلامی احکام کی رو سے اس پر بغیر رشوت لئے درست وجائز فیصلہ دینا واجب ہے رشوت لینے کا کوئی جواز نہیں، البتہ ایک شخص کا حق ہے جو اسے ملنا چاہیئے لیکن عام چلن یہ ہے کہ رشوت دیئے بغیر کام نہیں بنتا یا اتنی دراز مدت بعد مسئلہ حل ہوتا ہے کہ جس میں صاحب حق کو غیر معمولی حالات سے دوچار ہونا پڑتا، مصیبت ومشقت جھیلنی پڑتی ہے، مسئلہ کے حل میں رشوت کے بغیر تاخیر کی وجہ ملنے والے حق کی افادیت ختم ہوجاتی ہے۔ ان جیسی صورتوں میں رشوت دینا ناگزیر ہو تو ان شاء اللہ دینے والا گنہگار نہیں ہوگا، چونکہ ناخوشگوار حالات میں رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے والا مجبور ہوتا ہے، عذر ومجبوری رشوت دینے والے کے لئے وجہ جواز بن سکتی ہے، ارشاد باری ہے:"**فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه**" (البقرۃ:۱۷۳)(پھر جو شخص سخت مجبور ہوجائے، نافرمانی کرنے والا یا حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں)، یہ حالت چونکہ اضطراری ہے اور اس صورت میں رشوت دینے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

آئین اسلامی کا ایک اصول یہ ہے: "**الضرورات تبیح المحذورات**"ضرورت حرام کو مباح بنا دیتی ہے،" **دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له لیس برشوۃ**"(شامی:۶/ ۴۲۳)، رشوت لینا اور دینا دونوں ہی قطعاً حرام ہیں لیکن موجودہ دور کا سماجی ڈھانچہ کچھ اس طرح تشکیل پاچکا ہے کہ رشوت کے بغیر جائز حق کا حاصل کرنا بھی دشوارتر ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں صاحب حق ہر جہت سے حق دار ہونے کے ثبوت کے باوجود اپنے حق سے محروم ہو رہا ہو اور رشوت دیکر اپنا حق حاصل کرسکتا ہو تو اس کو یہ رخصت حاصل ہے، لیکن رشوت لینے والے کے لئے جواز کی کوئی صورت نہیں "**ثم الرشوۃ اربعة اقسام : الثالث:أخذ المال لیسوی أمره عند السلطان دفعا للضرر، أوجلبا للنفع وھو حرام علی الآخذ فقط الخ**"(شامی:۸/ ۳۵)، اس تناظر میں رشوت دیکر اسکول کو بچایا جاسکتا ہو تو شرعاً اس کا جواز ہے۔

☆☆☆

اسلامی ماحول میں عصری درسگاہ کا قیام

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی☆

۱-اسلامی ماحول میں عصری درسگاہ کا قیام:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو زیادتی علم کی دعا کرنے کے لئے کہا''وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا''(اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار میرے علم کو بڑھادے)، اللہ تعالیٰ نے''عِلْمًا اسم نکرہ''فرمایا ہے، اور نکرہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی کوئی بھی علم، البتہ دوسری احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نفع بخش علم ہے، اس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے میرے پروردگار میرے نفع بخش علم کو بڑھادے، خواہ یہ نفع دنیاوی زندگی تک محدود ہو یا آخرت تک کام آنے والا ہو، سب کو شامل ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ جب علم کی دعا مانگتے تھے، تو مفید و نفع بخش علم کی دعا فرماتے؛ چنانچہ حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے تھے:

''اللهم علمني ما ينفعني وانفعني بما علمتني وزدني علما الحمد لله على كل حال وأعوذ بالله من حال النار''(مسند البز ار۱۶/ ۲۴۲، حدیث: ۹۴۱۴)۔

(اے اللہ جو کچھ تو نے مجھے علم دیا ہے، اس سے مجھے فائدہ پہونچا، اور مجھے نفع بخش علم عطا فرما، اور میرے علم میں اضافہ فرما، ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور جہنم کی حالت سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا ينفع"(صحیح ابن حبان، باب فی دعاء رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۸۲، المستدرک للحاکم، وقال: **هذا حديث صحيح الإسناد**، حدیث: ۱۷۹۳، ابن ماجہ، حدیث: ۳۸۴۳، وقال محمد فؤاد عبدالباقی فی التعلیق: فی الزوائد: إسنادہ صحیح، رجالہ ثقات)(اے اللہ میں تجھ سے علم نافع کا طالب ہوں، اور اے اللہ میں تیری پناہ میں ایسے علم سے آتا ہوں جو نفع بخش نہیں ہے)۔

غرضیکہ قرآن مجید میں جس علم میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا، وہ عام ہے، خواہ وہ عصری ہو یا دینی، اس اعتبار سے

☆ استاذ: جامعہ اسلامیہ کیرالا۔

جہاں خالص اسلامی علوم وفنون (قرآن، حدیث، کلام، فقہ) اوران علوم کے حصول کے ذرائع (زبان وادب، نحو وصرف اور بلاغت وغیرہ) زیادتی علم کی اس دعا میں داخل ہیں، وہیں عصری علوم وفنون (سائنس، انجینئرنگ، میڈیکل، جغرافیہ اور حساب وغیرہ) بھی داخل ہیں، بشرطیکہ وہ انسانی زندگی کے لئے مفید اور نفع بخش ہوں، اور جو علوم انسان کے لئے نفع بخش ہونے کے بجائے مضر ہوں، یا کم سے کم سودمند نہ ہوں، جیسے: جادو، ڈانس، گانا بجانا اور مخرّب اخلاق اشعار وغزلیں، تو وہ اس مطلوب علم کے دائرہ سے خارج ہیں، جن میں زیادتی کی دعا سکھائی گئی ہے۔

پس ایسے اسکول قائم کرنا فرض کفایہ ہے، جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائی جائیں۔ نیز درج ذیل اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور وہ یہ ہیں:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے: فرض کفایہ وہ علم ہے جس سے انسان اپنے دنیاوی امور کے قیام میں مستغنی نہیں ہوسکتا، جیسے: میڈیکل تعلیم، حساب اور صنعت کے اصول وفارمولے (۱) (احیاء علوم الدین ۱/۲۳، ط: دارالکتب، بیروت، ۱۴۲۳ھ)، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ فرض کفایہ علم ہر وہ علم ہے جس سے بے نیاز نہیں ہوا جاسکتا دنیا کے امور کی انجام دہی میں، جیسے: علم طب اور حساب)" فَهُوَ كُلُّ عِلْمٍ لَا يُسْتَغْنَى عَنْهُ فِي قِوَامِ أُمُورِ الدُّنْيَا كَالطِّبِّ وَالْحِسَابِ..." (ردالمحتار ۱/۴۲)۔ علامہ یوسف القرضاوی رقم طراز ہیں:

"ولیس العلم المطلوب محصور فی علم الدین وحده؛ بل کل علم نافع یحتاج إلیه المسلمون فی دنیاهم، فإن تعلمه فرض کفایة، کما قرر الغزالی والشاطبی وغیره من العلماء" (مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاِسلام، ص: ۱۰۹)۔

مطلوبہ علم صرف علم دین ہی نہیں ہے؛ بلکہ ہر وہ مفید اور نافع علم ہے جس کی ضرورت مسلمانوں کو اپنی دنیاوی زندگی میں پڑتی ہے، اس لئے اس کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ اور امام شاطبیؒ وغیرہ علماء نے بیان کیا ہے۔

۲- اسلامی اسکول کا نصاب تعلیم:

عصری مخالف نظریات اور جبکہ مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو نصاب تعلیم میں اسلام مخالف نظریات اور غیر شرعی افکار جیسے ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریۂ جنس، مشرکانہ عقائد اور انکار خدا وغیر کے نظریات، غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیو مالائی کہانیاں اور جھوٹے خداؤں کے جھوٹے قصے، شامل نصاب نہیں ہونگے، اور نہ ہی مخرّب اخلاق چیزیں پڑھائی جائیں گی؛ بلکہ ان چیزوں کی جگہیں پر ایسی چیزیں داخل نصاب کی جائیں گی اور ایسے مضامین پڑھائے جائیں گے، جن میں معرفت الٰہی، انسانیت، کرامت، شرافت، عدالت، صداقت، شجاعت، اخوت، حسن اخلاق، حسن معاشرت، انسانی ہمدردی، انسانی زندگی کے لئے مفید ونفع بخش اور شخصیت سازی کا تذکرہ ہو۔

اسلام مخالف مضامین پڑھانا اسکولوں کے لئے لازم ہو:

اگر خدانخواستہ مسلمانوں پر ایسا بُرا وقت آجائے کہ وہ اپنے زیر انتظام چلنے والے اسکولوں میں اسلام مخالف افکار ونظریات پر مبنی مضامین پڑھانے پر مجبور کئے جائیں، اور نصاب تعلیم میں ان کا شمول لازم ہوجائے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ:

اول: قانونی لڑائی لڑیں اور حق آزادی کا سہارا لیتے ہوئے کوشش کریں کہ انہیں لزوم سے مستثنی قرار دیا جائے؛ کیونکہ ہندوستان جمہوری ملک ہے، اور جمہوریت میں ہر قوم کو اپنے مذھبی تشخصات کے ساتھ جینے کا حق ہے۔

دوم: اگر قانونی چارہ جوئی میں کامیابی نہ مل سکے اور بادل نخواستہ غیر شرعی افکار والے مضامین پڑھانے پر مجبور ہوں، تو مسلم انتظامیہ کو چاہئے کہ اس طرح کے مضامین پڑھانے کے لئے ایسے مسلم اساتذہ کو رکھیں جو اسلام کی ترجمانی کرنے پر بھرپور قدرت رکھتے ہوں؛ تاکہ وہ ان مضامین کو پڑھاتے وقت اسلامی نقطہ نظر کو واضح کرسکیں اور طلبہ کو اسلام کا حکم بتاسکیں۔

۳- اسلام مخالف اسکولوں میں مسلم بچوں کو تعلیم دلانے کا حکم:

مذکورہ بالا مفاسد والے تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کے لئے اپنے بچوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ وہاں ان کا ایمان محفوظ نہیں رہے گا اور نہ ہی اچھے اخلاق سے آراستہ ہونگے، جبکہ ماں باپ پر بچوں کے ایمان کی حفاظت اور صحیح تعلیم وتربیت کا نظم کرنا فرض ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" (سورۂ تحریم:)۔

(ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں)۔

بچوں کو جہنم کے آگ سے بچانے اور ان کو برے اخلاق اور فحش مقامات اور بے حیائیوں سے دور رکھنے میں کوتاہیوں کے بارے میں آخرت میں گرفت ہوگی اور پرسش ہوگی، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے احساس ذمہ داری پر متنبہ فرمایا:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ، فَالإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ، وَالعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ" (صحیح البخاری، نکاح، باب قوله قوا أنفسكم وأهليكم نارا: ۲/۷۷۹، حدیث: ۵۱۸۸)۔

(تم میں سے ہر ایک نگراں ہے، اور ہر ایک سے سوال ہوگا، پس امام نگراں ہے، اس سے سوال ہوگا، مرد اپنی بیوی بچوں کا نگراں ہے، اور اس سے سوال ہوگا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے، اور اس سے سوال ہوگا، غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے، اور اس سے سوال ہوگا، پس تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے سوال ہوگا)۔

دوسری طرف صحیح تعلیم وتربیت پر اللہ تعالی کے یہاں بڑا اجر وثواب ہے؛ چنانچہ ایک حدیث شریف میں بچوں کی تربیت کو صدقۂ نافلہ سے افضل قرار دیا ہے، "عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ

مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ "(ترمذی، أبواب البر والصلة، باب فی أدب الولد ۲/۶۱، حدیث:۱۹۵۱)۔ایک دوسری حدیث شریف بچوں کی بہتر تربیت پر جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے،" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: " مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، - قَالَ: يَعْنِي الذُّكُورَ - أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ "(أبوداود، باب فی فضل من عال یتیما، حدیث:۵۱۴۶)۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اولاد اللہ تعالی کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے؛ لیکن ہر نعمت کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک منفی دوسرا مثبت، یعنی اس کی قدر شناسی اور صحیح استعمال صاحب نعمت کو اوج کمال تک پہونچا دیتا ہے، اور اس کی ناقدری اور اس کا غلط استعمال صاحب نعمت کو تحت الثری میں پہونچا دیتا ہے۔ گیا اولاد کی نعمت رحمت بھی ہے اور زحمت بھی، اگر ہم نے اولاد کی صحیح نگہداشت اور مناسب تعلیم وتربیت کی، اور ان دینی خطوط پر چڑھایا، تو وہ ہمارے لئے دنیا سے آخرت تک باعث رحمت ہیں، اور اگر ان کی تعلیم وتربیت میں کوتاہی کو راہ دی، تو وہ ہمارے لئے دنیا سے آخرت تک وبال جان ثابت ہوں گی، اسی لئے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا:" وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ "(الأنفال:۲۸)(جان لو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش کا ذریعہ اور یقیناً اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)۔

اگر مجبوری میں ایسے اسلام مخالف اداروں میں تعلیم کے لئے داخل کرنا پڑے تو بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے والدین پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جیسا کہ اوپر قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان آچکا ہے۔ پس والدین پر لازم ہے کہ خانگی طور پر بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کا نظم کریں، خواہ از خود یا باصلاحیت معلم کے ذریعہ جائزہ لیتے ہوئے اسلام مخالف نظریات کا جواب ان کے ذھن ودماغ میں بیٹھائیں، اسلام کے خلاف شکوک وشبہات کا ازالہ ان کے ذھنوں سے کریں اور ان کے ذھن ودماغ میں اسلامی اقدار اور شریعت اسلامیہ کا تقدس جمائیں، شرعی افکار وخیالات اور رجحانات سے ان کو روشناس کرائیں، اور عبادت کے ضروری مسائل سے آگاہ کریں۔ اگر والدین ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالی کے یہاں جوابدہ سے بچ جائیں گے، ورنہ جوابدہ ہونگے اور پکڑے جائیں گے؛ کیونکہ قوی اندیشہ ہے کہ بچے ارتداد کے دھانے پر پہنچ جائیں، جہاں سے پھر واپسی دشوار ہوجائے۔

ایسے ماں باپ کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ وہ اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں سنجیدہ ہوں، اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کریں۔ دیکھئے غور وفکر کا مقام ہے اگر کوئی ماں باپ کسی وجہ سے اپنی اولاد کو عصری تعلیم نہ دلاسکیں، تو کل قیامت کے دن اللہ تعالی ان سے نہیں پوچھیں گے کہ تم نے اپنی اولاد کو عصری تعلیم سے آراستہ کیوں نہیں کی تھی؟ لیکن دینی تعلیم اور ایمان کے بارے میں ضرور سوال ہوگا کہ تم نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلائی تھی یا نہیں؟ اس لئے کہ دینی تعلیم حاصل کرنا فرض عین ہے (فیض القدیر للمناوی ۴/ ۲۶۸)، اور عصری تعلیم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اور فرض عین علم کے حصول کا نظم کرنا والدین کے اوپر فرض وواجب ہے جیسا کہ اس سلسلہ کے دلائل وبراھین اوپر گذر چکے ہیں۔

۴-مخلوط تعلیم کے نقصانات اور شرعی حکم:

مخلوط تعلیم کے نقصانات کھلی ہوئی کتاب کی طرح عیاں ہیں، اللہ تعالی نے انسان کے اندر فطری طور پر حیا رکھی ہے، جانور اور انسان کے درمیان جہاں اور فرق ہیں، وہیں ایک فرق حیا کا ہے کہ انسان میں حیا ہوتی ہے اور جانور میں حیا نہیں ہوتی ہے، حیا ہی کی وجہ سے انسان لباس زیب تن کرتا ہے اور جانور بے لباس رہتا ہے، اور مخلوط تعلیم اس جوہر حیا کے لئے سم قاتل ہے، مخلوط تعلیم کی وجہ سے حیا کا پردہ چاک ہوجاتا ہے، یا کم از کم اس فطری حیا کے مادہ کو کمزور ضرور کر دیتی ہے۔

مخلوط تعلیم کی وجہ سے اخلاقی قدریں پست ہوتی ہیں، اور شیطان کا مقصد پورا ہوتا ہے، منکرات کو تقویت ملتی ہے؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مخلوط تعلیم برائی کی جڑ ہے۔

مخلوط تعلیم کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ لڑکیاں وقت سے پہلے بالغ ہوجاتی ہیں، اور جو نہیں نہیں کرنا چاہیئے وہ سب کر گذرتی ہیں، اور ظاہری رسوائی سے بچنے کے لئے مانع حمل دوائیں استعمال کرنے پر مجبور ہوتی ہیں؛ بلکہ یورپ اور یورپین تہذیب کے دلدادہ ممالک کے کالج ویونیورسٹیوں کے دروازے پر مانع حمل گولیاں ڈبے میں رکھی ہوتی ہیں، جنہیں نوجوان لڑکیاں بے محابا استعمال کرتی ہیں۔

مخلوط تعلیم کے نتیجہ میں بعض اوقات لڑکے اور لڑکیاں دماغی الجھن اور ذہنی ٹینشن میں مبتلا رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی تعلیم متاثر ہوتی ہے؛ کیونکہ تعلیم یکسوئی چاہتی ہے۔ نیز پڑھانے والے ٹیچر کو کلاس میں پڑھانے کے دوران بڑا خلل واقع ہوتا ہے۔

یہ اختلاط شادی کے بعد دونوں صنفوں کو جسمانی یکجائیت کی لذت، اُنسیت، سکون ذھنیت، طمانیت قلب، اور خوشگوار ازدواجی زندگی کی حلاوت ومیٹھاس سے محروم کر دیتا ہے، حسن معاشرت اور بات چیت کا لطف جاتا رہتا ہے، شریک حیات سے بے نیازی کی کیفیت بڑھتی ہے، اس کے برخلاف دونوں صنفوں کی باہم دوری دونوں کے اشتیاق کو بڑھاتی ہی نہیں ہے؛ بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کا مشتاق ومنتظر بنا کر رکھتی ہے، نیز دونوں کی محبت کو حقیقی محبت کا لطف عطا کرتی ہے۔

جہاں تک شرعی حکم کی بات ہے تو بالغ لڑکے اور لڑکیاں اور قریب بہ بلوغ دونوں صنفوں کے درمیان مخلوط تعلیم ناجائز وحرام ہے؛ کیونکہ:

۱-دونوں جنسوں یعنی مرد وعورت کا باہم اختلاط اور بے محابا گفتگو فتنہ کی جڑ اور بڑا سبب ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور مذہبِ اسلام میں فتنہ ناجائز وحرام ہے،" وَالْفِتْنَةُ حَرَامٌ"(بدائع الصنائع ۱/۲۶۱)، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ"(البقرة:۱۱)(زمین پر بگاڑ مت پھیلاؤ)،"وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ"(الأعراف:۷۴)(اور زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو)۔

۲-اسلام کا ایک خاص مزاج یہ ہے کہ عین گناہ وبرائی کو ناجائز قرار دینے پر اکتفا نہیں کرتا ہے؛ بلکہ ان ذرائع پر بھی

پابندی عائد کرتا ہے اوران کو ناجائز وحرام قرار دیتا ہے جو گناہ و برائی تک لے جاتے ہوں؛اسی لئے اسلام نے نگاہ کی حفاظت اور پست کرنے کا حکم دیا اور بدنگاہی سے روکا ہے،اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ . وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ "(النور:۳۰-۳۱)۔

(آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اوراپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں،یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے،بےشک اللہ کو اس کی سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اوراپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے،اوراپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اوراپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پراور یا اپنے باپ پر، اور یا اپنے بھائیوں پر،اور یا اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر،اور یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر،اور یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر،اور یا اپنی باندیوں پر،اور یا ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں،اورعورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہوجائے،اورتم سب اللہ کے سامنے توبہ کرواے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

آیات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے مردوعورت دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیتے ہوئے دونوں کو مزید حکم دیا کہ جب وہ راستہ چلیں تو اپنا سنگار ظاہر نہ کریں،اپنے دوپٹے سینوں پر ڈالے رہا کریں،اوراپنے پیرزمیں پر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہوجائے۔ایسا حکم اس لئے دیا کہ یہ چیزیں اصل گناہ (بدکاری) تک لے جانی والی ہیں؛ کیونکہ ان ہی راستوں سے شیطان دلوں میں داخل ہوتا ہے اور برائی پر اکسانا شروع کرتا ہے،اسی لئے اللہ تعالی نے نظروں کو نیچی رکھنے کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ اہل ایمان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے "ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ"(النور:۳۰)،اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے مقاصد میں سے ایک مقصد نگاہ کی پستی بیان فرمایا،یعنی نکاح کرنے سے نگاہ جھکتی ہے،اورانسان بدنگاہی سے محفوظ رہتا ہے؛چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے نوجوانوں کی جماعتو!تم میں سے جو عورت رکھنے کی طاقت رکھتا ہے تو اُسے نکاح کرنا چاہئے؛ کیونکہ یہ نظر کو جھکاتا ہے اورشرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے(صحیح البخاری،نکاح،باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم البائة الخ:۲/۷۵۸،مسلم،نکاح،باب لمن تاقت نفسہ رإلیہ:۱/۴۴۹)۔حضرت جریر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا،تو مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر کو پھیر لیا کروں (مسلم،اُدب،باب

نظر الفجأۃ ۲/ ۲۱۲، ترمذی، أبواب الأدب، باب فی نظر الفجأۃ ۲/ ۱۰۶)۔ اور حضرت بریدہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اچانک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا؛ کیونکہ پہلی نظر معاف ہے اور دوسری معاف نہیں ہے (ترمذی، أبواب الأدب، باب فی نظر الفجأۃ ۲/ ۱۰۶، أبوداؤد، نکاح باب مایؤ مر بہ من غض البصر ۱/ ۲۹۲)۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں فقہاء نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ناجائز وحرام کام تک پہنچنے کا جو ذریعہ بنے وہ بھی حرام "وَمَا أَدَّى إِلَى الْحَرَامِ فَهُوَ حَرَامٌ" (بدائع الصنائع ۱/ ۱۷۵)، اور مخلوط تعلیم حرام تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہے؛ لہٰذا مخلوط تعلیم ناجائز وحرام ہوگی " فلا يجوز للطالب ولا للطالبة هذا الاشتراك لما فيه من الفتن" (فتاوی إسلامیۃ لعبد العزیز بن عبداللہ بن باز وغیرہ ۲/ ۳۲۸)۔

۳- پیر کو زمین پر زور سے رکھنا جس سے آواز پیدا ہو، سینہ کھلا رکھنا اور چہرہ کھلا رکھنا، یہ سب بدکاری کی طرف لے جانے والے دور کے سبب ہیں، جن سے اسلام نے روکا ہے، اور ان کے مقابلہ میں اختلاط سبب قریب ہے، یہ بدرجہ اولی ممنوع وناجائز ہوگا؛ کیونکہ اس میں بعض اوقات دوستانہ کے طور پر مصافحہ کرنا پایا جاتا ہے، اور ہنسی مذاق میں ایک کے اعضاءِ جسم دوسرے کے اعضاء جسم سے مس ہوتے ہیں، اور مس شریعت میں حرام ہے؛ بلکہ شہوت سے چھونے سے حرمت مصاہرت قائم ہوجاتی ہے، " حَرُمَ أَيْضًا بِالصِّهْرِيَّةِ (أَصْلُ مَزْنِيَّتِهِ) أَرَادَ بِالزِّنَا فِي الْوَطْءِ الْحَرَامِ (وَ) أَصْلُ (مَمْسُوسَتِهِ بِشَهْوَةٍ) وَلَوْ لِشَعْرٍ عَلَى الرَّأْسِ بِحَائِلٍ لَا يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ" (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۰۷۴)، "فَلَا يَحِلُّ مَسُّ وَجْهِهَا وَكَفِّهَا وَإِنْ أَمِنَ الشَّهْوَةَ؛ لِأَنَّهُ أَغْلَظُ وَلِذَا تَثْبُتُ بِهِ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ وَهَذَا فِي الشَّابَّةِ" (الدر المختار مع رد المحتار ۹/ ۵۲۸)۔

۴- مخلوط تعلیم میں برائی کو اس وقت اور تقویت ملتی ہے جبکہ لڑکیاں نیم برہنہ، چست، باریک اور اسکرٹ وغیرہ مختلف نوع کے غیر اسلامی لباس زیب تن کر کے کلاس میں حاضر ہوتی ہوں؛ حالانکہ قرآن نے صاف لفظوں میں اجنبی مرد کے سامنے اس طرح کے لباس پہن کر ظاہر ہونے سے روکا ہے:

"وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى" (الأحزاب: ۳۳) (اور دکھائی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں)۔

"وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ الخ " (النور: ۳۰-۳۱)۔

(اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پر...)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اللہ ورسول اور آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایسا باریک کپڑے

پہننا کہ جسم کا رنگ جھلکتا ہو، یا موٹا کپڑا پہنے لیکن بالکل چست ہو، جس کی وجہ سے جسم کے خلقی ڈھانچے نمایاں نظر آتے ہوں (دیکھئے: بدائع الصنائع ۴/۲۹۷، کبیری ص ۲۱۴، البحر الرائق ۱/۲۶۵، فتح العزیز مع المجموع: ۹۷-۴/۹۶، فتح العلام ۲/۱۷۰، المغنی لابن قدامہ ۱/۷۳۳، شرح منح الجلیل ۱/۱۳۲)، جیسے پتلون، ہاف بنیائن، ٹی شرٹ، فل پینٹ، اور اب تو فیشن کے نام پر لڑکیوں کے لئے ایسا شرٹ آیا ہے کہ جسے پینٹ کے ساتھ پہننے میں پینٹ اور شرٹ کے درمیان کمر کا کچھ حصہ کھلا رہتا ہے، یہ گویا شیطان کا تیر ہے، جس سے نوجوانوں کا دل گنہگار کیا جاتا ہے، آج کل اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بہت سی طالبات اسی طرح کا لباس پہنتی ہیں--- حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں، ان میں سے ایک وہ عورتیں ہیں، جو کپڑا پہننے والیاں برہنہ ہیں، وہ جنت میں داخل نہیں ہونگی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی (مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات، حدیث: ۵۵۸۲، السنن الکبریٰ للبیہقی، الصلاۃ، باب الترغیب فی أن تکشف ثیابہا الخ ۲/۲۳)۔

۵- جو مذہب دونوں جنسوں کو نگاہیں ٹکراتے وقت نیچی کرنے کا حکم دے، بھلا وہ اختلاط کی اجازت کب دے سکتا ہے (ملاحظہ ہو: طالبات کی دینی وعصری تعلیم اور ان کی درسگاہیں از راقم الحروف، ص: ۶۴-۵۹)۔

۶- اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان اختلاط واقع نہ ہونے کا اہتمام عبادت تک میں کیا ہے؛ چنانچہ نماز میں صفوں کی ترتیب میں عورتوں کی صف کو مردوں سے پیچھے بلکہ بچوں کے بعد رکھا ہے، اور آپ ﷺ نے ترغیبًا وترہیبًا فرمایا: "خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا" (مسلم، باب صف النساء وکراہۃ التأخر عن الصّف، حدیث: ۱۳۲۲ (۴۴۰) (مردوں کی سب سے بہتر صف پہلی صف ہے اور سب سے بدتر صف آخری صف ہے، عورتوں کی سب سے بہتر صف آخر صف ہے اور سب سے بدتر صف پہلی صف ہے)۔

سوچنے کا مقام ہے کہ نماز جیسی عبادت جہاں مسلمان مرد وعورت شیطانی وسوسے سے دور ہوتے ہیں، وہاں بھی اختلاط کو روا نہیں رکھا اور نہ موقع دیا؛ بلکہ علیحدگی اور دوری کے اسباب کو اختیار کیا کہ عورتوں کی صف مردوں بلکہ بچوں سے پیچھے رکھا، اور مسجد سے نکلتے وقت عورتیں مسجد سے پہلے نکلیں گی اس کے بعد مرد نکلیں گے، اور ایک روایت کے مطابق عورتوں کے لئے مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے لئے ایک دروازہ مختص تھا "عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ تَرَكْنَا هَذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ، قَالَ نَافِعٌ: فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ ابْنُ عُمَرَ، حَتَّى مَاتَ" (ابوداؤد، حدیث: ۴۳۸)۔

معلوم ہے کہ لڑکے کے مقابلہ میں لڑکیوں میں جنسی شعور جلدی بیدار ہوتا ہے، اور وہ عمومًا لڑکوں سے پہلے بالغ ہوجاتی ہیں، محاسن ومفاتن نمایاں ہوجاتے ہیں، اب اگر وہ لڑکوں کے ساتھ ایک جگہ بیٹھیں، تو گویا وہ اپنے کو فتنہ کے جال میں ڈال رہی ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

واضح رہے کہ جنسی شعور بیدار ہونے سے پہلے پہلے بھی مخلوط تعلیم مضر ہے؛ کیونکہ بچہ (لڑکا لڑکی) سن تمیز (٦ سال) کو پہنچنے کے بعد جہاں وہ دیگر چیزوں کو اپنے اندر محفوظ کرتا ہے، اور ذھن وقلب کے آشیانے میں جگہ دیتا ہے، وہیں وہ طبعی رجحان کا بھی اسیر ہوتا ہے کہ اپنے اردگرد بیٹھنے اٹھنے والے دوست اور دوستن کو چاہتا ہے، اس کے ساتھ کھیلنے کودنے کی طرف مائل ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ایک مشترکہ زندگی گذارتا ہے، اس کا احساس اس وقت بڑی شدت سے ہوتا ہے جبکہ وہ اس مشترکہ زندگی سے فارغ ہوتا ہے کہ اس نے ایک محبوب دوست کو کھودیا، اور وہ ایک چاہنے والی ساتھی سے محروم ہوگیا، اب وہ اس سے تعلق جوڑنے اور اُس صداقت کو زندہ کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے جس کا بیج اس نے معصومیت کی عمر میں بویا تھا (دیکھئے: أضواء علی تربیۃ المرأۃ المسلمۃ للأستاذ محمد منیر الغضبان، مطبوعہ مع المرأۃ المسلمۃ، ص: ۱۰۳-۱۰۲)۔

کس عمر یا کس کلاس سے طلبہ وطالبات کی جماعتیں الگ کرنا ضروری ہے؟

اب جہاں تک یہ سوال کہ کس عمر یا کس کلاس سے طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہوگا؟ تو مذکورہ بالا تحریر کے پیش نظر سن تمیز/ ٦ سال سے پہلے پہلے مخلوط تعلیم کی گنجائش ہے، گویا ابتدائی دینیات اور زیادہ سے زیادہ تیسری کلاس تک مخلوط تعلیم چل سکتی ہے، اس کے بعد یعنی چوتھی کلاس سے طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہوگا، اور ابتدائی دینیات ہی سے دونوں کی تعلیم علیحدہ اور کلاس جدا ہونا بہتر ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

اگر یہ کہا جائے کہ مخلوط تعلیم تعلیمی نقطہ نظر سے مفید اور مادی اعتبار سے کم اخراجات کا باعث ہے؛ اس لئے یہ بہتر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت کے آئینہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مخلوط تعلیم کا نقصان بہت زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں فائدہ آٹے میں نمک کے برابر ہے، جیسا کہ اوپر بیان آچکا ہے، اور فقہی قاعدہ ہے کہ جب فائدہ اور نقصان دونوں کا اجتماع ہوجائے، دونوں برابر ہوں یا نقصان بڑھا ہوا ہو تو مفاد کے حصول پر دفع مفاسد کو مقدم کیا جاتا ہے **"درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح"** (الموافقات للشاطبی ٦/ ٤٤٦، التحبیر شرح التحریر ٥/ ٣٢٢٩، شرح القواعد الفقہیۃ للزرقاء، ص: ٦١٥۔ بعض فقہاء اصولیین نے مقدم کی جگہ اُولی کا لفظ نقل کیا ہے: **"درء المفاسد أولى من جلب المصالح"** (الموافقات للشاطبی ٥/ ٣٠٠، الأشباہ للسبکی: ٤٥٥، ١/ ١٠٥، الأشباہ للسیوطی، ص: ٨٧، الأشباہ لابن نجیم المصری ١/ ٩١) (مفاسد و بگاڑ کو دور کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے)، نیز علامہ شاطبیؒ نے اسی قاعدہ کو الفاظ میں معمولی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے: **"درء المفاسد آکد"** (الموافقات للشاطبی ٤/ ١٧٠) (یعنی نقصانات ومفاسد کو دور کرنا اور ان کا دفع کرنا زیادہ مؤکد ہے)۔

مزید واضح رہے کہ مخلوط تعلیم کے نقصانات روز افزوں بڑھتے ہوئے کو ترقی یافتہ ممالک نے محسوس کیا، یہاں تک کہ امریکہ جیسے ملک میں غیر مخلوط تعلیم کا رجحان اتنا بڑھا کہ ١٩٧٧ء کی رپورٹ کے مطابق صرف امریک میں تنہا لڑکیوں کے کالج اور یونیور

سٹیاں (۷۹) ہیں، اور مردنو جوانوں کے (۷۲) ہیں (أضواء علی تربیۃ المرأۃ،ص:۱۰۵)۔خود ہندوستان میں بھی سرکاری اور غیر سرکاری کتنے اسکول اور کالج ہیں جہاں صرف لڑکیاں ہی پڑھتی ہیں اور اسی تناسب سے صرف لڑکوں کے اسکول اور کالج بھی بہت سارے ہیں۔

نیز مقام غور وفکر ہے کہ اخلاقی مفاسد اور تعلیمی نقصانات کے مقابلہ میں مادی فائدہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے؛ کیونکہ مقصود تعلیم ہے، اور تعلیم کا بنیادی مقصد انسان کو انسان بنانا، کردار سازی، بلند اقدار اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا، انسانیت کو فروغ دینا اور اچھا شریف انسان اور بہتر شہری بنانا ہے۔

۵-جداگانہ نظام تعلیم کی صورتیں اور شرعی حکم:

اگر مذکورہ بالا صورتوں کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو کوئی بھی صورت شرعی قباحت سے خالی نہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے، ہاں البتہ یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ''أھون البلیتین'' کون سی صورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''أخف البلیتین''۔

پہلی صورت ہے۔ جہاں تک شرعی قباحتوں کی بات ہے تو حسب ذیل ہیں:

پہلی صورت: لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو، تو اس کی دو صورتیں ہونگی:

اول یہ کہ کیمپس یا گراؤنڈ ایک ہو تو کلاس کے اوقات کے علاوہ وقفے کے دوران، کلاس شروع ہونے سے پہلے اور چھوٹتے وقت باہم لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان راستہ چلتے، ہوٹلوں، کھیل کے میدان اور چائے خانوں میں باہم ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں اور آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یہ ساری وہ باتیں ہیں جو سراسر غیر شرعی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بلڈنگ الگ ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں کے کیمپس یا گراؤنڈ بھی الگ ہوں، دونوں کے داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے بھی الگ ہوں، تو ایسی صورت میں شرعی قباحتیں کم پائی جائیں گی؛ البتہ کلاس شروع ہونے سے پہلے اور چھٹی ہونے کے بعد بلکہ اگر لمبا وقفہ ہو تب بھی، دروازے سے باہر راستہ چلتے ہوٹلوں اور چائے خانوں میں ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، اور کیمرہ موبائل، نیٹ اور فیس بک کا زمانہ ہے، جس کی وجہ سے تصویروں کا تبادلہ آسان ہوگیا ہے، اس لئے آپس میں تصویروں کا تبادلہ خوب ہوتا ہے، ویڈیو کال پر باتیں بھی ہوتی ہیں، ہنسی مذاق ہوتا ہے، ایک دوسرے کے ادا، چہرہ کے حسن و جمال، خدوخال اور اتار چڑھاؤ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو غیر شرعی ہیں، سچ بات یہی ہے کہ قلب ونظر پر پہرہ داری اور پردہ نہ ہو تو ساری بندشیں ناکام اور کچھ بھی نہیں ہیں۔

دوسری صورت: مذکورہ بالا شرعی قباحتیں اس صورت میں بھی پائی جارہی ہیں، مزید برآں بلڈنگ ایک ہونے کی وجہ سے برائی کے مواقع بڑھ جائیں گے اور ملنے جلنے اور اختلاط کا موقع زیادہ ملے گا۔

تیسری صورت: مذکورہ بالا شرعی قباحتیں اس صورت میں بدرجہ اولی پائی جارہی ہیں، مزید برآں ایک کلاس روم ہونے کی

وجہ سے آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے اور گفت وشنید، پرچیوں کا تبادلہ، ہنسی مذاق اور آہستہ آہستہ بعض اوقات دیواروں میں سوراخ ہوجانا کوئی مستبعد نہیں، اور جب کلاس میں استاذ نہ ہوتو ایک شور برپا رہتا ہے، اور کلاس سے باہر نکل کر ملاقاتیں اور بات چیت، ایک دوسرے سے قریب ہونا، مصافحہ کرنا اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالکر ٹھہرے رہنا اور ٹہلنا ایک عام سی بات ہے۔

نیز تینوں صورتوں میں پڑھانے والا مرد استاذ ہو، تو مرد استاذ سے مواجہہ برابر رہتا ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات خود مرد ٹیچر کسی بچی سے محبت کا اسیر ہوجاتا ہے، یہیں تک بس نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بعض مرتبہ بچی کو لے کر فرار بھی ہوجاتا ہے، جیسا کہ آئے دن اخباروں میں نیوز آتی رہتی ہے۔

ہاں ایک صورت ہے جو شرعی قباحتوں سے پاک معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ بلڈنگ ہونے کے ساتھ دونوں کی بلڈنگوں میں اتنا فاصلہ ہو کہ بظاہر دونوں کی ملاقاتیں ناممکن ہوں، دونوں کے کیمپس یا گراؤنڈ الگ ہوں، لڑکیوں کا کیمپس یا گراؤنڈ دیواروں سے گھرا ہوا ہو، ان کا دروازہ الگ ہو، ان کے لئے کھانے پینے کے ہوٹل اور چائے خانے الگ ہوں، ان میں کام کرنے والے ملازم صرف عورتیں ہی ہوں۔ اور اگر ان کا ہاسٹل ہو، تو جہاں ان کی تعلیم گاہیں، رہائش گاہیں، کھیل کود کے میدان، گیٹ، غرضیکہ ان کی تمام چیزیں علیحدہ ہوں گی، وہیں ان کا ڈائننگ ہال بھی الگ ہوگا، اور بہرصورت پڑھانے والے مرد اساتذہ نہ ہوں بلکہ عورتیں ہوں، اور اگر مرد اساتذہ ہوں تو پڑھنے والی لڑکیاں مکمل طور پر شرعی لباس میں ملبوس رہیں گی۔

۶- بچے کی عمر کم کر کے لکھوانا:

عمر کا غلط اندراج کرنا اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ جھوٹ ہے، اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔

اسکول والوں کی طرف سے کلاس کے اعتبار سے عمر کی قید لگانا ناواجب شرط ہے؛ کیونکہ تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے اس لئے اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہونی چاہیئے، یہی اصل ہے؛ اس لئے سرپرست کے لئے گنجائش ہوگی کہ بچے کی عمر کم کر کے لکھوائے، ہاں اگر ایسا اسکول موجود ہو جہاں عمر کی قید نہ ہو تو وہاں بچے کا داخلہ کرائے، ایسی صورت میں اُن اسکولوں میں بچے کا داخلہ کرانے کے لئے جھوٹ بولنے اور جھوٹ حلف نامہ داخل کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی؛ کیونکہ حاجت کی وجہ سے گنجائش تھی، اور حاجت جب باقی نہیں رہی تو گنجائش بھی باقی نہیں، إذا فات الشرط فات المشروط یعنی جب شرط فوت ہوگئی تو مشروط یعنی حکم فوت ہوجائے گا۔

۷- اسلامی یونیفارم:

اسلام نے لباس کی بابت کچھ اصول متعین کردیئے ہیں، جن کے دائرہ میں لباس ہونا چاہیئے؛ لہذا درج ذیل سطور میں اصول لکھے جاتے ہیں جن کی روشنی میں اسلامی یونیفارم کی ہیئت اور خدوخال مقرر کیا جاسکتا ہے:

۱- مرد کے لئے قابل ستر حصہ ناف کے نیچے سے لے کر دونوں گھٹنوں سمیت تک ہے (۱) (بدائع الصنائع ۱/۲۷۸، الأصل للإمام محمد ۳/۶۰)، اتنے حصے کا ڈھکنا مرد کے لئے واجب ہے، خواہ وہ نماز کے اندر ہو یا نماز کے باہر (البنایۃ شرح الہدایۃ

للعینی ۲/۱۳۶، البحر الرائق ۱/ ۲۸۳)، یہاں تک کہ صحیح قول کے مطابق عام حالات میں تنہائی میں ہو تب بھی واجب ہے، ہاں اس حکم سے مقصد صحیح کی صورت مستثنی ہے " وَوُجُوبُهُ عَامٌّ وَلَوْ فِي الْخَلْوَةِ عَلَى الصَّحِيحِ إِلَّا لِغَرَضٍ صَحِيحٍ"(رد المحتار ۱/ ۴۰۴) واضح رہے مرد کا یہ ستر عورت مختلف احادیث سے ثابت ہے،"عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا زَوَّجَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ – عَبْدَهُ، أَوْ أَجِيرَهُ – فَلَا يَنْظُرْ إِلَى مَا دُونَ السُّرَّةِ، وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ"(أبوداود، باب قوله تعالى: وقل للمومنات، حدیث: ۴۱۱۴)،سنن دارقطنی (باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها، حدیث: ۸۸۷) میں اضافہ ہے:"فَإِنَّ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ مِنَ الْعَوْرَةِ"، نیز صحیح ابن حبان میں ہے: "عَنْ عُمَيْرِ بْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ: لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: أَرِنِي الْمَكَانَ الَّذِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُقَبِّلُهُ مِنْكَ، قَالَ: فَكَشَفَ عَنْ سُرَّتِهِ، فَقَبَّلَهَا، فَقَالَ: شَرِيكٌ: لَوْ كَانَتِ السُّرَّةُ مِنَ الْعَوْرَةِ مَا كَشَفَهَا"(صحیح ابن حبان، حدیث: ۵۵۹۳)۔امام دارقطنی نے اس سلسلہ کی ایک حدیث نقل کی ہے:"عَنْ أَبِي أَيُّوبَ ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَا فَوْقَ الرُّكْبَتَيْنِ مِنَ الْعَوْرَةِ , وَمَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ مِنَ الْعَوْرَةِ "(سنن الدارقطنی (باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها، حدیث:۸۹۰، السنن الکبری ۲/ ۳۲۴، حدیث: ۳۲۳۷)۔ گھٹنہ ستر عورت میں داخل ہے؛ چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھٹنہ ستر عورت میں سے ہے(سنن الدارقطنی ۱/ ۴۳۱، حدیث: ۸۸۹)؛ البتہ امام دارقطنیؒ نے کہا: اس حدیث کی سند میں ابوجنوب راوی ضعیف ہے۔امام زیلعیؒ نے اپنی کتاب نصب الرایہ(۴/ ۲۴۲) میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ گھٹنہ ستر عورت میں سے ہے، نیز گھٹنہ کا قابل ستر حصہ ہونے پر اوپر کی حدیثیں بھی دلالت کررہی ہیں۔

جہاں تک عورت کے ستر عورت کی بات ہے تو اُس کا ستر عورت مختلف قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت ہے، اور وہ یہ ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ"(النور:۳۱)(اور وہ اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں)۔

پردہ اور ستر کے حکم سے جسم کے وہ حصے مستثنی ہیں جو اگرچہ زینت کے حصے ضرور ہیں؛ لیکن ان کے چھپائے رکھنے میں عموماً سخت حرج وزحمت ہے، مثلاً چہرہ، ہتھیلیاں اور پیر؛ چنانچہ سورہ نور کی اس آیت:"إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا"(النور:۳۱)(مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے) کی تفسیر خود حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں آئی ہے (۱)(أحکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۱۵)، نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، جس میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے ساتھ دونوں قدموں کا بھی اضافہ ہے(روح المعانی للآلوسی ۱۸/ ۱۴۰)، اسی بناء پر احناف کے یہاں اصح قول پر قدمین ستر عورت میں داخل نہیں ہیں (ہدایہ ۱/ ۹۳، فتح القدیر ۲/ ۲۵۹، فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۲۹)۔

نیز درج ذیل آیت پر غور کیا جائے ، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا

فُرُوجَهُمْ"(النور:۳۰)(آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں)، یہ حصے یعنی چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم پردہ اور ستر کے حکم میں داخل نہیں ہونگے تب ہی تو نگاہ نیچی کرنے کا حکم دیا جا سکتا ہے، ورنہ اگر پردہ وستر میں داخل ہوں تو وہ چھپے رہیں گے، اور مردوں کو نگاہ نیچی کرنے کا حکم دینا بے معنی سی بات ہوگی (دیکھئے: کتاب الأصل للإمام محمد ۳/۵۷)۔

روایت میں آتا ہے کہ جب سورہ احزاب کی یہ آیت:"يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ"(الأحزاب:۵۹) نازل ہوئی، تو انصار صحابہؓ کی عورتیں اپنے سروں پر چادروں کے کنارے ڈال کر نکلیں (جامع الأصول ۱۰/۶۴۵)۔معلوم ہوا کہ اگر وہ نقاب پوش ہوتیں، تو ان سے نظروں کو نیچی کرنے کا حکم مردوں کے لئے نازل نہ ہوتا (المرأۃ وزینتہا،ص:۸۰)۔

حجۃ الوداع کے موقع سے قبیلہ خثعم کی ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت فضل بن عباسؓ آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے، وہ اس خاتون کی طرف دیکھنے لگے، اور خاتون بھی ان کی طرف دیکھنے لگی، حضرت نبی کریم ﷺ حضرت فضلؓ کے چہرہ کو دوسری طرف پھیرنے لگے؛ لیکن اس خاتون کو چہرہ پر کپڑا لٹکانے کا حکم نہیں فرمایا (بخاری، أبواب العمرۃ، باب حج المرأۃ عن الرجل ۱/۲۵۰)؛ حالانکہ حجۃ الوداع ہی کے موقع کی بات ہے کہ ازواج مطہرات کے سامنے غیر محرم مرد آجاتے تھے تو اپنے چہرے کو چھپا لیتیں (أبوداؤد، باب فی المحرمۃ تغطی وجہہا ۱/۲۵۴)، نیز اسی موقع سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مُحرم عورت نقاب نہ لگائے اور نہ دستانے پہنے (بخاری، أبواب العمرۃ، باب ما ینہی من الطیب للمحرم والمحرمۃ ۱/۲۴۸)، اگر چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں داخل ہوتے تو آپ ﷺ ان اعضاء کو ڈھکنے کا حکم فرماتے۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ چہرہ، ہتھیلیاں اور دونوں قدم ستر میں داخل نہیں ہیں؛ البتہ چونکہ چہرہ حسن وجمال کا مرکز ہے، اس لئے اس میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے، جس کی وجہ سے فقہاء نے چہرہ کو ڈھکنے کا حکم دیا ہے: "(وَتُمْنَعُ) الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ (مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ رِجَالٍ) لَا لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ (لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ) (قَوْلُهُ وَتُمْنَعُ الْمَرْأَةُ إلَخْ) أَيْ تُنْهَى عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَوْرَةً (قَوْلُهُ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ) أَيْ الْفُجُورِ بِهَا قَامُوسٌ أَوْ الشَّهْوَةِ .وَالْمَعْنَى تُمْنَعُ مِنْ الْكَشْفِ لِخَوْفِ أَنْ يَرَى الرِّجَالُ وَجْهَهَا فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ لِأَنَّهُ مَعَ الْكَشْفِ قَدْ يَقَعُ النَّظَرُ إلَيْهَا بِشَهْوَةٍ"(الدر المختار ورد المحتار ۲/۷۹)؛ لہٰذا جہاں ہتھیلیاں کھلے رہنے پر فتنہ کا اندیشہ ہو تو دستانے پہننا طالبات اور دیگر عورتوں پر لازم ہوگا۔اسی طرح اگر قدمین کھلے رہنے پر بھی فتنہ کا اندیشہ ہو تو موزے پہننا جوان لڑکیوں اور عورتوں پر لازم ہوگا۔

پس بالغ اور قریب بہ بلوغ لڑکے کے لئے عام لباس اور اسکول کے ڈریس یا یونیفارم کا ناف کے نیچے سے گھٹنوں سمیت تک ساتر ہونا ضروری ہے، اسی طرح بالغ اور قریب بہ بلوغ لڑکیوں کے لئے ستر عورت کے طور پر چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم کو چھوڑ کر سر سے پاؤں تک عام لباس اور یونیفارم کا ساتر ہونا ضروری ہے، اور فتنہ کے اندیشہ کے وقت چہرہ کو ڈھکنا ضروری ہوگا، اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت خاص طور پر ملاحظہ ہو، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھاتے تھے، تو آپ ﷺ کے ساتھ مومن

عورتیں نماز میں شریک ہوتی تھیں اس حال میں کہ وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو واپس ہوتی تھیں تو (راستہ میں) انہیں کوئی پہچان نہیں پاتا (صحیح البخاری، صلاۃ، باب فی کم تصلی المرأۃ من الثیاب ۱/ ۵۴)۔

۲-لباس یا یونیفارم ڈھیلا ڈھالا ہو، اتنا چست اور جسم سے چپکا نہ ہو کہ جس سے قابل ستر اعضاء کی ساخت نمایاں ہوجائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسی عورتیں جو کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہیں، دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہیں اور خود بھی مائل ہونے والی ہیں، ان کے سراونٹ کے کوہان کی طرح جھکے ہوئے ہیں، یہ جنت میں داخل نہ ہونگی (مسلم, باب النسائا لکاسیات العاریات المائلات الممیلات ۲ / ۲۰۴، حدیث: ۵۵۸۲، السنن الکبری ۲/ ۳۳۱)۔

عورتوں کے بارے حدیث واضح ہے، مردوں کے بارے میں گو واضح نہیں ہے؛ لیکن حدیث کی دلالت مرد کے حق میں بھی ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ لباس کی ممانعت عورت کے حق میں عبارۃ النص سے ثابت ہے، اور مرد کے حق میں دلالۃ النص سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ چست لباس جب مرد زیب تن کرتا ہے، وہ بھی شرٹ، یا قمیص، یا ٹی شرٹ وغیرہ کمر تک ہی ہو تو شیطان عورتوں کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے، خاص طور پر نوجوان لڑکیاں ایسے لڑکوں کو بار بار دیکھتی رہتی ہیں اور بسا اوقات بڑی گہرائی سے مطالعہ میں محو ہو جاتی ہیں، جس طرح جب چست لباس پہنکر نوجوان لڑکیاں سڑکوں پر چلتی ہیں تو مردوں کے دلوں کو گنہگار کرتی ہیں۔

۳-جسم پر جو بھی کپڑا ہو، ضروری ہے کہ وہ اتنا دبیز ہو کہ جسم کے قابل ستر حصے کا رنگ نظر نہ آئے، گویا اتنا باریک نہ ہونا چاہیئے کہ جسم کا حسن و جمال جھلکنے لگے،" وَإِنْ كَانَ رَقِيقًا يَصِفُ مَا تَحْتَهُ لَا يَحْصُلُ بِهِ سَتْرُ الْعَوْرَةِ" (المبسوط للسرخسی ۱/ ۳۴)، اور شر پسند عناصر کو گناہ بے لذت سے استمتاع کا موقع فراہم ہو اور کہیں فتنہ کا پیش خیمہ نہ بن جائے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (اور دکھلاتی نہ پھرو) (احزاب: ۳۳)، نیز اس سلسلہ کے احادیث کئی ہیں، اور وہ یہ ہیں:

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دن حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں اس حالت میں آئیں کہ جسم پر باریک کپڑے تھے، تو آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، اور فرمایا: اے اسماء! عورت جب بالغ ہوجائے تو یہ درست نہیں ہے کہ جسم کا کوئی عضو دیکھا جائے سوائے اس کے (اُبوداؤد، لباس ۲/ ۵۶۷)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حجرے والیوں کو جگادو؛ کیونکہ بہت سی عورتیں جو دنیا میں (باریک) کپڑے پہننے والی ہیں وہ آخرت میں برہنہ شمار ہونگی (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم والعظمتہ باللیل ۱/ ۲۲)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں، ان میں سے ایک وہ عورتیں ہیں جو کپڑا پہننے والی برہنہ ہیں، وہ جنت میں داخل نہیں ہونگی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی (مسلم، باب النسائا لکاسیات العاریات المائلات الممیلات ۲/ ۲۰۴، حدیث: ۵۵۸۲، السنن الکبری ۲/ ۳۳۱)۔

یہاں پر بھی گو عورتوں کی صراحت ہے لیکن مردوں کے قابل ستر حصے کے بارے میں یہی حکم ہے جو دلالۃ النص سے ثابت ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت اوپر آ چکی ہے۔

۴- بالغ اور قریب بہ بلوغ لڑکیوں کا لباس و یونیفارم مردانہ جیسا نہ ہو، اسی طرح بالغ اور قریب بہ بلوغ لڑکوں کا لباس و پوشاک اور یونیفارم زنانہ جیسا نہ ہو؛ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے (صحیح البخاری اللباس، باب المتشبہین من الرجال بالنساء والمتشبہات من النساء بالرجال ۲/ ۸۷۴)، اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں جیسا لباس پہنے (ابوداؤ، اللباس، باب فی لباس النساء ۲/ ۵۶۶)۔

۵- بالغ اور قریب بہ بلوغ لڑکیاں جب باہر نکلیں یا اسکول و مدرسے کو جائیں تو اُن کا لباس و پوشاک، یونیفارم اور برقع بھڑکدار پُرکشش نہ ہو کہ نگاہوں کو خیرہ کردے اور دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتا ہی چلا جائے؛ بلکہ سادہ اور پروقار ہو؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى" (الأحزاب: ۳۳) (اور دکھائی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں)۔

ظاہر ہے کہ آیت کا منشا یہ ہے کہ عورت ایسی غیر شرعی ہیئت میں باہر نہ نکلے، جس سے فتنہ برپا ہو اور خواہ مخواہ مردوں کے دل گنہگار ہوں اور ان کی بدنگاہی اور ہوس پرستی کے لئے مہمیز کا کام کرے، اور مذکورہ بالا صفت کے حامل لباس و یونیفارم اور برقع سے بھی یہ مفاسد رونما ہوتے ہیں، ان ہی مفاسد کے دروازے کو بند کرنے کے لئے جہاں آیت بالا میں غیر شرعی لباس و ہیئت پر پابندی عائد کی گئی ہے، وہیں دوسری آیت میں بجنے والے زیور اور پیروں کو زمین پر زور سے مارتے ہوئے چلنے سے عورتوں کو روکا گیا ہے؛ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: (اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے) (نور: ۳۱)، مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور فتنہ کو دعوت دینا ہے۔

۶- مرد بچہ کا ڈریس و یونیفارم ریشم کا نہ ہو؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا اور ریشم امت کی خواتین کے لئے حلال ہیں اور مردوں کے لئے حرام (بخاری ۲/ ۸۶۸، ابوداؤد ۲/ ۵۶۱، ابن ماجہ ۲/ ۲۵۶)۔

۷- اسی طرح مرد بچہ کا یونیفارم جیسا بھی ہو، ٹخنے سے نیچے نہ ہو؛ بلکہ ٹخنے سے اوپر ہو، زیادہ سے زیادہ ٹخنے تک یا اس کے برابر تک کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ازار کا جو حصہ دونوں ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے (صحیح البخاری، باب ما أسفل من الکعبین، حدیث: ۵۷۸۷، نسائی، ماتحت الکعبین من الإزار، حدیث: ۵۳۳۱، ابن ماجہ، حدیث: ۳۵۷۳)، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے ازار کو نصف پنڈلی تک اٹھاؤ، اگر وہاں تک اٹھانا نہ چاہو تو دونوں ٹخنے تک، اور ازار کو نیچے کرنے سے بچو (أبوداؤد، باب في إسبال الإزار، حدیث: ۴۰۸۴)۔

پس مذکورہ بالا اصولی گفتگو اور تصریحات کی روشنی میں اسلامی یونیفارم کی ہیئت متعین کی جاسکتی ہے؛ چنانچہ یونیفارم کا کپڑا دبیز ہو، اتنا باریک نہ ہو کہ جسم کا رنگ نظر آئے، ڈھیلا ڈھالا ہو، چست نہ ہو کہ جسم کے خِلقی ڈھانچے نمایاں ہوجائیں، ساتر ہو، یعنی مرد بچہ کا یونیفارم کم سے کم ایسا ہو کہ ناف کے نیچے سے گھٹنوں سمیت ڈھک جائے، اور نیچے زیادہ سے زیادہ ٹخنے تک ہو، لڑکیوں کے لئے مختص لباس سے مشابہ نہ ہو، ریشمی کپڑے نہ ہو، اور نہ ہی ایسا رنگ ہو جو کسی دوسری قوم کا مذہبی شعار و پہچان ہو۔

اسلامی لباس کے عادی بنانے کی غرض سے سن تمیز کے بعد لڑکیوں کا یونیفارم ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ بالغ اور قریب بہ بلوغ لڑکیوں کا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صفات کے ساتھ مزید چہرہ، ہتھیلیاں اور قدمین کو چھوڑ کر سر سے پاؤں تک ساتر ہو، مردانہ لباس نہ ہو، اور نہ ہی بھڑکدار پُرکشش ہو۔

جہاں تک چہرہ کو چھپانے کی بات ہے تو فتنہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ بالغ اور مراھقہ بچیاں یونیفارم کے اوپر سے برقع ڈال لیں اور چہرے کو نوز پیس سے چھپالیں، اور اگر برقع ہی یونیفارم میں داخل ہو تو اور بھی اچھی بات ہے؛ البتہ اپنے چہرے کو دوپٹے یا نوز پیس سے چھپانے کا اہتمام کریں؛ تاکہ متوقع فتنہ سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ رہا شریعت کے مطابق یونیفارم، جو مسلم انتظامیہ کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں میں نافذ ہونا چاہئے، اور اسی کے مطابق اسلامی اسکولوں میں یونیفارم ہونا چاہئے۔

غیر شرعی یونیفارم اور مسلمان:

ہونا تو چاہئے کہ ایسے اسکولوں میں مسلم طلبہ وطالبات داخلہ نہ لیں، اور اولیاء کو بھی چاہئے کہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخلہ نہ دلائیں، ایسے اسکولوں کا انتخاب کریں جہاں غیر اسلامی یونیفارم پر اصرار نہ ہو؛ تاکہ وہ اپنے بچے اور بچیوں کو اسلامی ڈریس میں بھیج سکیں؛ تاہم اگر ایسے اسکول بھی موجود نہ ہوں، تو اولاً اسلام کے مطابق یونیفارم استعمال کرنے کی اجازت اسکول کے انتظامیہ سے حاصل کرنے کی کوشش کریں، اگر اجازت نہ مل سکے، تو اپنے بچوں کو وہاں سے نکال لیں، اور اسلامی اسکول جہاں ہاسٹل کا نظم ہو وہاں داخل کرادیں، اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو، تو بدرجہ مجبوری غیر اسلامی یونیفارم والے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے دیں؛ کیونکہ تعلیم ایک حاجت ہے، جس کے بغیر زندگی دشواریوں کے ساتھ گذرے گی، اور حاجت کی وجہ سے بعض غیر شرعی امور کی گنجائش ہوتی ہے، نیز ایسے امور کا سیکھنا فرض عین میں داخل ہے جن کے بغیر زندگی کی گاڑی نہ چل سکتی ہو "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ بِقَدْرِ الشَّرَائِعِ وَمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِأَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ مِنْ أَحْكَامِ الْوُضُوءِ وَالصَّلَاةِ وَسَائِرِ الشَّرَائِعِ وَلِأُمُورِ مَعَاشِهِ وَمَا وَرَاءَ ذَلِكَ لَيْسَ بِفَرْضٍ فَإِنْ تَعَلَّمَهَا فَهُوَ أَفْضَلُ وَإِنْ تَرَكَهَا فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ" (الفتاوی الہندیہ ۵/۳۷۷)؛ البتہ اسلامی اسکول یا اس سے ہم آہنگ یا جہاں غیر اسلامی لباس و یونیفارم کی سختی نہ ہو، کی تلاش جاری رہے، اور دل سے غیر اسلامی اسکول میں حصول تعلیم کو ناپسند کریں، اللہ تعالی سے اسلامی اقدار کی بقا کی دعا کریں اور ساتھ ہی اپنے علاقے میں ایسے

اسکولوں کے قیام کے لئے کوشاں رہیں، جو اسلامی ہوں یا کم از کم غیر اسلامی امور پر اصرار نہ ہو اور غیر اسلامی امور کو اختیار کرنا لازم نہ ہو۔

۸-اسکول فیس کا شرعی حکم اور اس کی بڑھتی ہوئی مقدار اور اسلام:

حقیقت تو یہی ہے کہ تعلیم کو خدمت خلق سمجھنا چاہئے اور ابتدا سے انتہا تک تعلیم مفت ہونی چاہئے، مسلم دور حکومت میں تعلیم اور علاج کا مکمل طور پر مفت نظم ہوا کرتا تھا، آج دونوں ہی تجارت بن چکے ہیں، اور مال کمانے کے بڑے ذرائع سمجھے جاتے ہیں، انسانیت کی رو سے یہ بڑا ہی افسوسناک پہلو ہے۔

جہاں تک فقہی نقطہ نظر سے حکم شرعی کی بات ہے تو تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے، حتی کہ دینی تعلیم پر اجرت لینا بھی درست ہے، تقریباً تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۴/۱۹۱، ردالمحتار ۳/ ۶۱۴، ۱/ ۲۶۵، وقف ۶/ ۶۵، البحر الرائق ۸/ ۲۲، شرح الخرشی ۱/ ۶۳۳، حاشیۃ الدسوقی ۲/ ۶۱، فتح العلی الملک ۲/ ۹۲۲، مغنی المحتاج ۲/ ۳۴۴، المہذب ۱/ ۵۹، روضۃ الطالبین ۵/ ۱۸۸، المغنی لابن قدامۃ ۲/ ۷۰، المغنی مع الشرح الکبیر ۶/ ۱۴۳، کشاف القناع: ۴/ ۱۲، الموافقات للشاطبی ۲/ ۳۱۳)۔

دینی تعلیم پر اجرت کے جواز کی وجہ دین کا ضیاع، جو ایک بڑا مفسدہ ہے، اور فقہی قاعدہ ہے: "إِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا" (الأشباه والنظائر لابن نجیم المصری ۱/۹۰)، "درء المفاسد مقدم" (الموافقات للشاطبی ۳/ ۴۶۵)، " درء المفاسد آكد " (حوالہ سابق ۴/ ۱۷۰)، اور یہ مفسدہ مسلمانوں کے سیاسی زوال، فساد زمانہ اور اخلاقی انحطاط کی وجہ سے پیدا ہوا، اور اِن چیزوں کی وجہ سے بعض احکام بدلتے ہیں،" إِنَّ الْأَحْكَامَ تَتَغَيَّرُ بِتَغَيُّرِ الزَّمَانِ" (البحر المحیط فی أصول الفقہ ۱/ ۲۲۰)، " تَغَيَّرُ الْحُكْمِ بِتَغَيُّرِ الْعُرْفِ الزَّمَانِيِّ" (الفروق للقرافی: ۳/ ۶۰)، "اخْتِلَافُهَا بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَاخْتِلَافِ أَحْوَالِهِمْ" (التقریر والتحبیر ۳/ ۱۹۹)، " لَا يُنكر تغير الْأَحْكَام" (الاجتهادية) بِتَغَيُّر الْأَزْمَان، أَى بِتَغَيُّر عرف أَهلهَا وعادتهم" (شرح القواعد الفقہیۃ للزرقاء، ص: ۱۴۹، ۲۲۷، الوجیز فی إیضاح قواعد الفقہ الکلیۃ للدکتور محمد صدقی الغزنی ۱/ ۳۱۱)" فكثير من الأحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف أهله، ولحدوث ضرورة أو فساد أهل الزمان بحيث لو بقى الحكم على ما كان عليه أولاً، للزم منه المشقة والضرر بالناس، ولخالف قواعد الشريعة المبنية على التخفيف والتيسير ورفع الضرر والفساد لبقاء العالم على أتم نظام وأحسن أحكام، ولهذا نرى مشائخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد فى مواضع كثيرة بناها على ما كان فى زمنه لعلمهم بأنه لو كان فى زمنهم لقال بما قالوا به أخذاً من قواعد مذهبه" (الوصف المناسب لشرع الحکم لأحمد بن محمود بن عبدالوہاب الشنقیطی، ص: ۳۳۵)۔

قابل غور وفکر امر ہے کہ دینی تعلیم جس کا پڑھنا پڑھانا ایک عبادت ہے، اس پر اجرت لینا دینا دونوں جائز ہے تو عصری تعلیم پر اجرت لینا یعنی فیس لینا بدرجہ اولی جائز ہوگا، جبکہ یہ عبادت نہیں ہے بلکہ دنیاوی زندگی کی ضروریات میں سے ہے، نیز عصری درسگاہوں میں جہاں خالص دنیوی تعلیم یا اس کا غلبہ ہے، مختلف قسموں کی فیسیں جیسے داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس، اور امتحان فیس وغیرہ، لینے دینے کا عرف عام ہے، اور فقہ کے چھ اساسی بڑے قواعد میں سے ایک العادۃ محکمۃ ہے (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/ ۹۳)۔

جب اسکول کی مختلف فیسیں لینا جائز ٹھہرا، تو اصولی اعتبار سے جتنی مقدار بھی وصول کی جائے درست ہوگا؛ البتہ اسکول کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ ایسا نہ کریں؛ کیونکہ یہ انسانی ہمدردی اور اچھے انسانوں کے اچھے اخلاق سے فروتر عمل ہے۔ اس لحاظ سے اسلام میں انسانیت وشرافت، مکارم اخلاق، انسانی ہمدردی وبہ خواہی کی بابت جو تعلیمات ہیں، کی رو سے اسلام سوال میں مذکورہ صورت حال کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا ہے، اسلام کی نظر میں یہ مادیت پرست اور دنیاوی حرص کی انتہا کا ایک مظہر ہے؛ کیونکہ اسلام تعلیم کو مفت یا کم از کم جہاں تک ممکن ہو، کے حصول کو آسان دیکھنا چاہتا ہے، اور اسلام چاہتا ہے کہ ہر ایک کے گھر میں علم کا شمع روشن ہو اور ہر ایک کا گھر علم کی دولت سے مالا مال ہو، اور ہر ایک گھر سے جہالت کی تاریکی دور وکافور ہو۔

۹- غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس لینے کا حکم:

اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ: اگر داخلہ کے وقت صراحت کردی گئی کہ فلاں فلاں چیزوں کی فیس ادا کرنی ہوگی، اور اگر کسی ماہ کلاس سے غیر حاضر رہا، اسی طرح ٹرانسپورٹنگ سے استفادہ نہیں کیا تب بھی مہینہ کی پوری فیس ادا کرنی ہوگی، ایسی صورت میں غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہوگا گو دونوں نے اس سے پورے طور پر استفادہ نہیں کیا ہے؛ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے: "**عَنْ عَائِشَةَ ؓ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ مَا وَافَقَ الْحَقَّ**" (المستدرک للحاکم ۲/ ۶۷، حدیث: ۲۳۱۰) (جب شرطیں موافق حق ہوں تو مسلمان ان شرطوں کے پابند ہیں)، "**المسلمون عند شروطهم**" (أخرجہ البخاری تعلیقا فی الإجارۃ، باب أجر السمسرۃ، رقم الباب: ۱۴)۔

اگر داخلہ کے وقت صراحت نہ ہو، تب بھی غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہوگا؛ کیونکہ عرف ایسا ہی جاری ہے؛ بلکہ یونیورسیٹی اور بعض کالجوں اور اسکولوں میں سالانہ فیس مقرر ہوتی ہے، اور بعض اوقات پوری فیسیں داخلہ کے وقت ہی لے لی جاتی ہیں، بعض دفعہ قسط وار پورے سال میں ادا کرنی ہوتی ہیں بعض مرتبہ تین مہینے پر تعلیمی دورانیہ کے اعتبار سے قسط وار وصول کی جاتی ہیں، فیس ادا کرنے کے بعد اگر طالب علم نے تعلیم منقطع کردیا تو واپس نہیں ہوتی ہے، الغرض داخلہ کے وقت صراحت نہ ہونے کی صورت میں جاری عرف کے مطابق حکم شرع ہوگا، جیسا کہ فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ "العادۃ محکمۃ" ہے (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/ ۹۳)۔

فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر معاملہ کے شروع میں مدت متعین ہو، یعنی سالانہ فیس، یا شش ماہانہ، یا سہ ماہانہ، یا ماہانہ مقرر ہو، تو اس مقررہ ومتعینہ مدت کے دوران کسی وجہ سے طالب علم غیر حاضر رہا، تو غیر حاضر دنوں کی فیس لینی درست ہے اور مقررہ فیس (جس میں ایام تعلیم اور غیر ایام تعلیم اور جن دنوں میں طالب علم غیر حاضر رہا سب شامل ہیں) طالب علم اور اس کے سرپرست کے ذمہ واجب الادا ہے، " **لو استاجر رجلا ليعلم غلامه أو ولده شعرًا أو أدبًا أو خطاً، أو حسابا، أو هجاء، أو حرفة من الخياطة ونحوها، إن بيّن لذلک وقتا معلوما ستة أشهر أو أشبه ذلک، جاز, ويجب المسمّى تعلم فى المدة أو لم يتعلم**" (الخانیۃ بہامش الہندیہ ۲/ ۳۲۳)۔

داخلہ کے وقت صراحت کی گئی ہو یا عرف کی بنیاد پر طالب علم کے غیر حاضر دنوں کی فیس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ تمام فیسیں مطلق تعلیم کے عوض میں ہوتی ہیں، اس لحاظ سے طالب علم کے ذمہ غیر حاضر ہونے کی وجہ سے اس کی تعلیم گو چند دنوں کی ہوئی ہو، ساری فیسیں لازم ہوں گی۔

سوال میں ذکر کردہ صورت حال ماہانہ فیس دے کر بعض دفعہ طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجاتا ہے، مگر اس کا ٹیچر کلاس میں آتا رہا ہے میں طالب علم سے اس کے غیر حاضر دنوں کی فیس لینا بدرجہ اولی درست ہوگی " **وَمَنْ يَأْخُذُ الْأَجْرَ مِنْ طَلَبَةِ الْعِلْمِ فِي يَوْمٍ لَا دَرْسَ فِيهِ أَرْجُو أَنْ يَكُونَ جَائِزًا وَفِي الْحَاوِي إذَا كَانَ مُشْتَغِلًا بِالْكِتَابَةِ وَالتَّدْرِيسِ**" (ردالمحتار ۲/ ۴۱۶، وقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفۃ فی یوم البطالۃ، ۴/ ۳۷۳، غمز عیون البصائر للحموی، ۱/ ۳۰۰)؛ کیونکہ اس میں قصور طالب علم کی ہے، نہ کہ استاذ وانتظامیہ کی۔

اگر داخلہ کے وقت تعلیم، ٹرم، ٹرانسپورٹ اور امتحان وغیرہ کی فیس کی بابت کسی طرح کی کمی بیشی یا مطلق معافی کی صراحت ہوگئی ہو تو حکم شرع اسی کے مطابق ہوگا اور دونوں فریق اس کے پابند ہونگے گو عرف اس کے خلاف ہو؛ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ " **الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ مَا وَافَقَ الْحَقَّ**" (المستدرک للحاکم ۲/ ۶۷، حدیث: ۲۳۱۰) جب شرطیں موافق حق ہوں تو مسلمان ان شرطوں کے پابند ہیں) " **المسلمون عند شروطهم**" (أخرجہ البخاری تعلیقا فی الإجارۃ، باب أجر السمسرۃ، رقم الباب: ۱۴)، اور فقہاء اصولیین نے لکھا ہے کہ جب صراحت آجائے تو دلالت عرف کا اعتبار نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے کہ عرف ایک دلیل ہے، اسی طرح فریقین کی طرف سے تصریح بھی ایک دلیل ہے، اور اصول یہ ہے کہ جب دونوں باہم متعارض ہوجائیں تو تصریح کو عرف پر ترجیح حاصل ہوتی ہے؛ کیونکہ دلیل تصریح دلیل عرف وعادت کے مقابلہ میں قوی ہے "**لاعبرة للدلالة فى مقابلة التصريح**" (مجلۃ الأحکام العدلیۃ: م/ ۱۳)، "**الصريح أولى من الدلالة**" (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبۃ ۴/ ۴۲۷)، "**الصريح مقدم على المفهوم**" (رسم المفتی لابن عابدین الشامی، ص: ۹۴)، اس کی تائید دوسری اصل سے بھی ہوتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جب ایک بار کسی چیز کا اقرار کرلیتا ہے اور اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے، خواہ فریقین کے درمیان معاہدہ کے

طور پر ہو یا دارالقضاء میں ہو،تو وہ اس کے بارے میں جوابدہ ہوتا ہے اور ماخوذ ہوتا ہے "یؤخذ بما أقر به"(الأصل للإمام محمد الشیبانی ۱۰/۴۲۶)،" هو مأخوذ به لإقراره بالالتزام"(المبسوط للسرخسی ۹/۲۰)۔

۱۰-عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے غریب بچوں پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنے کا حکم:

مذکورہ بالا صورت میں عصری اداروں میں عصری تعلیم پانے والے غریب بچوں پر زکاۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ"(التوبۃ:۶۰] (زکاۃ تو غریبوں ، حاجت مندوں ... کا حق ہے)،البتہ اگر غریب بچے غیر ممیّز ہوں تو زکاۃ کی رقم ان پر براہ راست خرچ کرنا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ ان کے اولیاء خود قبضہ کریں یا وہ زکاۃ کی رقم خرچ کرنے والے کو وکیل بنادیں اس طور پر کہ ان سے وکالت نامہ پر دستخط لے لیا جائے،تو درست ہوجائے گا۔ جہاں تک ممیّز بچے کی بات ہے تو ان کے بہت سے تصرفات شرعاً نافذ ہوتے ہیں، ہاں ایسے تصرفات جس کی وجہ سے ان کی ملکیت سے کسی چیز کا نکلنا لازم آئے تو وہ تصرفات ان کے اولیاء کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں، ان کی اجازت کے بعد ہی نافذ اور قابل عمل ہوتے ہیں،اور وہ تصرفات جن سے ان کا فائدہ ہو،تو وہ اولیاء کی اجازت کے بغیر بھی معتبر ہوتے ہیں، جیسے ہدایا و تحائف اور صدقات و خیرات قبول کرنا۔قدوری کی شرح الجوہرۃ النیرۃ میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"وَلَوْ تَصَدَّقَ بِالزَّكَاةِ عَلَى صَبِيٍّ أَوْ مَجْنُونٍ فَقَبَضَهُ لَهُ وَلِيُّهِ أَوْ مَنْ يَعُولُهُ جَازَ وَإِنْ كَانَ الصَّبِيُّ يَعْقِلُ فَقَبَضَ لِنَفْسِهِ جَازَ"(الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۳۱، نیز دیکھئے:البحر الرائق ۲/۳۴۴)۔

کسی شخص نے بچہ یا مجنون کو زکاۃ کا مال دیا،اس کی طرف سے اس کے ولی یا کفیل نے قبضہ کیا،زکاۃ ادا سمجھی جائے گی،اور اگر بچہ ہوشمند و عاقل ہے،اس نے خود قبضہ کیا،تو بھی درست ہے۔

۱۱-مشرکانہ ترانے اور سوریہ نمسکار میں مسلم طلبہ وطالبات کی شرکت:

وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک،سوریہ نمسکار اور حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے؛ کیونکہ ان میں مشرکانہ عمل اور شرکیہ جیسے عقائد وخیالات پائے جاتے ہیں،اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ"(المائدۃ:۷۲)۔

(اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ، اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے،اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا)۔

"وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَابُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ"(لقمان:۱۳)۔

"قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَo وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَo وَلَا

تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَالَا يَنْفَعُکَ وَلَا يَضُرُّکَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّکَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ" (یونس:۱۰۴-۱۰۶)۔

(آپ کہہ دیجئے: اے لوگو! اگر تمہیں میرے (دلائے ہوئے) دین کے بارے میں شک وشبہ ہے تو اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو، میں تو ان کی عبادت نہیں کرسکتا؛ کیونکہ میں تو اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے رہوں۔ نیز اس بات کا کہ سب طریقوں سے الگ ہوکر اپنا رخ اسی دین (توحید) کی طرف رکھو اور ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوجاؤ۔ اور اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت نہ کرو جو نہ تم کو نفع پہونچا سکتی ہے اور نہ نقصان، اگر تم نے ایسا کیا تو اس وقت تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہوگا)۔

"قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَo وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْکَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَo بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَo وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ"(الزمر: ۶۴-۶۶)۔

اور جہاں اللہ تعالی کی نافرمانی لازم آئے وہاں کسی انسان کی طاعت وفرمانبرداری درست نہیں ہے، یہاں تک کہ امیر وقت خلیفہ و بادشاہ کا فرمان بھی قابل عمل نہیں ہوگا؛ چنانچہ مفسرین نے اللہ تعالی کا ارشاد: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ "(النساء:)(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں حکام کی بھی) کے ذیل میں لکھا ہے کہ امیر کی اطاعت واجب ہے جبکہ امیر کا حکم شریعت اسلامیہ کے خلاف نہ ہو (دیکھئے: تفسیر السمرقندی لأبی اللیث السمرقندی، ص:۳۱۲، تفسیر مظہری ۲/۱۵۲)، نیز اللہ تعالی نے سورہ لقمان میں والدین کی طاعت وفرمانبرداری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات مت مانو، پوری آیت اس طرح ہے:

"وَإِنْ جَاهَدَاکَ عَلَى أَنْ تُشْرِکَ بِي مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ"(لقمان:۱۵)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے واضح ارشاد فرمایا:" اگر کسی انسان کو معصیت کا حکم دیا جائے تو اس وقت اس پر سمع وطاعت نہیں ہے"۔

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَا طَاعَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَالْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ "(سنن الترمذی، باب لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، حدیث:۱۷۰۷، صحیح البخاری، باب کیف یبایع الإمام الناس؟ حدیث:۲۹۵۵)۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

جہاں خالق کی نافرمانی لازم آئے وہاں کسی مخلوق (خواہ وہ ماں باپ یا بادشاہ وقت یا خلیفہ، حاکم وگورنر کیوں نہ ہو) کی طاعت وفرمانبرداری روانہیں ہے(مصنف ابن أبی شیبۃ، حدیث:۳۳۷۱۷ ،مسند البزار، حدیث:۱۹۸۸، المعجم الأوسط للطبرانی، حدیث:۳۹۱۷)۔

قرآنی آیات اوراحادیث کی روشنی میں فقہاء نے بھی صراحت کی ہے کہ مسلمان پرخلیفہ وحاکم کی طاعت واجب ہے، گووہ فاسق ہو، ہاں جب وہ خالق کی معصیت کا حکم دے، یاایسا فرمان جاری کرے جوشریعت اسلامیہ کے خلاف ہوتواس وقت اس کی طاعت واجب نہیں (البحرالرائق ۲ /۱۷۳، بدائع الصنائع:۷ /۱۰۰، الدرالمختارورد المحتار:۲ /۱۷۲، ۱۸۵، البیان والتحصیل لأبی الولید محمد بن أحمد رشد القرطبی:۳ /۶۳، مواہب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل:۳ /۳۴۹، روضۃ الطالبین للنووی:۱ /۴۷، المغنی لابن قدامہ:۸ /۳۶۶، مطالب أولی النہی:۶ /۲۲)۔

اگر یہ عمل جبری طور پر ہوتومسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کواس طرح کے اسکولوں اورکالیجوں سے نکال لیں، اورایسے اسکولوں اورکالیجوں میں داخل کریں جہاں اس طرح کے مشرکانہ عمل نہ ہوتے ہوں، اگرایسے اسکول وکالجس اردگرد موجود نہ ہوں، توکم ازکم ایسے اسکول وکالجز میں داخل کریں جہاں اس طرح کے مشرکانہ عمل ہوتے توہوں لیکن جبری نہ ہوں؛ البتہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں سے برابر پوچھ تاچھ کرتے رہیں، اوران کو اسلامی تہذیب وثقافت، عقائد واحکام سے روشناس کراتے رہیں، اس سلسلے کے دلائل پیچھے آچکے ہیں۔

اگرصورت حال یہ ہوکہ اردگرد ایسے اسکول وکالجس موجود نہ ہوں، ایسے ہی اسکول وکالجس ہوں جہاں مشرکانہ عمل کرنے پر جبرکیا جاتا ہو، تومسلمانوں کے لئے پہلا حکم شرع یہ ہے کہ قانون کا سہارالیں؛ کیونکہ یہ ملک جمہوری ملک ہے، جہاں ہرشہری کومذہبی آزادی کے ساتھ جینے کا حق ہے، اورکوئی شہری دوسرے شہری کوتبدیلیٔ مذہب پر جبرنہیں کرسکتا، اور نہ ہی جبرًا اپنے مذہب پرعمل کرواسکتا ہے، اوراگر حکومت ظالم ہواورحکومت کی طرف سے جبر کرنے کا آڈرآ گیا ہو، تواصولی طور پرجیسا کہ دین وایمان کی حفظت کا تقاضا ہے کہ عصری تعلیم کوترک کردیں اور دینی تعلیم سے خود بھی آراستہ ہوں اوراپنے بچوں کوبھی آراستہ کریں، اور مدارس میں عصری تعلیم کانظم کریں، یاخود پرائیویٹ اسکول وکالجس کھولیں اورانتظام وانصرام اپنے ہاتھ میں رکھیں، اوراپنوں میں ابھی ایسے لوگ ہوں جوکسی بھی وجہ سے مشرکانہ عمل کوراہ نہ دیں اورنہ کروانے سے سمجھوتہ کرسکیں۔

اگرایسا کرنے میں شدید ابتلاء وفتنہ کا اندیشہ ہو، اور یہ اندیشہ غالب وقوی ہومحض وہم وگمان کی حدتک نہ ہوتو والدین اپنے بچوں کوسمجھائیں کہ تم مذکورہ بالاعمل دل سے نہ کرنا؛ بلکہ دل سے براسمجھتے ہوئے کرو، اورساتھ ہی اللہ تعالی سے والدین اور بچے سب ہمہ وقت دعا کرتے رہیں کہ حالات کواسلام اورمسلمانوں کے حق میں سازگار بنادے، نیزضروری ہے کہ جیسا کہ والدین کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے اسکول وکالجس میں ہونے والے مشرکانہ عمل کے خلاف اپنے بچوں کی ذھن

سازی کرتے رہیں، اور یہ سمجھاتے رہیں کہ یہ عمل جو تم سے اسکول یا کالیج میں کرائے جاتے ہیں، ہمارے مذہب اسلام کے خلاف ہے، ہم لوگوں کا مذہب اسلام ہے، اس وقت پوری دنیا میں سچا مذہب اسلام ہی ہے، اور اسلام میں یہ سب عمل شرک کہلاتے ہیں، شرک اسلام میں ناجائز وحرام ہے، شرک کرنے والے کو مشرک کہا جاتا ہے، مشرک کو اللہ تعالی پسند نہیں کرتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالی اس کو دوزخ میں ڈالیں گے، جہاں دہکتی ہوئی آگ ہوگی، بڑے بڑے سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانور ہونگے جو دوزخ میں ڈالے جانے والے انسانوں کو تکلیف پہونچانے پر مامور ہونگے۔ نیز اپنے بچوں کو یہ بھی سمجھائیں کہ اس کے تعلق سے ہمارے اسلامی عقائد یہ ہیں۔

غرضیکہ جبر کی صورت میں مشرکانہ عمل نہ کرنے پر شدید نقصان اور بڑے ابتلاء وفتنہ میں ڈالے جانے کے قوی وغالب اندیشہ کے وقت بادل نخواستہ کبیدہ خاطر کے ساتھ دل سے برا سمجھتے ہوئے نہ کہ جائز سمجھتے ہوئے، پڑھنے اور عمل کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (النحل:۱۰۶)۔

(جو ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرجائے، سوائے اس شخص کے جس کو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے) لیکن ہاں جو لوگ دل سے کفر کا ارتکاب کریں تو ان لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالی نے حرام کردہ چیزوں کے تذکرہ کے بعد استثنا کیا، یعنی مضطر شخص کے لئے حرام چیزیں مباح ہیں (الأنعام:۱۱۹)، فقہاء اصولیین نے مذکورہ بالا آیات اور دوسری آیات واحادیث کو سامنے رکھتے ہوئے قاعدہ وضع کیا کہ: "الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ، الْحَاجَةُ تَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُورَةِ، عَامَّةً كَانَتْ أَوْ خَاصَّةً" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۹۳، ۱/۸۷)، نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام کردہ چیزوں کا استعمال شدید ضرورت وحاجت کے وقت ہی مباح ہوتی ہے، عام حالات میں نہیں" امُبَاشَرَةَ الْحَرَامِ لَا تَجُوزُ إِلَّا لِلضَّرُورَةِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّ الزِّيَادَةِ" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۹۰)۔

اگر مسلم طلبہ وطالبات کے لئے مشرکانہ ترانے جیسے وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک پڑھوائے جاتے وقت خاموش کھڑے رہنے میں کوئی حرج نہ ہو، تو خاموش رہیں، یا ایسے ہی ہونٹ ہلائیں اور نہ پڑھیں، دیکھنے والے کو محسوس ہوگا کہ یہ لوگ بھی پڑھ رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ حقیقت میں نہیں پڑھ رہے ہونگے، یہ عمل بہتر ہوگا اور اُہون البلیتین (۲) دیکھئے: (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/۹۰) پر عمل ہوگا؛ بلکہ ایسا کرنا ممکن ہو تو ایسا کرنا واجب ہوگا؛ اس لئے کہ حرام عمل بلا شدید ضرورت وحاجت اور اضطرار

کے مباح نہیں ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو وہ بھی بقدر ضرورت مباح ہوتا ہے،" مَا أُبِيحَ لِلضَّرُورَةِ يُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا، وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّ الزِّيَادَةِ" (الأشباه والنظائر لابن نجیم المصری ص ۹۰، ۱/ ۸۷)، اور یہاں صرف ہونٹ ہلانے سے کام چل جا رہا ہے، تو حرام کے ارتکاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، سوریہ نمسکار اور دیگر مشرکانہ عمل اختیاری وترغیبی ہوں۔

داخل کرانا ناجائز ومکروہ تحریمی ہے؛ کیونکہ مثل مشہور ہے خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے، صحبت کا اثر پڑتا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس سے انکار حقائق کا انکار کرنا ہوگا، معلوم ہے کہ انسان جس جگہ رہتا ہے وہاں کی تہذیب وثقافت اور ماحول سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوتا ہے، اور جن لوگوں کے ساتھ رہتا ہے ان کے رہن سہن، نشست وبرخاست اور ان کے عادات واطوار کو دیکھتے دیکھتے آہستہ آہستہ متاثر ہونے لگتا ہے، اور نہ چاہتے ہوئے تحت الشعور میں بہت ساری چیزیں اپنی جگہیں بنالیتی ہیں، اور پھر ویسے ہی فکر بننے لگتی ہے، اور ابھی چونکہ لڑکے اور لڑکیوں کی عمریں جس طرح کچی ہوتی ہیں، اسی طرح ان کی فکریں بھی کچی اور ناپختہ ہوتی ہیں، اس لئے اندیشہ ہے کہ غیر اسلامی رسوم ورواج بلکہ مشرکانہ عمل سے متاثر ہوجائیں، اور نہ چاہتے ہوئے مشرکانہ کلمات گانے کی طرح گانے لگیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور تجربات سے ثابت ہے، اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ اگر کوئی شخص آگ کی بھٹی کے پاس بیٹھے گا تو آگ کی چنگاری نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے جسم پر آکر گرے گی، اسی طرح اگر کوئی شخص عطر فروش کے پاس بیٹھتا ہے تو عطر کی خوشبو اس کے ناک تک ضرور پہنچے گی بلکہ ناک کے ذریعہ اندر بھی جائے گی اور اس کے ذہن ودماغ کو سرور بخشے گی اور دل باغ باغ ہوگا، معلوم ہوا کہ صحبت انسان کو متاثر کرتی ہے، اچھی صحبت انسان کو اچھائی کی طرف لے جاتی ہے اور اچھا انسان بنادیتی ہے، اور بری صحبت انسان کو برائی کی طرف لے جاتی ہے اور برا انسان بنادیتی ہے؛ اسی لئے قرآن نے کہا: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" (التوبۃ:۱۱۹) (اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو)۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایسے سرکاری اداروں میں بچوں کو داخل کرانا ان کے بگڑنے اور مشرکانہ کلام واعمال سے متاثر ہونے کا ذریعہ بنے گا، اور اسلامی اصول یہ ہے کہ جو عمل ناجائز وحرام تک پہنچنے کا ذریعہ بنے تو وہ عمل بھی ناجائز وحرام ہوجاتا ہے، "وَمَا أَدَّى إِلَى الْحَرَامِ فَهُوَ حَرَامٌ" (بدائع الصنائع ۱/ ۱۷۵)؛ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ میں اصلاً زنا حرام ہے؛ لیکن زنا کے ساتھ دواعی زنا بھی حرام ہیں، جیسا کہ پیچھے سوال نمبر ۳ کے جواب کے ذیل میں تفصیل سے بات آچکی ہے، اسی طرح شریعت مطہرہ میں شراب پینا حرام ہے؛ لیکن انگور اور اس کا شیرہ ایسے لوگوں سے بیچنا مکروہ تحریمی ہے جن کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائیں گے؛ کیونکہ حرام جو کہ گناہ کبیرہ یعنی شراب پینا، پر مدد کرنا اور اس گناہ کے ارتکاب پر قدرت دینا لازم آتا ہے، اور یہ ناجائز حرام ہے: "لا يجوز بيع العصير لمن يتخذه خمراً، ولا بيع شيء يستعان به على معصية الله" (القواعد الفقهية وتطبيقاتها

فی المذاہب للدکتور محمد مصطفیٰ الزحیلی: ۲ /۸۱۱)،"وَکَرِہَ ذٰلِکَ أَبُو یُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّ بَیْعَ الْعَصِیرِ، وَالْعِنَبِ مِمَّنْ یَتَّخِذُهُ خَمْرًا إِعَانَةٌ عَلَی الْمَعْصِیَةِ، وَتَمْکِینٌ مِنْهَاوذلک حرام"(المبسوط للسرخسی ۲۴/ ۲۶)؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:"وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِیدُ الْعِقَابِ" (المائدۃ:۲) (اور گناہ وزیادتی میں ایک دوسرے کی مددمت کرو، اوراللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں)۔اسی اساس پرفتنہ کے زمانہ میں اسلحہ فروخت کرنامکروہ تحریمی ہے؛اس لئے کہ فتنہ کوفروغ دینے میں معاون ثابت ہوگااوراس کے پھیلنے کاذریعہ بنے گا" وَقَالَ الْفَقِیهُ أَبُو اللَّیْثِ: وَیُکْرَہُ بَیْعُهُ مِمَّنْ یُعْرَفُ بِالْفِتْنَةِ"(فتح القدیر لابن الہمام:۵ /۴۶۱)اللہ کے رسول ﷺ نے بھی فتنہ کے زمانہ میں ہتھیارفروخت کرنے سے منع فرمایاہے،" عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهَی عَنْ بَیْعِ السِّلَاحِ فِی الْفِتْنَةِ"(مسند البزار،حدیث:۳۵۸۹،المعجم الکبیر للطبرانی،حدیث:۲۸۶)۔امام بخاریؒ نے اسی حدیث کوحضرت عمران بن حصینؓ سے موقوفانقل فرمایاہے:" وَکَرِہَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ بَیْعَهُ فِی الفِتْنَةِ"(صحیح البخاری، کتاب البیوع، بَابُ بَیْعِ السِّلَاحِ فِی الفِتْنَةِ وَغَیْرِہَا ۳ /۶۳)،اورامام بیہقیؒ نے مرفوعاً کے بجائے موقوف ہونے کوزیادہ درست قرار دیا ہے، "قال البیهقی:رَفْعُهُ وَهْمٌ وَالْمَوْقُوفُ أَصَحُّ وَیُرْوَی ذَلِکَ عَنْ أَبِی رَجَاءٍ مِنْ قَوْلِهِ"(السنن الکبریٰ للبیہقی ۵ /۵۳۵، حدیث:۱۰۷۸۰)۔

غیرمسلم انتظامیہ کےتحت پرائیویٹ اداروں میں مشرکانہ عمل کالزوم اورمسلمان:

مسلمانوں کواپناادارہ کھول لیناچاہئے ، یاوہاں سے ہجرت کیاجاناممکن ہوتودوسری ایسی جگہ منتقل ہوجائے جہاں ایسے ادارے موجودہوں جہاں مشرکانہ عمل نہ ہوتاہو،اگرہوتاہوتوجبری نہ ہو،اس سلسلہ کی مزیدتفصیل پیچھے گذرچکی ہے۔اگرہجرت کرناممکن نہ ہواورنہ ہی فوری ادارہ کھولناممکن ہوتوغیرمسلم انتظامیہ کےتحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں بچوں کوداخلہ دلانے کے بجائے دینی مدرسوں میں داخلہ کرادیں جہاں فری تعلیم ہوتی ہےاورتمام سہولتیں فری فراہم ہوتی ہیں اور مدرسے کے انتظامیہ سے گذارش کی جائے کہ حالات حاضرہ کے تقاضے کےتحت عصری علوم کابھی نظم کریں ۔ بہرحال ایسے پرائیویٹ یا سرکاری اداروں میں بچوں کو پڑھوانے کی شرعاًگنجائش نہیں ہے؛ بلکہ فقہ کی زبان ناجائزوحرام؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَکُمْ وَأَهْلِیکُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ"(سورۂ تحریم:)(ایمان والو!بچاؤ اپنے آپ کواوراپنے گھروالوں کوآگ سے جس کاایندھن انسان اورپتھرہیں)۔

اورمشرکانہ عمل سے بچنے کی تاکیداوراس کے ناجائزوحرام ہونے پرقرآنی آیات اوراحادیث رسول ﷺ بہت ہیں جن میں سے بعض پیچھے گذرچکی ہیں۔

غیرمسلم پرائیویٹ اداروں میں مشرکانہ عمل اختیاری وترغیبی اور مسلمان:

مکروہ تحریمی ہوگا، اس سلسلے کے دلائل پیچھے وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، سوریہ نمسکار اور دیگر مشرکانہ عمل اختیاری وترغیبی ہوں کے ذیلی عنوان کے تحت گذر چکے ہیں۔

مشرکانہ عمل سے پاک ادارے اور ملوث دونوں ہوں اور مسلمانوں کا عمل:

جائز نہیں ہوگا بلکہ ناجائز ومکروہ تحریمی ہوگا؛ کیونکہ مسلمانوں کے اوپر خود اپنے اور اپنے گھر والوں کے دین وایمان کی حفاظت فرض وواجب ہے، اور دین وایمان کو خطرہ میں ڈالنا مکروہ تحریمی ہے، اور ایسے اسکول وکالیج میں بچوں کو داخل کرنا جہاں مشرکانہ عمل ہوتے ہوں خواہ وہ جبری ہوں یا اختیاری، بہر حال اُن کے دین وایمان اور صحیح عقیدے پر باقی رہنے کی کوئی ضمانت نہیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ ایسے ہی بچے آگے چل کر ملحد اور خود اسلام پر معترض بن رہے ہیں۔ اگر اصولی گفتگو کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے اسکول وکالیج دواعی شرک اور شرک تک پہونچنے کے بڑے ذرائع ہیں، اور پیچھے تفصیل سے بات آچکی ہے کہ گناہ تک لے جانے والے ذرائع ناجائز وحرام ہوتے ہیں "وَمَا أَدَّى إِلَى الْحَرَامِ فَهُوَ حَرَامٌ" (بدائع الصنائع ۱/۱۷۵)، اس طرح بہت ساری نظیریں پیچھے گذر چکی ہیں، اس لئے مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمانوں کے لئے اپنے بچوں کو یا مسلمان بچوں کو داخل کرنا ناجائز ومکروہ تحریمی ہوگا۔

کیا مسلمان انتظامیہ کے لئے اپنے ادارے میں مشرکانہ اعمال رکھنے کی گنجائش ہے؟

دونوں صورتیں شرعاً ناجائز ہیں، اور شریعت کی رو سے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ اس لئے کہ اسلام نے کفر وشرک سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا ہے، اور حضرت محمد ﷺ نے کفر وشرک کی آمیزش تک کو گوارا نہیں کیا اور کفار قریش کی پیشکش کو ٹھوکرا دیا، اور سورہ کافرون نازل ہوئی اور دوٹوک الفاظ میں سمجھوتہ کا انکار کر دیا گیا۔

نیز یہاں اکبر الکبائر گناہ شرک اور اللہ کے خلاف عظیم بغاوت پر اعانت لازم آئے گی، اور غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی اور اُن کے باطل دین ومذہب کی عملاً تائید کرنا ہوگا، جو کہ حرام ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ" (المائدۃ:۲) (اور گناہ وزیادتی میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں۔) اور آپ ﷺ نے شراب نوشی اور سودخوری پر ہر طرح کی مدد کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، "عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ" (مسلم، باب لعن آکل الربا الخ، حدیث:۱۰۶-(۱۵۹۸))۔ "وعن أنس، قال: "لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً: عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَالْمَعْصُورَةَ لَهُ، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ لَهُ، وَبَائِعَهَا، وَالْمَبْيُوعَةَ لَهُ، وَسَاقِيَهَا، وَالْمُسْتَقَاةَ لَهُ، حَتَّى عَدَّ عَشَرَةً، مِنْ هَذَا الضَّرْبِ" (سنن ابن ماجہ، باب لعنۃ الخمر علی عشرۃ

اُوجہ،حدیث:۳۳۸۱)،اور چونکہ شراب کی تجارت سے شراب نوشی پر مدد ہوتی ہے،اور لوگوں کو شراب فراہم ہونے میں آسانی وتعاون ہوتا ہے؛اس لئے آپ ﷺ نے شراب کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا" عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الآيَاتُ مِنْ سُورَةِ البَقَرَةِ فِي الرِّبَا، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى المَسْجِدِ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الخَمْرِ"(صحیح البخاری، باب تحریم تجارة الخمر فی المسجد،حدیث:۴۵۹)۔

جہاں تک اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت مشرکانہ اعمال کو روا رکھنے یا رواج دینے کی بات ہے،تو شرعاً اس کی بھی گنجائش نہیں ہے؛اس لئے کہ مسلمان انتظامیہ کے اس عمل سے کفر شرک پر تعاون بہر حال لازم آئے گا،اور یہ ناجائز وحرام ہے،جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، نیز محض ترقی وڈیولپمنٹ کے لئے ناجائز زحرام کام جائز نہیں ہوتا ہے بلکہ شدید حاجت وضرورت اور اضطراری کیفیت میں ہی مباح ہوتا ہے،اور وندے ماترم وغیرہ مشرکانہ اعمال کا حکم یعنی حرام ہونا قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم ہو چکا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے شدید حاجت کے وقت سودی قرض لینے کو جائز قرار دیا ہے: "وَفِي الْقُنْيَةِ وَالْبُغْيَةِ: يَجُوزُ لِلْمُحْتَاجِ الِاسْتِقْرَاضُ بِالرِّبْحِ" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/ ۹۳)،لیکن کاروباری ترقی کے لئے سودی قرض لینے کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔

☆☆☆

تعلیمی اداروں میں طبی اور ثقافتی امور

مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی☆

۱- ارکان اسلام کی تعلیم فرض عین ہے، اور دنیا کی عام ضروریات کی تعلیم فرض کفایہ۔ اس فرض کفایہ میں طبابت اور دوسرے پیشے ہیں۔ اسی کے ساتھ مسلمان داعی قوم ہونے کی وجہ سے اپنے ارگرد موجود قوموں کی زبان میں ان تک اسلام کا پیغام پہونچانے کے لیے مروج علمی اور عوامی زبان سیکھنا فرض بھی کفایہ ہے، نیز مسلمان قیام امن وانصاف کے اللہ طرف سے مامور ہے اس لیے قیام امن وانصاف کے لیے جمہوری ملک میں ارکان جمہوریت کا حصے بننے کے لیے تعلیم حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے، طب، زبان، ارکان جمہوریت میں شمولیت، تعلیم کا سلسلہ تقریباً بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن ان کا کی بنیاد (Base) کم عمری ہی میں درجہ اول بلکہ ایک کے جی سے شروع ہوجاتی ہے۔ اس لیے فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے شہر اور ملک کے تمام بچوں کو ابتدائی تعلیم دلانا ضروری ہے تا کہ بعد میں فرض کفایہ کی دائیگی کے لیے وہ اپنے کو تیار کرسکیں، اس لیے چوں کہ دین تعلیم کی فرض عین ہے اس لیے والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کے لیے اولاً دینی تعلیم کا انتظام کریں۔ اور بعد میں بلوغ کے بعد فرض کفایہ کے طور پر مختلف علوم سیکھنے کے لیے انہیں اترنا ہے، بریں بنا فرض کفایہ والے علوم کی ادائیگی کے لیے ان کی ابتدائی تعلیم (اول تا ۱۲ ویں تک) کا انتظام کریں۔

(الف) اس سلسلے میں اگر شہر میں ایسا اسکول موجود جس میں فرض کفایہ علوم کی تحصیل کے لیے راستے کھلتے ہیں اور وہاں اپنے بچوں کو داخلہ دلانے میں کوئی مذہبی اور قانونی مانع نہیں ہے بلکہ اس میں بنیادی مضامین پڑھائیں جاتے ہیں مثلاً ”زبان، ریاضی، ماحولیات، سماجیات، سائنس“ تو پھر اپنے بچوں وہاں داخل کرائیں ایسی صورت میں مسلمانوں پر اپنا اسکول اسلامی ماحول میں قائم کرنا مستحب بلکہ سنت ہوگا، کیوں کہ چاروں بنیادی مضامین میں بھی اسلام کی تعلیم اور اسلامی اقدار کو سمو کر بچوں کو اسلام کا عاشق وفدا کار بنایا جاسکتا ہے اور عام مسلمانوں کا فرض بتلایا گیا کہ ”وتواصوا بالحق وتواصوابالصبر“{سورۂ عصر: ۳}، ماں باپ کی یہ ذمہ داری بتلائی گئی ہے کہ اپنے بچوں کو بہتر انداز میں تربیت کریں۔

(ب) ایسی صورت میں مذکورہ مضامین کے معیاری تعلیم کے لیے اسلامی رنگ نہ رکھا جائے تو بھی اسکول قائم کرنا جائز بلکہ مستحب ہوگا، کیوں کہ مثلاً ریاضی یا زبان بہت سے جملے اور مسئلے بسا اوقات اسلام کے خلاف ہوتے ہیں، اپنے اسکول میں کم از کم اس

☆ صدر مفتی۔ دارالافتاء شہر مہد پور ضلع اجین ایم پی۔

کی تردید کی جاسکتی ہے۔

(ج)اور اگر مذہبی یا قانونی موانع موجود ہیں تو پھر صاحب وسعت ہونے کی صورت میں مطلوبہ معیار کے مطابق اسلامی ماحول میں اسکول قائم کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ وسعت ہوتے ہوئے اگر مسلمان معیاری اسکول اسلامی ماحول میں قائم نہ کریں تو شہر کے تمام مسلمان گنہ گار ہوں گے۔

(د) اسلامی ماحول میں معیاری اسکول قائم کرنے کا مطلب اسلام کے خلاف قصداً کوئی نظام نہ نافذ کیا جائے اور اگر اسلام اور شریعت کے خلاف کوئی عمل جاری ہو تو ایسا اسکول قائم کرنا گناہ کبیرہ ہوگا۔ مثلاً ایک اسکول سینٹ عمرؓ ہے وہاں دینیات کا سبق پڑھانے کے لیے نیم عریاں خاتون معلّمہ مامور ہیں اور دوسرے مضامین کو بالکل فرنگی طریقے پر غیر مسلم خواتین پڑھاتی ہیں۔ رقص لازمی مضمون ہے۔ مسلم بچیاں رقص کرتی ہیں اور بوقت رقص ''درگا دیوی'' کا نغمہ بجتا ہے۔ ایک دوسرا اقامتی ادارہ ہے جس کے نام میں ''اسلامیہ'' لفظ لگا ہوا ہے۔ جہاں بالغ لڑکیوں اور لڑکوں کی مخلوط کلاسیں لگتی ہیں۔ وہاں کے ذمہ دار نے بتلایا کہ'' بسا اوقات سلۃ المھملا ت(Dustbin) میں مانع حمل اشیاء(Contraceptive things) اسقاط کے اجزاء(Abortion output) ملتے ہیں۔''

۲- غیر معقول اور ناجائز مضامین اگر سرکاری طور پر لازم کردیے جائیں تو شرعاً اس تعلق سے مسلمانوں کے دو قسم کے لوگ الگ الگ احکام کے پابند ہیں۔

(الف) جس میں اولاً معلمین ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ ایسے مضامین کی قباحت اور نامعقولیت کو انتظامیہ کے سامنے واضح کریں۔ اسی کے ساتھ طلباء کو یہ سارے مضامین منفی طریقے (Nagativemethodology) سے پڑھائیں۔ ایسی صورت میں قابل معلمین ؛ یہی نہیں کہ ان برائیوں سے بچوں اور نسلوں کو بچائیں گے بلکہ ان برائیوں سے متنفر نسل کھڑی کرسکتے ہیں۔

عام اصول یہ ہے کہ چراغ اندھیروں میں جلایا جاتا ہے اور'' **تعرف الأشياء بأضدادها**''۔ گروہ معلمین پر مشتمل انبیاء کرام کی نفوس قدسیہ خصوصاً حضرت نوح، ابراھیم اور خاتم النبین علیھم الصلاۃ والسلام ؛ توحید کی افہام واثبات کے لیے اس قسم کے نامعقول اسباب کے درمیان مبعوث ہوئے۔ اور ان چیزوں کے سامنے ان کی نامعقولیت اور غیر منطقیت کو انہوںؑ نے ثابت کیا۔ ہندوستان میں جتنے مشرکانہ مراکز ہیں۔ (مثلاً کیدارناتھ، بدری ناتھ، بنارس، ایودھیا (ماضی یا موجودہ فیض آباد) دیوا، اجین۔ وغیرہ) وہاں مسلمانوں کی کثرت اس بات پر گواہ ہے کہ داعیان اسلام نے مراکز شرک کو ہی اپنی دعوت کا میدان بنایا اور جہاں جہاں سے کفر وشرک کا کالا دھواں نکل رہا تھا وہاں وہاں انہوں نے اسلام وتوحید کی روشنی بھی پھیلائی۔ اس لیے معلمین ان نامعقول مضامین کی تعلیم کو اصرار کے ساتھ انکار نہ کریں۔ بلکہ مہارت کے ساتھ ان کی لغویت اور فساد کو بچوں کے ذہن میں بیٹھائیں۔

(ب) دوسرا حکم اسکول انتظامیہ اور ملی تنظیموں پر عائد ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایسے نامعقول مضامین کے خلاف قانونی چارہ جوئی

کریں۔اوران کی نامعقولیت کوعدالتی سطح پر ثابت کریں عدالتی نظام؛ قانون اوراصول کی پابند ہے اس لیے قوی امید ہے کہ ایسے نامعقول مضامین کو ہٹانے میں عدالت سے مدد ملے گی۔تعصب اور جانب داری کے ماحول میں ہمیں اپنی دعوتی ذمہ داری سے سبک دوشی نہیں مل سکتی ہے۔اور منطقی وقانونی طور پر اگر ہم عدالتوں میں ثابت کردیں توتعصب کے ماحول میں بھی انصاف مل سکتا ہے۔اس کی تازہ مثال حالیہ دنوں میں مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے سپریم کورڈ کا فیصلہ ہے۔جس طرح میڈیا، سیاسی بازی گر،(حتی کہ ملک کے تمام بڑے بڑے مسائل کونظر انداز کرتے ہوئے وزیراعظم کی زبان بھی منفی رخ اختیار کیے ہوئی تھی)اورعدالت سے جڑے افراد مسلم پرسنل لاء کے خلاف طوفان مچائے ہوئے تھے۔اس کے زیراثر سپریم کورٹ کو چاہیے تھا کہ مسلم پرسنل لاءکو ہی کالعدم کردے۔لیکن فیصلے میں یہی نہیں کہ مسلم پرسنل لاءکوقانونی طور پر تسلیم کرکے اس کو دوام بخشا؛ بلکہ طلاق ثلاثہ کے تعلق سے عدم جواز کو بھی اسلامی قانون کے مطابق ثابت کرکے قابل جرام گرمانا،اس شق میں طلاق ثلاثہ میں جزوی طور پر صرف یہ غلطی یہ ہوئی کہ عدم جواز کے ساتھ عدم وقوع کا فیصلہ مسلمانوں کے اہل حق فرقے کے خلاف ہے۔(اسلامی قانون یہ ہے کہ ’’بیک مجلس طلاق ثلاثہ گناہ ہے لیکن واقع ہوں گی[Tripal Talaq is illegal but efectve.])ورنہ دوسرے بعض مسلم فرقوں میں طلاق ثلاثہ واقع نہیں ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے مسلم پرسنل لاء پر میڈا کے غلط پروگنڈہ اورسیاسی کھلاڑیوں کی دھاندلی اورتعصب کا اثرنہیں پڑا بلکہ مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے بڑی حدتک مسلمان کوانصاف ملااور ساتھ ہی طلاق کے تعلق سے علماء؛مسلمانوں کوصحیح طریقے واقف کرانے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے میڈیا نے عداوت میں ہی سہی !پوری طرح مسلم غیرمسلم ہرکسی تک ؛طلاق کی جملہ اقسام مع تفصیلات پہونچادیا،اس طرح جن قوموں میں طلاق کا تصورنہیں یا قانونی طور پر طلاق کی یہ صورتیں ہیں کہ بارہ پندرہ سال میں طلاق ہوان سب صورتوں کی نا معقولیت اوراسلام میں طلاق کی معقولیت کوتعلیم یافتہ اورسمجھ دار طبقے نے اچھی طرح سمجھ لیا۔یعنی اس قانونی چارجوئی سے دعوت الی الاسلام کا بڑاکارنامہ انجام پاگیا۔اسی طرح تعلیم میں غلط مضامین کے خلاف چارہ جوئی سے ان مضامین سے جہاں گلوخلاصی حاصل کی جاسکتی وہیں اسلام کی اخلاقی تعلیم کے تعلق سے لوگوں کوقانونی طور پر آگاہ کیا جاسکتا ہے۔جنسی تعلیم کے تعلق سے جواب نمبر ۱۲/ میں؛ میوزک وڈانس سے متعلق جواب نمبر ۱۳/ میں مزید جزوی وضاحت آرہی ہے۔

۳- ماڈل اسکولس کے استثناء کے ساتھ؛ سرکاری اسکولوں میں تعلیم کمزور ہوتی ہے۔لیکن راقم الحروف کے مشاہدے کے مطابق شخصی اسکولوں کی بہ نسبت مذکورہ مفاسد سرکاری اسکولوں میں زیادہ نہیں بلکہ کم ہوتے ہیں۔مذکورہ مفاسد پرائیویٹ اسکولوں میں زیادہ ہوتے ہیں۔سرکاری اسکولوں میں معیارِتعلیم کی بلندی کے لیے متعلقہ افراد سے مل کرکوششیں کی جائیں؛توتعلیم میں سدھار بھی ہوسکتا ہے۔مسلم انتظامیہ کے تحت اگرعلاقہ میں کوئی اسکول نہ ہوتومشنری کےاورسنگ پریوار کے بجائے سرکاری اسکولوں اپنے بچوں کوداخل کرانا چاہئے۔اگرسرکاری اسکول نہ ہوتو صاحب حیثیت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شخصی یا عام مسلمانوں کے تعاون سے پنچایتی مسلم ادارہ کھولیں۔اگر مسلمان عوامی تعاون سے یا شخصی طور پر اسکول نہیں شروع کرسکتے ہیں تو پھر مشنری اورسنگ پریوار یا جس کسی کے

انتظام کے تحت اسکولس ہوں، وہاں کی انتظامیہ سے مسلمانوں بچوں کے تعلق سے بااثر لوگ بات کریں اور مذکورہ غیر اسلامی امور سے مسلمان بچوں کو مستثنی رکھنے کی درخواست کریں۔ بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کا لحاظ کیا جائے گا۔ کیوں کہ سب کو جوڑنے اور کمائی کی سوچ کے تحت وہ عام حالات میں مجبور ہوتے ہیں کہ والدین اور سرپرستان اطفال کے احساسات اور دینی جذبات کا خیال رکھیں۔ اگر سرکاری اسکولوں، اسی طرح پرائیویٹ اسکولوں میں مذکورہ مفاسد سے مسلمان بچوں کو مستثنی نہ کیا جائے تو چوں کہ متاع ایمان کا سودہ کر کے دنیا حاصل کرنا بہت بڑے خسارے کی بات ہے اس لیے ایسی تعلیم کے مقابلے میں جاہل رہ کر دین وایمان بچانا ہی بڑی خوبی کی بات ہے اس لیے ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرانا جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسی صورت حال بہت کم پیش آتی ہے کہ سرپرستوں کے مطالبات کو اسکول انتظامیہ یک لخت نظر انداز کردے۔ پھر بھی ایسی صورت حال سے نپٹنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہمارے دینی اقامتی مدارس اپنے موجودہ نظام تعلیم کے ساتھ، علیحدہ، مقامی اور غیر مقامی بچوں کے لیے، عربک انگلش میڈیم اسلامک اسکولس (ARABIC ENGLISH MEDIUM ISLAMIC SCHOOLS) بھی شروع کریں۔ اور جس میں فیس (FEES) بھی زیادہ رکھی جائے۔ کچھ نشستیں مفت کی رکھیں جائیں۔ اس سے ہمارے متول طبقے کا پیسہ تعلیم کے نام پر غیروں کی جھولی میں جانے کے بجائے، مدرسوں کے خزانے میں آئے گا۔ ان اقامتی مدرسوں میں قائم اسکولوں میں ان علاقوں کے بچوں کو ریزرویشن دیا جائے جن علاقوں کی صورت حال اوپر بیان ہوئی۔ مفت کی نشستوں پر ایسے علاقے کے غریب لائق مند بچوں کو داخلہ دیا جائے۔ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ ایسے اقامتی مدرسوں یا اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرائیں۔ ارباب مدارس کو اسکول قائم کرتے وقت اس کے اخراجات سے خائف نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ قوم اسکول میں اتنا روپیہ پھونکتی ہے کہ اگر اس کو ارباب مدارس سمجھ جائیں تو پھر اسکول میں اخراجات کا واہمہ دل ودماغ سے نکال دیں گے اور اسکول کی فیس سے مدارس کا صرفہ بھی کافی حد تک پورا کرلیں گے۔

۴- مختلف سوالات میں کئی اجزاء پردے سے متعلق ہیں اس لیے ذیل میں پردے سے متعلق آیات، احادیث نبوی علی صاحبھا الصلوۃ والسلام اور فقہی اقتباسات کو نقل کیا جارہا ہے۔ موقع بہ موقع ہم مختلف جزئیات کے تحت ”پردہ دلیل نمبر“ کے حوالہ دیئے گے ہیں۔ اُن نمبرات سے مراد یہی ذیل کے ”نمبرات“ ہوں گے۔

(۱) ”وقر ن فی بیو تکن ولاتبرجن .... تطهیرا “(سورۂ احزاب: ۳۳)۔

(اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کرو)۔

مکان کی چہار دیواری عورت کے لیے بہترین پردہ ہے لیکن دروازہ کی جانب سے بے حجابی ہوسکتی تھی، اس لیے شارح قرآن ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ گھر کے دروازہ پر پردہ پڑا رہے۔

اگر نامحرم عورت سے بات کرنے کی ضروت پیش آجائے تو اس کا طریقہ قرآن کریم نے یہ بتلایا کہ مرد پردے کی ایک

طرف ہواور عورت پردے کی دوسری جانب، یہ پردہ خواہ کھڑکی کا ہو یا دیوار کی اوٹ کا، فرمان خداوندی ہے:

(۲)"وإذا ساء لتموھن متا عا..... وقلبو بھن "(سورۂ احزاب:۵۳)۔

آیت کریمہ کا حکم، شان نزول کے لحاظ سے ازواج مطہرات کے سلسلے میں ہے مگر اس میں عام مسلمان گھرانوں کے لیے حسن ادب ہے کیوں کہ ازواج مطہرات، دختران اسلام کے لیے نمونہ ہیں، نیز آیت بالا میں،..... نامحرموں کو چیزیں طلب کرنے اور بات کرنے کے لیے پردے کے پیچھے رہنے کی حکمت علت، مرد عورت دونوں کے دلوں کا ریب وشک اور ایک دوسرے کے فتنوں سے محفوظ ہونا بتلایا گیا ہے۔ اس علت کی وجہ سے وراء حجاب یعنی پردے کے پیچھے بات کرنے کا حکم تمام مسلمانوں کو عام ہے۔

ریاست بھوپال کی نیک سیرت خاتون مسلم فرمارو ا شاہ جہاں بیگم کے انتقال پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے مرحومہؒ کے دربار کی کیفیت تحریر کی ہے کہ دربار میں معلق پردے کے پیچھے دادخواہ اور درباری حاضر ہوتے، اور سلطانہ موصوفہ اس پردہ کے اندر اپنی مسند پر براجمان ہوتیں، دربار میں ان کے اور حاضرین کے درمیان اس طرح پردے کا نظم اور طریقہ حکومت کی تصویر کشی کرتے ہوئے اس منصب کی لائق، دختران ملت کے لیے ان کے نظام حجاب اور رسوم عدالت وسلطنت کو اسلامی نمونہ قرار دیا (ملاحظہ ہو" مقدمہ بہادر خواتین اسلام" از سید سلیمان ندویؒ)۔

علاج ومعالجہ ورشتہ داری میں جانے، اور کسی شدید مجبوری کے تحت تحصیل رزق کے لئے اگر عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آجائے، تو اس وقت پردہ کی اصل اور پہلی صورت (جس کا ذریعہ حصار خانہ ہے) کا اختیار کرنا محال ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے پردے کی دوسری شکل، بتلائی جس میں اولا مردوں، عورتوں کو اپنی اپنی نگاہی پست ونیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے: **(۳)"قل للمؤ منین یغضوا من ابصارھم..."(سورۂ نور:۳۰)۔**

آگے کی آیت میں خاص طور پر عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور اپنی بناؤ سنگار، زیب وزینت کو غیر محرموں سے چھپانے کا حکم دیا۔

(۴)"قل للمؤمنات یغضضن من ابصا رھن .... لعلکم تفلحون"(سورۂ نور:۳۱)۔

"مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں، اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوندوں کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں، اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہوجائے، اے مسلمانوں! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔"

عورت کے مکان سے باہر نکلنے کے موقع پر جہاں مردوں عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا وہیں اپنی زیبائش وآرائش کے ہر نقش کو راہ چلتے لوگوں سے اوجھل رکھنے کیلئے نصیحت کی گئی کہ عورتیں اپنے پورے جسم کو چادر سے ڈھاک لیا کریں، ارشاد ہوتا ہے:(۵)"یا أیھا النبی قل لأزواجک..... إلا قلیلا" (سورۂ احزاب:۵۹)(اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں سے اور صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہد و کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہوجایا کرے گی، پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے)۔

آیت کریمہ ۵۹ احزاب کی تفسیر میں :احکام القرآن: میں منقول ہے کہ امام محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبید بن الحارث الحضرمیؒ سے دریافت کیا کہ اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے چادر اوڑھ کر بتایا اور اپنی پیشانی ناک اور ایک آنکھ کو چھپا کر ایک آنکھ کھلی رکھی (احکام القرآن تحت ھذہ الآیۃ)۔

جلباب کی یہی تفسیر صاوی حاشیہ جلالین ودیگر کتب تفسیر میں بھی منقول ہے۔سعوی وزارت اسلامی امور واوقاف کی طرف سے شائع شدہ اردو مترجم قرآن مع مختصر تفسیر سے راقم الحروف نے آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے۔آیت کریمہ کے ذیل میں اس مختصر تفسیر میں چہرہ کے پردہ کے سلسلے میں پیش کی گئی "جلباب" کی تشریح ملاحظہ ہو:

"۲ جلابیب، جلباب کی جمع ہے جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگھٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرہ کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے..اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مؤمن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے" (قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر ص ۱۱۹۳ رمطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منوہ)۔

اگر عورتیں ایسا نقاب زیب تن کریں جس میں ان کے اعضاء کی ساخت دیکھنے والے کو معلوم ہو تو وہ شرعی نقاب نہیں ہے بلکہ شریعت اس طرح برقعہ کو ناجائز وممنوع قرار دیتی ہے،"ردالمختار" میں ہے:(۶)"**ان رؤیةالثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة و لو کثیفا لا تر ی البشرة منه**" (شامیۃ باب الحضر والاباحۃ)۔

علامہ کاسائیؒ کہتے ہیں کہ:(۷)"**وإن کان ثوبھا رفیقا یصف ما تحته ویشف أو کان صفیقا لیکنه یلتزق ببدنھا حتی یستبین له جسدھا فلا یحل له النظر؛ لأنه إذا استبان جسدھا کانت کاسیةصورة عاریة حقیقة وقد قال النبی ﷺ: لعن الله الکاسیات العاریا ت، مسلم کتاب الباس والزینةباب النساء الکاسیات العاریات ا لمائلات والممیلات**"(مسلم رقم الحدیث:۲۱۲۸، بدائع الصنائع ۴/ ۲۹۸)۔

(۸)"**عن همزة ابن اسید الأنصاریؓ عن أبیه أنه سمع رسول اللهﷺ یقول: وھو خارج المسجد فاختلط الرجا ل مع النساء فی الطریق، فقال رسول لله ﷺ للنساء: استاء خرن فإنه لیس لکن ان تحققن الطریق علیکن بحافات الطریق، فکانت المراء ة تلصق با لجدار حتی ان ثوبھا یتعلق با لجدار من لصوقھا به**"(ابوداؤد ۲/ ۲۱۵)۔

(۹)"وعن ابن عمير أن النبی ﷺ نهى أن يمشى يعنی الر جل بين المراء تين" (ابوداؤد ۲/ ۷۱۵)۔

(۱۰) با پردہ ہوتے ہوئے بھی پازیب کی جھنکار کی طرح، خوشبو کی وجہ سے غیروں کی توجہ ان پر منعطف ہوسکتی ہے اس لئے عورتوں کو عام لوگوں کے پاس خوشبو لگا کر گذرنے سے منع کیا گیا ہے۔

"عن أبی موسى عن النبی ﷺ قال: إذااستعطرالمرا ء ة فمرت على القوم ليجدوا ريحها ففی كذاو كذا قال: قولا شديدا" (ابوداؤد کتاب الترجل، باب طیب المراۃ للخروج ۲/ ۵۷۵)۔

(۱۱)"وفی تنوير الأبصا ر مع الدر: وينظر الرجلُ من الرجل سوى بين سرته إلى ماتحت ركبته ومن عرسه وامته الحلا ل الى فرجها ومن محرمه إلى الرأس والوجه الصدر أوالسا ق والعضد اِنْ أمن شهوته وإلا؛ لا إلى الظهر والبطن والفخذ وحكم امت غيره ولو مدبرة أو أم ولد كذالک فينظر اليها كمحرمة" (درمع الردوتنویرالابصار ۹/ ۵۲۸، طبع زکریا)۔

(۱۲)"وينظر من الا جنبية ولو كا فرةً ؛(جبتی) إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة، قيل: والقدم والذرا ع الخ" (درمع الردوتنویرالابصار ۹/ ۵۳۱، طبع زکریا)۔

(۱۳) "وأما العجوز التی لاتشتهی فلا بأس بمصا فحتهاومس يدها إذا أمن ومتى جازالمس جاز السفر بها ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا؛... أو كا نت عجو زة شوهاء أو بحا ئل والخلوة بالمحرمة مباح... وفی الرد المحتا ر: قوله او بحائل: قال فی القنية: سكن رجل فی بيت من دار وامرأة فی بيت آ خر منها ولكن ولكل واحد غلق على حدة لكن باب الدا ر واحد لايكره مالم يجمعها بيت اه ورمز له ثلا ثة رموز ثم رمز إلى كتاب آ خر هی خلوة فلا تحل ثم رمز ولو طلقها با ئنا وليس الا بيت واحد يجعل بينهما سترة؛ لأنه لو لا السترة تقع الخلوة بينه وبين الأ جنبية وليس معها محرم، فهذا يدل على صحة ما قالوا ..اه.. وما ذكره من الاكتفاء با لسترة مشروط بما إذا لم يكن الزوج فا سقا، إذلو كان فا سقا يحال بينهما بإمارة ثقة تقدر على الحيلو لة بينهما" (درمع الرد ۹/ ۵۲۹، طبع زکریا)۔

(۱۴)"وقول القنية: وليس معها محرم: يفيد أنه لو كان فلا خلوة ، والذی تحصل من هذا أن الخلوة المحرمة تنتفی با لحا ئل وبوجو د محرم أو امر أةٍ ثقةٍ قادرةٍ... يكره أن يؤم النساء فی بيت وليس معهن رجل ولا محرم مثل زوجته وامته واخته، فإن كانت واحدة منهن فلا يكره، وكذا إذا أمهن فی المسجد لا يكره.... ومفا ده أنه تنتفی بوجود رجل آ خر.... ويظهر لی أن مرادهم با لمرأة الثقة أن تكون عجوزا لايجامع مثلها مع كونها قادرة على الدفع عنهاوعن المطلقة. .الخ" (درمع الرد ۹/ ۵۳۰، طبع زکریا)۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ اگر نامحرم مرد اور عورت کے درمیان کوئی تیسرا ہو جو دونوں میں کسی ایک کا محرم ہو تو پھر نامحرم کے ساتھ خلوت کا گناہ نہیں ہوگا۔

(۱۵)"وفی تنویر الأبصا ر مع الدر: وستر عورته وهی للر جل ما تحت سرته إلی ما تحت ر كته... وللحرة ولو خنثی جميع بدنها حتی شعرها النا زل خلا الوجه والكفين فظهر الكف عورة علی المذهب والقدمين علی المعتمد وصوتها علی الراجح وتمنع المر أ ة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا؛لأ نه عورة با لخو ف الفتنة ولا يجو ز النظر اليه بشهوة" (درمع الردو تنویر الابصار ۲/ ۷۵تا۷۹ طبع زکریا)۔

(۱۶) "وفی الأشباه: يدخل علی النسا ء إلی خمس عشرة سنة فتأمل"(الر دالمحتا رمع الدر المختا ر ۹/ ۵۲۴،طبع زکریا)۔

(۱۷) "فی الر دالمحتا ر: دلت المسئلة ان ا لملا هی كلها حرام و يدخل عليهم بلا اذ نهم لا نكار المنكر ۔ وفی الر دالمحتار: قوله ويد خل عليهم: لأنهم اسقطوا حرتمتهم بفعلهم المنكر فجاز هتكها، كما فی الشهود أن ينظروا الی عورة الزا نی حيث هتک حرمة نفسه" (ردالمختار مع الدر ۹/ ۵۰۲،طبع زکریا)۔

(۱۸)"(بلغ حد الشهوة) ای بان صا ر مراهقا فا لمراد حد الشهوة الكا ئنة منه ط أقول: وقد أم الشارح فی شروط الصلاة ما نصه: وفی السراج لا عورة(ا ۔ ت۲۰۷/۳) للصغير جدا ثم ما دام لم يشته فقبل ودبر ثم تتغلظ الی عشرة سنين ثم كبا لغ"(الردالمختار ۵۲۴،طبع زکریا)۔

خلاصہ کلام عورت گھر میں ٹھہرے، آنے والا نامحرم پہلے سلام کرے، اجازت لے پھر وراءحجاب (پردے کے پیچھے) سے بات کرے۔ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ لڑکیوں کے لیے الگ سے تعلیم گاہ بنانا افضل اور زیادہ بہتر ہے۔

دس سال کی عمر میں لڑکی لڑکے کا بستر الگ کرنے کا حکم ہے۔اس لیے کم ازکم پانچویں کلاس تک مخلوط کلاسوں میں کوئی شرعی قباحت نہیں (بدلیل پردہ نمبر ۱۶/ ۱۸/)، بلکہ بچپن کی آزادی میں دل ودماغ اور جسم کی نشوونما کے لیے ایسی پابندی سے بچنا چاہیے۔اگر بچے کا داخلہ پانچ سال کی عمر میں اول درجے میں ہوا تو ہر سال پاس ہونے کی صورت میں وہ دس سال کی عمر میں پانچویں کو پاس کرے گا۔پنجم (5th) تک عام حالات میں بےحجابی سے متعلق ان پر بہت زیادہ نظر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کے بعد بے پردگی کے معاملات سے کچھ روآشنا ہوگا۔لیکن پھر بھی بالغ نہیں ہوا؛اس لیے عام اختلاط سے تو بچایا جائے اور کلاسوں میں جنسی امور سے متعلق ان کی اخلاقی تربیت پر خاص دھیان دی جائے۔آٹھویں کے بعد پھر پردہ اور خلوت سے حفاظت کا مسئلہ آتا ہے، یعنی ششم، ہفتم، ہشتم،۶/ ۷/ ۸/(6th to 8th) کلاسوں میں مخلوط تعلیم کی اجازت ہوگی لیکن ان کی اخلاقی تربیت کے لیے کھیل اور تفریح اسی طرح نشستیں لڑکوں سے فاصلے پر رکھیں جائیں۔(بدلیل پردہ نمبر ۸/ ۹/ ۱۸/) نہم اور دہم اور اس کے بعد پھر پردے کے مسائل

شروع ہوتے ہیں ان کلاسوں میں جداگانہ نظام تعلیم کی صورتیں جواب نمبر پانچ میں ملاحظہ کریں۔

۵- پردہ سے متعلق احکامات سے معلوم ہوا کہ الگ لگ بلڈنگ کا انتظام نہ ہوسکے تو ایک ہی کلاس روم میں صفوف قائم کرنا جائز ہے۔لیکن بالغ طلباء وطالبات کے درمیان کانچ ((GLASS.etc) کا کوئی پردہ حائل کیا جائے (بدلیل پردہ نمبر ۱/ و ۲/) لڑکی لڑکوں کے نکلنے کا راستہ الگ الگ بنایا جائے۔ یا پھر آمدن ورفتن میں دونوں کے وقتوں میں کچھ فرق رکھا جائے۔اس کے باوجود فتنہ کا اندیشہ ہے اس لیے دونوں کو غض بصر کی اہمیت اور بدنگاہی سے دینی و دنیاوی نقصانات بتلای ء جائیں (بدلیل پردہ نمبر ۳/ ۴/ ۸/)،اسی کے ساتھ بنات کے ڈریس میں سادگی اختیار کرنے کی تاکید کی جائے اور زیب وزینت اور جنسین کو تعطر سے روکا جائے۔(بدلیل پردہ ۵/ ۶/ ۷/ ۱۰/) چنانچہ سوال میں بیان کردہ پہلی صورت زیادہ بہتر ہے (بدلیل پردہ ۱/ ۲/)، اور دوسری صورت بھی تیسری صورت کی بہ نسبت بہتر ہے (بدلیل پردہ نمبر ۳/ ۴/ ۸/)۔اور تیسری صورت مذکورہ امور کی رعایت کے ساتھ جائز ہے (بدلیل پردہ نمبر ۵/ ۶/ ۷/ ۱۰/)۔

۶- نفسیات کے مطالعہ کے بعد بہت ہی موزوں اور مناسب ڈھنگ سے ابتدائی اسکول میں بچوں کے داخلہ کے لیے عمر کی تحدید کی جاتی ہے۔

شیر خوارگی سے پانچ سال کی عمر میں گود اور گھریلو ماحول سے میں جو کچھ سیکھتے ہیں اس کی چھاپ پوری زندگی ان پر باقی رہتی ہے،اس مرحلہ میں کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، ملنا، جلنا، بولنا، پہننا، اوڑھنا، بچے سیکھتے ہیں اسی مرحلہ میں ان کے جسم کی نشو ونما اتنی تیزی سے ہوتی ہے کہ ساڑھے چار سال کی عمر میں بچے کا قد اتنا بڑھتا ہے کہ جوان ہونے کے بعد جتنا لمبا ہوگا ٹھیک اس کا آدھا اسی عمر میں پہنچ جاتا ہے۔جسم کے ساتھ دماغ میں بھی اسی رفتار سے نشو ونما ہوتی ہے۔اس کی ذہنی اور جسمانی نشو ونما میں کوئی مانع اگر حائل ہوجائے تو پوری زندگی اس کی تلافی مشکل ہے۔اس مدت میں بچہ غیر مشروط، بلاشرکت غیر، یک طرفہ طور پر محبت اور پیار چاہتا ہے۔اس عمر میں جو بچے پیار محبت سے محروم ہ جاتے ہیں وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے لطیف جذبات سے یکسر محروم ہوجاتے ہیں۔ ہر کام کو خواہ بگاڑ ہو اس کو تعمیر خیال کرتا ہے اسی طرح کسی کو شکست دینے کے تصور کے بغیر اپنی پسند کی چیزوں میں سب سے آگے رہنے کا جذبہ اس کے اندر ہوتا ہے۔تلون مزاجی ہنسنا فوراً رونا اور سارا غم بھول جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ بچے اسکولوں میں داخل کیے جاتے ہیں تو معلمین اور معلمات کی اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان کی اس قسم کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کو ایک طرفہ محبت و پیار دیں؛ بنانے کے شوق میں چیزوں کے بگاڑنے کا بھی انتظام کریں۔اور ہر مرحلہ پر ان کو جیتنے کا احساس دلائیں۔ساڑھے چار اور پانچ سال کے بعد چھ سے نو سال کی عمر میں جسمانی نشو ونما کی رفتار سست ہوجاتی ہے اسی کے ساتھ دماغ میں کچھ پختگی آجاتی ہے اس مرحلے بچہ مزید آگے کی چیزیں سیکھنے لگتا ہے مثلاً بھاگ، دوڑ، اچھل کود میں روز افزوں اضافہ، محلے پڑوس اور مدرسے میں ساتھی بنانے اور ان کے ساتھ مل کر کھیلنے کا شوق اور گھر کے افراد سے دلچسپی کم ہونے لگتی ہے۔ یک طرفہ کے بجائے جانبین سے محبت کو محسوس کرتا ہے۔ فتح کے حصول اور آگے

بڑھنے کے لیے کسی کو فریق بنا کر اس کو شکست دینا، سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح بنانے کے برعکس ''بگاڑنے'' سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس عمر اور نفسیات کا بچہ اپنے سے کم بچوں کے ساتھ کلاس میں داخل کر دیا جائے تو معلم یا معلّمہ بچوں کو سکھانے کے بجائے جنون کا شکار ہو جائیں گے۔ اور یہ بچہ فتح حاصل کرنے کرنے کے لیے تمام بچوں شکست دیتا رہے گا۔ چھوٹوں بچوں سے اس کی کوئی چیز بگڑ گئی تو چھوٹا بچہ چوں کہ اس کو بھی تعمیر و بناؤ خیال کرتا ہے اس لیے اس کو کسی شی ءکی بگاڑ کا خیال بھی نہیں آئے گا لیکن یہ بچہ بگاڑ کو سمجھ کر چوٹے بچے پر جارحیت بھی کر سکتا ہے۔ چھوٹا بچہ بگاڑ کر بھی بنانے کا کی خوشی محسوس کرتا ہے جب کہ یہ ناراض ہو رہا ہوتا ہے۔ اس طرح (Teachars) کو اپنے طریقۂ تعلیم (Teaching methodology) کو ایک رنگ میں باقی رکھنا دشوار ہوگا۔ مختصر یہ کہ عمر کے دو مرحلوں کے بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ابتدائی اسکول میں اگر زیادہ عمر کے بچے کو داخل کیا جائے گا تو اس سے کم عمر (ساڑے چار یا پانچ سال) کے بچے سے نفسیاتی تصادم ہوگا۔ اور تمام بچوں کی آزادی چھن جائے گی زیادہ عمر کے بچے کی وجہ سے دوسرے بچوں کی جسمانی اور ذہنی نشو ونما سب مختل ہو سکتی ہیں۔ معلمین اپنی خدمات صحیح ڈھنگ سے انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ اس لیے اس موقع پر بچے کو کم عمر ثابت کرنے کے لیے صرف جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ پوری ایک پیچ و جماعت کو خراب کرنے کا بھی گناہ ہوگا۔

جھوٹ سے بچ کر صحیح عمر کے مطابق بچے کے لیے درجے کا انتخاب کیا جائے۔ اگر بچے کے اندر لیاقت (ability) نہ ہونے کی وجہ سے مطلوبہ درجہ مثلا اول میں داخلہ نہیں ہو رہا ہے تو پھر اس سال دخلہ کرانے کی بجائے خود یا اتالیق (Tutor) کی مدد سے خانگی تعلیم (Home Tution) کے ذریعہ درجہ اول (1st) کے مضامین (Subjects) مثلا انگریزی (English) اور پہاڑہ، لکھنا، پڑھنا، سکھا دیا جائے۔ لیاقت کے بعد قانونی طور پر مطلوبہ درجے میں بچے کا داخلہ ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عمر کم نہیں لکھائیں گے تو بچہ کی پڑھائی رک جائے گی اس لیے عمر کم ثابت کرنے کرنے کے لیے جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حکم سے بڑی عمر کے وہ بچے جن کی .I.Q دماغی سطح کم ہو مستثنی قرار دیئے جا سکتے ہیں اسکول انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ ایسے بچوں کو ان سے کم عمر بچوں کی جماعتوں میں داخل کریں۔ ان کی .I.Q سطح کو اسکول انتظامیہ کے علم میں لانے کے بعد، اگر قانونی طور پر حلف نامہ داخل کرنا ضروری ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے کیوں کہ حلف نامہ میں اللہ کے نام کا حلف نہیں لیا جاتا ہے اور نہ اس کا غذی تحریر سے کوئی حلف واقع ہوتا ہے۔ حلف نامہ صرف ایک کاغذی تحریر ہوتی ہے جس میں معاملے کی تفصیل پر ''میں حلف لیتا ہوں کہ یہ تفصیلات میرے علم کے مطابق صحیح ہیں'' لکھا جاتا ہے چوں کہ بچے کی I.Q سطح اسی عمر کے مطابق ہے اس لیے ایسا بیان سچا ہی ہوگا، اور جھوٹا حلف تو ہوا نہیں اس لیے حلف کا گناہ بھی نہیں ہوگا۔

۷۔ سوال نمبر چار کے ذیل میں پردہ کے سلسلے میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام اور فقہی جزئیات نقل کی گئیں ہیں۔ نیز لباس کے رنگ وغیرہ کے سلسلے میں مزید کچھ عبارات فقہیہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

”فی الردالمحتا ر: ”اعلم أن الکسوۃ منھا “۔

(۱)”فرض وھو ما یستر العورۃ وید فع الحر والبرد، والأولیٰ کونہ من القطن أوا لکتان أوالصوف علی وفا ق السنۃ، بأن یکون ذیلہ ساقہ وکمہ لرؤوس أصا بعہ وفمہ قدر شبر کما فی النتف بین نفیس والخسیس، إذ خیر الأمور أوساطھا. وللنھی عن شھرتین؛ وھو ما کان فی نھایۃ النفاسۃ أو لخا سۃ“۔

(۲) ”ومستحب: وھو الزائد لا خذ الزینۃ وإظھا ر نعمۃ اللہ تعالی ۔ قال علیہ الصلا ۃ والسلام: إن اللہ یحب أن یری أثر نعمتہ علی عبدہ“۔

(۳) ”وھو الثوب الجمیل للتزین فی الا عیاد والجمع ومجا مع الناس لا فی جمیع ا لاوقا ت لأنہ صلف(ا ہـ ت۳۰۶/) وخیلاء وربما یغیظ المحتا جین فا لتحرز عنہ اولی “۔

(۴) ”ومکروہ: وھو اللبس للتکبر“۔

” ویستحب الا بیض وکذا الأسود، لأنہ شعار بنی عباس، ودخل علیہ الصلا ۃ والسلام مکۃَ وعلی رأسہ عمامۃ سوداء ولبس الأخضر سنۃ کما فی الشرعۃ اھ “۔

” من الملتقی وشرحہ وفی الھندیۃ عن السرا جیۃ: لبس الثیا ب الجمیلۃ مباح اذ لم یتکبر، وتفسیرہ أن یکون معھا کماکان قبلھااھ. ومن اللباس المعتاد : لبس الفرد ولا بأس بہ من السبا ع کلھا وغیر ذالک من المیتۃ المدبوغۃ والمذکاۃ، ودباغھا ذکاتھا۔، محیط۔“

” ویکرہ للرجال السرا ویل التی تقع علی ظھر القدمین، عنایۃ“۔

” ولا بأ س بنعل مخصوف بمسا میر الحدید....و ذکر فی کرا ھیۃ أبی یوسف فی حدیث سعید بن جبیر أنہ کان یلبس قلنسوۃ الثعالب ولا یصلی بھا۔“ (*الردالمحتار مع الدرالمختار جلد۹ ص۵۰۵/۵۰۶ زکریا*)،فی تقریرات الرافعی قولہ لأنہ صلف: فی القاموس ھو التمدح بما لیس عندک ومجا وزۃ الظرف اھ“ (*تقریرات الرافعی فی نہایۃ الردالمجلد التاسع ص۳۰۶*)۔

(۵) ”حرام: فی تنویرالا بصار مع الدر: یحرم لبس الحریر ولوبحا ئل علی المذھب علی الرجال لا المرأۃ الا قدر اربع أصابع مضمو مۃ وکذا منسوج بذھب یحل إذا کان ھذا المقدار والا لا“ (*تنویرالابصار مع الدرالمختار ۹/ ۵۰۶/۵۰۷،طبع زکریا*)۔

”وفی الردا لمحتا ر: یکرہ ان یلبس الذکور من الصبیان الذھب والحریر. ولا بأ س با لعلم المنسوج با لذھب للنساء، فاما للرجال فقد راربع اصابع وما فوقہ یکرہ“(*الردالمحتار مع الدرالمختار ۹/ ۵۰۷،طبع زکریا*)۔

" (وكره لبس المعصفر المزعفر الا حمر والا صفر للرجال) مفاده(۳؍ ت۳۰۶؍) ان لا يكره للنساء(ولا بأس بسائر الا لوان) وفی المجتبی واقهستانی وشرح النقاية لابی المكا رم: لا بأس بلبس الثوب الاحمر اه ومفاده ان الكراهة تنزيهية"(*الدرالمختار مع تنویرالابصار۹؍۵۰۵؍۵۰۶،طبع زکریا*)۔

" (بلغ حد الشهوة) ای بان صا ر مراهقا فا لمراد حد الشهوة الكا ئنة منه ط اقول: وقد م الشارح فی شروط الصلاة ما نصه: وفی السراج لا عورة(ا؍ ت۳۰۷؍) للصغير جدا ثم ما دام لم يشته فقبل ودبر ثم تتغلظ الی عشرة سنين ثم كبا لغ"(*الردالمختار ۵۲۴،طبع زکریا*)۔

درج ذیل جزئیہ میں حد بلوغ کی تعیین میں سال وسن کے بجائے لڑکی کی جسمانی ساخت کے مطابق مس اور لباس واحد سے بچنے کی صراحت ثابت ہے۔

"(وامة بلغت حد اشهوة) بأن تصلح للجماع ولا اعتبا ر للسن مع سبع او تسع كما صححه الزيلعی وغيره فی باب الإمامة، ثم أن ما مشی عليه للسن من سبع او تسع ... وعن محمد إذا كا نت تشتهی ويجامع مثلها فهی كا لبالغة لاتعرض فی ازار واحد لوجودا لا شتهاء اه" (*الردالمحتا رمع الدر المختا ر۹؍۵۳۱،طبع زکریا*)۔

اسکولوں میں یونیفارم کوڈ کولازم کیا جاتا ہے۔شرعی طورپراس کی کوئی حیثیت نہیں ہے،البتہ یونیفارم سے اجتماعیت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور کسی خوش پاشاک بچے کو کسی مفلس بچے پر اپنی برتری یااس کے استخفاف کا دروازہ بند ہوتا ہے۔اس لیے بسا اوقات مستحبات کے زمرے میں آسکتے ہیں۔مسلم داراروں میں یونیفارم کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ بچیوں کو تربیت کے لیے کم سنی ہی سے اسکارف کا اہتمام کرائیں اور ٹائی چوں کہ ایک غیرضروری چیز ہے اور ٹوپی مسلمانوں کا شعار ہے؛اس لیے لڑکوں کو ٹائی کے بجائے ٹوپی پہننے کا اہتمام کرائیں۔یونیفارم کے سلسلے میں لڑکوں خصوصا لڑکیوں کے لیے پرکشش (Attrective) اور دیدی زیب لباس تیار کرنا کوئی مشکل اور دشوار نہیں ۔چوں کہ کم عمری میں شہوانی فتنہ سے پوری طرح حفاظت رہتی ہے اس لیے اس عمر کے بچوں (درجہ پنجم تک) کے لیے انتہائی درجہ خوبصورت ساتر لباس تیار کرایا جائے۔اورلڑکیوں کے لباس میں رنگوں سے بھی اچھا خاصا کمال پیدا کیا جائے، نیز اسکارف اور سینے کی طرف لٹکنے والا ڈاوپٹے کا حصہ ڈھیلا ڈھالا رکھا جائے۔(بدلیل پردہ نمبر ۵؍۶؍۷؍) لڑکیوں کے ڈریس میں رنگ اور ڈھیلا پن ان کے لیے بوجھ نہیں ہوگا بلکہ اس سے کافی فرحت وانبساط کے ساتھ ہی ان کی فطری نسوانیت کو مستحکم کرنے والا ہوگا۔درجہ پنجم کے بعد چوں کہ عمر میں اضافہ کے ساتھ ان کے اندر ایسی مصنوعی چیزوں سے خوداعتمادی اورفرحت پیدا کرنے کے لیے دوسرے ذرائع موجود ہوتے ہیں اوران کے اندر شہوت کا کچھ نہ کچھ عنصر پیدا ہونے لگتا اور رنگین لباس شہتوں کو برانگیختہ کرتے ہیں،اس لیے درجہ پنجم کے بعد ہشتم تک لباس میں رنگ میں شوخی ختم کردی جائے۔اور پھر نویں اوردسویں اوراس کے

بعد کی کلاسوں میں بالکل سفید یا پھر غیر مشتبهات (فوجی انداز کے رنگوں میں) کپڑے پہنائے جائیں۔ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے سفید لباس احرام اور تدفین کے وقت پہننے پہنانے کا مسلمانوں میں معمول ہے۔ اس رنگ پر کوئی بھی غور کر سکتا ہے کہ دوسرے رنگوں کی بہ نسبت اس سے نعوظ اور برانگیختگی تقریبا پیدا ہی نہیں ہوتی اور اس پر اگر برقعہ ڈال لیا جائے تو بچیوں کا حسن اور ان کی نسوانیت کامل طور پر جھلکنے لگتی ہے۔ اس طرح بچیوں کو احساس کمتری بھی نہیں ہوگی، نیز ہماری وہ بیوٹس (Butic) ٹی وی اینکرس (T.V.Anchor) بہنیں جن کو اللہ نے عریانی دنیا سے نکال کر اسلامی سماج میں آنے کی توفیق بخشی ہے؛ ستر عورت اور رنگوں کا خیال کرتے ہوئے عمر کے لحاظ سے جدید طرز کے ڈریسوں میں اسلامی رنگ بھر کر نسل نو؛ یعنی فرزندان ملت اور دختران امت؛ میں اسلامی تمدن پر فخر کا احساس کرائیں۔ علماء کی نگرانی میں ان کے ذریعہ تیار کیا گیا ڈریس یقینی حد دیدہ زیب ہونے کے ساتھ اسلامی کلچر کا نقیب ہوسکتا ہے۔

مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے زیر انتظام اداروں میں ڈریس کوڈ کے سلسلے میں عرض ہے کہ ٹائی کسی خاص قوم کی شناخت نہیں ہے۔ اس لیے اس کو پہننے نہ پہننے کے سلسلے میں اس کے عدم جواز کی کوئی صراحت نہیں بیان کی جاسکتی ہے۔ اس لیے جن اسکولوں میں لازم ہے تو یونیفارم کوڈ کی پابندی کر کے اسکول کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا بہتر ہے۔ ایسا لباس جس میں ستر عورت ہو جائے (بدلیل پردہ نمبر ۱۱/ ۱۲/ ۱۴/ ۱۵) اور کسی خاص قوم کا شعار نہ ہو وہ کسی بھی انداز کا ہو پہننا جائز ہے۔ کم عمر بچیوں اور بچوں کے ستر عورت کا کوئی خاص مسئلہ نہیں (بدلیل پردہ/ ۱۸)، البتہ اگر بچی قروب البلوغ یا مشتہاۃ ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر اس کو (اعضاء جسمانی کی ساخت اور سر کے بال وسینے کو چھپانے کے لیے) اسکارف لگانے سے روکا جائے تو پھر اسکول انتظامیہ کی بات ماننا ضروری نہیں ہے (بدلیل پردہ نمبر ۱۴/ ۷/ ۱۱)، سماجی اور قانونی لحاظ سے اسکارف کے لیے جو بھی کوشش ہو سکے کرنا چاہیے، اس کے باوجود بھی ساتر لباس کی اجازت نہ دی جائے تو اپنی بالغہ یا قریب البلوغ بنات کو ایسے اسکول سے خارج کروانا ضروری ہے۔

۸- اس سوال میں دو بلکہ تین اجزاء ہیں۔ (۱) کرایہ اور اجرت۔ (۲) تعمیرات کا حکم (۳) ساتھ ہی ایک جزوء، غریب طلباء کے تعاون سے متعلق ہے۔ تیسرے حصے سے متعلق سوال نمبر ۱۰/ میں وضاحت آئے گی۔ لیکن جدید طرز کے اسکولوں میں مہنگائی کے بنیادی عوامل کو سمجھیں۔

جدید طرز کے اسکولوں کی مہنگائی:

اسکولی نظام میں مہنگائی کے عوامل میں محض کاروباری جذبات ہی نہیں کارفرما ہوتے ہیں بلکہ عام حالات اس نظام میں امور تعلیم وتربیت کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے کے لیے واقعی اخراجات کافی زیادہ ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل میں مانٹیسری اسکول کے تعلق سے تقریبا بیس قبل کا خاکہ ملاحظہ کریں۔

''اسکول کی عمارت عموما ہوادار اور کھلے مقامات پر واقع صاف ستھری اور آراستہ ہوتی ہے۔ قریب ہی سایہ دار درخت اور

صحن میں پھول پودے لگے ہوتے ہیں۔ کمروں کی دیواریں خوش رنگ تصاویر وغیرہ سے آراستہ رہتی ہیں، نہانے دھونے اور کھانے پینے کے لیے الگ الگ کمرے ہوتے ہیں۔ بیچ میں ایک بڑا ہال ہوتا ہے جسے خاص طور پر آراستہ کیا جاتا ہے۔ اس میں چھوٹی چھوٹی کرسیاں پڑی ہوتی ہیں جو اتنی ہلکی ہوتی ہیں کہ بچے خود اٹھا کر ادھر اُدھر لے جاسکتے ہیں۔ کمروں میں چھوٹے چھوٹے تختہ سیاہ ہوتے ہیں جن پر بچے اپنی پسند کی تصاویر بناسکتے ہیں۔ الماریوں میں اتنی بلندی پر تعلیمی سامان ترتیب سے لگائے جاتے ہیں کہ بچے بآسانی وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ایک کمرہ ان کی تفریح اور دل بہلاؤ کے لیے مخصوص ہوتا ہے اسے خاص طور سے آراستہ کیا جاتا ہے اور بچوں کی دلچسپی کے اس میں متعدد سامان رکھے جاتے ہیں۔ وہاں بچے آزادی سے بات چیت کرسکتے ہیں۔ عام طور پر معلمات سے کام لیا جاتا ہے۔ معلّمہ وہیں آکر بچوں کو قصے کہانیاں سناتی اور بچوں کا دل بہلاتی ہے۔ اس کمرے میں صوفے اور گدے دار اسٹول بھی ہوتے ہیں جس پر بچے آزادی سے لیٹ بیٹھ سکتے ہیں۔ کھانے، سونے، کھیلنے وغیرہ کے سلسلے میں ہر طرح آسانیاں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ مانٹیسری اسکول میں تعلیمی آلات وسامان کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں لکڑی کے طرح طرح کے ٹکڑے اور کھلونے استعمال کیے جاتے ہیں'' (فن تعلیم وتربیت ص ۳۲۷ تا ۳۲۸ / از افضل حسین؛ ایم اے۔ ایل۔ ٹی)۔

اب ذیل میں سوال کے پہلے جزئیہ کرایہ سے متعلق حکم کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱)'' ۷۷۹۔ وتمليک المنفعة بعوض اجا رة'' (مختارات النوازل ۳/ ۳۵۳، طبع ایفا)۔

(۲)'' ۷۸۰۔ وعقد الإجا رة ينعقد ساعة فساعة على حسب حدوث المنفعة لأن المنفعة عرض لا بقاء له فيتملک با لعقد السا بق شيئا فشيئا ...''

(۳)'' ۷۸۱۔ ''ولا بد من بيان المدة فيها، لان التوقيت من شر طها، ويصح باى مدة كانت، طالت المدة أو قصرت....''

(۴)'' ۷۸۳۔ ''ولا تصح الا جا رة حتى تكون المنا فع معلو مة والأجرة معلومة.... بيان جنس العمل وبيان المدة ...''

(۵)'' ۷۹۲۔ ''ومن استأجر دارا كل شهر بدرهم فا لعقد صحيح فى شهر واحد؛ لأنه معلوم وفاسد فى بقية الشهور لا نه مجهو ل، فإن سكن ساعة من الشهر الثانى صح العقد فيه بتراضيهما ۷۔، وإن استأجر دارا سنة بعشرة دراهم صح، قسط كل شهر؛ لأ ن المدة معلومة بدون التقسيم كمدة الا يام۔ وفى الحا شية برقم ۷۔ هذا هوا لقيا س مال اليه بعض المتأ خرين، وفى ظا هر الرواية يبقى حق الفسخ فى ليلة الأولى ويومها من الشهر الدا خل، وبه يفتى للعرف ودفعا للحرج، هذا كله اذا لم يعجل بالا جرة، وإلا فلا يكون لواحد منهما الفسخ فى قدر المعجل اجرته، لانه با لتقديم زالت الجهالة فى ذا لک التقدير، فيكون كالمسمى فى العقد'' (التبیین ۵/ ۱۲۳، مختارات النوازل ۴/ ۳۵۴ تا ۳۶۰، طبع ایفا)۔

(٦) وفی الدر لمختار: "والأجر یلزم بالعقد فلا یجب تسلیمه) به(بل بتعجیله او شرطه فی الاجا رة) أو (الا ستیفاء)للمنفعة(او تمکنه منه) الا فی ثلا ث(فیجب الا جر لدار قبضت ولم تسکن) لوجو د تمکنه من الإنتفا ع، وهذا(إذا کانت الإجا رة صحیحة اما فی الفاسد فلا)یجب الا جرُ(الا بحقیقة الإنتفا ع) "

(۷) وفی الردالمحتار:" قوله الا فی ثلا ث:الثا نیة: إذا استأجر دابة للرکوب خارج المصر فحبسها عنده ولم یرکبها۔ قوله لا بحقیقة الا نتفاع: أی إذا وجد التسلیم إلی المستاجر من جهة الأ جر" (الردالمحتار مع الدرالمختار ۹/ ۱۵،طبع زکریا)۔

اسکولوں میں عموما ایڈمیشن کے وقت ہی اسکول انتظامیہ اورطلبا کے سرپرستان سےتحریری طور پرمعلوم ومتعین مدت تک کے لیے دس یا بارہ مہینے کی مختلف نوعیت کی اجرتیں اورفیس وغیرہ طے ہوجاتی ہیں۔ان اجرتوں کوآجر تعمیرات میں خرچ کرے یا اپنے ذاتی استعمال میں لائے اس پرمستأ جر(سرپرستان اطفال) کواعتراض کا کوئی حق نہیں رہتا ہے۔چوں کہ کلاسیں برابر جاری رہتی ہیں اوراس سے متعلق ملازمین کے وظیفےبھی۔اس لیے اگر طالب علم کلاس میں نہ بھی آئے تو معاہدے کےتحت اجرت اداکرنا ضروری ہے، ٹرانسپورٹ فیس کی تفصیل سوال نمبر ۹ ۔کے ذیل میں آرہی ہے۔اس پیرائیہ سوال میں ایک جزئیہ مطبخ کا ہے۔جس میں کرایہ سےزیادہ بیع وشرا کا عقد ہوتا ہے جب طالب علم اطلاع کے بعد غیر حاضر رہااورکھانے سے فائدہ نہیں اٹھایا تو چوں کہ اس نے مبیع کوحاصل نہیں کیا اس لیےاس کی قیمت اس پرواجب نہیں ہوگی۔ چوں کہ ایک نظام کےتحت مطبخ کے ملازمین کی تنخواہیں عقداجارہ کےتحت جاری رہتی ہیں،اوراگرکھانے میں طلباء کی تعدادکم ہوجائےتو انتظامیہ کوملازمین کا وظیفہ جاری رکھنے میں دشوار ہوگی۔اس لیےاس صورت میں طالب علم اگربغیر اطلاع غیر غاضری کرےتو ملازمین کی اجرت معلومہ کےعنوان سے جزوی طورپرغیرحاضری کی فیس بھی وصول کی جاسکتی ہے، نیز اطلاع سے غیر حاضری کرنے والا انتظامیہ کی اس مجبوری کوسامنے رکھتے ہوئے غیر حاضری پربھی مطبخ کی پوری فیس جمع کرےتو وہ انتظامیہ کےساتھ تبرع اورتناصر ہوگا اسے اسکول انتظامیہ کولینا جائز ہوگا۔لیکن اطلاع کے بعد غیر حاضری پربھی مطبخ کی پوری فیس حاصل کرنے پرجبرکرنا جائزنہیں ہے۔اورایسی فیس انتظامیہ کےلیےحرام ہوگی۔

دوسرا جزئیہ تعمیرات متعلق ہے۔تعمیرات کےتعلق سےاحکام درج ذیل ہیں۔بےضرورت یا تکبر کی وجہ سےتعمیرات میں روپیہ پھونکنا شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:" اتبنون بکل ریع اٰیةً تعبثون"﴿۱۲۸﴾ "وتتخذان مصا نع لعلکم تخلدون" ﴿۱۲۹﴾ وإذا بطشتم بطشتم جبا رین"{سورۂ شعرا:۱۳۰}۔

" کیاتم ہراونچی جگہ پرایک بےفائدہ یادگارتعمیر کرتے ہو{۱۲۸} کیاتم کو(دُنیامیں)ہمیشہ رہنا ہے{۱۲۹}(اس تکبر کے سبب طبیعت میں سختی اور بےرحمی اس درجہ رکھتے ہو کہ؛[حضرت تھانویؒ: معارف القرآن ص۵۳۶/جلد۶/)اور جب کسی کی پکڑ

کرتے ہوتو بڑے ظالم وجابر بن کر پکڑتے ہو{۱۳۰}''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی تفسیر میں'' بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے'' ذیلی عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:'' اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعا برا ہے۔اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی:''النفقة کلها فی سبیل الله إلاالبناء فلا خیر فیه'' یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں اور اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ :''ان کل بناء وبال علی صا حبه الا ما لا،إلا مالا یعنی لا ما لا بد منه'' [ابوداؤد]۔یعنی ہر تعمیر؛ صاحب تعمیر کے لیے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں۔روح المعانی میں فرمایا کہ: بغیر غرض صحیح کے بلا نیت عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور براہے''(معارف القرآن ۶/ ۵۳۸)۔

گھروں کی مبالغہ آمیز تزئین کاری کو قیامت کی بری علامات میں شمار کیا گیا ہے۔

''لا تقو م السا عة حتی یبنی الناسُ بیوتاً یوُ شُو نَهَا وَشْیَ المرا حیل'' (الأدب المفرد للبخاری ۲/۴۱۶ سلسلة الاحادیث الصحیحۃ ا/ ۵۰۲ حدیث نمبر:۲۵۹)(قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک لوگ منقش ومزین چادریں جیسے گھر تعمیر نہ کرنے لگیں)۔

آج امت کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ باتیں پائی جارہی ہیں صرف اسکولوں کی تزئین کاری نہیں ہورہی ہے بلکہ گھروں مدرسوں اور مسجدوں کی دیواروں کو مختلف رنگوں اور نقشوں سے سجانا، پھران میں مختلف اشیاء کی شکلیں بنانا، رنگارنگ، قیمتی قالین بچھانا، چھتوں میں نت نئے نقوش بنانا اور چمکتی دمکتی مہنگی روشنیوں سے ان کو بقعہ نور بنانا۔یہ آرائشی اخراجات کبھی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اگر ہم اس سجاوٹ وآرائش اور رنگ برنگی روشنیوں کے اخراجات جمع کریں تو اس رقم سے محلے پڑوس کئی مکانات اور کئی ایک مسجدیں اور مدرسے تعمیر کیے جاسکتے ہیں۔

ضرورت کے تحت کسی بھی آرام دہ مکان کو بنانا جائز ہے۔اسکولوں اور تعلیم گاہ میں دیواروں کی تزئین کاری بھی تعلیم کے لیے مفید اور ضرورت ہیں اس لیے بغرض تعلیم دیواروں کی تزئین کاری بھی جائز ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

'' والله جعل لکم من بیوتکم سکنا وجعل لکم من جلو د الأنعام بیوتا تستخفو نها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم''{سورۂ نحل:۸۰}۔

'' عادۃ انسان کا کسب وعمل گھر سے باہر ہوتا ہے جو اس کی حرکت سے وجود میں آتا ہے۔اس کے گھر کا اصلی منشاء یہ ہے کہ جب حرکت وعمل سے تھک جائے تو اس میں جاکر آرام کرے اور سکون حاصل کرے...اس سے یہ بھی معوم ہوگیا کہ انسان کے مکان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس میں اس کو سکون ملے''(معارف القرآن ۵/ص ۳۸۳)۔

چونکہ اسکولس میں بچوں کو جسمانی راحت اور نشو ونما کے ساتھ ذہنی تربیت وتدریب کے ساتھ ان کی حفاظت کی بھی گھروں کی بہ نسبت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔اس لیے اسکول کی عمارت میں استحکام کے ساتھ بچوں کی جسمانی آرام وراحت وصحت وتندرستی اور تعلیمی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اسکول کا نقشہ تیار کرنے والے ماہرین کی مدد سے مضبوط اور خوبصورت عمارت بنانا جائز ہے، عام مکانوں کی بہ نسبت اسکولوں کی عمارتوں اور اس کے رنگ روغن میں کافی صرفہ آتا ہے۔ چوں کہ انتظامیہ فیس وغیرہ عنوان سے حاصل ہونے والی آمدنی کی مالک ہوتی ہے۔اس لیے اس آمدنی کو اس قسم کی جائز، بلکہ ضروری پر مصارف خرچ کرسکتی ہے، البتہ بلاضرورت محض نام ونمود کے لیے عمارات بنانا اور بے مقصد تزئین کاری میں روپیہ پھونکنا ناجائز ہے۔ یہ انتظامیہ کے بار بار سوچنے کی بات ہے کہ ان کی تعمیرات وتزئین کاری (Decoretion) ضرورت کے تحت ہیں یا ریا ونمود کے لیے، بے ضرورت؟ اول صورت میں اجازت ہے اور دوسری صورت میں ممانعت۔

۹- کلاس میں معلم وملازمین کے تعلق سے فیس کی وضاحت سوال نمبر ۸۔ کے ذیل میں کردی گئی ہے کہ اطلاع یا بغیر اطلاع کے ؛ ہر صورت میں طالب علم کی غیر حاضری پر بھی فیس ادا کرنا ضروری اور انتظامیہ کو اسے وصول کرنا جائز اور حلال ہے۔(ملاحظہ کریں سوال نمبر ۸۔ بدلیل نمبر ۵۔) دوسری صورت ٹرنسپورٹ فیس ہے۔اس میں بھی یہی اصول ہے۔ یہاں بھی تقریبا ۱۰ / ماہ کا عقد ہوجاتا ہے۔لیکن سواریاں چوں کہ انتظامیہ یا مالکان کے پاس رہتی ہیں۔ نیز کبھی وہ اپنی ذاتی مصروفیات ومشکلات کی وجہ سے طلباء کو ٹرانسپوریشن کی خدمات دینے سے قاصر رہتی ہیں۔اسی طرح اگر کسی محلّہ سے ایک طالب علم آتا ہے اور ڈرائیور کو اس کی غیر حاضری کا علم ہوتو ڈارائیور اس محلّہ میں گاڑی نہیں لے جاتا جس میں اس کا وقت، پٹرول، محنت محفوظ رہتا ہے۔اس لیے بغیر اطلاع کے فریقین میں کسی کی بھی غیر حاضری کی صورت میں ماہانہ لحاظ سے کرائے کا معاملہ فساد عقد سے محفوظ رہے گا (ملاحظہ کریں سوال نمبر ۸۔ بدلیل نمبر ۶، اور ۷۔)، اس طرح اگر دوسرے ماہ میں چند دن ٹراسپوریشن کی خدمت دی گئی یا حاصل کی گئی۔تو پورے ایک ماہ کا عقد طے ہوگیا، اب اگر اس کے بعد فریقین میں کسی نے کچھ دن ناغا کردیا تو ایسی صورت میں قضاء، اجرت کا استحقاق ہوگا۔ دیانۃ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مستاجر کو تمکن نہیں ملا یا ملا،لیکن مستاجر نے استفادہ نہیں کیا اور تمکن کے باوجود استفادہ نہ کرنے سے اجر کا پٹرول اور محنت صرف نہیں ہوا، اس لیے دیانۃ وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوا۔اس لیے اگر دو چار دن ناغہ ہوتو اس کا کرایہ دیا اور لیا جائے لیکن اگر دس پندرہ دن ناغہ ہوجائے تو دیانۃ چوں کہ کرایہ کا استحقاق نہیں ہوتا ہے اس لیے مسلمان اصحاب مراکب اور طلباء وسرپرستان ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے سے بچیں اور اتنے دنوں کے کرایے کے لین کا معاملہ نہ کریں۔

۱۰- عصری درسگاہوں میں عموما متمول طبقہ کے بچے تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں اور ان کے سامنے مستقبل میں تحصیل معاش کے لیے متعین اہداف ہوتے ہیں۔ان کے برخلاف مدارس میں ناداروں کے بچے آتے ہیں اور ان کے سامنے مستقبل میں معاشی مصروفیات کا کوئی لائحہ عمل اور نشانہ نہیں ہوتا ہے۔اس لیے طلباء مدارس دینیہ کے بجائے اگر عصری درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے

والے ابتدائی درجات کے طلباء پر زکوۃ صرف کیا جائے گا تو مدارس کے ناداروں کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بنا بریں اسکولوں میں ایسا نظام بنایا جائے کہ اسکولوں میں پڑھنے والے ناداروں کے بچوں کی، زکوۃ کے بجائے اسکول کی آمدنی سے کفالت ہو سکے؛ جس کی ایک صورت یہ ہے کہ: اسکول شرع کرتے وقت انتظامیہ، اساتذہ وملازمین، عمارت، مہمان (Guest) فون، انٹرنیٹ، لائٹ بل وغیرہ جملہ اخراجات کا تقریبی خاکہ تیار کرتی ہے اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے ماہانہ اور دوسری فیسیں متعین کرتی ہے۔ اس وقت ایسا کیا جائے کہ: عام طور پر مثلا سو بچوں پر اخراجات کو تقسیم کر کے فیسیں مقرر کی جاتی ہیں۔ لائق مند نادار بچوں کو عصری تعلیم سے بہرہ مند کرنے کے لیے ایسا کیا جائے کہ کچھ (مثلا پچیس) سیٹیں غریب بچوں کے لیے مفت میں رکھی جائیں۔ اور اسکول کے اخراجات کو ۱۰۰ ربچوں کے بجائے ۷۵ ربچوں پر تقسیم کیا جائے۔ اس طرح ان ۷۵ ربچوں کی فیس میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے لیے زکوۃ کے استعمال سے بچا جا سکتا ہے۔ یہاں بظاہر غریب بچوں سے اسکول کو کوئی مادی فائدہ نہیں ہو رہا ہے لیکن اگر غور کریں تو لائق مند غریب بچے اسکول کی شہرت کو چار چاند لگا کر اسکول میں متومل طبقے کے رجحان میں اضافہ کر دیں گے۔ ایسا ممکن ہے کہ غریب بچوں کے تعلیمی نتائج سے داخلہ کے امیدوار متمول بچوں کی اتنی کثرت ہو جائے کہ تقابلی جائزہ کے بعد ذہنی طور پر ممکن وملائی سمجھے جانے والے بچے اسکول کو ملنے لگیں۔

زکوۃ کی آمد وصرف کے سلسلے میں جو ہدایات ہیں انہیں سے مذکورہ بالا حکم مستنبط ہو رہا ہے۔

"خذ من أموا لهم صدقة تطهرم و تزكيهم بها"{سورۂ توبہ:۱۰۲}۔

احادیث کی کتب ستہ اور دوسری صحاح میں یہ حدیث منقول ہے:

" ان ستأتي قوماً أهل كتابٍ فا دعهم إلى شها دة أن لا إله إلا الله وإني رسول الله، فإن هم أطاعوك لذلك فاعَلِّمهُم إن الله افترض عليهم صلوة في كل يوم وليلة فان هم أطا عوك لذا لك فا علمهم ان الله افترض عليهم صدقة تو خذ من اغنيا ئهم فتُرَدُّ على فقرا ئهم"(بخاری رقم الحدیث:۱۴۹۶، مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۲۹، ابوداؤد:۱۵۸۴، ترمذی:۶۲۵)۔

حدیث بالا میں زکوۃ کو اسی قوم اور جماعت میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کے لیے سورۃ بقرہ (آیت نمبر ۱۷۷) میں ارشاد ہوا کہ:

" واٰتى الما ل على حبه ذوى القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل والسا ئلين وفى الرقاب واقام الصلوة واٰتى الزكو ة"{سورۂ بقرہ:۱۷۷}۔

اس آیت جہاں بعد میں زکوۃ کا حکم بیان ہوا وہیں حکم زکوۃ بیان کرنے سے قبل زکوۃ کے علاوہ دوسرے مدوں سے اقرباء اور دیگر حاجتمندوں پر خرچ کرنے کی ہدایات دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت اور وسعت زکوۃ کے علاوہ دوسری رقوم

سے بھی حاجتمندوں کی پرخرچ کیا جائے۔اس لیے اسکول انتظامیہ مذکورہ بالاحکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اپنے اسکول میں داخلے کے طلبگار متومل طبقہ کے کندھوں پر مالی بوجھ بڑھا کراسی سلسلے میں آنے والے مفلسوں کے لیے کچھ مفت کی سیٹیں مختص کردے تو یہ قرآنی ہدایات پر ہی عمل ہوگا۔

بعض اعلی معیار کے عصری دینی اسکولوں کے ذمہ داروں کا خیال ہے کہ اسکول میں مفت سیٹیں نہیں رکھنی چاہیے۔کیونکہ مفت میں پڑھنے والے بچے دل جمعی اور محنت سے نہیں پڑھتے ہیں۔وہ بیچ میں تعلیم کو ترک (Dropout) کردیتے ہیں۔لیکن یہ خیال عقلی اور دینی دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ بے شمار لائق مندافراد مفت کے اداروں میں ملکی اور عالمی ریکارڈ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔اورفیس ادا کرکے پڑھنے والے ناکامی سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔اسی طرح مفت کی نشستوں کو کاخاتمہ کرکے غریبوں کو تعلیم سے دور کرنا گویا طبقاتی تقسیم کا پیش خیمہ ہے۔عام حالات میں مفلسوں کے لیے مفت سیٹوں کو نہ رکھنے والی سوچ پرسورعبس سے بھی زبردست چوٹ پہونچتی ہے۔

"عبس وتولی" ﴿۱﴾ "أن جاءہ الأعمی" ﴿۲﴾ "وما یدریک لعله یزکی"﴿۳﴾ أو یذکر فتنفعه الذکری"﴿سورۂ عبس:۴﴾۔

"..منھ پھیرلیا{۱} اس بات سے کہ آپ کے پاس ایک نابینا شخص آ گیا{۲} (اے پیغمبر!) آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا{۳} یانصیحت کی باتیں سنتااورنصیحت اس کوفائدہ پہنچاتی{۴} (ترجمہ از آسان تفسیر ۲/۷ ۸۴ مولانا خالدسیف اللہ رحمانی)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ لائق مندغریب طالب علم بھی اسکولوں داخلے کا استحقاق رکھتے ہیں۔اس لیے موہوم اندیشوں کی وجہ سے غربت کے شکاربچوں پراسکول کے دروازوں کوکلی طور پر بند کردینا شرعاغلط ہے۔مذکورہ بالاتفصیلات،مسلم انتظامیہ کے تحت ابتدائی اسکولوں کے بارے میں ہیں۔اعلی تعلیم خصوصا فرائض کفایہ مقنّنہ،عدلیہ(وکالت وغیرہ)انتظامیہ اورمیڈیا وغیرہ سے متعلق اختصاصی علوم کی تحصیل میں مصروف نادارطلباءاسی طرح غیرمسلم انتظامیہ کے تحت اسکولوں میں ابتدائی درجات میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی دینی کاؤنسلنگ (Counselilng) کے ساتھ لیاقت کی بنیاد پرزکوۃ سےان کی مدد کی جاسکتی ہے،بلکہ مدارس میں پڑھنے والے طلباء کی طرح ؛اعلی تعلیم (مقنّنہ،عدلیہ،انتظامیہ،میڈیا جوکہ فرض کفایہ ہیں) کی تحصیل میں مصروف طلباء کو مالی دُشواریوں سے لازمی طور پریکسوئی فراہم کرنے کے لیےان پربھی زکوۃ خرچ کرناباعث ثواب ہے۔

مستحقین زکوۃ کی جوفہرست قرآن میں بیان ہوئی وہاں یہ نہیں بیان ہوا کہ مستحقین کسی خاص جائزیااپنی ضروری حاجت میں نہیں خرچ کرسکتے ہیں بلکہ مستحقین اپنی حسب ضرورت ہرجائزکام میں حاصل شدہ زکوۃ کوصرف کرسکتے ہیں۔مستحقین زکوۃ میں ایک نوع فی سبیل اللہ ہے۔جس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"فی سبیل اللہ : ھو منقطع الغزاۃ قیل طلبة العلم فا لتفسیر بطا لب علم وجیه خصوصا وقد قال فی

البدائع: فی سبیل الله جمیع القر ب فید خل فیه کل من سعی فی طا عة الله و سبیل الخیرا ت إذا کان محتا جا اھ" (الردالمحتار ۳/ ۲۸۹،طبع زکریا)۔

" وفی الدر المختا ر: (ولا یحل یسأل من له قوت یومه)او لا شتغا له عن الکسب با لجها د أو طلب العلم(ولو سأ ل للکسوةجاز) لو محتا جا ۔ وفی الرد: قوله طلب العلم: ذکره فی البحر بحثا بقوله: ینبغی أی یلحق به : أی با لغا زی طالب علم لا شتغاله عن الکسب با لعلم" (الردالمحتار مع الدر ۳/ ۳۰۶،طبع زکریا)۔

۱۱- جبر کی تعریف یہ ہے کہ:

"۵۷۰۔" المکره أن یکون خا ئفا منه علی نفسه علی ایقا ع ما توعد به عاجلا أو بغلبة الظن، یتحقق الإ کراه والا فلا۔.. ۵۷۱۔ ثم الإکراه کامل وهو یفسد الا ختیا ر ویو جب الإلجاء کالإکراه بالقتل، وقاصر: وهو یعدم الرضا ولا یو جب الا لجاء کالإکراه با لضرب" (مختارات النوازل ۴/ ۲۸۰،طبع ایفا)۔

"۵۷۹۔ وإن أکره علی الکفر بالله أو بسب النبی ﷺ لم یکن إکرا ها حتی یخا ف علی نفسه أو علی عضوه من أعضا ئه، فإذا خاف علی ذالک وسعه ای یظهرما امروه به إذا کان قلبه مطمئنا بالإ یمان فلا إثم علیه، لحدیث عمار رضی الله عنه، نزل فی حقه وقال تعالی:' إلا من اکره وقلبه مطمئن بالإ یمان'[هذا استثناء من الغضب دو ن الحرمة، والحرمة باقیة، بخلا ف قوله'إلا ما اضطرر تم إلیه' وهو الإ ستثناء من الحرمة فیقتضی الحل" [مختارات النوازل ۴/ ۲۸۳،طبع ایفا]۔

(الف) جبری طور پر مشرکانہ ترانہ لازم کرنے کے دومطالب ہیں۔ایک یہ کہ جبراً اسکول میں داخل کیا جائے اور پھر مشرکانہ ترانوں کے لیے ایسا جبر کیا جائے کہ نہ پڑھنے کی صورت میں جان کو خطرہ ہو ایسی صورت ہندوستان میں نہیں پائی جاتی ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ اسکول میں پڑھنے والوں پر مشرکانہ ترانے یا خلاف اسلام اعمال واشغال کو لازم کر دیا جائے۔ان ترانوں کے نہ پڑھنے یا اعمال کے نہ کرنے کی صورت میں اسکول سے خارج کردیا جائے گا۔یہ جبر ایسا نہیں ہے اس کی بنیاد پر مشرکانہ اور خلاف اسلام نغمات اور اعمال کی اجازت ہو۔ایسی صورت ہو تو قانونی چارہ جوئی اور دوسرے سماجی اثر ورثوخ کو استعمال کرکے اس سے مسلمانوں کو مستثنی کرایا جائے، یا پھر ابتدائی درجات میں، اسی طرح ان بچوں کو جو علیا درجات کے ہوں اور ابتدائی عمر میں یا موجودہ وقت میں ان کی دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوسکا ہو ان کو ایسے اسکولوں سے نکالنا ضروری ہے۔ان بچوں کی دینی وعصری تعلیم کے انتظام صورت وہی ہوسکتی ہے جو سوال نمبر ۴۔کے جواب میں بیان ہوئی۔

(ب) سرکاری اسکولوں میں کسی ایک مذہب کی باقاعدہ نمائندگی اور اشاعت نہیں کی جاسکتی ہے،اس لیے اگر اختیاری مضمون کی حیثیت سے ہوں تو بھی ملی تنظیموں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں۔بچوں کو صباحی ومسائی مکاتب

اور علماء سے مربوط کر کے ایسے اسکولوں میں داخلے کی اجازت ہوگی۔ والدین یا علماء ایسے بچوں کی برابر کونسلنگ (Counselilng) کرتے رہیں اور مشرکانہ اعمال کی قباحت ان کے دلوں میں بٹھاتے جائیں۔ امید ہے کہ اسکولوں میں ان مضامین کی ترغیب کے باوجود بچوں کا ایمان یہی نہیں کہ صرف محفوظ رہے گا بلکہ ایسی ترکیب سے مشرکانہ نغمات اور اعمال کے تعلق سے ان کے اندر نفرت وحقارت پیدا ہوگی۔

(ج) غیر مسلم انتظامیہ کے تحت اسکولوں میں لازم کیے جانے کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کی تو گنجائش نہیں ہے، البتہ سماجی اثر ورسوخ کو استعمال کر کے مسلم بچوں کو ان سے مستثنیٰ رکھوایا جا سکتا ہے۔ اس لیے اولاً اس کی کوششیں کرتے رہنا چاہیے۔ لزوم کو نہ ختم کرنے کی صورت میں مسلم بچوں کا داخلہ ان اسکولوں میں جائز نہیں ہوگا۔

(د) ایسے اسکولوں میں مسلم بچوں کا داخلہ جائز ہے البتہ وہی احتیاطی تدبیریں اختیار کرنا ضروری ہیں جو سرکاری اسکولوں کے تعلق سے جزوء (ب) میں بیان ہوئیں۔

(ھ) مذکورہ بالا چاروں اسکولی صورتوں کے ساتھ شہر میں ان برائیوں سے پاک اسکولس موجود ہوں تو پھر لازم کرنے والے اداروں میں داخلے کی کسی بھی طرح کی کی گنجائش نہیں ہوگی۔ ترغیب دینے والے اداروں میں پڑھنے والے ابتدائی درجات کے بچوں کے دین وایمان کے تحفظ کے لیے اگر مذکورہ بالا احتیاطی تدابیر نہیں اختیار کی جا سکتی ہے تو پھر ان اسکولوں ''ب''، ''د'' میں داخلہ دلانا جائز نہیں ہوگا۔

جن بڑے بچوں کی کم عمری میں دینی تعلیم وتربیت ہو چکی ہے یا بڑی عمر میں ان کی دینی تربیت کا انتظام ہے ایسے بچوں کا داخلہ ''ب''، ''د'' اسکولوں میں ''ھ'' کے موجودگی میں بھی جائز ہے۔ اسی کے ساتھ اگر ''ب''، ''د'' اور ''ھ'' جیسے اسکولوں کا انتظام نہ ہو تو مشرکانہ اعمال ونغمات سے تباغض ونفور کے ساتھ ''الف''، اور ''ج'' میں بھی داخلے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

کما فی مختا رات النوازل: ۹۳۔'' الرضا بالکفر مستقبحا للکفر لیس بکفر لقوله تعالی عن قصة موسی علیه السلام' واشدد علی قلو بهم فلا یؤمنوا'' (مختارات النوازل ۳/۴۸، طبع ایفا)۔

ایسی موقعے پر کفریہ مجلسوں میں کلمات کفر کے بجائے کلمات اسلام کا اعادہ اور تکرار کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

'' قال من حلف فی حلفه باللات والعزی فلیقل لا إله الله'' (مشکوۃ ۲/۲۵۶)۔

کم سن بچوں یا جن لوگوں کی دینی تربیت نہیں ہوئی ہے انہیں ایسی مجلسوں میں شرکت سے سختی سے منع کیا جائے گا۔

''الخروج إلی نیروز المجوس الموا فقة فیما یفعلو نه فی ذالک الیوم کفر وأکثر ما یفعل ذالک من کان اسلم منهم، فیخرج فی ذالک الیوم ویوا فق معهم فیصر کافرا ولا یشعر به'' (عالمگیریہ ۲/۲۸۸)۔

(ح) مسلمان انتظامیہ کو کسی بھی حال میں نہ مسلمانوں کے لیے اور نہ غیر مسلموں کے لیے؛ کسی بھی مشرکانہ یا خلاف اسلام نغمات واعمال کو رواج دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔

" ولا تعانو ا علی الإثم و العدو ان" {سورۂ مائدہ:۲}۔

۱۲- مچھلی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی خود سے چلنا اور اپنی روزی تلاش شروع کر دیتا ہے۔ وہ کسی کے سکھانے اور سمجھانے کا محتاج نہیں رہتا۔ اسی طرح جنسی تعلیم تعلق کے سے فطری طریقے اور آداب کو قدرت خود ہی انسان کو سکھا دیتی ہے۔ اس لیے بچوں کو باقاعدہ جنسی تعلیم دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر جنسی تعلیم کے عدم نفاذ کی صورت میں آگے کے تعلیمی مراحل میں حکومتیں یا ادارے موانع کھڑی کردیں یا دوسرے ذرائع سے بچوں کو جنسی تعلیم کے نام پر آوارگی اور سماجی انتشار اور گھروں کا بکھراؤ ہو رہا ہے تو پھر ایسی صورت میں بچوں میں جنسی بے راہ روی سے حفاظت کے لیے اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کے موضوع پر ایسی کتاب مرتب کرنے اور اس کے بارے میں حکومت کو مطمئن کرنے کی اجازت ہے، جس میں اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصانات کے ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے۔ اور جنسی آزدی اور بے من مانی جسمانی روابط قائم کرنے والوں کے برے اور تباہ کن انجام کو ثبوت وشاہد سے ثابت کیا جائے جیسے۔

محفوظ جنسی روابط کے تعلق سے اسلام کے بالمقابل آزاد خیال دنیا میں عورتوں کا انجام۔

روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی: یورپ میں خاندان اور خواتین کی حالت زار: پر سلسلہ وار مضمون کے قسط نمبر ۲/ کے ذیل میں مرقوم سطور کو ملاحظہ فرمائیں۔

سویڈن میں تیس ۳۰ سال کا طویل عرصہ گذارنے والے ایک دردمند پاکستانی لال دین قریشی نے اس ملک کی خاندانی زندگی کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے۔

مرکزی دفتر شماریات کی اطلاع کے مطابق سویڈن میں اس وقت چھ ٦ لاکھ چوراسی ۸۴ ہزار مرد اور آٹھ ۸ لاکھ تیس ۳۰ ہزار خواتین تنہائی کی زندگی گذار رہی ہیں۔ صرف اسٹاک ہالم میں تیس ۳۰ لاکھ چونتیس ۳۴ ہزار مرد اور عورتیں اکیلے رہ رہی ہیں۔ جب کہ اردگرد کے دیہات میں ایک لاکھ تیس ۳۰ ہزار عورتیں اور ہزار مرد اپنے بچوں کے ساتھ تنہائی کی ظلمتوں میں گذارہ کر رہے ہیں ،یعنی کسی کا خاوند نہیں اور کسی کی بیوی نہیں۔

تیس ہزار واقعات کی رپورٹ پولس چوکیوں پر کی جاتی ہیں، جب کہ اس قسم کے ہزار واقعات کے کیس درج نہیں ہوتے، لیف پرسن کا خیال ہے کہ سویڈن میں بیویوں کو زدوکوب کرنے کی ہر سال اڑھائی لاکھ سے زیادہ وارداتیں ہوتی ہیں، جن کے نتیجے میں چالیس ۴۰ سے ساٹھ ٦۰ تک عورتیں ہلاک ہوجاتی ہیں، تشدد کی اس کثرت کے باوجود صرف چارسو افراد کو سزا ہوتی ہے، اس میں سے صرف بیس ۲۰ فیصد مرد جیل جاتے ہیں۔ ہفت روزہ تکبیر کراچی ۲۰ جولائی ۱۹۸۴ء (روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی مورخہ ۵ جون ۲۰۰۹ء)۔

مرد کہتے ہیں کہ یکساں مردوزن یورپ میں ہیں
عورتیں کم عقل بھی شامل ہیں ان کے جھوٹ میں
سخت سردی میں بھی یہ منظر وہاں پر عام ہے
لڑکیاں اسکرٹ میں ہیں اور لڑکے سوٹ میں

آزادانہ جنسی روابط کے لیے گھروں سے باہر قدم رکھنے کے بعد ان کی آزادی کا خواب ایسی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا کہ حصول معاش کے لیے محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئیں، مغربی مردوں نے بڑی چالاکی سے اپنے گراں بار وظائف و ذمہ داریوں کو ان کی گردن میں ڈال دیا اور خود اپنے کاموں سے سبکدوش ہو جانے کے بعد قدم قدم پر عورتوں کا استحصال ان آزاد، مردوں کا شعار بن چکا ہے، مردوں کی چالاکی اور ظلم اور عدم تعاون کا مشاہدہ و تجربہ کر کے بیچاری مغربی عورت کہتی ہے۔ ع

کسی نے پاس گل کیا نہ احترام رنگ و بو
چمن میں جو گیا چمن کو لوٹتا چلا گیا

۱۳ — **" قال اللّٰہ تعالی حکایة عن یوسف علیہ السلام: أرسله معنا غداً یرتع ویلعب"** {سورۂ یوسف:۱۲}۔

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے سیر و تفریح اور آزادی سے کھانے پینے کھیلنے کودنے کی اجازت مانگی ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اس کی ممانعت نہیں فرمائی، صرف یوسف علیہ السلام کو ساتھ بھیجنے میں تردد کا اظہار کیا، جو اگلی آیت میں آئیگا، اس سے معلوم ہوا کہ سیر و تفریح کھیل کود؛ جائز حدود کے اندر جائز ومباح ہیں، احادیث صحیحہ سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ اس کھیل کود میں شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو اور نہ کسی ناجائز فعل کی اس میں آمیزش ہو۔ قرطبی وغیرہ'' (معارف القرآن ۵/ص ۳۳)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: **"ولا یجوز الاستباق فی غیرها الا ربعة کالبغل با لجعل إما بلا جعل فیجوز فی کل شیء ،وقال بعد ذالک: لأن جواز الجعل فیما مر انما ثبت با لحدیث علی خلاف القیا س، فیجوز ماعدا ها بدون الجعل ۔ وفی القهستانی من الملتقط : من لعب با لصولجان یر ید الفرسیة یجوز۔ وعن الجوا هر قد جاء الأثر فی رخصة المصا رعة لتحصیل القدرة علی المقا تلة دو ن التلهی فإنه مکروہ"** (شامی ۵/۳۵۵)۔

''کل لهو المسلم حرام إلا ثلا ثة ملا عبةُ أهله وتأ دیبه لفرسه ومناصلة بقوسه'' (شامی ۵/۲۵۳)۔

'' وکذا ما یفعله السلا طین وهو ان یقول السلطان رجلین من سبق کما فله کذا فهو جائز لما بینا، أن ذالک من باب التحریض علی استعداد اسباب الجها د خصوصا من السلطان'' (بدائع الصنائع ۵/۳۰۶)۔

" ولئن کا ن لعبا لکن اللعب إذا تعلقت بہ عاقبة حمیدة لایکون حراما" (بدائع ۵/۳۰۵)۔

"مسابقت"" لعب "اور" ارتاع" کی طرح ایک اصطلاح قرآن مجید میں" لھو" استعمال ہوئی ہے، جو کہ عام طور پر ممنوع ہے۔

" ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولٰئک لھم عذا ب مھین"﴿سورۂ لقمان:۶﴾۔

" اور بعض لوگ (اللہ سے) غافل کردینے والی باتیں خریدکرتے ہیں! تاکہ بغیر سمجھے بوجھے اللہ کے راستہ سے ہٹادیں اور اس کا مذاق اڑائیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے رسواکن عذاب ہے۔" (آسان تفسیر ۲/۲۹۷ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

تیراندازی گھوڑے کی سواری، اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت سنت سے ثابت ہے۔ حضرت عباس سے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ:

"خیر لھو المؤمن السبا حة وخیر لھو المرأة المغزل"۔ جامع صغیر... صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کی روایت ہے کہ انصار مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے، کوئی ان سے سبقت نہ لے جاسکتا تھا، انھوں نے ایک روز اعلان کیا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں مقابلہ کروں! آپ ﷺ نے اجازت دے دی تو میں مقابلے میں آگے بڑھ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ: پیادہ دوڑ کی مشق کرنا بھی جائز ہے۔ ایک مشہور پہلوان رُکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے کشتی ٹھہرائی تو آپ ﷺ نے اس کو کشتی میں پچھاڑ دیا ابوداود فی المراسیل.....ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:" روحوا القلوب سا عة فساعة"۔ شرط ان سب میں یہ ہے کہ نیت مقاصد صحیحہ کی ہو جو ان کھیلوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جب اپنی حد کے اندر رہوں تو" لھو" کی تعریف میں داخل ہی نہیں (ملخصا من معارف القرآن ۷/۲۴)۔

غزوات اور قافلہ کی شکل میں اسفار میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ نکلنا؛ کتب احادیث میں مفصل بیان ہوا ہے۔ اس لیے اسکول میں بالغ یا مراہق بچوں اور بچیوں کو غیر مخلوط طور پر دوڑ، سائیکل ریس، محارم کی معیت.....(تمام طلباء وطلبات میں کچھ محارم ہوں اور غیر محارم کے ساتھ خلوت سے بچنے کا ظن قوی ہو تو بدلیل پردہ نمبر ۱۳/ ۱۴/) میں مختلف شہروں کی سیر، صنفی فرق کی مناسبت سے مختلف جائز مسابقتی کھیلوں میں شرکت کی شرعا اجازت ہے۔

۱۴- چونکہ عورت کی آواز پردے کے حکم سے خارج ہے اس لیے ایسے مکالمے جس میں بے پردگی نہ پائی جائے یا لڑکیوں کا پروگرام خواتین کے درمیان ہو تو جائز ہے۔ بدلیل پردہ نمبر ۱/ ۲/ ۵/)۔ اگر بے پردگی یا بے پردگی نہ ہو لیکن مکالمہ خلاف شریعت ہو تو ناجائز ہے۔

۱۵- حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا، جس میں تصاویر غیر معبودہ کو ۱۴/احادیث

اور متعدد فقہی جزئیات سے جائز ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ایک وقیع رسالہ تحریر فرمایا۔راقم الحروف کے سامنے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ وہ تحریر" التصویر لا حکام التصویر "شریک اشاعت جواہر الفقہ جلد سوم (ص ۱٦۷/تا ۲۵۵/) موجود ہے۔اس میں ۱۳۱/احادیث نبویہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام، سے استدلال اور تفصیلی کلام کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ:

"ذی روح کی تصویر کشی اور مجسمہ سازی عام حالات میں متفقہ طور پر ناجائز اور حرام ہیں"۔

جن احادیث اور فقہی عبارات سے مخصوص موقعوں پر تصویروں اور مجسموں کا جواز معلوم ہوتا ہے؛ ان میں سے بعض ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ممکن حد تک راقم الحروف نے ان عبارات کے ماخذ و مصادر کی طرف بھی مراجعت کی کوشش کی ہے۔

(۲۲) "أبو هريرة رفعه فی التما ثیل رخص فیما کان یؤطأ وکره ماکان منصو با بالا وسط بضعف"(جمع الفوائد ۱/۱۲۷)۔

(۱۲) "عن هريرة قال: استاذن جبريل عليه السلام على النبی ﷺ فقال: ادخل فقال: كيف ادخل وفی بيتک ستر فيه تصاوير، فأما أن تُقطَّع رؤسها أو تجعل بساطا يو طأ فا نا معشر الملا ئكة لا ندخل بيتا فی تصا وير" روا ه النسائی از تا ج الجا مع۔"

(۲۳) مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کے مصور پردے کے قصہ میں جس میں پردہ کو پھاڑ کر گدے بنا دینا مذکور ہے، یہ الفاظ بھی ہیں۔

" فكان فی البيت يجلس عليه وفيه صورة"(مسند احمد)۔

(۲۵) " عن الليث قال: دخلت على سالم بن عبد الله وه ومتكیء على وسادة فيها تما ثيل طير ووحش فقلتُ اليس يكره هذا قال: لا ! إنما يكره ما نصب نصبا" (مسند احمد مع فتح ربانی ۱۷/۲۷۷)۔

(۲٦) طبقات ابن سعد جزء تابعین ص ۱۳٦/ میں ہے کہ حضرت عروہؓ کے بٹن میں آدمیوں کے چہرہ کی تصاویر یں تھیں۔

(۳۷) اسد الغابہ میں حضرت انس بن مالکؓ کے حالات میں ہے کہ ان کی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر غراں کی تصویر بنی تھی۔

(۲۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی انگوٹھی میں نگینہ تھا اس میں دو مکھیوں کی تصویر یں بنی تھی۔

(۲۹) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک انگوٹھی دستیاب ہوئی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ: یہ دانیال نبی کی انگوٹھی ہے۔اور اس کے مُرَقَّع تھا کہ دو شیر دائیں بائیں کھڑے تھے بیچ میں لڑکا تھا۔حضرت عمرؓ نے یہ انگوٹھی حضرت ابو موسی اشعریؓ کو عنایت فرمائی۔منقول از معارف اعظم گڑھ۔"

(۳۰)ابو داؤد باب اللعب بالبنات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ بروایت عروہؓ منقول ہے:

"قالت کنتُ العب بالبنات فدخل علی رسول الله ﷺ وعندی الجواری فإذا دخل خرجن وذاخرج دخلن" (بذل المجہود ۵/ ۲۶۴)۔

اس باب میں بروایت ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" قالت رسول الله ﷺ من غزوة تبوک أو خیبر وفی سهوتها ستر فهبت الریح فکشف ناحیة الستر عن بنات عا ئشةؓ لعب فقال: ماهذا یا عائشة قالت: بنا تی ورأی بینهن فرسا له جناحان من رقاع، فقال: ماهذا الذی اری فی وسطهن ؟ قالت: فرس! قال وماهذا الذی علیه؟ قلت: جنا حا ن! قال فرس له جنا حان؟ قالت اما سمعتَ؟ ان لسلیمان خیلا لها اجنحة! قالت فضحک رسول الله ﷺ حتی رأیتُ نواجذه" (ابوداؤد)۔

ان روایات کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

" (۱) احادیث حرمت میں خود جبریل امین علیہ السلام کی تلقین سے معلوم ہوا کہ جن تصاویر کا سر کاٹ دیا جائے یا کسی رنگ روغن سے لتھیڑ دیا جائے، اس کا استعمال جائز ہے (کما فی حدیث ۱۲ رواہ النسائی وحدیث ۱۷ رواہ احمد فی مسندہ)۔

اس لیے سر کٹی ہوئی تصاویر کے جواز پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اس کو حضرت جبریلؑ نے خود ہی درختوں اور غیر ذی روح چیزوں کے حکم میں کر دیا ہے۔

(۲) دوسری رخصت یہ ہے کہ جو احادیث ۱۲/تا ۲۵/ میں مذکور ہے کہ تصاویر سالم ہی رہیں مگر ان کو محل اہانت وذلت میں مثلاً پامالِ فرش یا گدّا وغیرہ جس کے اوپر بیٹھا جائے بنا دیا جائے ان کے جواز پر بھی امت کا اجماع ہے۔

(۳) تیسری رخصت احادیث ۲۶/تا ۲۹/ سے یہ ثابت ہے کہ بہت چھوٹی تصویریں جیسے بٹن یا انگوٹھی کے نگینہ پر یا روپیہ پیسہ پر اس کے استعمال کی گنجائش ہے (اس پر بھی تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے)۔

(۴) چوتھی رخصت حدیث ۳۰/۳۱/ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ: لڑکیاں جن گڑیوں سے کھیلتی ہیں یہ کھلونے استعمال کرنا بھی جائز ہے مگر اس میں حضرات فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔" (ملخصاً من جواہر الفقہ ۳/ ۱۶۷/تا ۲۵۵)۔

ذی روح کی چھوٹی تصویریں جائز ہیں۔

" فی الدر المختا ر: أوکانت صغیرة لا تتبین تفاصیل اعضائها للنا ظر قائما وهی علی الأرض ذکره الحلبی ، قال الشامی هذا اضبط لما فی القهستا نی...(إلی قوله) لکن فی الخزانة : إن کانت الصورة مقدارطیر یکره، وإن کان أصغر فلا یکره" (شامی مکروہات الصلوۃ ۱/ ۴۰۷) ۔

آخر میں مقدار طیر بھی تحقیق طلب ہے کیوں کہ اگر مقدار طیر سے مراد حمامة وغیرہ ہے تو یہ بڑی تصویر ہوگی اور اگر مقدار طیر سے مراد عصفور یا جراد ہے تو ابتداء میں قہستانی نے بیان کیا ہے وہی درست ہے اور علامہ شامی کا اضبط کہنا بجا ہے۔

موضع اہانت میں تصاویر جائز ہیں۔

” من مکروها ت الصلوة وإن کا ن علی البساط والوسائد الصغار، وهی تداس با لرجل ، لا تکره لمافیه من إهانتها“(ردالمحتار مکروهات الصلوة ۲/ ۴۱۹،طبع زکریا)۔

ذی روح کے مجسمے اور تصویریں بچوں کی تعلیم کے غرض سے ہو تو جائز ہے۔

” فی متفرقات البیو ع من الدر المختا ر فی آ خر حظر المجتبی عن ابی یو سف یجوز بیع اللعبة وأن یلعب بها الصبیان“(ردالمحتار مع الدر ۴/ ۲۹۷)۔

محل ضرورت میں تصویروں اور مجسموں کی صنعت اور خرید وفروخت جائز ہے۔ جیسا کہ اما ابو یوسف کا بیان ہوا۔ امام ابو یوسفؒ کے قول سے استناد کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب بھی اس ضرورت کے تحت مجسموں اور تصویروں کے جواز بیع قائل ہیں، فرماتے ہیں:

” البتہ بچوں کے کھلونے اگر مصور ہوں تو ان کی بیع وشراء (حسب تصریح امام ابو یوسفؒ کے) جائز ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے“(جواہر الفقہ ۳/ ۲۳۸)۔

جواہر الفقہ جلد ۴/ص از ۸/تا ۶۳/ میں تفصیلی کلام کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ۔

” ان سب واقعات واحادیث کا حاصل اس سے زیادہ نہیں کہ شرعا چار قسم کی تصویریں جائز الاستعمال ہیں، پا ئمال و ممتہن، سرکٹی ہوئی، بہت چھوٹی، حضرت عائشہ کی گڑیاں، اور یہ وہ نتیجہ ہے جو ہمیں اس دردسری سے پہلے ہی تسلیم ہے اور جس میں جمہور فقہاء ومحدثین بھی متفق ہیں۔ اس لیے مختلف فیہ فقط وہ تصاویر غیر مشرکانہ ہیں جو ان چار قسموں کے علاوہ ہیں“(کشف التزویر عن احکام التصویر شریک الاشاعة فی جواهر الفقه المجلد الرابع ص ۲۴۸)۔

چھوٹی تصاویر کے جواز اور بڑی تصاویر کے عدم جواز سے معلوم ہوا کہ زمین پر پڑی ہوئی جس جاندار تصویر کو کھڑے ہوکر دیکھنے کی صورت میں اس کے اعضاء صاف طور پر نہ معلوم ہوتے ہیں، اس میں غور کیا جائے کہ یہ تصویر کتنے میگا پکسل (Mega pixel) کیمرے سے بنتی ہے۔ اسی مقدار میگا پکسل کیمرے سے ان تمام چیزوں اور پروگراموں کی ویڈیو بنانا جائز ہے جن کو عام حالات میں دیکھنا اور دِکھانا جائز ہے۔ مقررہ میگا پیکسل (Mega pexel) کیمرے سے ویڈیوز کی رکاڈنگ کے بعد اسکرین (Screen) کتنی بھی بڑی نظر آئیں مجسم ذات کو آئینے اور پانی میں دیکھنے کے حکم میں ہوکر عدم جواز سے باہر ہوں گے۔ مقررہ

میگا پکسل سے بڑے کیمرے سے ویڈیو رکارڈنگ عام حالات میں ناجائز ہوگا۔ کیوں کہ یہ بڑی تصویر سازی کے حکم ہوگا۔

ڈیجیٹل تصاویر (Digital photograpgy) وغیرہ کے سلسلے میں بھی ایک بات مزید یاد رکھنے کی ہے کہ عمر کے لحاظ سے مضامین اور مناظر کی طرف انسانوں کا ذہنی ارتکاز (concentration) ایک منٹ میں ۶ / ۷ / بار سے لے کر ۱۴ / ۱۵ / بار ٹوٹتا ہے۔ کوئی اگر کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف اس کے دماغ سے ایک روشنی نکلتی ہے یہ روشنی ۷ / ۱۵ / سیکنڈ تک نکلتی رہتی ہے، جب تک یہ روشنی دماغ سے آنکھ کے راستے نکلتی رہتی ہے ناظر کی توجہ منظر (Scenes) پر جڑی رہتی ہے اور جیسے ہی ۷ / سے ۱۵ / سیکنڈ کا وقفہ ہوتا ہے دماغ سے روشنی نکلنی بند ہو جاتی ہے ناظر کی توجہ منظر (scenes) سے بھٹک جاتی ہے۔ آنکھ کے سامنے سابقہ منظر کے علاوہ کوئی دوسرا منظر پیش کر دیا جائے تو پھر دماغ سے روشنی نکلنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایک ہی مضمون پر ذہنی ارتکاز کو مسلسل باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ منظر یا اس کی زمین کو ایک منٹ میں اتنی ہی بار ذہنی ارتکاز ٹوٹنے قبل ہی بدلے جائیں، مثلاً منظر (Scenes) سے بچے کا ذہنی ارتکاز (concentration) ۷ / سکنڈ میں ٹوٹتا ہے تو ضروری ہے کہ ۷ / ویں سیکنڈ سے پہلے ہیں ۶ / ویں سیکنڈ میں منظر (Scenes) یا اس کی زمین (Base & Background) میں کوئی تبدیلی کر دی جائے اس طرح صرف ایک منٹ نہیں بلکہ کئی گھنٹوں تک بچے اور ناظرین کی توجہ کو کسی ایک ہی مضمون پر ٹکایا جا سکتا ہے۔ یہ کام ڈیجیٹل تصاویر یا اسمارٹ کلاسز (Smartclasses) بخوبی حاصل ہو جاتی ہے۔ فلموں کے بارے میں لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ پوری کی پوری کہانی فرضی ہے، اس کا جھوٹ معلوم ہونے کے باوجود ناظر پوری توجہ کے ساتھ کامل تین گھنٹے تک مسلسل اس کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ذہنی ارتکاز (concentration) کے لیے نفسیات کی ان فنی نکات کا ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

تصاویر اور خصوصاً ڈیجیٹل تصویروں کے ذریعہ تعلیم میں بڑی سہولت اور افادیت ہے اس لیے۔ تصاویر و مجسموں سلسلے میں شریعت میں درج ذیل جائز صورتوں کو استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(الف) کتابوں میں تصاویر اتنی چھوٹی بنائی جائیں کہ کھڑے ہو کر دیکھنے پر ان کے اعضاء معلوم نہ ہوں، اسی طرح خطوط سے کے ذریعہ (Imagin pictures) ذی روح کی بڑی تصاویر جن میں چہروں کے خدوخال باقاعدہ واضح نہ ہوں، جائز ہے۔

(ب) بڑی تصاویر دیواروں پر آویزاں کرنا جائز نہیں ہے البتہ فرش، زمین، بیت الخلاء جائے غلاظت، زمین پر لیٹی ہوئی حالت میں، کھیل میدان کی زمین پر، پائیدان، سیڑھی، پھسل پٹی، جوتا، کرسی، مختلف قسم کے جھولے مثلا .Seesaw. Swing .Slide. Merry-go-Round. Steps پر پیر رکھنے کی جگہیں یا بیٹھنے یا کمر سے مس ہونے والے حصوں میں بنانا جائز ہے۔

(ج) بڑے انسانوں وحیوانوں کا عکس آئینہ یا پانی میں ممنوع نہیں ہے۔ البتہ کوئی آئینہ یا پانی میں نظر آنے والی تصویروں کو مسالحہ جات سے جام (Fix) کر کے کاغذ وغیرہ پر اتار لے تو یہ حرام ہے۔ اس لیے ذی انسان اور جانداروں پر مشتمل معاملے، مکالمے، تقریروں ومباحثوں وغیرہ جس میں بے پردگی، ناجائز باتیں نہ ہوں تو اتنے چھوٹے میگا پکسل کیمرے سے ان کی ویڈیوز ریکارڈنگ

جائز ہے کہ اس ویڈیو کارڈ سے اگر کوئی کاغذ پر تصویر اتارنا چاہے تو پکسل پھٹ جائے۔ڈیجیٹل تصاویر سے تعلیمی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے،اور تصاویر و مجسموں کی قباحت تقریباً نہیں پائی جاتی ہے اس لیے ڈیجیٹل تصاویر کو ترجیحی طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

(د) سلة المهملات (Dustbin) ہاتھ دھونے کا برتن، غلاظت اٹھانے کا ڈبہ، اوگل دان، سُپڑی وغیرہ اسی طرح کھانے والی اشیاء، نیز جلد ٹوٹ جانے والی چیزوں سے مثلاً غبارہ اور مٹی وغیرہ سے ذی روح مجسموں کو بغرض تعلیم بنانا جائز ہے۔

۱۶- خواتین کے لیے سلائی کڑھائی پکوان امور خانہ داری میں مہارت، کی تعلیم کم از کم سنت کے حکم میں ہے۔ازواج مطہرات اور بنات طاہرات صحابیاتؓ امور خانہ داری ہی میں مصروف رہتی تھیں۔تسبیح فاطمی والی روایت میں جو حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گٹا پڑ جانا، گھریلو مصروفیات میں کپڑوں کا میلا ہوجانا وغیرہ بیان ہوا ہے۔صرف ایک شوہر علیؓ یا بچے حسنؓ اور حسینؓ کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ مسجد نبوی میں آنے والے مہمانوں کے کھانوں کی تیاری کی وجہ سے شہزادی جنت کا یہ حال ہوجاتا تھا۔ان کاموں سے زیادہ اہم اور بڑی ذمہ داری عورتوں کی یہ ہے کہ وہ بچوں کی اچھی پرورش اور تربیت کریں۔اسکولوں میں بارہویں تک جتنے مضامین ہیں وہ سب کے سب بچوں کی تربیت کے سلسلے میں خواتین کے لیے مفید ہیں۔جو خاتون بارہویں تک تعلیم یافتہ ہوتی ہے وہ اپنے بچوں کے تعلیم کی دیکھ بھال اور ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ایسی خواتین کے بچے تعلیم و تربیت میں کافی آگے ہوتے ہیں۔بلوغ کے بعد جو تعلیم خواتین پر فرض کفایہ کے درجے میں ضروری ہو سکتے ہیں انہیں وہ بارہویں کے بعد ہی حاصل کرسکتی ہیں، مثلاً طب، علم القبالت، (Gynacology) میڈیا، معلّمی کے لیے ''B.ed.'' یا ''D.ed.'' یا ''De.el.ed.''۔اس لیے خواتین کے ذریعے نسلوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور ''علوم فرض کفایہ'' کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ لڑکیوں کو انٹر (۱۲ویں) تک مروجہ نصاب (Syllabus) کی تعلیم دی جائے۔اور امور خانہ داری کی تعلیم چوں کہ آج بھی گھروں میں ہورہی یا پھر اس کے لیے الگ سے کلاسیں قائم ہیں، نہیں ہیں تو الگ سے قائم کی جاسکتی ہیں۔اور ان کلاسوں میں مذکورہ علوم کی تحصیل کے لیے کوئی تقابلی امتحان کو ایلفائی نہیں کرنا ہوتا ہے، اس لیے عام حالات میں امور خانہ داری کی تعلیم کو گھروں یا الگ سے چار چھ مہینہ کی کلاسوں میں دلائیں جائیں، یہی بہتر ہے۔

۱۷- ہمارے تعلیمی نظام میں سرکاری علمی اور انٹرنیشنل زبان (انگریزی) کے علاوہ بطور دینی زبان اردو رکھی جاتی ہے اس زبان کا بوجھ تعلیمی انحطاط کا باعث ہے۔اگر اردو کو نکال دیں اور دین اسلام کو مادری وسرکاری علمی زبانوں میں سکھائیں تو ایک زبان کا بوجھ کم ہوجائے، اور پھر قوی امید ہے کہ ہمارا تعلیمی معیار بلند ہوجائے۔مکاتب میں قرآن خوانی اور نماز وغیرہ کی عملی مشق کے ساتھ اردو بھی دینی زبان کی حیثیت سے لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔اور اسکولوں اساتذہ تعلیمی مصروفیات کے ساتھ بکثرت چھٹیوں کی وجہ سے سال بھر میں بہت کم دن تعلیم کے لیے دے پاتے ہیں۔اپنی سہل انگاری یا بکثرت چھٹیوں کی وجہ سے اردو زبان کی اصلاح کے لیے مکاتب کے مولیوں سے امید لگائے بیٹھے رہتے ہیں اور ان کی توقع کے مطابق جب اسکول کے بچے مکاتب میں اردو صحیح نہیں کر پاتے

ہیں تو وہ مولیوں کے تعلق سے منفی خیال ظاہر کرتے ہیں اور بچوں میں بھی یہی منفی سوچ پیدا کرتے ہیں۔ مولوی صاحب کیا پڑھاتے ہیں؟ یعنی اسکول کا بوجھ مولیوں کے سرڈال دیا جاتا ہے۔ ٹیچروں کے اعتراضات کی وجہ سے مولوی پریشان ہوکر اپنی خدمات سے مسلسل سبک دوش ہوتے یا کئے جاتے رہتے ہے۔ اس طرح اسکول میں اردو کی کمزوری کی سزا جہاں مولوی کو برداشت کرنی پڑتی ہے وہیں بچے دین کی تعلیم سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر ہمارے اسکولوں اور مکتبوں سے اردو نکال دی جائے تو دینی مکاتب اور اسکول میں زبان کا بوجھ کم ہوجائے گا اور اسی کے ساتھ مکاتب میں دین کی جو تعلیم دی جاتی ہے سرکاری علمی زبان میں ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ دینیات کی معلومات بچوں کو دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ سرکاری زبان کی تعلیم عام حالات میں مکاتب کے مولیوں کی ذمہ داری نہیں رہے گی بلکہ بچے اسوکولوں سے پہلے ہی سیکھ چکے ہوتے ہیں۔ اور اگر اسکول میں سرکاری زبان کمزور ہوگی تو مکاتب سے وہ زبان مضبوط ہوجائے گی جو کہ اسکول کی تعلیم میں کافی مفید ثابت ہوگی کیونکہ جب تک زبان کی تعلیم قوی نہیں ہوگی اس وقت تک کوئی بھی مضمون صحیح طور نہیں سیکھا جاسکتا ہے۔ مکاتب میں مقامہ اور سرکاری علمی زبانوں میں تعلیم کا خیال کوئی نیا نہیں ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی کتا تعلیم الاسلام مختلف علاقائی زبانوں میں دستیاب ہے۔ اسی طرح خدابخش لائبریری پٹنہ سے بھی ملک میں ایسا تائثر ارباب علم کی مجلسوں میں آچکا ہے۔'' اسی طرح مالے گاؤں نے بھی اپنے علاقائی زبان میں دینی تعلیم کی ضرورت کومحسوس کی ہے، اور مراٹھی زبان کی کتاب اپنے نصاب میں شامل کیا'' (ڈاکٹر عتیق الرحمٰن و جناب محمد شاہ جہاں قاسمی ریسرچ اسٹاف خدابخش لائبریری پٹنہ 'عربی مدارس کا نصاب ونظام تعلیم اور عصری تقاضے' ۲؍ص ۲۰۷؍خدابخش لائبریری ۱۹۹۵ء)۔

ایک خدشہ یہ ہے کہ اگر اردو کو چھوڑ دیں تو اسلام کے بہت بڑے سرمایے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ عربی کی طرح اردو ایک حالت پر باقی رہنے والی زبان نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے اگر ہم اردو سے چمٹے بھی رہیں تب بھی سو یا پچاس سال کے بعد اردو میں دینی سرمایے کو سمجھنے کے لیے قدیم اردو سیکھنی ہوگی ورنہ اردو کی تعلیم کے باوجود خود بہ خود (اردو میں موجود) سابقہ دینی سرمایے سے ہمارا اور ہماری نسلوں کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ پھر موہوم امید میں کیوں آخر ایسی زبان سے چمٹے ہوئے ہیں جو نہ قرآن کی زبان ہے نہ اسلام کی دعوت میں مؤثر ہے اور نہ ہی عصری علوم سے اس کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ہمارے طلباء پر صرف ایک بوجھ ہے۔ اور اسلام کی زبان عربی اور دعوتی زبان سے دوری کا باعث ہے۔؟ اگر آج ہی ہم اردو کو چھوڑ ناطے کرلیں تو اردو کے تمام دینی سرمایے کو، لوکل زبانوں یا پھر عربی میں منتقل ہوکر دوام حاصل ہوجائے گا۔ جیسا کہ بنگلہ دیش میں ۱۹۸۵ء میں اردو پر پابندی لگی تو ۱۵؍۲۰؍سال کے عرصے میں تمام اردو شروحات بنگلہ یا پھر عربی میں منتقل ہوئیں اور وہاں کے علماء، مقامی زبان کے ساتھ قرآن وسنت کی زبان سے منسلک ہوگئے۔

یہاں اردو کے تعلق سے حضرت اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے استاذ، حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ کا قول نقل کرنا دلچسپی کے خالی نہ ہوگا۔ یہ سرحدی علاقہ کے رہنے والے تھے اردو کم جانتے تھے ایک مرتبہ:

’’مولانا محمد حسنؒ نے مولا غلام رسول صاحبؒ سے کہا کہ: میاں مولوی غلام رسول! چالیس برس ہوگئے، تمہیں دارالعلوم میں رہتے ہوئے مگر تمہیں اردو بولنی نہ آئی؟! مولانا کو آیا غصہ اور کہا کہ: میں ہندوستانیوں سے زیادہ اچھی اردو جانتا ہوں مگر اس زبان کو لغو سمجھتا ہوں‘‘ (خطبات حکیم الاسلام ۱/۱۷۱)۔

تعلیمی معیار بلند کرنے کے لیے ضروری ہے ہم اپنے اسکولوں اور مکاتب سے اردو خارج کردیں۔ اسکولوں سے اردو کو خارج کرنے کے بعد سہ لسانی نظام تعلیم کی وجہ سے تیسری زبان کے طور پر سنسکرت کو داخل کردیا جاتا ہے۔ سنسکرت بھی معیوب زبان نہیں ہے۔ لیکن ایسی صورت میں ہمیں قرآن وسنت کی مصدری اور دائمی زبان ’’عربی‘‘ کو داخل کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’**أحبوا العرب لثلا ث لأني عربی، و القر آ ن عربی، و کلام أهل الجنة عربی ...**‘‘ طبرانی، مستدرک حاکم شعب الایمان براوایت عبداللہ بن مسعود (معارف القرآن ۵/۲۲۶)۔

عربی زبان کے سلسلے میں حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کے بیان کا ایک جزو ذیل میں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

’’یہ قرآن وحدیث کی زبان ہے جو ہمارے دین ومذہب کا سرچشمہ ہے۔ ہندوستانی مسلمان جس حد تک مذہب میں فنائیت کا مقام رکھتے ہیں اسی حد تک وہ اس مذہبی زبان سے نابلد اور بے پروا بھی ہیں... اب مختصر عربی نصاب بھی مسلمان بچوں میں رائج کیا جائے جو انہیں عربیت سے بیگانہ نہ رکھے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے اس ضرورت کو مولانا محفوظ الرحمٰن نامی سابق پارلیمنٹری سیکرٹری نے پورا کردیا ان کے عربی نصاب کا پانچ کتب پر مشتمل سَیٹ عربی کی ایک قابل قدر پنج گنج ہے، جس سے بچوں میں بہت آسانی کے ساتھ قلیل مدت میں قرآنی محاورات سے لگاؤ پیدا ہوکر عربیت کا ذوق پیدا ہوجاتا ہے‘‘ (خطبات حکیم الاسلام ۸/۲۵۹/۲۶۰)۔

اس کتاب کو یا اسی طرح دوسری کتابوں کو ہندی انگریزی یا دوسری سرکاری علاقائی علمی زبانوں میں ترجمہ کرکے، تعامل جسمانی طریقۂ تعلیم (Total Physical Interection) پر سکھایا جائے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بچے اس زبان کو کھیل کھیل میں سیکھیں گے ان کے دماغ پر زبان کو بوجھ نہیں ہوگا۔ اور اسلام کے زبان سے روآشنا بھی ہوجائیں گے۔ ساتھ ہی دسرے مضامین بھی اس طریقہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوں گے۔

اسکولی تعلیم میں بنیادی طور چار مضامین بہت اہم ہوتے ہیں (۱) زبان (۲) ریاضی (Mathematics) (۳) معاشرہ اور ماحولیات (۴) سائنس۔ ان مضامین کی تعلیم یومیہ چار ساڑھے چار گھنٹے ہی ہوتی ہے۔

سرکاری اور کمرشیل اسکولوں میں کسی مذہب کی نمائندگی سے بچنے کے لیے زبان میں بلی، بندر، کوا، لکڑہارا، وغیرہ کی جھوٹی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں۔

اسی طرح ریاضی میں ریاضی کے مختلف قوانین (Ruls) اوران کی تمارین ہوتی ہیں تمارین (Exercise) میں عام لین دین اور عقود کو سامنے رکھ کر مثبت (Plus) منفی (Minus) ضرب (Multipy) تقسیم (Division) اور اوسط (Percent) ان لین دین میں خاص طور سود (Interest) کے معاملات سے بچوں کو قوانین ریاضی مشق کرائی جاتی ہیں۔سودی لین دین کی مشق ؛ بچوں کے ذہن میں سود سے انسیت کا باعث بنتی ہے۔اسی طرح بطور مثال تاریخ ولادت کے مناسبت سے کیک چاکلیٹ کی مقدار اور تقسیم ان میں کمی زیادتی سکھائی جاتی ہے۔اس مشق سے جہاں قانون ریاضی میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے وہیں ؛ تاریخ ولادت (Birthday) کا تصور دماغوں میں راسخ ہوتا ہے۔اسی طرح مشق کے لیے ایک اور مثال ہوٹل ہے، کہ'' فاطمہ نے چار گلاس شراب ٹیبل پر رکھا ایک گلاس ٹوٹ گیا کتنے گلاش شراب بچے؟ یا دو گلاس شراب اور لائی کتنے گلاس شراب کے ہوئے؟'' ان مشقوں میں تصاویریں نیم عریاں اور مغربی ہوتی ہیں۔اس مثال میں منفی، مثبت قانون ریاضی کو سکھایا گیا۔شراب پیش کرنے والی فاطمہ کو بتایا گیا، اور پینے کے لیے شراب کو بھی بتایا گیا، اور فاطمہ کی جو تصویر سبق کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ نیم عریاں ہے۔اس مشق میں ریاضی کے ساتھ بچوں کے ذہن میں تبعا (Indirect) مزید تین باتیں داخل کردی گئیں۔ ۱۔ فاطمہ مغربی طرز کی ہوتی ہے فاطمہ کے لیے یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ ۲۔شراب ایک عام مشروب ہے۔ ۳۔عریانیت۔

معاشرت اور ماحولیات میں جدید آزادخیال معاشرہ اور ماحول عموما بیان کیا جاتا ہے۔

سائنس میں جدید اکتشافات اور طریقہ تحقیق کو پیش کرنا کوئی معیوب نہیں، لیکن ایسا ہوتا ہے کہ تبعا اس میں اسلام مخالف تصورات کو پیش کیا جاتا ہے۔گائے کے پیشاب میں لغو قسم کے طبی فوائد اور مصافحہ سے انفکشن (Infection) جیسا غلط نظریہ۔

زمانی تبدیلی کی بنا پر خانگی تعلیم کے ساتھ اس کی جگہ بنیادی طور پر اسکولی تعلیم نے لے لی ہے بریں بنا لکیر پیٹنے کے بجائے مسلمانوں کو بھی اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے سابقہ نظام تعلیم یعنی محض خانگی تعلیم پر انحصار کے بجائے اسکولی نظام قائم کرنا چاہیے اور نظام کے ساتھ نصاب بھی بنانا چاہیے۔جس طرح دین مخالف باتوں کو دوسری قوموں نے مضامین مذکورہ میں داخل کی ہیں اسی طرح ان چاروں لازمی مضامین میں دین اسلام کو ہم اچھی طرح رچایا، بسایا اور پیوست کرسکتے ہیں۔مثلا زبان میں بلی، بندر، چوہا، کی فرضی کہانیوں کے بجائے قصص الانبیاء، اصحاب کہف، اصحاب فیل، ھد ھد، نملۃ، جیسی سچی قرآنی کہانیاں مختلف معجزات اور واقعات نبوت، اصحاب کی جانثاری وغیرہ کو شامل کر کے زبان سکھا سکتے ہیں۔

ریاضی میں گنتی، اعداد بنیاد ہیں۔اعداد کے لیے ازواج مطہرات اور بنات طاہرات، اصحاب صفہ، مختلف غزوات میں شامل ہو کر شہید اور غازی ہونے والے اصحابؓ رسول ﷺ، مختلف مخصوص عربی مہینوں دنوں سالوں کی گنتی، خصوصا علم الفرائض کے قوانین اور تمارین، ریاضی میں فی مفید و مؤثر انداز میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔

معاشرہ اور ماحول میں بیت النبوی، ماحولیات میں شجرکاری اور صفائی وغیرہ سے متعلق آپ ﷺ کی تعلیمات، معاشرہ میں

معاشرہ نبوی اوراس سے قبل کی صورت حال، ان مختلف ملکوں کا تذکرہ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی بات بیان فرمائی ہو یا جہاں جہاں صحابہ کا ورود مسعود ہوا، وغیرہ۔

سائنس میں جدید سائنسی تحقیق سے اسلام کی حقانیت مثلاً آڈیوں ویڈیو رکارڈنگ کے سلسلے میں قرآنی بیانات مثلاً:

''یو مئذ یصد رالناس اشتا تاً لیرو اا عمالھم''(سورۂ زلزال:۶)۔

'' ما یلفظ من قول الا لدیھم رقیب عتید''۔

اورسورہ اعراف آیات نمبر ۴۴ر تا ۵۱ر میں انٹرنیٹ کا کامل تصور(Concept)۔ڈارون وغیرہ کے نظریات کے خلاف موجودہ سائنسی تحقیقات اورتخلیق آدم پر قرآنی تفصیلات۔وغیرہ

علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے فرمایا: '' سائنس جدید اقرب اِلی الاِ سلام ہے''(نقش دوام ص ۱۱۷ر مولانا انظرشاہ کشمیریؒ)۔

اس طرح اگر ہم اپنا نصاب وضع کریں تو پھر عصری تعلیم سے الگ دینی یا دینی تعلیم سے علیحدہ عصری تعلیم کے الفاظ اور اصطلاح بھی استعمال کرنے کی شاید ضرورت پیش نہ آئے۔ اسلامی نصاب کے ساتھ اسلامی نظام بنایا جائے۔مسلم اداروں میں دونوں لحاظ سے غلطی ہورہی ہے۔اگر نظام اسلامی بنایا جاتا ہے تو نصاب دوسروں کا لے لیا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے اسلامی ماحول میں پڑھائے جانے والے مضامین سے اسلامی ذہن نہیں پیدا ہو پاتا ہے اوراگر اسلامی نصاب لیا جاتا ہے تو اسلامی نظام نہیں بنایا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ دین کی تعلیم کے ساتھ ہی دین بیزار نسلیں تیار ہورہی ہیں۔عیسائی اسکولس جو خاص عیسائیوں کے لیے ہوتے ہیں وہاں اگر '' کلیسا'' نہ نظر آئے تو دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ ان کا پورا ادارہ '' کلیسا'' کا رنگ لیے ہوتا ہے۔

'' آکسفورڈ یونیورسٹی کے ہرکالج مین چرچ نہیں بلکہ وہاں کا ہرکالج ایک چرچ ہے''(پروفیسر انیس چشتی، اردو ٹائمز،شمارہ عزائم ص ۱۱ر جمعرات ۱۲ر مارچ ۲۰۰۷ء)۔

اسی طرح ہمارے اداروں میں نصاب کے چاروں اہم مضامین میں دین کا رنگ بھرنے کے ساتھ ہی نظام کو بھی اسلامی بنانا ضروری ہے، ان تفصیلات کی روشنی میں دینی تعلیم کے لیے کسی حد کی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے کیوں کہ اس نصاب اور نظام سے عصری تعلیم متاثر نہیں ہوگی، باقی فرض عین جو علوم ہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، روزمرہ کی زندگی سے متعلق حرام اور حلال امور؛ کی حدتک تعلیم دلانا تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔الگ ان کی تعلیم کا انتظام ہوتو سرکاری علاقائی زبانوں ہوتو بھی اسکولی تعلیم متاثر نہیں ہوگی۔

۱۸- بالغ لڑکے اورلڑکیوں کی تعلیم کے لیے مخالف جنس سے معلمین کے تقرر کا تصور، عام حالات میں اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔(بدلیل پردہ کے جملہ نمبرات) کم سن بچوں میں خواتین کا تقرر پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔کم تنخواہوں پر خواتین معلمات کی حصولیابی دلچسپ ہے۔ان کی تنخواہوں میں دو وجہوں سے کمی ہوئی۔ایک شاطر مغرب کی دھوکہ دہی کی وجہ سے کہ اس نے مساوات

نسواں کا نعرہ لگایا لیکن اس کا خون چوسنے کے لیے اس کی تنخواہ اسکولوں وغیرہ میں کم رکھی۔ دوسری بات اسلامی سماج میں عورتوں پر گھریلو اخراجات کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے۔اس لیے مسلمانوں کے دینی معاشرے کی عورت قلیل تنخواہ پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار ہوجاتی ہے۔ بالغ لڑکوں کو معمر خاتون معلّمہ یا بہ ظن غالب کسی فتنہ سے محفوظ رہنے والی معلّمہ کا تقرر جائز ہے (بدلیل پردہ نمبر ۱۳ ر ۱۴)۔خاص طور پر جو خاتون پردے کو کوئی اہمیت نہ دے اور اپنی ذات کو عزت واحترام کی چادر سے باہر رکھنا پسند کرے، فتنے سے حفاظت کے ظن غالب کے ساتھ اس سے بالغ لڑکوں کو تعلیم حاصل کرنا جائز ہے (بدلیل پردہ نمبر ۱۷ ر ۱)۔آسارام، رام پال، رام رحیم، جیسے باباؤں کی رنگین زندگی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بوڑھے مرد کے ذریعے بالغ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے پردہ، معلم سے دوری اور دوسری حفاظتی انتظامات ضروری ہیں۔ دونوں جنس کے نامحرم معلمین اسی طرح مخالف جنس طلباء وطالبات کے ساتھ خلوت اور تنہائی نہ اختیار کرنے پائیں۔ اس کا انتظام شرعی طور پر ضروری ہے۔اس طرح مخالف جنس سے تعلیم کے لیے خصوصا لڑکیوں کے لیے مرد معلم کا تقرر بوقت مجبوری اور موافق جنس کے معلم کی عدم دستیابی صورت میں ہی کیا جائے (بدلیل پردہ نمبر ۱۳ ر ۱۴) ۔

۱۹- جو قوانین خلافِ اسلام ہیں ان کو چھوڑنا اور ترک کرنا ضروری ہے۔جیسے ''بندے ماترم'' جیسا مشرکانہ اور مسلم دشمنی پر مبنی نغموں کے فلیکس (Flex etc) س میں شیرنی اور ایک خاتونی کی تصویر ہوتی ہے۔ بسا اوقات متعصب حکام اُس کے لگانے پر اصرار کرتے ہیں۔اس ''بت'' کو رکھنا اور مشرکانہ نغمہ کو لٹکانا جائز نہیں خواہ کسی کی ہدایت یا کسی اعلی نوعیت کا قانون ہو۔ باقی اسکولوں کے سلسلے میں جو قوانین ہیں عام طور پر وہ کافی مفید اور بسا اوقات طلباء واساتذہ کے لیے بہت اہم اور ضروری ہوتے ہیں۔اس لیے اسکول انتظامیہ کو ان تمام قوانین کو پورا (فالو) کرنا ضروری ہے۔رشوت لینے کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف حکام ہی رشوت چاہتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسکول انتظامیہ جائز، مفید اور ضروری امور کو بھی بسا اوقات پورا نہیں کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ رشوت دے کر کام چلالیں۔ایسی صورت میں تو رشوت دینے کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ یہ رشوت دینا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضرری اور بنیادی امور کی تکمیل کے باوجود حکام رشوت خوری کے لیے یا مسلم دشمنی میں معمولی معمولی اور غیر ضروری باتوں کی وجہ سے منفی رپورٹ (Nagativereport) لگادیتے ہیں۔ایسی صورت میں رشوت خور، بدمعاش حکام کی شرارت اور تعدی سے بچنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے۔ کما فی مختارات النوازل:۱۵۷۔ ''دفع الظلم بالرشوۃ امر جائز'' (مختارات النوازل ۳/ ۳۷، طبع ایفا وفی الشامیۃ ۵/ ۵۰۱)۔

ایسی صورت میں رشوت دینے والی کی تو مجبوری ہے اس لیے اس کے لیے رشوت دینا تو جائز ہے لیکن لینے والی کی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لیے لینا بہر حال ناجائز اور حرام رہے گا۔حدیث میں آتا ہے:'' الراشی والمرتشی کلھما فی النار''۔

قرآن مجید میں یہودیوں کے کبیرہ گناہوں کو بیان کرتے ہوئے کذب بیانی اور رشوت خوری اس میں شمار کیا گیا:

'' سمعون للکذب .. اکلون للسحت '' (سورۂ مائدہ:۴۲)۔

تعلیمی اداروں میں مشرکانہ افعال کی انجام دہی کا مسئلہ

مفتی سید باقر ارشد بنگلوری☆

۱۱-اسکولوں میں مشرکانہ ترانے ومشرکانہ افعال کا مسئلہ:

(الف) سرکاری اداروں میں جبراً مشرکانہ ترانے یا مشرکانہ افعال کرائیں جائیں تو مسلمان طلبا کے لئے کیا حکم ہے؟

یہ جائزنہیں ہے کہ مسلم طلبہ مشرکانہ ترانے پڑھیں یا مشرکانہ افعال جیسے یوگا اور سوریہ نمسکار وغیرہ کریں، کیونکہ یہ صریح گمراہی اور گناہ کا عمل ہے، اس طرح کے افعال سے ایک مومن ایمان کے دائرہ سے باہر نکل جاتا ہے، لہٰذا یہ تو طے ہے کہ ایسے افعال ناجائز ہیں۔مگر سرکاری اداروں میں جبراً مشرکانہ افعال کرائے جائیں تو مسلم طلبہ کو چاہئے کہ وہ ان ترانوں کے گانے سے رکیں اور مشرکانہ افعال سے احتراز واجتناب کریں، اس سلسلہ میں اگر جبر کیا جائے تو بچوں کے والدین کو چاہئے کہ وہ اس کا تدارک کریں، انتظامیہ سے بات کریں، پھر بھی مسئلہ حل نہ ہوتو اپنے بچوں کو اسکول سے نکال لیں اور کسی ایسے اسکول میں داخل کرائیں جہاں پر ایسے مشرکانہ افعال نہ کرائے جاتے ہوں یا مشرکانہ ترانے نہ پڑھوائے جاتے ہوں یا کم از کم ایسے اسکول میں داخل کریں جہاں مشرکانہ افعال و مشرکانہ ترانوں پر جبر نہ کیا جاتا ہو۔

کیونکہ کلمۂ کفر کہنے کی اجازت عندالضرورۃ ہے، وہ بھی ایک آدھ مرتبہ کے لئے ہے، یہاں تو جبراً روزانہ کا معاملہ ہے، لہٰذا اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ مشرکانہ کلمات جبراً کہے جائیں۔کمافی تفسیر القرطبیؒ: قال سعید بن جبیرؓ: ”**إذا عمل بالمعاصی فی أرض فأخرج منها**......“ (تفسیر القرطبیؒ ۵/ ۳۴۷) (جب کسی جگہ پر گناہ کا عمل ہو رہا ہو تو وہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے)۔

”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے: ”**إذا لقن الرجل رجلاً کلمة الکفر، فإنه یصیر کافراً، و إن کا ن علی وجه اللعب**......“ (فتاویٰ الہندیہ، کتاب السیر، باب فی أحکام المرتدین ۲/ ۲۹۴)۔

وایضاً: ”**إذا اطلق الرجل کلمة الکفر عمداً لکنه لم یعتقد الکفر قال بعض أصحابنا: لا یکفر، و قال بعضهم: یکفر، وهو الصحیح عندی کذا فی البحر الرائق، و من أتی بلفظة الکفر وهو لم یعلم أنها کفر، إلا**

☆ مدیر المفتی ریسرچ، اسٹڈی سرکل اینڈ پبلی کیشنز، جن پٹن، بنگلور۔

أنه أتى بها عن اختيار يكفر عند عامة العلماء خلافاً للبعض ولا يعذر بالجهل كذا في الخلاصة، الهازل أو المستهزئ إذا تكلم يكفر استخفافاً و استهزاء و مزاحاً يكون كفراً عند الكل، وإن كان اعتقاده خلاف ذلک......" (فتاویٰ الہندیۃ، کتاب السیر، باب فی احکام المرتدین ۲/ ۲۹۶)۔

حدیث میں واضح ہے کہ: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق......" (صحیح البخاری ۲/ ۱۰۶۴)۔

کمافی ردالمحتار: "أن طاعة الامام في غير معصية واجبة......" (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب القضاء ۸/ ۱۱۸)۔

معارف القرآن میں لکھا ہے؛ "أما لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجب، لأن كل من يسكن دولة، فإنه يلتزم قولاً أو عملاً، بأن يتبع قوانيهما و حينئذ يجب عليه اتباع أحكامها ما دامت تلک القوانين لا تجبرها علیٰ معصية دينيه ......" (معارف القرآن ۶/ ۲۲۳)۔

ردالمحتار میں ہے: "إن الصبي ينبغي أن يؤمر بجميع المامورات، و ينهیٰ عن جميع المنهيات......" (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ ۲/ ۵)۔

(ب) ان سرکاری اداروں میں بچوں کے داخلہ کا حکم جن میں اختیاری طور پر مشرکانہ ترانے وافعال کرائے جاتے ہوں:

ایسے سرکاری اداروں میں بچوں کا داخلہ جائز ہے جہاں پر مشرکانہ ترانے یا مشرکانہ افعال "اختیاری" طور پر کرائے جاتے ہوں، جبر نہ ہو، یعنی بچوں کو آزادی ہے کہ چاہے پڑھیں چاہے نہ پڑھیں۔ مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ایسے اسکول کے علاوہ دوسرا کوئی اسکول ہو جہاں پر یہ افعال نہ کرائے جاتے ہوں تو اس میں بچوں کا داخلہ کرائیں، کیونکہ غلط افعال کو دیکھتے دیکھتے بچے اس سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

وفی تفسیر القرطبی: "قال سعيد بن جبيرؓ إذا عمل بالمعاصي في أرض فأخرج منها......" (تفسیر القرآن الکریم للقرطبی ۵/ ۳۴۷)۔

قرآن میں ارشاد ہوا: "وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ الله بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُم عَذَابٌ مُّهِيْنٌ......" (سورۃ لقمان: ۶)۔

ایک اور موقع پر ارشاد حق ہوا: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيكُم نَارًا......" (سورۃ التحریم: ۶)......(اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ)۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا ذکر کیا، ایک آیت یہ بھی ہے: "وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' (یعنی اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے، پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دونگا جو کچھ تم کرتے تھے (سورۃ لقمان:۱۵)۔

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے: ''ومن قصد الکفر ساعة و یوماً فھو کافر فی جمیع العمر .....'' (البحر الرائق ۵/ ۱۲۳)، نہ صرف یہ، بلکہ اگر کسی نے دوسرے کو اس کی تلقین کی یا ایسے افکار وعقائد پر مبنی مضامین پڑھائے وہ بھی کافر ہوجائے گا۔ چنانچہ آگے لکھا ہے: ''ویکف بتلقین کلمة الکفر یتکلم بھا، ولو علیٰ وجہ اللعب ......'' (البحر الرائق ۵/ ۱۲۴)۔

(ج) غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اسکول میں مشرکانہ افعال وترانوں کو لازم کرنے کی صورت میں مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے جب کہ اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو:

غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اسکول میں مشرکانہ افعال وترانوں کو لازم کرنے کی صورت میں مسلمان بچوں کے لئے داخلہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر اس کے سوا گاؤں میں کوئی اور اسکول موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں مجبوراً اس اسکول میں اپنے بچوں کو اس وقت تک بھیج سکتے ہیں جب تک کہ کوئی دوسرا ایسا اسکول قائم نہ ہوجائے جس میں مشرکانہ ترانے ومشرکانہ افعال نہ کرائے جاتے ہوں یا کم از کم جبر نہ کرتے ہوں۔

قرآن میں ارشاد ہے: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ.....'' (سورۃ الحج:۷۸) (اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے)۔

''الضرورات تبیح المحظورات و من ثم جاز أكل المیتة عند المخمصة، و إساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراہ..... (الأ شباہ و النظائر، الفن الأول فی القواعد الكلیة، القاعدة الخامسة ۱/ ۱۱۸، رقم القاعدة ۵۶۸)۔

ایک موقع پر ارشاد حق ہوا: ''يَا يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَ اهْلِيكُم نَارًا.....'' (سورۃ التحریم:۶)......(اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ)۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے: ''إذا اطلق الرجل كلمة الكفر عمداً لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا: لا يكفر، و قال بعضهم :يكفر وهو الصحيح عندی كذا فی البحر الرائق، و من أتی بلفظة الكفر وهو لم يعلم أنها كفر إلا أنه أتی بها عن اختيار يكفر عند عامة العلماء خلافاً للبعض ولا يعذر بالجهل كذا فی الخلاصة، الهازل أو المستهزئ اذا تكلم يكفر استخفافاً و استهزاء و مزاحاً يكون كفراً عند الكل وان كان اعتقاده خلاف ذلك.....'' (فتاویٰ الہندیۃ، کتاب السیر، باب فی احکام المرتدین ۲/ ۲۹۶)۔

دوسرا اسکول نہ ہونے کی وجہ سے مجبور داخلہ لینے کی صورت میں مسلمان بچوں کو چاہئے کہ وہ ان ترانوں کے پڑھنے سے حتی المقدور اجتناب کریں، کسی بھی طرح، کوئی حیلہ اختیار کریں جس سے کہ ان افعال سے احتراز ممکن ہو، مشرکانہ ترانے پڑھتے وقت اگر حاضری ضروری ہو تو پھر ترانے نہ گنگنائیں، بلکہ خاموشی اختیار کریں یا کوئی دوسرے کلمات پڑھتے رہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے گھر میں یا کسی ایسے مدرسہ میں قرآنی، دینی تعلیم کا نظم کریں اور بچوں میں اس بات کی لیاقت پیدا کریں کہ وہ شرک وایمان کے مابین فرق کو سمجھیں اور شرک کی قباحت سمجھتے ہوئے اس سے اجتناب کریں۔

ارباب قوم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر جہاں ایسے اسکول قائم ہیں جن میں مشرکانہ ترانے وافعال کو لازم قرار دیتے ہوں، ایسا اسکول قائم کریں جو ان تمام قباحتوں سے پاک ہو اور مسلمان بچوں کو دین وایمان کی حفاظت کے ساتھ معیاری علم کے حصول میں سہولت ہو۔

قرآن میں ارشاد ہے؛ ’’وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ......‘‘ (سورۃ الحج:۷۸) (اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے)۔

’’الضرورات تبيح المحظورات و من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، و إساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه......‘‘ (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة ۱/۱۱۸، رقم القاعدة ۵۶۸)۔

ردالمحتار میں ہے:’’إن الصبي ينبغي أن يومر بجميع المامورات و ينهىٰ عن جميع المنهيات......‘‘ (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ ۲/۵) (مناسب یہ ہے کہ بچے کو مام ماموارت کا حکم دیا جائے اور تمام منہیات سے روکا جائے)۔

(د) غیر مسلم پرائیوٹ ادارہ میں ترغیبی طور پر مشرکانہ ترانوں اور مشرکانہ افعال کرائیں جائیں تو ان میں داخلہ کا کیا حکم ہے؟

غیر مسلم پرائیوٹ اسکول جن میں جبراً نہیں بلکہ بطورِ ترغیب مشرکانہ ترانوں اور مشرکانہ افعال کرائے جاتے ہوں؛ ایسے اسکول میں مسلم بچوں کا داخلہ کرایا جاسکتا ہے، داخلہ جائز ہے۔ مگر مسلم بچوں کو چاہئے کہ وہ ان مشرکانہ افعال سے، مشرکانہ ترانوں سے اجتناب کریں۔

قرآن میں ارشاد ہے: ’’وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ......‘‘ (سورۃ الحج:۷۸) (اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے)۔

"الضروورات تبيح المحظورات و من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، و إساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه......" (الأشباه والنظائر، الفن الأول فی القواعد الکلیۃ، القاعدۃ الخامسۃ ۱/۱۱۸، رقم القاعدۃ ۵٦۸)۔

ردالمحتار میں ہے: "إن الصبی ینبغی أن یؤمر بجمیع المامورات، و ینھیٰ عن جمیع المنھیات......" (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ ۲/۵) (مناسب یہ ہے کہ بچے کو مام ماموارت کا حکم دیا جائے اور تمام منہیات سے روکا جائے)۔

(ھ) ان قباحتوں سے پاک اداروں کے رہتے مشرکانہ افعال کولازمی یا اختیاری قرار دینے والے اداروں میں مسلمان بچوں کے داخلہ کا جواز وعدم جواز:

ان قباحتوں سے پاک اداروں کے رہتے مشرکانہ افعال کولازمی یا اختیاری کرنے والے اداروں میں مسلمان بچوں کا داخلہ جائز نہیں ہے، کیونکہ جب ایسے ادارے موجود ہیں تو پھران اداروں میں جانا گویا کہ جان بوجھ کر کفر وشرک کی فضا کو اختیار کرنا ہے، اور یہ ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایمانی ودینی فضا اور جہاں پر دین وایمان محفوظ ہو اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جائے جہاں پر دین وایمان کو خطرہ لاحق ہو، لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ایسی صورت میں ان اداروں میں اپنے بچوں کا داخلہ کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔

کما فی البحر: "ومن قصد الكفر ساعة و يوماً فهو كافر في جميع العمر......" (البحر الرائق ۵/ ۱۲۳) (یعنی اگر کسی نے جان بوجھ کر کلمہ کفر کہا یا کفر کو اختیار کیا وہ کافر ہوجائے گا)۔

وایضاً: "ویکف بتلقین کلمة الکفر یتکلم بها، ولو علیٰ وجه اللعب ......" (البحر الرائق ۵/ ۱۲۴)۔

"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے: "إذا لقن الرجل رجلاً كلمة الكفر فإنه يصير كافراً، و إن كا ن على وجه اللعب......" (فتاویٰ الہندیہ، کتاب السیر، باب فی أحکام المرتدین ۲/ ۲۹۴)۔

وایضاً: "إذا اطلق الرجل كلمة الكفر عمداً لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا: لا يكفر، و قال بعضهم :يكفر وهو الصحيح عندی كذا فی البحر الرائق، و من أتى بلفظة الكفر وهو لم يعلم أنها كفر إلا أنه أتى بها عن اختيار يكفر عند عامة العلماء خلافاً للبعض ولا يعذر بالجهل كذا فی الخلاصة، الهازل أو المستهزئ إذا تكلم يكفر استخفافاً و استهزاء و مزاحاً يكون كفراً عند الكل، وإن كان اعتقاده خلاف ذلك......" (فتاویٰ الہندیہ، کتاب السیر، باب فی احکام المرتدین ۲/۲۹٦)۔

اس وقت ملک میں جو حالات ہیں اور پل پل میں بدلتی فضاؤں کے پیش نظر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام دشمن

طاقتیں اب یکجا ہورہی ہیں اور وہ اسلام ومسلمان کوزک پہنچانے کی سازشیں تیار کرچکی ہیں، ایک طرف مسلمان کو جذباتیت و فرقہ واریت میں الجھایا جارہا ہے تو دوسری طرف بڑے پیمانے پر خاموشی سے تعلیم، تجارت اور ملازمت؛ ان تینوں میدانوں سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی کوششیں چل رہی ہیں، تعلیم کو بھگوا رنگ دے کر ایک طرف مسلمانوں سے دین وایمان کو چھینا جارہا ہے تو دوسری طرف اپنے بے بنیاد عقائد وافکار کو تمام شہریوں پر مسلط کرنے کی کوششیں تیزتر کی جارہی ہیں۔ ان حالات میں اربابِ ملت کو چاہئے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ غور کریں، اقدام کریں اور نسلِ نو کی حفاظت کا بیڑا اٹھائیں، تعلیمی میدان کو، تعلیمی شعبہ کو شرعی حدود کے اندر لانے کی ضرورت ہے، اور یہ کام اجتماعیت کے ساتھ ساتھ جہد مسلسل، بلکہ جہادِ مسلسل سے ہوسکتا ہے۔ فی زمانہ تعلیم کو شرعی حدود میں لانا ہی ''جہاد'' ہے۔

(و) مسلم انتظامیہ کے لئے اپنی اسکول میں مشرکانہ افعال کے رواج کے سلسلہ میں حکم:

اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ مسلم انتظامیہ کے ماتحت چلنے والے اسکول میں مشرکانہ افعال کو رائج کیا جائے۔ کیونکہ یہ ''**تعاونوا علی الإثم و العدوان**'' (سورۂ مائدہ: ۲) کے دائرہ میں آتا ہے اور ایک مسلمان ادارے کے لئے یہ کہاں سے درست ہوگا کہ وہ ان افعال کو رواج دے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَیٰ الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَان**......'' (سورۃ المائدۃ: ۲)۔

جیسا کہ بحر میں ہے: ''**ومن قصد الکفر ساعة و یوماً فهو کافر فی جمیع العمر**......'' (البحرالرائق ۵/ ۱۲۳)۔

نہ صرف یہ بلکہ اگر کسی نے دوسرے کو اس کی تلقین کی یا ایسے افکار وعقائد پر مبنی مضامین پڑھائے وہ بھر کافر ہوجائے گا۔ چنانچہ آگے لکھا ہے: ''**ویکف بتلقین کلمة الکفر یتکلم بها ولو علیٰ وجه اللعب** ......'' (البحرالرائق ۵/ ۱۲۴)، اس سلسلہ کی مزید فقہاء کی عبارت اوپر گذرچکی ہے۔

(ز) مسلم انتظامیہ کے لئے اپنی اسکول میں غیر مسلم بچوں کے لئے علاحدہ مشرکانہ افعال کے رواج کے سلسلہ میں حکم:

مسلم انتظامیہ کے لئے یہ بھی جائز نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم بچوں کو اپنے اسکول میں مشرکانہ افعال کی اجازت دے، ہاں ان کو اسکول کے احاطہ میں مذہبی آزادی دی جائے گی، نیز ان کے مذہبی جذبات کو چھیڑا نہیں جائے گا، مگر پھر بھی انتظامیہ مشرکانہ افعال کا غیر مسلم بچوں کے لئے انتظام نہیں کرسکتی۔

ارشاد باری تعالی ہے: ''**ولا تعاونوا علیٰ الإثم و العدوان** ......'' (سورۃ المائدۃ: ۲)۔ اس بابت فقہاء کی عبارت اوپر گذرچکی ہے۔

۱۲- نابالغ بچوں کے لئے جنسیات کی تعلیم کا حکم:

حکومت کی جانب سے اسکولوں میں کم عمر بچوں کے لئے جنسی تعلیم لازم کردینے کی صورت میں بچوں کے داخلے کے احکام:

اس وقت دنیا میں بے پردگی، بے حیائی، عریانیت روز افزوں بڑھتی ہی جارہی ہے، مغرب، مغرب زدہ ذہنیت اس بات کے درپہ ہے کہ کسی بھی طرح سے انسان کو شرم وحیا کے دائرہ سے نکال کر بے شرمی، بے حیائی کے گڑھے میں اتار دے۔ خصوصاً اسلامی تعلیمِ حجاب، مسلمانوں کا پردہ وحجاب کا رواج، مسلمانوں میں موجود تہذیب، اخلاق، اعلیٰ کردار نیز شرم وحیا کی حدود؛ ان تمام کو پامال کردینے کی فکر میں مغرب، مغرب زدہ ذہنیت اور اسلام دشمن طاقتیں کام پر لگی ہوئی ہیں۔ دوسری جانب خود کو لبرل کہنے والا، ماڈرن کہنے والا اور آزاد خیال تصور کرنے والا طبقہ اخلاق وتہذیب کی تمام حدود کو ختم کرکے حیوانیت کے طور وطریق اپنا رہا ہے، رشتوں کا تصور، شرم، حیا، پردہ، یہ سب فرسودہ چیزیں نظر آرہی ہیں، اور لگاتار اس کوشش میں ہیں کہ کسی بھی طرح سے انسانی معاشرہ کو حیوانیت میں تبدیل کردیں اور تمام حدود کو توڑ کر بالکل آزاد ہوجائیں اور پتھر کے اس دور میں چلے جائیں جہاں کوئی تہذیب اور کوئی تمدن نہیں تھا۔

اب یہ آوازیں بلند ہورہی ہیں کہ عورت محفوظ نہیں ہے، لڑکی محفوظ نہیں ہے، لڑکی کی عزت، آبرو محفوظ نہیں ہے، بلکہ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ عورت یا لڑکی، بلکہ قریب البلوغ یا حد بلوغ کو پہونچ جانے والی لڑکی کی عصمت محفوظ نہیں، جس کا سارا الزام وہ جنسیات سے ناواقفیت کو قرار دے رہے ہیں کہ وہ جنس یعنی سیکس سے لاعلمی اور ناواقفیت کی وجہ سے مردوں کا شکار ہوجاتی ہیں، اور مردوں کے ہاتھوں کھلونہ بن جاتی ہیں اور اپنی عصمت کو کھو بیٹھتی ہیں، اس لئے قریب البلوغ یا حدِّ بلوغ کو پہونچ جانے والے بچوں کو جنسیات کے سلسلہ میں پوری معلومات ہو، تاکہ وہ اپنی عصمت کی حفاظت کرسکے، مردوں کے ہاتھوں کھلونہ بننے سے رک سکے!!!

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سکیس، جنسیات کے تعلق سے لاعلمی، ناواقفیت کی وجہ سے قریب البلوغ لڑکے ولڑکیاں اخلاقی بے راہ روی وجنسی آوارگی کا شکار ہورہے ہیں، زنا، جنسی زور زبردستی بڑھ رہی ہے، اس لئے بچپن ہی میں انہی جنسی تعلیم دے دی جائے تو پھر ان تمام چیزوں کا تدارک ہوسکتا ہے!!!

یہ خود ساختہ نظریات بالکل لغو ہیں بچوں وبچیوں کے جنسی لاعلمی کی وجہ سے نہ تو وہ مردوں کا کھلونہ بن رہی ہیں اور بے عصمت ہورہی ہیں اور نہ ہی اس وجہ سے وہ اخلاقی بے راوی کا شکار ہورہی ہیں اور زنا کی بہتات ہے۔ بلکہ اخلاقی بے راہ روی، جنسی زور زبردستی، مردوں کے ہاتھوں کھلونہ بننے جیسی وارداتیں، کنواری مائیں بننے کا فیشن، قبل از بلوغ جنسی تعلقات، نائٹ کلب کلچر، کم عمر لڑکے ولڑکیوں کا آزادانہ میل ملاپ، شادی سے پہلے جنسی تعلقات، لیو اِن کلچر یہ سب اسی جنسیات کی تعلیم اور محفوظ سیکس کے طریقوں کی بے حیا تعلیم کے نتائج ہیں۔ کم عمر، قبل البلوغ لڑکیوں ولڑکوں کو اگر سیکس کی تعلیم، محفوظ سیکس کے طریقے سکھادئے جائیں اور وہ بھی

پراکٹیکلی یہ سب کرایا جائے تو اس سے لڑکے لڑکیاں شرم وحیا کے پیکر رہیں گے یا پھر وہ اپنی حاصل کردہ جنسیات کی تعلیم کی روشنی میں آزاد خیال ہوکر اخلاقی بے راہ روی وجنسی آوارگی کا شکار ہونگے ؟

اسی لئے اسلام نے اس سلسلہ میں جو نظام قائم کیا ہے کہ جو چیزیں لائق حجاب ہوں ان کا چھپانا، ان میں احتیاط کرنا اور اظہار میں بھی راز داری سے کام لینا ضروری ہے۔ اسلام نے ضروری مسائل کو سیکھنے کا حکم دیا ہے مگر اس وقت جب کہ ان مسائل کی ضرورت ہو، قبل از وقت یا بے ضرورت نہیں۔ لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہونگے تب انہیں ان مسائل کے سیکھنے کی ضرورت ہوگی وہ اپنے کسی ہم راز (باپ یا ماں) سے دریافت کرلیں گے، شرفاء کے یہاں یہی ہوتا ہے، جب بچہ بالغ ہوتا ہے تو اس وقت اسے ان مسائل کے بارے میں سمجھایا جاتا ہے۔ لیکن قبل از بلوغ ان باتوں کو بتانا، سرے عام اسکولوں میں اس کا ایک مضمون رکھ کر سمجھانا، معصوم بچوں وبچیوں کو ایک ساتھ بٹھا کر تھیوری وپراکٹیکلی دونوں طریقوں سے سمجھانا اور اس پر اگر بچوں کے ذہن میں کوئی سوال ابھرے تو اس کو بھی سمجھانا، یعنی بچوں کو اس مضمون پر سوچنے پر ابھارنا یہ سب بالکل لایعنی، بے عقلی کی اور احمقانہ باتیں ہیں، ان پر عمل کرنا گویا کہ معاشرہ وسماج کے بگاڑ کا سامان تیار کرنا ہے۔

چنانچہ اسکولوں میں جنسیات کی تعلیم سراسر غلط ہے، بچوں کے لئے نقصان دہ ہے، نیز غیر ضروری ہے۔ بچوں میں اخلاقی بے راہ روی اور جنسی آوارگی کا سبب ہے نہ کہ اس کا تدارک۔

البتہ اگر جبراً جنسیات کی تعلیم کو حکومت نے ضروری قرار دے دیا ہے، اس حکم پر عدم تعمیل پر جرمانہ یا سزا بھی دی جاسکتی ہے تو ایسی صورت میں اس مضرت رساں ونقصان دہ مواد سے ازالہ وبچاؤ کے طور پر بچوں کے اخلاق وعادات کے تحفظ کے سلسلہ میں اسکول ہی میں یا الگ سے پرائیوٹ اخلاقیات کے موضوع پر شرعی بنیادوں واحکام پر تعلیم کا نظم کیا جانا چاہئے تاکہ اسکول کی اخلاق باختہ وتہذیبی بگاڑ والی جنسیات کی بے حیا تعلیم کے نقصانات کا اندازہ اپنے بچوں کو ہوسکے۔ اسکول میں جو غلط طریقے سے پڑھایا جائے اس کی اصلاح اسکول ہی میں ''اخلاقیات'' کے مضمون کے نام پر یا پرائیوٹ بچوں کے سامنے کی جائے۔

لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی الگ الگ جماعتیں ہوں۔ تبھی اس طرح کی تعلیم دی جاسکتی ہے ورنہ مخلوط درس گاہوں میں کم سن ونابالغ لڑکوں ولڑکیوں کے سامنے اس طرح کے مسائل انہیں الجھن میں ڈالدیتے ہیں اور وہ آوارگی و بے راہ روی کے شکار بھی ہوسکتے ہیں۔

اگر گاؤں میں کوئی دوسرا ایسا اسکول یا ادارہ ہے جہاں پر اس طرح جنسیات کی تعلیم نہ ہوتی ہو تو اگرچہ کہ اس کا تعلیمی معیار کم ہی کیوں نہ ہو، بچوں کے اخلاق وعادات کی حفاظت کے لئے اس اسکول میں داخلہ دلوانا چاہئے۔

اگر گاؤں میں سوائے ایسے اسکولوں (جہاں جنسیات کی تعلیم دی جاتی ہو) کے دوسرے کوئی اسکول (جہاں جنسیات کی تعلیم نہ ہوتی ہو) نہ ہوں تو ایسی صورت میں اوپر مذکورہ رائے کے مطابق بچہ کے لئے الگ سے اخلاق وعادات کے تحفظ اور اس بداخلاق والی

تعلیم کے نقصانات سے واقفیت کے لئے شرعی بنیادوں پر دینی تعلیم کا نظم کیا جانا چاہئے، تاکہ بچہ کو اس عمر کے لحاظ سے ضروری تعلیم دی جائے اور مسائل بتائے جائیں۔

سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری ہے:''یَاَ یُّھَا النَّبِیُ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَاءِ الْمُؤمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ......''(اے نبی اپنی بی بیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں (سورۃ الاحزاب:۵۹)۔

سورۃ النور میں ہے:''قُلْ لِلْمُؤمِنِیْنَ یَغُضُّوْامِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ أزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْر م بِمَا یَصْنَعُوْنَ وَ قُلْ لِّلْمُؤمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا......الخ ......''(سورۃ النور:۳۰،۳۱)(مومنوں کو یہ ہدایت کرو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں، یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے، بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں، مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہوجائے)۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''لا یخلون رجل بامراۃ،الّا کان ثالثھما الشیطان......''(الجامع الترمذی، کتاب الرضاع عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات)۔

مصنف ابن ابی شیبہ نے ایک روایت ذکر کی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' الحیاء شعبة من الإیمان......''(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ذکر الحیاء وما جاء فیہ، رقم حدیث نمبر:۲۵۸۵۰)۔

بیہقی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:إذا لم یستحی فاصنع ماشئت......''(السنن الکبریٰ للبیہقی، باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیہا، رقم حدیث:۲۱۳۰۷)۔

سورۃ التحریم میں ہے:''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوا أنفُسَکُم و أھلِیکُم ناراً ......''(سورۃ التحریم:۶)(اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ)۔

اسی سورۃ التحریم کی آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:'' وأھلیکم بالنصح و التأدیب......''(انوار التنزیل و اسرار التاویل، ج۵،ص۲۵۵)(اور اپنے اہل وعیال کو خیرخواہی اور ادب سکھا کر جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔

اسلامی اقدار کی روشنی میں نابالغوں کے لئے جنسیات کی تعلیم کا حکم:

اسلامی اقدار کے مطابق نابالغوں کو جنسیات سے متعلق تعلیم دینے کا شرعاً کوئی جواز موجود نہیں ہے، بلوغت سے پہلے پہلے تک بچوں کو طہارت کے مسائل، وضو وغسل کے مسائل سے واقفیت کرانا ضروری ہے، یہ کام کسی مکتب یا پھر گھر ہی کے بڑے انجام

دے سکتے ہیں مگر اس سے آگے جنسیات یا جنسی تعلقات وغیرہ جیسے موضوعات کی بچوں کو کوئی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو عمر کے لحاظ سے خود بخود معلوم ہونے لگتا ہے، کچھ الجھنیں ہوتی ہیں تو اپنے بڑوں سے پوچھ کر یا اس سلسلہ میں کسی کتاب کا مطالعہ کر کے معلوم کر لیا جا سکتا ہے۔

مغربیت کے رنگ میں رنگے روشن خیال و آزاد خیال دانشوروں کے علم میں یہ بات ہونی چاہئے کہ بچوں کو جنسیات کی تعلیم نہیں، بلکہ اخلاقیات کی تعلیم، شرم وحیا کی اہمیت، عفت وعصمت کی اہمیت کی تعلیم کی ضرورت ہے جس کا آج فقدان ہے، ان چیزوں کو بے حیائی کے طریقوں سے مرد وزن کے مابین تعلقات کی وضاحت کر کے بھونڈے طریقے سے، حیا سوز وشرم کی دھجیاں اڑاتے ہوئے عیاشانہ انداز میں بچوں کو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں، بلکہ ان کو تہذیب واخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے، لہٰذا بچوں اور نابالغوں کو جنسیات کی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں۔

دنیا میں جتنے بھی ریپ کیس ہو رہے ہیں، غلط وناجائز تعلقات قائم ہو رہے ہیں وہ جنسیات سے مکمل واقفیت کے بعد ہی ہو رہے ہیں، سروے کیجئے اندازہ لگے گا کہ شرم وحیاء کے دائرہ میں رہنے والوں نے کبھی اخلاقی بے راہ روی یا جنسی آوارگی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے، بلکہ ریپ، چھیڑ چھاڑ، نائٹ کلب وغیرہ یہ ان لوگوں کے مشغلے ہیں جو لیو اِن (Live in) کو جائز سمجھتے ہیں، جو ہوموسیکشیوالیٹی (Homosexuality) کو جائز کہتے ہیں، جو مرد سے مرد کے، عورت کے عورت سے تعلقات کو جائز کہتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ نکاح صرف ایک ہو مگر بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت سے تعلقات اس مرد کا حق ہے، جو کہتے ہیں کہ مرد وعورت کی رضامندی سے قائم ہوئے تعلقات ''ریپ'' میں نہیں آتے، بلکہ وہ جائز ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سبھی جنسیات کی تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں بلکہ ان میں بہت سے ایسے بھی ہونگے جنہوں نے جنسیات کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہو، مگر کیا مسائل ختم ہو گئے؟ اپنے آپ کو ترقی یافتہ ممالک کہنے والے آج آزاد خیال ہیں، ہر چیز کی معلومات حاصل کرنے کو وہ انسان کا حق سمجھتے ہیں، لیکن ان ہی ترقی یافتہ ممالک میں جنسی آوارگی، اخلاقی بے راہ روی عام بیماری ہے، شادی ونکاح کا تصور ختم ہوتا نظر آ رہا ہے، حرام اولاد کی بہتات ہے، بلکہ یہی حال رہا تو آئندہ چند برسوں میں سو (۱۰۰) میں سے اسی (۸۰) حرام زادے ہی ہونگے، میاں بیوی کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے، کانٹراکٹ بیسیس پر سال کے لئے، دو سال کے لئے، ویزا حاصل کرنے کے لئے شادی ہوتی ہے، پھر کانٹراکٹ ختم رشتہ بھی ختم۔ یہ سب اسی جنسیات کی تعلیم کے نتائج ہیں۔

یہ اسلام دشمن طاقتوں کی ایک گہری سازش ہے کہ خود تو حیا وشرم سے عاری ہیں سو اسلام اور مسلمانوں سے بھی ان کی حیاء، حجاب، شرم، تہذیب کو ختم کر دیا جائے لہٰذا یہ سب واویلا صرف اور صرف مسلمانوں کے لئے ہے کہ اسکول میں جنسیات کی تعلیم ہوتا کہ اوروں کی طرح مسلم بچے وبچیاں بھی جنسی آوارگی کا، اخلاقی بے رواہ روی کا شکار ہو جائیں اور اپنی شناخت کھو دیں۔

لہٰذا اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے، ان تمام امراض کا سدِّ باب کیا ہے، اسلام نے جب اجنبی مرد وعورت کو نگاہ

نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے، ایک دوسرے سے نظر نہ ملانے کا حکم دیا ہے، محرم رشتے کے باوجود ایک مرد وعورت کو تنہائی میں یکجا نہ ہونے کا حکم دیا ہے، باپ کو بیٹی کے ساتھ ایک کمرے میں رہنے سے روکا ہے، بچہ یا بچی دس سال کے ہوجانے پر ان کے بستر الگ کردینے کا حکم دیا ہے تو کیا یہی اسلام نابالغوں کو جنسیات کی تعلیم دینے کا حامی ہوسکتا ہے؟ کیا یہی شریعت اس بات کو گوارہ کرسکتی ہے کہ بچے وبچیاں بلوغ سے قبل ہی وہ تمام امور کو جان لیں جن کے جاننے کی ضرورت انہیں بلوغت کے بعد پڑتی ہو؟ یا اس بات کو اسلامی قانون گوارہ کرسکتا ہے کہ بچے وبچیاں کے سامنے ان تعلقات کی کھل کر وضاحت کی جائے جو شرم وحیاء کے باعث میاں بیوی بھی آپس میں کھل کر بات نہیں کرسکتے۔

رسول اکرم ﷺ نے عام طور سے یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے؛ "**اللھم أعوذبک من علم لا ینفع** ....." (صحیح المسلم، رقم حدیث ۲۷۲۲) (یا بارالہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو) چنانچہ جنسی تعلیم یا جنسیات کا موضوع ایک ایسا موضوع یا علم ہے جو کسی بھی طرح سے بچے وبچیوں کے لئے نفع بخش نہیں ہوسکتا بلکہ وہ مضرت رساں ہے۔

اسلام نے صرف زنا ہی کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ دواعیٔ زنا کو حرام قرار دیا، یعنی زنا سے پہلے بدنظری، مرد وعورت کی تنہائی، غیر عورت کے ساتھ غیر ضروری گفتگو، وغیرہ جیسے افعال زنا کے قریب لے جاتے ہیں ان سے اسلام نے منع کیا، چنانچہ جنسیات کی تعلیم بھی ایک طرح سے برائی، بے حیائی، بے شرمی بالآخر زنا، جنسی آوارگی واخلاقی بے راہ روی کی طرف لے جاتی ہے، لہٰذا جنسیات کی تعلیم بھی بچیوں وبچوں کے لئے حرام وممنوع ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ: "**المرأة عورةٌ فإذا خرجت استشرفھا الشیطن** ...." (الجامع الترمذی، کتاب الرضاع عن رسول اللہ ﷺ؛ باب، رقم حدیث نمبر: ۱۱۷۶)۔

وفی ردالمحتار: "**نغمة المرأة عورة و تعلمھا القرآن من المرأة أحب قال علیه الصلوٰہ و السلام : " التسبیح للرجال و التصفیق للنساء فلا یحسن أن یسمعھا الرجل**......" (ردالمحتار، ج ۲ ر ص ۷۸، باب شروط الصلوٰۃ، مطلب فی ستر العورۃ)۔

وفی المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی: "**إن المرأة منھیة عن اظھار وجھھا للرجال من غیر ضرورة**......" (۵ / ۶۴)۔

مصنف ابن ابی شیبہ نے ایک روایت ذکر کی ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ " **الحیاء شعبة من الإیمان**......" (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ذکر الحیاء وماجاء فیہ، رقم حدیث: ۲۵۸۵۰)۔

بیہقی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إذا لم یستحی فاصنع ماشئت**......" (السنن الکبریٰ للبیہقی، باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیہا، رقم حدیث: ۲۱۳۰۷)۔

سوالنامے میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے جنسیات کی ایسی کتاب کی تعلیم کی ترتیب وحکم جو بلوغ وقریب

البلوغ لڑکوں ولڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان و دنیوی مضرتوں کی وضاحت پر مبنی ہو۔

عام حالات میں اس کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ اگر حکومت اسکولوں نیز نابالغ بچوں وبچیوں کو جنسیات کی تعلیم دینے کو لازم قرار دیتی ہے، اس حکم کی عدم تعمیل کی صورت میں سزا و جرمانہ عائد کرتی ہے تو ایسی صورت میں ایسی کتاب کی ترتیب کی جاسکتی ہے جو بلوغ وقریب البلوغ لڑکوں ولڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان و دنیوی مضرتوں کی وضاحت پر مبنی ہو۔ لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس کتاب کی تحریر میں یا اس کتاب کی تعلیم دیتے وقت کوئی ایسا انداز نہ اختیار کیا جائے یا کوئی ایسا مسئلہ نہ چھیڑا جائے کہ جس سے شرمندگی وحیا سوزی کا باعث ہو اور بچوں کے ذہن پر منفی تاثر قائم کرے۔

اسلام نے جنسیات کے موضوع پر جو بھی کہا ہے بڑے لطیف انداز میں کہا ہے کہ کہیں موضوع کی نزاکت کے لحاظ سے زبان و تعبیر سے بے حیائی نہ جھلکے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ’’ **أو لا مستم النساء** ......‘‘ (سورۃ النساء: ۴۳) (یا عورتوں سے ہم صحبت ہوا ہو)، علم وتعلیم کا اعلیٰ ذریعہ وسرچشمہ ’’قرآن‘‘ نے میاں بیوی کے جائز تعلق کے لئے جو لفظ استعمال کیا وہ کتنا لطیف ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا: ’’ **ولاتباشروھن و أنتم عاکفون فی المساجد**......‘‘ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۷) (اور جب تم مسجد میں اعتکاف میں ہو تو بیوی سے نہ ملو) یعنی قرآن نے مضمون کی مناسبت سے لطیف پیرائیہ میں شوہروں کے لئے مسئلہ بھی بتادیا۔

ایک موقع پر ارشاد ہوا؛ ”**فلما قضی زید منہا وطراً**......‘‘ (سورۃ الاحزاب: ۳۷) (سو جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی)۔

جنسیات کے سلسلہ میں قرآن نے تعلیم کا جو پیرائیہ اختیار کیا ہے وہ کہیں سے بھی حیا سوز نہیں ہے۔ اور قرآن یہ پسند بھی نہیں کرتا کہ لوگ بے حیائی و بے شرمی کی باتیں کریں، مجالس میں، مجامع میں لوگوں کے درمیان ایسا طرز یا پیرائیہ اختیار کیا جائے جس سے بے حیائی یا بے شرمی کا اظہار ہو اسلام نے پسند نہیں کیا۔

چنانچہ ارشاد باری ہے: ’’ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ أن تَشِیْعَ الفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوا لَھُم عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الآخِرَۃَ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ**......‘‘ (سورۃ النور: ۱۹) (بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے)

سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ’’ **لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنْ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ**......‘‘ (سورۃ النساء: ۱۴۸) (اللہ بدزبانی کو پسند نہیں کرتا مگر یہ کہ کوئی مظلوم ہو)

اس سلسلہ میں والدین اور اسکول انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ نابالغ یا حد بلوغ کو پہونچے ہوئے بچوں کی تعلیم و تربیت شرعی

بنیادوں پر کریں، جائز و ناجائز، حرام وحلال کی تمیز، خوف خدا، آخرت، سزا و جزا کے تصور کو مستحکم کریں تا کہ بچے دنیا کی غلط ہواؤں کا شکار نہ ہوں، جنسی آوارگی، اخلاقی بے راہ روی کا شکار نہ ہوں بلکہ وہ اپنی عزت، عفت، عصمت و آبرو کی حفاظت کریں اور اپنی جوانی کو بے داغ رکھیں۔

جنسیات اور اس سے متعلق تفصیلات فطرت کے وہ راز ہیں جن کی کھلم کھلا توضیح کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انسان کی ایک خصوصی عمر یا خصوصی موقع پر وہ راز خود بخود افشاء ہوتے ہیں اور فطرت الہامی طور پر ان کو کھول دیتی ہے۔ یہی فطرت کا قانون ہے، یہی اسلام کی تعلیم ہے، اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ ایک یونیورسٹی یا ایک شعبۂ تخصص کھولنے کی ضرورت نہیں، لڑکیاں ماں سے سرگوشیوں میں اور لڑکے باپ سے ان چیزوں کی الجھنوں رفع دفع کرلیں گے اور ان راز کو خود سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ضرورت صرف شرم وحیاء، حجاب و پردہ، مرد وعورت کی حدود کو سمجھانے کی ہے۔

۱۳- تعلیم گاہوں میں تفریحی وطبی سرگرمیوں کے احکام:

عام طور سے ہر اسکول میں چاہے وہ سرکاری ہو یا پرائیوٹ طلبا و طالبات کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی حفظان صحت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اور ایک طالب علم کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ علم واخلاق کے حصول کے ساتھ اپنی صحت کا بھی خیال رکھے اور اس کے تحفظ کا جتن کرے۔

اسلام نے عمومی طور پر تفریح وطبی سرگرمیوں، کھیل وغیرہ سے منع نہیں کیا، اسکول میں بچوں کے لئے تفریح و کھیل، طبی سرگرمیوں اور ورزش وغیرہ کی ممانعت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا لڑکے و لڑکیاں ایک ساتھ کھیل کود، تفریح وطبی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتے ہیں؟ کیا ان کھیلوں کا انعقاد جائز ہے، ان میں حصہ لینا جائز ہے جس کا انعقاد ایسے کیا جائے جس میں لڑکے و لڑکیوں کا اختلاط ہو، بے پردگی ہو نیز ایسے کھیل جن میں ستر سے کم کپڑے پہننے پڑیں، وغیرہ۔

اس سلسلہ میں دوٹوک بات یہ ہے کہ اختلاط، بے پردگی اور ستر سے کم کپڑوں میں کھیل مرد و عورت، لڑکے و لڑکی کے لئے جائز نہیں ہے، اس تفصیل آگے آرہی ہے۔

عصری اسکولوں میں تفریحی سرگرمیوں کے عنوان سے بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس کا شرعی حکم:

لڑکوں اور بچوں کے لئے دوڑ، سائیکل ریس اور ان جیسے کھیلوں کا انعقاد اور ان کھیلوں یا ان کھیلوں کے مقابلوں میں لڑکوں کے لئے حصہ لینا جائز ہے۔

مگر اس بات کی احتیاط کی جائے کہ شرعی حدود پامال نہ ہوں۔ شرعی لباس میں ہوں، یعنی وہ ساتر ہو جو ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ڈھکا ہوا ہو، اور عورتوں والا لباس نہ ہو، جہاں لڑکے کھیل رہے ہوں وہاں لڑکیاں موجود نہ ہو۔

صحیح البخاری میں ہے؛ عن ابن عباسؓ قال: ''لعن رسول الله ﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء،

والمتشبهات من النساء بالرجال....."(*صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبھون بالنساء والمتشبھات بالرجال، رقم ۵۸۸۵*)۔

وفی ردالمحتار: *وقد اخرج أبوداؤد والنسائی وابن ماجہ والحاکم وقال: صحیح علی شرط مسلم:*" **لعن رسول الله ﷺ الرجل یلبس لبسة المرأة و المرأة تلبس لبسة الرجل.....**"(*ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/۶۰۱*)۔

"**لا ینظر الرجل الیٰ عریة الرجل ولا المرأة الیٰ عریة المرأة، ولا یقضی الرجل إلیٰ الرجل فی ثوب واحد ولا تقضی المرأة الیٰ المرأة فی ثوب** ......"(*سنن ابی داؤد، اول کتاب الحمام، باب [ماجآئی] التعری، رقم: ۴۰۱۸*)۔

و فی سنن أبی داؤد:" **حدثنا عبدالله بن مسلمة[القعنبی] عن مالک عن أبی النضر عن زرعة بن عبدالرحمن بن جرھد عن ابیه کان جرھد ھٰذا من أصحاب الصفة؛ انه قال: جلس رسول الله ﷺ عندنا و فخذی منکشفة، فقال: أما علمت أن الفخذ عورة**" (*سنن أبی داؤد، اول کتاب الحمام، باب النھی عن التعری، رقم: ۴۰۱۴*)۔

وفی الدرالمختار:" **والرابع: ستر عورته، و وجوبه عام ولو فی الخلوة علیٰ الصحیح؛ إلا لغرض صحیح ، قال ابن عابدین؛ قوله ولو فی الخلوة: إی اذا کان خارج الصلاة یجب الستر بحضرة الناس إجماعاً، ولو فی الخلوة علیٰ الصحیح.....**"(*ردالمحتار علی الدرالمختار؛ کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ ۲/۷۵*)۔

فتاویٰ العثیمین میں لکھا ہے کہ:" **أما اذا کان الممارس للریاضة لیس علیه السروال قصیر، یبدو من فخذه أو أکثر فإنه لا یجوز فإن الصحیح أنه یجب علیٰ الشباب ستر أفخاذھم، و أنه لا یجوز مشاھده اللاعبین وھم بھٰذه الحالة من الکشف عن أفخاذھم.....**"(*فتاویٰ العثیمین ۲/۹۸۶*)۔

اور بچیوں کے لئے اِن ڈور گیمس کا انعقاد شرعی حدود و پردے کے ساتھ جائز ہے، آوٹ ڈور گیمس لڑکیوں کے لئے ممنوع تو نہیں، مگر پسندیدہ بھی نہیں، کیونکہ ان میں لڑکیوں اور بچیوں کو بے پردہ ہونا پڑتا ہے، میدان میں مرد حضرات سے بھی سامنا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے نیز لڑکیوں کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے آوٹ ڈور گیمس مطابقت و مناسبت بھی نہیں رکھتے۔

البتہ کھیلتے وقت لڑکیوں کا لباس ساتر ہو، اعضاء ستر کو ڈھکا ہوا ہو، ایسا تنگ و باریک نہ ہو جس سے جسم کے نشیب و فراز ابھرتے ہوں اور جسم جھلکتا ہو، لباس مرد کے لباس سے مشابہ نہ ہو، اور کھیلتے وقت کوئی لڑکا یا کوئی مرد وہاں پر موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں لڑکیوں کے لئے دوڑ، سائیکل ریس کی اجازت ہے، نیز ان کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے دوسرے جائز کھیلوں میں مقابلہ جائز ہے، انہی شرائط کے ساتھ لڑکیوں کے درمیان اِن ڈور گیمس اور آوٹ ڈور گیمس کے مقابلے ان سے کرائے جاسکتے ہیں بشرط یہ کہ کوئی مردان

لڑکیوں کو کھیلتا ہوا نہ دیکھے۔

سنن ابی داؤد میں ہے:''لا ینظر الرجل الیٰ عریۃ الرجل ولا المرأۃ الیٰ عریۃ المرأۃ، ولا یقضی الرجل الیٰ الرجل فی ثوب واحد ولا تقضی المرأۃ الیٰ المرأۃ فی ثوب ......''(سنن ابی داؤد، اول کتاب الحمام، باب [ماجائی] التعری،رقم:۴۰۱۸)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھی، میں نے پیدل دوڑ میں رسول اکرم ﷺ سے مقابلہ کیا تو میں آگے نکل گئی، جب مجھ پر کچھ گوشت چڑھا (یعنی میں موٹی ہوگئی) تو پھر مقابلہ کیا تو رسول اکرم ﷺ آگے نکل گئے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس مقابلے کا بدلہ ہے......''عن عائشۃؓ أنھا کانت مع النبی ﷺ فی سفر قالت: فسابقتہ فسبقتہ علی رجلیّ، فلما حملتُ اللحم سابقتہ فسبقتنی، فقال: ھٰذہ بتلک السبقۃ''(سنن ابو داؤد، رقم حدیث:۲۵۷۸)۔

عصری اسکولوں میں تفریح ومعلومات کی غرض سے دوسرے شہروں کی سیر کے لئے جانے کا حکم:

قرآن نے جابجا لوگوں کو سفر کرنے، دنیا کی سیر کرنے کی دعوت دی ہے تا کہ ان کی معلومات میں اضافہ ہو، آج جدیدیت کے حامی اور اسکولوں میں جدیدیت لانے والے یہ سمجھتے ہیں کہ'' ایجوکیشنل ٹور'' یا'' ایجوکیشنل ٹرپ'' ان کی دَین ہے، یہ غلط ہے۔ ایجوکیشنل ٹرپ یا ایجوکیشنل ٹور کا تصور تو آج سے قریب قریب ساڑھے چودہ سو سال پہلے قرآن نے دے دیا تھا، چنانچہ ارشاد باری ہے:''قُلْ سِیْرُوْا فِیْ الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ ......''(سورۃ النمل:۶۹)(کہو کہ ذرا زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے)۔

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:''قُلْ سِیْرُوْا فِیْ الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ......''(سورۃ العنکبوت:۲۰)(کہو کہ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا)۔

ایک موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:'' أَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِیْ الأَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَا......''(سورۃ الحج:۴۶)(تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے تھے، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے؟)۔

شرعاً سفر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، مگر اسکول یا اسکولی بچوں کے سلسلہ میں کچھ تفصیلات ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

اولاً: بہت ہی کم عمر کے بچوں کے لئے اسطرح کا تفریحی یا تعلیمی سفر ضروری نہیں بلکہ ان کو لے جانا احتیاط کے خلاف ہے، بچوں کے ضرر کا قوی خطرہ موجود ہے، لہٰذا ایسے بہت ہی کم عمر بچوں کو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:'' وَلَا تُلْقُوْا

بِأَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ‘‘(سورۃ البقرۃ:۱۹۵)(اور اپنے آپ کوخود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

ثانیاً؛سمجھدار بچوں سے حد بلوغ کو پہنچے ہوئے بچوں تک کومسافتِ سفر کے فاصلہ کے اندر ہی اندر لے جانا اسکول کی انتظامیہ کے لئے جائز ہے۔مسافتِ سفر سے باہر لے جانا ہوتو ایسی صورت میں یہ والدین کی اجازت پر موقوف ہے کہ وہ اجازت دیتے ہیں تو بچے کو لے جاسکتے ہیں ورنہ نہیں۔

ثالثاً؛سمجھدار بچیوں کو ان کے ماں باپ یا ولی کی اجازت کے بغیر لے جانا جائز نہیں چاہے وہ مسافتِ سفر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔

کما فی الجامع الترمذی:عن ابی ہریرۃؓ: قال رسول اللہ ﷺ:’’**لا تسافر المرأة مسيرة يوم و ليلة الا معها ذو محرم**......‘‘(الجامع الترمذی،کتاب الرضاع،باب ماجاء فی کراھیۃ ان تسافر المرأۃ وحدھا،رقم:۱۱۸۳)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے؛’’**قسم الحنفية السفر من حيث حكمه إلىٰ ثلاثة أقسام: سفر طاعة كالحج و الجهاد، و سفر مباح كا لتجارة و سفر معصية كقطع الطريق و حج المرأة بلا محرم**......‘‘(الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۵/ ۲۷)۔

رابعاً؛سفر کے دوران یا تفریح گاہ میں کسی بھی موقع پر یا کسی جگہ پر لڑکوں لڑکیوں،سمجھدار بچوں اور سمجھدار بچیوں،حد بلوغ کو پہونچے ہوئے لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط قطعاً نہ ہو۔صرف لڑکیوں و بچیوں کے تفریحی سفر میں جس میں دیکھ بھال کرنے والی ٹیچرس بھی عورتیں ہی ہوں،البتہ گاڑی کا ڈرائیور،سامان وغیرہ لانے لے جانے والے اور ان سب کی دیکھ بھال کرنے والے کسی ایسے شخص کو ساتھ میں رکھنے کی گنجائش ہے جو ادھیڑ عمر کا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:’’**یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَاءِ الْمُؤمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ**......‘‘(اے نبی اپنی بی بیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں(سورۃ الاحزاب:۵۹)

سورۃ النور میں ہے:’’**قُلْ لِلْمُؤمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ وَ قُلْ لِّلْمُؤمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا......الخ** ......‘‘(سورۃ النور:۳۰،۳۱)(مومنوں کو یہ ہدایت کرو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں،اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں،یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے،بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں،مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہوجائے)۔

مصنف ابن ابی شیبہ نے ایک روایت ذکر کی ہے؛رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛'' **الحياء شعبة من الإيمان......**''(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ذکر الحیاء وما جاء فیہ،رقم حدیث:۲۵۸۵۰)۔

خامساً؛حدِّ بلوغ کو پہونچی ہوئی لڑکیاں یا بالغ لڑکیاں بغیر محرم کے سفر نہیں کرسکتیں۔مسافتِ سفر سے کم فاصلہ ہوتواس شرط کے ساتھ وہ ایسے تفریحی سفر میں جاسکتی ہیں کہ ان کے والدین یا ولی کی اجازت ہو،سفر میں، مقام تفریح پر کوئی لڑکا ساتھ نہ، اور کوئی غیرضروری مرد ساتھ میں نہ ہو۔

سورۃ النور میں ہے:''قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْامِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا......الخ ......''(سورۃ النور:۳۰،۳۱)(مومنوں کو یہ ہدایت کروکہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں،اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں،یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے،بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں،مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہوجائے)۔

جیسا کہ الجامع الترمذی میں ہے:عن أبی ہریرۃؓ قال رسول اللہ ﷺ:''**لا تسافر المرأة مسيرة يوم و ليلة الا معها ذو محرم......**''(الجامع الترمذی،کتاب الرضاع،باب ماجاء فی کراہیۃ ان تسافر المرأۃ وحدھا،رقم:۱۱۸۳)۔

لموسوعہ فقہیہ میں ہے:''**قسم الحنفية السفر من حيث حكمه الىٰ ثلاثة أقسام: سفر طاعة كالحج و الجهاد ، و سفر مباح كا لتجارة و سفر معصية كقطع الطريق و حج المرأة بلا محرم......**''(الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۵/۲۷)۔

''فتاوی ہندیہ''میں ہے: "**الغلام الذى بلغ حدّ الشهوة كالبالغ كذا فى الغياثية ......**''(فتاویٰ ہندیہ،کتاب الکراہیۃ ۵/۴۰۷)۔

اسکول انتظامیہ کو چاہیئے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ سفر،الگ الگ مقام یا الگ الگ دن سفر کا انتظام کرے ،تاکہ لڑکیوں اور لڑکوں میں اختلاط نہ ہو۔

محض کھیل کود کی جگہ پر ان مذکورہ شرائط کے ساتھ جانے اجازت ہے،مگر بہتر وافضل ہوگا کہ نہ جائیں۔لیکن ایسے مقام پر جہاں پر سیکھنے کے لئے کچھ حاصل ہوسکتا ہو،معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہو،مثلاً سائنس میوزیم، پلانیٹوریم، سائنس میلہ، جغرافیائی معلومات فراہم کرنے والا کوئی مقام،کوئی فیکٹری،کوئی مشین وغیرہ جیسے مقامات کو دیکھنے کے لئے مذکورہ شرائط کے ساتھ جانا مباح ہوگا،چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:''قُلْ سِيْرُوْا فِيْ الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُالْمُجْرِمِيْنَ ......''(سورۃ النمل:۶۹) (کہو کہ ذرا زمین میں سفر کرکے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے)۔

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:’’قُلْ سِيْرُوْا فِيْ الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ......‘‘(سورۃ العنکبوت:۲۰) (کہو کہ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا)۔

دریا ندی جنگلات وغیرہ جیسے پر خطر مقامات پر جانا خلافِ احتیاط ہے، گریز ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:’’ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ‘‘(سورۃ البقرۃ:۱۹۵)(اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

کوئی پراجکٹ کی تکمیل کے لئے کوئی اسٹیشن یا کوئی دفتر یا کوئی مقام کو جانا ان شرائط کے ساتھ جائز ہے، جہاں پر معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:’’قُلْ سِيْرُوْا فِيْ الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ......‘‘(سورۃ العنکبوت:۲۰)(کہو کہ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا)۔

کہیں کہیں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بچوں کو ایجوکیشنل ٹور کے نام ایسے مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے جہاں پر جانا جائز نہیں ہوتا یا کم از کم مکروہ ہوتا ہے، جیسے مندر یا کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا مذہبی مقام، یا پھر ایسی جگہ جہاں پر غیر اسلامی و غیر شرعی امور انجام پاتے ہیں، ایسی جگہوں پر جانے سے بچوں کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جو آگے چل کر ان کے دین و ایمان میں کمزوری پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا ایسے مقامات پر ایجوکیشنل ٹرپ کے نام سے مسلم انتظامیہ والے اسکول کے لئے بچوں کو لے جانا جائز نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:’’وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ......‘‘(سورۃ الانعام:۶۸)(اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں)۔

الدر المختار میں ہے:’’ **جاز تعمیر کنیسة و (حمل خمر ذمی) بنفسه أو دابته (بأجر) لاعصرها لقیام المعصیة بعینه (و) جاز (اجارة بیت بسواد الکوفة) أی قراها (لا بغیرها علیٰ الاصح)** ......‘‘(ردالمحتار علیٰ الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۵۶۲)۔

وایضاً:’’ **جاز (بیع عصیر) عنب (ممن) یعلم أنه (یتخذه خمراً)، لأن المعصیة لا تقوم بعینه بل بعد تغییره**......‘‘(ردالمحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۶۰،۵۶۱)۔

نیز ایجوکیشنل ٹرپ یعنی معلوماتی سفر کا مقصد بچوں کی معلومات میں اضافہ کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو ذہنی و جسمانی اعتبار سے تر و تازہ (فریش) کرنا ہوتا ہے، اس کے لئے عموماً لوگ تفریحی مقام پر پہنچ کر ناچ گانا یا گانے اور ناچنے کے کھیل منعقد کرتے ہیں جس میں بچے اور ٹیچرس وغیرہ حصہ لیتے ہیں۔ انتظامیہ کو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ آیا ایسے کھیل یا پروگرام غیر شرعی تو نہیں ہیں، اگر وہ غیر شرعی نہیں ہیں تو کوئی قباحت نہیں، لیکن اگر وہ غیر شرعی ہیں، حفوات و خرافات ہیں، لہو و لعب میں شمار ہیں تو پھر ایسے پروگراموں سے بچوں کو دور رکھنا چاہئے، ایسے پروگراموں کا انعقاد’’ ناجائز‘‘ و’’ حرام‘‘ ہے۔

" عن أبی هریرةؓ أن رسول اللہ ﷺ قال: استماع صوت الملاهی معصیة و الجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر......'' (نیل الأوطار للشوکانی؛ رقم حدیث:۳۵۵۳؛ ۸/۱۰۴)۔

وفی الدرالمختار:'' و فی السراج: و دلت المسألة أن الملاهی کلها حرام، و یدخل علیهم بلا اذنهم لإنکار المنکر، قال ابن مسعود: صوت اللهو و الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات...... قلت؛ و فی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب و نحوه حرام......'' (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ،۹/ ۵۰۲...... ۵۰۴)۔

مسلم انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ ایجوکیشنل ٹرپ کے نام پر ایسے مقامات کی سیر و سیاحت بچوں کو کرائے جو دیکھنے سے بچوں کی نالج میں اضافہ ہو،علمی تجربہ ملے،آگے بڑھنے،ترقی کرنے نیز محنت کرنے کا جذبہ ملے نیز ایک اچھا شہری اور محنتی طالب علم بننے کی جستجو پیدا ہو،اسی لئے تاریخی مقامات،علمی مقامات،سائنسی تجربہ گاہیں وغیرہ جیسے مقامات کی سیر و سیاحت کرانا'' مباح'' ہے۔

عصری اسکولوں میں طلبا کے مابین کھیلوں کے مقابلے کرائے جانے کے شرعی احکام:

اسکول میں طلبا کے درمیان کھیلوں کے مقابلے کرانا جائز ہے اوران پر انعامات کی تقسیم بھی جائز ہے،اس سے بچوں کی صحت اچھی ہوگی،حوصلہ ملے گا،وہ پُرعزم ہونگے،ہدف کو پار کرنے،آزمائشات سے گذرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی نیز انعامات کی وجہ سے حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی ہوگی جو بچہ کے مستقبل کے لئے کافی کارآمد ہوگی۔کمافی البدائع:'' وأما شرائط جوازه فأنواع منها أن یکون فی الأنواع الأربعة الحافر، و الخف، و النصل والقدم لا فی غیرها، لما روی أنه علیه الصلاة و السلام : لا سبق الا فی خف ......الخ'' (البدائع الصنائع ۶/۲۰۶)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛'' يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُم تُفْلِحُوْنَ......'' (سورۃ المائدۃ:۹۰) (اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں شیطان کے کام سواس سے بچتے رہو تا کہ فلاح پاؤ)۔

کتاب البدائع میں ہے:'' کذا ما یفعله السلاطین وهو أن یقول لرجلین : من سبق منکما فله کذا فهو جائز......'' (بدائع الصنائع ۶/۲۰۶)۔

الدرالمختار میں ہے:'' قال العلامة الحصکفیؒ: (ان شرط لمال) فی المسابقة (من جانب واحد و حرم لو شرط) فیها (من الجانبین)، لأنه یصیر قماراً، (الا اذا دخلا ثالثاً) محللاً (بینهما) بفرس کف ء لفرسیهما'' (الدرالمختار مع ردالمحتار؛ کتاب الحظر والاباحۃ ۹/۵۷۷،۵۷۸)۔

کھیل جائز ہوں جیسے دوڑ، سائیکل ریس، لانگ جمپ، اس قبیل کے کھیلوں میں مقابلہ جائز ہے۔ناجائز کھیل نہ ہوں جیسے

لوڈو، تاش کے پتوں کا کھیل وغیرہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''و سائر اللعب ، اذا لم يتضمن ضرراً ولا شغلا عن فرض، فالأصل اباحته'' (المغنی لابن قدامہ ۱۴/ ۱۵۷)۔

کھیل میں بازی یا شرط لگانا، سٹہ یا جوا کھیلنا جائز نہیں، بلکہ یہ حرام ہے۔اسی طرح سے دیکھنے والوں کو کھیلنے والوں پر بازی لگانا بھی حرام ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُم تُفْلِحُوْنَ......'' (سورۃ المائدۃ:۹۰) (اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں شیطان کے کام سو اس سے بچتے رہو تا کہ فلاح پاؤ)۔

الدر المختار میں ہے: ''قال العلامة الحصكفيؒ: (ان شرط لمال) في المسابقة (من جانب واحد و حرم لو شرط) فيها (من الجانبين)، لأنه يصير قماراً، (الا إذا دخلاثالثاً) محللاً (بينهما) بفرس كف ء لفرسيهما'' (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۵۷۷،۵۷۸)۔

مقابلہ بچوں کا بچوں کے ساتھ اور بچیوں کا بچیوں کے مابین ہو، بچوں کا مقابلہ بچیوں کے ساتھ نہ ہو۔اسی طرح لڑکیاں لڑکوں کے کھیل نہ کھیلیں اور لڑکے لڑکیوں کے کھیل نہ کھیلیں۔''عن ابن عباسؓ قال: لعن رسول الله ﷺ المتشبهين من الرجال النساء، والمتشبهات من النساء بالرجال'' (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبھون بالنساء والمتشبہات بالرجال؛ رقم ۵۸۸۵) (حضرت رسول اکرم ﷺ نے مردوں کی مشابہت اختیار کرنیوالی عورتوں اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کو ملعون قرار دیا ہے)۔

وفی رد المحتار: وقد اخرج أبوداؤد والنسائی وابن ماجہ والحاکم وقال: صحیح علی شرط مسلم: ''لعن رسول الله ﷺ الرجل يلبس لبسة المرأة و المرأة تلبس لبسة الرجل......'' (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۶۰۱)۔

مقابلہ کے وقت میں ستر عورت کا خیال رکھا جائے، ایسے کپڑے جس سے ستر عورت کھل جائے پہن کر کھیل کا مقابلہ کرنا جائز نہیں۔مرد کھلاڑی کے لئے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ چھپا ہوا ہو اور کھلاڑی اگر کوئی عورت ہو تو اس کے لئے سارا جسم ڈھکا ہوا ہونا چاہئے۔اس کے لئے مردوں کے سامنے یا درمیان کھیلنا جائز نہیں ہے۔و في الهداية: '' قال: و ينظر الرجل من الرجل إلیٰ جميع بدنه إلا ما بين سرته إلیٰ ركبته لقوله عليه الصلاة و السلام؛ عورة الرجل ما بين سرته الیٰ ركبته......'' (الہدایۃ، فصل فی الوطء والنظر واللمس ۴/ ۸۵)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے: '' ذهب جمهور الفقهاء الیٰ أن جسم المرأة كله عورة بالنسبة للرجل الأجنبى عدا الوجه و الكفين؛ لأن المرأة تحتاج إلیٰ المعاملة مع الرجال وإلیٰ الأخذ و العطاء، لكن جواز كشف ذٰلك مقيد بأمن الفتنة......'' (موسوعہ فقہیہ، مادہ عورۃ ۳۱/ ۴۴)۔

لڑکیوں کے لئے بے حجاب ہو کر مردوں کے سامنے کھیلنا جائز نہیں۔

لڑکیاں دوڑ کے مقابلہ میں بھی حصہ لے سکتی ہیں، اسی طرح بیڈمیٹین ،ٹینس، وغیرہ جیسے کھیل کے مقابلہ میں بھی حجاب اور سارے جسم کو چھپانے والے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کے ساتھ حصہ لے سکتی ہیں۔فقہاء نے عورت کے لئے یہ گنجائش دی ہے کہ وہ اگر عورتوں کے درمیان، عورتوں کے ساتھ اورعورتوں کے سامنے کھیل رہی ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے پردہ کی حدود پیٹ، پیٹھ اور ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ہے (یعنی گردن سے گھٹنوں تک)۔کذافی موسوعۃ فقہیۃ: ''**ذهب الجمهور الفقهاء: الحنفية و المالكية وهو الأصح عند الشافعية، إلىٰ أن المرأة الأجنبية الكافرة كالرجل الأجنبى بالنسبة للمسلمة، فلا يجوز أن تنظر إلىٰ بدنها، و ليس للمسلمة أن تتجرد بين يديها......**''(موسوعۃ فقہیۃ: مادہ عورۃ ۳۱/ ۴۷)۔

آج کل ہر اسکول میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے خود کے تحفظ کے مقصد جوڈو کراٹے، نشانہ بازی اور ان جیسے کھیلوں کی بھی کلاسس رکھی جارہی ہیں، اس طرح کی کلاسس کا اہتمام کرنا ''جائز'' ہے۔Self Defence،خود کی حفاظت کے لئے کوئی ہنر سکھانا بہت اچھی بات ہوگی، اور آج کل باہر حالات غیر یقینی سے ہیں، فتنہ وفساد بڑھ گیا ہے، لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ اور ان پر حملے پہلے کے مقابلے اب بڑھ گئے ہیں، نیز نیک و شریف لڑکوں کے لئے حالات خطرناک ہیں، ان حالات میں اس طرح کے کھیل سیکھنا بہت ضروری ہے اور شرعا اس کا جواز ہے، حدیث میں مردوں کے لئے نشانہ بازی و تیراندازی کے کھیل کو پسندیدہ کھیل قرار دیا ہی گیا ہے، حالات کے پیش نظر اب لڑکیوں کے لئے بھی ان کھیلوں کی گنجائش ہوگی۔ چنانچہ ایسی کلاسس کا انعقاد لڑکوں کے لئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ ہو۔لڑکیاں شرعی حجاب میں یہ کھیل سیکھیں، کوشش کی جائے کہ سکھانے والا کوئی ادھیڑ عمر کا مرد ہو اور اس پر کڑی نظر رکھی جائے، بہتر ہوگا کہ اگر کوئی عورت مل جائے جو یہ کھیل جانتی ہو تو اسی کا تقرر کرلیا جائے۔

چنانچہ روایت ہے؛ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حنین کے دن ام سلیمؓ نے (اپنی حفاظت کے لئے) اپنے پاس خنجر رکھ لیا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنے پاس خنجر کیوں رکھ لیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے پاس خنجر اس لئے رکھا ہے تاکہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو میں اس کا پیٹ چاک کردوں، نبیٔ کریم یہ سن کر ہنسنے لگے.....(مسلم) (خواتین کی آزادی عہدِ رسالت میں، شیخ ابوعبدالرحمان عبدالحلیم محمد ابوشقہ ،ص ۱۶۴)۔

اسی طرح کا واقعہ ام عمارہؓ کا بھی ہے کہ وہ احد کے دن جب مسلمان شکست کھا گئے تھے تو یہ ہتھیار اٹھا کر خود دشمنوں سے لڑنے لگی، رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ میں جب بھی دائیں یا بائیں جانب مڑتا تو ام عمارہؓ کو دیکھا کہ وہ میری حفاظت کی خاطر لڑ رہی تھیں (حوالۂ سابق)۔

مسلم انتظامیہ کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط سے بچتے ہوئے ان پروگراموں کے انعقاد کی شرعی گنجائش کا جائزہ:

اسلام میں جو کھیل جائز ہیں؛ ان کی تفصیل علماء نے بیان کردی ہیں، کھیل کی، تفریح کی، نیز سیر وسیاحت کی جو شرائط ہیں وہ

بھی اوپر مذکور ہیں، اب ایک ایسے اسکول میں ان امور کے انعقاد کا معاملہ ہے جس کی انتظامیہ مسلم ہو۔

یعنی مسلم انتظامیہ والے اسکول میں ان تمام امور کا انعقاد مذکورہ شرائط کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

اسکول کی انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ انہی کھیلوں کا انتخاب کرے جو شرعاً جائز اور بچوں کے لئے محفوظ ہوں، نیز تفریح یا سیر و سیاحت کے لئے ان مقامات کا انتخاب کرے جہاں ایک طرف بچوں کو مکمل تحفظ حاصل ہو تو دوسری طرف بچوں کے دین و ایمان کی بھی حفاظت ہو۔

کہیں کہیں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بچوں کو ایجوکیشنل ٹور کے نام ایسے مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے جہاں پر جانا جائز نہیں ہوتا یا کم از کم مکروہ ہوتا ہے، جیسے مندر یا کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا مذہبی مقام، یا پھر ایسی جگہ جہاں پر غیر اسلامی و غیر شرعی امور انجام پاتے ہیں، ایسی جگہوں پر جانے سے بچوں کے ذہن پر برا اثر پڑا ہے جو آگے چل کر ان کی دین و ایمان میں کمزوری پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا ایسے مقامات پر ایجوکیشنل ٹرپ کے نام سے مسلم انتظامیہ والے اسکول کے لئے بچوں کو لے جانا جائز نہیں۔

نیز ایجوکیشنل ٹرپ یعنی معلوماتی سفر کا مقصد بچوں کی معلومات میں اضافہ کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو ذہنی و جسمانی اعتبار سے تروتازہ (فریش) کرنا ہوتا ہے، اس کے لئے عموماً لوگ تفریحی مقام پر پہونچ کر ناچ گانا یا گانے اور ناچنے کے کھیل منعقد کرتے ہیں جس میں بچے اور ٹیچرس وغیرہ حصہ لیتے ہیں۔ ناچ گانے والے کھیل غیر شرعی ہیں، حفوات و خرافات ہیں، لہو و لعب میں شمار ہیں تو پھر ایسے پروگراموں سے بچوں کو دور رکھنا چاہئے، ایسے پروگراموں کا انعقاد نا جائز ہے۔

”**عن ابی ھریرة ؓ أن رسول الله ﷺ قال: استماع صوت الملاھی معصیة و الجلوس علیھا فسق و التلذذ بھا کفر.....**“ (نیل الأوطار للشوکانی؛ رقم حدیث؛ ۳۵۵۳؛ ۸/ ۱۰۴)۔

اور الدر المختار میں ہے: ”**و فی السراج: و دلت المسألة أن الملاھی کلھا حرام، و یدخل علیھم بلا إذنھم لإنکار المنکر، قال ابن مسعود: صوت اللھو و الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات...... قلت؛ و فی البزازیة: استماع صوت الملاھی کضرب قصب و نحوہ حرام......**“ (رد المحتار علیٰ الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۵۰۲...... ۵۰۴)۔

مسلم انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ ایجوکیشنل ٹرپ کے نام پر ایسے مقامات کی سیر و سیاحت بچوں کو کرائے جو دیکھنے سے بچوں کی نالج میں اضافہ ہو، علمی تجربہ ملے، آگے بڑھنے، ترقی کرنے نیز محنت کرنے کا جذبہ ملے، نیز ایک اچھا شہری اور محنتی طالب علم بننے کی جستجو پیدا ہو، اسی لئے تاریخی مقامات، علمی مقامات، سائنسی تجربہ گاہیں وغیرہ جیسے مقامات کی سیر و سیاحت کرنا مباح ہے۔

۱۴-اسکول میں ثقافتی پروگراموں کے انعقاد کے سلسلہ میں شرعی احکام:

ثقافتی یا کلچرل پروگرام کا اسکول میں انعقاد بھی ایک ضروری امر بن گیا ہے، اس سے اسکول کی کارکردگی، اسکول کے اساتذہ

کی محنت ولگن، اور بچوں کی صلاحیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور ایسے پروگرام اکثر اسکول کی شہرت کا باعث بنتے ہیں۔آجکل تو ایسے پروگرام ہر پرائیوٹ اسکول میں بڑے ہی عالیشان پیمانے پر منعقد کئے جارہے ہیں، مگر افسوس یہ ہوتا ہے کہ بعض مسلم انتظامیہ والے اسکول بھی کلچرل پروگرام رکھتے ہیں اور اس میں ڈانس، گانا، بچوں کو فلمی گانے سکھا کر ان سے سننا حتی کہ اپنے مسلم بچے وبچیوں پر دیوی دیوتاؤں کا میک اپ کر کے عوام کے سامنے پیش کرنا اور شاباشی وصول کرنا عام سی بات ہوگئی ہے، اور بے حیائی، بے پردگی، بے حجابی والے مظاہر ومناظر ایسے پروگراموں میں بالخصوص نظر آتے ہیں۔ یہ سب یا تو دین وایمان کی کمی کا باعث ہے یا پھر زمانے کی چکا چوند نے لوگوں کے ذہنوں کو ماؤف کر دیا ہے اور وہ بھی زمانے کے شانہ بہ شانہ چلنا نہیں بلکہ بھاگنا چاہتے ہیں جس میں انہیں یہ احساس تک نہیں ہے کہ خود تو گنہ گار ہو ہی رہے ہیں ساتھ میں بچوں کو جن کی تعلیم وتربیت کا انہوں نے ذمہ اٹھا رکھا ہے، گناہ گار اور ایمانی اعتبار سے کھوکھلا کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرِکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَشَآ ءُ وَ مَنْ یُشْرِکْ بِاللہِ فَقَد ضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا......''(سورۃ النساء:۱۱۶)(بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کر دیتا ہے۔اور جو شخص کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دور جا گرتا ہے)۔

''عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ : من تشبه بقومٍ فهو منهم......''(سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، رقم ۴۰۳۱)۔

ثقافتی پروگرام یا کلچرل پروگرام آج کی تعلیمی فضا میں ضروری ہے مگر مسلم انتظامیہ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس کا انعقاد شرعی حدود میں رہ کر کریں، کوئی ایسا مظاہرہ نہ ہو جس سے شرعی حدود پامال ہوں اور ہمارے ساتھ بچے بھی اس نحوست کے شکار ہوں۔ بے تحاشا اخراجات، فضول خرچی، ریاکاری نیز بے حیائی وبے حجابی والے پروگرام سے فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوتا ہے، ایک طرف تو شریعت کی نافرمانی اور دوسری طرف ضیاع وقت ومال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:'' وَالَّذِیْنَ هُم عَنِ اللَّغْوِ مُعرِضُونَ......''(سورۃ المؤمنون:۳)(فلاح یاب مؤمنین وہ ہیں جو بے کار اور فضول باتوں سے الگ رہتے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:''من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه ......''(الجامع الترمذی؛ ابواب الزھد، باب ماجاء من تکلم بالکلمۃ لیضحک الناس؛ رقم ۲۲۱۷)۔

'' عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: استماع صوت الملاهی معصية و الجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر......''(نیل الأوطار للشوکانی؛ رقم حدیث؛ ۸۳۵۵۳/ ۱۰۴)۔

اورالدرالمختار میں ہے:’’و فی السراج: و دلت المسألة أن الملاھی کلھا حرام، و یدخل علیھم بلا إذنھم لإنکار المنکر، قال ابن مسعود: صوت اللھو و الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات...... قلت؛ و فی البزازیة: استماع صوت الملاھی کضرب قصب و نحوہ حرام......‘‘(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة۹/۵۰۲...... ۵۰۴)۔

اور’’ردالمحتار میں ہے:’’و کرہ کل لھو أی کل لعب و عبث، فالثلاثة بمعنی واحد...... و استماعه کالرقص و السخرة و التصفیق و ضرب الأوتار من الطنبور و البربط و الرباب والقانون المزمار و الصنج والبوق، فإنھا کلھا مکروھة، لأنھا زی الکفار، و استماع ضرب الدف المزمار و غیر ذلک حرام، وإن سمع بغتة یکون معذوراً، و یجب ن یجتھد أن لا یسمع، قھسانی .....‘‘(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة۹/۵۶۶)۔

اور’’احکام القرآن‘‘میں ہے:’’اللھو: ھو الاشتغال بما لا یعنی و ما لیس له غرض و مقصد صحیح، و ھٰذہ المستندة المباحة إنما أبیحت الأغراض و فوائد لا تحصل الا بأمثالھا......‘‘ (احکام القرآن للتھانوی۵/۱۲۰)۔

اور’’الھندیة‘‘میں ہے:’’ یکفر بوضع قلنسوة المجوسی علی رأسه......(الیٰ قوله) وبخروجه الیٰ نیروز المجوس لموافقته معھم فیما یفعلون فی ذلک الیوم......‘‘(فتاویٰ الھندیہ:الباب التاسع فی احکام المرتدین،منھا مایتعلق بتلقین الکفر ۲/۲۷۷)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:’’ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ أن تَشِیْعَ الفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوا لَھُم عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الآخِرَةَ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ.....‘‘(سورۃ النور:۱۹)(بے شک جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو،ان کے لئے دنیاوآخرت میں دردناک عذاب ہے)۔

اسکول میں ثقافتی پروگرام میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا جائے کہ بے پردگی نہ ہواور بے حجابی نہ ہو۔بچیاں یالڑکیاں جو پروگرام پیش کرنے والی ہیں حجاب میں رہیں۔

کوئی ایسا پروگرام پیش کرنا جس میں لڑکے اورلڑکیاں دونوں حصہ لے رہے ہوں توشرعاً’’ناجائز‘‘ ہے،البتہ چھوٹی بچیاں اور بچے(پہلی جماعت تا چوتھی جماعت والے)مل کرمفید ومعلوماتی پروگرام پیش کر سکتے ہیں۔

ثقافتی پروگرام میں طالبات تقریر یا مکالمہ پیش کرسکتی ہیں،تقریرتو جائز ہے، بلکہ اچھی بات پیش کرنا پسندیدہ بھی ہے۔مکالمہ جس میں اچھی معلومات دی جاتی ہیں،اس کی بھی گنجائش ہے،تقریر یا مکالمہ جائز موضوعات پر ہو،غیر شرعی امور کی وکالت میں نہ ہو یہ چھوٹی بچیوں (ایک جماعت سے چوتھی جماعت تک کی) کے لئے حکم ہے۔

اور ہاں ان سے بڑی جماعتوں والی لڑکیوں کا حکم یہ ہے کہ بوقتِ تقریر یا مکالمہ لڑکی باحجاب ہواور پردے کے پیچھے ہو،آواز

مترنم نہ بنائے، بلکہ قدرے کرخت ہو۔ان کے پروگراموں میں ضروری ہو تبھی مردوں کو بلایا جائے، ورنہ صرف عورتیں ہی ایسے پروگرام منعقد کریں،مگر چونکہ آج کل ضروری ہوگیا ہے کہ آفیسرز کو بلایا جائے ایسے میں لڑکی پردے کے پیچھے سے تقریر یا مکالمہ پیش کرسکتی ۔اشد ضرورت ہی پر وہ پورے پردے وحجاب کے ساتھ مردوں کے سامنے آسکتی ہے،مثلاً کوئی انٹرویو کے موقع پر، یا کسی آفیسرز کے اسکول وتعلیمی معائنہ کے موقع پر وغیرہ۔

اگر بچی پروگرام پیش کررہی ہوتو کوئی مضائقہ نہیں وہ مردوں کے سامنے مناسب شرعی لباس پہن کر تقریر یا مکالمہ پیش کرسکتی ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنْ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفاً.....''(سورۃ الاحزاب:۳۲)(اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے میں بات مت کرو کہ جس کے دل میں مرض ہو وہ برا خیال کرلے اور ہاں قاعدہ کے مطابق کلام کرو)۔

اور''المحیط البرہانی'':''إن المرأة منهية عن إظهار و جهها للرجال من غير ضرورة.....''(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۵/ ۶۴)۔

ہاں! ڈرامہ میں حصہ لینے والے کو اداکاری کرنی پڑتی ہے اور وہ بھی بغیر لڑکے کے کوئی ڈرامہ اسٹیج نہیں کیا جاتا اور مزید یہ کہ اسٹیج پر لوگوں کے سامنے اداکاری کرنی پڑتی ہے، چونکہ ایک مسلمان لڑکی اگر اداکاری کرے تو یہ اسلامی روح کے خلاف ہے،لہٰذا لڑکی ڈرامہ نہیں کرسکتی۔

البتہ ڈرامہ میں صرف لڑکیاں ہی ہوں، مردوں کا اختلاط نہ ہو، ڈرامہ دیکھنے والی بھی صرف عورتیں ہی ہوں تو لڑکیوں کے لئے ڈرامہ کرنے کی اجازت ہے،بشرط یہ کہ ڈرامے کا موضوع اصلاحی ہو، بامقصد ہو، پاکیزہ ہو، غیر شرعی افکار ونظریات پر مبنی نہ ہو،حضرت عائشہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ کئی ایک صحابۂ کرام نے آپؓ سے حدیث اخذ کی ہے،علم سیکھا ہے اور رسول اکرم ﷺ سے متعلق کئی اہم باتوں کو جانا ہے جب کہ حضرت عائشہؓ وراء حجاب، پردے کے پیچھے رہتی تھیں،لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت حجاب میں رہ کر کوئی ایسا پروگرام پیش کرسکتی ہے جو بامقصد ہو، پاکیزہ ہو، اصلاحی ہو نیز غیر شرعی نہ ہو۔

اس کے علاوہ اور بھی قباحتیں ہیں جو آج کل اسکولوں میں ثقافتی پروگرام کے نام سے رائج ہوتے جارہے ہیں ان کا سدِّ باب ضروری ہے،ان کا یہاں ذکر کررہا ہوں۔

اسلام نے تفریح سے منع نہیں کیا،مگر ہاں اسلام عیاشی سے روکتا ہے، اسلام انجوائے کی اجازت دیتا ہے مگر وہ بے حیائی، بے شرمی، بے حجابی اور بے پردگی سے روکتا ہے، اسلام اپنی تاریخ کو، اپنی ثقافت کو پیش کرنے کا حکم تو دیتا ہے،مگر وہ روکتا ہے کہ ہم سے کوئی ایسا قدم نہ اٹھ جائے جس سے ہمارا ایمان ہم سے چھن جائے۔

چنانچہ شرعی بنیادوں پر ثقافتی پروگرام کو منعقد کرنے کا حکم اسلام دیتا ہے، تاکہ اس کا اچھا اثر بچوں پر پڑے۔

ثقافتی یا کلچرل پروگرام کے نام پر موسیقی بجانا جائز نہیں۔اسی طرح ثقافتی پروگرام میں ڈانس،فلمی گانے بچوں سے سننا، نیم عریاں ومختصر کپڑے پہنا کر بچیوں سے کوئی پروگرام کروانا بھی جائز نہیں۔ ''عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: استماع صوت الملاهی معصية و الجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر......''(نیل الأوطار للشوکانی؛ رقم حدیث: ۳۵۵۳:۸/۱۰۴)۔

اور'' الدرالمختار''میں ہے:'' و فی السراج: و دلت المسألة أن الملاهی كلها حرام، و يدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر، قال ابن مسعود: صوت اللهو و الغناء ينبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء النبات...... قلت؛ و فی البزازية: استماع صوت الملاهی كضرب قصب و نحوه حرام......''(ردالمحتار علیٰ الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۵۰۲...... ۵۰۴)۔

ایضاً:''و كره كل لهو أی كل لعب و عبث، فالثلاثة بمعنی واحد...... و استماعه كالرقص و السخرة و التصفيق و ضرب الاوتار من الطنبور و البربط و الرباب والقانون المزمار و الصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة، لأنها زی الكفار، و استماع ضرب الدف المزمار و غير ذلک حرام، وإن سمع بغتة يكون معذوراً، و يجب أن يجتهد أن لا يسمع، قهستانی ......''(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع ، ۹/۵۶۶)۔

اسی طرح مسلم بچے وبچیوں کو دیوی دیوتاؤں کے میک اپ کرا کر، غیر مذاہب کے اوتار کا روپ دے کر اسٹیج پر پیش کرنا بھی ''ناجائز'' بلکہ ''حرام'' ہے،ان جیسے پروگرام کرنے سے پروگرام کروانے والے کے،بچہ اور بچے کے والدین کے'' کفر'' کا خوف ہے،الہندیۃ میں ہے؛''يكفر بوضع قلنسوة المجوسی علی رأسه......(الیٰ قوله) وبخروجه الیٰ نيروز الجموس لموافقته معهم فيما يفعلون فی ذلک اليوم......''(فتاویٰ الہندیۃ؛ الباب التاسع فی احکام المرتدین،منہا ما یتعلق بتلقین الکفر ۲/ ۲۷۷)۔

''عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من تشبه بقومٍ فهو منهم......''(سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ،رقم ۴۰۳۱)۔

وفی ردالمحتار:''غزل الرجل علی هيئة المرأة يكره......''(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۶۱۱)۔

کلچرل پروگراموں میں اکثر ہال میں بیٹھے ہوئے مردو عورتوں میں اختلاط ہوتا ہے،نشستیں ایک ساتھ ہوتی ہیں اور پردہ کا بھی یا تو کوئی نظام ہی نہیں ہوتا اگر ہوتا بھی ہے تو برائے نام،جس سے شرعی حدود پامال ہوتی ہیں، چنانچہ ایسے پروگراموں میں ہال میں مرد اور عورتوں کے بیٹھنے کی نشستیں الگ الگ ہوں۔اور درمیان میں پردہ حائل ہو۔

۱۵-تعلیمی مقاصد کے لئے جدید طریقہ تعلیم یعنی جانوروں اور اعضاء انسانی کی تصاویر والی کتب سے استفادہ کا شرعی حکم:

آج عمومی طور پر دیکھا جائے تو دنیا میں دو ہی طاقتیں ہیں جو انسان کی ترقی کا باعث ہیں یا انسان کو ترقی کرنے کے لئے دو دنیاوی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے ایک دولت اور دوسرا ''علم''۔ بلاشبہ آج دور تعلیم کا دور، نالج کا دور، معلومات کا دور ہے، قوموں کی ترقی و شناخت میں آج سرے فہرست تعلیم اہم رول ادا کر رہی ہے۔ جو قوم تعلیم یافتہ ہے وہ کامیاب اور جس قوم نے تعلیمی میدان میں ذرا سی بھی سستی کی وہ آج ناکام ہے۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ دنیا نے جس کو تعلیم یا علم مانا ہے اور اسی کو ضروری و اہم بلکہ انسان کی تعمیر، معاشرہ کی تعمیر میں اہم قرار دیا ہے وہ حقیقت میں ثانوی علم ہے علم تو اصل میں دین کا علم، ایمان کا علم اور اخلاق کا علم ہے۔ لیکن آج دنیا نے جو نصاب تیار کیا، دنیا پر مسلط قوموں نے اپنی من مانی کے جو سسٹم لاگو کیا ہے وہ اب ہر جگہ، ہر ملک میں چل رہا ہے۔ دوسری اقوام کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں کیونکہ وہ ہر رطب و یابس کو سر پر اٹھا لینے کے عادی ہے، اصل مسئلہ مسلمانوں کا ہے جن کے روبرو واضح، مستحکم اور انسب تعلیمات و ہدایات قرآن وحدیث یعنی شریعت کے روپ میں موجود ہیں اور ان کے لئے یہ ضروری اور لازم ہے کہ وہ جو بھی کریں اسی آسمانی شریعت کے مطابق کریں۔

اسلامی شریعت نے اپنے اندر لچک رکھی ہے، قرآن میں ارشاد ہے: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ......'' (سورۃ الحج:۷۸) (اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کے مزاج کے مطابق، ان کی فطرت کے مطابق زندگی گذارنے کی سہولت عطا فرمائی ہے، اور اس کے لئے دین پر عمل کرنے میں کوئی تنگی یا دشواری نہیں رکھی گئی۔ اور شارع علیہ السلام نے ''الدین یسر''، ''یسروا ولا تعسروا'' جیسے احکام جاری فرما کر اسلام کو ہر دور کے لئے ہادی و رہنما مذہب بنا دیا، چنانچہ ان حالات میں ہمارے لئے اسلامی تعلیمات ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔

فقہاء کرام نے اسلامی شریعت کی صحیح تصویر پیش کی، پیش آمدہ مسائل میں انہوں نے جو قواعد واصول وضع کئے آج انہی کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ہر چیز کی رہنمائی موجود ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کے اندر قرآنی آیت: ''مَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ......'' (سورۂ حج: ۷۸) (اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے) حدیث رسول اکرم ﷺ: ''الدین یسر''، ''یسروا ولا تعسروا'' اور مشہور فقہی قاعدہ: ''الضرورات تبیح المحظورات''، ''المشقۃ تجلب التیسیر'' کو بنیاد بنا کر اس بات کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ نئی نسل کو تعلیم کے ذریعہ اوروں کے شانہ بہ شانہ چل کر خود کی حفاظت، خود کی شناخت نیز دین کی حفاظت کا ذریعہ بننے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اس کے لئے بعض ناپسندیدہ اشیاء یا طریقوں کو اختیار کرنا پڑے تو اس کی بقدر ضرورت اجازت ہوگی، کیونکہ فی زمانہ علم وتعلیم کی باگ دوڑ ان ہاتھوں میں ہے جو مسلمانوں کے اصول ونظریات کے خلاف ہیں، ان

سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ تعلیمی نصاب یا جدید تعلیمی ذرائع کو مسلمانوں کے نظریات کے مطابق کردیں۔

جدید طریقہ تعلیم کے طور پر جو نصاب اس وقت رائج ہے یا اختیار کیا گیا ہے اس میں ایسی کتابیں تو شاید موجود نہیں ہیں جن میں جانوروں کی تصاویر نہ ہوں، انسانی اعضاء کی تصاویر نہ ہوں الا یہ کہ کوئی مسلم ادارہ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے ایسا نصاب تیار کرے جو جدید طریقہ تعلیم کے مطابق بھی ہو اور اس میں ذی روح کی تصاویر بھی نہ ہوں۔ اگر ایسی کتابیں موجود ہوں، دستیاب ہوجائیں تو خیر کوئی مسئلہ ہی نہیں، کہ ان جیسی کتابوں کی دستیابی کی صورت میں جاندار کی تصویروں والی کتابوں کو نصاب میں شامل کرنے ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ مگر مسئلہ یہی ہے کہ ایک تو ایسی کتابیں دستیاب نہیں ہیں، اور اگر کہیں ہیں بھی تو ان کی اشاعت اس پیمانہ پر نہیں ہوتی جس پیمانہ پر آج کل اسکول کی کتابیں شائع ہوکر ہر جگہ دستیاب ہورہی ہیں۔

لہٰذا ان حالات میں تعلیمی مقاصد کے لئے جدید طریقہ تعلیم کے طور پر نصاب میں ایسی کتابوں کو شامل کرنے کی بقدر ضرورت اجازت ہوگی جن میں جانوروں کی تصاویر ہوں یا اعضاء انسانی کی تصاویر ہوں۔ مناسب ہوگا کہ تصویروں میں جانوروں کے اعضاء کٹے ہوئے یا نامکمل ہوں، البتہ اعضاءِ انسانی الگ الگ ہوں اور مکمل ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ تصویر کا حکم جاندار کے سارے جسم کے عکس پر ہے، اور نامکمل تصویر جس میں جسم کا کوئی جاندار عضو کٹا ہوا ہو تو ایسی تصویر رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

تصویر کھینچنا ناجائز ہے، اس سلسلہ شدید وعیدیں وارد ہیں۔ کھینچی ہوئی تصویر رکھنے کے سلسلہ میں الگ الگ صورتیں ہیں، یادگار کے طور پر کھینچی ہوئی تصویر رکھنا حرام ہے، اس میں عبادت کا پہلو آجاتا ہے، جو کہ شرک وکفر کے کے قریب لیجاتا ہے، شوقیہ رکھنا تاکہ دیکھ کر اس سے لذت حاصل کی جائے یا ذہنی تعیش حاصل کیا جائے، یہ صورت بھی حرام ہے۔ کوئی تصویروں والی میگزین ہے جس میں اچھی بری سبھی تصویریں ہیں، ایسی میگزین جو صرف تصویروں کے لئے چھاپی جاتی ہیں یا صرف تصویروں ہی کے لئے خریدی جاتی ہیں، ایسی میگزین یا کتاب کا رکھنا بھی حرام ہے۔

لیکن ایسی کتاب جو اسکول کے بچوں کی تعلیم کی غرض سے تیار کی گئی ہو، جس میں جانوروں کی تصاویر ہوں اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوں، اور بچہ کے لئے ان تصاویر کی مدد سے حصول علم میں آسانی وسہولت ہوتی ہو، نیز اس کتاب کے علاوہ دوسری کوئی ایسی کتاب موجود نہ ہو یا موجود ہو مگر معیاری نہ ہو، مقابلہ جاتی دور، مسابقاتی دور میں ایسی کتابیں فرسودہ کہلاتی ہوں، نیز اعلیٰ معیاری عصری اسکولوں کے مقابلہ ایسے اسکول یا ایسی کتابیں غیر معیاری تصور کی جاتی ہوں، علاوہ ازیں ایسی کتابیں ہی اب ہر جگہ رائج ہوں جن میں تصاویر ہوں تو ایسی صورت میں احقر کے نزدیک ان کتابوں سے بقدرِ ضرورت استفادہ ''جائز'' ہے اور ان کا رکھنا اور بچوں کو پڑھانا ''جائز'' ہے۔

اس کے لئے فقہاء کے ہاں نظیریں بھی موجود ہیں کہ کوئی شئی فی نفسہ حرام ہو، مگر بہ ضرورت شدید اس کا استعمال جائز قرار دیا گیا ہو؛ رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیثِ مبارک ہے کہ آپ ﷺ نے آگ کے ذریعہ کسی کو سزا دینے سے منع فرمایا کہ آگ سے

عذاب دینا صرف اللہ رب العزت کا حق ہے،: ’’فإنه لا يعذب بالنار إلا رب النار ......‘‘ (سنن ابوداؤد ۳/ ۱۲۴) (اس لئے کہ آگ سے عذاب صرف آگ کا رب ہی دے گا)، لیکن فقہاء کرام نے بسا اوقات جنگ کی حالت میں دشمن کو جلا کر مار ڈالنے کی اجازت دی ہے۔

کما فی الدرالمختار: ’’نستعين بالله و نحاربهم بنصب المجانيق و حرقهم و غرقهم و قطع أشجارهم) ولو مثمرة و إفساد زروعهم......‘‘ (ردالمحتار علی الدرالمختار؛ کتاب الجہاد ج۶ ص۲۰۹) (ہم ان سے منجنیق نصب کر کے اور جلا کر، ڈبو کر اور ان کے درختوں کو کاٹ کر جنگ کریں گے اگر چہ کہ وہ پھل دار ہی کیوں نہ ہوں اور ان کی کھیتیوں کو نقصان ہی کیوں نہ پہونچے)۔

یعنی جلانا عام حالات میں جائز نہیں، جلا کر عذاب دینا بندوں کا کام نہیں، بلکہ یہ حق تو صرف اور صرف آگ کے رب یعنی اللہ تعالی کو ہے، لیکن فقہاء نے بعض خصوصی حالات میں اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا اس وقت تعلیم کا میدان ہی قوموں کے لئے جنگ کا میدان متصور ہے کیونکہ آج جنگ تیر و تلوار سے زیادہ علم اور قلم سے کی جارہی ہے، جس کے پاس جدید تعلیم اور تعلیم کے حصول کے لئے جدید ذرائع ہیں وہی قوم کامیاب ہے، لہٰذا ان حالات میں یہ جائز ہوگا کہ جدید تعلیمی ذرائع کو اختیار کر کے اپنی نسل کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائیں، تا کہ وہ اپنی بقاء کر سکے اور اپنی شناخت قائم رکھ سکے۔

نیز ایسے حالات میں ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں امام مالکؒ کے قول کو اختیار کیا جانا مناسب ہوگا، جیسا کہ علماء عرب نے اختیار کیا ہے جس میں تصویر کی حرمت کے سلسلہ میں ان کے نزدیک حرمت صرف ان ذی روح تصاویر سے متعلق ہے جو جسم یا سایہ والی ہوں، بغیر سایہ والی یا مسطح تصویر کو وہ حرام نہیں سمجھتے۔

’’الموسوعۃ الفقہیۃ‘‘ میں ہے: ’’القول الثانی وهو مذهب المالكية و بعض السلف و وافقهم ابن حمدان من الحنابلة أنه لا يحرم من التصاوير إلا ما جمع الشروط الآتية؛ الشرط الأول؛ أن تكون صورة الإنسان أو الحيوان مما له ظل، أی تكون تماثلا مجسداً، فإن كانت مسطحة لم يحرم عملها، و ذٰلک كالمنقوش فی جدار أو ورق أوتماثبل يكون مكروها‘‘ (الموسوعۃ الفقہیۃ، اصطلاح تصویر ۱۲/ ۱۰۱)۔

’’فقہ السنۃ‘‘ میں ہے: ’’كل ما سبق ذكره خاص بالصور المجسدة التی لها ظل،أما الصور التی لا ظل لها كالنقوش فی الحوائط و علی الورق، والصور التی توجد فی الملابس و الستور و الصور الفوتوغرافية فهٰذه كلها جائزة......‘‘ (فقہ السنۃ ۲/ ۵۸)۔

عام حالات میں تو وہی جمہور کا قول ہی قابلِ عمل ہے، لیکن ایسے حالات میں جہاں ایک طرف ہم امام مالکؒ کے قول پر عمل کریں تو پھر ہماری نسل کے لئے سہولت ہے، دوسری طرف اگر امام مالکؒ کے اس قول کو نہ لیں تو پھر تعلیمی میدان میں کئی مشکلات

ہونگیں، کئی الجھنیں ہونگیں جو ہمیں اور ہماری نسل کو جھیلنی ہونگیں۔ جدید ذرائع تعلیم سے احترازو گریز ناممکن ہے، اگلے چند برسوں تک یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم اس نصاب تعلیم یا جدید ذرائع سے اعراض کریں۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی متبادل موجود نہیں ہے، لہٰذا جب تک متبادل مل نہیں مل جاتا اس وقت تک ہمیں امام مالکؒ کے قول کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ہمارے پاس نظیریں بھی موجود ہیں۔

نیز ''الدرالمختار'' میں ہے: ''**ولا يكره لو كانت تحت قدميه أو محل جلوسه، لأنها مهانة (قال) أو على خاتمه بنقش غير مستبين (قال) أو كانت صغيرة لا تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما، وهي على الأرض أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه أو لغير ذي روح لا يكره......**'' (الدرالمختار ۱/ ۶۷۹)۔

علامہ ابن عابدینؒ کی اس عبارت میں موجود استثناء پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم تصویر رکھنے کے سلسلہ میں ہے، البتہ تصویر بنانے کے سلسلہ میں یہ استثناء نہیں ہے، یعنی تصویر بنانا یا کھینچنا مطلق حرام ہے، لیکن رکھنے کا جہاں تک معاملہ ہے، جو مستثنیٰ حالتیں بیان کی گئی ہیں ان سب کی اتنی اشد ضرورت انسانی زندگی میں نہیں ہوتی جتنی کہ ضرورت تعلیم کے سلسلہ میں کتابوں میں موجود تصاویر کی ہوتی ہے کیونکہ ان تصویروں کے بغیر کتاب نہیں ملتی اور بغیر کتاب یا جدید ذرائع تعلیم کے ہمیں تعلیم کا حصول دشوار ہوسکتا ہے۔ اس لئے علامہ شامی کی عبارت سے یہ راہ بھی کھلتی نظر آتی ہے کہ فی زمانہ ایک اور استثناء تصویر کے رکھنے کا موجود ہے اور وہ ہے تعلیمی مقاصد کے لئے ایسی کتاب کا رکھنا جائز ہے جس میں جانوروں کی تصاویر ہو یا اعضاء انسانی کی تصاویر ہوں۔

کتابوں کی تیاری میں اگر یہ کوشش کی جائے کہ تصویر میں نقوش ادھورے ہوں یا چہرہ کے نقوش صاف نہ ہوں، دھندلے نقوش ہوں تو بہتر ہوگا۔

اس مسئلہ کے اندر احقر کی رائے یہ ہے کہ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نئی نسل کو سہولت دی جائے تاکہ وہ بھی تعلیمی ترقی کی اس دوڑ میں اوروں کا مقابلہ کرے اور اپنے آپ کو منوانے کی بھرپور کوشش کرے تاکہ ہماری نسل کی حفاظت ہو، اس کی حفاظت میں ہمارے دین کی حفاظت اور ہمارے کلچر کی حفاظت ہے۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے اس وقت تعلیم کے جدید طریقے رائج ہیں ان سے لاکھ احتیاط کے باوجود گریز مشکل ہے۔ چنانچہ ارباب حل وعقد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کوئی ٹھوس قدم اٹھائیں کہ اعلیٰ پیمانے پر ایک ایسے نصاب کی ضرورت ہے جو شرعی بنیادوں پر، اسلامی ہدایات کی روشنی میں تیار کیا گیا ہو اور وہ بہ یک وقت شرعی حدود میں بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ جدید ذرائع وطریقہ ہائے تعلیم کے مساوی ہو۔ اس کی کوشش ہو تو بہتر ہوگا۔

اور ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے: ''**وما أبيح للضرورة يقدر بقدرها......**'' (الاشباہ والنظائر ۱/ ۱۱۹)۔

وایضاً: ''**الضرورات تبيح المحظورات و من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، و اساغة اللقمة بالخمر،**

والتلفظ بکلمة الکفر للإکراہ......"(الاشباہ و النظائر، الفن الاول فی القواعد الکلیۃ، القاعدۃ الخامسۃ ۱/ ۱۱۸، رقم القاعدۃ ۵٦۸)۔

اور" تکملہ فتح الملہم "میں ہے:"اتخاذ الصورۃ الشمسیۃ للضرورۃ أو الحاجۃ کحاجتها فی جواز السفر، وفی التأشیزۃ، و فی البطاقات الشخصیۃ، أو فی مواضع یحتاج فیها إلیٰ معرفۃ هویۃ المرء، فینبغی أن یکون مرخصاً فیه، فإن الفقهاء رحمهم الله استثنوامواضع الضرورۃ من الهرمۃ" (تکملہ فتح الملہم ۴/ ۱٦۴)۔

اور" شرح کتاب السیر "میں ہے:"وإن تحققت الحاجۃ إلیٰ استعمال السلاح الذی فیه تمثال، فلا بأس باستعماله، لأن المواضع للضرورۃ مستثناۃ عن الحرمۃ، کما فی تناول المیتۃ"(شرح کتاب السیر الکبیر، باب ما یکرہ فی دار الحرب، ومالا یکرہ ۳/ ۲۱۸)۔

وفی الموسوعۃ الفقهیۃ: "إذا کانت الصورۃ مجسمۃ کانت أو مسطحۃ مقطوعۃ عضو لا تبقی الحیاۃ معه، فإن استعمال الصورۃ حینئذٍ جائز، وهٰذا قول جماهیر العلماء من الحنفیۃ و المالکیۃ و الشافعیۃ و الحنابلۃ، والحجۃ لذٰلک ما مر أن جبرئیل قال للنبی ﷺ مر برأس التمثال فلیقطع حتیٰ یکون کهیئۃ الشجرۃ ،و فی روایۃ أنه قال ؛ إن فی البیت ستراً، و فی الحائط تماثیل فاقطعوا روئسها...... (الموسوعۃ الفقهیۃ ۱۲/ ۱۱۷)۔

اور" تکملہ فتح الملہم "میں ہے:"لقوله علیه السلام ؛ لا تدخل الملائکه بیتاً فیه کلب ولا صورۃ قوله: (لا تدخل الملائکه بیتاً فیه کلب ولا صورۃ)هذا الحدیث یدل علیٰ ان تصویر وی الأرواح و اتخاذ الصور فی البیت ممنوع شرعاً و اتفق علیه جمهور الفقهاء......"(تکملہ فتح الملہم ۴/ ۵۵)۔

وأیضاً: عن عمرؓ انه قال للنصاری: إن لا ندخل کنائسکم من أجل التماثیل التی فیها الصور...... و من أجل هذه الأحادیث و الآثار ذهب جمهور الفقهاء إلیٰ تحریم التصویر و اتخاذ الصور دوٴفی البیوت سواء کانت مجسمۃ لها ظل أو کانت غیر مجسمۃ لیس لها ظل......"(تکملہ فتح الملہم ۴/ ۱۵۷،۱۵۸)۔

تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کا استعمال شرعاً کیسا ہے؟

جہاں تک ڈیجیٹل تصاویر کا مسئلہ ہے، ڈیجیٹل تصویر کو تصویر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ڈیجیٹل تصویر اسکرین پر ابھرا ہوا الکٹرانک عکس ہے جو مشینی تحریک سے متعدد الیکٹرانک ڈاٹس سے مل کر بنتا ہے، اس کو بجائے تصویر کے سایہ کہہ سکتے ہیں۔ جونہی مشین بند ہوجاتی ہے وہ سایہ یا عکس بھی غائب ہوجاتا ہے، لہٰذا ڈیجیٹل تصویریں جب تک کیمرہ میں قید ہیں، یا اسکرین پر ابھر رہی ہیں یا کمپیوٹر سی ڈی، ڈی وی ڈی وغیرہ میں مقید ہیں وہ تصویر کے حکم میں نہیں ہیں، جب ان کو کسی چیز پر نقش کرلیا جائے، کسی شئی پر ان کا پرنٹ لے لیا جائے تب وہ تصویر کے حکم میں آتی ہیں، بغیر ان کا پرنٹ لئے ان سے تعلیمی مقاصد کے لئے فائدہ اٹھایا جاسکتا

ہے، چنانچہ تعلیمی مقاصد کے لئے یا کسی نیک مقصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کا استعمال جائز ہے۔

اسی طرح متحرک تصویریں یا تعلیمی فلمیں بھی دیکھنی جائز ہیں، بچوں کی تعلیم کے لئے کارٹون فلمیں، ڈیجیٹل فلمیں بھی جائز ہیں مگر وہ اخلاقی ہوں، لہو ولعب سے پاک ہوں نیز غلط مناظر کی عکاسی نہ ہو۔

اور ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے: ''وما أبيح للضرورة يقدر بقدرها......'' (الاشباہ والنظائر ۱/۱۱۹)۔

وایضاً: ''الضرورات تبيح المحظورات و من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه......'' (الاشباء و النظائر، الفن الاول فی القواعد الکلیۃ، القاعدة الخامسۃ ۱/۱۱۸، رقم القاعدة ۵۶۸)۔

اور ''تکملہ فتح الملہم'' میں ہے: ''اتخاذ الصورة الشمشية للضرورة أو الحاجة كحاجتها فى جواز السفر، وفى التأشيزة، و فى البطاقات الشخصية، أو فى مواضع يحتاج فيها إلىٰ معرفة هوية المرء فينبغى أن يكون مرخصاً فيه، فإن الفقهاء رحمهم الله استثنوامواضع الضرورة من الهرمة'' (تکملہ فتح الملہم ۴/۱۶۴)۔

اور ''شرح کتاب السیر'' میں ہے: ''وإن تحققت الحاجة إلىٰ استعمال السلاح الذى فيه تمثال، فلا بأس باستعماله، لأن المواضع للضرورة مستثناة عن الحرمة، كما فى تناول الميتة'' (شرح کتاب السیر الکبیر، باب ما یکرہ فی دار الحرب، ومالا یکرہ ۳/۲۱۸)۔

تعلیمی مقاصد کے لئے ابتدائی درجات میں جانوروں کے پلاسٹک یا لکڑی سے بنے مجسمے مہیاء کرنے کا جواز و عدم جواز:

کھلونے یا جانوروں کے پلاسٹک یا لکڑی سے بنے مجسمے بچوں کے لئے کھیلنے کی غرض سے لینا اور ان کو گھر میں رکھنا جائز نہیں، مکروہ ہے، جو وعیدیں اس سلسلہ میں آئی ہیں وہ سب اس صورت میں منطبق ہوتی ہیں۔ مگر کسی نیک مقصد کے حصول کے لئے جیسے تعلیم کی غرض سے، تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے پلاسٹک یا لکڑی سے بنے جانوروں کے مجسموں کو مہیاء کیا جا سکتا ہے، بہتر ہوگا کہ اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ مجسموں کے اعضاء مکمل نہ ہوں چہرے کے نقوش تھوڑے بگاڑ دئے جائیں یعنی مجسمہ مکمل نہ ہو، finishing نہ ہو۔

حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اکرم کے ہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، میری چند سہیلیاں بھی کھیلنے کے لئے میرے پاس آجاتی تھیں، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر چھپ جاتی تھیں، مگر رسول اکرم ﷺ ان کو میرے پاس آنے اور کھیلنے سے خوش ہوتے تھے۔

کذا فی سنن ابی داؤد: عن عائشہؓ قالت: ''كنت ألعب بالبنات، فربما دخل عليَّ رسول الله ﷺ و عندى

الجواری، فإذا دخل خرجن، و إذا خرج دخلن......''(سنن ابی داؤد،باب فی اللعب بالبنات، رقم حدیث: ۴۹۳۱)(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی،کبھی کبھی جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لاتے تو میں پاس میری پڑوسیاں ہوا کرتی تھیں،تو جیسے ہی وہ داخل ہوتے یہ چلی جایا کرتیں اور جب یہ آپ جاتے تو وہ پھر آجایا کرتی تھیں)۔

سنن ابو داؤد میں ہے؛ رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ ان گڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:ما هٰذا، یہ کیا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا:یہ میری بیٹیاں ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے پوچھا ان کے درمیان میں یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: گھوڑا۔رسول اکرم ﷺ نے پوچھا اس کے اوپر کیا لگا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا؛ یہ اس کے پر ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے پوچھا کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کیا آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے دو پر تھے۔ اس پر آپ ﷺ ہنس پڑے۔کذا فی سنن ابی داؤد:''عن عائشةؓ : قالت: قدم رسول الله ﷺ من غزوة تبوک، أو خیبر، و فی سهوتها ستر، فهبت الريح فكشفت ناحية الستر عن بنات لعائشة لعب، فقال: ما هٰذا يا عائشة؟ قالت: بناتی، و رأى بينهنّ فرساً له جناحانِ من رِقاع، فقال : ما هٰذا الذی أرى وسطهن؟ قالت فرس، قال: وما هٰذا الذی عليه؟ قلت : جناحان، قال: فرس له جناحان؟ ، قالت : أما سمعت أن لسليمان خيلاً لها أجنحة؟ قالت: فضحک [رسول الله ﷺ] حتىٰ رأيت نواجذه.....''(سنن ابی داؤد، باب فی اللعب بالبنات، رقم ۴۹۳۲)۔

وفی الاشباہ والنظائر:''وما أبيح للضرورة يقدر بقدرها......''(الاشباہ والنظائر ۱/۱۱۹)۔

وایضاً؛''الضرورات تبيح المحظورات و من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، و إساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه......(الاشباء و النظائر، الفن الاول فی القواعد الکلیۃ، القاعدۃ الخامسۃ ۱/۱۱۸، رقم القاعدۃ ۵۶۸)۔

و فی تکملہ فتح الملہم؛''اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها فی جواز السفر، وفی التأشيزة، و فی البطاقات الشخصية، أو فی مواضع يحتاج فيها إلىٰ معرفة هوية المرء فينبغی أن يكون مرخصاً فيه، فان الفقهاء رحمهم الله استثنوا مواضع الضرورة من الهرمة'' (تکملہ فتح الملہم ۴/۱۶۴)۔

وفی شرح کتاب السیر:''وإن تحققت الحاجة إلىٰ استعمال السلاح الذی فيه تمثال، فلا بأس باستعماله، لأن المواضع للضرورة مستثناة عن الحرمة، كما فی تناول الميتة''(شرح کتاب السیر الکبیر، باب ما یکرہ فی دارالحرب، وما لا یکرہ ۳/۲۱۸)۔

وفی الموسوعۃ الفقہیۃ: ''إذا كانت الصورة مجسمة كانت أو مسطحة مقطوعة عضو لا تبقى الحياة معه، فإن استعمال الصورة حينئذٍ جائز، وهٰذا قول جماهير العلماء من الهنفية و المالكية و الشافعية و الحنابله،

والحجة لذٰلک ما مر أن جبرئیل قال للنبی ﷺ: مر برأس التمثال فلیقطع حتیٰ یکون کهیئة الشجرة ،و فی روایة: أنه قال ؛ إن فی البیت ستراً، و فی الحائط تماثیل فاقطعوا روئسها......"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/ ۱۱۷)۔

وفی تکملہ فتح الملہم ؛ "لقوله علیه السلام ؛ لا تدخل الملائکه بیتاً فیه کلب ولا صورة قوله: (لا تدخل الملائکه بیتاً فیه کلب ولا صورة)هذا الحدیث یدل علیٰ ان تصویر وی الأرواح و اتخاذ الصور فی البیت ممنوع شرعاً و اتفق علیه جمهور الفقهاء......"(تکملہ فتح الملہم ۴/ ۵۵)۔

وایضاً: عن عمرؓ أنه قال للنصاری: أن لا ندخل کنائسکم من أجل التماثیل التی فیها الصور...... و من أجل هذه الأحادیث و الآثار ذهب جمهور الفقهاء إلیٰ تحریم التصویر و اتخاذ الصور فی البیوت سواء کانت مجسمة لها ظل أو کانت غیر مجسمة لیس لها ظل......"(تکملہ فتح الملہم ۴/ ۱۵۷،۱۵۸)۔

مسلمان انتظامیہ کالڑکیوں کے لئے ان سے متعلق اوران کے لئے مفید مضامین کی تعلیم کا انتظام کرنے کاحکم:

یہ بہت اچھا ہوگا کہ اسکول میں تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کوکوئی ہنر بھی سکھا دیا جائے، حدیث میں ہے کہ مردوں کے لئے بہترین کھیل تیرا کی ہے اورعورتوں کے لئے کشیدہ کاری۔

چنانچہ" کنز العمال" میں ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"خیر لهو المؤمن السباحة و خیر لهو المرأة المغزل......"(کنزالعمال؛رقم حدیث:۴۰۶۱۱)۔

چونکہ بچیوں اورلڑکیوں کا سارا وقت اسکول ہی میں گذر جاتا ہے،اورگھر آکر بھی اسکول کے ہوم ورک وغیرہ میں لگ جاتی ہیں ،نیز بچے ہوئے وقت میں وہ مزید کسی چیز کے سیکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ،اس لئے اسکول کے وقت ہی میں سے کچھ وقت نکال کر بچیوں ولڑکیوں کی تربیت اوران کوکسی ہنر کے سکھانے کاانتظام بڑا اچھا قدم ہوگا۔اسکول انتظامیہ کواس جانب توجہ دینی چاہئے۔

ایک اوراہم بات یہ بھی ہے کہ لڑکیوں وعورتوں کی تعلیم کے سلسلہ میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ عورت بہت ہی ضروری ومفید تعلیم کواس حدتک ہی حاصل کرے جتنی کہ اس کے لئے ضرورت ہو،اورعورت کے لئے شریعت کی جانب سے یہ پسند کیا گیا کہ وہ گھر کی حدتک رہ کر گھر ہستی چلاتے ہوئے،گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی کرتے ہوئے کوئی ذریعۂ معاش کواختیار کرسکتی ہے اورگھر سے باہر شرعی حدود میں رہتے ہوئے جن ذرائع معاش کوعورت کے لئے پسند وجائز قرار دیا گیا وہ ہے طبی شعبہ،تعلیمی شعبہ نیز خدمت خلق کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ۔اس کے علاوہ دسرے جوشعبہ جات ہیں وہ مردوں کے لئے ہیں،عورت ان کواختیار نہ کرے۔

صحیح المسلم کی روایت ہے، ام عطیہؓ فرماتی ہیں:"غزوات مع رسول الله ﷺ سبع غزوات، أکلفهم فی رحالهم، فصنع لهم الطعام و اداوی الجرحی واقوم علیٰ المرضیٰ......"(صحیح المسلم، کتاب الجهاد و السیر ، رقم؛ ۴۶۹۰)۔

چنانچہ اسکول انتظامیہ ووالدین کا یہ فریضہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں ان امور کا لحاظ وخیال رکھیں، اورلڑکیوں کے لئے جوبھی تعلیم دی جائے اس میں ایک طرف لڑکیوں کے سلسلہ میں شریعت کے مزاج اور پسندیدگی کوملحوظ رکھیں تو دوسری طرف ایسے ہنرلڑکی کو سکھانے کا انتظام کریں جس سے وہ آگے چل کر اپنے شوہر کے گھر میں اپنے گھر کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اس ہنرکو یا اپنی اس صلاحیت کو استعمال کرسکے۔

عام طور سے لڑکیوں کو آج کل اعلیٰ تعلیم دلائی جارہی ہے، شریعت نے اس کو روکا نہیں کہ لڑکی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے مگر ہاں یہ قیود و حدود ضرور عائد کی گئی ہیں کہ لڑکی کی شرم وحیا باقی رہے، اس کا حجاب و پردہ باقی ہے، شرعی حدود کی نافرمانی نہ ہو، لڑکی کی جو ذمہ داریاں ہیں ان میں کوئی کوتاہی نہ ہو، لڑکی کی اعلیٰ تعلیم سے سماج ومعاشرہ کا توازن نہ بگڑنے پائے نیز لڑکی تعلیم کے حصول کے بعد انہی ذرائع کو بطور روزگار اپنائے جن کی شریعت میں اجازت دی گئی ہو۔

فی زمانا لڑکیوں کے لئے نصابِ تعلیم میں ضروری دینی تعلیم میں قرآن کے ناظرہ، ترجمہ نیز مختصری تفسیر وتشریح، منتخب احادیث کا ترجمہ وتشریح، فقہی مسائل جو روزمرہ پیش آتے ہوں رکھی جائیں۔

عصری تعلیم میں مادری زبان کے علاوہ عالمی زبان، ملکی زبان نیز علاقائی زبان کی تعلیم، اسلامی اور ملکی تاریخ، جغرافیہ، سائنس، حساب کی ضروری تعلیم، ان کے علاوہ ہنر سکھانے میں کمپوٹر اور اس کے متعلقات کی تعلیم، کشیدہ کاری، سلائی، ہوم ڈیکوریشن کا کورس، جیسے ضروری وکام آنے والے کورس سکھائے جائیں۔

لڑکیوں کو میڈیکل اور ٹیچرز ٹریننگ کی تعلیم کے علاوہ بی اے، بی ایڈ وغیرہ پڑھایا جاسکتا ہے، تاکہ وہ میڈیکل وایجوکیشنل ڈیپارٹمنٹس میں خدمت کرسکیں، اس کے علاوہ سائنسی تجربات وسائنس کے شعبہ میں بھی لڑکیوں کے جانے کی گنجائش ہے مگر بجائے وہ فیلڈورک کے آفس ورک کریں۔

اس تفصیل کے لحاظ سے اسکول انتظامیہ اپنے اسکول میں لڑکیوں کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنرمندی کے لئے کورس کا انتخاب کرسکتی ہے۔

۱۷- مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے عصری تعلیمی اسکولوں میں کس حد تک دینی تعلیم شرعاً ضروری ہے؟

بچوں کو ان کی عمر کے لحاظ سے ضروری دینی علم شرعاً واجب ہوگا، کیونکہ انہیں ان مسائل کو بہرحال سیکھنا ہے جن کی عام زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔ خصوصاً بچہ جب سمجھ دار ہوجائے تو اسے طہارت ونماز کے مسائل، روزمرہ پیش آنے والے عام مسائل، نیز دعائیں مناجات وغیرہ سیکھنا واجب وضروری ہے، لہٰذا اسکولوں میں اتنی تعلیم تو دینی ضروری ہوگی۔

نیز آج کل جو حالات دنیا میں ہیں، بے دینی کے افعال، غیر اخلاقی صورتحال اور اسکولی نصاب میں خرافات وغیرہ سے بچوں کے ذہن بری طرح متاثر ہورہے ہیں، اس سے بچہ پہلی سے لیکر دسویں جماعت تک بھی جو سیکھنے اور اخذ کرنے کی عمر ہے؛ دین و

شریعت سے لاعلم ہوتا ہے، سارا دن اسکول میں پھر دینی تعلیم کے نام پر برائے نام مولوی صاحب سے ناظرۃ القرآن ودعائیں سکھادی جاتی ہیں اور بس۔ضروری ہے کہ مستقل ایک مضمون دینیات اور اخلاقیات کے نام سے اسکولوں میں ابتداء ہی سے لایا جائے۔

آج یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ ساری دنیا میں اسلام دشمن لابی اسلامی تہذیب اور اس کی شناخت کو مسخ کرنے کے سلسلہ میں متحد ومتحرک ہوچکی ہے، لہٰذا اب ہمیں بھی اس معاملہ میں کھل کر سامنے آنا ہوگا اور اپنے اپنے دائرہ میں، اپنی اپنی حدود میں اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں اقدامات اٹھانے ہونگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جہاں غیر شرعی افکار وعقائد کی اسکولی نصاب میں بھرمار کرنے کی کوشش کی جارہی ہیں، اسلامی تہذیب کو ختم کرنے نیز اسلام، مسلمانوں بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں بلکہ تاریخی معاملہ میں بہت سی غیر مصدقہ وغلط باتیں داخل نصاب ہوچکی ہیں۔ اب ان حالات میں اپنے اسکولوں میں یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ان چیزوں کا تدارک کیا جائے، ان کے سدِّ باب کے لئے اسکول میں حالات کے پیشِ نظر دینی، اعتقادی نیز شرعی مسائل پر مشتمل مضامین پڑھائے جائیں۔دس سال کی عمر کے لڑکی ولڑکے کے لئے جتنے دینی علم کی ضرورت ہو وہ ان کو دیا جائے۔

''کتاب البدائع''میں ہے:''و ینبغی للرجال أن یؤدب ولده علیٰ الطهارة و الصلاة إذا عقلها......'' (البدائع الصنائع ۱/ ۳۵۹)۔

''ردالمحتار''میں ہے:''إن الصبی ینبغی أن یؤمر بجمیع المامورات، و ینهیٰ عن جمیع المنهیات......'' (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ ۲/ ۵)۔

کمافی ردالمحتار:''أن طاعة الإمام فی غیر معصیة واجبة......''(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب القضاء ۸/ ۱۱۸)۔

۱۸-جنس مخالف ٹیچر کی تقرری کے سلسلہ میں شرعی احکام:

چھوٹے بچے وبچیوں کے لئے''جنس موافق ٹیچر'' کی تقرری کی ضرورت نہیں ہے، ایک سے چوتھی جماعت تک کے بچوں کے لئے کوئی بھی ٹیچر چل سکتا ہے مگر پانچویں جماعت یا دس سال کے لڑکے ولڑکیوں کے لئے جنس مخالف کے ٹیچر کی تقرری''مکروہ تحریمی'' ہوگی۔

سورۃ النور میں ہے:''قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْر م بِمَا یَصْنَعُوْنَ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَاالخ''(سورۃ النور: ۳۰،۳۱) (مومنوں کو یہ ہدایت کرو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں، یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے، بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں، مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہوجائے)۔

''ردالمحتار''میں ہے:''و يفرق بين الصبيان فى المضاجع إذا بلغوا عشر سنين و يحول بين ذكور الصبيان و النسوان و بين الصبيان والرجال، فان ذلک داعية الىٰ الفتنة ولو بعد حين...... و فى البزازية: إذا بلغ الصبىّ عشراً لا ينام مع أمه و أخته و أمرأة اِلا بامرأته أو جاريته. فالمراد التفريق بينهما عند النوم خوفاً من الوقوع فى المحذور، فإن الولد إذا بلغ عشراً عقل الجماع، ولا ديانة له ترده،......خصوصاًفى ابناء هذا الزمان فانهم يعرفون الفسق أكثر من الكبار......''(ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/ ۵۴۸، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ)۔

رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے: ''المرأة عورةٌ فإذا خرجت استشرفها الشيطان ......''(الجامع الترمذی، کتاب الرضاع عن رسول اللہ ﷺ؛ باب، رقم حدیث ۱۱۷۶)۔

''الاشباہ والنظائر''میں ہے: ''درء الفاسد أولىٰ من جلب المنافع، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة قدم دفع المفسدة غالباً ، لأن اعتبار الشرع المنهيات أشد من اعتناء ه بالمأمورات......''(الاشباہ والنظائر؛ ۱۱۴)۔

''جامع البیان''میں ہے: ''فإنه اذا بلغوا الحلم......''(جامع البیان ۷/ ۵۷۵)۔

''ردالمحتار''میں ہے:''نغمة المرأة عورة و تعلمها القرآن من المرأة أحب قال عليه الصلوٰة و السلام :'' التسبيح للرجال و التصفيق للنساء فلا يحسن أن يسمعها الرجل......''(ردالمحتار ۲/ ۷۸، باب شروط الصلوٰۃ، مطلب فی ستر العورۃ)۔

جیسا کہ'' المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ''میں ہے: ''إن المرأة منهية عن اظهار وجهها للرجال من غير ضرورة......''(۵/ ۶۴)۔

لڑکوں کے لئے عورت ،ٹیچر اورلڑکیوں کے لئے مرد ٹیچر کی تقرری میں فی زمانہ بڑی قباحتیں ہیں، اس وقت نسلِ نو بڑی تیز ہے، زمانے کی ہوانے اس نسل کو طاق کر دیا ہے، اس لئے شریعت نے ہمیشہ نوجوانوں اور بچوں کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا ہے، آج کل اسکولوں کے ماحول میں موجود آزادی اور استاذ و شاگرد کے درمیان میں ہونے والی بے تکلفی کا فائدہ چند غلط قسم کے انسان اٹھا لیتے ہیں، ایسے میں ضروری ہے کہ ان قبائح کا سدِّ باب کیا جائے جن سے بچوں کے بگڑنے یا نقصان اٹھانے کے امکانات ہیں، بدنظری اور بے تکلفی زنا کی طرف پہلا قدم ہے اور اسکول میں آسانی سے ان قباحتوں کے مواقع ہیں، لہٰذا احباب کے سلسلہ میں شرعی حکم موجود ہے، اس کی روشنی میں جنس مخالف ٹیچر کی تقرری جائز نہیں ہے۔

۱۹-محکمہ تعلیم کے افسروں کے معائنہ کی موافق رپورٹ کے لئے رشوت دینے کا جوازِ وعدمِ جواز:

رشوت اصل میں کسی سے بغیر حقداری کے ظلماً مال وصول کئے جانے کو کہا جاتا ہے، لہٰذا رشوت حرام ہے جو کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے، کما فی قواعد الفقہ : ''و شرعاً ما يأخذه الأخذ ظلماً بجهة يدفعه الدافع اليه من هٰذه الجهة......''(قواعد

الفقہ :۷-۳۰)۔

عن عبداللہ ابن عمرؓ قال: ’’**لعن رسول الله ﷺ الراشي و المرتشي** ......‘‘ (سنن ابی داؤد، کتاب الأقضیۃ، باب فی کراہیۃ الرشوۃ رقم؛۳۵۸۰)۔

وفی بذل المجہود: ’’**فأما إذا أعطى ليتوصل به إلىٰ حق أو يدفع عن نفسه ظلماً، فإنه غير داخل في هٰذا الوعيد**......‘‘ (بذل المجہود ۱۱/ ۲۰۶)۔

چنانچہ رشوت لینا دینا دونوں حرام ہے، کسی بھی حال میں رشوت لینے کا جواز نہیں البتہ رشوت دینے کے سلسلہ میں اشد ضرورت کے موقع پر جواز ہوسکتا ہے، مثلاً اپنے کسی جائز حق کی حصولیابی کے لئے، یا کوئی ایمر جنسی ہے اور بغیر رشوت کے کام نکلنے کے آثار نہیں ہیں، وغیرہ ایسی صورت میں رشوت دے کر کام نکالا جاسکتا ہے مگر ہے تو یہ گناہ ہی توبہ واستغفار سے امید ہے کہ اللہ معاف فرمائیں۔

’’ردالمحتار‘‘ میں ہے: ’’**دفع المال للسلطان الجائز لدفع الظلم عن نفسه و ماله و لاستخراج حق له ليس برشوة، يعني في حق الدافع**......‘‘ (ردالمحتار ۶/ ۴۲۳)۔

آج کل تمام دفاتر میں، ہسپتالوں میں نیز حکومت وغیر حکومت کے تمام شعبوں میں بغیر رشوت کے کوئی کام ہی نہیں ہوتا، سماج ومعاشرہ سارا رشوت خور ہوگیا ہے، اجتماعی طور پر اس ناسور کو ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، انفرادی طور پر کچھ ہونے کے امکانات معدوم ہیں۔

لہٰذا محکمہ تعلیمات کے افسروں کے معائنہ کی موافق رپورٹ (جو کہ جائز حق ہے اور کوئی غلط مطالبہ نہیں ہے) کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی۔

معائنہ کی غلط رپورٹ کے لئے رشوت دینا جائز نہیں ہے، رپورٹ صحیح ہو، مگر آفیسر رشوت نہ دینے پر غلط رپورٹ پیش کرسکتا ہو ایسی صورت میں رشوت دینا جائز ہے۔ رپورٹ غلط ہو، مگر اس کو صحیح بنا کر پیش کرنے کے لئے رشوت دینا جائز نہیں۔

کبھی کبھار ڈیپارٹمنٹ زچ کرنے کے لئے یا انتظامیہ کو تعصب کی وجہ سے تنگ کرنے کے لئے کچھ ایسی ویسی شرائط عائد کردیتا ہے جو کسی ادارہ کو چلانے کے لئے ضروری نہیں ہوتیں یا زائد ہوتی ہیں تو ایسی صورت میں آفیسر کو شرائط کے مطابق رپورٹ دے کر محکمہ کو مطمئن کرنے کے لئے رشوت دی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

مخلوط نظام تعلیم - احکام ومسائل

مولانا عبیداللہ ندوی☆

۱-عصری تعلیمی اداروں کا قیام:

حدیث شریف میں ہے:"الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدها فهوأحق بها"(ترمذی رقم:۲۶۸۷)(علم و حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں کہیں اسے پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے)۔

حضور پاک ﷺ نے بعض صحابہ کو عبرانی وسریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ حضرت زید بن ثابت نے سترہ دن میں عبرانی زبان پر عبور حاصل کیا (طبقات ابن سعد)۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سوغلام تھے ان میں سے ہر غلام علاحدہ زبان میں گفتگو کرتا تھا چنانچہ ابن زبیرؓ کو ان غلاموں میں سے ہر ایک کی زبان پر مکمل درک حاصل تھا وہ ہر ایک سے اس کی زبان میں بات کرتے تھے (المستدرک ذکر عبداللہ بن زبیر، رقم:۶۳۳۵)۔

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے ایرانیوں کی معروف جنگی حکمت عملی سے فائدہ اٹھایا گیا، اور انکے مشورہ کے مطابق آپ ﷺ نے مدینہ کے اطراف میں خندق کھدوائی (سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۲۴)۔

انہیں کے مشورہ سے غزوہ طائف کے موقع پر آپ ﷺ نے دونئے آلات جنگ استعمال فرمائے جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے ان میں ایک منجنیق تھی جسے اس زمانہ کی توپ کہہ سکتے ہیں، اور دوسرا دبابہ تھا جسے اس دور کا ٹینک کہا جاسکتا ہے (البدایہ والنہایہ ۴/ ۳۴۸)۔

علامہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے دوصحابہ حضرت عروہ بن مسعودؓ اور غیلان بن اسلمؓ کو شام کے مشہور صنعتی شہر ''جرس'' بھیجا تا کہ وہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور صنبور دبابہ ہی کی طرح کا ایک جنگی آلہ ہے جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے یہ دونوں صحابہؓ غزوہ حنین وطائف میں شریک نہ ہوسکے کہ وہ دونوں حضرات ان دنوں شام میں یہ صنعت سیکھ رہے تھے (حوالہ سابق)۔

☆ استاذ حدیث وادب دارالعلوم ماٹلی والا، گجرات۔

معلوم ہوا کہ اس زمانہ کے اعتبار سے نشانہ پر مارنے والی ٹکنالوجی حاصل کرنا اور اس کا صحیح استعمال کرنا ضروری ہے، عرب بحری بیڑے سے ناواقف تھے، لیکن آپ ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی کہ میری امت کے کچھ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے سمندروں میں ایسے سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ، فرمایا: **"یرکبون هذا البحر الخضر کالملوک علی الأسرة"** (بخاری، کتاب الجہاد رقم: ۲۶۴۶)، چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں پہلا بحری بیڑا تیار کیا اور اس سے مسلمانوں کی تگ وتاز "قبرص" اور "صقلیہ" تک پہنچ گئی، یہاں تک کہ پورا بحرہ روم ان کے لئے مسخر ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو علم نجوم اور علم الانساب سیکھنے کا حکم دیا تھا، فرمایا: **"تعلموا من هذة النجوم تهتدون بها وتعلموا من الأنساب ماتتوا صلون بها"** (کنز العمال رقم: ۲۹۴۳۰، حیاۃ الصحابہ ۳/۲۷۸) (تم علم نجوم سیکھوتا کہ راستوں کی رہنمائی حاصل کرسکو اور علم الانصاب سیکھو تاکہ صلہ رحمی کرسکو، رشتہ داری جوڑسکو)۔

"عن أبی یعلی شداد بن أوس ؓ، عن رسول الله ﷺ قال: إن الله کتب الإحسان علی کل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح......" (مسلم رقم: ۵۱۶۷) (حضرت شداد بن اوسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ہر چیز پر احسان (رحم دلی کا اظہار کرنا) فرض کیا ہے، لہذا جب تم قتل کروتو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کروتو اچھی طرح ذبح کرو (یعنی تڑپاؤ نہیں))۔

جب جانور ذبح کرنے میں لیاقت ومہارت ضروری ہے تو کیا انسان کے آپریشن، رہائش کے لئے تعمیرات، دواسازی اور انجیکشن وغیرہ بنانے میں مہارت ضروری نہیں ہے؟ یقیناً ہے اور یہ سب موقوف ہے عصری تعلیم کے حصول پر۔

ذخیرہ آیات واحادیث میں سے یہ چند دلائل میں نے یہاں تحریر کردیئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ علوم دینیہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون کا حصول بھی ضروری ہے، بلکہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی رقم طراز ہیں:

اسلام میں صرف علم دین مطلوب نہیں، بلکہ ہر وہ علم مطلوب ہے جو مفید ہو اور جس کے مسلمان دنیوی لحاظ سے ضرورت مند ہوں، مثلاً جسمانی صحت، اقتصادی وعمرانی ترقی اور دشمنوں پر عسکری برتری وغیرہ، ایسی چیزوں کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، جیسا کہ محققین علماء کی رائے ہے (فقہ الزکوۃ رص ۳۴۵)۔

اور عصری علوم بھی زیادہ ترنفع بخش اور فائدہ مند ہیں اور ان کے ذریعہ انسانیت کی خدمت سرانجام پاتی ہے، اس لئے اس کا سیکھنا جائز، بلکہ فی زمانہ لازم اور ضروری ہے، تاکہ مسلمانوں میں اچھے ڈاکٹرس، انجینئرس اور ماہر وکلاء پیدا ہوں اور مسلمان دنیاوی تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عصری علوم کا حصول فرض کفایہ ہے تو اس کے لئے اسباب ووسائل اختیار کرنا وجوب کی حد تک ضروری ہے، یعنی اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کا قیام وغیرہ، کیونکہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے: **"إذا ثبت الشيء ثبت بلوازمه"** (الأصول والقواعد رص ۱۸۵) (جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے پورے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے)،

نیز ”مالا یتم الواجب إلا به، فھو واجب“ (الأصول والقواعد الفقہ الاسلامی رص ۲۶۵) (جس چیز کے ذریعہ واجب کی تکمیل ہوتی ہو تو اس کا حکم بھی واجب کا ہوگا)۔

۲-عصری تعلیمی اداروں کے نصاب میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے؟

نصاب تعلیم قوموں کی زندگی میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو جسم انسانی میں دل ودماغ کی ہے، بہتر مستقبل کی تعمیر مثبت اور بہتر نصاب تعلیم سے ہی ہوسکتی ہے، اسی کے زیر سایہ نوجوانوں کی تربیت اور فکر سازی ہوتی ہے، اسی کے آغوش میں قوموں کا مستقبل بنتا یا بگڑتا ہے، نصاب تعلیم ہی کے قالب میں افکار ونظریات ڈھلتے ہیں، اسی کی رہبری میں تمدن انسانی کی تعمیر ہوتی ہے، اگر نصاب تعلیم میں کجی ہو یا نظام تعلیم درست نہ ہو تو قوموں کی زندگی کا وہی حال ہوتا ہے جو ایک فرد کے جسم میں خون کی گردش کے بگڑنے سے اس فرد کا ہوتا ہے، ہمیشہ زندہ قوموں نے نصاب تعلیم اور اس کی درستگی نظام کا خیال رکھا ہے اور اگر نصاب تعلیم کا تعلق عقیدہ ومذہب سے بھی ہو تو پھر اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، اس کا وقار اور اس کی حیثیت دو چند ہوجاتی ہے، پھر انسان نہ صرف یہ کہ اس نصاب ونظام کی حفاظت کرتا ہے، اس سے عقیدت ومحبت کے جذبات رکھتا ہے، بلکہ اس کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے، اسکے آگے ہر قربانی انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے اور یہ کوئی پیچیدہ معمہ یا پہیلی نہیں، بلکہ انسانی زندگی کی جیتی جاگتی حقیقت ہے۔

لہذا مسلمانوں کے زیر انتظام اداروں میں عقائد وایمانیات، قرآن وحدیث کے وہ مباحث جو بنیادی اورضروری ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور خلفا وراشدین کی سیرت وتاریخ اور اردو کے مضامین لازما ہونا چاہئے، مثلاً تعلیم الاسلام، عقائد اسلام دینی باتیں، سیرت خلفاء راشدین، اسلام کیا ہے، سیرت نبوی پر کوئی کتاب، اور طالبات کے لئے مزید بہشتی زیور، بہشتی ثمر اور مسلمان عورت وغیرہ جیسی کتابیں ابتدائی چند سالوں میں شامل نصاب کردی جائیں اور دینیات کے نام پر ایک وقت خاص لازما ہو، اور اسلام مخالف عقائد کی حامل کتابیں، غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیو مالائی کہانیوں والی کتابیں نصاب سے خارج کردی جائیں، ان کا پڑھانا ناجائز اور حرام ہوگا، اور اگر حکومت کی طرف سے ایسے کسی مخرب اخلاق مضمون یا کتاب کا پڑھنا لازم ہو تو کسی ایسے دیندار استاذ کا تقرر کیا جائے جو ان مضامین کے پڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کے اثرات بد سے ان کا ذہن صاف کرسکے اور طلبہ کا ذہن اسلامی سانچے میں ڈھال سکے۔

۵-مخلوط تعلیم کا حکم:

تعلیم کے سلسلہ میں اسلام نے لڑکا اور لڑکی کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی ہے، بلکہ جس طرح لڑکوں کے لئے بنیادی تعلیم ضروری قرار دیا اسی طرح لڑکی کے لئے بھی اسے ضروری قرار دیا ہے، البتہ اسلامی احکام کے مطابق لڑکا لڑکی جب اس عمر کو پہنچ جائیں کہ ان کے اندر نفسانی خواہشات پیدا ہونے لگیں تو اب دونوں کا ایک ساتھ رہنا حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں فتنہ اور برائی کا اندیشہ ہے، الا یہ کہ دونوں آپس میں محرم رشتہ دار ہوں، تو اس کی اجازت ہے مگر اس صورت میں بھی جب یہ قریب البلوغ ہوجائیں تو

شریعت نے ان کا بستر الگ الگ کردینے کا حکم دیا ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

"لا يجوز للرجل مضاجعة الرجل وإن كان كل واحد منهما فى جانب من الفراش" قال عليه السلام: لا يفضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد، ولا تفضي المرأة إلى المرأة في الثوب الواحد، وإذا بلغ الصبي أو الصبيةؓ عشر سنين يجب التفريق بينهما......لقوله عليه الصلاة والسلام: وفرقوا بينهم في المضاجع، وهم أبناء عشر" وفى النتف: إذا بلغوا ستا، كذا في المجتبى، وفيه: الغلام إذا بلغ حد الشهوة كالفحل"(ردالمحتار ۹/۵۴۸،۵۴۹)۔

نیز قرآن پاک کی کئی آیات اور احادیث سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً:

۱-"وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى" (احزاب:۳۳)(اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ پہلے جہالت کے وقت میں دستور تھا)۔

۲-"يأيها النبي قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن"(سورۂ احزاب:۵۹)(اے نبی آپ اپنی عورتوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں کو کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں نیچے لٹکا لیں)۔

۳-"قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن"(نور:۳۱)(اور ایمان والیوں کو کہہ دیجئے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور سنگار نہ دکھلائیں مگر اس میں جو چیز کھلی ہے اور اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر ڈال لیں)۔

۴-"وإذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذلک أطهر لقلوبكم وقلوبهن" (سورۂ احزاب:۵۳)(اور جب بیویوں سے کچھ کام کی چیز مانگنے جاؤ تو پردہ کے باہر سے مانگ لو اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور ان کے دل کو)۔

۵- حدیث میں ہے:"عن أسامة بن زيدؓ عن النبى ﷺ قال: ما تركت بعدى فتنة هي أضر على الرجال من النساء"(بخاری، کتاب النکاح رقم:۳)(میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو عورتوں سے زیادہ)۔

۶-"عن أبي سعيدؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها، فينظر كيف تعملون فاتقوا الدنيا واتقوا النساء فإن أول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء"(مسلم کتاب الرقاق رقم:۴)(حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک دنیا سرسبز وشاداب اور شیریں ہے، اور بے شک اللہ تم کو اس میں اپنا خلیفہ بنائیں گے، پھر دیکھیں گے کہ تم کیا عمل کرتے ہو، لہٰذا تم دنیا سے بچنا اور عورتوں سے بچنا، کیونکہ بنی

اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے بارے میں ہوا تھا)۔

۷-"**عن ابن عباسؓ قال: سمعت النبي ﷺ يخطب ، يقول: لا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم**"(بخاری کتاب الجہاد رقم: ۲۸۴۴، مسلم کتاب الحج رقم: ۱۳۴۱)(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے: ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے، بجز اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو)۔

۸-"**عن عقبة بن عامرؓ: أن رسول الله ﷺ قال: إياكم والدخول على النساء......**"(بخاری کتاب النکاح رقم: ۴۹۳۴، مسلم کتاب السلام رقم: ۲۱۷۲)(حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کے پاس (تنہائی میں) جانے سے بچو)۔

ان تمام آیات وروایات سے پتہ چلتا ہے کہ اختلاط مرد وزن ناجائز ہے، خصوصا اس زمانہ میں جس میں عورتوں نے حجاب کی بندش توڑ دی ہے اور جاہلیت کا طور وطریقہ اپنا لیا ہے جادہ حق سے انحراف اختیار کر لیا ہے، ایسے حالات میں ایک طالبہ کا ایک طالب علم کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنا بڑا فتنہ ہے۔

علماء نے مخلوط تعلیم کے خطرے کو بہت پہلے محسوس کیا، چنانچہ علامہ قابسی نے اختلاط سے منع کیا ہے، لکھتے ہیں:"**ومن حسن النظر لهم أن لا يختلط بين الذكران والإناث**"(مقالہ فاطمہ محمد رجا الماجستیر، عنوان: **اثر مشكلتي الاختلاط والمنهاج التعليمي على تعليم الفتاة المسلمة في الجامعات الأردنية**)(ان کی بہتر تربیت اور ان پر توجہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے درمیان (لڑکوں اور لڑکیوں کا) کا اختلاط نہ ہو)۔

علامہ ابن سحنون نے بھی اسے ناپسند کیا ہے، لکھتے ہیں:"**أكره للمعلم أن يعلم الجواري ويختلطهن مع الغلمان، لأن ذلك فساد لهن**"(حوالہ سابق)(میں معلم اور مدرس کے لئے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ بچیوں کو تعلیم دے اور بچوں کے ساتھ ان کا اختلاط ہو، اس لئے یہ اختلاط ان کے لئے فتنہ وفساد ہے)۔

مخلوط تعلیم کے مجوزین کی دلیل:

فی زماننا بعض حضرات اور بعض ممالک مخلوط تعلیم کے حق میں ہیں، ان کا استدلال یہ ہے کہ دور نبوت میں مسلمان مرد و عورت ایک جگہ ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، لہذا تعلیم بھی ایک جگہ ہونی چاہئے، یہ استدلال بالکل غلط ہے، عہد نبوت میں مرد وعورت کا اختلاط کبھی نہیں ہوتا تھا نہ بازار میں نہ مساجد میں، بلکہ عورتیں مسجد نبوی میں پیچھے صف میں نماز پڑھتی تھیں اور مردوں کو حکم تھا کہ نماز بعد مسجد میں ٹھہرے رہیں جب تک کہ عورتیں چلی نہ جائیں، تاکہ دروازہ پر اختلاط نہ ہو، جب ان کو اجازت نہیں جو ایمان وتقوی کا معیار تھے تو بعد والوں کو اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

جداگانہ تعلیم کے فوائد:

امریکی کاتب (مصنف) ’’روبرٹ تایلور‘‘ اپنے مقالہ جو ۲۳؍اپریل ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا تھا، جس کا عنوان تھا: ’’البنات يتحصلن على درجات أعلى في التعليم غير المختلط، ويحققن انجازا أكادميا أفضل‘‘ میں لکھتا ہے کہ لڑکے اورلڑکیوں کے جداگانہ تعلیم سے ان کی توجہ اورروز بروز بڑھتی ہے، ان کے اندر خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے، ان کی حالت مخلوط تعلیم والی لڑکیوں کے مقابلہ زیادہ بہتر ہوتی ہے، غیر مخلوط تعلیم میں اعلی نمبرات حاصل کرتے ہیں اور مخلوط تعلیم کی بنسبت بہتر تعلیمی کارکردگی حاصل کرتی ہیں۔

۶-کس جماعت یا عمر سے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم جدا ہونی چاہئے:

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کے لئے علاحدہ درسگاہیں قائم کریں، تاکہ لڑکیاں مخلوط تعلیم سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم حاصل کریں، اور شرعی حدود سے مراد یہ ہے کہ بے پردگی نہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ تنہائی و خلوت نہ ہو، فتنے کے مواقع سے بچنے کا اہتمام ہو، ایسا علم نہ ہو جو شرعا ناجائز ہو، مثلاً رقص، موسیقی وغیرہ، ایسی تعلیم نہ ہو جو عورت کی فطری صلاحیت اور دائرہ کار سے باہر ہو، اور ان کا یہ تعلیم حاصل کرنا ولی کی اجازت سے ہو، شادی سے قبل باپ اور شادی کے بعد شوہر کی اجازت ضروری ہے۔

۱-اگر ابتدا ہی سے انتظام الگ نہ ہو پائے تو کم سے کم جماعت سوم سے، زیادہ سے جماعت پنجم سے مخلوط تعلیم کا سدباب ہوجانا چاہئے، اور اگر عمر کا لحاظ کریں تو نو دس سال کی عمر میں الگ ہوجانا چاہئے کیونکہ اس عمر میں بچے اور بچیوں میں جنسی شعور و احساس پیدا ہونے لگتا ہے۔

۲-انتظامیہ میں معلمین میں کوئی مرد نہیں جماعت پنجم میں پڑھانے والا نہ ہو الا یہ کہ پردہ کا پورا اہتمام ہو۔

۳-یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ پردہ دینی یا عصری اعلی تعلیم کے لئے مانع نہیں ہے، چنانچہ اسلام نے سیکڑوں نمونے احکام الٰہی کی مکمل پابندی کے ساتھ پیدا کر کے دکھائیں ہیں، جس کا تذکرہ مختلف کتابوں میں موجود ہے (عصری علوم رص ۱۵۵، ۱۵۶)۔

۴-عورت کو سب سے پہلے امور خانہ داری، حسن انتظام، حسن معاشرت، عبادت و طاعت والے مؤمنانہ صفات سے آراستہ کرنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہئے۔

مخلوط تعلیم کی اجازت صرف اس وقت تک ہے جب تک لڑکے لڑکیاں کم عمر ہوں، برائی کے خیالات اور جذبات پیدا نہ ہوئے ہوں، لیکن جب بچے قریب البلوغ ہوں، اور صنفی امور کا شعور و احساس ان کے اندر جاگ جائے تو اب ان کو مخلوط اسکول میں داخل کرانا درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں ایک اجنبی بچے کا دوسری قریب البلوغ اجنبی لڑکی اور ایک اجنبی قریب البلوغ لڑکی

کا ایک دوسرے اجنبی نفسانی خواہشات کے حامل لڑکے کے ساتھ میل جول پایا جائے گا جو شریعت کی نگاہ میں جائز نہیں۔

تاہم اگر اس قسم کی تعلیم کے لئے اگر غیر مخلوط درسگاہ کا انتظام نہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک اہم ضرورت ہے، اس لئے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں، اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔

نیز یہ بھی بہتر شکل ہے کہ دونوں کے نظام اوقات الگ ہوں، تاکہ سکون سے علم حاصل کرسکیں اور ان کی توجہ تعلیم پر ہی ہو، چنانچہ حدیث شریف میں اس کی مثالیں موجود ہیں، بخاری کتاب العلم میں ہے: ”**قالت النساء للنبي ﷺ غلبنا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسک فوعدهن يوما لقيهن فيه فوعظهن وأمرهن فكان فيما قال لهن: ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجابا من النار، فقالت: امرأة: واثنين فقال: واثنين**“ (بخاری کتاب العلم، باب هل يجعل لنساء يوم علاحدة في العلم) (عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ (حصول علم کے لئے) آپ ﷺ کے پاس آنے میں مرد ہم پر غالب آگئے ہیں، لہذا آپ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی دن متعین فرمادیجئے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک دن کا وعدہ فرمالیا جس میں آپ ﷺ ان سے ملاقات فرماتے، نصیحت فرماتے اور انہیں دین کی باتوں کا حکم فرماتے، چنانچہ انہیں باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے جس عورت کے تین لڑکے انتقال کرگئے ہوں تو وہ اس کے لئے جہنم کی آگ کا حجاب (آڑ) بنیں گے، ایک خاتون نے عرض کیا: اور اگر دو ہوں تو؟ فرمایا: دو بھی)۔

اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اسی طرح بھی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ طلباء کی نشستیں آگے ہوں اور طالبات پیچھے ہوں اور باحجاب ہوں اور تخاطب لڑکوں سے ہو اور حتی الامکان لڑکیوں کی طرف سے نگاہ بچا کر پڑھایا جائے۔

۷-عصری تعلیمی اداروں میں خاص کر عمر کی شرط اور جھوٹا حلف نامہ:

اس سلسلہ میں وضاحت یہ ہے کہ اسلام میں جھوٹ بولنا حرام اور بدترین گناہ ہے، منافقین کی علامات میں سے ایک علامت ہے اس کے مرتکب کو توبہ واستغفار لازم ہے، قرآن پاک میں جابجا جھوٹ اور جھوٹوں کی مذمت بیان کی گئی ہے، جھوٹوں پر لعنت کی گئی ہے، ملاحظہ ہو (سورۂ نحل: ۱۰۵، سورۂ انعام: ۲۱، سورۂ یونس: ۱۷، سورۂ نساء: ۵۰، سورۂ اعراف: ۳۷، سورۂ عنکبوت: ۶۸، سورۂ یونس: ۶۰، سورۂ ہود: ۱۸، سورۂ طہ: ۶۱، سورۂ کہف: ۱۵، سورۂ بقرہ: ۱۰ وغیرہ)۔

نیز بے شمار احادیث میں اس پر وعیدیں بیان کی گئی ہیں:

۱-”**عن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ قال: إذا كذب العبد تباعد عنه الملک ميلا من نتن ماء به...... الخ**“ (ترمذی رقم: ۱۹۷۲) (جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس جھوٹ کی بدبو سے ایک میل دور ہوجاتا ہے)۔

۲-”**عن أبی هريرةؓ قال: قال النبي ﷺ: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا**

أتمن خان"(بخاری کتاب الإیمان باب علامۃ النفاق رقم: ۳۳)(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے)، اس کے علاوہ بے شمار روایات ہیں بخوف طوالت حذف کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا حرام ہے کسی حال میں جائز نہیں ہے، سوائے چند صورتوں کے، چنانچہ حدیث میں ہے: "**عن عقبة ابن أبي معيط**ؓ **أن رسول الله** ﷺ **رخص في الكذب في ثلاثة مواضع، في "الرجل يصلح بين الناس" والرجل يكذب لامرأته، والكذب في الحرب**"(مسند احمد رقم: ۲۷۱۵۰)، "**وتأويله في معاريض الرجال الكلام، فإن صريح الكذب لا يحل هنا، كما لا يحل في غيره من المواضع**" (المبسوط ۲۱۱/۳)(حضرت عقبہ بن ابی معیطؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے، اصلاح ذات البین کے لئے، شوہر کا اپنی بیوی سے، اور جنگ میں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کلام میں اشارہ وتعریض اور توریہ استعمال کرے کیونکہ صریح جھوٹ جس طرح دیگر مواقع پر جائز نہیں اس طرح یہاں بھی جائز نہیں)۔

شامی میں ہے: "**قال عليه الصلاة والسلام: كل كذب مكتوب لا محالة إلا ثلاثة......قال الطحاوي وغيره هو محمول على المعاريض؛ لأن عين الكذب حرام**"(رد المحتار کتاب الحظر والإباحۃ ۶۱۲/۹)(آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے سوائے تین کے......)، طحاوی وغیرہ علماء فرماتے ہیں یہ توریہ وتعریض پر محمول ہے، اس لئے کہ عین کذب حرام ہے۔

"**والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين وفي إرضاء الأهل: وفي دفع الآلم عن الظلم، والمراد التعريض، لأن عين الكذب حرام، قال في المجتبى: وهو الحق، قال تعالى: قتل الخراصون، وفي الوهبانية: وللصلح جاز الكذب، أودفع ظلم، وأهل للترضي، والقتال ليظفروا، ويكره التعريض االلحاجة**"(مجمع الأنہر، کتاب الکراہیۃ، فصل فی المتفرقات ۵۵۲/۲)(اور جھوٹ بولنا حرام ہے، بجز جنگ کے، دھوکہ دینے کے لئے، دولوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے، گھر والوں کو خوش کرنے کے لئے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے، اور مراد اس سے توریہ وتعریض ہے، اس لئے کہ عین کذب حرام ہے، مجتبی میں فرمایا ہے: اور یہی حق ہے، اللہ نے فرمایا ہے: جھوٹ بولنے والے مارے گئے، اور "وہبانیہ میں ہے: اور صلح کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے، یا دفع ظلم کے لئے یا زوجہ کو خوش کرنے کے لئے، اور جنگ میں، تا کہ ظلبہ وکامیابی حاصل ہو، اور بلا ضرورت توریہ وتعریض بھی مکروہ ہے)۔

ان آیات واحادیث اور عبارت فقہیہ سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا جائز نہیں، دوسری طرف اسلام میں حصول علم کی کوئی خاص عمر متعین نہیں ہے، بلکہ "**من المهد إلى اللحد**"بچپن سے بوڑھاپے تک عمر کے کسی بھی مرحلہ میں علم حاصل کرسکتا ہے، اس

لئے راقم کے خیال میں اُقرب اِلی الصواب یہ ہے کہ اولاتو اسکول کے ذمہ داروں کو ایسا کوئی قانون نہیں بنانا چاہئے جس سے آدمی جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو، دوسری طرف والدین، اولیاء اور سرپرستوں کو بھی چاہئے کہ اسکول کے قوانین وضوابط کا خاص خیال رکھیں تاکہ طرفین کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور نظام میں خلل واقع نہ ہو تاہم اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو درج ذیل شرائط کے ساتھ جھوٹ بول کر اپنا تعلیمی حق حاصل کرنے کی گنجائش ہوگی، "الضرورات تبیح المحظورات" (کشف الخفاء ۲/ ۳۲، رقم: ۱۶۳۸) (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں)۔

۱- کوئی دوسرا اسکول قریب میں ایسا نہ ہو جہاں خاص عمر کی تعیین نہ ہو۔

۲- جھوٹی سرٹیفکیٹ میں اور اصل عمر میں زیادہ تفاوت نہ ہو، زیادہ سے زیادہ ایک سال کا فرق ہو۔

۳- جھوٹے حلف نامہ کے بعد تعلیم پوری کرے بلامعقول وجہ کے تعلیم منقطع نہ کرے، ایسا نہ ہو کہ جس مقصد کے لئے اتنا بڑا اقدم اٹھایا وہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور عمر بھی تبدیل ہوجائے۔

۸- طلبا وطالبات کے لئے مخصوص لباس - یونیفارم - کی تعیین کے اصول وضوابط:

لباس بڑی انسانی ضرورت ہے، جسم کی ستر پوشی انسانی فطرت میں ہے، لباس وپوشاک کے سلسلہ میں انسانی ذوق ومزاج میں خاصا فرق ہوتا ہے، سماجی حالات، مختلف علاقوں کی معاشرت اور تہذیب، موسم وآب وہوا کا فرق، وسائل ورسائل کی کمی بیشی، طبعی رجحانات ومیلانات میں فرق یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے لباس کی پسند وناپسند میں فرق پایا جانا ایک فطری بات ہے، ایک مخصوص وقت تک تو لباس میں یکسانیت برتی جاسکتی ہے، لیکن ہمہ وقت زندگی کے لئے یکساں لباس ایک غیر فطری عمل ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ نے انسان کے لئے کوئی خاص وضع اور ساخت، کوئی خاص نوعیت اور کوئی خاص رنگ کا لباس متعین نہیں کیا ہے، بلکہ اسکو لوگوں کے مزاج ومذاق پر چھوڑ دیا ہے۔

البتہ اس کے کچھ بنیادی اصول مقرر کردیئے ہیں، کچھ خاص حدیں قائم کردی ہیں، آدمی ان کے اندر رہتے ہوئے جس طرح کا بھی لباس چاہے پہن سکتا ہے اور وہ اصول یہ ہیں:

۱- لباس ساتر ہو، یعنی اتنا چھوٹا نہ ہو کہ قابل ستر حصوں کو نہ چھپا سکے۔

۲- اتنا باریک نہ ہو کہ جسم اندر سے جھلکتا ہو۔

۳- اتنا تنگ نہ ہو کہ بدن کے نشیب وفراز نظر آتے ہوں۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: "**صنفان من أهل النار لم أرهما بعد رجال معهم أسباط كأذناب البقر يضربون بها الناس-يعني ظلما وعدوانا-ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات**" (مسلم ۲/ ۲۰۵ باب النساء کاسیات) (دوگروہ جہنمیوں میں سے ہوں گے جن کو اب تک میں نہیں دیکھا ہے (یعنی اب تک ان کا ظہور نہیں ہوا ہے قرب قیامت

میں ہوگا) کچھ لوگ ہوں گے جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جس سے وہ لوگوں کو ظلما اور ناحق ماریں گے، دوسرا گراہ: اور کچھ عورتیں ہوں گی جو کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مردوں کو اپنے طرف مائل کرنے والی اور خود ان ی طرف مائل ہونے والی ہوں گی) شراح حدیث نے اس حدیث کی مذکورہ بالا تینوں تشریحات بیان کی ہیں (شرح مسلم للنووی ۱۷/۱۹۱، الفتاوی النسائیہ/ص ۴۲، للشیخ صالح العثیمین)۔

۴-تشبہ بشعار أہل الادیان الباطلہ نہ ہو، چنانچہ حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''من تشبه بقوم فهو منهم'' (ابوداؤد، کتاب اللباس رقم: ۳۵۱۲) (جو کسی قوم کا تشبہ اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا)۔

۵-مرد عورتوں والے اور عورتیں مردوں والے لباس نہ پہنیں، حدیث شریف میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''لعن الله المتشهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال'' (بخاری رقم: ۵۸۸۵، ص ۶۷۶) (اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شباہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی شباہت اختیار کرتی ہیں)۔

''عن أبي هريرةؓ قال: لعن رسول الله ﷺ الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل'' (ابوداؤد رقم: ۴۰۹۸ وصححہ النووي في المجموع ۴/۴۶۹) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اس مرد پر جو عورت کا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنتی ہے)۔

''قالت عائشةؓ: لعن رسول الله ﷺ الرجلة من النساء'' (ابوداؤد کتاب اللباس رقم: ۴۰۹۹ وحسنہ النووی فی المجموع ۴/۴۶۹) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو اپنے لباس اور پوشاک میں مرد بنتی ہیں)، نیز ابوداؤد، کتاب اللباس، ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ میں اس طرح کی کئی روایات ہیں جن میں جنس مخالف کے لباس کے استعمال پر وعیدیں ہیں۔

۶-مردوں کے لئے ریشم کا لباس نہ ہو، کیونکہ یہ باجماع امت حرام ہے، حضرت علیؓ سے روایت ہے: ''أن نبی الله ﷺ أخذ حريرا فجعله فی يمينه وأخذ ذهبا فجعله في شماله ثم قال: إن هذين حرام على ذكور أمتي'' (أبوداؤد کتاب اللباس، باب لبس الحریر رقم: ۱۱) (نبی کریم ﷺ نے ریشم لیا اور اسے اپنے دائیں طرف ڈال دیا اور سونا لیا اور اسے بائیں طرف ڈال لیا، پھر فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں)۔

۷-سفید رنگ ہو کیونکہ یہ مستحب ہے، حدیث میں ہے: ''إلبسوا من ثيابكم البياض فإنها خير ثيهابكم وكفنوا فيها موتاكم'' (ابوداؤد، کتاباللباس باب فی البیاض رقم: ۳، ترمذی، ابن ماجہ، کتاب اللباس) (تم اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑا پہنا کرو اس لئے کہ یہ تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہے اور اس میں اپنے مردوں کو دفنایا کرو) البتہ بچیوں کے لئے کوئی رنگ

اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۸-مردوں کے لئے ایسا رنگ نہ ہو جو شریعت میں ممنوع ہو مثلاً گیروے رنگ کا، زعفرانی زرد رنگ وگیرہ۔

۹-کپڑے پر جاندار کی تصاویر نہ ہوں۔

۱۰-لڑکوں کے لئے شلوار کرتا اور نو سال سے زائد عمر والی بچیوں کے لئے برقعہ اسکارف وغیرہ۔

اگر قریب میں اسکول اسلامی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ایسے اسکول میں داخل کرنے کی گنجائش ہوگی بشرطیکہ شریعت کے اصول لباس کے بالکلیہ مغائر نہ ہو، جیسے آج کل ٹائی ہے اب چونکہ اس میں تشبہ بالنصاری نہیں رہا، اور نیکر وغیرہ یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے، بلکہ بعض اعتبار سے بہتری ہے، البتہ مسلمانوں کے بااثر افراد کو چاہئے کہ اسکول کے ذمہ داروں سے مل کر ایسا یونیفارم متعین کرائیں جو ہر اعتبار سے مسلم وغیر مسلم سب کے لئے بہتر ہو اور اگر بالکل موافق شرع نہ ہو تو بالکل مخالف بھی نہ ہو۔

۹-تعلیم کو تجارت بنانا درست نہیں:

اسلام میں تعلیم ایک خدمت اور ایک مشن ہے اس سے قوم کے نونہالوں کی ذہنی وفکر تربیت اور اللہ کی رضا مقصود ہونی چاہئے، مگر افسوس کہ مغرب نے تعلیم کو کاروبار بنادیا، تعلیم کا مقصد ملازمت قرار دیا گیا، راتوں رات امیر بننے کی خواہش پیدا کی گئی اور عزت کا معیار دولت کو قرار دیا گیا، حلانکہ ہمارے علماء واکابرین اور دیگر مذاہب کے متبعین میں سیکڑوں ایسے افراد تھے اور آج بھی ہیں جنہوں نے تعلیم کو محض خدمت خلق سمجھا اور کبھی بھی اسے ذریعہ معاش نہیں سمجھا، تاریخ اسلام کے قائد وحدیثا سیکڑوں علماء بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں، اسی لئے بہتری اسی میں ہے کہ تعلیم کو خدمت خلق کا ذریعہ بنایا جائے، مگر چونکہ فی زمانا اداروں کے بہت سے کام ہوتے ہیں جنہیں فیس سے پورا کرنا ہوا ہے اس لئے فیس لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے مگر فیس بقدر ضرورت اور کفایت ہی ہونی چاہئے نہ کہ ایسی جس سے غریب ہی نہیں، بلکہ متوسط طبقہ کے لوگوں کی بھی کمر ٹوٹ جائے۔

۱۰-فیس کی رقم بجائے تعلیم کے تعمیر پر خرچ کرنا:

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسکول چاہے شخصی ہوں یا رفاہی تنظیموں کے تحت چلنے والے، فیس سے حاصل کی جانے والی رقومات طلبہ کی تعلیمی سہولیات فراہم کرنے پر خرچ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ ہم جو فیس تعلیم کے نام پر وصول کرتے ہیں اسے حتی الامکان اسی پر خرچ کرنا چاہئے، بلڈنگوں کی تعمیر اور اس کی خوبصورتیں پر بقدر ضرورت ہی خرچ کرنا چاہئے، کیونکہ اسلام عام حالات میں بھی بقدر ضرورت ہی اس کی اجازت دیتا ہے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا پسند نہیں کرتا ہے، اس لئے اس میں ضیاع مالی، اتعاب ابدان، اور ضیاع زمان ہے، چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا: ''**أتبنون بكل ريع آية تعبثون، وتتخذون مصانع لعلكم تخلدون**'' (شعرا: ۲۸،۲۹) (کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو، اور بناتے ہو کاریگریاں، گویا تم ہمیشہ رہو گے)، علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''**وإنما تفعلون ذلک عبثا لا للاحتياج إليه، بل لمجرد اللعب**

واللهو وإظهار القوة، ولهذا أنكر عليهم نبيهم عليه السلام، ذلک؛ لأنه تضييع للزمان وإتعابللأبدان في غير فائدة، واشتغال بمالايجدى في الدنيا ولا في الآخرة" (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعرا:۱۲۸-۱۲۹) (اور تم یہ سب بے کار میں کرتے ہو، اس لئے نہیں کرتے کہ تم کو اس کی ضرورت ہے بلکہ صرف لہو ولعب اور اظہار قوت کے لئے ایسا کرتے ہو، اسی لئے ان کے نبی علیہ السلام نے ان پر نکیر فرمائی، اس لئے کہ اس میں ضیاع وقت، ضیاع مال اور بلا فائدہ جسم کو تھکانا ہے اور ایسی چیزوں میں مشغول ہونا ہے جس کا دنیا وآخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے)۔

نیز اگر ضرورت سے زائد ہو تو اسراف وفضول خرچی ہے جو درست نہیں چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا: "إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين، وكان الشيطان لربه كفورا" (سورۂ اسراء:۲۷) (بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے)، "قال ابن مسعود: التبذير الإنفاق فى غير حق" (تفسیر ابن کثیر، سورۂ اسراء:۲۷) (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: تبذیر سے مراد ناحق میں خرچ کرنا ہے)۔

مشکوۃ شریف جلد اول کتاب الایمان کی پہلی حدیث میں ہے: جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے علامات قیامت کے بارے میں سوال کیا آپ ﷺ نے جملہ علامات میں ایک علامت یہ بیان فرمائی: "وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان" (مشکوۃ کتاب الایمان رقم:۱) (اور یہ کہ تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، فقراء اور بکریوں کے چرواہے عمارت بنانے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں گے)، اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق المحدث دہلوی لکھتے ہیں: "قيل: فيه دليل كراهة تطويل البناء، وفي شرح الشيخ: في إطلاقه نظر، بل الوجه تقييد الكراهة إن سلمت بما لا تدعوا الحاجة إليه، وعليه يحمل خبر: يؤجر ابن آدم على كل شئ إلا ما يضعه في هذا التراب" (لمعات التنقیح ۱/۲۱۵،۲۱۶) (کہا جاتا ہے کہ اس میں تطویل عمارت کی کراہیت کی دلیل موجود ہے، اور "شرح الشیخ" میں ہے: اس کو مطلق مکروہ ماننا محل نظر ہے، بلکہ کراہت مقید ہوگی اس صورت میں جبکہ ضرورت اس بات کی متقاضی نہ ہو، اور حدیث "ابن آدم کو ہر چیز پر اجر دیا جائے گا سوائے اس کے جو وہ اس مٹی میں لگائے (بلاضرورت تعمیر پر خرچ کرے) کو بھی اس پر محمول کیا جائے گا)۔

"عن أنس ؓ أن رسول الله ﷺ قال: أما أن كل بناء وبال على صاحبه إلا مالا......يعني: مالابدمنه" (ابوداؤد رقم:۵۲۳۷، ابن ماجۃ رقم ۴۱۶۱، والحدیث صحیح الألبانی:۲۸۳۰) (حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سنو! ہر تعمیر اس کے بانی و مالک کے لئے وبال ہے سوائے......یعنی سوائے اس کے جو ضروری ہے)۔

خلاصہ یہ کہ بقدر ضرورت ہی رقم بلڈنگوں کی تعمیر اور رنگ وروغن پر خرچ کی جائے باقی تمام رقومات غریب بچوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولت فراہم کرنے پر صرف کی جائے۔

۱۱-عصری تعلیمی اداروں کے غیر مستطیع طلباء کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

زکوۃ کے اصول میں یہ ہے کہ رقم کسی ایسے شخص کو مالک وقابض بنا کر دی جانی ضروری ہے جو غریب ہو، صاحب نصاب نہ ہو، یعنی اس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی مالیت کا نقد روپیہ، زیور یا گھر کا ضرورت سے زیادہ سامان نہ ہو، لہذا جو طلباء ان شرائط پر پورے اترتے ہوں انہیں تعلیمی وظیفہ اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ رقم ان کو مالک بنا کر ان کے حوالہ کردی جائے، اور پھر وہ اپنے تعلیمی مصارف میں خرچ کریں، یا پھر وہ ادارہ کے لئے وکالت نامہ تحریر کردیں کہ ہم آپ کو اپنی طرف سے زکوۃ کی رقم وصول کرنے اور پھر ہماری طرف سے اس کو ہمارے تعلیمی ضروریات پر خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں (فتاوی عثانی ۲/ ۱۴۰، ۱۴۱)، اسی طرح کی بات مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے لکھی ہے (ملاحظہ ہو، جدید فقہی مسائل ص ۱۱۵ تا ۱۴۷)۔

بعض معاصر اہل علم نے مصارف زکوۃ کے ''فی سبیل اللہ'' والے مد کو وسیع مفہوم میں لیا اور اس میں طلبا کو شامل مانا ہے، جس میں صاحب المنار علامہ رشید رضا مصری (تفسیر المنار ۱۰/ ۵۰۵، ۵۰۶)، علامہ سید سلیمان ندوی (سیرت النبی ۵/ ۱۲۹)، مولانا ابوالکلام آزاد (ترجمان القرآن ۲/ ۳۱۹)، نواب سید صدیق حسن خاں (الروضۃ الندیہ ۱/ ۲۰۶، ۲۰۷)، مولانا سید احمد عروج قادری (عشر وزکوۃ اور سود کے چند مسائل)، مولانا امین احمد اصلاحی (تدبیر قرآن ۳/ ۱۹۲) اور علامہ یوسف قرضاوی (فقہ الزکوۃ ۲۹۷) اور بعض دوسرے علماء ہیں۔

۱۲-ایسے اداروں میں مسلم بچوں کا داخلہ جہاں مشرکانہ اعمال یا تو کرائے جاتے ہیں یا ترغیب دی جاتی ہے:

اسلام میں شرک بہت بڑا گناہ ہے، قرآن پاک اور کتب احادیث میں کثیر تعداد میں ایسی آیات وروایات ہیں جن میں شرک کی قباحت اور اس کا حکم، مشرکین کے احوال بیان کئے گئے ہیں، ان میں چند یہ ہیں:

۱-''**وإذا قال لقمان لإبنه يا بني لاتشرک بالله إن الشرک لظلم عظيم**'' (لقمان: ۱۳) (اور جب حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

۲-''**إن الله لا يغفر أن يشرک به ويغفر ما دون ذلک لمن يشاء، ومن يشرک بالله فقد ضل ضلالا بعيدا**'' (نساء: ۱۱۶) (بے شک اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کے لئے چاہئے معاف کردے گا، اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا)۔

۳-''**إنه من يشرک بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأواه النار**'' (مائدہ: ۷۲) (اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا)۔

۴-حدیث شریف میں ہے: ''**أنا أغنى الشركاء عن الشرک من عمل عملاً أشرک فيه معي غيري تركته وشركه**'' (متفق علیہ، مسلم کتاب الزہد والرقاق رقم: ۲۹۸۵) (میں شرکاء میں شرک سے سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز

ہوں جو شخص ایسا عمل کرتا ہے جس میں میرے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے تو میں اس کو بھی چھوڑ دیتا ہوں اور اس کے شرک کو بھی)۔

۵-"من مات وهو يدعومن دون الله ندا دخل النار"(بخاری رقم:۴۴۹۷)(جو شخص مرا اس حال میں کہ اللہ کے علاوہ دوسرے شریک کو پکارتا رہا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا)۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں مسلمانوں کو شرک سے بچنے کی تاکیدی احکامات دیئے گئے ہیں اور بلکہ شرک کے شائبہ سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ایسے اسکولس جس میں وندے ماترم، سوریہ نمسکار، یوگا جیسے مشرکانہ اعمال کرائے جاتے ہوں یا حضرتؑ کے فرضی مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہو، بچوں کا داخلہ کرانا حرام ہوگا، اور داخلہ کرانے والے اولیاء عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔

۱۴-اسکول کے تفریحی پروگراموں میں بچیوں کی شرکت:

مخلوط تعلیم تحت سوال نمبر ۴ کے ضمن میں اختلاط اور فوائد ونقصانات اور مع دلائل اس کی حرمت تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں ،اس لئے اختلاط کے ساتھ یہ تفریحی اور طبی پروگرام تو کسی صورت جائز نہیں، البتہ دوڑ، سائیکل ریس اور مختلف کھیلوں کا مقابلہ بغیر اختلاط صرف بچیوں کے درمیان ہو تو جائز ہوگا بشرطیکہ امپائر اور مشاہدین سب خواتین ہوں، اور ادارے کے کیمپس میں مقابلہ منعقد کرایا جائے، کھلے میدان میں نہیں، آج کے حالات میں اس کی ضرورت ہے اور دور نبوت میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کثیر تعداد میں خواتین صحابیات فن حرب، سپہ گیری سے واقف اور تیر وتلوار چلانا جانتی تھیں، مثال کے طور پر چند کا نام پیش کرتا ہوں۔

حضرت ام عمارہ غزوہ احد میں شریک تھیں، جب تک مسلمان فتح یاب رہے مشکل میں پانی بھر بھر کر لوگوں کو پلاتی رہیں، لیکن جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو نبی کریم ﷺ کے پاس پہونچیں اور سینہ سپر ہوگئیں، یہ بیعت الرضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شریک تھیں، حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب سے جو مشہور جنگ یمامہ ہوئی اس میں اپنے بیٹوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔

حضرت صفیہؓ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی نے غزوی خندق میں بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک یہودی جو کہ مستورات کے قلعہ میں داخل ہوا تھا کی گردن اتار کر پھینک دی جس سے کسی کو اس قلعہ کی طرف آنے کی جرأت نہ ہوئی (مسلم کتاب الجہاد، باب النساء الغازیات)۔

جنگ اجنادین میں جب مسلمانوں میں بدحواسی پھیل گئی تو حضرت خولہ بنت ازورؓ نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: بہنو! کیا تم یہ گوارہ کرسکتی ہو کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آجاؤ کیا تم عرب کی شجاعت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ اس سے تو مرجانا بہتر ہے، ان چند فقروں نے آگ لگادی اور عورتیں خیمہ کی چوبیں لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر صفوں میں آگے بڑھیں اور دفعتا تیس لاشیں گرادیں (طبری)۔

یہ چند نمونے ہیں تفصیل کے لئے کتب ستہ کے ابواب المغازی والجہاد، اسد الغابۃ اور تاریخ طبری وغیرہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اس وقت ضرورت ہے آج کی عورت کو خود کو مضبوط بنانے کی جو معاذ و معوذ اور رافع بن خدیج جیسی نسلوں کے پروان چڑھانے کا ذریعہ بنیں، ایسی مائیں جو اس چمن کی آبیاری اپنے لہو سے کریں۔

جہاں تک بات ہے سیر و تفریح کے لئے ٹور کی شکل میں باہر لے جانے کی تو درج ذیل وجوہات سے ناجائز ہوگا۔

۱-عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم ہے بلا ضرورت برقعہ اوڑھ کر نکلنا بھی حرام ہے، ارشاد ربانی ہے:"**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" (احزاب:۳۳)(اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور دکھلاتی نہ پھر جیسا کہ پہلے جہالت کے وقت میں دستور تھا)۔

۲-"**عن ابن مسعودؓ عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان**"(ترمذی رقم: ۱۱۷۳)(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عورت پردہ کی چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان جھانکتا ہے)۔

۳-"**عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطرة، يعني: ليس لها خادم**"(الطبرانی فی الکبیر، رقم:۳۲۲۱، مجمع الزوائد، ابواب العیدین، باب الخروج الی العید)(حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کو گھر سے نکلنے کا حق نہیں سوائے یہ کہ وہ مضطر ہو یعنی اس کا کوئی خادم نہ ہو)۔

۴-غیر محارم پر نظر پڑے گی جو دونوں صنفوں کے لئے جائز نہیں۔

۵-اگر یہ نکلنا مسافت سفر کے بقدر ہو تو اور جائز نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے:"**لا تسافر المرأة إلا ومعها ذو رحم محرم**"(بخاری رقم:۱۷۲۹، مسلم رقم:۲۳۹۱)(عورت سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو) بعض علماء نے تو مسافت قصر کی بھی شرط نہیں رکھی ہے یعنی ان کے یہاں خروج مطلقاً ناجائز ہے، خواہ مسافت قصر سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن چونکہ اسکولوں کے پروگرام ایک ثقافتی پروگرام ہوتے ہیں اور تعلیم کا جز سمجھے جاتے ہیں، اس لئے درج ذیل شرائط کے ساتھ سیر و تفریح پر جانے کی گنجائش ہوگی:

۱-صرف طالبات ہی کا ٹور ہو طلبہ کا اختلاط نہ ہو، اور نگراں استاد بھی عورت ہو، اور ضرورت کے اعتبار سے ان کے مرد اساتذہ کی بھی گنجائش ہے۔

۲-مسافت سفر سے کم ہو۔

۳-دن دن میں واپسی ممکن ہو، رات گزارنے کی نوبت نہ آئے۔

۴-جگہ جہاں جا رہے ہیں پر امن ہو، فساق و فجار کا خطرہ نہ ہو۔

۵-پختہ حفاظتی انتظامات ہوں۔

۶-اولیاء کی اجازت سے ہو، نیز پہلے سے انہیں ساری تفصیلات سے منجانب اسکول آگاہ کیا گیا ہو۔

۱۵-اسکول کے ثقافتی پروگرام میں طالبات کی شرکت:

ثقافتی پروگرام کے عنوان سے تقریریں، ڈرامے اور مکالمے وغیرہ کا اسکولوں میں رواج ہے، چونکہ یہ بھی تعلیم کا اہم جزء ہے اس لئے طالبات درج ذیل شرائط کے ساتھ اس میں شرکت کرسکتی ہیں:

۱-پروگرام صرف طالبات کے لئے منعقد کئے جائیں، طلبا شامل نہ ہوں، کیونکہ عورتوں کی آواز کا بھی پردہ ہے، اسی لئے ان کا اذان دینا درست نہیں، اگر دے دیا تو اعادہ لازم ہے، نیز نماز میں اگر امام سے بھول ہوجائے تو لقمہ دینے کے لئے بجائے تسبیح کے تصفیق کا حکم ہے، حدیث میں ہے:"التسبیح للرجال والتصفیق النساء" (بخاری بشرح فتح الباری، کتاب العمل في الصلاۃ باب: التصفیق للنساء ۳/۹۳) (تسبیح مردوں کے لئے مشروع ہے اور تصفیق (ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارنا) عورتوں کے لئے ہے)، علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:"إنما کرہ لها التسبیح: لأنها صوتها فتنة، ولهذا إنعت من الأذان والإمامة والجهر بالقرأۃ فی الصلاۃ" (عینی حوالہ سابق) (عورت کے لئے تسبیح مکروہ ہے کیونکہ اس کی آواز فتنہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے اذان دینے، امامت کرنے اور نماز میں بلند آواز سے تلاوت کرنے سے روکا گیا ہے)۔

البتہ مجبوری کے تحت ان کے اساتذہ ان کی آواز سن سکتے ہیں، تاہم ایسی صورت میں جسم کا پردہ ضروری ہے، بغیر پردہ اسٹیج نہ آئے۔

۲-اگر کسی مجبوری سے مخلوط پروگرام کرنا پڑے تو طلبا و طالبات کے درمیان وقتی وعارضی پردہ لٹکا دیا جائے۔

۳-ڈرامے وغیرہ میں ایسا ایکشن نہ ہو جو ان کی نسوانی فطرت کے خلاف ہو، نیز اس کے کرنے سے بدن کے نشیب وفراز ظاہر ہوتے ہوں۔

۱۶-تعلیمی مقصد سے تصاویر اور مجسمے بنانا اور کلاسوں میں رکھنا:

اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض چیزیں وہ ہیں جن سے شریعت میں صراحتا روکا گیا ہے، ایسی چیزوں کو بہتر مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے یا ناروا مقاصد کے تحت، وہ بہرحال گناہ ہی رہے گا، ذی روح کی تصویر سے چونکہ احادیث میں صراحتا منع کیا گیا ہے، حدیث میں ہے:"إن الملائكة لا تدخل بيتا فيه الصورة" (بخاری رقم:۵۹۵۸، کنز العمال رقم:۴۱۵۶۱) (بے شک فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو)۔

"إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون" (بخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ) (اللہ کے وہاں قیامت کے دن لوگوں میں سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا)۔

”عن عبداللہ بن عمرؓ قال: قال رسول اللہﷺ: إن الذین یصنعون هذة الصور یعذبون یوم القیامة: یقال لهم: أحیوا ما خلقتم“(بخاری، باب عذاب المصورین، مسلم أیضا)(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ تصویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو)۔

یہ چند روایت ہم نے تحریر کردی ہے، ورنہ کتب احادیث میں کثیر تعداد میں اس کی حرمت کی روایات اور صحابہ کے آثار موجود ہیں اور یہ تقریبا ہندوستانی علماء اور عرب میں اس کی خاصی تعداد کا اجماعی مسئلہ ہے، اس لئے ایسی کتابیں جن میں جانداروں کی تصاویر ہوں، نصاب میں شامل کرنا درست نہیں، اور نہ ہی کلاسوں میں لکڑی یا پلاسٹک کے مجسمے رکھنا درست ہے، بلکہ حرام ہے، کیونکہ یہ تصویر کے حکم میں ہے، جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے کھلونے (جو گھوڑے کی شکل میں تھا) سے استدلال کیا وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ ان کے کھلونوں میں تصویر نہیں تھی، چنانچہ” حاشیہ مشکوۃ“ میں ہے:

”والمراد ههنا ما تلعب به الصبیة من الخرق والرقی ولم یکن لها صور مشخصة کالتصاویر المحرمة فلاحاجة إلی ماقیل إن عدم إنکار النبی ﷺ لعبها بالصور وإبقاء ها في بیتها دال علی أن ذلک کان قبل التحریم وإن اللعب الصغار مظنه للاستخفاف“(حاشیہ مشکوۃ ۲/ ۲۸۲)۔

البتہ کوئی مجبوری ہو کہ تصاویر کے بغیر کوئی کتاب نہ ملتی ہو تو مجبوری کی صورت میں تصاویر والی کتاب نصاب میں شامل کرنے اور لینے کی گنجائش ہوگی تاہم ان کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ تصویر کے چہرے ہٹادئے جائیں، اس کے بعد کتاب پڑھے اور پڑھائے، چنانچہ” درمختار“ میں ہے:

”ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیه......إلی قوله......أو مقطوعة الرأس والوجه أو مموحة عضوء لا تعیش بدونه“(ردالمحتار ۷/ ۶۴۸، مکروہات الصلاۃ)(اور مکروہ نہیں ہوگا، جبکہ پاؤں کے نیچے ہو یا سر اور چہرہ کٹا ہوا ہو، یا کوئی عضو مٹادیا گیا ہو، کہ جس کے بغیر زندہ وقائم نہ ہو)۔

اسی طرح وہ کتابیں جن پر اعضاء انسانی کی تصویریں ہوں سوائے چہرہ، پورا جسم اور شرمگاہ وغیرہ کے تو ان کو بھی نصاب میں شامل کرسکتے ہیں اور خرید بھی سکتے ہیں، کیونکہ صرف اعضاء کی جس میں چہرہ اور پورا جسم نہ ہو، تصویر بنا سکتے ہیں، چنانچہ” فتاوی محمودیہ“ میں ہے: اگر صرف دانت کی تصویر چھاپی جائے اس کے ساتھ چہرہ کی تصویر نہ ہو، یا صرف آنکھ کی تصویر اتاری جائے تو یہ شرعاً جائز ہے(فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۹۳)۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ کلاسوں میں مجسمے مہیا کرنا جائز نہیں البتہ بچوں کو سمجھانے کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر سے کام لیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ تصویر حرام ہے جو اس طرح منقش ہو یا اس طرح تراشی گئی ہو کہ وہ تصویر کسی یز پر ثابت

اور مستقر ہوجائے اور کفار عبادت کے لئے اس طرح کی تصاویر کا ہی استعمال کرتے تھے، لیکن وہ تصویر جس کو قرار اور ثبات حاصل نہیں ہے اور وہ تصویر جو کسی چیز پر مستقل طور پر منقش نہیں، ایسی تصویر تصویر کے بجائے سایہ سے زیادہ مشابہ ہے (فقہی مقالات ۴/ ۱۳۳)۔

۱۷-عصری تعلیم گاہوں میں طالبات کے لئے ان کی ضروریات زندگی سے متعلق امور کی تعلیم کا حکم:

عورت کے عمل کا اصلی میدان تو گھر کی چہار دیواری ہے، یہی وجہ ہے اسلام نے اسے باہر کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش رکھا ہے، اور گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے، فرمایا: ''وقرن في بيوتكن'' (احزاب: ۳۳) (اپنے گھروں میں قرار پکڑو) اور بلا ضرورت شدیدہ گھروں سے باہر نہ نکلو، مرد کو قوام بنایا گیا اور عورت کو اس کی ماتحتی میں رکھا گیا، اور اولاد کی دیکھ ریکھ، نگرانی، وقتاً فوقتاً ان کو نصیحت و فہمائش، اچھی تربیت، شوہر کی خدمت اور اس کی راحت و آرام کا خیال رکھنے کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی، چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا: ''والمرأة راعية فى بيت زوجها و مسئولة عن رعيتها'' (بخاری کتاب النکاح، باب المرأة راعية فی بیت زوجہا) (عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان و نگراں ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ ہوگی)۔

صحابہ کرام کی ازواج مطہرات اپنے شوہروں کی خدمت کرتی تھیں، ان کے بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کرتی تھیں اور تدبیر منزل (گھر کے کام کاج اور نظم و نسق سنبھالا) کرتی تھیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر شوہر کے کام میں ہاتھ بٹاتی تھیں، حضور پاک ﷺ کے لخت جگر نور نظر حضرت فاطمہؓ گھر کا سارا کام خود سنبھالتی تھیں، شوہر کی خدمت کرتیں اور اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ دیتیں، خود ازواج مطہرات میں کئی ایسی تھیں جو بہت عمدہ کھانا پکاتی تھیں، کئی ایک سلائی وغیرہ بھی جانتی تھیں، خلاصہ یہ کہ عورت کا دائرہ کار گھر ہے اور یہ کہ وہ اچھی، سلیقہ مند بیوی ثابت ہو، اسی لئے آپ ﷺ نے نیک زوجہ کی تعریف میں فرمایا: ''التي تسره إذا نظر وقطيعه إذا أمر، ولا تخالفه في نفسها وماله بما يكره'' (نسائی رقم: ۳۲۳۱) (وہ عورت کہ جب شوہر اسے دیکھے تو خوش کر دے اور جب حکم دے تو فرمانبرداری کرے اور اپنے نفس اور اس کے مال اس کی خلاف ورزی نہ کرے ایسا عمل کر کے جو اسے ناپسند ہو) گویا کہ اس کو صلاح و تقوی کا معیار اور کامیابی کی علامت قرار دیا۔

اس لئے سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت، اولاد کی تربیت اور گھر چلانے کا سلیقہ وغیرہ امور وجوب کی حد تک مطلوب ہیں، اس کے لئے کوئی خاص وقت متعین کیا جانا چاہئے اور انہیں مشق کرانا چاہئے۔

۱۸-عصری تعلیم تالوں کے طلبا و طالبات کے لئے دینی تعلیم کس حد تک ضروری ہے؟

اسی حد تک کہ اسلام کے شعائر، بنیادی احکام وعقائد سے واقفیت ہوجائے، جس کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، کیونکہ ان بنیادی باتوں میں غفلت انسان کو دین سے خارج کر کے گمراہی کے راستہ پر ڈال سکتی ہے، اس لئے کم از کم مبادیات دین، شعائر اسلام، ایمانیات، عقائد، حلال و حرام، طہارت و نظافت کے ضروری مسائل، نماز روزہ وغیرہ کے ضروری احکام و مسائل اور

قرآن مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا وغیرہ واجب ہے۔

اور اس کے لئے بہتر شکل، جیسا کہ سابقہ صفحات میں تحریر کر چکا ہوں سوال نمبر ۲ کے ضمن میں کہ ابتدائی چند سالوں میں ایک پیریڈ دینیات یا اسلامیات کے نام پر ضرور رکھا جائے اور اس میں درج ذیل کتابیں پڑھائی جائیں۔

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ تعلیم الاسلام، عقائد اسلام، دینی باتیں، سیرت خلفاء راشدین، سیرت النبی پر کوئی مختصر کتاب، اور بچیوں کے لئے بہشتی زیور، بہشتی ثمر اور مسلمان عورت وغیرہ۔

۱۹-جنس مخالف سے ٹیچر مقرر کرنے کا حکم:

دینی تعلیم جو کہ تمام علوم سے افضل ہے اس کے بارے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ غیر محرم سے حاصل کر درست نہیں، اس کے درج ذیل مفاسد ہیں:

۱-روزانہ نامحرم کی صحبت میں بیٹھنا۔

۲-زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا۔

۳-اشکالات علمیہ حل کرنے اور فہم و تفہیم کے لئے استاذ و طالبات کے درمیان بار بار مراجعہ۔

۴-قرب مکان مجلس وعظ کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

۵-طالبات معدودات ہوتی ہیں اور استاذ کی نظر میں مشخصات و معہودات ہوتی ہیں (احسن الفتاوی ۶۱/۸، ۶۰، کتاب الحظر والاباحۃ) تو جب دینی تعلیم کے لئے گنجائش نہیں تو عصری تعلیم کے لئے اجازت کیسے ہوگی، اس لئے بہتر یہ ہے کہ دو صنفوں کے لئے انہیں کی جنس کے ٹیچر مقرر کئے جائیں، لیکن چونکہ استاذ کا تقرر بڑا اہم مسئلہ ہے کبھی لائق اور کامیاب مدرس ہم جنس سے نہیں مل پاتے ہیں، اس لئے احقر کے نزدیک جنس مخالف سے ٹیچر مقرر کرنے کی گنجائش ہوگی، خصوصاً اس وقت جبکہ خاتون معلّمہ کم تنخواہ پر مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت کا تقاضہ ہو کہ وہ ان کی خدمات سے استفادہ کرے، البتہ اس وقت درج ذیل امور کا خیال رکھا جائے:

۱-استاد مرد ہو اور پڑھنے والی طالبات ہوں تو دونوں کے درمیان دیوار یا پردہ کی آڑ ہو۔

۲-اگر یہ ممکن نہ ہو تو تمام طالبات مکمل شرعی پردہ میں کلاس میں آئیں اور استاذ بھی اپنی نظر کی حفاظت کرتے ہوئے پڑھائے۔

۳-اور اگر پڑھانے والا خواتین میں سے ہو اور پڑھنے والے طلبا ہوں تو خاتون ٹیچر خود مکمل پردہ کا اہتمام کرے۔

۴-دونوں صنفوں میں اساتذہ و طلبا تعلیم کے علاوہ کوئی بات ہرگز نہ کریں۔

۲۰-محکمہ تعلیم کے شر سے خود کو یا اسکول کو بچانے کے لئے رشوت دینے کا حکم:

رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے، البتہ رشوت لینا تو بذات خود حرام ہے، اس لئے یہ کسی صورت جائز نہیں، لیکن رشوت

دینا چونکہ لینے والے کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے اور اس کا مقصود حرام کی تحصیل یا دوسرے شخص کو اس کے حق سے محروم کرنا ہے، اس لئے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی بھی جائز کام جو بغیر رشوت کے نہ ہوتا ہو تو بدرجہ مجبوری اپنا حق وصول کرنے یا باقی رکھنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی، مگر لینے والے کے لئے وہ رقم حرام ہوگی، چنانچہ "بذل المجهود" میں ہے: **"فأما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلما، فإنه غير داخل في هذا الوعيد"** (بذل المجهود ۱۱/۳۰۶) (بہرحال اگر اس نے مال دیا کسی حق تک پہنچنے کے لئے یا اپنے آپ سے ظلم کا دفاع کرنے کے لئے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا)، اعلاء السنن میں ہے: **"وأما إذا دفع الرشوة ليسوى أمره عنده السلطان حل للدافع ولا يحل للآخذ"** (اعلاء السنن ۱۵/۶۲) (اگر کسی نے رشوت دی تاکہ سلطان (موقع کا ذمہ دار) کے یہاں اس کا معاملہ درست ہوجائے تو دینے والے کے لئے جائز اور لینے والے کے لئے حرام ہوگا)۔

خلاصہ یہ کہ سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت میں رشوت دینا جائز ہوگا، البتہ حرام ہوگا اور لینے والا گنہگار ہوگا۔

☆☆☆

ہمارے تعلیمی ادارے، یونیفارم اور شرعی ضوابط

مفتی نذیر احمد کشمیری☆

۱- عصری تعلیم گاہیں خالص اسلامی ماحول کے مطابق اور آج کے مطلوبہ علمی واطلاعی معیار کی رعایت کے ساتھ قائم کران آج کے عہد میں امت مسلمہ کی اہم ترین ضرورت ہے۔ یہ دینی اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ آج کے عہد کو پوری گہرائی سے سمجھنا اور پھر اس میں دین کا کام کرنا اور آج کی رائج زبان واسلوب کے مطابق اشاعت اسلام یا حفاظت اسلام کا کام کرنا ان علوم اور زبانوں کے بغیر نہیں ہوسکتا جو عصری تعلیم گاہوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ خصوصاً مختلف زبانیں مثلاً انگریزی، اور مختلف وہ علوم جن پر افکار واقدار کی عمارتیں کھڑی کی جاتی ہیں اور وہ ہیں عمرانیات (سوشل سائنس، پولیٹیکل سائنس) اسی طرح فکر وتہذیب کو متاثر کرنے والے یا قانون وسماج پر اثر انداز ہونے والے علوم مثلاً تھیالوجی، قانون، نفسیات، اقتصادیات وغیرہ)۔

دوسرے آج کے عہد میں معاشی ترقی آج کے ان علوم کے سیکھے بغیر نہایت مشکل ہے جو عصری تعلیم گاہوں میں پڑھائے جاتے ہیں مثلاً مواصلاتی سائنس اور اس سے وابستہ ذیلی ادارے آج کی معاشیات کا بہت بڑا میدان ہیں اور لاکھوں انسان اس سے اپنی معیشت وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ اب مسلمان نسل نو اگر اسلامی ماحول کے اندر رہ کر پڑھنے کا ادارہ نہ پائے اور دوسری قوموں کے قائم کردہ اداروں میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں تو اس کی وجہ سے اس نسل پر جو فکری وتہذیبی اثرات پڑتے ہیں وہ یہ کہ وہ صرف موروثی اور نسلی طور پر مسلمان ہوتا ہے، مگر فکری وعملی طور پر وہ الحاد، اباحیت اور مادیت کا ویسا انسان نما حیوان بنتا ہے جو ان اداروں سے پیدا ہونے والوں کا عمومی حال ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ غرض کہ عصری تعلیم گاہیں قائم کرنا مسلمانوں کو دینی اعتبار سے بھی ضروری ہے اور خالص معاشی اعتبار سے بھی یہ ضرورت ہے، اس لئے جب یہ سوال کیا جائے کہ اس ضرورت کا درجہ شرعی اصطلاحات میں کون سا ہوگا؟ کیا یہ واجب ہے، یا مستحب ہے، مباح ہے یا مکروہ؟ تو جواباً عرض ہے کہ فی نفسہ تو یہ واجب نہیں، لیکن امور متعددہ خارجہ کی بناء پر یہ واجب لغیرہ ضرور ہے۔ اور بلا شبہ یہ درجہ واجب لغیرہ کا بھی ہے۔ اور واجب علی الکفایہ بھی ہے۔ اور وجوہات بالکل واضح ہیں آج کے مسلم معاشرے کو میڈیکل کے ماہر طبیب، تعمیرات کے ماہر انجینئر، حسابات کے ماہر اکاؤنٹنٹ، قانون کے ماہر بیرسٹر، میڈیا کے ماہر جرنلسٹ اور دوسرے مختلف میدانوں میں ان ماہرین کی ضرورت لابدی ہے جو عصری تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح دین کے

☆ دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر۔

مختلف میدانوں میں کام کرنے کے لئے مختلف زبانوں کی مہارت اور آج کے دور میں ابھرنے والے طرح طرح کے ازم اور مختلف قسم کی جو تھیوریاں ہیں ان کو رد کرنے کے لئے آن کا مختلف قسم کا اسلوب وطریقہ کار درکار ہے یہ سب عصری تعلیم کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے ان خارجی مقتضیات کی بناء پر عصری تعلیم کا انتظام مسلمانوں پر واجب لغیرہ علی الکفایہ ہے۔

اس کی مثال حضرت تھانویؒ کا وہ فتوی جو انہوں نے اردو زبان کے سیکھنے اور اس کے تحفظ کے لازم ہونے کے لئے دیا تھا، ملاحظہ ہو اردو زبان کی بقاء اور اس کے تحفظ کے لئے ایک تحریک شروع کی جارہی تھی چنانچہ حضرت نے لکھا ہے:

’’آج کل ہمارے ملک میں اردو زبان نے ایک خاص اہمیت حاصل کر لی ہے ایک مقام سے ایک خط اور اشتہار پہونچا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں کوئی کانفرنس ہونے والی ہے اس میں شرکت یا کچھ مشورہ طلب کیا گیا ہے چونکہ متعارف خدمتوں کی صلاحیت، نہ قوت ہے اور ایک خاص خدمت جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ ہے اس کی تحقیق کہ اس تحریک کا شرعی حیثیت سے درجہ کیا ہے، اور ضرورت اس کی اس لئے ہے کہ اس مسئلہ نے تمدن وقومیت سے آگے بڑھ کر مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے اس لئے یہ تحریر ضبط کر کے بھیج دی گئی‘‘۔

اس کے بعد حضرت نے نہایت دقیق تحقیق فرماتے ہوئے آیات قرآنیہ واحادیث شریفہ سے متعدد علمی استنباط فرما کر اخیر میں لکھا: اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس بناء پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی معصیت اور موجب مواخذۂ آخرت ہوگا (امدادالفتاوی ۴/ ۶۵۵)۔

یہاں حضرت تھانویؒ کی مفصل تحریر کا بہت ہی ملخص نقل کیا گیا۔

اب آج جب اردو بھی لب دم اور مستقبل اور بھی تاریک ہے تو یقیناً اگر مسلمان دینی احکام وتعلیمات سے آراستہ عصری تعلیم گاہیں قائم کریں تو وہاں سے نکلنے والے آج کے علم واسلوب اور آج کی زبان ومحاوروں میں دین کی ترجمانی کرنے والے ہونگے۔

اور اگر وہ دوسروں کے قائم کردہ عصری تعلیم گاہوں میں گئے تو ان کے رنگ میں رنگے ہوئے اپنی تہذیب سے ناآشنا، بلکہ ملی حمیت اور دینی غیرت سے عاری افراد جن کو تعلیم یافتہ ہونے کا زعم وتعلّی اور ڈگریوں کا غرور تو ہوگا مگر وہ کسی اور کا ہی وکیل یا نمائندہ ہوگا۔ جیسا روزانہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان اپنے بچوں کو انگریزی پڑھائیں تاکہ وہ اس انگریزی کے ذریعہ اپنا دین دوسروں کو پہونچائیں نہ کہ اس لئے کہ خود انگریز بن جائیں۔ اس غرض سے اپنے ادارے قائم کریں عصری تعلیم گاہوں کا قیام جب ایک مشن کے طور پر ہو تو پہلے اس کے اہداف متعین کئے جائیں اور وہ یہ کہ ایک پختہ دینی مزاج رکھنے والا، فکری وعملی طور پر اسلام کے تمام احکام پر کاربند رہنے والا اور اسی کی ترجمانی کرنے والا اسکالر، ڈاکٹر، ماہر قانون، انجینئیر، آرکیٹیکچر، جرنلسٹ، صاحب قلم مصنف یا کالم نویس، سماجیات میں خیر وشر

اور حسن و قبح میں تمیز کرنے والے اور اس پر اطمینان بخش گفتگو کرنے والا سپیکر، معاشرتی علوم میں اسلام کی تعلیمات کو تحریف سے بچا کر من وعن پیش کرنے والا قلمکار۔ اور جہاں اسلام کے مقابل کوئی فکر یا نظر آئے تو یہ اسلام کا طرف دار، بلکہ ترجمان ہو نہ کسی باطل کا۔

ان اهداف کے پیش نظر عصری تعلیم کے ادارے بنانا لازم ہے اور اسی کو واجب لغیرہ کہتے ہیں۔

۲- عصری تعلیم کے لئے قائم ہونے والے اداروں میں ضرورت کی حد تک اسلام کے عقائد، عبادات، اخلاقیات، آداب، معاشرتی مسائل، سیرت رسول، اور مختصر تاریخ اسلام کے مضامین درجات کے معیار کے مطابق شامل نصاب ہونا ضروری ہے اس کے بعد پھر عصری علوم کا نصاب تو لابدی ہے مگر اس میں تمام وہ مضامین جو اعتقاد یا عمل کے اعتبار سے غیر اسلامی ہوں اس سے پرہیز لازم ہے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ باریک بینی سے اس کا جائزہ لیا جائے اس لئے عقیدہ توحید سے منافی جو مضامین ہوں یا رسالت کے منصب وعقیدہ کو مجروح کرنے والے اسی طرح وہ غیر شرعی افکار جو قرآن وحدیث سے متصادم ہوں مثلاً ڈارون کا نظریۂ ارتقاء، چارلس فرائڈ کا نظریۂ جنسیت، یا آج کے عہد میں مساوات مرد وزن کا نظریہ غرض جو بھی نظریہ اسلامی تعلیمات وعقائد کے خلاف ہو اس سے اپنے نصاب تعلیم کو پاک رکھنا لازم ہے۔

اسی طرح وہ تمام حرکات جو ثقافت وکلچر کے نام پر کرائی جاتی ہیں مثلاً ناچ گانے، میوزک، لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ دوڑ یا تاریخ کے نام پر بے سروپا کہانیاں، دیومالائی قصے اس طرح دوسرے مذاہب کی وہ مہمل وخلاف عقل مذہبی تاریخ جو رام لیلا وغیرہ کے ذریعہ پیش کی جاتی ہے وغیرہ۔ اس سے پرہیز لازم ہے اس کے لئے ایک نصاب کمیٹی بنائی جائے جو ایک معتدل متوازن فکر اور تمام ضروری مضامین کو محتاط طور پر شامل کرنے کا سلیقہ رکھنے والی جماعت پر مشتمل ہو۔ پھر وہ نصاب جاری کیا جائے۔

پھر صرف نصاب تعلیم پر اکتفاء کافی نہیں ہے بلکہ ادارے کا ماحول جہاں آج کے سکولوں کے معیار کے مطابق صاف ستھرا اور وسائل کے اعتبار سے اعلی درجہ کا ہونا ضروری ہے تربیت کے اعتبار سے بھی معیاری ہونا لازم ہے تربیت میں عبادات، اخلاقیات اور آداب عملاً سکھانے کا پورا اہتمام ہو۔ اور مخرب اخلاق خصوصاً اباحیت، فیشن پرستی، جنسی بے راہ روی اور ان تمام مفاسد جو اس کچی عقل وکچی عمر میں پیدا ہوتے ہیں ان سے ادارے کا ماحول پوری طرح صاف اور محفوظ ہونا بھی ضروری ہے۔

اس کے لئے تعلیم اور نظام تربیت کا پہلے ایک ھدف مقرر کیا جائے اور ادارے کا قیام صرف مادی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اس بلند ترین مقصد کو مدنظر رکھ کر کیا جائے۔ اور وہ ہے ایک دیندار بلکہ کم از کم عملی طور پر ایک پختہ مسلمان تعلیم یافتہ سائنس داں، ڈاکٹر، قانون داں، بزنس والا، انجینئر اکاؤنٹنٹ، غرض علوم عصریہ کے جس شعبہ میں وہ آگے جائے وہ صلاحیت کے اعتبار سے ماہر اور عملیت و فکر کے اعتبار سے پختہ مسلمان ہو۔ اور ہر جگہ فخر سے اپنی اسلامیت کا اظہار کرنے کا مزاج رکھتا ہو۔

۳- وہ سکول جہاں ایسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو ایک مسلمان کے عقیدے یا اس کی عملی زندگی کو نقصان پہونچائیں اول ایسے اداروں میں بچوں کو داخل کرنا ہی جائز نہیں۔ اس سلسلے میں فقہی ضابطہ واضح ہے۔ "درأالمفاسد أولى من جلب

المصالح" (قواعدالفقہ)۔

لیکن اگراس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو بایں طور کہ مسلمان اپنے ادارے قائم نہ کر پائیں۔تو پھر اس طرح کے اداروں میں داخل ہونے والے بچوں کے دین وعقائد کو محفوظ رکھنے کے لئے صبح وشام کے مکاتب دینیہ میں تعلیم دین دلوانا فرض ہوگا۔اور اگر مکاتب دینیہ کا انتظام نہ ہوتو اپنے گھروں میں ان تمام مفاسد کی صفائی کرانا بھی ضروری ہوگا۔اور دین کی بنیادی تعلیم جس میں عقائد و عبادات،اخلاق وآداب اور حلال وحرام کے اساسی احکام سکھانا لازم ہوگا۔

"سئل رسول الله ﷺ ماحق الولد على الوالد، فقال: حسن التسمية، و حسن التربية" (شعب الإیمان)۔

غرض کہ والدین کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے بچوں کے دین وایمان کو محفوظ اور سکول کے مضر نصاب کے اثرات کو زائل کرنے کا پورا اہتمام کریں چاہے بذریعہ مکاتب یا بذریعہ گھریلو تعلیم وتربیت ہو۔

۴- مخلوط نظام کے مضر اثرات متنوع بھی ہیں اور ناقابل انکار بھی اس لئے اولاً مسلمانوں کو لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ ادارے قائم کرنا ضروری ہے یہ ادارے پوری انتظامیہ اور اساتذہ اور طلباء وطلبات کے لئے ذکور واناث کے فرق کے ساتھ قائم ہوں۔

لیکن اگر مختلف عوارض کی بناء پر صرف ابتدائی تعلیم کے لئے مخلوط ادارے ہوں تو اس کی گنجائش ہے،لیکن پانچویں کلاس کے بعد پوری طرح سے الگ الگ اسکول قائم کرنا ضروری ہے۔

اس کے لئے اولاً الگ الگ بلڈنگ ہوں اور اگر الگ الگ بلڈنگ کا انتظام نہ ہو سکے تو الگ الگ کلاس روم کا ہونا ضروری ہے صرف ایک ہی کلاس میں طلباء وطالبات کا بٹھانا چاہے نشستوں میں امتیاز رکھا جائے کافی نہیں ہے۔

اس طرح ایک ہی کلاس روم میں طلباء وطالبات کو بٹھانا کہ نشستوں میں فرق کیا جائے ہرگز کافی نہیں،ہاں اگر درمیان میں دیواریں ہوں جس سے طلباء اور طالبات کا آپس میں ملنا جلنا نہ ہو پائے لیکن ٹیچر سے استفادہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہوگی۔

ابتدائی درجات جن میں بچے صغرسنی میں ہوتے ہیں اگر ایک کلاس روم میں رہیں تو مضائقہ نہیں۔لیکن جوں ہی بچوں کی مقدار اتنی ہو جائے کہ الگ الگ کلاس بنائی جاسکیں تو پھر مخلوط کلاس روم جائز نہ ہوگا۔

۵- بچوں کی وہ عمر جس میں وہ دوسری صنف سے دلچسپی لینا شروع کرتے ہیں اور صنفی میلانات پیدا ہونے کا آغاز ہوتا ہے اس عمر کے بعد نظام تعلیم کا جداگانہ ہونا ضروری ہے ورنہ آج کی نئی نسل میں جو جنسی مفاسد ہیں وہ عالم میں آشکارہ ہیں۔

اس لئے پانچویں کلاس سے اوپر جس کو سکینڈری درجات کہا جاتا ہے کے لئے الگ الگ ادارے قائم کرنا بھی اسلام کی تحفظ

وعصمت کی تعلیمات کے مطابق لازم ہیں،لیکن اگر الگ الگ ادارے قائم نہ ہوسکیں تو رول کی کثرت کی صورت میں الگ الگ کلاس روم کرنا ضروری ہے اگر تعداد کم ہوتو ایک ہی کلاس روم میں درمیان میں پختہ یا عارضی دیوار چاہے وہ پلائی ووڈ کی ہو قائم کرنا ضروری ہے،آمدورفت کے الگ الگ راستے اور دونوں کے لئے الگ الگ بیت الخلاء، وضوخانے اور کھیل کی جگہ مقرر کرنا بھی ضروری ہوگا، تاکہ اختلاط سے بچا جا سکے۔

۶ – بچوں کو مقرر عمر میں داخل کرنا ضروری ہے،لیکن اگر مقررہ عمر میں بچہ داخل نہ کیا جاسکے۔تو عمر کا غلط کرنا کرانا دونوں شرعاً بھی غلط ہے اور عقلاً بھی۔اس لئے کہ اس کا مقصد صرف ہوسکتا ہے کہ بچوں کا ہم عمر ہونے اور ہم سن ہونے کی بناء پر اعتدال اور توازن اور نفسیاتی طور پر بچوں کا ہم آہنگ ہونا مفید ہے۔مگر جب کوئی حقیقت میں زائد عمر کا ہوتا تو رجسٹروں میں کم عمر لکھنے کا کوئی فائدہ ہو ہی نہیں سکتا،اس کے کم عمر لکھوانے سے وہ کم عمر تو ہو ہی نہیں سکتا۔تو صرف کاغذی غلط بیانی کا فائدہ کیا ہوگا۔

دراصل غلط عمر کا اندراج تمام عمر کذب بیانی کرنے کے مرتکب ہونے کا عمل ہے بلاشبہ عمر کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے جب کسی بچے نے اپنی عمر کے پانچ سال پورے کئے اور اب سکول کو داخلے کے وقت اس کو چار سال کا لکھوایا گیا تو گویا پوری زندگی وہ اپنی عمر کے اس ایک سال کا انکار کرتا رہے گا اور آئندہ وہ جب بھی عمر کو اپنی زبان یا قلم سے بتائے گا تو ایک سال کم کر کے ہی بتائے گا، یہ کفران نعمت کی عجیب قسم ہے یہ اس ایک سال کی عمر کی ناشکری ہی نہیں انکار بھی ہے اور اس سے کذب بیانی ساری زندگی کا جرم ہونا یقینی ہے اس لئے اولاً سکول انتظامیہ کو عمر کی یہ قید لگانا ہی غیر شرعی مطالبہ ہے، اس لئے کہ اگر کوئی بچہ گھریلو عوارض یا توجہ نہ ہونے کی وجہ سے مطلوبہ عمر میں داخل نہ ہوسکا تو اب اسے عمر کے غلط اندراج کا مکلّف بنانا ہی غلط مطالبہ ہے۔

لہٰذا یہ قانون ہی ختم کردیا جائے یا اگر قانون ہو تو صرف ترغیب کی حد تک۔مگر جب اس طرح کا معاملہ سامنے آئے اور یقیناً اس طرح کے کیس نسبتہً بہت کم آئیں گے تو اس کو گوارا کرلیا جائے،مگر عمر کا غلط اندراج ہرگز نہ کرلیا جائے کہ یہ دھوکہ ہے فریب ہے اور کذب بیانی ہے۔

۷ – طلباء وطالبات کے لئے یونیفارم میں صفائی ستھرائی،سلیقہ بندی اور ہم آہنگی بلاشبہ مطلوب ہے مگر چند امور کا فرق لازم ہوگا

(الف) لڑکوں اور لڑکیوں کا یونیفارم الگ الگ ہو۔

(ب) یونیفارم اتنی چست نہ ہو کہ اعضاء کا حجم نمایاں ہو

(ج) کپڑوں کا رنگ بھی الگ ہو اور سلائی بھی جداگانہ ہو۔

(د) لڑکیوں کے سکارف اور لڑکوں کے لئے ٹوپی ضروری ہو جو ان کی اسلامی شناخت کو نمایاں کرے

(ھ) لڑکوں کے لئے ٹائی سراسر غیر ضروری ہے اور بعض ارباب افتاء کی رائے کے مطابق یہ صلیب کی نشانی ہے اس لئے اس کا استعمال اور لازم کرنا غیر شرعی ہے تاہم اگر یہ صلیب کی نشانی نہ بھی ہو تو بھی اس کے اسراف اور غیر ضروری ہونے میں کوئی شک

نہیں ہے۔

اگر بچہ کسی ایسے اسکول میں داخل کیا جا رہا ہے جہاں ٹائی لازم ہو اور بچیوں کے لئے اسکارف منع ہو تو ایسے سکول میں بچوں کو داخل ہی نہ کرلیا جائے۔

اگر سکول مسلمان منتظمہ نے قائم کیا ہے تو بحیثیت مسلمان ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان غیر شرعی ضوابط جو دراصل تقلید مغرب کا نتیجہ ہیں یک قلم منسوخ کردیں۔ لیکن اگر سکول کی منتظمہ چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو تو ان سے اپنے بچوں کے لئے استثناء کرایا جائے۔ ورنہ بچے سکول سے واپس نکال لئے جائیں۔ جو سکول طلباء کے لئے نیکر، طالبات کے لئے سکرٹ لازم کرتے ہوں یا طلباء کے ٹوپی اور طالبات کے لئے برقعہ یا عبایا کو ممنوع قرار دیں تو اگر یہ سکول مسلم انتظامیہ نے قائم کیا ہو تو یہ اقدام ہی غیر شرعی ہے اس لئے ایسے ادارے کے لئے مسلمان دیندار حضرات کو یہ سعی کرنا ضروری ہے کہ وہ اس غیر شرعی طریقۂ کار کی اصلاح کرائیں، اور منتظمہ کو یہ احساس کرایا جائے کہ یہ ٹھیک ہے کہ یونیفارم دیدہ زیب ہو، اس سے فی الجملہ سجاوٹ کا اظہار ہو بچے نفسیاتی طور پر احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، مگر اس کے ساتھ اسلامی شناخت محفوظ رکھنے کا اہتمام ضروری ہے۔ اس لئے یہ غیر شرعی پابندیاں ختم کریں۔

اگر سکول کی انتظامیہ مسلمان نہ ہو اور بچوں کے والدین ایسے سکول میں بچوں کو داخل کرانے پر مجبور ہوں تو بچوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ وہ بچوں کے ذہن میں بار بار یہ بات بٹھاتے رہیں کہ یہ یونیفارم غیر شرعی ہے اور صرف سکول کے اوقات میں بوجہ مجبوری کے اس کا استعمال کرایا جا رہا ہے بقیہ اوقات اس سے تنفر رہے، یہ بتایا جائے کہ اسلامی لباس ساتر، مہذب اور لڑکوں و لڑکیوں کے لئے وہی ہے جس سے ان کی شناخت قائم رہے غرض بچوں کی ذہن سازی ضروری ہے کہ وہ یہ یونیفارم تنفر و کراہت کے ساتھ اختیار کریں، ورنہ آج کے جینز کلچر نے بے حیائی کا جو سیلاب لایا ہے وہ اسی مغرب پرستی کا تلخ ثمرہ ہے اور آج تعلیمی ادارے اسی کی نمائندگی کی دوڑ میں ہیں۔

۸- عصری تعلیمی ادارے بطور مشن کے بھی چلائے جاتے ہیں اس کی مثال عیسائی مشنریوں یا متعصب مشرکوں کے سکول اور کالج ہیں اور خالص مادی و تجارتی نقطۂ نظر سے بھی قائم کئے جاتے ہیں اس کی مثال وہ تعلیمی ادارے ہیں جن میں بڑی اونچی سطح کی قسم قسم کی فیس لینا اور معیار و سہولیات کا عنوان لگا نا عوام کی دولت کھینچنا ہے۔ اور اس کے ہر جائز ناجائز کی پرواکئے بغیر ہر طرح کا استحصال ہوتا ہے معاشرے میں یہ دونوں طرز عمل رائج ہیں اب اس صورت حال میں سوال یہ ہے کہ کیا فیسوں کا یہ سلسلہ شرعا درست ہے اس کا جواب یقیناً تفصیل طلب ہے۔

اگر داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرنسپورٹ فیس وغیرہ ادارے کے معیار قائم کرنے، ضروریات پورا کرنے، سہولیات مہیا کرنے کی بنیاد پر کی جاتی ہے اور مقصد حصول دولت نہیں، بلکہ زیور تعلیم سے نسل نو کو آراستہ کرنا ہے تو پھر یہ جائز ہے، مگر یہ جواز صرف اس

مقدار تک ہے جہاں تک ضرورت پوری ہوجائے۔

اور اگر عنوان معیاری سکول کا ہو، دعوی زیادہ سے زیادہ سہولیات فراہم کرنے کا ہو اور طرح طرح کی دوسری لالچ دے کر بچوں کے والدین کو اپنے سکول کی طرف مائل کرنا ہو اور درحقیقت مقصد کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت کمانا ہو تو یہ استحصال ہے ضرر پہونچانا ہے اور تعلیم کو تجارت بنانا ہے اس صورت میں یہ بھاری فیس لینا درست نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں شرعی ضابطہ یہ ہے۔

"**الأمور بمقاصد ها**" اگر مقصد نیک، مفید، اور واقعی واجبی ضرورت پورا کرنا ہے تو شرعا اس کی اجازت ہوگی۔ مگر اس اجازت میں بھی اسراف، نمائش، نام ونمود اور استحصال نہ ہو، ہاں اعتدال کے ساتھ سکول کی آرائش، تزئین کاری اور مسابقت کے اس ماحول میں مناسب صفائی ستھرائی اور ضروری سہولیات مہیا کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ سکول کے ماحول میں رونق کے بجائے پژمردگی اور نشاط کے بجائے انقباض ہوگا اور پھر بچے کا احساس کمتری کا شکار ہونا لازم ہے۔

اداروں کے لئے فیس لینے کے شرعی جواز وعدم جواز کے لئے اصول یہ ہے کہ سکول اور منتظمہ کے ضروری اخراجات کا صحیح تخمینہ لگا کر ضرورت کی حد تک داخلہ فیس سے لے کر بچوں کو سر ٹیفکیٹ دینے کی فیس تک مناسب مقدار میں لینا جائز ہوگا۔ اور صرف رقوم لینے اور مادی پیاس بجھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ فیس لے کر حصول دولت کے جذبہ سے تعلیم کو استعمال کرنا ناجائز ہوگا۔

اس عمل کے جواز وعدم جواز کی بنیاد نیت اور ضرورت ہوگی کلی وعمومی طور پر فیس چاہے جتنی بھی لی جائے اس کو جائز کہنا بھی درست نہیں ہے۔ اور فیس کو پوری طرح سے ناجائز کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ اس لئے کہ پھر سکول قائم کرنا بھی ممکن نہیں اور اس کو چلانا بھی ناممکن ہے۔

۹- جب سکول انتظامیہ نے ماہانہ فیس لے کر کلاس میں ٹیچر کا انتظام اور بچے کو سکول تک لانے کا بھی انتظام کر دیا ہے تو اب اگر کوئی بچہ غیر حاضری کرے چاہے اس کی غیر حاضری کا سبب کوئی معقول عذر مثلاً بیماری وغیرہ ہو یا بلا کسی معقول عذر کے یہ غیر حاضری پائی گئی ہو بہر حال اس کو ادا کردہ فیس واپس طلب کرنے کا حق نہیں ہے اور غیر ادا شدہ فیس کو ادا کرنا ضروری ہے شرعی طور پر یہ اجارہ یا وکالت ہے کہ بچوں کے والدین گویا سکول کی منتظمہ سے بچوں کو سکول پہونچانے اور تعلیم کا انتظام کرنے کا وکیل بناتے ہیں۔ اور سکول کی انتظامیہ نے یہ دونوں انتظام کر دیے اب اگر بچہ اس سے مستفید نہ ہو تو سکول کی طرف سے مہیا شدہ انتظام کے خرچ کہاں سے پورے ہونگے دراصل طلباء کی دی ہوئی فیس اساتذہ کی تنخواہ اور ٹرانسپورٹ چارج گاڑی مہیا کرنے پر صرف ہوتی ہے۔ اور جب صرف ہوگئی تو واپس طلب کرنے کا حق نہ رہا جب یہ دونوں انتظام مہیا رکھے گئے تو استفادہ نہ کرنے والا بہر حال مکلّف ہوگا کہ وہ اپنے اجارہ یا عقد وکالت کی بناء پر وہ رقوم ادا کرے جس کا اس نے داخلہ کے ذریعہ عقد کیا ہے اس میں سکول انتظامیہ کا کوئی قصور وکوتاہی نہیں ہے بلکہ ان کو بہر حال ٹیچر کی تنخواہ اور گاڑی کا انتظام کرنے کا خرچہ کرنا ہی ہے اور وہ خرچے اسی فیس سے ادا کئے جاتے ہیں۔

۱۰- ایسے بچے جو غربت وافلاس کی وجہ سے اپنے تعلیمی اخراجات پورے نہیں کر پاتے ایسے بچوں پر زکوۃ کی رقوم خرچ کرنا

درست ہے اس لئے کہ مصارف زکوۃ میں فقراء پہلا مصرف ہیں اور جب یہ بچے فقر کا شکار ہیں تو یقیناً یہ مصرف زکوۃ ہیں البتہ ان پر زکوۃ خرچ کرنے میں ایک نظم اور حسن ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے۔ ورنہ زکوۃ کی رقوم کا غلط استعمال ممکن ہے، اور وہ نظم مثلاً یہ کہ ایسے بچے کے والدین کو کہا جائے کہ بچے کو سکول میں داخل کراؤ اس کی فیس صاحب دولت ادا کرنا اپنے ذمہ لے، یا ہر ماہ وہ والدین کو مطلوبہ رقم ادا کرتا رہے یا زکوۃ دینے والا شخص سکول منتظمہ سے کہے جو بچے واقعتہً غریب و مستحق زکوۃ ہوں ان کی فیس ہم ادا کرتے رہیں گے اس طرح ان بچوں کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہوگی اور زکوۃ بھی ادا ہوتی رہے گی اور بچے کو تعلیم کی نعمت بھی ملے گی۔

البتہ اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ کچھ لوگ سکولوں کے لئے زکوۃ لینے کا سلسلہ یہ کہہ کر شروع کریں گے کہ ہم غریب بچوں کو تعلیم دیں گے، پھر زکوۃ کی رقوم اساتذہ کی تنخواہوں اور سکول کی تعمیرات یا خود کی جیب بھرنے پر صرف ہوگی ایسی صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی اس لئے غریب بچے زکوۃ کے مستحق ضرور ہیں مگر زکوۃ ایک اچھے نظم کے ساتھ ان پر خرچ کی جائے۔

۱۱- جن سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں مشرکانہ ترانے وندے ماترم یا سوریہ نمسکار وغیرہ پڑھوائے جاتے ہیں یا مورتیوں کے سامنے مشرکانہ حرکات کرائی جاتی ہیں۔ مثلاً سرسوتی وندنا کرایا جائے یا عیسائیوں کے سکولوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کے مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے اس طرح کے سکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرانا ہرگز جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے بچے کا ایمان ختم، اور جو والدین یہ سب جاننے کے باوجود اپنے بچوں کو ایسے ادارے میں داخل کریں خود ان کا ایمان خطرے میں ہوگا۔

جو مسلمان اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرائیں جہاں اس طرح کی شرکیات و کفریات کا ارتکاب کرایا جاتا ہے چاہے وہاں جبراً یہ کرایا جاتا ہو یا صرف ترغیب دی جاتی ہو وہ درحقیقت ایمان و دین کی عظمت سے خالی ہونے اور اپنی نئی نسل کے مسلمان رکھنے کی فکر سے عاری ہونے کا اظہار کرتے ہیں اس لئے یہ قدم اُٹھاتے ہیں جو شرعاً ہرگز درست نہیں بہرحال جہاں کھلم کھلا اس کفر و شرک کا ارتکاب کرنا پڑے اس ادارے میں بچے داخل کرنا حرام ہوگا۔

اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ محرمات کرائے جائیں تو مسلمان کے لئے ان اداروں کی طرف رخ کرنا بھی حرام ہے اور اگر خود مسلمان اپنے اداروں میں زیادہ داخلے کی لالچ یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے اس طرح کا عمل کریں تو وہ حرام کے مرتکب تو ہونگے ساتھ ہی رضا بالکفر اور ترغیب للکفر کی وجہ سے خود ان کا ایمان خطرے میں ہوگا۔

درحقیقت انہی مفاسد سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے ایسے ادارے قائم کرنا ضروری ہے جو دین و ایمان کو برباد کرنے والی مضرتوں سے محفوظ ہوں اور جہاں مسلمانوں کے ادارے نہ ہوں وہاں اپنے بچوں کو ایسی عصری تعلیم گاہ سے دور رکھنا لازم ہوگا جو تعلیم کی آڑ میں الحاد، کفر اور شرک میں مبتلاء کرنے کا ذریعہ ہوں۔ مسلمان کے لئے تحفظ ایمان سب سے مقدم ہے، اس سلسلے میں یہ کہنا حق ہے کہ ایسی تعلیم کا مقصد زیادہ سے زیادہ حصول معاش ہوسکتا ہے، مگر ایمان دے کر کفر لینا، دین قربان کر کے دنیا کمانے کے طریقے سیکھنا سراسر حرام ہے قرآن کریم کی آیات، احادیث اور صحابہ کی ایمانی زندگی کے واقعات اور پوری اسلامی تاریخ یہی سبق

سکھاتی ہے کہ مسلمان ایمان اور دین کی قیمت دے کر دنیا لینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

خلاصہ یہ کہ مسلم اداروں میں سکولوں کی ترقی کی لالچ میں ایسا کرانا حرام ہے اور غیر مسلم اداروں میں جہاں ترغیباً یا جبراً یہ شرک وکفر کرایا جاتا تو اس میں اپنے بچوں کو داخل کرانا بھی حرام ہے اور خود والدین کے ایمان کے لئے خطرہ ہے۔

۱۲- اسکولوں میں جنسی تعلیم درحقیقت زنا کاری کے پھیلاؤ کو مزید بڑھانا اور بدکاری کے اس دھکتے ہوئے شعلوں کو مزید تیل ڈالنا ہے مزید اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے ایسی جنسی تعلیم جو بچوں میں وقت سے پہلے جنسی محرکات کو اُبھارنے کا یقینی ذریعہ ہوگی ہرگز درست نہیں ہے۔ ہاں مسلمان اس مضمون کو اپنے نصاب کا حصہ بنائیں مگر مباحث یہ ہونگے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔

(الف) مرد وعورت کی صورت میں انسانوں کی تخلیق اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

(ب) زنا کاری کی حرمت، اس کے مفاسد اور نقصانات۔

(ج) بلوغ کے احکام، لزوم غسل کے اسباب وغیرہ۔

(د) طہارت ونجاست کے مسائل۔

(ھ) عفت وحیاء کی فضیلت وعظمت اور اس کے تحفظ کی فکر۔

عریانیت، بے حیائی، فیشن پرستی اباحیت اور جنسی بے راہ روی کے دینی، اخلاقی، معاشرتی اور اخروی نقصانات یہ مضامین بچوں کے معیار کے مطابق جنسی امور میں بے راہ روی سے بچنے کی ترغیب کے ساتھ مرتب کئے جائیں تو گنجائش ہے۔

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جنسی ضرورت اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کا عمل فطری عمل ہے، یہ نہ پڑھانے کی قید کا محتاج ہے، نہ سکھانے پر موقوف ہے۔

درحقیقت پورے عالم کو بے حیائی کے جس طوفان میں مبتلا کر دیا گیا ہے اس میں مزید اضافہ کرنا ہی اس کا محرک ہے یہ جس زہر سے انسان تباہ ہے اسی زہر کو مزید کھلانے کی تیاری ہے اور مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی نئی نسل کو اس زہر سے محفوظ رکھیں۔

۱۳- سکولوں میں تفریحی پروگرام منعقد کرنا درست ہے، مگر شرعی حدود کو ملحوظ رکھنا لازم ہے، اس لئے ایسے پروگرام جس میں اختلاط ہو یا لڑکیوں کی دوڑ کرائی جائے یا فحش ڈرامے کرائے جائیں شرعاً درست نہیں ہیں۔

وہ پروگرام جو صحت کے لئے مفید اور شرعاً جائز ہوں انکا انعقاد درست ہے، لیکن جو پروگرام صحت کے لئے مفید نہ ہوں مثلاً کیرم بورڈ، شطرنج، تعلیمی تاش اور جوا بازی یہ درست نہیں۔ نہ تو مسلمان اپنے اداروں میں ایسے پروگرام کرانے کے لئے شرعاً جواز رکھتے ہیں نہ اپنے بچوں کو اس غیر مفید بلکہ غیر شرعی عمل حرام میں شریک کرسکتے ہیں اور اگر غیر مسلم اداروں میں ایسے پروگرام ہوں تو ان میں مسلم بچوں کی شرکت بھی جائز نہیں اسی سلسلے میں پکنک، ایکس کرشن اور دوسرے شہروں میں گھومنے کے لئے جانے کی سب صورتیں بھی داخل ہیں کہ یہ ایمان واعمال کے اعتبار سے مضر اور اسراف اور فضول خرچی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے صرف لڑکوں کی

دوڑ کرانے میں حرج نہیں ہے۔

۱۴- ثقافتی پروگرام کے عنوان کے تحت ڈرامے، فلمساروں کی نقالی، لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط پروگرام کرنا جن میں چاہے تقریریں اور نعتیں ہی کیوں نہ ہوں اسی طرح میوزک شو جن میں موسیقی کیساتھ نغمے گائے جائیں یہ سب شرعاً حرام ہیں اور ایمانی مزاج، عفت کی حس اور اجتناب عن المعصیت کے جذبے کو ختم کرنے والے ہیں۔

۱۵- نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے لئے بھی ایسی کتابیں مرتب کرنا ضروری ہے جس میں حیوانی تصاویر نہ ہوں اور پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے تو کسی بھی حال میں جائز نہیں۔ یہ غیر ضروری بھی ہیں بچے جب کتے بلی کا لفظ پڑھیں یا چڑیا کوا پڑھیں تو مجسمہ دکھائے بغیر بھی وہ سمجھ جاتے ہیں کہ کس جانور کو کہتے ہیں۔ وہ مجسمہ دیکھنے کے ہرگز محتاج نہیں ہونگے۔

یہ دراصل انسان کی جدت پسندی اور جدت کاری کے غیر موزوں جذبہ کا نتیجہ ہے کہ کلاسوں میں مجسمے رکھنے کو لازم سمجھا گیا جس کی کوئی افادیت نہیں اگر تعلیمی ادارہ غیر مسلموں کا ہوا اور وہاں کے نصاب تعلیم کی کتابیں ایسی ہیں جن میں جانوروں کی تصاویر ہوں تو مسلمان کو ایسی کتابیں پڑھنے کی گنجائش ہے، مگر ان بچوں کے والدین پر لازم ہے کہ وہ تصاویر کی حرمت اور اس کے لئے اسلام کی تعلیم و احکام بچوں کو سمجھاتے رہیں تا کہ بچے ذہناً اس کی شناخت سے واقف رہیں۔

بلاشبہ تصاویر اور مجسموں کو جدید طریقۂ تعلیم میں بڑی اہمیت دی جارہی ہے مگر اسلامی اصولوں کے مطابق جو چیز درست نہ ہو اس کی اہمیت اس کے جواز کا سبب نہیں بن سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اہمیت شرعی ضرورت تو کجا شرعی حاجت کے درجہ میں بھی نہیں ہے تعجب خیز امر یہ ہے کہ جو لوگ ان مجسموں کو اس درجہ اہمیت دے رہے ہیں وہ خود اس سے استفادہ کئے بغیر ہی ماہر تعلیم کہلائے جاتے ہیں تو یہ اہمیت خود ہی غیر اہم ثابت ہوگئی۔

۱۶- تعلیمی اداروں کا اہم ترین مسئلہ جیسے نظام تعلیم بھی ہے ویسے ہی نصاب تعلیم بھی ہے۔ یہ نصاب ہی درحقیقت بچے کو مستقبل کی شخصیت بنانے کا ضامن ہے اب جیسا نصاب ہوگا ویسا ہی شخص وجود پذیر ہوگا۔

اسلامی اصول کے مطابق عورت کا دائرۂ عمل گھر کے اندر ہے نہ کہ گھر کے باہر اسی لئے اسلام نے عورت کو کہیں بھی کمانے کا مکلّف نہیں بنایا ہے۔ الا یہ کہ اس کے پاس کوئی ذریعہ باقی نہ رہے۔

اب جب نصاب بنایا جائے تو ضروری ہے کہ عورت کے وظیفۂ حیات کو ملحوظ رکھ کر اس کے لئے الگ سے نصاب بنایا جائے، اگر عورت کو مثلاً قانون، انجینئرنگ، بزنس منیجمنٹ پڑھایا جائے تو گویا مستقبل میں اسے عدالتوں میں وکالت، سائٹوں پر تعمیرات اور بازاروں میں بزنس سرگرمیوں میں مشغول ہونا ہوگا۔ جو کہ اسلام کی ان تعلیمات کے منافی ہے جو اس نے خاندانی نظام کی تشکیل استحکام کیلئے لازم کی ہیں۔ اس لئے دسویں کلاس تک تو نصاب یکساں رکھا جا سکتا ہے مگر اس سے آگے لڑکیوں کے لئے امور خانہ داری جس کو آج Home Science کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حفظان صحت، سلائی کڑھائی کچن سائنس، تربیت اطفال وغیرہ

پڑھائے جائیں۔ ہاں میڈیکل کی تعلیم دلانے میں مضائقہ نہیں اس لئے کہ جیسے مرد ڈاکٹر کی ضرورت ہے ایسے ہی لیڈی ڈاکٹر کی بھی ضرورت ہے۔

۱۷- وہ عصری علوم کے ادارے جو ابتدائی جماعتوں سے ہی تعلیم کا انتظام کر رہے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کی عمر، نفسیات اور ذہنی معیار کو سامنے رکھ کر دینی تعلیم کا ایک سلسلہ وار نصاب اپنی تعلیم میں شامل رکھیں۔ اس میں عقائد، مسائل، اخلاق، آداب، حلال وحرام، جائز وناجائز، طہارت ونجاست کے مسائل کے ساتھ مکمل قرآن کریم ناظرہ، ضرورت کی حد تک تجوید، عم پارہ سورہ یس، سورہ ملک وغیرہ حفظ، دعائیں مکمل نماز کی عملی مشق مختصر سیرت رسول وسیرت صحابہ۔ اسلامی علوم تفسیر حدیث، فقہ اور اخلاق کا تعارف شامل نصاب کیا جائے۔ اس میں بچوں کا معیار ہر جگہ ملحوظ رہے۔

ان مضامین کو یقیناً اس طرح شامل نصاب کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے مضامین متاثر نہ ہونے پائیں، چنانچہ اسلامی ذہن رکھنے والے کتنے ہی افراد اور جماعتیں ایسے کامیاب سکول چلا رہے ہیں جن میں یہ تمام مضامین شامل نصاب ہیں اور دوسرے عصری علوم کے مضامین ہرگز متاثر نہیں ہوتے۔

ایسے سکولوں کے لئے بعض حضرات نے ایک مفید سلسلہ کتب بھی ترتیب دیا ہے جو اردو اور انگریزی دونوں میں دستیاب ہے۔

بہرحال ایسے سکول جو مسلمان قائم کریں ان میں اسلامیات کے تمام ضروری مضامین کو شامل کرنا نہایت ضروری ہے۔

۱۸- اسکولوں میں اساتذہ کا تقرر ایک اہم ترین مسئلہ ہے جن تک بچے بلوغ کی عمر سے کم تک ہوں اور یہ پانچویں کلاس تک اور بعض حالات میں آٹھویں تک ہوسکتا ہے اس عمر کے بچوں کے لئے مرد معلمین یا خواتین معلمات کا کوئی مسئلہ نہیں، اس لئے کہ ان پر پردہ کے احکام ابھی لازم نہیں ہوتے، اس لئے مرد معلم بچوں کی طرح بچیوں کو اور خاتون معلّمہ بچیوں کی طرح بچوں کو بھی پڑھا سکتی ہے۔

لیکن جوں ہی بچے بالغ ہو جائیں اس کے بعد پردہ کے احکام پر عمل کرنا جیسے تعلیم دینے والے معلمین ومعلمات کے لئے لازم ہے ایسے ہی تعلیم پانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے بھی ضروری ہے لہذا آٹھویں کلاس سے اوپر لڑکوں کے لئے مرد معلمین اور لڑکیوں کے لئے خواتین معلمات کا تقرر کرنا لازم ہے جنس مخالف سے قرآن کریم اور دینی تعلیم پڑھنا درست نہیں، تو دیگر عصری علوم کیسے درست ہوسکتے ہیں۔ بلاشبہ خاتون معلمات نسبتۃً کم تنخواہ پر مہیا ہوتی ہیں، مگر یہ وجہ جواز کا سبب ہرگز نہیں بن سکتا۔

اسکول کی مالی حالت اس کی متحمل نہ ہو تو بھی یہ کرنا درست نہیں پردہ کے احکام کی شدت اور حیاء وعفت کی عظمت اس سے کہیں زیادہ اہم ہے کہ شرعی احکام کی خلاف ورزی کر کے ادارے چلائے جائیں۔ جنس مخالف سے تعلیم دلانے کے تلخ نتائج اور قبیح واقعات روز افزوں ہیں۔ بہرحال یہ امر لازم ہے اس سلسلے میں قرآن کریم کا یہ حکم مصرح ہر مسلمان کے لئے لائحہ عمل ہونا چاہیے: "**قل للمومنين يغضوا من أبصارهم**" (سورۂ نور: ۳۰) (آپ اہل ایمان کو حکم دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں)۔

اور دوسری صنف کو یہ حکم دیا گیا:"قل للمومنات یغضض من البصارھن" (سورۂ نور:۳۱)(آپ اہل ایمان عورتوں کو حکم دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں)۔

جنس مخالف سے تعلیم پانا اس حکم صریحی کی صریح خلاف ورزی ہے، اس لئے اس کے جواز کا سوال ہی نہیں ہے۔ رہی مختلف قسم کی مشکلات تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب سکول کی انتظامیہ یہ طے کرے کہ بالغ طلباء وطالبات کو پڑھانے کے لئے جنس موافق کو مقرر کیا جائے گا۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے جو کچھ کرنا پڑے وہ کریں گے تو ضرور ان مشکلات کا حل نکل آئے گا اور شرعی حکم پر عمل بھی ہو پائے گا۔

۱۹- اسکولوں کے لئے مقررہ کردہ معیار اور لازم کی گئی سہولیات کا اگر معقول انتظام ہے اور پھر بھی معائنہ کرنے والا محض رشوت نہ دینے کی وجہ سے منظوری کو روکنے یا حاصل شدہ منظوری کو منسوخ کرنے کی رپورٹ لکھ سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ناقابل تحمل مشکلات کا سامنا یقینی ہو تو ایسی صورت میں سکول انتظامیہ اگر رشوت دینے پر مجبور ہوگئی تو یہ رشوت چونکہ اپنے حق کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے نہ کہ کسی اور کا حق دبانے یا چھیننے کے لئے اس لئے سکول کی منتظمہ گناہ گار نہ ہوگی البتہ رشوت لینے والا اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔

"لا تا کلوا اموالکم بینکم بالباطل" (سورۂ نساء:۲۹)(اپنے میں سے ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ)۔

اس سلسلے میں کتب فتاوی میں یہ صراحت موجود ہے کہ اپنا حق پانے یا حاصل شدہ حق کو غصب سے بچانے کے لئے ظلماً جو رشوت دینی پڑے اس میں دینے والا گنہگار نہ ہوگا۔

لیکن اگر مقرر ضابطوں اور اصولوں کی تعمیل نہیں کی گئی اور واقعی خامیاں موجود ہوں۔

اور معائنہ کرنے والا منظوری کو منسوخ کرنے کی تجویز دینے میں حق بجانب ہے اب سکول انتظامیہ رشوت دے کر اس سے اپنے موافق رپورٹ لکھوائیں تو یہ رشوت دینا اور لینا دونوں حرام ہونگے اور دونوں اس حدیث کا مصداق ہونگے۔

"الراشی والمرتشی کلا ھما فی النار" (رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم میں)۔

دوسری حدیث میں ہے:"لعنة الله علی الراشی والمرتشی" (رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے)۔

اگر محکمہ تعلیم نے ناقابل تحمل ضوابط بنائے ہوں یا غیر شرعی اصول مقرر کئے ہوں مثلاً سکول کے پاس اتنا بڑا کھیل کا میدان ہونا ضروری ہے یا اتنی بڑی لائبریری لازم ہے یا ہر کلاس روم میں ائیر کنڈیشن کا انتظام ضروری ہے۔ جو یقیناً عام حالات میں پورا کرنا مشکل ہے۔

یا مثلاً بچوں کی دوڑ کرانا ضروری ہے یا تفریحی پروگرام کا منعقد کرنا لازم کر دیا گیا ہو اور چونکہ سکولوں کی منظوری کے لئے اصول وضوابط بنانے والے افراد ایسا معیار سامنے رکھتے ہیں جو وہ خود گورنمنٹ کے اداروں میں روبعمل نہیں لا سکتے، اور پھر انہی ضوابط پرعمل پیرا ہونے پر پرائیوٹ سکولوں کی منظوری کو موقوف رکھتے ہیں۔اور بعض دفعہ متعصب ذہنیت کا شخص معائنہ کرنے آتا ہے اور وہ معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر سکول کی منظوری کے لئے رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے تو بلا شبہ ایسی صورت حال میں اگر اس کے شر سے بچنے کے لئے اسے کچھ رقم دینی پڑے تو یہ حرام دائرے میں نہیں آئے گا گو کہ یہ بھی رشوت ہی کہلاتی ہے مگر دینے والا مجرم نہیں اس لئے کہ یہ کسی کا حق غصب کرنے کے لئے دینا نہیں ہے۔

دراصل اسی طرح کے رشوت خور افسران اور تعصب ونفرتوں کی ذہنیت رکھنے والے لوگ اسی آج کے زہریلے اور اخلاق و انسانیت سے عاری نظام تعلیم کے پیدا کردہ و پروردہ ہیں۔

اگر تعلیم گاہوں میں اخلاق، خدمت خلق، انسانیت نوازی اور مخلوق خدا کے ساتھ لطف وترحم کی تعلیم شامل ہوتی تو رشوت، ظلم، استحصال اور عصبیت ظالمہ کا یہ ماحول نہ ہوتا۔ جو قوم وملت کے لئے ظلم کا عنوان بنے ہوئے ہیں۔ بہر حال اپنے سکول کو ظلم کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے جو رقم دینی پڑے وہ ظلم کرنے کا نہیں ظلم سے بچنے کا اقدام ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہوگی۔

☆☆☆

جنسی تعلیم، عصری تقاضے اور شرعی حدود

مولانا محمد شفیق بن عبدالشکور فلاحیؔ مظاہریؔ☆

۱- آج مسلمان تعلیم میں مسبوق ہونے کی وجہ سے اغیار کا دست نگر بنا ہوا ہے، لہذا اسلامی ماحول میں عصری تعلیم دینے کے لیے ایسے اسکول قائم کرنا نہ صرف مباح بلکہ یہ قوم وملت کی اجتماعی معاشی اور دفاعی ترقی کے لیے ایک ضرورت بن چکی ہے، آج مسلمانوں کو ضرورت ہے اچھے دین دار مخلص ماہر ڈاکٹرس، ٹیچرس، پروفیسرس، انجینئرس، ججس اور ماہرین اقتصادیت اور ماہرین سیاست کی، اور یہ ضرورت اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب ہم اپنے نونہالوں کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ اسلامی ماحول میں عصری تعلیم دلانے کے لیے اسکول اور کالجز قائم کریں۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدر ضرورت گجراتی، انگریزی وغیرہ دنیوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے بلاشبہ جائز اور کار خیر اور موجب ثواب ہے؛ لیکن دینی تعلیم کو اور دینی مدارس کی امداد کو مقدم سمجھا جائے'' (فتاوی رحیمیہ: کتاب العلم والعلماء ۱۰/۱۳۰)۔

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی تحریر فرماتے ہیں: ''ایسے انگلش وہندی میڈیم اسکول قائم کرنا جائز ہے جس میں دینی مضامین ہوں اور عقیدہ خراب کرنے والے مضامین نہ ہوں، رام، گاندھی جی اور سیتا وغیرہ کے واقعات اور خیالی چیزوں پر مشتمل کوئی مضمون نہ ہو، دینی واسلامی مضامین ہوں تو ایسے اسکول کا قائم کرنا بہت بہتر ہے'' (فتاوی قاسمیہ ۳/۳۱۸)۔

مفتی سلمان صاحب رقمطراز ہیں: ''حضرات علماء نے کبھی بھی جدید تعلیم کی مخالفت نہیں کی، البتہ انہوں نے یہ ضرور کہا کہ جدید علوم مسلمان رہکر حاصل کیے جائیں'' (کتاب النوازل: ۱۲/۱۳۸ مستفاد از فتاوی محمودیہ)، لہذا ایسے اسکول قائم کرنا مستحب ہونا چاہیے۔

(۱) ''وماأرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم'' (سورۂ ابراہیم: ۴)۔

(۲) ''ومن آيته خلق السموت والأرض واختلاف السنتكم وألوانكم'' (سورۂ روم: ۲۲)۔

(۳) ''عن خارجة بن زيد بن ثابت عن ابيه زيد بن ثابتؓ قال: ''أمرنی رسول الله ﷺ أن اتعلم

☆ خادم التدریس: دارالعلوم سیندھوا، ضلع بڑوانی (ایم. پی)۔

السريانية۔ وفی رواية أنه أمرنی أن أتعلم كتاب يهود، وقال انی ماآمن يهود علی كتاب، قال:فمامر بی نصف شهر حتی تعلمت الخ''(الترمذی:مشکوۃ:۳۹۹) ۔

''قيل: فيه دليل علی جواز تعلم ما هو حرام فی شرعناللتوقی والحذرعن الوقوع فی الشر۔كذا ذكره الطيبیؒ فی ذيل كلام المظهروهو غير ظاهر، إذ لايعرف فی الشرع تحريم تعلم لغة من اللغات، سريانية أو عبرانية أو هندية أو تركية أو فارسية،وقد قال تعالی:'ومن آيته خلق السموت والأرض واختلاف السنتكم وألوانكم''(الروم:۲۲)أی لغاتكم ۔، بل هو من جملة المباحات، نعم! يعد من اللغوومما لايعنی وهو مذموم عند أرباب الكمال إلا إذا ترتب عليه فائدة فحينئذيستحب كما يستفاد من الحديث''(المرقاۃ:باب السلام ۴۷۷/۸)۔

(۴)''القاعدة الثانية:الأمو ربمقاصدها''(الاشباہ والنظائر:۲۳)۔

۲-عصری اداروں میں غیر اخلاقی مواد شامل نصاب کرنا:

مغرب بخوبی اس بات کو جان چکا تھا کہ قوموں کی اصل تسخیر عسکری میدانوں کے بجائے تعلیم گاہوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے، اسی بنا پر لارڈ میکالے نے یہ اعلان تھا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور فکر اور دل ودماغ کے لحاظ سے فرنگستانی ہوں، یہی وجہ ہے کہ لارڈ میکالے کے ذریعہ ایک ایسا نظام تعلیم تیار کرایا گیا جس میں دین اسلام کا کوئی گذر نہیں تھا صرف انگریزی زبان کے ذریعہ آنے والے علوم وفنون کو داخل نصاب کیا گیا تھا۔

لہذا ایسے ادارے اگر مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو نصاب تعلیم اچھا ہونا چاہیے،اور اچھا نصاب تعلیم وہ ہے جس میں اسلامی تہذیب کے مضامین ہوں اور جو قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لیے معین ہو اور جس میں صرف ان علوم کو شامل کیا جائے جن کے نہ جاننے کی وجہ سے حرج ونقصان لازم آتا ہو، وہ حرج من الفرد ہو یا من حیث القوم ہو، اس سے معلوم ہوا کہ غیر شرعی افکار ونظریات اور غیر اخلاقی مضامین مسلمان اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں ہرگز نہ پڑھائیں، اگر پڑھائے جائیں تو یہ ناجائز ہوگا، اور اگر بعض مضامین کا پڑھانا اسکولوں کے لیے لازم ہو اور ان میں غیر اسلامی تہذیب کی باتیں مذکور ہوں تو اساتذہ ایسے ہوں جو ان مضامین کو اس طرح پڑھائیں کہ بچے کے دل میں غیر اسلامی افکار وتہذیب کی وقعت پیدا نہ ہو سکے۔

(۱) ''عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ:''خلق الله آدم عليه السلام علی صورته الخ''(متفق علیہ:مشکوۃ:۳۹۷)،اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم اپنی انسانی صورت پر ہی پیدا کیے گئے، نہ کہ نظریۂ ارتقاء کے مطابق۔

(۲)''إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة فی الذين آمنوا،الخ''(سورۂ نور:۱۹)۔

(۳)''ومن الناس من يشتری لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم الخ''(سورۂ لقمان:۶)حسن

بصریؒ فرماتے ہیں: " لھو الحدیث" المعازف والغناء"(فتح القدیر للشوکانی)،علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: " ان أولی ماقیل فی ھذا لباب ھو تفسیر لھو الحدیث بالغناء، قال: وھو قول الصحابة والتابعین"، حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: " عبداللہ ابن مسعودؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اس سے گانا مراد ہے اور آپ ﷺ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا اس سے مراد گانا اور راگ راگنیاں ہیں"۔

(۴)"وأستفزز من استطعت منھم بصوتک"(الاسراء:۶۴)"بصوتک" أی بدعائک بالغناء والمزامیر وکل داع الی المعصیة"(جلالین:۲۳۵)۔

(۵) "والذین لایشھدون الزور"(الفرقان:۷۲)،"عن محمد ابن الحنفیةالزورھنا الغناء"(ابن کثیرؒ) "وفی القرطبی والطبری عن مجاھد فی قولہ تعالی" والذین لایشھدون الزور،" قال: أی لایسمعون الغناء"۔

(۶)"قال رسول اللہ ﷺ:............ وظھرت القینات والمعازف"(الترمذی:مشکوة:۴۷۰)۔

(۷)"عن نافع قال: سمع ابن عمر مزمارا قال:فوضع أصبعیہ علی أذنیہ ونأی عن الطریق إلی الجانب الآخر الخ"(احمدوأبوداؤد:مشکوة:۴۱۱)۔

۳-مشنریز اور سنگھ پریوار کے اسکولوں میں بچوں کا داخلہ:

کسی ایمان والے کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مشرکانہ عقائد کو فروغ دینے والے اسکول میں داخلہ دلاکر ہلاکت میں ڈال دے، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ بچوں میں آہستہ آہستہ کفر،شرک،الحاد،لادینیت اور دیگر شروفساد کے جراثیم پھیل جائیں گے، اوربطور خاص چھوٹے بچوں کے قلوب تو بالکل سادہ ہوتے ہیں، جوان پر لکھ دیا جاتا ہے وہ نقش ہوجاتا ہے،لہذا بچوں کو ایسے اسکول میں تعلیم دلائی جائے جہاں دین وایمان پر کوئی پابندی نہ ہو اور جس اسکول میں مذہبی آزادی نہ ہو اس میں مسلمانوں کو اپنے بچوں کو نہیں پڑھانا چاہیے۔

(۱)" یایھا الذین آمنوا قوا وأھلیکم نارا۔الخ"(سورۂ تحریم:۶)۔

(۲)"کل مولود یولد علی الفطرة فأبواہ یھودانہ أوینصرانہ أویمجسانہ"(البخاری:۱۳۲۵)۔

(۳)" کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ............والرجل راع فی أھلہ وھومسؤول عن رعیتہ"(البخاری:۸۱۳۸۷)۔

دراصل مقصود بچوں کو برے ماحول سے بچانا ہے تو اگر اسکولوں کا ماحول درست نہ ہو تو کسی کو گھر پر آکر پڑھانے لیے مقرر کرلیا جائے،اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو انسان خود ہی گھر میں پڑھائے۔

(۱)"قال سعید ابن جبیرؓ: إذا عمل بالمعاصی فی أرض فاخرج منھا"(قرطبی:۵۱۳۶۷)۔

(۲) مقصود برے ماحول سے بچانا ہے اس کا جو طریقہ بھی ہو مثلاً: کسی اسکول کا ماحول اچھا ہو یا گھر پر پڑھانے کے لیے کسی کو مقرر کیا جائے یا خود گھر میں پڑھایا جائے (احسن الفتاوی ۸/ ۲۳۵)۔

اور اگر مجبوری میں ایسے ادارہ میں داخل کرنا ہی پڑے تو بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے والدین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآنی مکاتب، اہل اللہ کی مصاحبت اور دینی مجالس سے منسلک کریں اور گھروں میں دینی ماحول فراہم کریں نیز گرمی کی تعطیلات میں ان کے لیے اچھا نظام بنایا جائے، اپنے مکانات مسجد کے قریب رکھنے کی کوشش کی جائے اسلامی اسکول قائم کرنے والوں کی مدد کی جائے اور بطور خاص دقت نظر اور دینی حمیت وغیرت کے ساتھ ان کے نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے اور جو مضامین دین کے خلاف نظر آئیں وہاں بچوں کی صحیح رہنمائی کی جائے۔

(۱) "أم كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذقال لبنيه ماتعبدون من بعدی" (سورۂ بقرہ: ۱۳۳)۔

(۲) "يأأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصدقين" (سورۂ توبہ: ۱۱۹)۔

(۳) "يا بنی لاتشرک بالله ان الشرک لظلم عظيم" (سورۂ لقمان: ۱۳)۔

(۴) "وأنفق علی اهلک من طولک ولاترفع عصاک عنهم وأخفهم فی الله" (مجمع الزوائد: ۴/ ۲۲۰ - مشکوۃ: ۱۸)۔

۴- عصری درس گاہوں میں مخلوط تعلیم کا نظام:

حصول تعلیم ایک اچھی چیز ہے، مگر اس کے لیے بالغ لڑکے اور لڑکیوں اور استاذ اور استانیوں کے درمیان اختلاط کو ہرگز جائز نہیں رکھا جاسکتا، اس لیے کہ یہی وہ چیز ہے جو قتل وغارت گیری اور حرام کاری بلکہ کبھی کبھی ارتداد کی دہلیز پر لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے، ایسی تعلیم جس سے عفت وعصمت پر آنچ آئے اس سے تو جاہل رہنا بہتر ہے، لہذا بالغ ومراہق بچے بچیوں کو تو مخلوط تعلیم دینا دلانا جائز نہیں ہوگا، چاہے سبب پہلا ہو یا دوسرا، سن مراہقت سے ہی الگ الگ جماعت رکھنا ضروری ہوگا، دس سال کی لڑکی کے بارے میں "فتاوی محمودیہ" میں ہے کہ دس سال کی لڑکی کو ہرگز ایسے اسکول (مخلوط تعلیم والے) میں داخل نہ کیا جائے، (فتاوی محمودیہ: ۳/ ۳۸۹)، نیز دس سال کی عمر میں بستر الگ کرنے کا حکم ہے، "وفرقوا بينهم فی المضاجع" (أبوداؤد: ۴۹۵)، لہذا نو یا دس سال کے بعد مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔

(۱) "قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم" (النور: ۳۰)۔

(۲) "وقل للمؤمنت يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن" (النور: ۳۱)۔

(۳) "قال رسول الله ﷺ: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان" (الترمذی: ابواب الرضاع باب بلاترجمۃ: ۱۱۷۳)۔

(۴) "لایخلون رجل بامرأة الاکان ثالثهماالشیطان"(الترمذی:باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات: ۲۲۲)۔

(۵) "یدنین علیهن من جلابیبهن "(سورۂ احزاب:۵۹)۔

(۶)"أفعمیاوإن انتما"(الترمذی:۱۰۶/۲)۔

(۷) "وتمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال، لا لأنه عورةبل لخوف الفتنة" (الشامی: ۷۹/۲)۔

۵ – جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

☆ لڑکوں اورلڑکیوں کے لیے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

☆ دونوں کے لیے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضاء حاجت کے مقامات الگ ہوں لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

☆ ایک ہی بلڈنگ اورایک ہی کلاس روم ہولیکن طلبہ اور طالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ ہوں۔

جداگانہ تعلیم کی ان صورتوں میں کونسی صورت ضروری اورکونسی صورت جائز ہوگی؟

ان تین صورتوں میں سے سب سے بہتر صورت تو یہی ہے کہ لڑکوں اورلڑکیوں کے لیے بلڈنگ ہی الگ ہوتا کہ فتنے سے مکمل اجتناب ہو،اور دوسری شکل ذرا کمتر ہے اس لیے کہ بلڈنگ جب ایک ہی ہے تو کسی درجہ میں فتنہ کا امکان ہے، اورآخرالذکر صورت میں تو فتنہ کے امکانات زیادہ ہیں نیز اس صورت میں جب مدرس ایک ہوگا تو سوال یہ ہے کہ وہ استاذ ہوگا یا استانی؟لہذا تیسری صورت کی اجازت نہ دی جائے ، یہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(۱) " فاتقوا الله مااستطعتم واسمعوا وأطیعوا۔الخ"(التغابن:۱۶)۔

(۲) "عن أبی أسید الانصاریؓ أنه سمع رسول الله ﷺ یقول:وهو خارج من المسجد، فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق، فقال للنساء: استأخرن، فإنه لیس لکن أن تحققن الطریق علیکن بحافات الطریق، فکانت المرأة تلصق بالجدار، حتی أن ثوبها لیتعلق بالجدار" (ابوداؤدوالبیھقی:فی شعب الإیمان،مشکوۃ:۴۱۵)۔

(۳)"وعن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ نهی أن یمشی –یعنی الرجل–بین المرأتین"(ابوداؤد،مشکوۃ: ۴۰۵)۔

۶-کذب بیانی پر مبنی حلف نامہ:

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، اس جرم کی سنگینی اس صورت میں اور زیادہ ہوجاتی ہے جب کہ ہمارا مخاطب ہم کو سچا سمجھ رہا ہو اور ہم اس سے جھوٹ بول رہے ہوں، تین موقعوں پر جھوٹ کی اجازت حدیث میں مصرح ہے: (۱) حرب، (۲) اصلاح ذات البین، (۳) زوجین کا ایک دوسرے کو خوش رکھنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت شدیدہ یا ایسی معتبر مصلحت جس میں کسی پر ضرر لازم نہ آئے اور کذب کے بغیر وہاں تک رسائی نہ ہوسکے تو وہاں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے اور پھر بھی توریہ اختیار کرنا بہتر ہوگا، امام نوویؒ فرماتے ہیں: " **فكل مقصود محمودیمكن تحصيله بغير الكذب يحرم الكذب فيه، وإن لم يمكن تحصيله إلابالكذب جاز الكذب، ثم إن كان تحصيل ذلك المقصود مباحا كان الكذب مباحا، وإن كان واجبا كان الكذب واجبا** "(ریاض الصالحین: ۳۵۲)۔

اپنے بچے کو داخلہ دلانے کے لیے عمر کا غلط اندراج کرانا درست نہیں ہوگا؛ کیونکہ مسئلہ صرف اسکول کے غلط اندراج تک محدود نہیں رہتا؛ بلکہ پوری زندگی کے بنائے جانے والے وہ تمام کاغذات جن پر تاریخ پیدائش ڈالی جائے گی، ان تمام مقامات میں جھوٹ تحریر کرنا یا کرانا لازم آئے گا اور یہ صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ دھوکہ دہی بھی ہے۔

(۱) "**آية المنافق ثلاث: اذا حدث كذب، واذا وعد أخلف، واذاأوتمن خان**"(البخاری: ۶۰۹۵)۔

(۲) "**كبرت خيانة أن تحدث أخاك حديثا هولک به مصدق، وأنت له به كاذب**"(ابوداؤد: ۴۹۷۱)۔

(۳) "**عن أنس ابن مالكؓ عن النبی ﷺ فی الکبائرقال:" الشرک بالله ،وعقوق الوالدين،وقتل النفس ، وقول الزور**" (مسلم: ۸۸)۔

(۴) " **إياكم والكذب، فإن الكذب يهدى الى الفجور**"(متفق علیہ: مشکوۃ: ۴۱۲)۔

۷-یونیفارم کا مسئلہ:

لباس کے لیے اجمالی بنیادی اصول:

(۱) لباس اتنا چھوٹا باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضاء ظاہر ہوجائیں جن کا چھپانا واجب ہے؛ بلکہ لباس ایسا ہونا چاہئے جن سے مکمل ستر پوشی ہوتی ہو۔ "**يا بنی آدم قد انزلناعليكم لباسا يوارى سوآتكم وريشا**"(الاعراف: ۲۶)۔

(۲) لباس میں کفار اور فساق کی نقالی اور تشبہ نہیں ہونا چاہیے۔ "**من تشبه بقوم فهو منهم**"(ابوداؤد: ۴۰۳۱)۔

(۳) جس لباس سے تکبر، تفاخر اور اسراف وتنعم مترشح ہوتا ہو اس سے بچا جائے۔ "**كلوا والبسواوتصدقوا فی غيراسراف ولامخيلة أى كبرياء**"(النسائی: ۲۵۵۸)۔

(۴) مرد شلوار، تہبند، پائجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ پہنے۔"من جر شيئا خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة" (البخاری: ۳۶۶۵)۔

(۵) مرد ریشم کا لباس نہ پہنے۔ "عن النبی ﷺ أنه صعدالمنبر وفی احدی يديه حرير وفی الأخرى ذهب ، ثم قال: إن هذين حرام على ذكور أمتي" (ابوداؤد: ۴۰۵۷)۔

(۶) مرد، زنانہ اور عورت، مردانہ لباس نہ پہنے۔"لعن رسول الله ﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال" (البخاری: ۵۸۸۵)۔

(۷) لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے، مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسند کیا گیا ہے۔"ألبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم، وكفنوا فيها موتاكم" (الترمذی: ۹۹۴)۔

(۸) مرد خالص سرخ لباس نہ پہنے؛ البتہ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا سرخ دھاری دار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، خالص سرخ لباس پہننے میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۴۶/۳)۔

(۹) ہر جگہ کے اہل دین اور ثقہ لوگوں کا جو لباس ہوگا اس کی اتباع زیادہ بہتر اور مستحب ہے (کتاب الفتاوی: ۶/ ۹۵)۔

پینٹ شرٹ پہننا:

پینٹ شرٹ کا رواج اور شیوع دنیا بھر میں اتنا زیادہ عام ہوگیا ہے کہ اب اس میں تشبہ (جو کہ شرعاً ممنوع ہے) کی شان مغلوب ہوگئی ہے، اس لیے اس کا پہننا حرام تو نہیں ہے، البتہ یہ بات تو ضرور ہے کہ یہ صالحین کا لباس نہیں ہے؛ بلکہ کافروں کا چلایا ہوا ہے اور اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت ہو جاتی ہے، اس لیے پینٹ شرٹ کا پہننا ناپسندیدہ ہے حتی الامکان اس لباس سے پرہیز کرنا چاہیے نیز یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ اس پینٹ سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر آج کل کی پینٹ کی طرح ہو جس سے حجم نظر آتا ہے تو پھر حرام ہے (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۵۶/۳)۔

ٹائی ایک وقت میں نصاریٰ کا شعار تھا، اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاریٰ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، بہت سے صوم وصلوۃ کے پابند مسلمان بھی استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت سخت ہوگی، کہیں ہلکی، جہاں اس کا استعمال عام ہو جائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا (کتاب الفتاوی: ۶/ ۹۵ مستفاد از فتاوی محمودیہ: ۱۲/ ۴۰۷)، ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول میں تو بچوں کے لیے سفید شلوار کرتا اور ٹوپی ہونا چاہیے اور بچیوں کے لیے شلوار قمیص اسکارف یا دوپٹہ جو ساتر ہو یا نقاب ہونا چاہیے اور اگر اسلامی اسکول نہ ہو تو پھر بچوں کے لیے ایسے پینٹ شرٹ جن میں واجب الستر اعضاء کا حجم ظاہر نہ ہو اور ٹائی کا استعمال مکروہ ہوگا۔

۸-اسکول میں تعمیرات پر بے جا خرچ:

عام طور سے اسکول والے ہر قسم کی فیس کی وضاحت شروع ہی میں کر دیتے ہیں اور کسی طالب علم یا اس کے اولیاء کو اسکول والوں کی یہ فیس پسند نہیں آتی تو وہ دوسرے اسکول اختیار کرنے کے بھی مجاز ہوتے ہیں، لہذا یہ فیسیں متعین کرنا جائز تو ہے؛ مگر اتنی زیادہ فیس متعین کرنا جس سے اولیاء پر زیادہ بوجھ ہو یہ خلاف مروت ہوگا۔

اسلامک علمی اکیڈمی ۷/اگست ۲۰۱۷ء یو-این-اے نیوز کے مطابق اسکولوں میں لمبی چوڑی فیسوں کا نظام ہے اور مختلف عنوانوں سے فیس اصول کی جاتی ہے، یہ قابل اصلاح ہے، مسلم انتظامیہ کو بحیثیت مجموعی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے تعلیم بنیادی طور پر ایک خدمت ہے نہ کہ تجارت ہے، تاہم اسکول والے جو تعلیمی فیس لیتے ہیں وہ تعلیم کی اجرت کے طور پر لیتے ہیں اور یہ فقہ کی اصطلاح میں اجارہ کا معاملہ ہے، اجارہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دونوں فریق کے درمیان جو معاملہ طے پائے اس کے مطابق اس کی پابندی کرنا فریقین پر ضروری ہے، لہذا جب اسکول کی انتظامیہ نے شروع میں ہی فیسوں کو بتا دیا تو یہ سب مقررہ اجرت کا حصہ ہے، لہذا اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

(۱) ''لاتزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس :......وعن ماله من أين اكتسبه وفيما أنفقه'' (الترمذی:۲۴۱۶)۔

(۲) ''الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أوأحل حراما، والمسلمون على شروطهم الاشرطا حرم حلالا أو أحل حراما'' (الترمذی:۱۳۵۲)۔

۹-غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس وصول کرنا:

چند دن حاضر رہنے والے طالب علم سے بھی پوری فیس لینا درست ہوگا، اس لیے کہ یہ وقت پر نہیں؛ بلکہ تعلیم پر اجرت ہوگی اور پوری اجرت کو بھی ایک دن کی تعلیم کا معاوضہ قرار دیا جاسکتا ہے، اس کے لیے شروع میں ہی وضاحت کر دی جاتی ہے کہ فیس پوری لی جائے گی۔ **''والمسلمون على شروطهم الاشرطا حرم حلالا أو أحل حراما''** (الترمذی:۱۳۵۲)۔

۱۰-غریب بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

زکوۃ کا تعلق مسلمان ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے سے ہے، تعلیم کا تعلق چاہے دین سے ہو یا دنیاوی تعلیم سے، تعلیم انسان کی ضرورت ہے، اس لیے مسلمان طلبہ جو مستحق زکوۃ ہوں ان کو ضرورت پوری کرنے کے لیے زکوۃ دینا جائز ہے؛ البتہ دینی تعلیم پر خرچ کرنے پر دوہرا اجر ہے (اسلامک علمی اکیڈمہ: ۷/اگست ۲۰۱۷ء یو-ان-اے نیوز)۔

۱-''إنما الصدقات للفقراء والمساكين الخ'' (التوبۃ:۶۰)۔

۲-'' تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم'' (البخاری:۱۳۹۵)۔

۱۱-اسکولوں میں مشرکانہ اعمال کی انجام دہی:

☆اگر سرکاری اداروں میں اس عمل پر مجبور کیا جائے اور اس بچنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو حفاظت ایمان کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے وہاں اپنے بچوں کو پڑھانا جائز نہیں ہوگا، اور حکومت وقت سے اپنا حق مانگنا ہوگا، اور انہیں سمجھانا ہوگا کہ یہ ہمارے ایمان کے خلاف ہے ہم اس کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔

اتر پردیش کے اسکولوں میں طلبہ کے لیے ''وندے ماترم'' اور ''سرسوتی وندنا'' لازم کیے گئے تو حضرت علی میاں ندویؒ نے پوری جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو مسلمان بچوں کے لیے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اگر حکومت اپنا فیصلہ واپس نہیں لیتی تو مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں سے اٹھالیں، ....اس کا اثر اتنا ہوا کہ حکومت وقت گھبرا گئی اور فیصلہ کے محرک وزیر تعلیم کو عہدے سے ہٹا دیا گیا، نیز ذمہ داران حکومت کو حضرت کی خدمت میں معذرت کرنا پڑی (ماہنامہ الفاروق: ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ مولانا علی میاں فکر ونظر کے آئینہ میں)۔

۱-''یاأیها الذین آمنوا لاتتبعوا خطوت الشیطن''(النور:۲۱)۔

۲-'' یا بنی لاتشرک بالله ان الشرک لظلم عظیم''(لقمان:۱۳)۔

☆اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے اور مسلمان بچے ان کاموں سے بچ سکتے ہوں تو بھی دوسرے مناسب اسکول تلاش کرنے کا ان کو حکم دیا جانا چاہیے، اور بطور خاص بالکل چھوٹے بچے جو اپنی ناسمجھی کی وجہ سے ان کاموں سے بچ ہی نہ سکتے ہوں تب تو انہیں وہاں پہونچانا بالکل درست ہی نہیں ہوگا، اگر یہ بچے وہاں جائیں گے اور منکرات میں مبتلا ہوں گے تو وبال والد یا سرپرست پر ہوگا۔

۱-''ومن یبتغ غیر الإسلام دینا فلن یقبل منه ''(آل عمران:۸۵)۔

۲- ''ومن یتولهم منکم فانه منهم ''(المائدۃ:۵۱)۔

۳- '' یاأیها الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون الیه بالمودۃ''(سورۂ ممتحنہ:۱)۔

۴- '' لما فیه من تکثیر السواد''۔

☆ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے اسکول قائم کرنا ضروری قرار دیا جانا چاہئے۔

(۱)''وأعدوا لهم مااستطعتم من قوۃ الخ ''(الانفال:۶۰)۔

(۲)''لا تقم فیه ابدا لمسجد أسس علی التقوی من أول یوم أحق أن تقوم فیه '' (التوبۃ:۱۰۸)۔

(۳) ''قال سعید ابن جبیرؒ: اذا عمل بالمعاصی فی أرض فاخرج منها''(قرطبی:۵/۳۶۷)۔

☆اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارے میں بطور ترغیب یہ کام کرنے کا حکم دیا جائے تو بھی ان کاموں کے کرنے کی اجازت

نہیں ہوگی، اور دوسرے مناسب پرائیویٹ ادارے تلاش کرنے کا اور ان میں داخلے دلانے کا حکم دیا جائے گا۔

”واذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیتنا فاعرضوا عنهم حتی یخوضوا فی حدیث غیره“(الانعام:۶۸)۔

☆ایسی صورت میں ان اداروں میں بچوں کا داخلہ کرانا جائز نہیں ہوگا، اگر داخل کرایا تو راضی بالکفر فاعل کفر کی طرح اور راضی بالحرام فاعل حرام کی طرح ہوگا۔

(۱)”الدال علی الخیر کفاعله والدال علی الشر کفاعله“(طبقات شافعیہ کبری:۶/۳۷۷)۔

(۲)” کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته“(البخاری:۸/۱۳۸۷)۔

☆مسلمان انتظامیہ کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں ہوگی کہ اسکول کی ترقی اور مصلحت کے پیش نظر مسلمان بچوں سے یہ کام کروائیں ورنہ یہ مداہنت ہوگی، ہاں اگر غیر مسلم اسٹاف ہو اور صرف غیر مسلم بچے ہی ان افعال کو کر رہے ہوں تو دل میں اس کو برا سمجھتے ہوئے ان غیر مسلموں کو ان کے اس عمل پر چھوڑ دیا جائے۔

(۱)”بل تؤثرون الحیوة الدنیا والأخرة خیر وابقی“(الاعلی:۱۶-۱۷)۔

(۲)”ودوا لو تدهن فیدهنون “(القلم:۹)”قال القرطبیؒ :المداهنة ترک الدین لصلاح الدنیا، قال الغزالیؒ:وإن اغضیت لحظ نفسک واجتلاب شهواتک وسلامة جاهک فأنت مداهن“(احیاء الدین:۲/۱۸۲)۔

(۳)ابن الاعرابی فرماتے ہیں کمینہ وہ آدمی ہے جو اپنا دین بیچ کر دنیا کمائے، کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ کمینہ کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو اپنا دین برباد کر کے کسی کی دنیا سنوارے(معارف القرآن للشفیع: جلد ۴-سورۂ ھود: تحت الا الذین ھم اراذلنا بادی الرأی)۔

۱۲-جنسی تعلیم کا مسئلہ:

جب جانور بغیر پڑھے لکھے اپنی جنسی ضرورتوں کو پورا کر لیتے ہیں تو انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اس کو ایسے تعلیمی اداروں میں یہ تعلیم سیکھنے سیکھانے کی ضرورت نہیں؛ البتہ جو طلبہ وطالبات علم طب، امراض جنسیہ اور امراض تناسلیہ میں تخصص کرنے والے ہوں جنہیں ان امور کی تہ تک پہنچنے کی ضرورت ہوتی ہے ان کے لیے اجازت ہونی چاہیے، غیر متخصصین کے لیے نہیں، ورنہ اخلاقی بگاڑ بہت ہی زیادہ بڑھتا چلا جائے گا، سوال میں جو رائے ذکر کی گئی ہے کہ ”حکومت سے کہا جائے کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں؟ اور مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بالغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدیات، عفت وپاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے“ وہ بالکل درست ہے، ایسا ہی کیا جانا چاہیے۔

(۱)"إن الذین یحبون أن تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا،الخ"(النور:۱۹)۔

(۲) "أحرص علی ماینفعک "(مسلم:۲۶۶۴)۔

(۳) "الضرورات تبیح المحظورات"(الاشباہ والنظائر:۷)۔

(۴) "ماأبیح للضرورة یتقدر بقدرها"(الاشباہ والنظائر:۷)۔

۱۳-عصری اسکولوں میں تفریحی،طبی اورورزشی پروگرام:

مختلف قسم کے کھیل جن سے جسمانی ورزش وغیرہ کے فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ بطور مقابلہ بھی جائز ہوں گے، بشرطیکہ شرعی حدوداور اصول سے متجاوز نہ ہو، اختلاط کی شکل میں تو ناجائز قرار دیا ہی جائے گا، اوراگر دونوں صنفوں کے کھیل الگ الگ کرائے جائیں تو لڑکیوں کا کھیل مردانتظامیہ اور دوسرے مرد نہ دیکھ رہے ہوں نہ تو وہاں موجود رہکر اور نہ کیمرے کے ذریعہ، "فیطمع الذی فی قلبه مرض "(الاحزاب:۳۲) نیز لباس ساتر ہو، باریک اور چست نہ ہو، کھیل میں قمار بھی نہ ہو، اور اس کھیل کی وجہ سے فرائض میں کوتاہی نہ ہو۔ "ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم الخ(لقمان:۶)، "رجال لاتلهیهم تجارة ولابیع عن ذکر الله واقام الصلوة وایتاء الزکوة"(النور:۳۷)، نیز لڑکیوں کو کھیل سکھانے اور مشق کرانے والا مرد نہ ہو،"لا یخلون رجل بامرأة الا مع ذی محرم" (البخاری:۵۲۳۳)، نیز کھیل ایسا نہ ہو جس میں چہرے اور دیگر اعضاء پر مارا جاتا ہے، (جس میں نقصان یقینی یا ظن غالب کے درجہ میں ہو)، "ولا تلقوا بایدیکم إلی التهلکة"(البقرہ:۱۹۵)،"ولاتقتلوا أنفسکم"(النساء:۲۹)، "لاضرر ولا ضرار" (مجمع الزوائد:۴/۲۰۶)۔

مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرعی حدود میں ان کھیلوں کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ میں مسابقت کرنا منقول ہے (ارواء الغلیل:۵/۳۲۷)۔

اسکول میں لڑکیوں کے سلسلہ میں ان تمام شرائط کو ملحوظ رکھنا اکثر مشکل ہوتا ہے، اگر مذکورہ شرائط پائے جائیں تب تو اجازت دی سکتی ہے ورنہ نہیں۔ "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولی" (الاحزاب:۳۳)۔

۱۴-عصری اسکول میں ثقافتی پروگرام:

بالغ لڑکی کے لیے غیر محرم سے اپنی آواز کی بھی حفاظت کرنا واجب ہے، اس لیے عورتیں خواتین کے پروگرام میں اس طرح خطاب کرسکتی ہیں کہ ان کی آواز اسی مجمع تک محدود رہے، مردوں اور عورتوں کے مشترک اجتماع میں عورتوں اور بالغ لڑکیوں کا نعت پڑھنا یا تقریر کرنا مکروہ ہے (کتاب الفتاوی:۶/۷۰)، بنا بریں چھوٹی بچیوں کو ایسے پروگرام میں شرکت کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے جو پروگرام خلاف شریعت نہ ہو۔

"إن اتقیتن فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض "(الاحزاب:۳۳)۔

۱۵-نصابی کتابوں میں تصاویر اور کلاسوں میں مجسمے نصب کرنا:

ڈیجیٹل تصویر کے سلسلہ میں بھی احوط یہی ہے کہ بلاضرورت اس سے بچا جائے، اور جہاں تک مجسموں کا تعلق ہے تو ان کی اجازت نہ دی جائے، نیز طلبہ کی تفہیم کے لیے ایسی کتب عمل میں لائی جائیں جن میں جاندار کی تصویریں نہ ہوں۔

(۱) "إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والأخرة" (الاحزاب:۵۷) کے ذیل میں مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''بعض روایتوں میں ہے کہ جاندار چیزوں کی تصویر بنانا اللہ تعالی کی ایذاء کا سبب ہے'' (معارف شفیعی: جلد ۷)۔

(۲) "لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة - يريد صورة التماثيل التى فيها الأرواح" (البخاری:۴۰۰۲)۔

۱۶-طالبات کے مزاج سے ہم آہنگ مضامین کی تعلیم:

جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے ماتحت چلتے ہوں انہیں طالبات کے لیے ایسی تعلیم ونصاب کا انتظام کرنا چاہیے جو نصاب ضروریات دین اور ضروریات امور خانہ سے متعلق ہو۔ نیز ایسے امور کا بھی انتظام کردیں کہ وہ'' قرار فی البیوت'' کے ساتھ معیشت کو درست کرنے میں اپنے اہل خانہ کی معین بن سکیں، تو اور بھی بہتر ہوگا۔ جیسے سلائی، کڑھائی، ادارے والوں کے لیے اور والد یا سرپرست کے لیے اس کو مستحب کہا جاسکتا ہے، اور امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت سیکھانا یہ والد یا سرپرست کے لیے واجب قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۱) "الدال على الخير كفاعله والدال على الشر كفاعله" (طبقات شافعیہ کبری:۶/۳۷۷)۔

(۲) "كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته" (البخاری:۷۱۳۸)۔

(۳) "يأيها الذين آمنوا قوا وأهليكم نارا۔الخ" (التحریم:۶)۔

(۴) "مرو اولادكم بالصلوة الخ" (ابوداؤد:۴۹۵)۔

(۵) "مانحل والد والده افضل من ادب حسن" (ابن حبان:۲/۱۸۰)۔

۱۷-اسلامی ماحول کے ساتھ عصری وتعلیمی ادارے کا قیام:

مسلم بچے بچیوں کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ دینی تعلیم کا لازمی رکھا جائے، نصاب کے مضامین میں بھی اسلامی تہذیب کا خاص خیال رکھا جائے، اسکول میں نماز با جماعت کا نظم کیا جائے، اللہ کے مقبول بندوں کی آمد ورفت کا ماحول بنایا جائے تاکہ بچوں کے دل میں اہل دین کی عظمت قائم ہوسکے، نیز ان تمام امور کے ساتھ دنیوی تعلیم کا معیار اتنا بلند ہو کہ یہ اسلامی اسکول اغیار کے بڑے سے بڑے اسکول کا مقابلہ کرسکے۔

(۱) ”وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة الخ “(الانفال:۶۰)۔

(۲) ”إقرأ باسم ربک الذی خلق“(العلق:۱-۵)۔

۱۸-جنس مخالف ٹیچر کا تقرر:

”وإذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب“(الاحزاب:۵۳)۔

جب اللہ تعالی نے حضرات صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو حجاب کا حکم دیا تا کہ نفسانی وساوس سے بچا جا سکے اور قلوب میں طہارت برقرار رہے تو آج کون ہے جو اپنے نفس کو صحابہؓ کے پاک نفوس سے اور اپنی عورتوں کے نفوس کو ازواج مطہراتؓ کے پاکیزہ نفوس سے زیادہ پاک ہونے کا دعوی کر سکتا ہے اور یہ سمجھے کہ ہمارا عورتوں کے ساتھ اختلاط کسی خرابی کا موجب نہیں ہے (معارف شفیع اختصاراً: جلد ۷)، بنابریں جنس مخالف میں ٹیچر مقرر کرنا جب کہ بچے مراہق یا بالغ ہوں درست نہیں ہوگا، بالخصوص جب کہ معلمات غیر دیندار، غیر شادی شدہ یا مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا ہوں اور بعض بچے حسین وجمیل بھی ہوں اور جب کہ یہ دور موبائل اور انٹرنیٹ کے شیوع کا ہے۔

۱۹-رشوت دے کر اسکول کو بچانا:

رشوت میں اصل تو حرمت ہے۔

(۱) ” قال تعالی: سماعون للكذب أكالون للسحت “(المائدۃ:۴۲)”وفی الحديث هو الرشوة فی الحكم“(مدارک التنزیل للنسفی)۔

(۲) ” لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی“(الترمذی:۱۳۳۷)۔

لیکن جہاں رشوت دیئے بغیر ضرر دفع نہ ہو سکتا ہو، یا اپنا حق وصول کیا ہی نہ جا سکتا ہو، وہاں حضرات علماء نے اجازت دی ہے۔

” القاعدة الرابعة عشرة:ماحرم أخذه حرم اعطائه، كالربا ومهر البغی وحلوان الكاهن والرشوة وأجرة النائحة والزامر الا فی مسائل:الرشوة لخوف علی نفسه أو ماله ليسوی أمره عند سلطان أو أمير“ (الاشباہ والنظائر:۱۳۲)۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں خلاصہ یہ ہے کہ رشوت دیئے بغیر اگر کام ہو جائے تب تو رشوت دینا حرام ہوگا، اور اگر رشوت دیئے بغیر کام ہونے کی کوئی شکل ہی نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری اجازت ہونی چاہیے۔

☆☆☆

تعلیم اورلباس وپوشاک کا مسئلہ

مولانا محمد نثار عالم ندوی☆

کسی قوم یا کسی تحریک کے لئے تعلیمی ادارے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں، تعلیمی اداروں میں ہی ان کے سانچے تیار ہوتے ہیں، وہیں سے انہیں سوچنے سمجھنے والے دماغ ایجاد واختراع کرنے والے ذہن اورسعی وجدوجہد کرنے والے ہاتھ پیر ملتے ہیں، اور وہیں سے انہیں ہر طرح کی قوت وصلاحیت اور توانائی حاصل ہوتی ہے۔

جس قوم یا جس تحریک کے تعلیمی ادارے زندہ اور معیاری ہوتے ہیں اس قوم اوراس تحریک کی کامیابی وسربلندی یقینی ہوتی ہے، مخالفت کرنے والے کتنی ہی مخالفت کریں، رکاوٹیں ڈالنے والے کتنی ہی رکاوٹیں ڈالیں، اس کی ترقی کے راستے دن بدن کشادہ ہوتے چلے جاتے ہیں، دلوں کے بند دریچے اس کے لئے کھلتے چلے جاتے ہیں، لوگ کشاں کشاں اس کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں، اس کے برعکس اگر کسی قوم یا کسی تحریک کے تعلیمی ادارے بے جان اور غیر معیاری ہوں تو چاہے اس کے پاس کتنے ہی مادی وسائل ہوں سیم وزر کے کتنے ہی انبار ہوں اس کی تنزلی اور ناکامی یقینی ہوتی ہے، وہ تحریک بہت جلد ہی دم توڑ دیتی ہے اور وہ قوم دیکھتے دیکھتے اپنی ساری آب وتاب کھودیتی ہے۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی قوم یا کسی گروہ کی اجتماعی حالت کو جاننا ہوتو اس کی پستی یا بلندی کا اندازہ لگانا ہواور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اس کے قد وقامت کی پیمائش کرنی ہوتو اس کے تعلیمی اداروں کو دیکھو اگر تعلیمی ادارے سرگرم اور فعال ہیں طلبہ کی اچھی تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں تو سمجھ جاؤ کہ وہ قوم یا گروہ تہذیبی وتمدنی حیثیت سے قد آور ہے اور وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے، لیکن اگر اس کے تعلیمی ادارے فکری بحران اور ذہنی انتشار کا شکار ہیں وہ اپنے جادہ منزل اور اپنی سمت سفر کے سلسلے میں یکسو نہیں ہیں وہ زندگی کے ولولوں سے خالی ہے، ان کے سامنے کوئی بلند مقصد نہیں ہے جو ان کی توجہات اور ان کی امنگوں کا مرکز بن سکے تو سمجھ جاؤ کہ اس قوم کے دیئے ٹمٹما رہے ہیں، اور اس کا ستارہ گردش میں ہے۔

۱-اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیاری تعلیم کے لئے اسکول قائم کرنے کا حکم:

ایسے اسکول قائم کرنا جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیاری تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں امت پر

☆ الجامعۃ الکوثریہ، کیرالا۔

فرض کفایہ ہے،بچند وجوہ کے۔

الف-تعلیم کا مقصد حقیقت کا علم حاصل کرنا ہے اور سارے ہی علوم حقیقت تک لے جانے والی ہے،عصری علوم بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ب-اسلام دین و دنیاوی علوم کی تفریق نہیں کرتا ہے پھر وہ علوم جو انسان میں مشاہدہ وفکر اللہ کی حاکمیت کا احساس فکر آخرت کی صلاحیتیں پیدا کریں وہ دینی علوم میں شامل ہیں،دنیا والے چاہے اس کو عصری علوم سے تعبیر کرتے ہوں یا دینی علوم سے۔

ج-مصادر شریعت قرآن وسنت میں جہاں جہاں علم کا تذکرہ ہے اکثر وبیشتر جگہ مطلقا علم کا ذکر ہے جس میں ہر وہ علوم جو حق کی طرف لے جائیں داخل ہیں،"**علم الانسان مالم یعلم**"(سورۂ علق:۵)۔

د-دین پر غلبہ واللہ کی حاکمیت اعلی کا قیام بغیر علم کے ناممکن ہے اور عصری علوم پر عبور و پکڑ کے بغیر ناممکن ہے،اور جن قوموں نے علوم وفنون پر اپنی پکڑ مضبوط بنائی آج وہی قومیں دنیا میں ترقی پذیر ہیں،لہذا بحیثیت عالمی امت خیر امت علم کے تمام شعبوں میں ترقی کرنا فرض کفایہ کے درجہ میں فرض ہے۔

۵-علوم وفنون تمام قسم کی دنیاوی ترقی کا آج سب سے بڑا ہتھیار ہیں اور الحاد وفتنہ تمام قسم کی برائیاں اسی راستے سے داخل ہورہے ہیں،جہالت آج علم کے لبادہ میں ہیں،اس پر قدغن لگانا علم ہی کے راستے سے ممکن ہے۔

لہذا عصری معیاری اداروں کا قیام ہر ہر شہر میں اور ہر ہر محلّہ میں کم از کم ایک ادارہ قائم کرنا امت پر فرض کفایہ ہوگا اور ایک سے زائد ادارہ کا قیام مباح وجائز ہوگا،اور"تعاون علی البر"میں شمار ہوگا،البتہ آپسی رسا کشی کے لئے یا بغرض تجارت وکسب مال کے لئے جس سے آپس میں اداروں کا معیار پر اثر پذیر ہو،مکروہ ہوگا اور"تعاون علی الإثم"کے دائرے میں شمار ہوگا،اور اس میں جو مفاسد ہیں وہ عیاں ہیں۔

۲-نصاب تعلیم میں کن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

مسلمانوں کے زیر انتظام اداروں میں نصاب تعلیم پر مندرجہ ذیل امور کا لحاظ مفید ہوگا۔

الف-عقائد عبادات معاملات معاشرات اخلاقیات،جیسے امور خمسہ کے ساتھ ساتھ تاریخ،سیرت وسوانح کو بھی شامل کرنا مفید ہوگا،دین کی مبادیات کو وافر حصہ لازم وضروری ہے۔

ب-مختصر اسلامی تاریخ،ملکی تاریخ ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون کے تمام شعبہ کا اجمالی تعارف بھی وقت کا لازمی تقاضہ ہے۔

ج-غیر اسلامی افکار مثلاً ڈارون ازم فرائڈ کا نظریہ جنس وغیرہ اسی طرح باطل فرقوں کا باطل نظریہ بطور تنقیدی جائزہ کے ہی بہتر اور مؤثر ومفید ہوگا،تاکہ طلباء مستقبل میں ان نظریات کو پہچان سکیں اور اس سے بچ سکیں اس کا شکار نہ ہوں،کیونکہ"**من لم یعرف الشر فیقع**"کی بات ہی سچ ہے۔

د- غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم تاریخ کے نام پر غیر معقول دیو مالائی کہانیاں جس کا پڑھانا حکومت کی طرف سے لازم ہوتا ہے، اور نہ پڑھانے میں قانونی دشواریاں ہیں، لہذا بقدر ضرورت داخل نصاب کر کے سرسری تنقیدی جائزہ کے ساتھ اس کے مفاسد وضرر کو بیان کر دیا جائے اور اسلامی موقف کو واضح کر دیا جائے مدلل وموثر انداز میں، واضح ہو کہ حکومت کی طرف سے نصاب لازم وضروری قرار دیا جاتا ہے، البتہ طریقہ تدریس تو انتظامیہ کے ہاتھ ہی میں رہتا ہے، لہذا بوجہ مجبوری داخل نصاب تو کر لیا جائے اور اس کی تعلیم وتدریس پر خاص توجہ دے کر مفید بنایا جاسکتا ہے۔

حکومت نصاب پر نظر رکھتی ہے طریقہ تدریس پر نہیں دونوں ہی باتوں کا خیال کرتے ہوئے نصاب انکار اور طریقہ تدریس اپنا بنانے میں کوئی حرج نہیں ہوگا، بلکہ مفید ہی ہوگا۔

۳- غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول میں بچوں کو تعلیم دلانا اور اس سلسلہ میں والدین کا کردار و ذمہ داری:

حکومت کی طرف سے چلائے جانے والے سرکاری تعلیمی ادارہ آج آزاد تعلیمی ادارے نہ رہے آئے دن حکومتیں اپنی طرف سے نصاب میں تبدیلی اور ایک خاص رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں، جس کی وجہ سے یہ ادارے حکومت کے آلہ کار بن چکے ہیں، اور Students Union کے واسطے سے اپنے افکار ونظریات کو طلبا پر تھوپنے کی کوشش میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں، اسی طرح سے عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کی طرف سے چلائے جانے والے ادارہ عمداً مکمل طور پر اپنے افکار ونظریات اپنے عقائد ومشن کی تبلیغ وترویج میں ہر طرح سے منہمک رہتے ہیں، ایسے اداروں میں مسلم بچے بچیوں کو تعلیم دلانا ان کے مشن میں ان کی مدد کرنے کے مترادف ہوگا، اور اپنی اولاد کو جان بوجھ کر بے دینی بے راہ روی کی طرف ان کو لے جانے اور ڈھکیلنے کے مترادف ہے، حتی الامکان اس سے دوری بنائے رکھنا اجتناب کرنا بحیثیت مسلم ضروری ہے، البتہ اگر کسی مجبوری کی حالت ہو کہ اس کے علاوہ کوئی تعلیم کا بندوبست ہی نہ ہو یا دیگر قابل قبول عذر ہو تو بسبب مجبوری تعلیم دلانے کی گنجائش ہوگی، البتہ اس ادارہ کے پلائے گئے زہر کا تریاق قلندر مکرر کا بندوبست کر لیا جائے اور ہمہ وقت بچوں کے ایمانی فکر تعلیم وتربیت کی فکر میں لگے رہیں ذرہ برابر غفلت نہ ہو ورنہ ذرا سی غفلت سے سلب ایمان کا قوی اندیشہ ہے۔

مشرکانہ سرکاری تعلیمی ادارے یا عیسائی سنگھی مشنریز اداروں میں تعلیم دلانے کی صورت میں جہاں والدین پر فرض عین واجب ہے اپنے بچوں کے ایمانیات واخلاقیات کی حفاظت کی ذمہ داری وہی پوری مسلم امت پر مسلم سوسائیٹی تنظیموں پر بھی فرض کفایہ کے طور پر یہ ذمہ داری عائد ہے کہ اجتماعی طور پر ان طلباء کے لئے دینی تعلیم کا بندوبست کریں اور جگہ جگہ مسجد ومحلّہ میں صباحی مسائی مکاتب کا انتظام از حد ضروری ہے، جس طرح مساجد ومدارس کا انتظام ہے، اسی طرح ان طلباء کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی لازم و ضروری ہے۔

۴،۵-مخلوط تعلیم کا حکم:

مخلوط تعلیم کے مضر ہونے کے بہت سارے اسباب ہیں چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

الف-علم کا مقصد اصلی ہے، رب شناسی، حقیقت سے آگاہی اعلی اقدار وصفات کا مالک بنانا طلبہ کے فطری رجحانات کو اجاگر کرنا ان کی طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالنا اور انہیں ذہنی جسمانی علمی اخلاقی اعتبار سے بتدریج اعلی واکمل بنانا اس طرح کے بے شمار اعلی مقاصد ہیں، مخلوط تعلیمی نظام ان سب قدروں کے لئے سم قاتل ہیں۔

ب-تعلیم وتدریس پرسکون ماحول پرسکون ذہن کا متقاضی ہے، ذہنی یکسوئی لازمی چیز ہے اور مخلوط تعلیم میں یہ چیزیں مفقود ہیں۔

ج-نیز عورت ومرد کے اختلاط کے سلسلہ میں قرآن وحدیث، شریعت اسلامیہ کا واضح حکم موجود ہے، پس مخلوط تعلیم کا طریقہ قرآن وحدیث شریعت اسلامیہ کے مغائر ہوگا، اور شریعت کے خلاف عمل میں چاہے دنیاوی کچھ فوائد موجود ہوں وہ بحیثیت مسلم امت جائز نہ ہوگا، ان ہی چند وجوہات کی وجہ سے مخلوط نظام تعلیم وترقی کے لئے سم قاتل ہے اس لئے خود بھی اس سے بچنا اور اوروں کو بھی بچانا لازم ہیں، عدم اختلاط کا حکم عام جگہوں میں بہت سخت ہے تو تعلیمی اداروں میں تو اور بھی بدرجہ اولی ہونا چاہئے۔

البتہ چھوٹے بچے اور بچیوں کا حکم الگ ہے، پرائمری کلاس یا ایسے کلاس تک جس میں طلباء کی عمر ۸ تا ۱۰ سال ہو یعنی مراہقت سے پہلے پہلے مخلوط تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بہتر اور مستحسن تو یہی ہے کہ تعلیمی ادارے شروع سے ہی الگ الگ قائم کیا جائے کہ یہ دونوں کے حق میں مستقبل کے لئے ہی مفید ہے اگر الگ الگ مستقل انتظام کی سہولت نہ ہو سکے تو ایک ہی ادارہ میں الگ الگ بلڈنگ جس کے آمدورفت کے راستے ہی الگ الگ ہوں اور کہیں اختلاط کا امکان واندیشہ بھی نہ ہو تو پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے، اس کے علاوہ وہ تمام صورتیں جس میں اختلاط ہو یا اختلاط کا قوی اندیشہ ہو تعلیمی مقاصد واہداف کے مغائر ہوگا۔

۶-عمر میں کمی وبیشی کا اندراج:

بعض تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے ایک خاص عمر لازم کردی جاتی ہے، اور یہ لزوم اسکول کے انتظامیہ کی طرف سے اور حکومت کی طرف سے طے شدہ ہوتے ہیں اور ہر اس کا اثر بچے کی تعلیم اور تعلیم کے بعد سروس وغیرہ پر ہی اثر انداز ہوتے ہیں، اسکول یا حکومت کی طرف سے ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ ایک ہی کلاس کے طلباء میں عمر میں یکسانیت رہے تفاوت پیدا نہ ہو، لیکن ایک دفعہ قانون بن جانے کے بعد اس پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے، حکومت یا ادارہ کا ایسا کرنا تعلیمی نظام کے اعتبار سے تو صحیح ہے، لیکن ہر ہر فرد کو اس کا پابند بنانا اور اس کی عدم لزوم کی صورت میں سروس سے دست بردار کردینا صحیح نہیں ہے۔

الف-لہذا اگر والدین کسی سخت مجبوری کی بنا پر یا غفلت کی وجہ سے شرط مطلوب کا فقدان کی وجہ سے اور بغیر عمر میں تبدیلی

کی داخلہ ناممکن ہو یا ممکن ہو، لیکن بعد میں سروس میں ملازمت میں دشواری کا قوی امکان ہو تو مطلوبہ شرائط کے مطابق عمر میں کمی زیادتی کرواسکتا ہے اور یہ دھوکہ دھڑی میں شمار نہ ہوگا، بلکہ " **الضرورات تبیح المحظورات** " کے تحت گنجائش ہوگی۔

ب-کسی مجبوری یا غفلت کی وجہ سے تاریخ پیدائش کی شرط مفقود ہوگئی اور اس بنا پر وہ تعلیم سے یا ملازمت سے محروم ہو رہا ہے تو یہ محرومی جہالت وعدم ملازمت پر منتج ہوگی جو اس کے لئے اور اس کے خاندان، بلکہ قوم وملک کے لئے خسارہ کا سبب بنے گا اور یہ ضرر غلط اندراج کے ضرر سے آشد ہوگا اور فقہ کے قاعدہ کے تحت جائز ہوگا کہ بڑے ضرر کو ٹالنے کے لئے چھوٹے ضرر کو برداشت کیا جاسکتا ہے، "**إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما**"، اسی طرح ایک اور قاعدہ: "**الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف**" (قواعد الفقہیہ المحمودۃ رص ۶۳)۔

نیز تاریخ پیدائش میں کمی بیشی کرنا بھی شر ہے، اور جاہل رہنا پڑھ لکھ کر ملازمت سے باہر رہنا بھی شر ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ دونوں میں سے آ کر الذکر شر اَہون ہے، پس " اَہون البلیتین " کے قاعدہ کے تحت بھی جواز کی گنجائش دی جاسکتی ہے، قاعدہ ہے: "**یختار أهون الشرین**" (القواعد الفقہیہ المحمودہ: ۶۳)۔

ج- نیز دو چار سال کی کمی بیشی کو غلط بیانی یا دھوکہ دہی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ کسر عدد ہے اور کسر عدد کو گنتی میں عموماً عرفاً ساقط کر دیا جاتا ہے سیرت کی کتابوں میں اس کی مثال ملتی ہے، پس دو چار سال کی کمی بیشی کو سقوط کسر عدد کے قبیل سے مان کر اس کی گنجائش ہوگی، کتب سیرت میں اس کی دلیل ہے۔

" شمائل ترمذی " میں حضرت انسؓ سے ایک لمبی حدیث وارد ہے، جس کے الفاظ ہیں: "**فبعثه الله تعالی علی رأس أربعین سنة فأقام بمکة عشر سنین وبالمدینة عشر سنین فتوفاه الله تعالی رأس ستین سنة، ولیس فی رأسه ولحیته عشرون شعرة بیضاء**" (جامع الترمذی ۲ر۶۱۷، شمائل الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ) آپ ﷺ کی وفات ۶۰ سال کے شروع میں ہوئی، اس حدیث میں کسر عدد کو حذف کر دیا گیا ہے، چنانچہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علا قاریؒ نے " جمع الوسائل فی شرح الشمائل " میں لکھا ہے: "**فتوفاه الله تعالی أی قبض روحه علی رأس ستین سنة؛ لأنه یقضی أن یکون سنة ستین والمرجح أنه ثلاث وستون، وقبل خمس وستون، وجمع بأن من روی الأخبر عد سنتی المولد، والوفاة ومن روی ثلاثا لم یعدهما، ومن روی الستین لم یعد الکسر**" (جمع الوسائل فی شرح الشمائل رص ۱۵)، لہذا دو چار سال کی کمی بیشی کو دھوکہ دہی کے زمرہ میں نہیں لایا جائے گا، اور اس کو سقوط کسر عدد پر محمول کرتے ہوئے گنجائش دی جاسکتی ہے۔

۷- مخصوص لباس یونیفارم کا حکم:

آج کے اس مادہ پرستانہ دور میں لباس ایک ناک کا مسئلہ بن گیا ہے، اور وہ تہذیب وتمدن کی علامت بن گئی ہے، ہر لباس

اپنے پیچھے ایک تہذیب ایک تمدن رکھتا ہے، اسی وجہ سے ہر مذہب وادیان ہر مکتبہ فکر ہر پارٹی و جماعت اپنے لئے ایک مخصوص لباس وضع کئے ہوئے ہیں اور اپنے اہداف واغراض کو حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے لباس اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک ہے، ارشاد ہے:"**یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباسا یواری سواء ا تکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر من آیت اللہ لعلھم یذکرون**"(اعراف:۲۶)۔

آیت مذکورہ سے تین باتیں عیاں ہوتی ہیں:

۱-لباس کا اولین مقصد قابل شرم وحیاء والے حصوں کو ڈھانکنا ہے۔

۲-دوسرا مقصد موسمی تغیرات سے حفاظت اور زیب وزینت جمال کے لئے ہے۔

۳-تقوی پر مبنی ہو تفاخر کے طور پر نہ ہو اظہار شان کے طور پر نہ ہو۔

یہ تینوں باتیں جس لباس میں پائی جائیں گی وہ لباس التقوی کے دائرہ میں آئے گا اور اگر عورت کا لباس ہو تو اس میں مزید ایک چوتھی شرط عائد ہوگی۔

۴-لباس یا حجاب باپردہ ہو کہ وہ زیب وزینت کی جگہوں کو چھپانے والا ہو کہ یہ نصوص قطعی سے ثابت ہے،"**ولا یدنین زینتھن إلا ما ظھر منھا ویضربن بخمرھن علی جیوبھن**" (نور:۳۱)۔

لہذا مسلمانوں کے زیر انتظام ادارہ واسکول میں طلباء وطالبات کے لئے یونیفارم منتخب کرتے وقت ان ہی چار باتوں کا خیال کرتے ہوئے اعلی سے اعلی لباس و یونیفارم کا انتخاب کیا جاسکتا ہے کہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر مطلوبہ اہداف کو حاصل کیا جاسکے۔

مسلم انتظامیہ اسکول وتعلیم گاہوں میں غیر شرعی لباس مثلاً لڑکوں کے لئے نیکر اور لڑکیوں کے لئے اسکرٹ جس میں ستر عورت کا خیال نہ کیا جائے گھٹنے سے اوپر کے حصہ عریاں نظر آئیں، اسی طرح کے لباس کی قطعا گنجائش نہ ہوگی، چنانچہ حدیث پاک کے اندر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی ران ڈھانپنے کی اور کسی دوسرے کے ران کو نہ دیکھنے کی سخت تاکید فرمائی۔

"**عن علیؓ أن رسول اللہ ﷺ قال لہ یا علی لا تبرز فخذک ولا تنظر إلی فخذ حی ولا میت**" (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ ۲/ ۲۶۹، باب النظر إلی المخطوبۃ وبیان العورات)، اسی طرح صلیب کی مشابہت میں ٹائی پر مشتمل لباس کا اپنے اپنے اسکولوں میں رواج دینا ایک لمحہ فکریہ ہے اور فکری ارتداد کا غماز ہے، اس پر روک لگانا تنبیہ کرنا اور اس کے ضرر نقصانات کو واضح کرنا علماء کرام اور مسلم تنظیموں کی ذمہ داری ہے، تاکہ مسلم اسکول کم ازکم ان چیزوں سے محفوظ رہیں اور اسلامی کلچر کو عام کرنے کا مزاج بنائیں اور مغربی تہذیب وتمدن سے بچیں۔

البتہ اگر کسی دشواری کی وجہ سے والدین اپنی اولاد کو غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول میں تعلیم دلانے پر مجبور

ہوں تو اس اسکول کے قانون اور یونیفارم کا خیال کرنا بقدر ضرورت جائز ہوگا، اور بہتر ہوگا کہ والدین اپنی اولاد کو باقی اوقات میں اسلامی لباس کا عادی بنائیں، تاکہ اسکولی لباس کے اثرات سے یک گونہ حفاظت ہوسکے،"ماأبیح للضرورۃ تقدر بقدرھا" (القواعد الفقہیۃ المحمودۃ/۶۹)۔

۸، ۹-تعلیم کو نفع بخش تجارت بنانا:

موجودہ زمانہ میں قوم کے تعلیمی ادارے اپنے مقصد حقیقی سے الگ ہوگئے ہیں اور یا تو وہ اپنے مکتبۂ فکر اپنے خیالات و نظریات کے مبلغ بن گئے ہیں، یا پھر تجارتی مرکز بن گئے ہیں اور اسی لئے اس میں بھاری بھرکم مصارف مختلف فیس کے طور پر وصولے جاتے ہیں، نیز طلباء کے سرپرستوں اور طلباء کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے تزئین کاری یا تبلیغ کاری پر بھاری بھرکم مصارف خرچ کیا جاتا ہے اور یہ بھی طلباء سے ہی مختلف ناموں سے وصول کیا جاتا ہے، یہ ان اداروں کا شوق بھی ہوتا ہے اور مجبوری بھی ہوتی ہے، بعض دفعہ چاہے نا چاہے کرنا پڑتا ہے۔

طلباء سے جو فیس کے طور پر وصولا جاتا ہے وہ دراصل تعلیم کی فیس نہیں ہے تعلیم کا عوض نہیں ہے، بلکہ وہ اساتذہ کا محنتانہ ہے یا اساتذہ وعملہ کے حبس اوقات کی قیمت ہے یا پھر اسکول کے مکان وسہولیات سے مستفید ہونے کی قیمت ہے، پس یہ ادارہ کا حق ہے کہ ادارہ ان پیسوں کو جس کام میں مناسب سمجھے اس کو صرف کرنے کا حق ہوگا، البتہ اصراف وتبزیر کرنے پر ذمہ داران اسکول عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

رہی بات تعلیمی ادارہ کو نفع دینے والی تجارت بنانا تو یہ بات بھی عیاں ہے کہ آج کل اکثر وبیشتر ادارے تعلیمی سے زیادہ فنی تکنیکی ادارے کہلانے کے مستحق ہیں جس میں تعلیم کو بطور فن ٹکنالوجی صنعت کاری کے سکھائے جاتے ہیں، اس اعتبار سے تعلیمی اداروں کو فنی ٹکنالوجی صنعت کاری کے مراکز سمجھ کر بغرض تجارت بنالینا جائز ہوگا، اگر کوئی شخص اجرت پر کسی کو کوئی فن سکھاتا ہے تو عند الفقہاء جائز سمجھا جاتا ہے، اس پر تعلیمی ادارے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے اور گنجائش نکالی جاسکتی ہے، طلبا سے جو فیس وصولی جاتی ہے وہ دراصل تعلیم کا عوض نہیں ہے، بلکہ اساتذہ کا محنتانہ یا اساتذہ کے حبس اوقات کا عوض، یا اسکول کی سہولیات سے استفادہ کی اجرت ہوتی ہے، پس طلبا اسکول میں حاضر ہوں یا غیر حاضر استفادہ کریں یا نہ کریں، بہرصورت فیس واجب الاداء ہوگی، نیز طرفین کا ماہانہ متعینہ فیس کے اداء پر معاہدہ ہوتا ہے جس کا پورا کرنا دیانۃً واجب ہے۔

۱۰-عصری تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلباء کے لئے زکوۃ کی رقم کا حکم:

مصارف زکوۃ منصوص ہے اگر تعلیم حاصل کرنے والے طلباء واقعہ وہ ان غریب نادار فقراء میں سے ہیں جو مستحق زکوۃ ہیں اپنی غربت کی وجہ سے تو ان کو زکوۃ کا پیسہ مستحق زکوۃ ہونے کی بنا پر دیا جاسکتا ہے نہ کہ تعلیم کی بنا پر، کیونکہ تعلیم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، پس قوم کا ایک معتد بہ افراد اس فریضہ کو ادا کر رہی ہیں، پس غیر مستحق طلباء پر زکوۃ کے مد سے تعلیم دلانے کی گنجائش نہ ہوگی۔

۱۱-مشرکانہ ترانہ کا حکم:

بعض سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک پڑھوائے جاتے ہیں اور سوریہ نمسکار کرایا جاتا ہے، یا عیسائی مشنری اسکولوں میں فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے، کبھی لازمی طور پر تو کبھی ترغیبی طور پر یہ سب اعمال وافعال مشرکین کے شرک پر مبنی شعائر میں سے ہیں اور حکومت بھی آج کل خصوصا اس پر بہت توجہ دے رہی ہے اپنے کام کو ملک کو ترقی دینے کے بجائے ہندوانہ عقائد ونظریات کو ہی فروغ دینے میں کوشاں ہے اور جبرا مشرکانہ ہندوانہ مذہب کو ہر ایک پر تھوپنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، جبکہ قدیم وجدید میں خوب خوب اس پر بحثیں ہو چکی ہیں اور اس کے مشرکانہ ہونے کی بات عیاں ہو چکی ہے۔

لہذا بحیثیت امت مسلمہ ان سب چیزوں سے خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھ کر ایمان کی حفاظت کرنی ہوگی چاہے یہ ترانہ اسکول کی طرف سے لازم ہو یا حکومت کی طرف سے ہو مسلم قوم کا ایسے اسکول میں بچوں کو داخل کرانا شرک میں مبتلا کرنا ہے جس کی بحیثیت امت مسلمہ قطعا گنجائش نہ ہوگی۔

الحمد اللہ مسلم قوم وطن عزیز میں ایک باحیثیت خود کفیل قوم ہے وہ اتنے مجبور ولاچار و تہہ دست نہیں ہیں کہ جانتے بوجھتے اپنی اولاد کو شرک کے قریب کریں، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے ادارہ میں اپنی اولاد کو داخلہ ہرگز ہرگز نہ کروائیں اور اگر داخلہ ہو تو فورا اس کا متبادل تلاش کریں، الحمد للہ ایسے مشرکانہ نظام سے پاک اسکول بہت ہیں، تھوڑے سے مالی بچت کے خاطر شرک کو برداشت قطعا نہ کیا جائے، نیز مسلم قوم مسلم تنظیموں پر واجب ولازم ہے کہ قوم کے ہونہار طلبہ کی تعلیم کا بندوست کریں اور شرک سے پاک نظام تعلیم فراہم کریں، اور جگہ جگہ ایسے ادارے قائم کریں اور قوم کے ایمان کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائیں، الحمد للہ لاکھوں مدرسے واسکول بغیر حکومت کی معاونت کے چل رہے ہیں، مزید ایسے ادارے اور چلانے کی سکت بھی ہے پس ایسی کوئی مجبوری وضرورت نہیں ہے کہ ان مشرکانہ اداروں سے استفادہ کیا جائے یا مالی فائدہ کے لئے ایسے ادارے چلائے جائیں۔

مسلم قوم کے لئے زیادہ منافع زیادہ داخلے کی لالچ میں یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے ایسے مشرکانہ پروگرام پر مبنی نظام بنانے کی بھی قطعا گنجائش نہ ہوگی، بہتر ہے کہ ایسے ادارے بند کر کے کوئی کمپنی یا کاروبار چلا لیا جائے، ان مشرکانہ نظام پر ذرا برابر ہی لچک کی قطعا گنجائش نظر نہیں آتی ہے، بے شمار دلائل دیئے جاسکتے ہیں طوالت کے خوف سے تعارض کیا جاتا ہے۔

”عن تواس بن سمعانؓ قال : قال رسول اللهﷺ: لا طاعة لمخلوق فی معصية الله“ (رواہ شرح السنۃ)۔

۱۲-بچوں کو جنسیات کی تعلیم کا حکم:

عالمی سطح پر جو رجحان بڑھتا جا رہا ہے بچوں کو جنسیات کی تعلیم دلائے جانے کا اور وہ آج کل بڑی تیزی سے پروان چڑھتا جا رہا ہے، بعض اداروں میں اس کو لازم کر دیا گیا حکومت وذمہ داروں کی طرف سے اس کے جو بھی مقاصد واغراض ہو، لیکن وہ نصاب

کی کمزوری اور طریقہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے اس سے فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہورہا ہے اور مشاہدہ ہے کہ جنسی تعلیم کے نام پر برتھ کنٹرول کی تعلیم دی جارہی ہے جو سراسر ظلم و ناانصافی ، بلکہ نسل کشی کی کوسراہنے کے مترادف ہے، جس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، مسئلہ ہذا میں حکومت کے اہداف و مقاصد پر تو کلام نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کے غلط طریقہ تدریس، مضر نصاب تعلیم، اس کے فوائد و نقصانات پر بات کر کے اس کے مفید طریقہ کی طرف توجہ دلائی جاسکتی ہے۔

لہذا اگر کسی ادارہ میں منتظمین یا اہل حکومت کی طرف سے غیر تصحیح شدہ مروجہ جنسی تعلیم کو لازم کردیں تو طلباء کو چاہئے کہ اس میں دلچسپی نہ لیں اور والدین اس کا متبادل تلاش کریں، اور متبادل نہ ملنے تک بچے کی تعلیم کو جاری رکھیں، "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت انشاء اللہ معفو عنہ ہوں گے اس کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

البتہ مسلم نمائندوں کو اور تعلیمی وملی تنظیموں کو ماہرین تعلیم کو اس سلسلہ میں پیش قدمی کرتے ہوئے ایسے نصاب تعلیم تیار کرانا از حد ضرور ہے جس میں مکمل طور پر پاکی ناپاکی، حلال وحرام کی تمیز کے ساتھ مفید و مضر چیزوں کی طرف نشاندہی ہو اور کلاس کے اعتبار سے مرحلہ وار ہو، اس سلسلہ میں مفید نصاب، ماہرین معلم کی ایک خلا ہے جس کو پر کرنا از حد ضروری ہے، الحمد للہ دین اسلام ایک ایسا جامع دین ہے جس میں تمام طرح کی رہنمائی موجود ہے اور آپ ﷺ نے زندگی کے تمام مسائل حتی کہ ذاتی اور جنسی مسائل صحابہ کرام کو کھول کھول کر بتایا ہے، اس طرح کا نصاب تیار نہ ہونے کی وجہ سے اسکول میں پڑھنے والے بہت سے طلباء پاکی ناپاکی حلال وحرام جیسے اہم امور سے غافل ہوتے ہیں، واقعی یہ ایک خلا ہے جس کو پر کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

۱۳، ۱۴-ثقافتی پروگرام کا مسئلہ:

تعلیمی اداروں میں تفریحی پروگرام یا ثقافتی پروگرام چلانے کا عام رواج بنتا جارہا ہے اور جس کے خاطر خواہ فوائد بھی ہوتے ہیں، اور یہ تعلیم کا ایک ہی حصہ مانا جاتا ہے اور جس طرح طلباء کے لئے مفید ہوتے ہیں طالبات کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں، پس اختلاط سے بچتے ہوئے طالبات کا ان چیزوں میں شرعی حدود کے دائرہ میں رہتے ہوئے حصہ لینے کی گنجائش ہوگی اور اختلاط سے بچتے ہوئے پروگرام کو انجام دینے کی گنجائش ہوگی۔

۱۵-تعلیم میں تصاویر و مجسموں کا سہارا لینا:

آج کل اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں تعلیمی مقاصد کے لئے تفہیم کے لئے ڈیجیٹل تصاویر سے سہارا لیا جاتا ہے، اسی طرح پلاسٹک لکڑی یا پتھر کے مجسموں کے ذریعہ بھی سہارا لیا جاتا ہے اور اس کو جدید طریقہ تعلیم میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے، جدید فقہاء کرام کے درمیان بغیر نقش کے ڈیجیٹل تصاویر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے جس میں ایک جماعت اس کو تصاویر مان کر حرمت کی قائل ہے تو دوسری طرف ایک جماعت اس کو ایک محفوظ شدہ عکس مانتے ہوئے اس کے جواز کی قائل ہے، تعلیمی ضرورت کی بنا پر عموم بلوا کی بنا پر موخر الذکر جماعت کے دلائل پر بھروسہ کرتے ہوئے تعلیم میں تصاویر سے سہارا لینے کی گنجائش دی جاسکتی ہے، نیز

پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے جو جاندار کے شکل کے ہوتے ہیں بغرض تعلیم اس سے بھی سہارا لیا جاسکتا ہے،لیکن بہتر ہے کہ یہ مجسمے ادھورے ہوں مکمل نہ ہوں اس سلسلہ میں چند دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

الف-''**وفی درالمختار قال: ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ إلی قولہ أو مقطوعة الرأس والوجہ أو ممحوۃ عضوء لا تعیش بدونہ**'' (درمختار باب مکروہات الصلاۃ ۶۴۸/۷)۔

کلاس روم میں جو تصاویر یا مجسمے ہوتے ہیں وہ بغرض تعلیم ہوتے ہیں نہ کہ بغرض تعظیم اور اس میں تعظیم کا پہلو بھی نہیں ہوتا ہے،نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصاویر جو موجودہ زمانہ میں رائج ہے اور عموم بلوی بن چکا ہے اور یہ عام وخاص اس فتنہ میں مبتلا ہے اس کو تصویر کے دائرہ میں لاکر حرمت کا حکم لگانا قابل غور ہے،جبکہ احادیث وآثار وصحابہ فقہاء کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں،چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے تصویر والے پردے کو پھاڑ دیا،حضرت عائشہؓ نے اس کے دو تکئے بنادیئے جس پر آپ ﷺ تشریف رکھا کرتے تھے،''**فجعلناہ وسادۃ أو وسادتین**'' (بخاری ۸۸۰/۲)۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ تصاویر والے کپڑے کو اہانت کی جگہ میں استعمال فرماتے تھے،ایک اور حدیث ترمذی شریف میں ہے، حضرت ابوطلحہؓ اور سہل بن حنیفؓ سے مروی ہے، اس میں الفاظ مذکور ہیں:''**الا ماکان رقما فی الثوب**'' (ترمذی ۳۰۵/۱)، نیز فقہ کی کتابوں میں ہی فرش یا بستر وغیرہ کے تصاویر کو استثنی کرکے تصویر کی حرمت کا حکم مذکور ہے،امام محمدؒ کا قول ہے:

''**ما کان فیہ من تصاویر من بساط یبسط أو فراش یفرش أو وسادۃ فلا بأس بذلک**''، نیز تصویر کی حرمت کے سلسلہ میں فقہ کی کتابوں میں جو علت ذکر کی گئی ہے،تعظیم اور آلات شرک کا ہونا یہ علت بھی یہاں مفقود ہے، پس ان احادیث اور اقوال فقہاء اور عدم علت اور عموم بلوا کی وجہ سے بغرض تعلیم تصویر یا تصویر والی کتابوں کا سہارا لینے کی گنجائش ہوگی۔

اسی طرح بعض دفعہ پلاسٹک یا لکڑی یا پتھر کے مجسموں سے تعلیمی سہارا لیا جاتا ہے،تو بغرض تعلیم ہی اس کی اجازت دی جاسکتی ہے،لیکن بہتر ہے کہ وہ مکمل شکل وصورت والے نہ ہوں بلکہ ادھورے ہوں، چنانچہ حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیلتی تھیں اور آپ ﷺ منع نہیں فرماتے تھے (ملاحظہ ہو مشکوۃ: ۲۸۲/۲)۔

چنانچہ بعض فقہاء کرام نے اس حدیث کی بنا پر اور فقدان علت حرمت تصاویر کی بنا پر گڑیوں وغیرہ سے کھیلنے کو جائز قرار دیا ہے کہ وہ مظنۃ الاستخفاف ہے، بنابریں بغرض تعلیم ہی مظنۃ للاستخفاف پایا جاتا ہے، لہذا اس کی ہی اجازت ہونی چاہئے، نیز بعض ڈپارٹمنٹ مثلاً ڈاکٹری وغیرہ کے کلاسیز میں اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے، پس ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے قاعدہ کے تحت گنجائش دی جاسکتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور دلیل بھی دی جاسکتی ہے وہ یہ کہ ماہرین تعلیم و ماہرین نفسیات کی رائے ہے کہ تعلیم کا دو طریقہ مروج

ہے، ایک طریقہ ہے اسکرین یا فوٹو یا تصویر وغیرہ سے دیکھ کر اور سن کر تعلیم حاصل کرنا اور دوسرا طریقہ ہے نظر سے کتابوں سے الفاظ کو پڑھ کر حاصل کرنا، ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ اول الذکر میں Soft Copy ہوتی ہے، یعنی اس کے اثرات دل و دماغ پر سرسری پڑتے ہیں، اور اس کے نقش دیرپا نہیں ہوتے ہیں، جبکہ مؤخر الذکر طریقہ دل و دماغ پر گہرا نقش چھوڑ دیتے ہیں اور اسی لئے اب مغربی یونیورسٹیوں میں مؤخر الذکر طریقہ کو ہی اختیار کیا جانے لگا ہے، پس ماہرین علم نفسیات کے مطابق تصاویر و مجسموں کو علم کا آلہ بنانے سے اس کے نقش پا و اثرات دل و دماغ پر گہرے نہیں پڑتے ہیں، لہذا اس کی اجازت کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

۱۶-امور خانہ داری کی تعلیم کا حکم:

خالق کائنات نے اپنی بے پناہ حکمتوں و مصلحتوں سے اس دنیا کو بنایا ہے اور ہر چیز میں توازن رکھا ہے اور ہر ایک کے کام کی ذمہ داریاں الگ الگ رکھی گئی ہیں اور اس کے مطابق ہر ایک کو الگ الگ صلاحیتیں ودیعت کی ہے، چنانچہ عورت و مرد کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں، اور ان کو ان کے مطابق صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں، اور تعلیم کا مقصد بتایا جاتا ہے، فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا پس اگر تعلیم کے ذریعہ ان کی فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے اور تعلیم میں ان کی فطری صلاحیتوں کا خیال کیا جائے تو اس کے مفید اثرات مرتب ہوں گے۔

نیز یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ طلباء و طالبات کے جسمی ساخت عقلی پروان بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، پس ان کو ان کے جسم و عقلی سطح اور فطری پسند کے مطابق اگر تعلیم دی جائے تو اس کے فائدہ اور اثرات و ثمرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لہذا حکومت و تعلیمی اداروں کو چاہئے کہ ان کے جسم و عقل و فطرت مزاج و مذاق کے مطابق انتخاب شدہ مضامین پر مشتمل نصاب بنائے اور یہ چیزیں افضل و بہتر کے درجہ میں ہوں گی نہ کہ واجب و لازم کے درجہ میں، کیونکہ سلائی کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت و تربیت کی ذمہ داری والدین پر اولیاء پر لازم ہے نہ کہ تعلیمی اداروں پر، پس لڑکیوں کو امور خانہ داری کی ضروری تعلیم سلائی کڑھائی کی گھریلو تعلیم کی ذمہ داری والدین و اولیاء پر لازم و ضروری ہے اور تعلیمی اداروں پر بہتر و افضل ہوگا۔

۱۷-نصاب تعلیم میں کن امور کا لحاظ ہو:

موجودہ زمانہ میں تعلیم کی ضرورت کس قدر ہے یہ بات عیاں ہے اور تعلیمی ادارہ کس کس طرح سے دین بیزار اور اپنے اپنے ملحدانہ فکر و خیال کے لئے کوشاں ہیں، کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اور مسلم امت اس سلسلے میں کتنے پیچھے ہے یہ بات بھی عیاں ہے، قلمی کمزوری نے ہمیں یہاں تک لا کھڑا کر دیا ہے کہ ہم اپنے عقائد و اخلاق سے دوسروں کو متاثر کرنے کے بجائے دوسروں کے عقائد نظریات سے متاثر ہو رہے ہیں اور دشمنان اسلام کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ جس طرح امت مسلمہ دین کی حفاظت کے لئے مدارس و مکاتب اور دینی اداروں پر توجہ مبذول کر رہی ہے، اسی طرح ان عصری اداروں اور اسکولوں کی طرف بھی توجہ مبذول کرنا ضروری ہے، اور یہ کام بھی دین کی ایک عظیم خدمت شمار ہوگا۔

موجودہ مروجہ دینی تعلیم مدارس کے ایجاد سے پہلے دینی و دنیاوی، یعنی دینی وعصری تعلیم کی کوئی تحدید نہیں تھی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ضم تھے، کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن دینی تعلیم کا علاحدہ بندوبست سے عصری تعلیم الگ ہوکر دینی اداروں سے عصری تعلیم اورعصری اداروں سے دینی تعلیم مفقود ہوگئی جس سے بے شمار مسائل پیدا ہونے لگے ہیں۔

امت کو جس طرح ایک دین دار عالم فاضل مبلغ داعی کی ضرورت ہے، اسی طرح ایک دین دار ڈاکٹر انجینئر عصری تعلیم کے ماہرین کی بھی ضرورت ہے، امت پر فرض کفایہ کے طور پر لازم ہے کہ مروجہ نصاب تعلیم پر غور وفکر کریں اور ایسے نصاب تیار کریں جس میں دونوں باتوں کا لحاظ ہو جس میں عصری اداروں میں نصاب میں دین کے مبادیات کے علم کا احاطہ ہوجائے، نیز عقائد عبادات طہارت ونجاست حلال وحرام خیر وشر کی تمیز، حسن اخلاق، معاملات کا علم وغیرہ بھی ہو، نیز دین اسلام اور ادیان عالم کا تقابل فرق باطلہ کا تعارف ودجل وفریب سے آگاہی بھی شامل نصاب ہوتا کہ نت نئے فتنوں سے حفاظت ہو سکے۔

اس سلسلہ میں ایک قیمتی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مسلم تنظیموں وسوسائیٹیوں کے لئے یہ ایک سنہرہ موقع ہے دین کی خدمت کا کہ جگہ جگہ اپنی سہولت کے مطابق اسکول میں پڑھنے والے طلباء کے لئے اقامتی ہوسٹل قائم کردیا جائے، تاکہ عصری اداروں کے طلباء اسکول کے اوقات کے علاوہ باقی اوقات ان اقامتی اداروں میں گزاریں، اور اس کا ماحول مکمل طور پر دینی ماحول ہو، دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کے عصری علوم میں مدد ومعاون بنیں اگر اس طرح کے اقامت گاہ قائم ہوجائیں تو یہ مغربی لادینی تعلیم کے لئے تریاق ہوگا، اور ان عصری درسگاہوں میں علوم حاصل کرنے والے طلباء کے لئے دینی تعلیم وتربیت کے خلا کو بھی پر کیا جاسکے گا۔

۱۸-جنس مخالف استاذ کا مسئلہ:

عورت مرد کے عدم اختلاط، پردہ کا شرعی حکم شریعت اسلامیہ کا ایک منصوص مسئلہ ہے جس کی کچھ تفصیل ماقبل میں مخلوط تعلیم کے ضمن میں گذر چکی ہے، اور یہ حکم ہر ایک کے لئے ہر حال میں ہے، چاہے وہ معلم ہو معلمات ہوں۔

البتہ کسی ضرورت کی بنا پر چاہے مالی تقاضہ ہو یا انتظامی تقاضہ ہو موافق جنس استاذ نہ ملنے پر مخالف جنس اساتذہ سے استفادہ وافادہ میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ یہ استفادہ وافادہ شرعی حدود میں رہ کر ہی ہو، شرعی حدود میں میں رہ کر مخالف جنس اساتذہ سے استفادہ کی گنجائش شریعت اسلامیہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں، چنانچہ دین کا ایک معتد بہ حصہ ازواج مطہرات کے واسطے سے امت تک پہنچا ہے، صحابہ کرامؓ کے بہترے مسائل شرعی حدود میں رہ کر ازواج مطہرات امہات المومنین سے استفادہ کرتے تھے، جس کی بہترے مثالیں کتب احادیث وکتب سیرت میں موجود ہیں، مثلاً بخاری شریف ''باب الغسل بالصاع'' کے تحت روایت درج ہے جس میں ام المومنین عائشہؓ صحابہ کو پردہ کے پیچھے سے غسل کا عملی طریقہ سمجھا رہی ہیں۔

''قال حدثنی ابوبکر بن حفص قال سمعت أبا سلمة يقول دخلت أنا وأخوعائشة على عائشة

فسألها أخوها عن غسل رسول الله فدعت بإناء نحو من صاع فاغسلت وأفاضت على رأسها وبيننا وبينها حجاب"(بخاری/۲۹)۔

۱۹- معائنہ کرنے والوں کو رشوت دینے کا حکم:

اسکول کی تعلیمی سرگرمیاں اور دوسرے امور کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی جانب سے وقتاً فوقتاً معائنہ کرنے والے آتے رہتے ہیں اور وہ مختلف چیزوں کا معائنہ کرتے ہیں ان کا یہ معائنہ کرنا بہت سارے فوائد پر مبنی ہوتا ہے، ان کی طرف سے اگر کسی معقول نقص وکمزوری کی طرف نشاندہی ہورہی ہو تو اسکول کے ذمہ داران پر تعمیل حکم کرنا ضروری ہے اور اس کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی کہ رشوت دے کر معاملات کو دبا دیا جائے چنانچہ حدیث میں ہے:

"**عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی فی الحكم**"(جامع الترمذی ۱/۲۴۸)۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے:"**عن عائشةؓ قالت : قال رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی فی النار**"(تلخیص الجبیر لابن حجر ۴/۲۹۳)۔

البتہ اگر معائنہ کرنے والے حضرات رشوت خور اور رشوت کا طالب ہو اور نہ دینے کی صورت میں ناحق جانی یا مالی یا دستاویزی پریشانی کا قوی اندیشہ ہو تو رشوت دے کر اسکول کو بچایا جاسکتا ہے۔

چنانچہ ضرورت کی بنا پر رشوت دینے کو فقہاء کرام نے جائز لکھا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنی کتاب "جدید فقہی مسائل ۱/۴۵۵" پر اس کے جواز پر کلام کرتے ہوئے دو دلیل کا تذکرہ کیا ہے۔

الف- آپ ﷺ بعض شر پسند شعراء کو اس لئے کچھ دے دیا کرتے تھے کہ وہ بے ہودہ ہجو پر مبنی اشعار کہتے، تاکہ مسلمانوں کو بدنام کرنے سے اجتناب کریں۔

نیز رقم طراز ہیں: رشوت دینے کی گنجائش کب ہوگی؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے یہ اصول متعین کیا ہے کہ اگر رشوت نہ دیتے تو ناحق طریقہ پر اس کو جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ جس ذمہ دار کے پاس اس کی درخواست زیر غور ہے وہ اس کے ساتھ انصاف سے کام نہ لے گا اور اس کے اور دوسرے امیدواروں کے درمیان مساویانہ سلوک روا نہیں رکھے گا، چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"**الرشوة لخوف على نفسه أو ماله أو يسوى أمره عند السلطان أو أمير**"(جدید فقہی مسائل ۱/۴۵٦)

(جان یا مال پر خوف کی وجہ سے، نیز اس لئے کہ سلطان یا امیر اس کے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہ کرے رشوت دینے کی گنجائش ہے یہ ممنوع صورتوں سے مستثنی ہے)۔

پس اسکول کو مالی نقصان یا منسوخی سے بچانے کے لئے رشوت دینا بھی ممنوع صورتوں سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے، اسی طرح سے ''فتاوی شامی'' میں ذکر ہے:

''**ولا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه، وفی الشامية دفع المال للسلطان الجائز لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعنی فی حق الدافع**''۔

پس مالی نقصان سے یا حاکم کے ظلم سے اسکول کو بچانے کے لئے معائنہ کاروں کو رشوت دینے کی صورت میں وہ رشوت نہیں شمار ہوگی، اور اس کی گنجائش ہوگی۔

☆☆☆

سرکاری اسکولوں میں بچوں کی تعلیم

مفتی تنظیم عالم قاسمی☆

۱-عصری اداروں کے قیام کی شرعی حیثیت:

تعلیم کی جس قدر تاکید اسلام نے کی ہے دنیا کے دیگر مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی ۔قرآن کا پہلا لفظ ہی ''اقرأ'' سے شروع ہوا ہے جس سے حصول علم کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ''کتاب العلم'' کے نام سے مستقل باب قائم کیا گیا ہے جس میں مختلف انداز میں حصول تعلیم پر ابھارا گیا ہے۔ تعلیم سے متعلق جتنے نصوص وارد ہیں ان میں دینی اور عصری تعلیم کا فرق نہیں ہے، بلکہ وہ دونوں طرح کے علوم کو شامل ہیں ۔جس طرح یہ نصوص علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام وغیرہ علوم شرعیہ کو شامل ہیں ویسے ہی علوم دنیویہ، یعنی حساب، سائنس، طب، سیاست، زراعت، تجارت، ٹکنالوجی اور دیگر فنون پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے، ''الموسوعۃ الفقہیہ للکویت'' میں ہے:

''والتحقِيق حمل العِلمِ فِی الحدِيثينِ السابِقينِ على المعنى العامِ، فيشمل علوم الشرعِ: عِلم الكلامِ، والفِقهِ، والتفسِيرِ، والحدِيثِ، وعلوم الدنياومِنها الزِراعة، والصِناعة، والسِياسة، والحِرف، والطِب، والتِكنولوجيا، والحِساب، والهندسة وغير ذلکِ مِن أنواعِ العلومِ، وما يرتبِط بِهِ مصالِح امورِ الدنيا'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۸/۱۳)۔

جنگ بدر کے قیدیوں سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو پڑھنا لکھنا جانتا ہو وہ مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے یہی ان کا فدیہ ہے، ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم شرعیہ نہیں تھا، بلکہ دنیوی اور عصری علوم جو اس وقت رائج تھے ان کے پڑھانے کا حکم دیا گیا تھا، اسلام کا دائرہ جب وسیع ہوا اور رسول اکرم ﷺ کے پاس عبرانی زبان میں خطوط آنے لگے تو آپ ﷺ نے اس ضرورت کے تحت حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کی ہدایت دی (ترمذی) آپ ﷺ کے ارشاد: ''**اطلبو العلم ولو بالصين**'' (علم طلب کرو اگر چہ چین میں ہو) سے یہ موقف مزید واضح ہوتا ہے، اس لئے کہ چین کی زبان الہامی یا قرآن کی زبان نہیں ہے، لیکن ضرورت پڑنے پر اس کے حاصل کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

☆ استاذ حدیث، دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

اسی وجہ سے اکابر واسلاف نے عصری علوم وفنون کے سیکھنے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی، بلکہ بعض اکابر نے خود بھی سیکھا، چنانچہ مولانا عنایت رسول چریا کوٹی کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد عبرانی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اس کے لئے وہ کلکتہ تشریف لے گئے اور کئی سال رہ کر علماء یہود سے عبرانی زبان سیکھی اور اچھی استعداد پیدا کی۔ چڑیا کوٹ ہی کے ایک اور بزرگ قاضی غلام مخدوم کو علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد سنسکرت کا شوق پیدا ہوا اور اچھی مہارت پیدا کی، بنارس جو اس زبان کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے، یہاں ماہران سنسکرت میں امتیازی مقام حاصل کیا (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ۲/ ۴۰ تا ۴۵)۔

انگریز کے زمانہ میں جب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے انگریزی کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے متعلق فتویٰ لیا گیا تھا تو انہوں نے بزور کہا: ''جاؤ انگریزی کالجوں میں پڑھو اور انگریزی زبان سیکھو شرعاً ہر طرح جائز ہے'' (دینی مدارس اور عصر حاضر صفحہ ۴۷) سرخیلِ دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک تقریر میں عصری علوم وفنون سے متعلق اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: ''اس کے بعد (یعنی دینی علوم سے فراغت کے بعد) اگر طلباء مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جاکر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ہوگی'' (روداد ۱۲۹۰ھ صفحہ ۱۲)۔ اسی طرح حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے خطبۂ افتتاحیہ میں فرمایا تھا: ''آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوم کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا'' (موج کوثر صفحہ ۹۰)۔

البتہ نافعیت اور ضرورت کے اعتبار سے علم کی تقسیم کی گئی ہے۔ علوم شرعیہ کا اتنا سیکھنا جن سے ایک شخص دین پر چل سکے ان کا سیکھنا فرض عین ہے اور فقہ وتفسیر میں تعمق پیدا کرنا فرض کفایہ ہے، چونکہ اس کی ہر ایک کو ضرورت نہیں' کچھ لوگوں نے سیکھ لیا تو بھی ضرورت پوری ہوجائے گی۔ اسی طرح علوم دنیویہ کا سیکھنا بھی ضروری ہے اس کے بغیر دنیا میں انسان ضرورت پوری نہیں کرسکتا، مگر بعض افراد کے سیکھنے سے دیگر لوگوں کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے جیسے ڈاکٹری' حساب وکتاب' فلسفہ' ٹکنالوجی وغیرہ۔ لہذا ان کے لئے ایسے ادارے قائم کرنا واجب علی الکفایہ ہے جن میں مسلمانوں کو عصری علوم کی بہتر سے بہتر تعلیم دی جائے اور ان سے ایسے افراد پیدا ہوں جو دین سے وابستہ رہتے ہوئے امت کی ضرورت پوری کرسکیں۔ خاص کر موجودہ حالات میں جب کہ مذہبی تعصب بڑھتا جارہا ہے اور ہر شعبے میں مسلمانوں کا استحصال ہورہا ہے دنیوی علوم وفنون میں مسلمانوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے تاکہ نیچے سے لے کر اوپری سطح تک اہل ایمان کو ضرر سے بچایا جاسکے۔ میڈیکل لائن میں لوگ من مانی کررہے ہیں اور اسے ہمدردی اور انسانیت کی خدمت کے بجائے دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے' غیر مسلم ڈاکٹروں سے امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم برتاؤ کریں گے اور استحصال سے باز آئیں گے، ان کی لاپرواہی سے بہت سی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں اگر دین دار مسلمان اس شعبے میں آئیں گے تو یقیناً اس میں تبدیلی آئے گی۔ اسی طرح محکمۂ پولیس کا مسلمانوں پر ظلم مخفی نہیں کیونکہ اعلی سے اعلی عہدوں پر وہی لوگ فائز

ہیں جس کی وجہ سے مسلمان پیٹے جا رہے ہیں اور کوئی بولنے والا نہیں، اگر ان عہدوں پر مسلمان بھی آجائیں تو تمام لوگوں کو راحت ملے گی اور سارے لوگ ظلم سے بچ سکیں گے۔ یہی حال تقریباً تمام عصری شعبوں کا ہے، اس لئے جس طرح قرآن نے تفقہ فی الدین کے لئے ضرورت کی بنیاد پر چند لوگوں کو سیکھنے کا حکم دیا ہے ویسے ہی ان علوم کا سیکھنا اور ان کے لئے اتنے اداروں کا قائم کرنا بھی ضروری ہوگا جن سے مسلمانوں کی ضرورت پوری ہو سکے جس کو فقہاء کے یہاں واجب علی الکفایہ کا درجہ دیا گیا ہے۔

”وقد يكون التعلم فرض ِكفاية، وهو تعلم كل عِلم لا يستغنى عنه فِي قِيامِ أمورِ الدنيا كالطِبِ والحِسابِ والنحوِ واللغةِ والكلامِ والقِراءاتِ وأسانيدِ الحدِيثِ ونحوِ ذلكِ“ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳ / ۸)۔

۲-اسکولوں میں غیر شرعی مضامین کا پڑھانا:

دین وشریعت مقدم ہے اس لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خود اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت کا انتظام کریں۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے اپنے بچوں کا ان اسکولوں میں داخل کرنا جائز نہیں جہاں دہریت کی تعلیم دی جاتی ہو اور جہاں خدا بیزاری سکھائی جاتی ہو۔ اسی لئے مسلمانوں کو عصری ادارے کھولنے کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ مسلم بچوں کا ایمان باقی رہ سکے اور وہ دینی ماحول میں رہتے ہوئے دنیوی تعلیم حاصل کر سکیں، لیکن اگر یہاں بھی غیر شرعی افکار ومضامین کی تعلیم دی جائے تو ان اداروں کے قیام کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے زیر انتظام چلنے والے اسکولس اور کالجس میں ایسی کتابوں کو نصاب میں داخل نہ کریں جن سے ایمان واخلاق پر ضرب پڑتی ہو۔ انہیں چاہئے کہ اپنے اداروں میں دینیات کو داخل کریں جن سے بچہ دنیا کے ساتھ ساتھ اپنے خالق اور مالک کو بھی پہچان سکے اور اتنا دین سیکھ لے جس سے وہ اسلامی احکام پر عمل کر سکے۔ ایسے مضامین پڑھائے جائیں جن سے بچوں کے اخلاق بلند ہوں اور ان کے مزاج میں ادب، ہمدردی، انسانیت پیدا ہو، اس لئے کہ یہ امر مسلّم ہے کہ بچپن میں جو چیز ذہن ودماغ میں بیٹھ جاتی ہے اس کا اثر زندگی بھر باقی رہتا ہے، بعد میں یہی بچے خدا بیزار ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک وشبہات ذہن میں پیدا ہونے لگتے ہیں، اسی لئے احادیث میں بچوں کو سب سے پہلے کلمۂ لا الہ الا اللہ سکھانے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرانے کا حکم دیا ہے۔

عصری اداروں میں غیر اخلاقی اور غیر شرعی مضامین کا پڑھانا عام حالات میں جائز نہیں ہے، لیکن اگر حکومت کی جانب سے انصاب میں ان چیزوں کو شامل کر دیا جائے اور وہ اختیاری نہ ہوں، بلکہ لازم ہوں، ان کا امتحان بھی ہوتا ہو، حکومت کی جانب سے کڑی نظر ہو، نہ پڑھانے پر کارروائی کی جاتی ہو تو دو شرطوں کے ساتھ ان کو پڑھایا جا سکتا ہے۔ اوّلاً بقدر ضرورت ہی پڑھایا جائے۔ صرف اسی قدر جس سے کام چل جائے اور ان مضامین کا طلبہ امتحان دے سکیں۔ ثانیاً ان مضامین کو پڑھانے کے ساتھ ہی طلبہ کو بتا دیا جائے کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اس کی یہ خرابیاں ہیں، اخلاقی اعتبار سے ان چیزوں کی کوئی گنجائش نہیں اور پھر اسلامی تعلیمات بھی ان کے سامنے رکھیں، اس طرح دونوں کام ہو جائے گا، نصاب کی تعلیم بھی اور اسلامی احکام سے واقفیت بھی اور ان مضامین کے غلط

اثرات سے طلبہ محفوظ بھی رہیں گے۔

ضرورت کی وجہ سے بعض ممنوعات میں گنجائش پیدا ہوجاتی ہے، جیسے میڈیکل انشورنس عام حالات میں درست نہیں، لیکن سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے اگر لازم کردیا جائے تو بعض شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے۔اس لئے کہ جب دو نقصانات سامنے ہوں تو اخف کو برداشت کرلیا جاتا ہے۔ یہاں ان مضامین کو شامل نصاب نہ کیا جائے تو گورنمنٹ کی منظوری حاصل نہیں ہوگی اور مسلمان طلبہ پھر عصری دوڑ میں شامل نہیں ہوسکیں گے اور اس طرح مسلمانوں کا اجتماعی نقصان ہوگا جو بڑا نقصان ہے اس لئے اس نقصان سے بچنے کے لئے جزوی طور پر غیر اخلاقی اور غیر شرعی افکار کی تعلیم کا چھوٹا نقصان قبول کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کے ازالہ کی شکلیں بھی اسکول کے ذمہ داروں کے پاس موجود ہیں۔

"الضرورات تبيح المحظورات إذا ضاق الامر اتسع .وما ثبت لِلضرورةِ تتقدر بِقدرِها.اِذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما"۔

۳-سرکاری اسکولوں میں بچوں کو تعلیم دلانا:

سرکاری اسکولوں میں جہاں غیر شرعی افکار اور مخرب اخلاق چیزوں کی تعلیم دی جاتی ہو وہاں ایک مسلمان کے لئے اپنی اولاد کو داخل کرنا جائز نہیں' اس لئے کہ ایمان کی حفاظت سب سے مقدم ہے۔قرآن وحدیث میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا سکھائیں' ان میں شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کریں' ان کو دین کا سچا سپاہی بنائیں اور جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کریں۔اس طرح کے اسکولوں میں جانے سے شریعت سے نفرت پیدا ہوگی اور خدا بیزاری بھی اور وہاں کا انتظام وانصرام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہونے کی وجہ سے اس پر قابو پانا بھی مشکل ہے، البتہ اگر گھر میں الگ سے دینی وشرعی علوم کے پڑھانے کا مستقل نظم ہو جس سے بچوں کے ذہن ودماغ کو دینی تعلیم وافکار سے آراستہ کیا جاتا ہو اور سرکاری یا غیر مسلم اسکولوں میں دی جانے والی تعلیم وماحول کے مضر اثرات کے ازالے کا مکمل یقین ہو تو ان میں داخل کرنے کی گنجائش ہے، لیکن والدین اور سرپرستوں پر واجب ہوگا کہ ان کے افکار وخیالات کا جائزہ لیتے رہیں اور جہاں بھی کسی تبدیلی کا احساس ہو ان کی ذہن سازی کریں۔

۴-مخلوط نظام تعلیم کی بعض صورتیں:

بہتر تو یہ ہے کہ لڑکیوں کے ادارے شروع سے ہی علیحدہ ہوں، تاکہ اختلاط کا مزاج پیدا نہ ہو اور آغاز سے ہی لڑکوں سے دور رہنے کی عادت رہے۔اس سے لڑکیاں بعد میں چل کر باحیا ہوتی ہیں اور مردوں کے ساتھ ملنے جلنے میں انہیں تکلف ہوتا ہے، یہ لڑکیوں کی عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے معاون ہوتا ہے۔تاہم اگر اسکول میں اس کی گنجائش نہ ہو، اساتذہ اور کلاس روم کی کمی ہونے کے سبب انتظامیہ علیحدہ نظم کرنے سے قاصر ہو تو لڑکیوں کو مشتہاۃ ہونے سے قبل تک لڑکوں کے ساتھ بٹھا کر تعلیم دی جاسکتی ہے،

جبکہ دونوں کی نشستیں الگ الگ ہوں اور اساتذہ کی کڑی نگرانی ہو۔ بالغ ہوجانے کے بعد لڑکیوں پر پردہ واجب ہوجاتا ہے اور ان کا اختلاط مردوں کے ساتھ جائز نہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے بدن پر باریک کپڑا دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا اور فرمایا کہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد جائز نہیں کہ ہتھیلی اور چہرہ کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ ظاہر ہو (مشکوۃ ۳۷۲۴)۔

”اتفق الفقهاء على وجوب حجبِ عورةِ المرأةِ والرجل البالغين بسترها عن نظرِ الغيرِ الذي لا يحل له النظر إليها. وعورة المراةِ التي يجب عليها حجبها عن الأجنبيِ هي فِي الجملةِ جميع جسدِها عدا الوجهِ والكفينِ، وقول النبيِ ﷺ لأسماءِ: يا أسماء اِن المرأة اِذابلغتِ المحِيض لم تصلح أن يرى مِنها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهِهِ وكفيه“ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۷/٦)۔

حجاب کے نزول کے بعد چہرہ کو چھپانے کا بھی حکم دے دیا گیا۔ صحابۂ کرام کو بعض مسائل میں امہات المؤمنین سے رجوع ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی یا کسی سامان کے طلب کی ضرورت ہوتی تو پردہ کے پیچھے سے ازواج مطہرات سے مخاطب ہونے کا حکم دیا گیا تھا: ”وإذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب“ (احزاب: ۵۳)، یعنی جب ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے، صحابۂ کرام کی جماعت بھی مقدس تھی اور ازواج مطہرات کے نفوس قدسیہ ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود پردے کے اس قدر اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے تو پھر دیگر مرد وعورتوں کے لئے اس میں جس قدر شدت اہتمام ہونی چاہئے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایسی لڑکیاں جو بالغ تو نہیں ہوی ہیں لیکن قابل اشتہاء ہوچکی ہیں جن کو دیکھ کر خواہش ابھرتی ہے اور لڑکے اور لڑکیوں دونوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے فتنے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے' اس عمر کی لڑکیوں کو بھی فقہاء نے پردہ اور عدم اختلاط کے باب میں سدللباب بالغ لڑکیوں کے حکم میں رکھا ہے' اسی وجہ سے لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو صرف عمر مشتہاۃ تک دیا گیا ہے اس کے بعد باپ کے حوالے کردی جائے گی، کیونکہ اس عمر میں ان کی عزت وآبرو کے تحفظ کا مسئلہ ہے اور اس پر باپ زیادہ قادر ہے۔

۵-جداگانہ نظام تعلیم کی بہتر صورت:

مرد اور عورتوں میں فطری طور پر ایک دوسرے کی طرف جاذبیت اور جنسی میلان موجود ہے اور شیطان پوری قوت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح ان کو مبتلائے معصیت کردے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے بطور خاص متنبہ کیا ہے: ”المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان“ (ترمذی ۱۴۰/۱) ”عورت چھپانے کی چیز ہے کیونکہ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کو برائی میں پھنسادے“ یہی مفہوم ایک دوسری حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ: ”إن المرأة تقبل في صورة شيطان وتدبر في صورة شيطان“ (مشکوۃ: ۲٦۸)، عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی شکل میں پیٹھ پھیر کر جاتی ہے، یعنی ہر ایک رخ میں شیطانی جذبات ابھرتے ہیں اور برے خیالات پیدا ہوتے ہیں، ایک موقع پر چند عورتیں

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ! مرد حضرات جہاد میں جاتے ہیں جس کے سبب ان کو کافی فضیلت حاصل ہے ہمیں بھی کوئی عمل بتائیے جس کی انجام دہی سے مجاہدین کے درجے کو ہم پا سکیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من قعدت منكن في بيتها، فإنها تدرك عمل المجاهدين في سبيل الله'' (مجمع الزوائد ۴/ ۳۰۴) (تم میں سے جو عورت گھر میں عفت و عصمت کی حفاظت کے ساتھ گھر میں بیٹھی رہے، محض بیٹھنے سے مجاہدین کے اجر وثواب کو پالے گی)۔

ان ہی نصوص کی بنیاد پر عورتوں پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ مردوں سے اختلاط نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مردوں کے راستے سے گذرنے سے بھی منع فرمادیا تھا تاکہ فتنہ کے وقوع کا امکان کم سے کم ہو، اس لئے بہتر تو یہ ہے دونوں کی تعلیم گاہیں اور بلڈنگیں الگ الگ ہوں، ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق اور ربط نہ رہے لیکن اگر بلڈنگ ایک ہو اور کلاس روم، دونوں کے راستے، قضائے حاجت کے مقامات علیحدہ ہوں تو بھی جائز ہے، لیکن اسکول سے نکلتے ہوئے دونوں کے اختلاط پر نظر رکھی جائے بلکہ لڑکے اور لڑکیوں کے اسکول سے نکلنے کے اوقات الگ الگ کر دیئے جائیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان عارضی دیوار کھڑی کر کے یا آگے اور پیچھے کی نشستوں کے ساتھ ایک جگہ تعلیم دینا جائز نہیں۔ اس سے باہمی اختلاط اور فتنے کا قوی اندیشہ ہے۔

''ولا يفضي إلى اختلاطها بهم؛ لأن تمكين النساء من اختلاطهن بالرجال أصل كل بلية وشر، وهو من أعظم أسباب نزول العقوبات العامة، كما أنه من أسباب فساد أمور العامة والخاصة، واختلاط الرجال بالنساء سبب لكثرة الفواحش والزنا'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۹/ ۱۰۸)۔

۶-اسکول میں غلط عمر کا اندراج:

عصری اداروں میں طلبہ کی عمر کا اندراج صحیح نظم وضبط کے لئے ہوتا ہے، اس میں والدین اور اسکول کے انتظامیہ دونوں کی بھلائی ہے۔ اس سے ماں باپ کو فکر ہوگی کہ صحیح عمر پر اپنے بچوں کو اسکول میں داخل کریں گے اور اس طرح بچوں کی عمر ضائع نہیں ہوگی اور اسکول میں انتظامیہ کو عمر کے حساب سے درجہ بندی میں سہولت ہوتی ہے، ایک کلاس میں سارے طلبہ پانچ سال کے ہیں اور کوئی ایک طالب علم آٹھ سال کا داخل کرلیا جائے تو یہ بچہ یقینی طور پر دوسرے بچوں کے ساتھ شرارت کرے گا اور اپنی طاقت دوسرے بچوں پر استعمال کرتے ہوئے ان میں خوف وہراس پیدا کرے گا اور اس سے نظم خراب ہوجائے گا۔ اس لئے عمر کی شرط کو ناواجبی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جھوٹ بول کر غلط عمر لکھانا اسکول کے انتظامیہ کو دھوکا دینا ہے اور اس کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوگا، بلکہ یہ آگے تک جائے گا، یہی عمر اس کی سرٹیفکیٹ پر لکھی جائے گی، آگے کی تعلیم میں اسی غلط عمر کا استعمال ہوگا اور جب ملازمت کی باری آئے گی تو اس غلط عمر پر ملازمت ہوگی اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ گورنمنٹ کی جانب سے جو عمر کسی ملازمت کے لئے طے ہے اس میں جان بوجھ کر کم کر کے اور کذب بیانی سے ملازمت حاصل کرنا جائز نہیں ہے جیسے حکومت کی جانب سے سہولیات کے لئے جو شرطیں ہیں، ان پر

اترے بغیر جھوٹ بول کر سہولیات حاصل کرنا جائز نہیں ہے، لہذا کسی ملازمت کی آخری حد تیس سال ہے اور اسکول میں غلط عمر لکھانے کی وجہ سے یہ شخص ملازمت کا مستحق بن رہا ہے حالاں کہ عمر واقعی اس کی تیس سے زیادہ ہے اور یہ اس کا مستحق نہیں ہے، اس طرح بچپن میں غلط عمر لکھانا بہت سے مفاسد کا ذریعہ بن جاتا ہے' اس لئے کم عمر لکھانے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

" **والوسائل هی التی توصل الی المقاصد، فحکمها حکم مقاصدها إذا کانت لا یوصل إلیها، إلا بها، فالوسیلة للواجب واجبة کالسعی إلی صلاة الجمعة والوسیلة إلی االحرام حرام، وکذلک سائر الأحکام**"(تقریب الوصول الی علم الاصول ا / ۱۷۵)۔

۷-غیر ساتر یونیفارم:

ستر عورت فرض ہے' اس لئے ہر مرد وعورت پر ان حصوں کا چھپانا ضروری ہے جو ستر عورت کے دائرے میں آتا ہے' کسی شدید مجبوری کے بغیر اس کا کھولنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ نماز جیسی عبادت کے لئے اگر کوئی پاک کپڑا نہ ہوتو ناپاک کپڑے پہن کر ہی ستر عورت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے، بیمار ہونے کی حالت میں علاج کے لئے ستر عورت کھولنے کی ضرورت پیش آئے توصرف اتنا ہی حصہ کھولنا جائز ہوگا جس سے کام چل جائے' اس لئے اسکول کے انتظامیہ کو ایسا یونیفارم لازم کرنا چاہئے جو ساتر ہو، مرد کا ستر عورت ناف سے گھٹنے تک ہے اور عورت کا پورا جسم چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ' دونوں کا یونیفارم ایسا ہو کہ ستر چھپ جائے۔ ساتر ہونا یونیفارم کی بنیاد ہے اس کے علاوہ انتظامیہ کو اختیار ہے کہ رنگ جو بھی ہو، اس کی وضع قطع جیسی بھی ہو' ٹائی لگانے کی بضرورت اجازت ہے، لہذا یونیفارم کے ساتھ اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح لڑکوں کے لئے ساتر نیکر اور لڑکیوں کے لئے کسی بھی رنگ اور ڈیزائن کا ساتر یونیفارم اختیار کیا جاسکتا ہے' یونیفارم اگر ساتر نہ ہوتو اس کا پہننا جائز نہیں بالخصوص جب کہ لڑکا اور لڑکی بلوغ کے قریب پہنچ جائے تو ان کے اولیا اور سرپرستوں کے لئے ایسا یونیفارم پہنانا جائز نہیں، جس اسکول میں میں غیر ساتر یونیفارم کو لازم کیا گیا ہو اس میں پڑھنا اور پڑھانا جائز نہیں کیونکہ ستر عورت فرض ہے اور دنیوی تعلیم کا حصول مباح ہے، ایک مباح کام کے لئے فرض کا ترک جائز نہیں۔ اس لئے ایسے اسکول کا انتخاب کیا جائے جو اسلامی انتظامیہ کے تحت ہو اور جس میں ساتر یونیفارم ہو، ایسا اسکول نہ ملنے پر گھر میں ہی خانگی طور پر تعلیم دی جائے یا دینی مدارس میں پڑھایا جائے جس میں دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی ہے۔

"**والرابع ستر عورتِهِ ووجوبه عام، ولو فِی الخلوةِ علی الصحِیحِ، إلا لِغرض صحِیح کتغوط واستِنجاء**" (شامی ا / ۴۰۴)، اسی کے ساتھ اسکول کے انتظامیہ پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ ایسے یونیفارم کا انتخاب کرے جو ساتر عورت ہو، ضرورت پڑے تو غیر ساتر یونیفارم والے اداروں کا اجتماعی بائیکاٹ کیا جائے، امید ہے کہ اس کا مثبت اثر پڑے گا۔ ہمارا مزاج یہ ہے کہ زمانہ جس رخ پر چلتا ہے ہم بھی اسی رخ پر چلنے کی تیاری شروع کردیتے ہیں اور شریعت میں گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، یہ حرارت ایمانی کی لو کے مدھم ہونے کی علامت ہے' عزم آہن اور مستحکم ایمان ہوتو حالات کا رخ ہم بدل سکتے ہیں۔

۸-تعلیم کو تجارت بنانا:

تعلیم ہر قوم اور ہر شخص کی ضرورت ہے، اس لئے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ اس کو ممکن حد تک فروغ دینے کی سعی کرے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینی تعلیم کے مقابلے میں عصری تعلیم پر اخراجات زیادہ عائد ہوتے ہیں۔ بلڈنگ مٹننس، اساتذہ کی تنخواہیں، تعلیمی سہولیات کی فراہمی، کھیل کود کے آلات، اسپورٹس وغیرہ۔ اس کی بنیاد پر اسکولس میں ماہانہ فیس لی جاتی ہے اور اسی سے متعلقہ تمام اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، عام طور پر اس کے لئے عوامی چندہ نہیں کیا جاتا اور اخراجات کی تفصیلات سے شروع ہی میں اولیاء کو آگاہ کر دیا جاتا ہے جس پر وہ راضی ہوتے ہیں اور اپنی رضامندی سے بچوں کو یہاں داخل کرتے ہیں، اس لئے اسکولس میں لی جانے والی فیس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، یہ باہمی معاملہ ہے جو آپسی رضامندی سے طے ہوا ہے۔ جیسے سامان کے بیچنے والے کو اپنے سامان کی قیمت طے کرنے کا اختیار ہے، باہمی رضامندی سے طے ہونے والے ثمن کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ ”من اشتری شیئاًو اغلی فی ثمنه جاز“ (ہندیہ ۳/۱۳۱)۔

البتہ اتنی زیادتی جو حد سے زیادہ ہو اس کو فقہاء نے بیع میں ناپسند کیا ہے کیوں کہ یہ ہمدردی اور انسانیت کے خلاف ہے۔

” إن الإمام یری الحجر إذ عم الضرر کما فِی المفتِی الماجِنِ والمکارِی المفلِسِ والطبِیبِ الجاھِلِ، وھذِہِ قضِیة عامة فتدخل مسئلتنا فِیھا؛ لأن التسعِیر حجر معنی، لأنه منع عن البیعِ بِزِیاد فاحِشة “ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۶/۴۰۱)۔

خاص طور پر تعلیم کو تجارت بنانا اور حد سے زیادہ نفع کمانا جس کے سبب بہت سے لوگ تعلیم سے محروم ہو جائیں سخت ناپسندیدہ ہے، یہ عمل اخلاقیات، انسانیت، قومی وملی ہمدردی کے خلاف ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ اسکولوں میں فیس کی حد متعین کردے تاکہ لوگ من مانی نہ کرسکیں اور تعلیم زیادہ زیادہ عام ہوسکے۔ رفاہی اداروں کے تحت چلنے والے اسکولس کو تعلیم پر زیادہ توجہ دینی چاہئے کیونکہ اس میں اعانت کرنے والوں کا مقصد طلبہ کو کامیاب بنانا ہے، تاکہ وہ بعد میں چل کر قوم وملت کی انجام دے سکیں اور مسلمانوں کا اجتماعی فائدہ ہوسکے۔ تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کے بجائے بلڈنگوں اور غیر تعلیمی امور پر توجہ سخت ناپسندیدہ اور قوم کے ساتھ دھوکہ ہے۔

۹-کلاس سے غیر حاضر طلبہ سے ماہانہ فیس وصول کرنا:

اسکول کا ایک نظام ہوتا ہے، طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے اساتذہ اور اسپورٹ کا نظم ہوتا ہے اور اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے منصوبہ بند طریقے پر کام کیا جاتا ہے جس پر کافی اخراجات ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طلبہ کے ذریعے آنے والی آمدنی کے ذریعے پورے کئے جاتے ہیں، اسکول میں طلبہ آئیں یا نہ آئیں یہ اخراجات تو ہوتے ہی رہتے ہیں جو ان کے نام پر جاری ہیں۔ اس لئے غیر حاضر ایام کی فیس اور ٹرانسپورٹ کا خرچ حسب معمول لینا درست ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مکان کے کرایہ دار ایک دو مہینے کے لئے

مکان سے غائب ہوجائیں اور اتفاق سے سامان سے بھی مکان خالی ہے تو بھی بالاتفاق مکان کا کرایہ واجب ہوگا یا کوئی گھریلو ملازم ہے اور ایک روز یا ایک ہفتہ اس سے کام نہ لیا جائے تو بھی اس کی اجرت واجب ہوگی۔اسی طرح اسکول کا انتظامیہ بچوں کی خدمت کے لئے تیار ہے اور آپ کے انتظار میں اس کے تمام عملہ کام کررہے ہیں‘ یہ والدین اور سرپرستوں کی کوتاہی ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کو اسکول نہیں بھیجا اور اس کے نظام سے استفادہ نہیں کیا۔اس کے علاوہ داخلہ لیتے وقت عرفاً ایک معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ بچہ پڑھے یا نہ پڑھے اس کی فیس جاری رہے گی۔اسکول والے بھلے سے اس کی صراحت نہ کرتے ہوں لیکن یہ باتیں دونوں کے ذہن میں رہتی ہیں اور والدین اس پر راضی ہوتے ہیں اور بالفرض اگر ایک ماہ نہ آنے والے کسی طالب علم سے فیس نہ لی جائے تو جو طلبہ ایک ہفتہ نہیں آئے یا جس نے دو تین دن غیر حاضری کی تو ان کے بارے میں بھی یہی سوال ہوگا‘ اس طرح ادارے کو ہی بند کردینا پڑے گا۔

۱۰ – عصری تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلبہ پر زکوۃ کا خرچ کرنا:

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بنیادی شرط ہے‘ اس لئے غریب اور مستحق طلبہ پر ازخود زکوۃ کا مال خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔اس لئے کہ اس صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی۔جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ ان کے والدین اگر مستحق زکوۃ ہوں تو ان کو زکوۃ کی رقم حوالے کردی جائے وہ اس کے مالک ہوجائیں گے پھر وہ اپنے بچوں کی فیس اور دیگر اخراجات میں اس کو خرچ کریں۔

”**ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا إباحة کما مر لا یصرف إلی بناء نحو مسجد وإلی کفن میت وقضاء دینه وفی الشامیة تحت قوله (نحو مسجد) بناء القناطیر وکل مالا تملیک فیه**“ (درالمختار مع ردالمحتار ۲/۳۴۴)۔

بعض ادارے مالداروں سے زکوۃ وصول کرتے ہیں اور اسکولس اور کالجس کے طلبہ کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو عصری تعلیم میں آگے بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے ان کا جذبہ صحیح ہے کہ اس طرح غریب اور نادار طلبہ جو حقیقتاً ذہین ہوتے ہیں اور شوق بھی پایا جاتا ہے، لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے اور اس طرح امت کے ذہین طلبہ برباد ہوجاتے ہیں، لیکن دو وجہوں سے یہ جائز نہیں‘ پہلی بات یہ ہے کہ ایسے ادارے مالدار اور غریب دونوں طرح کے طلبہ پر یہ رقم خرچ کی جاتی ہے، جبکہ مالدار زکوۃ کے مستحق نہیں ہیں ان کو دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی‘ ان اداروں کی جانب سے اسکولس چلائے جاتے ہیں جن سے دونوں طرح کے طلبہ مستفید ہوتے ہیں اور ان ہی پیسوں سے اسکولس کی بلڈنگیں بنائی جاتی ہیں اور ان ہی پیسوں سے اساتذہ کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ظاہر ہے کہ ان شکلوں میں کہیں بھی تملیک نہیں پائی جاتی ہے، اس طرح زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ہی ادا نہیں ہوتی ہے‘ اس لئے ان اداروں کو زکوۃ دینا بھی جائز نہیں جب تک کہ یہ ادارے شرعی حیلۂ تملیک نہ کرتے ہوں۔خلاصہ یہ کہ نہ تو ازخود ان طلبہ کی کتاب‘ فیس وغیرہ پر خرچ کرنے سے زکوۃ ادا ہوگی اور نہ رفاہی ادارے کے ذریعے خرچ کرنے سے۔

۱۱-مشرکانہ افعال کئے جانے والے اداروں میں تعلیم کا حصول:

ایمان دنیا کا عظیم ترین سرمایہ ہے، اس کی حفاظت ہر شخص کی ذمہ داری ہے، روز محشر اسی پر نجات کا مدار ہوگا' جس آدمی نے دنیا سے ایمان بچا کر لے گیا وہ کامیاب ہو گیا۔اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ہدایت دی کہ کبھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تمہیں جلا دیا جائے۔(ابن ماجہ-۴۰۳۴)۔ایک مسلمان کو چاہئے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرتا رہے اور اسے کبھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔فقہاء نے ایسا کام بھی کرنے سے منع کیا ہے جس سے شرک اور کفر کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے' اسی وجہ سے کسی تصویر یا قبر کے سامنے نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ایسا لباس یا وضع قطع اختیار کرنا بھی جائز نہیں جو مشرکانہ ہو اور ان کا شعار بن گیا ہو۔اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان تمام مشرکانہ افعال، بلکہ ایسے امور سے بھی اجتناب کریں جن میں شرک کا شائبہ ہو، لہذا ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسے اسکول میں پڑھیں یا اپنے بچوں کو بھیجیں جس میں وندے ماترم، مشرکانہ ترانے یا گیتا کے اشلوک پڑھوائے جائیں' جہاں سوریہ نمسکار یا یوگا کرایا جائے یا حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ہونے کا تصور دیا جائے۔اسکول خواہ سرکاری ہو یا پرائیوٹ جہاں بھی کسی طرح کے مشرکانہ امور کو لازم کیا گیا ہو وہاں پڑھنا ہرگز جائز نہیں، ایک امر مباح کے لئے شرک کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی اور پھر دنیوی تعلیم کا حصول ہی کیا ضروری ہے' دینی تعلیم سے دنیا و آخرت دونوں بنتی ہے، اللہ تعالی رزاق ہے، اس پر ایمان مضبوط ہونا چاہئے اور اگر عصری تعلیم حاصل کرنا ہی چاہیں تو بھی اس کے لئے راستے بہت کھلے ہوئے ہے، ایسے ادارے تلاش کئے جائیں جو مشرکانہ ماحول سے پاک ہیں۔

جن اسکولوں میں مشرکانہ امور پر جبر نہیں کیا جاتا، لیکن ترغیب دی جاتی ہے وہاں بچوں کو بھیجنا جائز تو ہے، لیکن بہتر نہیں ہے 'اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ وہ ماحول سے متأثر ہوں گے' آج نہیں تو کل ان میں مذہب بیزاری پیدا ہوگی۔اساتذہ اور انتظامیہ ان بچوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھیں گے جو ان کے پراگراموں میں شرکت نہ کریں' ماحول کے دباؤ میں آکر قوی امکان ہے کہ اس میں وہ مبتلا ہو جائیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے تمام اسکولوں کا بائیکاٹ کریں جن میں شرک کی تعلیم دی جاتی ہو اور اپنا علیحدہ ادارہ قائم کریں تاکہ دینی ماحول میں مسلم طلبہ کو عصری تعلیم دی جاسکے۔یہ بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ چند پیسوں کے لئے مسلمان اپنے ادارے میں مشرکانہ کام کرائیں، یہ غیرت ایمانی کے خلاف ہے اور ہرگز جائز نہیں خواہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہو یا سرکاری دباؤ کی بنیاد پر۔

۱۲-اسکول میں جنسی تعلیم کا رجحان:

لڑکے اور لڑکیوں کو جنسی تعلیم دینے سے ان میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوگی اور اخلاقی بے راہ روی کو مزید تقویت حاصل ہوگی، اس کا نفع کم اور نقصان زیادہ ہے۔اسلام کا مزاج یہ ہے کہ مرد و عورت میں حیا اور شرم پیدا کی جائے، اس سے بہت سے گناہوں اور منکرات سے انسان محفوظ رہتا ہے، اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو دیکھا کہ اپنے بھائی کو کثرت حیاء پر تنبیہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس لئے کہ حیا ایمان کا جز ہے۔اسی

لئے ننگا ہوکر غسل کرنے یا تنہائی میں سترعورت کھولنے کو ناپسند کیا گیا ہے کیونکہ یہ حیا کے خلاف ہے۔ بالغ لڑکے اور لڑکیاں اگر چہ خود شادی کرنے کے مجاز ہیں، لیکن انہیں اولیاء اور سرپرستوں کی مدد لینے اور ان کے ذریعے شادی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، اس لئے کہ ازخود شادی کے لئے اقدام حیا کے خلاف ہے۔ اس طرح بہت سی جزئیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا انسان کا زیور ہے اس کی وجہ سے بہت سی برائیوں سے حفاظت ہوتی ہے اور جنس کی تعلیم دینے سے حیا رخصت ہوجائے گی اور برائیوں کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس لئے مسلم انتظامیہ کو ایسی تعلیم اپنے ادارے میں دینے سے اجتناب کرنا چاہئے' اگر پرائیوٹ ادارے میں اسے لازم بھی کردیا جائے تو بھی اس کی تعلیم نہ دی جائے، بلکہ اس کی جگہ حیا، طہارت و پاکیزگی، اخلاقیات، شرعی احکام، میاں بیوی کے حقوق اور معاشرتی زندگی وغیرہ کی تعلیم دی جائے اور اس طرح کی کتاب مرتب کرکے اسکولوں میں تقسیم کرائی جائے۔

۱۳- سیر وتفریح میں لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط:

ارشاد باری ہے: "**وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" (الأحزاب: ۳۳) "تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "**ولا یضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن**" (النور: ۳۱) یعنی عورتیں جب چلیں تو زمین پر زور سے اپنے پاؤں کو نہ ماریں، تاکہ ان کی زیب و زینت پوشیدہ رہنے کے بارے میں جانا جاسکے، آہستہ اس طرح عورتوں کو چلنے کا حکم دیا گیا کہ پازیب کی آواز اور جھنکار اجانب کے کانوں تک نہ پہنچے ورنہ لوگوں کا دل ان کی طرف مائل ہوگا اور فتنہ پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، نماز میں اگر امام کو کسی غلطی پر متنبہ کرنا ہو تو عورتوں کو آواز کے بجائے دستک اور ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی ہدایت دی جب کہ مرد حضرات کو سبحان اللہ وغیرہ کے ذریعے متنبہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے، حج جیسی اہم عبادت میں تلبیہ پست آواز میں عورتیں کہیں گی، ان سب کا مقصد ہے کہ عورتیں اپنے زیب وزینت اپنی آواز کو مخفی رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں جاذبیت رکھی ہے، ممکن ہے کہ مردوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں اور فساد کی راہ کھل جائے، اس لئے بہتر ہے کہ عورتیں گھر سے باہر ہی نہ نکلیں اور اگر ضرورت شدیدہ کے تحت کبھی نکلنا بھی پڑے تو پردہ کا خاص اہتمام کریں، راستہ کے ایک کنارے سے چلیں، کسی مرد سے نہ اختلاط ہو اور نہ بات چیت: "**یایها النبی قل لأزواجک و بناتک و نساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن**" (احزاب: ۵۹) (اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی صاحبزادیوں اور مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ نیچے لٹکالیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکالیں)، روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف دیکھنے کے لئے دونوں آنکھیں کھلی رہتی تھیں، اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ وفساد سے حفاظت کے لئے چہرے کو چھپالینا چاہئے (تفسیر عثمانی: ۵۶۸)۔

"**عن أبی أسيد الأنصاریِ أنه سمِع رسول اللهِ ﷺ يقول: وهو خارِج مِن المسجِدِ فاختلط الرجال**

مع النِسا ء فِی الطرِیق فقال للنِساء: استاخِرن فِإنه لیس لکن أن تحقِقن الطرِیق علیکن بِحافاتِ الطرِیقِ . فکانتِ المر أة تلصق بِالجِدارِ حتی أن ثوبها لیتعلق بِالجِدارِ'' (رواہ:بوداود)۔

(رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ مردوعورتوں کوایک ساتھ راستے میں چلتے ہوے دیکھا تو آپ ﷺ نے عورتوں کو اس طرح اختلاط سے چلنے سے منع فرمادیا اورانہیں راستہ کے ایک کنارہ سے چلنے کی ہدایت دی۔اس کا اثر یہ ہوا کہ عورتیں اس قدر کنارہ ہو کر چلنے لگیں کہ ان کے کپڑے دیوار سے اٹک جایا کرتا تھا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ساتھ دوڑ، سائکل ریس، سیر وتفریح اور دیگر مقابلہ جات میں شریک کرنا جائزنہیں اس طرح کا اختلاط بہت سے اخلاقی امراض کوجنم دیتا ہے۔لڑکیوں کو علیحدہ ریس کرانے، سیر وتفریح اور مقابلے کے انعقاد میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ شرعی پردے کی مکمل رعایت کی جائے اور کوئی ایسا عمل نہ ہو جس کا اس کا نازک جسم متحمل نہ ہو۔

۱۴-تقاریراوردیگر پروگراموں میں لڑکیوں کا حصہ لینا:

عہد نبوی میں بعض عورتیں صحابۂ کرام کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتیں اور صحابہ کے لئے کھانا پکاتی تھیں، کپڑے دھوتیں ،زخمیوں کو پانی پلاتیں اوران کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔اس طرح کی سرگرمیوں سے انہیں منع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ دے کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔اسی طرح تنہا لڑکیوں کا پروگرام ہو ان کے ساتھ لڑکے شریک نہ ہوں تو ان کے لئے تمام پروگراموں میں حصہ لینا جائز ہوگا۔اس لئے کہ یہ ان کی صلاحیت کے لئے مفید ہے،اس سے انہیں جینے کا ہنر آئے گا، تہذیب وتمدن سے وہ واقف ہوں گی اور آگے چل کر اپنی تقریروں اور دیگر صلاحیتوں کے ذریعے اسلامی خواتین کوشریعت سکھانے کا کام کریں گی،البتہ لڑکوں کے ساتھ مل کر ڈرامہ کرنا یا کسی طرح کے پروگرام میں حصہ لینا درست نہیں ہے اس سے باہم بے تکلفی بڑھے گی اور بہت سے مفاسد پیدا ہوں گے۔

۱۵-تعلیم کے مقصد سے تصاویر کا کلاس روم میں رکھنا :

کتاب کا اصل مقصود حصول تعلیم ہے اور تصویریں ضمنی طور پر آتی ہیں،اس لئے اصل مقصد کا اعتبار کرتے ہوے'' **الأمور بمقاصدها**'' کے تحت ایسی کتاب کے رکھنے اور پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ایسی کتابیں نصاب میں شامل کی جاسکتی ہیں، جیسے اخبارات میں تصویریں ہوتی ہیں مگران کا خریدنا، بیچنا، رکھنا، لینا، دینا سب درست ہے اس لئے کہ تصویر مقصد نہیں، بلکہ نیوز پڑھنا مقصد ہے۔اسی طرح ڈیجیٹل تصاویر کے ذریعے تعلیم دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،اس لئے کہ اس سے بات جلد سمجھ میں آتی ہے اور یہ طریقہ اوقع فی النفس ہوتا ہے۔جس طرح لڑکیوں کے لئے گڑیا سے کھیلنے اوراسے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اس سے امور خانہ داری کا ہنر پیدا ہوتا ہے، اولاد کی پرورش، سینا، پرونا اورگھر کی اصلاح وانتظام کا ذوق پروان چڑھتا ہے،تعلیم کے مقابلے میں یہ مقاصد کمتر ہیں پھر بھی ان کی اجازت ہے تو تعلیم کے لئے لکڑی یا پلاسٹک کے مجسمے اور تصویروں کا رکھنا درست ہوگا۔

"فيستثنى مما يحرم من الصورِ صور لعبِ البناتِ فإنها لا تحرم، ويجوز استصناعها وصنعها وبيعها وشرا ؤها لهن؛ لأنهن يتدربن بذلك على رعايةِ الأطفال، وقد كان لعائشةؓ جوار يلاعبنها بصورِ البناتِ المصنوعةِ من نحوِ خشب، فإذا رأين الرسول ﷺ يستحين منه ويتقمعن، وأن النبي ﷺ يشتريها لها "(الموسوعۃ الفقہیۃ ۷/۵۷)۔

۱۶-لڑکیوں کوامور خانہ داری کی تعلیم دینے کی شرعی حیثیت:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض حکمتوں کے پیش نظر مرد کے مقابلے میں عورتوں کو کمزور وناتواں پیدا کیا ہے، عقل وخرد، جسمانی صلاحیت، کسب معاش کی قوت اور دیگر اعتبار سے بھی عورتوں میں کافی ضعف پایا جاتا ہے، ہاں البتہ امور خانہ داری ،کھانا پکانا، بچوں کی تربیت، شوہروں کے لئے سامان تسکین بننے کی مکمل صلاحیت ان میں رکھی گئی ہے، اس لئے اسلام نے اصولی طور پر کسب معاش اور بیرون خانہ کے تمام امور مردوں سے متعلق رکھا ہے اور اندرون خانہ کا نظام عورتوں سے وابستہ کیا گیا ہے، اسی میں خاندانی نظام کی بقاء واستحکام بھی ہے اور اسی طریقۂ کار میں مرد اور عورت دونوں کے لئے ذہنی وقلبی سکون ہے۔ اس لئے لڑکیوں کے لئے شروع سے ہی اس طرح کی تعلیم کا نظم ہونا چاہئے۔ سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت، اولاد کی تربیت وغیرہ سے متعلق تعلیم دینے سے خود ان کی گھریلو زندگی میں استحکام پیدا ہوگا' ورنہ بسا اوقات ایسی لڑکیوں کو طلاق دینے کی نوبت آجاتی ہے' شادی کے بعد لڑکیاں جب سسرال جاتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان چاول اور روٹی پکانا نہیں آتا' جھاڑو اور برتن دھونے کے ہنر سے بھی وہ ناواقف ہیں اس سے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ایسی لڑکیوں کو طلاق دینے میں ہی عافیت سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے حفظ ماتقدم کے طور پر امور خانہ داری اور ان کے متعلقات کا سکھانا مستحب ہوگا۔

۱۷-اسکولوں میں دینی تعلیم کی حد:

دینی تعلیم تمام علوم پر مقدم ہے، اس لئے احادیث میں بچوں کے ہوش سنبھالنے اور بولنے کے لائق ہونے کے بعد سب سے پہلے کلمۂ طیبہ سکھانے کی تعلیم دی گئی ہے، سات سال کا ہو جائے تو نماز کی ترغیب اور دس سال کا ہو جائے تو سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ ان کو قرآن اور اتنی دینیات سکھائیں جن سے وہ اسلام کو سمجھ سکیں، اللہ اور اس کے رسول کی پہچان ہو جائے اور اسلامی فرائض پر عمل کر سکیں۔ جیسے غسل وضو، نماز، روزہ، طہارت، صداقت وامانت وغیرہ۔ والدین اگر یہ از خود نہ کر سکیں تو دوسروں کے ذریعے یہ تعلیم دلا سکتے ہیں، آج کل چونکہ اسکولوں میں تین چار سال سے ہی بچوں کا جانا شروع ہو جاتا ہے اور وہیں پورا دن گذرتا ہے اور پھر گھر آنے کے بعد بھی اسکول کے ہوم ورک میں مشغول ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دینیات کی تعلیم کا نظم گھر میں مشکل ہوتا جا رہا ہے، اس لئے اسکول کے ذمہ داروں ہی کو چاہئے کہ شروع کے چند کلاسوں میں دینیات کی تعلیم کو لازم کر دیں اور اس حد تک تعلیم دیں جس سے اسلام کے فرائض اور موٹے موٹے احکام اور تعلیمات سے باخبر ہو جائیں۔ جیسے توحید، رسالت، حشر و

نشر،احوال قبر،احوال مابعد الموت سے وہ واقف ہوجائیں ۔قرآن پڑھنا آجائے،غسل وضو،نماز،روزہ سیکھ لے،انبیاء کرام،صحابہ اوراولیائے کرام سے واقف ہوجائیں اہم فرشتوں کے نام یاد ہوجائیں۔والدین کا ادب،بڑوں کا احترام،سچ بولنا،امانت داری اور دیگر اخلاق وآداب ان میں پیدا ہوجائیں۔سورتیں اتنی یاد ہوجائیں کہ وہ نماز میں انہیں بآسانی پڑھ سکیں اوراس طرح کے دیگر اہم شرعی احکام۔

" قد يكون التعلم فرض عين وهو تعلم ما لا بد مِنه لِلمسلِم، لإِقامة دِينِهِ وإِخلاصِ عملِهِ لِلهِ تعالى، أو معاشرةِ عِبادِهِ .فقد فرِض على كل مكلف ومكلفة -بعد تعلمِهِ ما تصِح بِهِ عقِيدته مِن أصول الدِينِ -تعلم ما تصِح بِهِ العِبادات والمعاملات مِن الوضوءِ والغسل والصلاةِ والصومِ، وأحكامِ الزكاةِ، والحجِ لِمن وجب عليهِ، وإِخلاص النِيةِ فِي العِباداتِ لِلهِ"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳/۶)۔

۱۸-اسکولوں میں مخالف جنس ٹیچر کا تقرر:

مخالف جنس کے باہمی اختلاط سے طلبہ اورٹیچر دونوں کی عفت وعصمت کوخطرہ لاحق ہےاوراس طرح کے بے شمار واقعات رونما ہورہے ہیں کہ اسکول میں پڑھانے والی ٹیچر سے طالب علم کی بے تکلفی بڑھتی ہےاوروہ عشق میں تبدیل ہوجاتا ہے،پھر ہزار جرائم وجود پذیر ہوتے ہیں۔اسی لئے شریعت نے بالغ ہونے کے بعدعورتوں پر پردہ واجب کردیا ہےاورمرد کونگاہ پست رکھنے کی ہدایت دی گئی ہے۔بلوغ کی عمر کوپہنچنے کے بعد دونوں صنفوں کو باہمی اختلاط سے سختی سے روکا گیا ہے۔اس لئے خواہ پڑھانے کے لئے ہی کیوں نہ ہومخالف جنس سے اختلاط درست نہیں ہوگا۔ایسے اسکول کوطلبہ کے لئے مرداور طالبات کے لئے معلمات کا انتظام کرنا چاہئے ۔اسکول کا نظام فیس سے وابستہ ہے،اس لئے وسائل کی کمی وہاں نہیں ہوتی۔انتظامیہ زیادہ سے زیادہ پیسہ بچانے کے چکر میں خاتون ٹیچر کا تقررکرتی ہے،یہ مادیت پرستی ہےاور بالفرض اگرفیس سے مرداساتذہ کی تنخواہ تکمیل نہیں پاتی تومنکرات کے ساتھ اسکول چلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔انہیں چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے طلبہ وطالبات کودوسرے اسکول کی رہنمائی کریں۔

"ويجِب ان يكون تعلِيم النِساءِ مع مراعاةِ آدابِ امرِ الشارِعِ المرأة بِالتِزامِها لِلحِفاظِ على عِرضِها وشرفِها وعِفتِها، مِن عدمِ الاِختِلاطِ بِالرِجال، وعدمِ التبرجِ، وعدمِ الخضوعِ بِالقول اِذا كانت هناک حاجة لِلكلامِ مع الأجانِبِ"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳ / ۱۳)۔

۱۹-اسکول معائنہ کرنے والوں کورشوت دینا:

رشوت لینااور دینا دونوں حرام ہے۔اس کے لئے نصوص میں بہت سخت وعید آئی ہے،اس لئے حتی الامکان رشوت دینے سے بچنا چاہئے البتہ اگراسکول میں حکومت کی جانب سے مطلوبہ تمام چیزیں موجود ہوں اور پھر بھی مال کے ہوس میں معائنہ کرنے والے اسکول کی منظوری کو باقی رکھنے کے لئے رشوت طلب کرتے ہوں تو یہ ان کی طرف سے ظلم ہےاوردفاع ظلم کے لئے انکارقلب

کے ساتھ رشوت دینے کی گنجائش ہے۔

”**دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله لاستخراج حق له ليس برشوة، يعنى فى حق الدافع**“ (شامی ۶ / ۶۲۳)،اس لئے اسکول بچانے کے لئے رشوت دینا جائز ہے بشرطیکہ اپنی کمی کو چھپانے کے لئے نہ دی جائے۔اگر اسکول میں تعلیم بہتر نہ ہو،نظم وضبط میں کمی ہو،حکومت کی جانب سے جو چیزیں مطلوب ہیں وہ موجود نہ ہوں اور پھر معائنہ کرنے والوں کو رشوت دی جائے،تاکہ وہ ان چیزوں کے نہ ہونے کے باوجود اسکول کی منظوری برقرار رکھے،یہ ہرگز درست نہیں ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیمی ادارے اور شرعی اصول وضوابط

مفتی محمد احسن عبدالحق ندوی

۱- عصری اداروں کا قیام:

اسلام دین رحمت ہے، نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور قرآن کریم جو آپ ﷺ کے توسط سے لوگوں تک پہنچا، کتاب رحمت ہے، ان رحمتوں کا ایک بڑا فیض یہ بھی ہے کہ علم کی قدر و قیمت دوبالا ہوئی، مختلف علوم وفنون کی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں اور تعلیمی سرگرمیاں فروغ پائیں، کتاب رحمت نے یہ حقیقت بے نقاب کی کہ اللہ کی نگاہ میں ان لوگوں کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے جو علم کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (المجادلۃ:۱۱)۔

اہل علم کا موازنہ ان لوگوں سے نہیں کیا جا سکتا جو اس قیمتی دولت سے محروم ہیں۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِیْ الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:۹)۔

جن لوگوں کو حکمت ودانائی عطا ہوئی وہ خیر کے خزانہ کے مالک بن گئے۔

﴿وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِیَ خَيْراً كَثِيْراً﴾ (البقرۃ:۲۶۹)۔

علم میں ترقی کے لیے اللہ رب العزت سے دعا ہر حال میں مطلوب ہے۔ ﴿هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّیْ﴾ (الکہف:۹۸)۔

قرآن کی اولین نزولی آیات میں علم کے اکتساب اور اس کے فروغ کے بنیادی ذرائع پڑھنے لکھنے کا ذکر کر کے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ یہ کتنی اہم اور قیمتی نعمت ہے اور اس کو اللہ کا فضل وکرم بتا کر اس کی قدر و قیمت مزید بڑھادی گئی، قرآن میں مطلق انداز میں علم میں اضافہ کے لیے دعا کی تلقین کی گئی۔ ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً﴾ (طٰہٰ:۱۱۴)۔

آپ ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگ کر یہ حقیقت کھول دی کہ اسلام میں کس علم کا اکتساب مطلوب ہے اور نفع بخش علم کو صدقۂ جاریہ قرار دے کر اس کے حصول واستعمال کا رخ متعین کر دیا۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل آپ ﷺ نے نہ صرف تعلیم کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا اور اس کی طرف لوگوں کو راغب کیا، بلکہ مختلف طریقوں سے اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا اور باقاعدہ وسیع پیمانہ پر اس کا نظام قائم کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ

ایک ایسا تعلیمی انقلاب آیا کہ جو قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی وہ علم وفن کی امام بن گئی اور جو لوگ تعلیم سے بے بہرہ تھے وہ معلم ومودِب کے فرائض انجام دینے لگے، آپ ﷺ کا فرمان کہ ''علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے''۔'' **طلب العلم فريضة على كل مسلم**''(ابن ماجہ: ۲۲۴)۔

محض علم کا شوق دلانے کے لیے نہیں تھا، بلکہ والدین کو اس جانب متوجہ بھی کرنا تھا کہ اولاد کی تعلیم کا اہتمام ان کی ذمہ داری ہے، اس لیے اس کے بغیر طلب علم کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے بڑے موثر انداز میں والدین کو اس جانب راغب کیا، فرمایا: ''والد کی طرف سے اولاد کے لیے بہترین تحفہ یہ ہے کہ وہ انہیں علم وادب سکھائے''۔''**ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن**''(ترمذی: ۱۹۵۲)۔

دنیوی علوم حاصل کرنے کے لیے اسکول قائم کرنا اور ہنر سکھانے کی کلاس جاری کرنا جائز اور کارخیر ہیں، ایسے اسکول قائم کرنا جس میں دنیوی علوم وفنون سکھائیں جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کئے جائیں، جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے جائز بلکہ واجب باعث اجر وثواب ہے، دینی تعلیم سے اعراض کر کے اور دینی مدارس کو نازک حالت میں چھوڑ کر دنیوی تعلیم میں منہمک ہو جانا بہتر نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿ **بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ☆وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى** ﴾ (سورہ اعلیٰ: ۱۶-۱۵)۔

(تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت اچھی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے)۔

تعلیم کے میدان میں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انفرادی واجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہمیں مختلف زبانیں سیکھنی چاہیے، یہ بات مستند روایتوں سے ثابت ہے کہ ضرورت کے تحت آپ ﷺ نے صحابہ کو سریانی یا عبرانی زبان سیکھنے کی ترغیب دی، سب سے پہلے حضرت زید بن ثابتؓ کو باقاعدہ اس کی ہدایت فرمائی اور انہوں نے نہایت مختصر عرصہ میں اس زبان کو پڑھنا اور لکھنا سیکھ لیا۔

'' **أمرني رسول الله ﷺ فتعلمت له كتاب يهود**'' (ابوداؤد: ۳۶۴۵)۔

مسند احمد میں حضرت زید بن ثابتؓ کو یہ زبان سیکھنے کی جو وجہ آپ ﷺ کی زبانی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہیں: '' میرے پاس بعض ایسے خطوط آتے ہیں اور مجھے پسند نہیں کہ دوسرا اسے پڑھے، مجھے خطوط پڑھوانے کے معاملہ میں یہودیوں پر اطمینان نہیں رہتا، میں خطوط لکھواتا ہوں اور مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں اس میں کوئی تبدیلی نہ کردیں''۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں: '' میں اس لائق ہو گیا تھا کہ موصولہ خطوط کا ترجمہ نبی ﷺ کو پڑھ کر سناؤں اور آپ ﷺ کی جانب سے خطوط لکھ کر یہود کو بھیجوں''۔

''**حتى حذقته فكنت أكتب له إذا كتب، واقرأ له إذا كتب إليه**''(ابوداؤد: ۳۶۵۴)۔

موجودہ دور میں اسلامی عقائد اور تعلیمات کی تشریح وترجمانی، دینی علوم کا ارتقاء اور اسلام کی اشاعت کے لیے عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، دوسری یوروپین اور برصغیر کی مختلف علاقائی زبانوں سے واقفیت کی افادیت کافی بڑھ گئی ہے، آپ ﷺ نے ایک خاص اجتماعی ضرورت کے تحت عبرانی زبان سیکھنے پر زور دیا تو آج کے ماحول میں مختلف ملی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدید مروجہ زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے معاملہ میں اس اسوۂ مبارکہ سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔

۲-نصاب تعلیم میں کن امور کوملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

اسلام اور مسلمان دشمن طاقت کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ امت کے مستقبل کی تعمیر وتہذیب کو روح پرور بنانے میں بچے بچیاں اور ان کے بچپن کا بڑا اثر ہے، کیونکہ کل وہ امت کے قائد بننے اور اس کی زمام سیادت کوسنبھالنے والے ہیں، اسی لیے دشمن طاقتیں امت اسلامیہ کے نونہال بچوں کواپنا نشانہ بناتے ہیں اور مسلمان کی اولاد کوقرآن کریم اوراس کی تعلیمات واحکامات سے دور کرنے اور اسلامی شعار سے انہیں متنفر کرنے میں بے پناہ محنت کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح کے لیے تعلیم وتربیت کی درستگی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، تعلیم اصلاً اپنے عقائد، تصورات، نظام زندگی اور صالح روایات کی نئی نسل کوتلقین کا بہترین ذریعہ ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے درمیان سوفیصد بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا نظام ہو، ان کے گھروں میں عورتیں تعلیم کی فکر کریں اور ماں کی گود بچوں کی تربیت کا اولین گہوارہ بنے۔

دینی تعلیم کو ہوا پانی اور غذا سے زیادہ اہمیت دینا ہے، ہر بچہ کوقرآن پاک، کچھ عربی زبان، اردوزبان، دینیات اور سیرت النبی پڑھانا لازم ہے، اسکول اور کالج کی تعلیم کے مضر اثرات سے اپنی نسلوں کومحفوظ رکھنے کے لیے مساجد، مکاتب اور مدارس کھولے جائیں، تاکہ امت کا کوئی فرد دینی معلومات سے ناواقف نہ رہے۔

سوال میں مذکورتعلیمات اگر اسکولوں میں لازم کردی جائیں تو ایسے اسکولوں میں دنیوی تعلیم کی غرض سے اپنی اولاد کونہیں بھیجنا چاہیے، اس لیے کہ اولاد کو بنانا اور بگاڑنا والدین کے ہاتھ میں ہے، اولاد کوجیسی تعلیم وتربیت دی جائے گی، اولاد ویسی ہی بنے گی۔

”ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه“ (بخاری: ۱۳۵۸، مسلم: ۲۲) (ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے، مگر اس کے والدین تعلیم وتربیت کے ذریعہ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں)۔

اگر مسلمان کے زیر انتظام ایسے ادارے ہیں، جہاں شرعی احکام اور ضروریات دین کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم دی جارہی ہے اور بچوں کے دل ودماغ میں اسلام کا نقش جمایا جارہا ہو، اسلامی جذبات اور ایمانی احساسات پختہ اور پائیدار ہورہے ہوں تاکہ ان کوکوئی قوت سرد نہ کرسکے اور عملی حالت کوکوئی بدل نہ سکے تو اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم بھی مفید ہے ورنہ مضر۔

اگر مسلمان بچے اسلامی تعلیم سے محروم یا کمزور رہیں گے تو اسکول وکالج کی زہرآلود تعلیم اور مخالف ماحول اور سوسائٹی ان پر

ضرور اثر انداز ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عقائد اور اسلامی خصوصیات سے متنفر اور معاذ اللہ بد دین بن جائیں گے۔

مسلمان اپنے اداروں میں ایسی تعلیم نہ دلائیں جو اسلام مخالف ہوں، اور اگر حکومت ان تعلیمات کو مسلم اداروں میں لازم کر دے تو مسلم ادارے والوں کو چاہیے کہ حکومت سے معذرت کریں، اگر حکومت قبول کرتی ہے تو ٹھیک، ورنہ ایسے اسکول بند کر دیں، اس لیے کہ ہر شخص ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

"كلكم راع و كلكم مسئول عن عيته" (بخاری: ۸۹۳، مسلم: ۱۸۲۹)۔

۳- نصاب میں مفاسد کی صورت:

ماں باپ پر اولاد کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے خوب اچھے طریقہ سے واقف کریں، صرف رسمی طور پر کچھ ابتدائی دینی تعلیم دلا دینا کافی نہیں، بلکہ عصری علوم کے ساتھ ساتھ دینی اور اسلامی تعلیمات، تہذیب و اخلاق سے بھی ان کو آراستہ کرائیں، یہ ان کا ماں باپ پر بہت بڑا حق ہے، جسے پورا کرنا اور اس پر پوری توجہ دینا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے، اس کے بغیر ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، اسی طرح قوم کے سربراہ اور قائدین پر لازم ہے کہ جگہ جگہ اپنے علاقوں، اپنی بستی، اپنے محلّہ میں بھی مدارس اسلامیہ اور مکاتب قرآنیہ قائم کریں، اور مسلمانوں کے بچوں اور بچیوں کے لیے دینی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کریں، اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے والدین اور اولیاء سے بھی عرض ہے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی پوری نگرانی کریں، بچوں کو پابندی کے ساتھ مدرسہ بھیجیں، بچہ نے سبق یاد کیا یا نہیں، اس کی فکر کریں، ہم اسکول کی تعلیم کے لیے کس قدر متفکر رہتے ہیں، ہمیں یہ فکر سوار رہتی ہے کہ بچہ اسکول گیا کہ نہیں، اس نے اسکول کا سبق یاد کیا یا نہیں، اسکول لانے لے جانے کا پورا انتظام، بلکہ اسکول کے ساتھ ساتھ ٹیوشن کا بھی انتظام، کاش اتنی فکر اور توجہ قرآن مجید، دینی تعلیم کی طرف ہوتی جو ہماری اصل بنیادی چیز ہے۔

والدین اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم اور اسلامی آداب و تہذیب سے بہتر کوئی چیز نہیں دے سکتے، اس سے انشاء اللہ ان کی دنیا و آخرت دونوں بنے گی، آپ کے انتقال کے بعد بچے آپ کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں گے (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۶۷/۳)۔

" ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن"(ترمذی: ۱۹۵۲)۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً﴾ (تحریم: ۶)۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ والدین پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کی تعلیم دیں اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کریں (معارف القرآن: ۵۰۲/۸)۔

۴- کس عمر یا کس کلاس سے طلبہ و طالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہے؟

تعلیم جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے، اسی طرح عورتوں کو لیے بھی ضروری اور لازم ہے، قرآن مجید تعلیم سے متعلق

جتنی آیات اور احادیث ہیں، سب میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی خطاب ہے، البتہ عورتوں کے لیے کون سی تعلیم زیادہ ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں ان کا حکم مردوں سے الگ ہے، عقائد، عبادات، عملی زندگی، بچوں کی تربیت اور گھر کے نظام کو چلانے سے متعلق علوم کا سیکھنا اور جاننا عورتوں پر واجب اور ضروری ہے، فقہاء نے اسے فرض عین قرار دیا ہے، اس کے علاوہ عورتوں اور بچوں کے امراض سے متعلق علوم، تیمارداری اور بچیوں اور عورتوں کو تعلیم دینے سے متعلق جو علوم ہیں ان کے سیکھنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے (الحقوق العامۃ للمرأۃ: ۱۹۹)۔

ان کے علاوہ دنیا کے سارے مفید علوم عورتیں سیکھ سکتی ہیں، البتہ ان کے لیے ضروری اور بنیادی شرط یہ ہے کہ ان کی تعلیم کا علاحدہ نظام ہو، مرد اساتذہ نہ ہوں، اگر مرد اساتذہ ہوں تو پردہ کا انتظام ہو، مردوں کا اختلاط نہ ہو وغیرہ۔

عورتوں کے امراض سے متعلق علوم کا سیکھنا فرض عین نہیں، مگر ضرورت کے لحاظ سے وہ بھی فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، اس لیے اگر لڑکیوں کے لیے خاص میڈیکل کالج، طبی کالج اور نرسنگ کورس نہ ہو تو پردہ کے ساتھ مخلوط تعلیمی اداروں میں بھی عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش ہوگی، البتہ ایسے علوم وفنون کا پڑھنا اور سیکھنا درست نہیں ہے، جو لڑکیوں میں ذہنی آوارگی پیدا کرے، اسی طرح جہاں بے دینی اتنی عام ہو کہ دین وایمان کو خطرہ لاحق ہو یا عفت وعصمت محفوظ نہ رہتی ہو، تو ایسے اداروں میں لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

شرم وحیا عورت کا زیور بھی ہے اور ایمان کا ایک جز بھی۔ آپ ﷺ کا فرمان: "اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ" (مسلم: ۱۵۲) (حیا ایمان ہی کا ایک حصہ ہے)۔

انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور یہ انسان کی وہ صفت ہے اور ایک ایسا مادہ ہے کہ جب انسان خلافِ فطرت اعمال اور برائیوں کے قریب ہوتا ہے تو اس میں ایک طرح کی جھجھک اور شرم پیدا ہوتی ہے جو اس کے اور برے عمل کے درمیان ایک حجاب بن جاتی ہے، اور انسان بہت سے گناہوں اور معاصی سے محفوظ ہو جاتا ہے؛ اسی لیے حیا کا ایمان سے گہرا تعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ نبیوں کی جو باتیں محفوظ ہیں' ان میں یہ بات بھی ہے کہ 'إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" (اگر تم میں حیا کا مادہ نہیں تو جو چاہو کرو)۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس سے حیا ہم کو کرنی چاہیے وہ ہمارا خالق وپروردگار ہے؛ عام طور پر لوگ بے حیا صرف اس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا خیال نہ کرے، بلاشبہ وہ بے حیا ہے، لیکن سب سے بڑا بے حیا وہ بدبخت ہے جو اپنے رب سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ اس کے کاموں کو دیکھتا ہے اور اس کی باتوں کو سنتا ہے، اس کے سامنے وہ برے کام اور بے جا حرکتیں کرتا ہے۔

مخلوط نظام تعلیم کے کئی مفاسد ہیں:

(۱) عورت کا بلاضرورت شرعیہ گھر سے نکلنا اور اجانب کو اپنی طرف مائل کرنے کا سبب بننا۔

(۲) بُرے ماحول میں جانا۔

(۳) مختلف مزاج رکھنے والی عورتوں سے مسلسل اختلاط کی وجہ سے خرابیوں کا جنم لینا۔

(۴) کالج کی غیر شرعی تقریبات میں شرکت۔

(۵) بلاحجاب مردوں سے پڑھنے کا گناہ۔

(۶) بے دین عورتوں سے تعلیم حاصل کرنے میں ایمان واعمال اور اخلاق کی تباہی۔

(۷) بے دین عورتوں کے سامنے بلاحجاب جانا، شریعت نے فاسقہ عورت سے بھی پردہ کا حکم دیا ہے۔

(۸) کافر اور بے دین قوموں کی نقالی کا شوق۔

(۹) اس تعلیم کے سبب حب مال اور حب جاہ کا بڑھ جانا۔

(۱۰) شوہر کی خدمت، اولاد کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال، صفائی وغیرہ جیسی فطری اور بنیادی ذمہ داریوں سے غفلت۔

(۱۱) دفتروں میں ملازمت اختیار کرنا جو دین ودنیا دونوں کی تباہی کا باعث ہے۔

(۱۲) مردوں پر ذرائع معاش تنگ کرنا۔

(۱۳) شوہر پر حاکم بن کر رہنا۔

(۱۴) مردوں کا تعلیم دینا وغیرہ

مخلوط طریقہ تعلیم میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ اختلاط اور بے تکلفی کی وجہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کی آپس میں دوستی، عشق بازی، بدکاری اور اغوا جیسے گھناؤنے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں، اس لیے عصر حاضر کے مخلوط تعلیمی اداروں میں عورتوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر مذکورہ مفاسد نہ پائے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (دیکھئے احسن الفتاویٰ: ۸/ ۳۳)۔

عصر حاضر میں ہر شخص جو اسکول چلا رہا ہے، اس کے لیے تعلیم کا جداگانہ نظام بہت آسان ہے، مال واساتذہ کی فراوانی، اور اگر انتظامیہ اس سے قاصر ہے تو مخلوط نظام تعلیم میں سے جو مناسب سمجھے اسے رکھے، اس لیے کہ ہجرت مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی میں روزانہ آپ کی تعلیم وتذکیر کا سلسلہ جاری ہوا، جس سے صحابہ کرامؓ مستفیض ہوتے تھے تو صحابیات میں بھی دین کی تعلیم حاصل کرنے اور احکام ومسائل سمجھنے کا ذوق پیدا ہوا، تو ان صحابیات نے آپ ﷺ سے خاص طور پر خواتین کو دینی تعلیم دینے اور دین کے احکام سکھانے کے لیے ایک دن مقرر کرنے کی فرمائش کی، آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا اور ان کی تعلیم وتذکیر کے لیے ایک دن مخصوص کر دیا، آپ مقررہ دن پر انہیں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے اور روزمرہ کی زندگی میں دین کے احکام ومسائل سے بھی انہیں واقف کراتے، صحابیاتؓ مسائل کو مزید سمجھنے کے لیے آپ سے سوالات بھی کرتی تھیں، جن کے آپ جوابات عنایت فرماتے۔

"**قالت النساء للنبی ﷺ غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک، فوعدھن یوماً لقیعھن فیه فوعظھن وأمرھن**"(بخاری:۱۰۱)۔

کبھی کوئی سوال عورتوں کے مخصوص مسائل سے متعلق ہوتا تو آپ ازواج مطہراتؓ کے توسط سے ان کا جواب عنایت فرماتے۔

(جب بچے دس سال کے ہوجائیں اور نماز پڑھنے میں کوتاہی کریں تو ان کی کسی قدر سرزنش بھی کی جائے)۔

"**مروا الصبی بالصلاۃ إذا بلغ سبع سنین وإذا بلغ عشر سنین فاضربوہ علیھا**"(ابوداؤد:۴۹۴)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:"**وفرقوا بینھم فی المضاجع**" (ابوداؤد:۴۹۵) (جب بچے دس سال کے ہوجائیں تو ان کا بستر الگ کردو)۔

ان روایات کے پیش نظر جب بچے دس سال کے ہوجائیں تو مخلوط نظام تعلیم ختم کرکے طلبہ اور طالبات کی جماعت الگ رکھنا ضروری ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں؛دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کردینے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیاں زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں،اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے،دور جدید میں مخلوط تعلیم بے خدا تہذیب کی ایجاد کردہ بدعت ہے،جو نا گفتی قباحتوں پر مشتمل ہے،معلوم نہیں ہمارے مقتدر حضرات اس نظام تعلیم میں کیوں تبدیلی نہیں فرماتے،جبکہ جداگانہ تعلیم کا مطالبہ صرف علمائے کرام ہی کا نہیں بلکہ طلبہ وطالبات کا بھی ہے(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۲۱۹)۔

۵-جداگانہ تعلیمی نظام کی صورتیں:

الگ الگ بلڈنگ ہوں اور الگ الگ کلاس روم ہوں،قضاء حاجت اور داخل وخارج کے راستے الگ ہوں،کسی طرح کا کوئی اختلاط نہ ہو،اور الگ ایک ہی کلاس روم اور ایک ہی بلڈنگ ہو تو پردہ کا ایسا معقول انتظام ہو کہ کوئی ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکے،رہا استاذ کے پڑھانے کا تعلق تو ان کے لیے بھی ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جہاں سے دونوں صنفوں کو آواز پہنچ سکے،اور استاذ کے لیے بھی پردہ کا انتظام ہو،رہی بات یہ کہ ایک ہی کلاس روم ہو اور اس میں آگے لڑکوں کی نشست ہو اور پیچھے لڑکیوں کی نشست تو ایک محل نظر بات ہے،اس لیے کہ شیطان گھات میں رہتا ہے،اور تانک جھانک کا قوی اندیشہ ہے،حدیث شریف میں فرمایا گیا:" **فزنا العین النظر**"(بخاری:۶۲۴۳)(آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اوران کا زنا دیکھنا ہے)۔

۶-جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا:

﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيدًا**﴾ (احزاب:۷۰)(اے ایمان والو!اللہ کا لحاظ رکھو اور سچی

تلی بات کہو)۔

کاشفی نے ”روح البیان“ میں فرمایا کہ ”قول سدید“ وہ قول ہے جو سچا ہو، جھوٹ کا اس میں شائبہ نہ ہو، صواب ہو جس میں خطا کا شائبہ نہ ہو، ٹھیک بات ہو، ہزل یعنی مذاق و دل لگی نہ ہو، نرم کلام ہو، دلخراش نہ ہو (دیکھئے: معارف القرآن ۷/۲۴۰)۔

”**قول سدید**“ یعنی افراط و تفریط سے الگ اور عدل و اعتدال کے مطابق بات جچی تلی اور پکی منھ سے نکلے، قول سدید کو خصوصیت کے ساتھ الگ سے بیان کرنے سے مقصد زبان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے (تفسیر ماجدی: ۵/۳۸۵)۔

امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری میں ایک باب ”باب النجش“ قائم کیا ہے، اس باب کی روایت میں ”**الخديعة في النار**“ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: کہ دھوکہ انسان کو جہنم لے جاتی ہے۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے: ”**نهى النبي ﷺ عن النجش**“ (بخاری: ۲۱۴۲) (اللہ کے رسول ﷺ نے دھوکہ دینے سے منع فرمایا ہے)۔

شریعت میں دھوکہ دینا سخت گناہ ہے، ترمذی کی روایت میں ہے: ”**قال النبي ﷺ: من غش فليس منا**“ (ترمذی: ۱۳۱۵) (جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے ”احسن الفتاویٰ“ میں جعلی سرٹیفکیٹ بنوا کر ملازمت کرنے کے تعلق سے لکھا ہے کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے، اس کی اعانت کرنے والے بھی گنہگار رہوں گے (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۹۸)۔

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے غلط عمر لکھوا کر ملازمت کی تنخواہ لینا کے تعلق لکھا ہے:

تنخواہ تو خیر حلال ہے، اگر کام حلال ہو، مگر جھوٹ کا گناہ ہمیشہ سر رہے گا (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۲۸۸)۔

اس لیے اسکول والوں کو دھوکہ دے کر جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا جائز نہیں ہے، اس طرح جھوٹا حلف نامہ بنوا کر بچہ کی غلط تاریخ پیدائش کا رواج دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ غلط اندراج (رکارڈ) ہمیشہ کے لیے ہوجائے گا۔

۷-لباس اور یونیفارم کا مسئلہ:

لباس ایک انسانی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اور اس میں حیا کا جو مادہ رکھا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنے جسم کو کسی چیز سے چھپائے، حضرت آدم اور حضرت حوا علیہ السلام کو جب جنت سے نکلنے کا حکم ہوا تو انہوں نے درخت کے پتوں سے اپنے ستر ڈھانکے۔

﴿وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾ (الأعراف: ۲۲)۔

لباس انسانی زندگی کا ایک اہم جز ہے، اگر یہ کہا جائے کہ انسانی و حیوانی خصوصیات میں سے یہ ایک نمایاں فرق ہے تو بیجا نہ

ہوگا، انسان اپنے ستر کو چھپانا چاہتا ہے اور جانور نہیں، ابتدائے آفرینش سے ہی انسان اس فکر میں رہا ہے کہ وہ اپنے ستر کو دوسروں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھے، اور اس کام کے لیے کبھی اس نے پیڑ کے پتے استعمال کئے اور کبھی پیڑ کی چھالوں کو کام میں لایا اور کبھی جانوروں کی کھالوں سے اپنا کام نکالا، پھر جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا مختلف طریقہ کے لباس سامنے آتے رہے اور انسان اپنی ضروریات پوری کرتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لباس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ **يَا بَنِيٓ آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِيْ سَوْءَاتِكُمْ وَرِيْشاً** ﴾ (الأعراف:۲۶) (اے ابن آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے زینت اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہے)۔

انسانی زندگی میں لباس و پوشاک کو ایک خاص مقام حاصل ہے، ایک طرف اس کی شرعی حیثیت ہے تو دوسری طرف یہ معاشرتی اور سماجی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ شرعی نقطۂ نظر سے لباس کے تین اہم مقاصد بیان کئے جاتے ہیں:

(۱) ستر پوشی۔ (۲) زینت۔ (۳) حفاظت جسم۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کیا اس وقت ہم سب خصوصاً مسلم عورتیں جو لباس پہن رہی ہیں ان سے لباس کا اولین مقصد پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟ دو مقاصد پورا کرنے میں تو مسلم عورتیں انتہائی منہمک ہیں، لیکن اولین مقصد کو انہوں نے نظر انداز کر دیا ہے، ایسا کیوں ہے؟ کاش کہ ہم غور کریں۔

اسلام کی نظر میں شرم وحیا ایمان کا ایک جز ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "**الحياء شعبة من الإيمان**" (مسلم:۱۵۲) (حیا ایمان ہی کا ایک حصہ ہے)۔

جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں، یہی وہ دولت ہے جس کے باعث انسان بڑے سے بڑے گناہوں سے بچ سکتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ یہی نہیں تو پھر انسان سب کچھ کر سکتا ہے، جس کی حیا مر جاتی ہے وہ نہ تو خدا اور رسول سے ڈرتا ہے اور نہ ہی انسانوں سے، آج ہماری بدقسمتی یہی ہے کہ مغرب تہذیب کے اثرات نے ہماری بہنوں اور بیٹیوں سے شرم وحیا کی دولت چھین لی ہے، اور وہ اب اپنے انجام سے بے خبر ہو کر اس دنیاوی زندگی کی دوڑ میں سب سے آگے نکل جانا چاہتی ہیں، میں ان سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ رک جائیں خدارا ایک لمحہ کے لیے تھم جائیں اور پیچھے پلٹ کر اپنی تاریخ دیکھیں کہ ایک دن وہ تھا کہ اگر وہ "دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں" اور ایک دن یہ ہے کہ شیطان ان کا رہبر ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ عورتیں جہنمی ہیں جو کپڑے پہننے کے باوجود بھی ننگی رہتی ہیں دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں یہ عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی۔

"نساء كاسيات عاريات، مميلات مائلات، رء وسهن كاسنمة النخت المائلة، لا يدخلن الجنة ولا

یجدن ریحها"(مسلم:۲۱۲۸)۔

ایک طرف اللہ اوراس کے رسول ﷺ کا اعلان ہے اور دوسری طرف اس سائنٹفک دور میں جہاں نئی نئی ترقیات ہورہی ہیں،نئی نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں وہاں مسلم عورتوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ کم سے کم کپڑوں پر گذارا کرسکتی ہیں،اور سائنٹفک طریقہ سے زندگی گذار سکتی ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ مردتو پوری آستینوں کی قمیص پہنتے ہیں اوران کی عورتیں چھوٹی اور بغیر آستینوں کی جمپر زیب تن کرتی ہیں۔

عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مقام اوراپنی اہمیت کو سمجھیں،عورت سراپا پردہ ہے،عورت کے معنٰی ہی پردہ کے ہیں،عورت کا ایک ایک عضو چھپائے جانے کا مستحق ہے،اسی لیے اسلام نے عورت کو پردہ کا حکم دیا ہے،عورت کے بے پردہ باہر نکلنے اور عریاں لباس پہننے سے جوفساد پیدا ہوتا ہے اس سے وہ خود بھی گنہگار رہوتی ہیں اور مردوں کو بھی گنہگار کرتی ہیں۔

آج کل مسلم عورتوں میں بے پردگی کی جولہر دوڑ گئی ہے اس نے انہیں تباہی کے غار پر لا کھڑا کیا ہے، وہ مغربی عورتوں کی طرح سر بازار گھومنا اور مذہبی وسماجی قیود وآئین سے بے پرواہ ہوکر آزادانہ زندگی گذارنا چاہتی ہیں،اب تک تو مسلم عورتوں کی حالت یہ تھی کہ وہ دھیرے دھیرے برقعوں سے بے گانہ ہورہی تھیں،لیکن اب وہ اس منزل پر ہیں جہاں وہ دوپٹوں کے بوجھ سے بھی آزاد ہو جانا چاہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے سانچے میں ڈھالا ہے اس میں عقلی اور روحانی کمالات رکھنے کے ساتھ اس کی ظاہری شکل وصورت بھی اچھی بنائی ہے،اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں اسے خوبصورت اور خوش اندام بنایا ہے، ساتھ ہی اس میں خوب سے خوب تر کی جستجو اور زیبائش وآرائش کا جذبہ بھی رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:"﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ. ﴾ (التین:۴)(ہم نے انسان کو اچھے سانچے پر پیدا کیا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:﴿يا بنى آدَمَ خُذُواْ زِيْنَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْن. ﴾ (الاعراف:۳۱)(اے بنی آدم! ہرعبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو)۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾(الأعراف:۳۲) (آپ کہہ دیجئے کہ کس نے حرام کی ہیں وہ زینتیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاکیزہ چیزیں ممنوع کردی ہیں؟)۔

لباس کے استعمال سے متعلق چار احکام ہیں:

(۱) فرض: وہ لباس جو قابل ستر حصے کو چھپائے اور گرمی و سردی سے حفاظت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَا بَنِي آدَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ ﴾ (الأعراف: ۳۱) (اے اولاد آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو)۔

(۲) مندوب یا مستحب: ایسا لباس جس سے زینت حاصل ہو اور اظہار نعمت ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ ﴾ (الضحیٰ: ۱۱) (اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ بھی کرتے رہا کیجئے)۔

مندوب کے لیے یہ بھی ہے کہ زینت کے لیے پہنا جائے، خاص طور پر جمعہ، عیدین اور لوگوں کے مجمع میں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (اگر کسی کو وسعت ہو تو استعمال کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن استعمال کرنے کے لیے دو کپڑے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

"**ما علی احدکم لو اشتری ثوبین لیوم الجمعة، سوی ثوب مهنته**" (ابن ماجہ اقامۃ الصلوٰت: ۱۰۹۵)۔

اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ تکبر نہ ہو۔

(۳) مکروہ: وہ لباس ہے جس میں فخر و تکبر کا اندیشہ ہو۔

آپ (ﷺ کا ارشاد ہے: کھاؤ پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف اور فخر کے۔

"**کلوا واشربوا والبسوا و تصدقوا، فی غیر اسراف ولا مخیلة**" (بخاری کتاب اللباس: ۵۷۸۳)۔

(۴) حرام: کبر اور فخر کے ارادہ سے لباس استعمال کرنا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو تم چاہو کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور جو چاہو پہنو بشرطیکہ دو باتیں تم میں نہ پائی جائیں، ایک تکبر دوسرے فضول خرچی (احمد: عبداللہ بن عمرو بن العاص: ۶۶۹۵)۔

اسلام اپنی تعلیمات میں پوری انسانیت کو پیش نظر رکھتا ہے، لباس سے متعلق بھی اسلام نے کچھ اصول رکھے ہیں، ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلام نے لباس کی کوئی خاص قسم یا ہیئت متعین نہیں کی ہے، جن کی تفصیلی بحث آچکی ہے، اب آخر میں ماحصل بیان کیا جاتا ہے۔

۱- لباس ساتر ہو، یعنی مرد و عورت کے لیے جسم کے جن حصوں کو ڈھانپنا ضروری ہے اسے مکمل ڈھانپنے والا ہو، یہی لباس کا اصل مقصد ہے، اسی سے انسان جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے، لباس اگر قابل ستر حصوں کو بھی نہ ڈھانک سکے تو اس میں اور بے لباسی میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

۲- لباس پہنتے وقت دائیں جانب اور اتارتے وقت بائیں جانب کا خاص خیال رکھا جائے۔

۳-لباس پہنے سے پہلے لباس جھاڑ لیا جائے تا کہ کوئی موذی جانور ہوتو وہ تکلیف سے پہلے گر جائے۔

۴-سفید لباس اختیار کیا جائے اس لیے کہ سفید لباس زیادہ صاف ستھرا رہتا ہے، صاف ستھرے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس میں ذرا بھی داغ یا دھبہ لگ جائے گا تو آدمی اسے فوراً دھو کر صاف کرلے گا، اور اگر کوئی رنگین لباس ہوگا تو اس پر دھبہ نظر نہ آسکے گا اور جلد دھونے کی طرف توجہ نہ ہو سکے گی۔

۵-ہر قسم کے میل کچیل اور گندگی سے پاک ہو، قرآن کریم کی مبارک آیت ﴿ وثيابک فطهِّر ﴾ (آپ اپنے کپڑوں کو پاک وصاف رکھیں)، اس کی تاکید کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے پاک وصاف بندے بہت پسند ہیں، {والله يحب المطّهّرين} (خوب پاک وصاف رہنے والے اللہ کو بہت پسند ہیں)۔

لباس کو نجاست سے پاک رکھنا ضروری، اور میل کچیل سے صاف رکھنا شریعت کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہے۔

۶-ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، یہ مردوں کے لیے تکبر کی علامت ہے، اس سے تکبر پیدا ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔

۷-اسی طرح لباس اس قدر باریک و مہین بھی نہ ہو کہ اندر کے اعضاء نظر آئیں، یہ بے لباسی کی طرح ہے۔

۸-اسی طرح اتنا چست بھی نہ ہو کہ پوشیدہ رکھنے کے لائق اعضاء کی ساخت نمایاں ہونے لگے۔

۹-اسلام کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ مرد و عورت کے لباس میں تفریق کا خیال رکھا جائے، ایک صنف دوسری صنف کا لباس نہ پہنے۔

۱۰-خواتین سر پر دوپٹہ اوڑھنے کا اہتمام رکھیں اور اس سے اپنے سر اور سینے کو چھپائے رکھیں۔

۱۱-ایسا لباس پہننا جس سے آدمی چلتا پھرتا اشتہار معلوم ہو شریعت میں ممنوع ہے، یہ درحقیقت شہرت پانے کا ایک مضحکہ خیز طریقہ ہے، لباس سنجیدگی اور وقار چاہتا ہے۔

۱۲-کسی قوم کا مذہبی لباس پہننے سے پرہیز کیا جائے۔

۱۳-لباس ہمیشہ اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق پہنا جائے۔

۸- اسکول کی تعمیر پر بے جا خرچ کرنا:

آج کل صورت حال یہ ہے کہ تدریس محض درسگاہ کی ملازمت نہیں کہ آدمی تکمیل ضرورت کے لیے کچھ تنخواہ لے لے اور بے غرضی کے ساتھ اپنے شاگردوں کو پڑھائے، بلکہ تدریس ایک ایسی تجارت بن گئی ہے کہ جس کے لیے کسی سرمایہ اور دوکان کی ضرورت نہیں، اساتذہ تاجر ہیں اور طلباء گاہک، اساتذہ اسکولوں، کالجوں میں قصداً غیر معیاری اسباق دیتے ہیں اور اسباق کو تشنہ رکھتے ہیں، تا کہ طلباء ان سے ٹیوشن پڑھیں اور کم وقت میں زیادہ قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض دانشگاہوں میں

ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے بھی شایان شان نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے۔

یہ ایسی شرمناک بات ہے کہ شریف النفس لوگوں کے لیے اس کا تذکرہ بھی گراں خاطر ہے، ایک ایسا مقدس رشتہ جو مکمل طور پر بے غرضی پر ہی ہے، جو ایک دوسرے سے بے لوث محبت اور بے پناہ شفقت کا متقاضی ہے اور جو تعلیم گاہیں انسانیت، محبت اور فرض شناسی کا احساس پیدا کرنے کے لیے ہیں، وہیں سے ایسی بداخلاقی اور حرص وطمع کا سبق ملے تو پھر کون سی جگہ ہوگی جہاں انسان کو انسانیت کا سبق مل سکے گا۔

لہٰذا تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنالینا جائز نہیں ہے۔

غریب بچوں پر پیسہ خرچ کیا جائے، اور اگر بچے زیادہ تعداد میں ہوں اور مدرسین کم ہوں تو مدرسین بڑھائے جائیں، مدرسہ اور اسکول کی عمارت میں ضرورت سے زائد خرچ کر دیتے ہیں، حالانکہ مدرسہ اور اسکول کی عمارت مقصود بالذات نہیں، مقصود اصل تعلیم ہے (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۴۵)۔

۹-فیس کا مسئلہ:

تعلیم کے لیے ماہانہ جو فیس متعین کی گئی ہے وہ فیس طالب علم کو دینا ضروری ہے، چاہے وہ طالب علم درجہ میں حاضر رہے یا غیر حاضر، اس لیے استاذ درجہ میں حاضر ہوتا رہا ہے، اور اس نے دوسرے بچوں کو ان اوقات میں تعلیم دی ہے جن اوقات میں یہ طالب علم درجہ سے غیر حاضر رہا ہے، استاذ کو مدرسہ یا اسکول کی طرف سے تنخواہ دی جاتی ہے، اور یہ تنخواہ انہیں طلبہ وطالبات سے ماہانہ فیس لے کر دی جاتی ہے، ظاہر بات ہے اگر اس سے ماہانہ فیس اس کی غیر حاضری کی وجہ سے نہیں لی جائے گی تو استاذ کو تنخواہ دینے میں دقت آئے گی، اس لیے ان طلبہ کو ماہانہ فیس دینا ضروری ہے جو درجہ سے غیر حاضر تھے، چاہے استاذ سے فائدہ اٹھایا ہو اور چاہے نہ اٹھایا ہو، اس میں استاذ اور اسکول چلانے والوں کا کوئی قصور نہیں ہے، قصور طلبہ کا ہے کہ تعلیم کے اوقات میں غیر حاضر رہا ہے، البتہ اگر اسکول کے ذمہ دار فیس معاف کر دیں تو کوئی حرج نہیں ہے، ٹرانسپورٹ فیس کا بھی یہی معاملہ ہوگا، اس لیے کہ گاڑی اس کی جگہ تک گئی ہے، تیل خرچ ہوا ہے اور دیگر اخراجات گاڑی وڈرائیور کا مسئلہ ہے، اس لیے دونوں دینا ضروری ہے۔

۱۰-عصری تعلیمی اداروں کے بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا:

زکوٰۃ کی حیثیت چونکہ محض عام انفاق اور انسانی مدد کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم اسلامی عبادت اور شرعی فریضہ ہے، اس لیے شریعت نے اس کے مصارف اور مدات خرچ خود متعین کر دئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. ﴾ (التوبہ: ۶۰) زکوٰۃ فقراء، مساکین، عاملین (زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کے کارکنان) مولفۃ القلوب، غلام، مقروض، اللہ کے راستہ میں (جہاد کرنے والے) اور مسافروں کے لیے، یہ اللہ کی طرف

سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے)۔

زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید کی اوپر ذکر کردہ آیت میں تفصیل سے بیان کیے گیے ہیں، اس کے متعلق خلاصہ کلام یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف انھیں لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو فقیر یا مسکین ہوں، یعنی جن کے پاس یا تو مال ہی نہ ہو یا اگر ہو تو نصاب تک نہ پہنچتا ہو۔

مستحق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ضروری شرط یہ کہ مستحق مسلمان ہو چنانچہ غیر مسلم مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے، آپ (ﷺ) نے فرمایا:

"**تؤخذ من اغنیائھم وتؤتی من فقرائھم**" (بخاری:۱۴۹۶) (زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے گی اور نادار مسلمانوں پر صرف کی جائے گی)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقہ فطر کے بشمول صدقات واجبہ غیر مسلموں کو بھی دینے کی گنجائش ہے (بدائع الصنائع: ۱۹۹/۲)۔

صدقات غیر نافلہ کا غیر مسلموں کو دینا تمام ہی فقہاء کے نزدیک جائز ہے (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۰۷)، اس لیے عصری اداروں میں بھی غریب بچوں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔

۱۱- اسکولوں میں مشرکانہ اعمال اور والدین کی ذمہ داری:

اسلام دراصل دو چیزوں کا نام ہے، "حقوق اللہ اور حقوق العباد" کا، یعنی ایک آدمی پر ایک طرف خدا کے حقوق ہوتے ہیں اور دوسری طرف خدا کے بندوں اور اس کی مخلوقات کا حق ہوتا ہے، اگر ان دونوں قسم کے حقوق کو آدمی اس طرح سے ادا کرتا ہے جس طرح سے ادا کرنے کا حکم خدائے تعالیٰ نے دیا ہے تو وہ مسلمان کہلاتا ہے۔

حقوق کے دائرے ہی میں عقائد وعبادات شامل ہیں، جن کے بارے میں صحیح طریقہ اور روش اختیار کر کے اور خدائے تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصول کی پابندی کر کے ہم اس کے حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش ہو سکتے ہیں، حقوق العباد میں اخلاق و معاملات آتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان کے ساتھ ہمارا ویسا ہی برتاؤ اور معاملہ ہونا چاہیے جو خدائے تعالیٰ نے بتایا ہے۔

اسلام میں عقائد کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، یہی اسلام کی اساس اور بنیاد ہیں اور انہیں پر اس کی عمارت قائم ہے، قرآن مجید میں جن عقیدوں کو ماننے کی دعوت دی گئی ہے، ان میں مرکزی اور بنیادی حیثیت تین چیزوں کو حاصل ہے "توحید، رسالت اور قیامت"، یہی تینوں چیزیں مختلف پیرائے اور اسلوب میں پورے قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں، اس کی سورتوں کا اصل موضوع انہی تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوتی ہے، یعنی کسی سورہ میں توحید کو نمایاں طور پر ثابت کیا گیا ہے اور کسی میں قیامت اور بدلہ کے دن کا خاص طور پر ذکر ہے، اور کسی میں نبوت ورسالت کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے۔

مذہب اسلام کا تعلق مسلمان کے قلب اور بدن کے ہر عضو کے ساتھ ہے اور زبان کے ساتھ بھی اس کا گہرا رشتہ ہے، جس طرح تصدیق قلبی کے ساتھ توحید و رسالت کا کلمہ پڑھنے سے کوئی بھی انسان اسلام میں داخل ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کفر وشرک کا کوئی جملہ زبان سے بولے تو اس کی وجہ سے وہ دائرے اسلام سے خارج ہوجائے گا، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً او ليصمت'' (بخاری: ۱۸۱۲) (جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ زبان سے اچھی بات بولے ورنہ خاموش رہے)۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (سورۂ ق: ۱۸) (انسان جو بھی بات زبان سے بولتا ہے اس کو لکھنے کے لیے اس کے پاس نگرانی رکھنے والا فرشتہ تیار رہتا ہے)۔

یہ گیت ''وندے ماترم'' جن حالات کے پس منظر میں اس کے تخلیق کار بنکم چندر نے بنایا ہے اور جن مضامین پر یہ مشتمل ہے، اس کے سبب ہندوستانی مسلمانوں کے لیے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہمیشہ یہ قابلِ اشکال رہا ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کسی بھی قول وفعل کی بابت آزاد نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے قول وفعل کو قانونی گرفت میں لے کر توحید کا پابند بنایا ہے، کسی بھی ایسے طور وطریق کو اختیار کرنا یا قول وفعل کو اپنانا جس سے عقیدۂ توحید مجروح ہوتا ہو، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ ایسا کرنے سے مسلمان اپنی اسلامی حیثیت کو کھو کر دائرۂ ایمان سے نکل جاتا ہے، اس لیے اسلام وندے ماترم گیت کے بہت سے الفاظ اور مصرعے اس کے بنیادی عقیدے کے خلاف ہونے کی بنا پر مسلمانوں کو اس کے گانے کی اجازت نہیں دیتا۔

''وندے ماترم'' گیت اصلاً کالی ماتا (کالی ماں) کی ستائش پر مشتمل ہونے کی بنا پر ہندوازم کے عقیدے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے، دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے لیے اس گیت کو لازم قرار دینا ہندوستان جیسے جمہوری ملک کی غیر مذہبی آئین کے تحت سخت توہین ہے۔

بالغ یا نابالغ مسلمان اولاد کے لیے ایسے منظوم اشعار پڑھنا ناجائز وحرام ہے کہ جن میں کفریہ وشرکیہ الفاظ ہوں، اسی طرح غیر اسلامی امور میں شرکت کرنا بھی جائز نہیں ہے، والدین کے لیے اپنی اولاد کو ایسے اسکولوں میں بھیجنے سے بچنا ضروری ہے، اگر ایسے اسکولوں کے علاوہ دینوی تعلیم کے لیے دوسرا انتظام نہ ہو تو اپنی اولاد کو ایسے پروگراموں میں شرکت نہ کرنے کی تاکید کرکے بھیجا جائے اور مسلمان بچوں کے لیے ایسے گیت کے فرض ولازم ہونے کی بابت قانونی کارروائی کرکے ان کو مستثنیٰ کیا جائے (باب الفتاویٰ: ۱/ ۶۴ نیز دیکھئے کفایت المفتی: ۹/ ۷ ۲۳)۔

☆ اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمان کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمانوں کے لیے ایسے اداروں میں بھیجنا جائز نہیں ہے۔

☆ اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے اور متبادل موجود نہ ہو تو بھیجنے کی اجازت ہے، مگر والدین اپنے بچوں کو تاکید کر کے بھیجیں۔

☆ اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمان کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اگر مسلم اداروں میں یہ عمل ہو تو غیر مسلم ادارے جہاں پر یہ عمل نہ ہوتا ہو وہاں بھیجنا چاہیے۔

☆ اگر غیر مسلم پرائیوٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو کیا حکم ہوگا؟

جواب: اگر غیر مسلم ادارے میں یہ عمل بطور ترغیب کے ہوتا ہے، تو مسلم ادارہ جہاں یہ عمل نہ ہوتا ہو وہاں بھیجنا چاہیے، اور اگر کوئی ادارہ اس طرح کا نہیں جو اس سے پاک ہو تو غیر مسلم ادارے میں جہاں یہ عمل بطور ترغیب کے ہوتا ہے بھیجنے کی گنجائش ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اپنے بچوں کو سمجھا کر بھیجیں۔

☆ ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہو سکتا ہے تو ان مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا جائز ہوگا؟

جواب: اگر دوسرے ادارے ہیں جہاں یہ عمل نہیں ہوتا ہے تو ایسے ادارے میں بھیجنا جہاں یہ عمل ہوتا ہے ناجائز ہے۔

☆ کیا مسلمان انتظامیہ کے لیے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لیے اس کا انتظام کریں؟

جواب: مسلمان انتظامیہ کے لیے اس بات کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ وہ اپنے اسکول کی ترقی کے لیے مشرکانہ افعال کو اپنے یہاں رواج دیں، مسلمان بچوں کو الگ کر کے غیر مسلم بچوں کو اس کی اجازت دینا یہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ مشرکانہ اشعار مسلم بچوں اور استاذوں کے کانوں میں ضرور پڑیں گے، اور یہ "ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ: ۲) کے تحت منع ہے۔

۱۲-جنسی تعلیم:

مغربی تہذیب کی نقالی میں ہماری بچیاں اپنے جوہر نسوانیت کو پامال کر رہی ہیں، حیا اور حجاب عورت کا زیور ہے، بے حجاب نیم برہنہ لباس پہن کر اور بن سور کر مٹکنا جنسی بھیڑیوں کو دعوت دینا ہے، عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم لڑکیاں بے پردگی اور نیم برہنگی کو فیشن سمجھنے لگی ہیں اور والدین کو کبھی حرف غلط کی طرح روکنے کی توفیق نہیں ہوتی، کالجوں کا مخلوط ماحول اور موبائل فونوں کا بے تحاشہ

استعمال، گھروں میں ٹی وی پر گھنٹوں گندے مناظر کا مشاہدہ یہ سب مل کر نوجوان نسل کو جنسی بے راہ روی کی جانب ڈھکیل رہے ہیں۔

الغرض مخلوط تعلیم، فحش فلموں اور ٹی وی پروگراموں اور موبائل اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے جب تک نئی نسل کو محفوظ نہیں رکھا جاتا، صورت حال میں تبدیلی ناممکن ہے، گھریلو دینی تربیت بھی انتہائی ضروری ہے، عصری تعلیم میں اخلاقیات اور دینیات کا اضافہ ناگزیر ہے۔

موجودہ حالات میں ہمارے بچے اور بچیاں وقت سے پہلے ہی بالغ ہوجاتے ہیں، جنسیات کے بارے انہیں قبل از وقت اتنی معلومات ہوجاتی ہے کہ بسا اوقات جنسیات پڑھنے والوں کو نہیں ہوتی، اسی لیے تو آج معاشرے میں زنا اور اغوا کے واقعات رونما ہورہے ہیں، اگر انہیں جنسیات کی تعلیم دی گئی تو معاشرے کا کیا حال ہوگا خدا ہی بہتر جانے، اس لیے موجودہ حالات کے پیش نظر جنسیات کی تعلیم ضروری نہیں ہے بلکہ مضر ہے، اگر اس کو اداروں میں لازم کردیا گیا تو والدین کو کف افسوس ملنا ہوگا، اس لیے اگر حکومت کسی سطح تک جنسیات کی تعلیم مسلمان کے بچوں اور بچیوں کے لیے لازم قرار دے تو شرعاً مسلمانوں کو اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔

۱۳-کھیل کود سے متعلق امور:

انسان کی فطرت میں قدرت نے جو دواعی اور تقاضے رکھے ہیں، ان میں ایک تفریح طبع بھی ہے، چاہے وہ شعر و ادب اور طنز و مزاح کے ذریعہ ہو یا کھیل کود، اس لیے کھیل کود بھی ایک حد تک انسانی فطرت کا حصہ ہے۔

اسلام مذہب فطرت ہے، جس نے زندگی کے ہر شعبے میں طبعی تقاضوں کی رعایت کی ہے، اور جہاں کہیں بے اعتدالی پیدا ہوئی ہے وہاں افراط وتفریط کو دور کر کے ایک معتدل اور متوازن طریقہ کی رہنمائی کی ہے، اس نے کھیل کود کی بھی بالکل نفی نہیں کی ہے، بلکہ مناسب حدود و قیود کے ساتھ اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

کھیل کے جواز کے لیے تین شرطیں ہیں:

(۱) کھیل سے مقصود محض ورزش یا تفریح ہو، خود اس کو مستقل مقصد نہ بنالیا جائے۔

(۲) کھیل بذات خود جائز بھی ہوں، اس کھیل میں کوئی ناجائز بات نہ پائی جائے۔

(۳) اس سے شرعی فرائض میں کوتاہی یا غفلت پیدا نہ ہو، اس معیار کو سامنے رکھا جائے تو اکثر و بیشتر کھیل ناجائز اور غلط نظر آئیں گے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۳۳۰)۔

ان اصولوں سے ہٹ کر اگر کوئی کھیل ہوگا تو وہ جائز نہیں ہوگا، جو کھیل بدن کی ورزش، صحت اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے یا کسی دوسری دینی و دنیوی ضرورت کے لیے یا کم از کم طبیعت کا تھکان دور کرنے کے لیے ہو اور ان میں غلو نہ کیا جائے کہ انہیں کو مشغلہ بنالیا جائے اور ضروری کاموں میں ان سے حرج پڑنے لگے، تو ایسے کھیل شرعاً مباح اور اور اگر دینی ضرورت کی نیت سے ہوں تو ثواب بھی ہے (معارف القرآن: ۷/۲۳)۔

کھیل کھیلنے والے ایسا لباس اختیار کریں جو ساتر ہو، یعنی مرد ہو تو ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ڈھکا ہوا ہو، خواتین مردوں کے درمیاں نہ کھیلیں، خواتین کے لیے خواتین کے سامنے پردہ کے حدود وہی ہیں جو مردوں کے لیے، اس کی رعایت کے بغیر کھیلنا حرام ہے، کیونکہ حصۂ ستر کا چھپانا شرعاً واجب ہے۔

"أعلم أن الكسوة منها فرض وهو مايستر العورة" (الدرالمختار علی ہامش الرد ۹/ ۵۰۵)۔

اگر کوئی ایسا کھیل ہے جو دونوں صنفوں کے درمیان مخلوط ہے تو وہ کھیل دونوں صنفوں کے اختلاط کے ساتھ جائز نہیں ہے، اگر الگ ہو کر کھیلا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اختلاط مرد وزن حرام ہے۔

تفریحی مقصد کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے، بلا ضرورت سفر نہ کیا جائے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے بلا ضرورت سفر کو پسند نہیں فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "السفر قطعة من العذاب" (بخاری: ۱۸۰۴)۔

دینی اور جائز دنیوی مقاصد کے لیے سفر کرنا جائز ہے، آپ ﷺ نے جہاد اور دعوت دین کے لیے اسفار فرمائے ہیں، صحابہؓ، تابعینؒ، فقہاءؒ ومحدثینؒ نے طلب علم کے لیے سفر کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اسی طرح صحابہؓ اور سلف صالحینؒ سے تجارت، کسب معاش، اقرباء سے ملاقات اور عیادت وغیرہ کے لیے کثرت سے اسفار منقول ہیں (قاموس الفقہ ۴/ ۱۵۵)۔

قرآن مجید میں کئی جگہ " قل سيروا في الأرض "(سورۂ انعام: ۱۱) آیا ہے کہ زمین میں چلو پھرو، اس کو بنیاد بناتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے۔

انتظامیہ کو دونوں صنفوں کو اختلاط سے بچاتے ہوئے ان کاموں کے کرنے کی اجازت ہے، اور ایک دوسرے شہر لے جانے کے لیے محرم کے ساتھ جانے کی اجازت ہے، غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیمی اداروں کے قیام کی ضرورت واہمیت

مولانا ندیم احمد انصاری☆

۱- ایسے اسکول قائم کرنا، جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیارِ تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں، کم سے کم مستحب کے درجے میں مطلوب ہیں، اور یہ حکم موقع ومحل کے اعتبار سے تبدیل ہوسکتا ہے۔

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: شرعی فرائض وواجبات کا علم حاصل کرنا فرض ہے، خواہ وہ علوم عبادات ومعاملات سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ وہ معاشرت اور تہذیب وتمدن سے، اور مستحبات کا علم مستحب اور مباحات کا علم مباح (ہے) (کفایت المفتی: 2/68)۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس وشیخ الحدیث مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب فرماتے ہیں: ہمارے بچوں کی دنیا کی تعلیم اسی وقت مضبوط ہوگی جب ہماری اپنی اسکولیں ہوں گی، ان کے اخلاق بھی درست رہیں گے اور عقائد بھی بگڑنے سے محفوظ رہیں گے، تعلیم بہ ہر حال مفید ہے، مگر دینی ماحول میں ہونی چاہیے (عصری تعلیم: ضرورت، اندیشے، تدبیریں، ص: 38)۔

ظاہر ہے دینی ماحول اُنھیں اسکولوں میں پیدا کیا جاسکتا ہے، جن کا انتظام وانصرام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو۔

۲- ایسے ادارے اگر مسلمانوں کے زیرِ انتظام ہوں تو نصابِ تعلیم میں اس بات کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ اسلامی شریعت کے موافق ہوں، جس میں وسعتِ ظرفی سے کام لیا جائے، لیکن بے جا اباحیت پسندی کو راہ نہ دی جائے۔ اس لیے جن اسکولوں میں غیر شرعی افکار مثلاً ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریۂ جنس، غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں تو مسلمانوں کو اپنے آئینی حقوق کا استعمال کرتے ہوئے ان کے خلاف احتجاج درج کروانا ضروری ہے، نہ کہ اپنے زیرِ انتظام تعلیمی اداروں میں بھی وہی مضامین جوں کے توں پڑھانے لگیں۔ یہ اس وقت ہے جب کہ ان میں سے بعض مضامین کا پڑھانا اسکولوں کے لیے لازم ہو، اگر ان مشتبہ یا مکروہ مضامین کا پڑھانا لازم نہ ہو تو ان کو نصاب سے خارج کر دینا واجب ہے، بغیر ایسا کیے امت کی خدمت کے جذبے کی بات کرنا محض زبانی جمع خرچ ہوگا۔

فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے: اولاد کو اتنی دینی تعلیم دینا تو فرض ہے جس سے وہ اپنے فرائض بجا طور پر ادا کرسکیں۔

☆ ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، ممبئی۔

''**قال رسول اللہ ﷺ: طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' (ابن ماجہ:224)، اُس کے آگے عصری یا دنیوی تعلیم دینا مباح ہے، نیز اگر اس کا مقصد ملی وقومی مفاد ہو تو مستحسن ہے، البتہ شریعت کی پابندی بہ ہر حال ضروری ہے کہ اسلامی تشخص کی حفاظت کے ساتھ دنیوی ترقیات حاصل کرنی چاہئیں (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ:3/181، ڈابھیل)۔

۳- عصری یا دنیوی تعلیم دینا مباح ہے، نیز اگر اس کا مقصد ملی وقومی مفاد ہو تو مستحسن ہے، البتہ شریعت کی پابندی بہ ہر حال ضروری ہے کہ اسلامی تشخص کی حفاظت کے ساتھ دنیوی ترقیات حاصل کرنی چاہئیں (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ:3/181، ڈابھیل)۔

اس لیے اگر بچوں کو مجبوری میں ایسے اداروں میں تعلیم کے لیے داخل کر ہی دیا گیا تو چوں کہ بچوں کو دینی واسلامی علوم سے آراستہ کرنا والدین پر لازم ہے، اس لیے گھر پر یا اچھے مکتب میں ان کی مکمل دینی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے، جو کہ فی زمانہ کافی مشکل ہے، لیکن ضروری ہے، کیوں کہ جس طرح بچوں کی جان کی حفاظت کے لیے ان کی جسمانی غذا وغیرہ کا انتظام کرنا والدین کی ذمّے داری ہے، اسی طرح ان کے ایمان کی حفاظت کے لیے روح کی غذا کا انتظام کرنا بھی والدین ہی کی ذمّے داری ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِیكُمْ نَارًا'' (سورۂ تحریم:6) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے)۔

۴- ظاہر ہے کہ مخلوط تعلیم کا عام رواج بہت سے فتنوں کا پیش خیمہ ہے، جس کا علاج کیا جانا ضروری ہے، ہاں جب تک علاحدہ علاحدہ انتظام ممکن نہ ہو تو مجبوری کے درجے میں ایک خاص عمر تک اس کی گنجائش ہو سکتی ہے، رہا یہ سوال کہ کس عمر یا کس کلاس سے طلبہ و طالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہوگا؟ تو جن احادیث میں دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کر دینے کا حکم دیا گیا ہے، اُن کی روشنی میں بچے بچیاں زیادہ سے زیادہ دس سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ حصولِ تعلیم اگر چہ اچھی چیز ہے، لیکن اس کے لیے اجنبی جوانوں کے ساتھ اختلاط کی حرمت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں ہے (مستفاد از احسن الفتاوی:8/33)۔

'' **قال اللہ تعالیٰ: یُدْنِینَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیبِهِنَّ**'' [الأحزاب:59] ''**قال أبو بکر فی هذه الآیة: دلالة علی أن المرأة الشابة مأمورة بسترة وجهها عن الأجنبیین**'' (احکام القرآن للجصاص:3/372)۔

''کفایت المفتی''، میں بجا لکھا ہے: ''سنِ بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلّف ہو جانا ممکن ہے اور جسمانی قوت واستعداد اور نوعیتِ آب وہوا اور نسلی وقومی خصوصیات کے اختلاف سے بلوغ و مکلفیت کی عمروں میں اختلاف ہوتا ہے، اربابِ بصیرت مختلف مقامات کے مطابق عمرِ بلوغ متعین کر سکتے ہیں'' (2/67)۔

نیز دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب فرماتے ہیں: ''دین کی حفاظت کے ساتھ جتنا چاہو لڑکوں کو پڑھاؤ کوئی منع نہیں کرتا، اسی طرح لڑکیاں جب تک سیانی نہ ہو جائیں ان کو دینی اور دنیوی تعلیم دی جا سکتی ہے، سیانی ہو جانے

کے بعد ان کا الگ انتظام ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ لڑکی سیانی کتنی عمر میں ہوتی ہے تو فقہاء نے اس کے مختلف اندازے قائم کیے ہیں، کیوں کہ ماحول کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہوتا ہے، جہاں نشو ونما اچھا ہے وہاں جلدی لڑکی ہونہار ہوجاتی ہے اور جہاں کی آب وہوا اچھی نہیں وہاں دیر لگتی ہے، بلکہ شخصی طور پر بھی ہرلڑکی کا حال یکساں نہیں ہوتا، کسی لڑکی کی صحت اچھی ہوتی ہے، کوئی کم زور ہوتی ہے، اس سے بھی فرق پڑتا ہے، اس لیے کوئی خاص عمر طے کرنا مشکل ہے۔۔۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ لڑکی عام طور پر دس گیارہ سال میں سیانی ہوجاتی ہے، اس کے بعد ان کا الگ انتظام کرنا ضروری ہے'' (عصری تعلیم:39)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''شریعت کا اصل حکم تو یہ ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے پرہیز کیا جائے، خاص طور پر ایسا مستقل مشغلہ اختیار کرنا، جس میں نامحرم خواتین کے ساتھ مستقل میل جول ہو، بغیر ضرورت کے جائز نہیں، لہٰذا حکومت اور مسلم معاشرہ کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے بجائے لڑکوں کے لیے الگ اور لڑکیوں کے لیے الگ تعلیمی ادارے قائم کریں، لیکن جب تک ایسا نظام نہ ہو تو چونکہ میڈیکل تعلیم حاصل کرنا ایک ضرورت ہے اور اس میدان میں متدین افراد کی کمی ہے جسے دور کرنے کا یہی راستہ ہے کہ متدین افراد میڈیکل تعلیم حاصل کریں، اس لیے اگر اس تعلیم کے حصول کا وہ راستہ نہ ہو جو اوپر بیان کیا گیا تو اس شرط کے ساتھ تعلیم کی حصول کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ حتی الامکان اپنے آپ کو بے پردہ نامحرم خواتین سے دور رکھیں اور جہاں کہیں ایسی خواتین کا سامنا ہو وہاں نگاہ نیچی رکھیں، اور اپنی نگاہ اور دل کی حفاظت کریں۔ خواتین کے لیے بھی میڈیکل تعلیم کا حصول اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ پردے کا مکمل اہتمام کریں، اور مَردوں کے قریب نہ بیٹھیں، عورتوں کے لیے تعلیم کی غرض سے مَردوں کو دیکھنے کی گنجائش ہے، مگر یہ گنجائش ضرورت کی حد تک ہی محدود رہنی چاہیے'' (فتاویٰ عثمانی:1/169)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے موقف میں توسع ہے۔

۵- لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ بلڈنگ ہو، یہ صورت تو جائز ہے، ورنہ کم از کم دونوں کے لیے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ رہی تیسری اور آخری صورت کہ ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں، اس میں نہایت احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، جس کا تقریباً فقدان ہے۔

یہ تو دور کی بات ہے، مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب نے بجا طور پر فرمایا ہے: ''بنات کے مدارس میں جو طریقہ چل پڑا ہے کہ مَردوں کے ذریعے پردے کے پیچھے سے تعلیم دی جاتی ہے اور ان کی اقامتی قیام گاہیں بن گئی ہیں، یہ دونوں باتیں خرابیوں کا پیش خیمہ ہیں اور اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔۔۔ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت بہ ہر حال مقدم ہے، اس کا لحاظ رہنا چاہیے'' (عصری تعلیم؛ضرورت، اندیشے، تدبیریں:31)۔

نیز مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا ارشاد ہے: ''لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان کے لیے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد و رفت کے ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ فتنے کا احتمال باقی نہ رہے، نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم و تربیت کی خدمت کے لیے مقرر کیا جائے، اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح، قابلِ اعتماد مَردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے'' (کفایت المفتی: 2/67)۔

البتہ کوشش یہی ہو کہ لڑکیوں کو پڑھانے والی صرف عورتیں ہی ہوں، کیوں کہ تعلیم دینے والے اگر مرد بھی ہوں تو اِس پُرفتن دور میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

''درأ المفاسد أولى من جلب المصالح، فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً'' (الاشباہ والنظائر: 1/147)۔

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے: ''مراہقہ اور بالغہ لڑکیوں کا بے پردہ گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اگر حجاب کے ساتھ گھر سے نکلے اور پردہ کا پورا اہتمام ہو۔ نیز خلوت نہ ہو، تو ایسی صورت میں غیر محرم سے پڑھنے کی گنجائش ہے، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ پردہ کے ساتھ بھی مردوں سے نہ پڑھے، بلکہ عورتوں سے ہی پڑھے'' (مستفاد از فتاوی رحیمیہ: 4/371)۔

٦- اسلام کی تعلیمات اور اس کا اصل مزاج یہی ہے کہ جھوٹ اور دھوکے سے کام نہ لیا جائے، لیکن سوال میں مسئولہ صورت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، یعنی اگر کوئی بچہ متعینہ عمر کی حد کو پار کر چکا ہے تو سرپرست ایسے بچے کی عمر اگر کم کر کے نہ لکھوائیں تو اسکول میں بچّے کا کبھی داخلہ ہی نہیں ہوگا، جس سے اسے ضرر لاحق ہوگا۔ اول تو یہ قاعدہ غیر واجبی ہے، اس لیے ناگزیر اور شدید مجبوری کی صورت میں اس کی گنجائش ہونی چاہیے، دوم ضرر سے بچنے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ صریح جھوٹ کے بجائے گول مول سے کام لیا جائے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک مجلس میں فرمایا: ''ایک بی بی کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں کہ وہ قرض لے جاتی ہیں پھر واپس نہیں دیتیں، اب میں یہ کرتی ہوں کہ جب کوئی قرض مانگنے آتی ہے کہہ دیتی ہوں کہ میرے پاس نہیں، اس جھوٹ سے بچنے کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ اس جھوٹ سے گناہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ ضرر سے بچنے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے، لوگ شریعت کو تنگ بتلاتے ہیں کیا یہ تنگی ہے اور اس میں ایک تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت میرے پاس جیب میں نہیں، مگر ایسی تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے'' (دیکھیے: ملفوظات حکیم الامت: 8/324 یونیکوڈ)۔

٧- سوال کے نصف اول --- اسکولوں میں داخل ہونے والے بچوں کے لیے مخصوص لباس - یونیفارم - لازم ہے، اس میں بعض ادارے ٹائی کو لازم کرتے ہیں، لڑکیوں کو اسکرٹ پہننی ہوتی ہے اور لڑکوں کو نیکر پہننا ضروری قرار دیتے ہیں، اگر کوئی طالبِ علم شریعت کے دایرے میں رہتے ہوئے ساتر لباس پہنے، یا کوئی طالبہ برقعہ پہننا چاہے تو اس کو خلافِ ڈسپلن کہہ کر باہر کر دیا جاتا ہے،

اب تو بعض اسکولوں میں اسکارف پہننے کو بھی منع کیا جاتا ہے، یہ مسلمانوں کے زیرِ انتظام اسکولوں میں ہوتا ہے اور غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں بھی --- یہ واقعی ایک مسئلہ بن گیا ہے، یعنی غیر مسلم کسی درجے میں مسلمانوں کی رعایت کرنے کو تیار ہیں لیکن خود مسلمانوں کا طرزِ عمل اس باب میں نہایت افسوس ناک ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ آج بھی ہندوستان میں الحمدللہ یہ ممکن ہے کہ اگر کسی غیر مسلم پرنسپل سے اپنی مجبوری بتا کر اس کی اجازت حاصل کر لی جائے، تو گنجائش نکل آتی ہے۔ اگر کہیں جبر کیا جائے تو انھیں سمجھایا جائے کہ اس طرح کا لباس ہمارے مذہب کے رو سے درست ہے نہ ہمارے کلچر کی رو سے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ روزنامہ اسلام (لاہور) میں 6 اگست 2013ء کو اے پی پی کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی تھی:

''لندن کے علاقے ورسسٹر شائر کے ایک مڈل سکول نے 9 سال تک کی عمر کی طالبات پر سکرٹ پہننے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ ذرائع کے مطابق واک ورڈ چرچ آف انگلینڈ مڈل اسکول کا موقف ہے کہ طالبات نے بہت ہی چھوٹے سکرٹ پہننا شروع کر دیئے تھے جس کی وجہ سے انھوں نے مجبوری میں پابندی لگائی ہے'' (مغربی فلسفہ: 34 یونیکوڈ)۔

ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ رہا یہ سوال کہ --- یونیفارم مقرر کرنے کے کیا اصول وضوابط ہوں گے، جو شریعت کے مطابق بھی ہوں اور ایسے دیدہ زیب بھی ہوں کہ دوسرے اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے یونیفارم دیکھ کر اسلامی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں --- اس کے جواب میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جو حسبِ ذیل ہیں:

۱) یونیفارم ساتر ہو، یعنی نہ بہت چست ہو نہ بہت باریک کہ ستر نمایاں ہو، نیز اسلامی تشخص کی جھلک اس میں پائی جائے۔

مفتی اعظم ہند، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''عورتوں کے لیے جو ستر کہ نماز میں شرط ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کے علاوہ تمام جسم پر مشتمل ہے اور پردۂ عرفی کہ شعارِ عصمت ہے؛ چہرہ اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کو بھی شامل ہے، کیوں کہ چہرے سے ہی فتنے کا قوی تعلق ہے اور حکم اپنی علت پر ہی جاری ہوتا ہے، اس پردۂ عرفی کے وجوب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: '' وإذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب''۔ اور نبی ﷺ کا فرمان: ''افعميا و ان أنتما''، البتہ اجنبی اور محرم کے فرق کا اعتبار کیا گیا ہے، کیوں کہ محارم میں بدنیتی کا احتمال نہیں ہوتا اور معاشرتی ضروریات کشفِ حجاب کی اجازت کی مقتضی ہیں، اسی طرح چھوٹے لڑکوں اور زیادہ سے زیادہ نو سال کی لڑکیوں اور زیادہ عمر والوں کے درمیان بھی فرق ہے (کفایت المفتی: 2/68)۔

۲) ٹائی کا استعمال فی زمانہ بہت زیادہ مذموم قرار نہیں دیا جا سکتا، اور اگر کسی مجبوری خواہ اسکول، کالج کی یونیفارم کے طور پر ہو تو اس کی کراہت مزید خفیف ہو جاتی ہے، البتہ مسلم انتظامیہ کو ٹائی لازم نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا فتویٰ ہے: '' ٹائی ایک وقت میں نصاریٰ کا شعار تھا، اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب

غیر نصاریٰ بھی بہ کثرت استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت شدید ہوگی، کہیں ہلکی۔ جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے، وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا'' (فتاویٰ محمودیہ جدید:19/289 کراچی)۔

۳) دیدہ زیبی کے چکر میں ایسی وضع قطع اختیار نہ کی جائے جو شریعت میں ناپسندیدہ ہو۔ جیسا کہ آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مرقوم ہے: آدمی کے دِل میں جس کی عظمت ہوتی ہے اس کی وضع قطع کو اپناتا ہے، قومی لباس یا اسلامی لباس کے بجائے انگریزی لباس اور وضع قطع کی پابندی یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دِل میں نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ نوجوان طلبہ میں اسلامی جذبہ بیدار ہو اور وہ قومی لباس کو یونیفارم قرار دینے کا مطالبہ کریں (7/103، یونیکوڈ)۔

۸- تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنالینا درست نہیں کہا جاسکتا، البتہ سوال میں مذکور ہے کہ بعض اسکول تو شخصی ہوتے ہیں اور بعض تعلیمی اور رفاہی اداروں کے تحت چلتے ہیں، لیکن ان سے حاصل ہونے والے پیسوں سے غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوب صورت بنانے میں خرچ کردیا جاتا ہے، یہ فیس جب تعلیم کا معاوضہ ہو اور اسے دیگر رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کا کوئی اصول و قاعدہ موجود نہ ہو تو اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

۹- اس سوال کا جواب مثل مدرسے کے مدرسین کی تنخواہ کے سمجھنا چاہیے، جس طرح وہ عرف و ضرورت کی بنیاد پر جائز ہے، اسی طرح بچوں کی غیر حاضری کے باوجود ان دنوں کی فیس وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا، البتہ فیس کی بڑھتی ہوئی مقدار کی جو بات کہی گئی ہے، وہ یقیناً قابلِ اصلاح ہے، جس کی وجہ سے طالبِ علم تعلیم تک سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے منظّم کوششوں کی ضرورت ہے، البتہ داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس، امتحان فیس وغیرہ کے نام سے جو مختلف فیسیں لی جاتی ہیں اور جن کا تعلق طالبِ علموں سے ہے، اس کی مناسب اور طے شدہ فیس لینا درست اور جائز ہے، خواہ طالبِ علم حاضر رہا ہو یا غیر حاضر، جب کہ ابتدا میں شرط ٹھہرالی گئی ہو۔

جس طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایامِ مرض اور تعطیل کی تنخواہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''اگر قالاً یا حالاً اہلِ چندہ کی رضا سمجھی جاوے تو یہ شرط ٹھہرنا درست ہے کہ ایامِ مرض کی تنخواہ دی جاوے گی، ورنہ درست نہیں، پھر اگر شرط نہ ٹھہری تب تو استحقاق نہیں ہے اور اگر شرط ٹھہر گئی تو وہ مستحق ہے، پھر اگر اہلِ چندہ کی رضا معلوم ہو تو چندے سے دینا درست ہے، ورنہ جس نے مدرس کو رکھا ہے وہ اپنے گھر سے دے (ایامِ تعطیل میں) تنخواہ تو ایامِ عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایامِ عمل کے ساتھ ملحق ہے، تاکہ استراحت کر کے ایامِ عمل میں عمل کرسکے'' (امداد الفتاویٰ:3/348، فتاویٰ محمودیہ جدید:5/524، امداد الاحکام:3/584 کراچی)۔

۱۰- اس کا جواب اثبات میں ہے اور اسے ناجائز کہنے کی ہماری سمجھ میں کوئی وجہ نہیں آئی، یعنی اگر عصری تعلیمی اداروں کے طلبہ

میں زکوٰۃ کا استحقاق پایا جاتا ہے تو انھیں دینی مدارس کے طلبہ کی طرح ہی زکوٰۃ کا مال دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

''محمود الفتاویٰ'' میں ہے: ''اسکول میں پڑھنے والا وہ بچہ اگر بالغ ہے اور وہ مستحقِ زکوۃ ہے، یعنی اس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت، یا اس قیمت کا زائد از ضرورت سامان نہ ہو تو اس کو بقیہ فیس کی ادائیگی کے لیے زکوۃ کی رقم دی جائے، تو درست ہے، اور اگر وہ نابالغ ہے اور اس کا باپ؛ نیز خود اس کی ملکیت میں مقدار نصاب مال زائد از ضرورت موجود نہیں تو اس کو بھی زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے'' (4/313)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: ''ادائے زکوٰۃ کے لیے مستحق کو مالک بنا دینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ کنواں، راستہ، اسکول، مکتب میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں، لہٰذا اگر غریب مستحق طلباء کو مالک بنا دیا جائے خواہ روپیہ دے کر، خواہ کتاب دے کر، خواہ کپڑے وغیرہ دے کر، تو ادا ہو جائے گی، اگر غریب کو بہ طور ملک زکوۃ دے دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے موقع مذکور میں صَرف کر دے، تو درست ہے، بہ راہِ راست کی گئی تنخواہ اور معاوضے میں دینا صحیح نہیں'' (فتاویٰ محمودیہ جدید: 9/576 کراچی)، (البتہ) جس تعلیم کے نتائج اس قدر خراب ہوں کہ عقائد و اعمال سب کچھ بدل جاتے ہوں اور بگڑ جاتے ہوں، اس کا حاصل کرنا اور اس پر روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چہ جائے کہ زکوۃ اور فطرے کا ایسی جگہ خرچ کرنا (ایضاً: 613)۔

۱۱- اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان میں بہ تدریج فرقہ پرستی کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، فرقہ پرست سیاسی جماعتیں برسرِ اقتدار آ رہی ہیں اور انھوں نے بعض ریاستوں میں ایک ایسے ترانہ کو پڑھنے کا لزوم عائد کر دیا ہے جو مشرکانہ تصور پر مبنی ہے، حب الوطنی بری چیز نہیں اور اگر انصاف کے دایرے میں ہو تو اسلام اسے پسند کرتا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہر انسان کے اندر ودیعت ہے، لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی کی پرستش و بندگی نہیں کی جا سکتی، بندگی صرف خدا کے لیے ہے، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور ان کو قبول کرنا قطعاً جائز نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ برادرانِ وطن جو سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کے لیے یہ محض ایک قومی اور ملکی مسئلہ نہیں اور نہ ہم اس کو انا اور وقار کا مسئلہ بنا رہے ہیں، بلکہ اس کی جڑیں ایمان و عقیدے میں پیوست ہیں اور کسی مسلمان کو ایسا کہنے پر مجبور کرنا گویا ان کو اس بات پر مجبور کرنا ہے کہ وہ اپنے مذہب و عقیدے سے دست کش ہو جائیں، اور ظاہر ہے کہ ملک کا کوئی بھی سنجیدہ اور انصاف پسند شہری، جو ملک کی رنگارنگ مذہبی اور تہذیبی کردار کو باقی رکھنا چاہتا ہو، ایسی کوشش کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا (دیکھیے جدید فقہی مسائل: 1/315، کفایت المفتی: 9/285، دارالاشاعت، کراچی)۔

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ترانے اور وندے ماترم کے متعلق لکھا ہے: ''دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترانہ محض سیاسی انداز کا نہیں ہے بلکہ اس میں مذہبی رنگ غالب ہے، جو اسلامی عقائد و نظریات سے میل نہیں کھاتا بلکہ متصادم ہے، اور اسلام جو مزاج بنانا چاہتا ہے، اُس کے خلاف ہے اور بعض جملوں میں وہمِ شرک بھی ہے، اِس لیے مسلمانوں کو اُس سے اجتناب اور پرہیز لازم ہے، بلکہ مسلمانوں کو

چاہیے کہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو اُس سے قانوناً وعملاً مستثنی کرائیں‘‘ (24/426، کراچی)۔

مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں، جوابات حسبِ ذیل ہیں:

☆اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمانوں کے لیے اس کے خلاف مؤثر انداز میں احتجاج درج کروانا اور اس پر عمل درآمد نہ کرنا لازم وضروری ہے۔

’’قال النبی ﷺ: **السمع والطاعة على المرأ المسلم فيما أحب و كره، مالم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة**‘‘، یعنی مسلمان آدمی پر واجب ہے کہ (حاکم کی) اطاعت کرے، خواہ وہ اسے پسند ہو یا نہ، جب تک کہ اُسے کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور اگر کسی معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ضروری ہے نہ ماننا (بخاری: 7144، مسلم: 1739)۔

☆اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے میں بخل سے کام لینا چاہیے اور کسی مجبوری کے تحت داخل کرنا ہی پڑے تو انھیں اسلامی عقائد پر ثابت رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ’’يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا‘‘ (التحریم: 6)۔

☆اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو خود مختار ادارے قائم کرنا چاہیے، جہاں مسلم طلبہ کو ایمان کی حفاظت کے ساتھ ضروری تعلیم دی جا سکے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ’’وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ، وَأَحْسِنُوا، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ‘‘ (البقرۃ: 195)، کچھ لوگوں نے اپنی پرائیویٹ اسکولیں قائم کر دی ہیں، اس سے قوم کو بہت بڑا نفع پہنچا ہے، اور جو دیہات ابھی اپنی پرائیویٹ اسکولیں قائم نہیں کر سکے، وہ نقصان میں ہیں (عصری تعلیم: 38)۔

☆اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بہ طور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے اور اس کے سوا مسلم طلبہ کی تعلیم کے لیے کوئی مناسب ادارہ نہ ہو تو ایک تو انتظامیہ کو اس سے مجتنب رہنے کی فہمائش کرنی چاہیے، دوسرے مسلم طلبہ کی دینی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ارشاد ربانی ہے: ’’يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا‘‘ (التحریم: 6)۔

☆ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہو سکتا ہے تو اِن مشرکانہ افعال کو لازم کرنیوالے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا درست نہ ہوگا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ’’يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا‘‘ (التحریم: 6)۔

☆مسلمان انتظامیہ کے لیے اس بات کی ہرگز گنجائش نہ ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، بلکہ یہ بھی درست نہ ہوگا کہ مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لیے اس کا انتظام کریں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :"وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ،إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"(سورۂ مائدہ:۲)(اور نیکی اور تقوے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے)۔

نیز ارشاد فرمایا:"وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرىٰ حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ، قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى، وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَائَكَ مِنَ الْعِلْمِ، مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ"(سورۂ بقرہ:۱۲۰)(اور یہود ونصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کروگے، کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔اور تمہارے پاس) وحی کے ذریعے (جو علم آگیا ہے اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرلی تو تمھیں اللہ سے بچانے کے لیے نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار)۔

۱۲- اگر حکومت اسکول میں جنسی تعلیم لازم کردے تو بھی اسکولوں میں اس کی تعلیم دینے یا اپنے بچوں کو داخل کرنے کی گنجائش نہیں پیدا ہوسکتی، جیسا کہ سوال میں عرض کیا گیا ہے کہ اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔

"المقاصد الشرعیۃ" میں ہے:"إن الذرائع تعد وسائل الى المقاصد وحكمها حكم مقاصدها من حيث التحريم والوجوب والكراهة الندب والاباحة، أى أن الوسيلة أو الذريعة تكون محرمة إذا كان المقصد محرما، وتكون واجبة إذا كان المقصد واجبا ، فالزنا محرم وممنوع ولذلک حرمت ذرائعه ووسائله"(ص:46،المطلب الثامن،صلۃ الذرائع سدا وفتحا بمقاصد الشریعۃ)۔

البتہ مسلمانوں کے پاس اسلامی شریعت کی روشنی میں تیار کردہ مستقل جنسی تعلیم (Sex Education) کا نصاب ہونا چاہیے، جسے تعلیمِ بالغان میں سمجھ دار اور سنجیدہ افراد کے ذریعے پڑھایا جاسکے، یہی دانش مندی کی بات ہوگی۔عام طور پر جنس کو معیوب (Oppribrious) سمجھا جاتا ہے، جب کہ یہ انسان کی فطری ضرورت (Natural Instinct) ہے، اس میں بھی اعتدال کی ضرورت ہے، اس لیے کہ مذہبی دایرے میں رہ کر ہی جنس کی صحیح تعلیم دی جاسکتی ہے۔جنسی تعلیم سے مراد عمر کے ساتھ ساتھ بچوں میں جو جسمانی اور ذہنی تبدیلیاں آتی ہیں، ان سے متعلق مسائل سے آگاہ کرنا ہے، جس کے لیے سنجیدگی ومتانت ناگزیر ہے، اور انٹرمیڈیٹ اور ڈگری سطح پر جب بچے مکمل بالغ ہوچکے ہوتے ہیں، اس سطح پر ان کو وہ ضروری معلومات دینے میں کوئی حرج نہیں جن کا جاننا ہر بالغ فرد کے لیے ضروری ہے۔آیت:"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحىٖ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا"(سورۂ بقرہ:۲۶)(بے شک! اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے)، کے ذیل میں مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"ثابت ہوا کہ کسی مفید مضمون کی توضیح میں کسی حقیر ذلیل یا شرم ناک چیز کا ذکر کرنا نہ کوئی گناہ ہے اور نہ قائل کی عظمتِ شان

کے منافی ہے،قرآن وسنت اور علماے سلف کے اقوال میں بہ کثرت ایسی مثالیں بھی مذکور ہیں جو عرفاً شرم ناک سمجھی جاتی ہیں،مگر قرآن وسنت نے اس عرفی شرم و حیاء کی پرواہ کیے بغیر اصل مقصد پر نظر رکھ کر ان مثالوں سے اجتناب گوارا نہیں کیا''(معارف القرآن:1/169)۔

اس لیے مناسب یہی ہوگا کہ حکومت سے کہا جائے کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں اور مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات،عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے۔

۱۳- بلا وجہ اختلاط جس طرح بالغ مرد و عورت کے درمیان شرعاً جائز نہیں،اسی طرح قریب البلوغ لڑکے لڑکیوں کی اختلاط کے ساتھ تعلیم شرعاً جائز نہیں ہے،حدیث کے مطابق غیر محرم عورت پر نگاہ جمانا اور ان کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا بھی بہت بڑا گناہ ہے،''قال رسول اللهﷺ: **إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا، أدرك ذلك لامحالة، فزنا العين النظر**''(بخاری: 6243،مسلم:2657)'' **وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا؛لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة**''(شامی، کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ:2/79 زکریا) ''**قال رسول اللهﷺ: لايخلون رجل بامرأة الاكان ثالثهما الشيطان**''(ترمذی:171)۔

ان ہدایات کے پیشِ نظر عصری اسکولوں میں تفریحی،طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ،سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے جو مقابلے کرائے جاتے ہیں جس میں طلبہ و طالبات کا اختلاط بھی ہوتا ہے، اگر وہ بالغ یا قریب البلوغ ہوں تو ایسا کرنا جائز نہیں،البتہ مسلمان انتظامیہ اختلاط سے بچاتے ہوئے دونوں صنفوں کے لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے ،ان کاموں کو علاحدہ علاحدہ کرواسکتی ہے۔

مولانا احمد علیؒ رقم طراز ہیں: ''مستقل طور پر مزاح میں لگا رہنا ممنوع ہے،اس لیے کہ وہ زیادہ ہنسنے کا سبب،قلب کے بگاڑ کا ذریعہ اور ذکر اللہ سے اعراض کا موجب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار ہی مزاح فرماتے تھے،وہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے یا مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے ہوتا تھا،اس لیے بلا کسی خاص مصلحت کے ان امور میں اشتغال مناسب نہیں''(حاشیہ ترمذی:2/20)۔

فتاویٰ مفتی محمود میں مروجہ ٹورنامنٹ وغیرہ کے متعلق مرقوم ہے: ''اگر لڑکی کم عمر ہو اور مشتہاۃ اور مراہقہ نہ ہو تو زیب و زینت اور نمائش سے عاری ہو کر جلسۂ اسلامی میں قرآن مجید سنا سکتی ہے۔۔۔واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال میں مدارج اور مراتب ہیں؛بعض فرض،بعض واجب،بعض مستحب ہیں،اسی طرح اعمالِ بد میں بھی تفاوت ہے۔امام بخاریؒ نے 'کفر دون کفر کا باب' معاصی کے اسی تفاوت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے قائم فرمایا ہے،لہٰذا فٹ بال ٹورنامنٹ، والی بال میچ (اور اسی طرح دیگر کسی

مقابلے) میں اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ کھلاڑی سب باشرع گھٹنے ڈھکے ہوئے نماز کے پابند اور اوقاتِ نماز میں کھیل کو ختم کرنے والے اور نیت ان کی ورزشِ صحتِ جسمانی کو باقی رکھنا یا ترقی دینا تاکہ جہاد کے لیے استعداد پیدا ہو، ازیں قسم کے مقاصد پیشِ نظر ہوں تو پھر کھیل وغیرہ ان شرائط کے ساتھ مباح ہوں گے یا مستحب ہو جائیں گے۔ اگر یہ شکل نہ بن سکے بلکہ عمومی طور پر آج کل کھیلنے والے بے نمازی گھٹنے اور ران کھلی ہوئی لہو ولعب بے مقصد یا اس کے ذریعے سے روپیہ پیسہ کمانا اور تماشا دیکھنے والوں میں سے اکثر لوگوں کا لہو ولعب کی نیت سے شامل ہونا اور عورتوں کا شمولیت کرنا وغیرہ مفاسد جو پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ ٹورنامنٹ وغیرہ بہ اعتبار ان مفاسد کے گناہ اور حرام ہوں گے۔ جتنے زیادہ مفاسد ہوں گے، اتنی حرمت کم زیادہ، اور جتنے کم، اتنی حرمت کم اور اگر بالکل مفاسد سے خالی ہوں تو مباح قرار دیا جائے گا'' (11/260 بتصرف)۔

نیز ''کفایت المفتی'' میں ہے: محض اجتماع عورتوں کا ممنوع نہیں ہے، اگر صرف عورتیں کسی جگہ جمع ہوں اور اجتماع کی غرض و غایت مفید ہو تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، لیکن عورتوں اور مَردوں کا مخلوط اجتماع بہت سے فتنوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، اسی وجہ سے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے اور بلاضرورتِ شدیدہ گھر سے نکلنے سے منع فرمایا ہے اور ان کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور گھر میں نماز پڑھنے کو مسجدِ محلّہ سے اور مسجدِ نبوی سے بھی بہتر قرار دیا ہے (2/68)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے جو مقابلے کرائے جاتے ہیں جس میں طلبہ وطالبات کا اختلاط بھی ہوتا ہے، بچوں کے سیانے ہو جانے کے بعد درست نہیں اور ان میں سے جس کا کوئی دینی یا دنیوی کوئی نفع نہ ہو، یا جو کام شریعت کے مزاج سے ٹکراتا ہو مسلمان انتظامیہ کو اختلاط سے بچاتے ہوئے بھی دونوں صنفوں کے لیے ان کاموں کو کرانا جائز نہیں۔ ''**عن أبی هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه**'' (ترمذی: 2317)۔

۱۴- اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر (۱۳) کا ہے۔

۱۵- شریعت میں بعض چیزیں وہ ہیں جن سے صراحتاً منع کر دیا گیا ہے، ایسے کاموں کو بہتر مقاصد کے تحت کیا جائے یا ناروا مقاصد کے پیشِ نظر، وہ بہ ہر حال ناجائز ہی رہیں گی، ذی روح کی تصویر سے چوں کہ احادیث میں صراحتاً منع فرمایا گیا ہے، اس لیے تعلیمی مقاصد کے لیے بھی ان کا استعمال درست نہ ہوگا، وہ باتیں جو مباح اور جائز ہیں وہ نیت اور ارادے پر موقوف ہیں، البتہ ڈیجیٹل تصویر میں علمائے ربانیین وراسخین کے مابین اختلاف ہے، اس لیے ضرورت کے موقعوں پر بچوں کی تعلیم کی غرض سے اسے استعمال کرنا درست ہے۔ البتہ سوال کے مطابق آج کل ابتدائی درجات کے بچوں کے لیے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے - جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں- کلاسوں میں رکھے جاتے ہیں، تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسمے بھی دیکھ لیں، یہ طریق درست نہیں کہ اور یہ کام ظاہر ہے ڈیجیٹل تصویر سے بھی لیا جا سکتا ہے، اس لیے یہ مجسمے کلاسوں میں مہیا کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: ''جب کتاب کا اصل مقصود تعلیم اوراس میں تصویریں ضمنی طور پر آئی ہیں تو ایسی کتاب کو اس شرط کے ساتھ رکھنا اور پڑھنا جائز ہے کہ تصویروں کے جن حصوں کی تعلیم کیلئے ضرورت نہ ہوان کو یا تو مٹادیا جائے یا کسی کاغذ وغیرہ سے چھپادیا جائے خاص طور پر ایسی تصویر جو شہوت کو برانگیختہ کرے اس کو اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ صرف وہ حصہ باقی رہے جو تعلیم کی غرض سے ضروری ہے ضرورت کا تعین اس موضوع سے کیا جا سکتا ہے جس موضوع کی اس تصویر کے ذریعے تعلیم دی جارہی ہے'' (فتاویٰ عثمانی:1/169)۔

۱۶- جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں اور وہ لڑکیوں کے لیے ان امور کی تعلیم کا انتظام بھی کر سکتے ہیں تو انھیں ضرور اس طرح کا انتظام کرنا چاہیے، ان کے حق میں ایسا کرنا مستحب و مستحسن ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**علموا ابنائکم السباحة و الرمی والمراۃ المغزل**'' (شعب الایمان للبیہقی عن ابن عمر، الفتح الکبیر:2/231)۔

(اپنے لڑکوں کو تیراکی و تیراندازی اور عورتوں کو اون کاتنا سکھاؤ)۔

۱۷- رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' (ابن ماجہ:224) (دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

یہ حدیث متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے اور بعض علمانے اس کی تحسین بھی کی ہے، جب کہ اسحاق بن راہویہ کا کہنا ہے کہ علم سیکھنا واجب ہے، مگر اس تعلق سے جو حدیث مروی ہے وہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، البتہ معنی کے اعتبار سے درست ہے (دیکھیے: حاشیۂ جامع بیان العلم وفضلہ:1/52) یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث میں علم سے مرادعلمِ دین ہی ہے، دنیوی علم وفنون عام دنیا کے کاروبار کی طرح انسان کے لیے ضروری سہی، مگر ان کے وہ فضائل نہیں۔ پھر علمِ دین ایک علم نہیں، بہت سے علوم کو پورا مشتمل ایک جامع نظام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کر سکے، اس لیے حدیثِ مذکورہ میں جو ہر مسلمان پر فرض فرمایا ہے اس سے مرادعلمِ دین کا صرف وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کر سکتا ہے نہ حرام چیزوں سے بچ سکتا ہے، جو ایمان واسلام کے لیے ضروری ہے (معارف القرآن:4/489)۔

''الجواہر الزواہر'' میں ہے: ''فرضِ عین تو پاکی وناپاکی کے مسائل اور نماز، روزہ وغیرہ اس عبادت کے احکام کا معلوم کرنا ہے، جو مکلّف پر واجب ہے، اور خرید وفروخت وکرایہ وغیرہ ان معاملات کے احکام کا معلوم کرنا ہے جن کی مکلّف کو اکثر حاجت پیش آتی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ ان پر نماز، رزہ، حج، زکوۃ فرض ہے اور بیع ورہن وغیرہ معاملات کرنے کا بہ کثرت ان کو اتفاق ہوتا ہے، مگر ان کو معلوم نہیں کہ ان کے متعلق شرعی احکام کیا ہیں؟ جن کا پورا کرنا ان کا فرض ہے۔ لہٰذا اپنے فریضے کو ترک کرنے کا ان پر گناہ ہوتا ہے اور ان کی کمائی صاف ستھری نہیں ہوتی، کیوں کہ انھیں یہی معلوم نہیں کہ کون سی صورت معاملے کو فاسد

کرتی ہے اور کون سی صورت اس کی اصلاح کرتی ہے" (ص:191)۔

اس لیے ایسے اسکولوں میں مذکورہ بالا تمام باتوں پر محیط دینی تعلیم دی جانی چاہیے، تاکہ طلبہ وطالبات بہ قدرِ واجب دینی تعلیم حاصل کرسکیں۔ اس کے لیے علما ومفکرین کی جماعت کو مل بیٹھ کر انتہائی عرق ریزی سے مکمل نصاب ترتیب دینا ہوگا، اس ضرورت کے پیشِ نظر انفرادی طور پر تو کچھ کاوشیں ہوئی ہیں، لیکن اس جانب مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

۱۸- اساتذہ کے تقرر میں مرد معلمین اور خواتین معلمات کا مسئلہ واقعی بہت اہم ہے، بالغ لڑکے اور بالغ طالبات کے لیے جنسِ مخالف میں سے ٹیچر مقرر کرنا درست نہیں، اور محض اس بنیاد پر کہ خاتون معلّمہ کم تنخواہ پر مہیا ہوجاتی ہیں، اس عمل کی گنجائش نہیں ہوسکتی، خواہ اسکول کی مالی حالت اس کا تقاضا کرتی ہو، یعنی ایسی صورت میں مخالفِ جنس ٹیچر کا تقرر درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ سوال نمبر (۵) کے جواب میں گزرا: چاہیے کہ لڑکیوں کو پڑھانے والی صرف عورتیں ہی ہوں، کیوں کہ تعلیم دینے والے اگر مرد بھی ہوں تو اِس دورِ پُرفتن دور میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ **"درأ المفاسد أولى من جلب المصالح، فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً"** (الاشباہ والنظائر:1/147)۔

۱۹- فقہ کی اصطلاح میں رشوت اس مال کو کہتے ہیں، جو کسی کے حق کو باطل کرنے کے لیے یا کسی باطل کو حاصل کرنے کے لیے دیا جائے۔ (التعریفات:125) یعنی رشوت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو، اس کا معاوضہ لیا جائے، مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمے لازم ہو، اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا، جیسے حکومت کے افسر اور کلکٹر وغیرہ سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمے دار ہیں، پھر وہ صاحبِ معاملہ سے کچھ لیں، تو یہ رشوت ہے (معارف القرآن:3/151-152، بتغیر)۔

رشوت خوروں کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: **"اکّٰلون للسحت"** (المائدۃ:42) (یہ لوگ سُحت کھانے والے ہیں)۔

"سُحت" کے لفظی معنی کسی چیز کو جڑ، بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں، اس معنی میں قرآن کریم نے فرمایا ہے: [**فَیُسحتکم بعذاب**] (سورۂ طٰہٰ:۶۱) یعنی اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے تمھارا استیصال کر دے گا، یعنی تمھاری جڑ، بنیاد ختم کردی جائے گی۔ قرآن مجید میں اس جگہ لفظ سُحت سے مراد رشوت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ وغیرہ ائمۂ تفسیر نے اس کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔۔۔ اس لیے شریعتِ اسلام میں اس کو سُحت فرما کر اشدّ حرام قرار دیا ہے اور اس کے دروازہ کو بند کرنے کے لیے امرا و حکام کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جاتے ہیں، ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دے کر حرام کر دیا گیا ہے (معارف القرآن:3/151)، معلوم ہوا رشوت باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتوں میں انتہائی بدترین صورت ہے، کیوں کہ اس میں دوسرے شخص کو مال دے کر اسے حق سے منحرف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ گوشت، جو حرام مال سے پرورش پائے، جہنم کی آگ ہی

اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ کسی نے عرض کیا: حرام مال سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: (کسی بھی قسم کا) فیصلہ کرنے کے لیے رشوت قبول کرنا (تفسیر ابن جریر: 6/156)، رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: رشوت لینے والے، دینے والے اور ان دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (معجم کبیر طبرانی: 1415)۔

معلوم ہوا کسی کا حق مار کر اپنا کام کروانے کے لیے رشوت لینا دینا تو جائز نہیں، البتہ شدید مجبوری کی صورت میں بہ درجۂ مجبوری دینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فقہا نے لکھا ہے:

”رشوت دینے کی گنجائش کب ہوگی؟ اس سلسلے میں فقہاء نے یہ اصول متعین کیا ہے کہ اگر رشوت نہ دے تو ناحق طریقہ پر اس کو جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو کہ جس ذمہ دار کے پاس اس کی درخواست زیرِ غور ہے، وہ اس کے ساتھ انصاف سے کام نہ لے گا، اور اس کے اور دوسرے امیدواروں کے درمیان مساویانہ سلوک روا نہیں رکھے گا۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں؛ جان یا مال پر خوف کی وجہ سے، نیز اس لیے کہ سلطان یا امیر اس کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرے، رشوت دینے کی گنجائش ہے، یہ ممنوع صورتوں سے مستثنیٰ ہے“ (جدید فقہی مسائل: 1/302 بتغیر)۔

☆☆☆

تعلیمی اداروں کا تحفظ اور رشوت

مولانا محمد طیب ندوی☆

۱-اسلامی ماحول کے عصری ادارے قائم کرنے کی حیثیت:

آج کل ہم مسلمانوں میں بھی تعلیم کی نسبت سے دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم کی اصطلاح قائم ہوگئی ہے۔قرآن وحدیث کی تعلیم کو دینی تعلیم تصوّر کیا جاتا ہے اور عصری علوم کے سیکھنے سکھانے کو دنیوی تعلیم کہا جاتا ہے۔حالانکہ اسلام نے علم کی ایسی کوئی تقسیم نہیں کی ہے، بلکہ علم کی دو ہی قسمیں کی گئی ہیں۔''علم نافع'' اور علم غیر نافع، جو علم انسانیت کے لئے مفید اور کارآمد ہو وہ علم ''نافع'' ہے اور جو علم انسانیت کے لئے نافع ہونے کے بجائے نقصان رساں ہو اور تعمیر کے بجائے تخریب کے طرف لے جاتا ہے وہ علم غیر نافع ہے، آپ نے علم نافع کی دعاء مانگی اور علم غیر نافع سے پناہ چاہی ہے۔

احیاء العلوم جلد اول میں تفصیل سے علوم پر بحث کی گئی ہے۔جس میں شرعی اور غیر شرعی علوم کی تقسیم کی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

''غیر شرعی علوم کی بھی تین قسمیں ہیں۔(۱) پسندیدہ علوم (۲) ناپسندیدہ علوم (۳) مباح۔

پسندیدہ علوم وہ ہیں جن سے دنیاوی زندگی کے مصالح وابستہ ہیں، جیسے علم طب اور علم حساب، ان میں سے بھی بعض علوم فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض صرف اچھے ہیں فرض نہیں۔فرض کفایہ وہ علوم ہیں جو دنیاوی نظم کے لئے ناگزیر ہیں، جیسے طب، تندرستی اور صحت کی سلامتی کے لئے ضروری ہے، یا حساب کی خرید فروخت کے معاملات، وصیتوں کی تکمیل اور مال وراثت کی تقسیم وغیرہ لازمی ہے، یہ علوم ایسے ہیں کہ اگر شہر میں ان کو کوئی جاننے والا نہ ہو تو تمام اہل شہر کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑیگا تاہم ان میں سے اگر ایک شخص بھی ان علوم کو حاصل کرے تو باقی لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے'' (احیاء العلوم ۱/ ۵۳)۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علیؒ کا ایک دعوتی وتعلیمی سفر صوبۂ مدھیہ پردیش اپنے رفقاء کے ساتھ تاریخی شہر اوجین میں ۱۹۷۷ء میں ہوا، اُجین شہر میں ایک عصری درسگاہ کے قیام کے موقع پر ایک فکر انگیز تقریر فرمائی جس میں آپ نے نئی نسل کے ایمان وعقائد کی حفاظت کرنا وقت کی اہم ضرورت بتلایا اور ایسے معیاری اسکول کے قیام کی طرف توجہ دلائی جس میں مسلمان طلبۂ تعلیم حاصل کریں اور دیو مالائی تعلیم کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں، بقول حضرت مولاناؒ ''مانٹیسری اسکول (Montessori

☆ جامع شکیب، بیگم باغ کالونی، اوجین (ایم، پی)۔

(School) نرسری اسکول (Nursery School) کنڈر گارٹن اسکول (Kindergarten School) وغیرہ قسم کے مدارس نہایت ضروری ہو گئے ہیں، ہم مسلمانوں کو توجہ دلائیں گے کہ اب صرف کنویں بنانا اور صرف مسجد کے مقابلے میں مسجد بنانا صرف یہی ایک نیکی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ بڑی نیکی کا کام یہ ہے کہ آپ اس نئی نسل کے بچائیں اور ایسے معیاری اسکول قائم کریں جن کا انتظام جن کے اساتذہ کی سطح یعنی کوالیفیکیشن (Qualification) ان کا تجربہ کسی دوسرے اسکول سے کم نہ ہو جس کو دوسرے فرقوں نے قائم کئے ہیں، بلکہ بہتر ہونا چاہئے۔ مسلمانوں کو ہر میدان میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور پھر اس کا ڈسپلین رکھ رکھاؤ اس کی صفائی اور اس کا نظم ونسق وہ ہر طرح سے ایسا ہو کہ کھاتے پیتے لوگ اور جن کا معیار زندگی بلند ہے وہ اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے میں ذرا بھی تأمل نہ کریں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ میں مدرسہ کا آدمی ہوں اب بھی مدرسہ کا ہی خادم ہوں اور عربی مدارس کی دعوت دیتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ میں ہی آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اب آپ زمانہ کو سمجھئے، زمانہ کے تیور سمجھئے اور اب آپ ہر جگہ ایسے اسکول قائم کیجئے جہاں اچھے خوشحال اور تعلیم یافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں (بحوالہ تحفہ انسانیت صفحہ ۸۳ / ۸۴)۔

حضرت مفتی عبدالرحیمؒ صاحب لاجپوری ایک استفتاء کے جواب میں مسلم اسکول کے قیام کی ترغیب اور حوصلہ افزائی ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو باعث اجر وثواب بھی سمجھتے ہیں لکھتے ہیں ''ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدر ضرورت گجراتی، انگریزی وغیرہ دنیوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔ بلاشبہ جائز اور کار خیر وموجب اجر وثواب ہے'' (۱ / ۴۵)۔

''**وأما فرض الكفاية من العلم ، فهو كل علم لا يستغنى عنه فى قوام أمور الدنيا، كالطب و الحساب والنحو واللغة**'' (شامی کراچی ۱ / ۴۲ بحوالہ کتاب النوازل)۔

۲- غیر اسلامی افکار ونظریات کا نصاب میں شامل کیا جانا:

نصاب تعلیم کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت اور ہمگیریت رکھتا ہے، اگر ایک طرف اسکول کے مقاصد ومطمح نظر کا ترجمان، تو دوسری طرف انتظامیہ کے فکر ونظر کا آئینہ دار، اساتذہ ومعلمین کا تقرر نصاب تعلیم کا حصہ ہے تو وہیں درسی کتب وثقافتی پروگرام کا جزو تعلیم بھی۔

تعلیم کی مقصدیت اور غرض وغایت پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بانی جامعہ ملیہ دہلی کی یہ تحریر بڑی جامع ہے۔

''انگریزوں نے تعلیم کا جو مقصد قرار دیا تھا وہ اب تک باقی ہے یعنی نوکری، اس کو بدل کر اخلاقی شخصیت کی تعمیر تعلیم کا مقصد ہونا چاہئے، مقصد کے تعین کی کسوٹی تہذیب ہے، ہر قوم ہر زمانہ میں، اپنی اپنی تہذیب کی بنیاد پر تعلیم کا ڈھانچہ تیار کرتی ہے۔ روس میں اشتراکی اصولوں کا غلبہ ہے امریکہ میں سرمایہ داری کا، جرمنی میں تحقیق کا، جاپان میں صنعت کا، انگلستان میں تجارت کا، فرانس میں جمالیات کا، بدھ مذہب میں صبر واستقلال کا، جین مذہب میں عدم تشدد کا، ہندو مذہب میں رواداری کا، عیسائیت میں خدمت خلق

کا،اسی طرح عالم اسلام میں تہذیب حجاز کا،یعنی وحدانیت،حقانیت روحانیت کا سبق دیا جانا چاہئے جو ہمارا مقصد حیات ہے،اس کو ہمارے نصاب میں،ہمارے تحقیق وتفتیش میں،بحث ومباحثہ میں،تعلیم وتربیت میں،ہرمیدان میں سبقت رہنی چاہئے،ہمارے بچوں کے سامنے ایک بامعنی مقصد،اخلاقی وتہذیبی زندگی کا نمونہ پیش کرنا چاہئے،اس سے مقصدیت ابھریگی'' (ماہنامہ ذکری جدید خصوصی اشاعت)۔

اولاد کی پرورش۔مشکلات اور حل:

ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا سید محمد واضح رشید ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا نصاب تعلیم تین قسم کے موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔(۱)ان میں ایک قسم طبیعاتی اور ان سے متعلقہ علوم کی ہے۔دوسری قسم زبان وادب وسماجی علوم کی ہے تیسری قسم اخلاقی ومذہبی علوم کی ہے۔جو نصاب بنایا جائیگا اس میں ان تینوں قسموں کا اشتراک رکھنا ہوگا۔اس لئے کہ انسانی زندگی کے تشکیل میں یہ تینوں اپنی اپنی جگہ اثر ڈالتے اور کام آتے ہیں۔میوزک اور ڈانس کا تعلق ثقافتی پروگرام سے ہے،غیروں کے نزدیک ناچ گانے،بھجن اور رقص وسرور دیوتا کو خوش کرنے کا طریقہ بھی ہے اور عبادت بھی،جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:''**وما كان صلاتهم عندالبيت إلا مكاء و تصدية**''(سورۂ انفال:۳۵)لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ناجائز ہے آلات غنا،ومزامیر اور اس کے احکام کے بارے میں مفتی محمد شفیعؒ صاحب فرماتے ہیں۔''جو آلات ناجائز اور غیر مشروع کاموں ہی کے لئے وضع کئے جائیں جیسے آلات قدیمہ میں ستار،ڈھولکی وغیرہ اور آلات جدیدہ میں اس قسم کے آلات لہوولعب ان کی ایجاد بھی ناجائز ہے۔صنعت وحرفت بھی خرید فروخت بھی اور استعمال بھی (جدید مسائل کے شرعی احکام صفحہ ۳۴)۔

البتہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے ثقافتی پروگرام مذکورہ چیزوں سے بچتے ہوئے کئے جائیں تو قابل تحسین ہیں۔

جو مضامین درسی کتب کے ہیں جن کا پڑھنا لازم ہے اور وہ اسلام کے بنیادی عقائد سے میل نہیں کھاتے ہیں تو اس کے تصفیہ اور ازالہ کے لئے دیندار اساتذہ کا تقرر کیا جائے جو ان کو صحیح نقطۂ نظر سے واقف کرائے اور ان کو اسلام کا صحیح نقطۂ نظر بتلا کر مطمین کرے۔''**و قلبه مطمئن بالإيمان**''(سورۂ نحل:۱۰۶) کے رہتے ہوئے انشاءاللہ عنداللہ ماخوذ نہیں ہونگے۔

اگر کسی جگہ مسلم انتظامیہ کے تحت اسکول نہیں ہیں تو سرپرستوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خارجی اوقات میں دینی واخلاقی تعلیم کا انتظام کریں۔صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا موقع فراہم کریں۔گاہ بگاہ ان کو علمائے حقہ کی تقاریر ومحاضرات سننے کا انتظام کریں۔مقدور بھر اپنے بچوں کے ایمان وعقائد کی سالمیت کے لئے جو بھی تدابیر اختیار کر سکتے ہوں کریں۔ورنہ عنداللہ مسئول ہوں گے،اگر مذکورہ تمام امور میسر نہ ہوں تو ایمان واخلاق کی بقا کی فکر میں کچھ قربانی دینا پڑے تو پیچھے نہ ہٹیں۔اگر ماحول سازگار نہیں ہے تعلیم وتربیت کا بھی انتظام نہیں ہے اور برادران وطن کا غلبہ ہے تو نقل مکانی کرکے سازگار ماحول اختیار کریں۔''**الهجرة ماضي إلى يوم القيامة**'' کا تقاضہ بھی یہی ہے۔نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ جو ہجرت کی اس کے اسباب وعوامل میں ایک اہم سبب

اسلام اور مسلمانوں کے لئے ماحول کا سازگار رہنا بھی ہے۔

۴- مخلوط نظام تعلیم کا مسئلہ:

صورت مسئولہ میں مخلوط تعلیم کا نظام کس عمر یا کس کلاس تک جائز ہے؟ یا کس عمر سے طلباء وطالبات کی جماعتوں کو الگ الگ بٹھایا جائے؟ امام ابوبکر جصاص اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں "**أو الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء**"(سورۂ نساء:) کے تحت فرماتے ہیں: "**قال مجاهد ؒهم الذين لا يدرون ماهن من الصغر " أى لا يميزون بين عورات النساء والرجال لصغر هم وقلة معرفتهم بذالک**"(جصاص) (مراد اس سن کے بچے ہیں جو ابھی شہوانیت کے معنی ہی سے واقف نہیں یہ معنی نہیں کہ ابھی باقاعدہ بالغ نہیں ہوئے ہیں)(بحوالہ تفسیر ماجدی سورۂ نور) اس سے معلوم ہوا کہ جو بچے صنفی شعور و احساسات سے ناواقف ہیں وہ خارج از حکم پردہ ہیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ کس عمر تک اختلاط کی گنجائش ہے تو بطور استدلال یہ حدیث پیش نظر رہے: "**مروا أولادكم با لصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربو هم عليها، وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم فى المضا جع**" فقہاء نے تصریح کی ہے کہ لڑکا دس سال اور لڑکی ۹ سال کی عمر میں بالغ شمار کئے جاسکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا مذکورہ عمر تک اختلاط کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے حقوق میں مساوات اور خلقت و ذمہ داری میں تفاوت رکھا ہے۔ جبکہ مخلوط تعلیم کا بنیادی تصور یہ ہے کہ عورت اور مرد میں ہر طرح کی صلاحیتیں بالکل ایک جیسی پائی جاتی ہیں، معاشرہ کا ہر وہ کام جو مرد کرسکتا ہے وہ عورت بھی کرسکتی ہے، بلکہ اسے کرنا چاہئے، عورت کسی حیثیت سے کم نہیں ہے اور وہ اسے کسی میدان میں بھی مرد سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے، مساوات کے اس تصور نے ہی اصل مخلوط تعلیم کو جنم دیا ہے۔

زیر گفتگو مسئلہ مخلوط نظام تعلیم کا ہے، کہ کس نظام کے تحت مخلوط تعلیم کی اجازت ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر کس عمر یا کس درجہ سے؟

(الف) قرآن وحدیث کے تتبع اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ وسائل یا ذرائع جو اصل حکم تک پہنچنے میں مددگار و معین ہوتے ہیں۔ ان کا حکم بھی اصل حکم مانا جائیگا۔ جیسے حرمت شراب، سود، شرک وغیرہ، تصویر کشی اس لئے حرام کہ وہ "**مفضى اِلىٰ الشرک**" ہے، بیع مجہول حرام اس لئے ہے کہ وہ "**مفضى اِلىٰ النزاع**" ہے، سود اور شراب کے تمام وسائل اور ذرائع بھی حرمتِ شراب وحرمتِ سود میں داخل ہیں، اس لئے کہ تمام چیزیں شراب وسود میں معین و مددگار رہوتی ہیں۔ اسی طرح زنا حرام ہے اور اس کے اسباب وسائل کا بھی حکم وہی ہوگا، جو زنا کا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:" **العينان تزنيان و زنا هما النظر، واليدان تزنيان، وزنا هما البطش، والرجلان تزنيان، وزنا هما المشى، وزنا اللسان النطق، والنفس تتمنى وتشتهى، والفرج يصدق ذالک كله و يكذبه**"۔

عہد نبوی میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لئے حاضر ہوتی تھیں ان کی صفیں مردوں کے پیچھے ہوا کرتی تھیں، بیک وقت آپ دونوں کو دینی معلومات بہم پہنچایا کرتے تھے، عیدین میں خطاب عام کے بعد خواتین کے لئے الگ سے خطاب بھی فرماتے تھے۔ان سب کے باوجود احتیاط کا یہ عالم تھا کہ صحابہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے، لیکن آپ نے "**لا اُصافح النساء**" (میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا) ،فرمایا جبکہ آپ ان کے لئے بمنزلہ باپ کے ہیں، آپ سے منکر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا،لیکن امت کے سامنے احتیاط اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ مقامات مقدسہ میں بھی مردوزن کے اختلاط کو پسند نہیں فرمایا۔

مسجد نبوی میں عورتوں کے لئے الگ دروازہ تھا آپ نے مردوں کو تاکید فرمائی کہ " **لا یلج من ھذاالباب من الرجال اَحَدٌ**" (سنن ابی داؤد ۵۷۱)،اس مبارک دور میں احتیاط کا یہ عالم ہے۔حضرت عائشہؓ کا وہ جملہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:"**لو رأی رسول الله ﷺ ماأحدثت النساء بعده لمنعھن المسجد کما منعته نساء بنی اسرائیل**"۔یعنی حضور ﷺ آج کے دور کا حال دیکھتے تو مسجدوں میں جانے سے منع کرتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں پر پابندی لگی۔

خلوت میں جانے سے روکا۔"**إیا کم والد خول علی النساء فقال رجل من الأنصار: یا رسول الله! افرأیت الحمو؟قال: الحمو الموت**" (بخاری ۴۹۳۴)،خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا دیور موت ہے، دوسری روایات:"**لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من أحد کم مجری الدم**" (سنن ترمذی ۱۴۷۲)۔

شوہروں کی غیر موجودگی میں عورتوں کے پاس نا جاؤ کیوں کہ شیطان تم میں سے کسی کے اندر خون کی طرح گردش کررہا ہے، مخلوط تعلیم کے نتیجے میں طلباء اور طالبات کے درمیان تال میل ہوجاتا ہے اور راہ روابط بڑھ جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ملاقاتوں اور تنہا نشستوں کے مواقع فراہم ہوجاتے ہیں جو سراسر حرام اور ناجائز ہیں۔

۵ – جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں۔لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو،لیکن طلبا و طالبات کی نشست کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمد و رفت کے راستے الگ الگ ہوں۔

جدا گانہ نظام تعلیم کی ان صورتوں میں کون سی صورت ضروری اور کون سی صورت جائز ہوگی۔

انتظامیہ حسب استطاعت وسہولت اختلاط وعدم اختلاط کے حکم کی مکلّف ہوگی۔'' پہلی و دوسری شکل میں عدم اختلاط تو تیسری شکل میں عارضی حد بندی یا نشستوں کی تقدیم وتاخیر کے ذریعہ طلبہ وطالبات کی نشستوں کا انتظام کرنا ہوگا عارضی حد بندی کے جواز کا حکم آیت ربانی:''و إذا سألتموهن متاعاً فأسئلوهن من وراء حجاب ذالكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن'' (الاحزاب:۵۳)،عورتوں اور مردوں کو صنفی میلانات اور تحریکات سے بچانا ہی اصل مقصود ہے اور یہ حد بندیاں،اسی لئے کی جارہی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان خلاملا اور بے تکلفی نہ ہونے پائے،اس لئے عارضی حد بندی کرنا ہوگی۔

اگر عارضی حد بندی مشکل ہو تو طلباء مقدم وطالبات مؤخر ہوں گی اور چہرے پر نقاب بھی ہوگا۔

حضرت موسیٰ ؑ کے پاس مدین میں جب حضرت شعیبؑ کی صاحزادی آئیں تو قرآن کا انداز دیکھئے: ''فجاءته إحداهما تمشي على استحياء''(القصص)أي جائته حال كونها تمشي مشية الحرائر بحياء وخجل قد سترت وجهها بثوبها''(صفوۃ التفاسیر ۲/ ۳۷۳)،قال عمر: لم تكن بسلفع من نساء خراجة ولاجة''

حضرت عمرؓ نے اس آیت کی یہ تشریح کی ہے: کہ وہ شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا منہ گھونگھٹ سے چھپاتے ہوئے آئی ان بے باک عورتوں کی طرح بے دھڑک نہیں چلی آئی جو ہر طرف نکل جاتی اور ہر جگہ جا گھستی ہیں، نیز حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی نے حضرت موسیٰ ؑ کی دیانت کو بیان کیا کہ راستہ میں وہ آگے اور میں پیچھے تھی:'' وإني لما جئت معه تقدمت أمامه فقال لي: كوني من ورائي ودليني على الطريق''(صفوۃ التفاسیر ۲/ ۳۷۳)۔

جماعت کی صف بندی کی ترتیب بھی کہ مرد آگے اور خواتین پیچھے ہوں''خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها، وشرها أولها''(رواه مسلم) مذکورہ تمام باتوں کے پیش نظر عدم سہولت وگنجائش کی بناپر تیسری شکل،یعنی عارضی حد بندی یا پھر طلباء وطالبات کی نشستوں کو مقدم ومؤخر کرنا ہی بہتر ہوگا، مذکورہ تینوں صورتوں میں انتظامیہ حسب استطاع وگنجائش عدم اختلاط کے حکم کی مکلّف ہوگی۔

۶-جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا:

جھوٹ اور دروغ گوئی بدترین گناہ ہے،جس کی شناعت وقباحت نصوص وآثار سے ظاہر ہے، ''واجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور'' (الحج/ ۳۰)، ''والذين لا يشهدون الزور'' (الفرقان/ ۷۲)،زور سے مراد جھوٹ ہے حق کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور جھوٹ میں داخل ہے خواہ عقائد فاسدہ شرک وکفر ہو یا معاملات میں شہادت میں جھوٹ بولنا ہو، (معارف القرآن)،جھوٹ کی قباحت وشناعت پر حدیث نبوی بھی ناطق ہے:''ألا انبئكم بأكبر الكبائر؟ الإشراك بالله، وعقوق الوالدين ألا وقول الزور، ألا وشهادة الزور ،ألا وقول الزور، الا وشهاة الزور فما زال يكرهاحتى

قلنا لیته سکت " (رواہ البخاری)۔

کن مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے؟

"**قالت أم کلثوم ولم أسمعه یرخص فی شی مما یقول الناس اِلا فی ثلاث: تعنی الحرب، والإصلاح بین الناس ، وحدیث الرجل امراته وحدیث المرأ ة زوجها**" (مسلم شریف) (دوشخصوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے (۲) جنگ کے لئے (۳) زوجین کی باہمی گفتگو کے درمیان اس کے علاوہ ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے، نیز اپنے مال وجان کے تحفظ کے لئے بھی جھوٹ کی گنجائش ہے، بلکہ بعض دفعہ واجب اور بعض دفعہ مباح ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کلام مقاصد کے لئے وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے، اگر کسی اچھے مقصد تک پہونچنا جھوٹ اور سچ دونوں ذریعہ سے ممکن ہوتو جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اوراگرصرف جھوٹ ہی کے ذریعہ ممکن ہوتو جھوٹ بولنا مباح ہے اگر وہ مقصد مباح ہے، اور واجب ہے اگر وہ مقصد واجب ہو، چنانچہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنا واجب ہے، اس لئے اگر سچ بولنے سے مسلمان کی جان ضائع ہوجاتی ہے تو جھوٹ بولنا واجب ہے، اسی طرح اگر جنگ میں دوشخصوں کے درمیان صلح کردینے میں اور مظلوم کے دل سے خوف وہراس دور کرنے میں جھوٹ کے بغیر چارہ نہ ہوتو جھوٹ بولنا مباح ہے، لیکن اس سے بھی حتی الامکان بچنا چاہئے۔ کیونکہ بعض اوقات آدمی کی زبان ضروری جھوٹ سے تجاوز کرکے غیر ضروری جھوٹ تک تجاوز کرجاتی ہے، اس صورت میں جھوٹ صرف اس حد تک جائز ہوگا، جہاں اس کی ضرورت تھی اور جو بات ضرورت سے زائد تھی وہ حرام ہوگی، جیسا کہ پیش کردہ حدیث میں مذکور ہے۔

امام نوویؒ نے "**باب بیان مایجوز من الکذب**" کے تحت جھوٹ بولنے کے جائز مقامات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "**والأحوط فی هذاکله أن یورّیَ ومعنی التوریة أن یقصد بعبا رته مقصودًا صحیحا لیس هو کا ذبا بالنسبة إلیه وإن کان کاذبا فی ظاهر اللفظ، و بالنسبة إلی ما یفهمه المخاطب، ولو ترک التوریة وأطلق عبارة الکذب، فلیس بحرام فی هذا الحال**" صورت مسئولہ میں توریہ سے کام لیا جاسکتا ہے اس طور پر کہ عمر کا زیادہ ہونا اس کے کم ہونے کے منافی نہیں ہے یعنی اگر بچہ چار سال کا ہے تو اس کی عمر ۳ سال بتلاکر ایک سال کم کرکے داخلہ کرواسکتے ہیں یہ توریہ ہوگا جھوٹ نہیں۔

۷-یونیفارم کا مسئلہ:

لباس کا بنیادی مقصد: لباس کے باب میں آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایات کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ یا بے تکا ہو کہ بجائے زیب وزینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر وتوحش پیدا ہو اسی طرح یہ کہ آرائش وتجمل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو، علی ھذا شان وشوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار وتفاخر بھی مقصود نہ ہو کسی

طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم کریں، صاحب فضل ایسا لباس پہنے جس سے محسوس ہو کہ ان پر رب کا فضل ہے، مردوں کا لباس ٹخنوں سے اونچا ہو ورنہ وہ آگ کا حصہ ہوگا (ابوداؤد، معارف الحدیث ج/٦)۔

مختصر تمہید کے بعد لباس کا دنیاوی مقصد ستر پوشی اور زینت ہے: "**یبنی آدم قد أنزلنا علیکم لباساً یواری سواتکم وریشا**"، نبی ﷺ نے سخت احکام دیئے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے برہنہ نہ ہو "**ملعون من نظر الی سوأة اخیه (احکام القرآن للجصاص)**"**لا ینظر الرجل إلی عورة الرجل ولا المرأة إلی عورة المرأة**" مذکورہ احادیث شریفہ میں جانبین سے ایک دوسرے کے ستر عورت کو دیکھنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے۔

مرد کے لباس کے ضابطے: مردوں کے ستر جس کا ڈھکنا فرض ہے ناف سے لیکر گھٹنے کے درمیان کا حصہ "**عن أبی أیوب الانصاری**رضی اللہ عنہ **عن النبی** ﷺ **مافوق الرکبتین من العورة والسفل من سرة من العورة**"(دار قطنی)"**عورة الرجل مابین سرته إلی رکبته**" (**مبسوط**) مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ چھپانے کے لائق ہے یہ حکم عام ہے، جس سے بیویوں کے سوا اور کوئی مستثنیٰ نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے: "**إحفظ عورتک إلا من زوجتک أوماملکت یمینک**" (اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیویوں کے اور ان لونڈیوں کے جو تمہارے تصرف میں ہوں۔

عورت کے ستر کے حدود: عورتوں کے ستر کے حدود اس سے زیادہ وسیع رکھے گئے ہیں۔ ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو تمام لوگوں سے چھپائیں، شوہر کے سوا کوئی مرد اس سے مستثنیٰ نہیں۔ "**لا یحل لأمرأ ةٍ تؤمن بالله والیوم الاٰخر أن تخرج یدیها إلا هٰهنا و قبض نصف الذراع**" (نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی کلائی کے نصف حصہ پر ہاتھ رکھا)۔

حضرت اسماء کو آپ ﷺ نے باریک لباس میں زیب تن پایا، تو فرمایا: "**یا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحیض لن یصلح أن یُری منها إلا هذا وهذا، و أشار إلی وجهه وکفیه**" اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اور چہرہ کے علاوہ پورا جسم عورت کے لئے ستر ہے۔

لباس خوبصورت دیدہ زیب اور خوشنما بھی ہونا چاہئے، حسب گنجائش نعمت خداوندی کا اظہار بھی مطلوب ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "**فأذ أتاک الله مالاً فلیری أثر نعمة الله علیک و کرامته**" البتہ اسراف و فضول خرچی نیز نمائش اور استکبار سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ "**کلوا واشربو ا وتصد قو ا وألبسو امالم یخالط إسراف وَلاَ مخیلة**" (**رواه احمد والنسائی**)۔

جہاں تک ٹائی کا مسئلہ ہے تو" **خالفوا الیهود والنصاری**" کے تحت قومی شعار اور مذہبی عبادت کی نشانی ہے، اس سے

احتراز لازم ہے، نیز وہ خارج از حکم لباس بھی ہے۔

۸-تعمیرات اور ڈیکوریشن پر بے جا تصرف:

مذکورہ سوال دو حصّوں پر مشتمل ہے:

(الف) اسکولی طلباء سے لی جانے والی مختلف فیسوں کا تعلق اجارے سے ہے، جس کی تفصیلات سوال نمبر ۹ میں آئے گی، (۲) مستحق طلباء کی امداد کے ذرائعہ:

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے حصول کو جتنا آسان بنائیں گے اس کی اشاعت کا دائرہ وسیع اور نفع عام ہوگا، مختلف طبقات کے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، ہر زمانہ، ہر قوم میں اس کا تقدس قائم رہا ہے اس کی نافعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن فی زمانناجن لوگوں کے ہاتھوں میں زمام کار رہے انہوں نے اس کے تقدس کو پامال کیا۔ مال و دولت کا معبد بنا دیا، ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بے جاہوس، معیار بلند کرنے کے نام پر تعلیم کو ایک تجارتی منڈی بنادیا گیا ہے۔ جس کے ہوش ربا اخراجات نے غریب تو غریب متوسط طبقے کے لوگوں کو اعلیٰ تعلیم سے دور کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر اگر ایک طرف "**علم ینتفع به الناس**" اور "**خیر الناس من ینفع الناس**" کے دائرے کو وسیع کر کے افراد واشخاص کو ترغیب دیتا ہے تو وہیں "**تعاونوا علی البر والتقوی**" (سورۂ مائدہ:۲) کے ذریعہ جماعتوں اور اداروں کی رہنمائی کرتا ہے، اور اس باب میں افراد، سماج اور حکومتوں کو "**کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیته**" (مسلم)، کے تحت ذمہ دار ٹھہراتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ معیاری اور اعلیٰ تعلیم کے لئے جملہ ضروری لوازمات، سہولیات پہنچانا بھی تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے۔ اخراجات کے بار کو اٹھانے کے لئے اسباب وسائل کی ضرورت بھی پڑھتی ہے۔ ان ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نادار وغریب طلباء کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی کرنا ضروری ہے۔ غریب ونادار طلباء کی تعلیمی سہولیات کو پورا کرنے کے لئے چند باتیں تحریر کی جارہی ہے۔

۱- اہل ثروت ومتمول حضرات کو تعلیم کی اہمیت وضرورت بتلا کر غریب ونادار طلباء کی کفالت پر آمادہ کیا جائے۔

۲-اسکول کی تعلیمی سرگرمیوں وثقافتی پروگراموں میں لی جانے والی فیس میں رعایت برتی جائے۔

۳-غریب ونادار طلباء کے لئے ایک خاص فنڈ مختص کیا جائے جس کا استعمال صرف مستحقین کے لئے ہو، غیر مستحقین طلباء کی متعین فیس میں قدرے اضافہ کر کے مستحقین کے لئے اضافی فیس مخصوص کی جائے۔

جہاں تک تعلق عمارات کی توسیع وتزئین کاری کا ہے بلا ضرورت اس میں تعلیمی فنڈ کے استعمال کرنے سے احتراز کیا جائے اور عنداللہ مأخوذ ہونے کا احساس دلایا جائے۔

۹-فیس وصول کرنا:

اسکول میں فیس دیکر طلباء کے پڑھنے اور مشاہرہ لے کر اساتذہ کے پڑھانے کی شرعی حیثیت اجارہ کی ہوتی ہے اور اجارہ میں اصل چیز اجرت اور مدت کی تعین ہے، چاہے یہ تعین صراحۃ معاہدے کے ذریعہ ہو یا عرف کے بنا پر ہو، جبکہ اجارہ میں کوئی فاسد شرط نہ لگائی جائے۔ قال الحصکفی: ''وشر طها كون الأجرة والمنفعة معلو متين؛ لأن جهالتها تفضي إلى المنا زعة'' (الدرالمختار ردالمحتار کتاب الاجارہ)، ''وقال في الهند ية في شرائط صحة الإجارة،منها بيان المدة،ومنها: أن تكون الأجرة معلومة'' (الفتاوی الھندیہ ۴/۴۱۱ کتاب الاجارہ)، مثلاً اسکول میں ماہانہ فیس لی جاتی ہے، متعلم کو وہ ادا کرنا ہے چاہے وہ اسکول جائے یا نہ جائے۔ اگر اجرت متعین ہو مگر مدت مقرر نہ ہو تو معاہدۂ اجارہ صحیح نہ ہوگا، متعلم نے جتنے دن تعلیم حاصل کی ہے اتنی ہی اجرت ادا کریگا پورے مہینے کی نہیں۔

اگر تعلیم کی مدت مقرر کر دی اور اجرت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو اجرت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ ''العرف كلمشروط'' کے تحت عرف عام کے مطابق کیا جائیگا۔ صورت مسئولہ میں اجارہ صحیحہ کی بنا پر تعلیمی ادارہ متعین اجرت کا حق دار ہوگا۔

۱۰-اسکول طلبہ پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا:

عصری تعلیم بھی ضروری ہے جس کی تفصیلات ماقبل میں گزر چکی ہے، اس لئے نادار و مستحق طلباء کو زکاۃ دی جاسکتی ہے، قرآن پاک میں مصارف زکاۃ میں فقراء و مساکین کا اطلاق بلا قید ہے: ''إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه من الكسب والحاجة داعية إلى مابدمنه'' (الدرالمختار والردالمحتار ۲/۲۴۰)۔

''زکاۃ کا روپیہ، خوراک ولباس میں طلبہ و مساکین میں خرچ ہوسکتا ہے، اگر چہ وہ صنعت وحرفت وعلم دین کے ساتھ انگریزی بھی بغرض زبان دانی سیکھتے ہوں'' (فتاوی دارالعلوم ۲۵۱ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار صفحہ ۸۵ جلد دوم)۔

۱۱-اسکولوں میں مشرکانہ عمل اور اس سے متعلق سوالات:

صورت مسئولہ میں وندے ماترم، سوریہ نمسکار، گیتا کے اشلوک، یا یوگا جیسے عمل دستور ہند میں اقلیتوں کو دئے گئے حقوق و مذہبی آزادی کے خلاف ہیں، البتہ صوبائی حکومتوں وعدالتوں کی طرف سے اس کو لازم کرنے کی بات کہی جاتی ہے، حالانکہ سپرم کورٹ نے حالیہ دنوں میں اپنے فیصلے میں غیر ضروری قرار دیکر اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی بات کہی ہے۔

الف-تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت میں سے ہے نیز سرکاری اداروں میں مسلمان برسرروزگار بھی ہیں، اسی کے ساتھ وندے ماترم اور اسی طرح کے دوسرے کلمات کا کہنا لازم بھی ہے۔ اس سلسلہ میں حتی المقدور کوشش کرنے اور احتراز کرنے کے مکلّف ہوں گے، مثلاً: (۱) قانونی چارہ جوئی (۲) انفرادی یا اجتماعی احتجاج (۳) رخصت لیکر (۴) عملاً شرکت نہ کرکے (۵) خاموش کھڑے ہوکر یا اس کے علاوہ بھی جو کوشش ہو سکے اختیار کرے۔

مذکورہ تمام باتوں پر عمل نہ ہو سکے تو ''الضرورة تبيح المحظورات '' کے تحت بدرجہ اتم مجبوری کہنے کا جواز ہوگا، اس لئے قرآن پاک نے غذائے حرام جیسے مردار کا گوشت، دم مسفوح، اور لحم خنزیر کی حلت کو ''فمن اضطر غير باغ و لاعاد''(سورۂ انعام:۱۴۵) کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔

''تفسیر ماجدی میں ہے: ''الإضطرار لا يخلو أن يكون بإكراه من ظالم'' (قرطبی)، ظالم کے ظلم وزیادتی کو بھی اضطرار کے زمرے میں شمار کیا ہے اور ویسے بھی غور کیا جائے قرآن کریم نے شرک کو ظلم کہا ہے۔ ''إن الشرک لظلم عظيم ''مسئلہ مذکورہ میں شرکیہ کلمات مجبوراً کہلوائے جارہے ہیں جو سراسر ظلم ہے۔

(ب) پرائیویٹ اسکول میں جبری یا اختیاری ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور اسکول نہیں ہے'' تو مذکورہ تفصیلات پر عمل کیا جائیگا۔

(ج) پرائیویٹ اسکول ایک کے علاوہ مزید اور ہیں تو ''أخف الضررين '' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے دوسرے اسکول کو اختیار کرنا ہوگا۔

(د) مسلم انتظامیہ کو کسی بھی شکل میں اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ مختار اور آزاد ہیں۔ان کو کسی بھی طرح کی مجبوری لاحق نہیں ہے اگر ان کو مجبور کیا جائے تو وہ قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ اپنا دفاع کرسکتے ہیں۔ اسلام نے مسجد جیسی مقدس جگہ اگر اس میں نفاق وشقاق اور انتشار پایا جائے تو مسجد ضرار کہہ کر منہدم کرنے کا حکم دیا ہے تو یہاں بھی اگر انتظامیہ مجبور نہیں ہے اور اس کو صرف ترقی کے نام پر اختیار کرتی ہے تو ایسے اسکول کو چلانے سے بہتر بند کردینا چاہئے۔

۱۲- جنسیات کی تعلیم اور آداب واخلاق:

انسان جسم وروح اور قلب وقالب کا پیکر مجسم ہے، جہاں وہ ایک طرف اپنی روح کو پاکیزہ تقوی وطہارت سے معمور کرنے کا مکلّف ہے تو وہیں اپنی جسمانی صحت کی بقا کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنے کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا تاکہ جسم کو اخلاقی برائیوں سے دور رکھ سکے، اسی کا نام عفت وپاک دامنی ہے جو انسان کا جوہر اصلی ہے، اگر یہی مفقود ہوجائے تو پھر انسان بغیر روح کے تن مردہ اور لاشہ بے حرکت کے سوا کچھ نہیں ہے، اسی کو آپ ﷺ نے فرمایا:''إذافا تک الحياء فاصنع ما شئت''۔

اسلام اعتدال کی راہ سکھاتا ہے :''خير الأمور أواسطها ''کو بروئے کار لانے کی تلقین کرتا ہے، بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ ''اسلام ہمارے اعمال کا امالہ کرتا ہے نا کہ ازالہ''۔

مذکورہ بالا تفصیلات کے پیش نظر جنسی تعلیمات کا تعلق اخلاقیات سے ہے، اسلام اخلاق حمیدہ، عالیہ، فاضلہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو دوسری طرف اخلاق رذیلہ سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے، اگر سرکاری اسکول میں داخلہ ناگزیر ہو اور کوئی متبادل اسکول نہ ہو تو ان دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱)اگر سرکاری اسکول یا غیر مسلم پرائیویٹ اسکول کی نصابی کتاب کا مضمون ہے جس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، اور امتحانات بھی اسی کے مطابق دینا ہوتا ہے تو اس سلسلہ میں والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی حرکات وسکنات پر نظر رکھیں، اور بہتر ہوگا کہ دیگر افراد کی مدد سے اسکول کی انتظامیہ سے مل کر جنس موافق ٹیچر کا نظم کرنے کی درخواست کریں، عدم منظوری کی بنا پر جنسی تعلیمات کے وقت (Period) میں شریک نہ ہوکر خارجی اوقات میں اپنے والدین کے مشورے سے کسی پرہیزگار، متدین جنس موافق ٹیچر کے ذریعہ سرکاری نصاب کو مکمل کر سکتے ہیں۔

(۲) مسلم اسکول انتظامیہ سے مل کر متعین نصاب جو جنسیات کی تعلیم پر مشتمل ہے کسی متقی و پرہیزگار جنس موافق معلم یا معلّمہ کے ذریعہ نصاب پڑھا جائے اور ساتھ ہی اخلاقیات کے مضامین پر مشتمل کتب بھی زیر مطالعہ رہیں۔

۱۳-تفریحی اور طبی پروگرام میں اختلاط:

جواب: صورۃ مسئولہ کی دوشق ہیں (الف) کھیلوں کا شرعی حکم مع اختلاط کیا ہے؟

(ب) دونوں صنفوں کو بلا اختلاط کرانا چاہئے؟

(الف) تعلیم وتعلّم کے ساتھ بچوں کی ذہنی وجسمانی نشونما کے لئے کھیل کود، سیر وتفریح بہت ضروری ہے، اسلام نے فرحت ومسرت کے لئے جائز امور ووسائل کو اپنانے کی دعوت دی ہے: ''**كل شيء ليس من ذكر الله تعا لى فهو لهو إلا أربع خصال: مشي الرجل بين الغرضين، وتأديب فرسه، وملاعبة أهله، و تعليم السباحة**'' (اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جو چیز خالی ہو وہ لہو ہے، البتہ چار چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں (۱) تیراندازی کے وقت دوڑنا (۲) گھوڑے کی پرورش و پرداخت (۳) اپنے خاندان کے ساتھ ہنسی مذاق کھیل کود اور دل لگی کرنا (۴) تیراکی سیکھنا (رواہ احمد) اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے: ''**علموا أولادكم السباحةو الرماية والرماية و ركوب الخيل**'' (کہ تم اپنی اولاد کو تیراندازی تیراکی اور گھوڑوں کی سواری سکھاؤ) (موسوعۃ الرد علی المذاہب الفکریہ۔ ۳۴۱/۴)، اسلام اصلاح حال کے ساتھ جسم وجان کو مضبوط بنانے کا حکم دیتا ہے اور اس مقصد کے لئے صالح نیت توازن اور شرعی حدود کے اندر ورزش کھیل اور تفریح کا حکم بھی دیتا ہے، کہ اولاد کو ذہنی اور جسمانی امراض سے بچایا جاسکے، جسم کی ورزش اور کھیل سے طاقتور بننے کی مشق حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: " **المؤمن القوى خير واحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كل خير**''۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں حدود شرع میں رہتے ہوئے کھیل کود وتفریح کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(ب) کھیل کود و سیر وتفریح کے اصول وضوابط:

(۱) حد بلوغت سے قبل کی عمر تک اختلاط کی گنجائش ہے۔ جس کا استدلال ما قبل حدیث: '' **وفرقوا بينهم في المضاجع**'' میں گزر چکا ہے۔

(۲) حد بلوغت کی عمر کے بعد اختلاط کی گنجائش نہیں ہے جس کی تفصیلات کا تذکرہ ماقبل میں کر دیا گیا ہے۔

(۳) کھیل سے مقصود محض ورزش یا تفریح، کھیل مستقل مقصد نہ ہو۔

(۴) کھیل بذاتِ خود جائز ہو اس میں ناجائز بات نہ پائی جاتی ہو۔

(۵) شرعی حدود میں کوتاہی یا غفلت نہ ہو (جیسے: نماز کی ادائیگی وقت پر، لباس کا شرعی استعمال، عدم اختلاط وغیرہ)۔

خلاصہ یہ کہ انتظامیہ کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے دونوں صنفوں کو اختلاط سے بچاتے ہوئے سیر وتفریح، کھیل کود وغیرہ کا نظم کرنا چاہئے۔

۱۴- ثقافتی پروگرام اور ڈرامے میں طالبات کی شرکت:

ثقافتی پروگرام انسانی طبیعت کا تقاضہ بھی ہے اور ضرورت بھی، جہاں اس کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام احسن طریقہ سے لیا جاسکتا ہے، وہیں جسمانی تھکاوٹوں کو دور کرنے اور علمی وادبی صلاحیت میں اضافہ کا ذریعہ بھی۔ حضور اکرم ﷺ نے کھیل کود کو ذریعہ نشاط حاصل کرنے کے سلسلہ میں فرمایا: ''**رو حو القلوب (ساعة فساعة) وأطلبو الها طرائف الحكمة فأنها تمل كما تمل الأبدان**'' (تفسیر روح البیان: سورۂ لقمان) (اپنے دلوں کو وقفہ وقفہ سے فرحت پہونچاؤ اور اس کے لئے نوادر اور حکمت پر مبنی لطائف تلاش کرو اس لئے کے دل بھی اکتاتے اور تھک جاتے ہیں جس طرح بدن تھک جاتا ہے)۔

امام غزالیؒ اپنی مشہور کتاب احیاء علوم الدین میں مزاح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مزاح پر مداومت یا اس سے یکسر احتراز دونوں باتیں قابل مذمت ہیں تاہم جو مزاح ان دونوں امور سے خالی ہو وہ قابل مذمت نہیں ہے۔

قالوا یا رسو ل الله ﷺ: ''**انک تلاعبنا قال: إنی لأاقول إلا حقا**'' (شمائل ترمذی ص ۲۸) (صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم سے مذاق بھی فرمالیتے ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا)۔

''شعر وادب کی محفلیں، طرحی مشاعرے اور شعری نشستیں، نیز پہلیاں بوجھنے اور جانبازی کی داستانیں وحکایتیں اور سیر و سیاحت کے دلچسپ مناظر ومشاہد جملہ اصناف، فنون لطیفہ اور ثقافتی پروگرام کا حصہ ہیں جن سے فطانت وذہانت کے علاوہ راحت و سکون میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم میں اس شعبہ کو اپنے تصور کے مطابق اختیار کرنا چاہیئے جس سے اسکے مفید پہلو باقی رہیں اور فاسد عناصر سے سماج محفوظ رہے اس کے لئے اس کے حدود اور ضرورت اور اخلاقی تقاضوں کی رعایت کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ اسلام کا موقف امالہ اور اصلاح ہے ازالہ کا نہیں، اور اعتدال کا ہے افراط وتفریط کا نہیں۔

اسلام نے تجارت کے بارے میں جو اصول بیان کیا ہے وہی اصول تفریح کے وسائل پر بھی منطبق ہوتا ہے، ارشاد باری ہے: ''**رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله**'' (سورہ نور: ۳۷)۔

اس شرط کوثقافتی پروگراموں پر منطبق کرنا چاہیئے کہ وہ اسلامی آداب کے دائرہ میں ہوں اور ضرورت کے مطابق ہوں اور ان کے اوقات بھی متعین ہوں جو دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں حائل نہ ہوں اور ان میں افادیت کالحاظ رکھا جائے۔یہی اصول فن ثقافت اوراعلام پر منطبق ہوگا جس طرح لباس کھانے، پینے اوراجتماعی اور انفرادی زندگی کے لئے اصول مقرر ہیں (ثقافتی پروگرام اسلامی تصور کے تناظر میں (ازمولاناسیدواضح رشیدندوی،تعمیر حیات ۲۵ جولائی ۲۰۱۱)۔

بہر حال ثقافتی پروگرام نیز اصلاحی وادبی ڈرامے، مکالمے یا دیگر تفریحی پروگرام میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے طلباء و طالبات کے اختلاط کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

۱۵-نصابی کتابوں میں تصاویر:

صورت مسؤلہ کی تینوں شقیں شریعت مطہرہ کی روشنی میں حرام ہیں۔قال رسول اللہ ﷺ **"ان الذین یصنعون الصور یعذبون یوم القیامة ، یقال لهم "أحیوا ما خلقتهم" (مخرج فی الصحیحین).**

امام ابوداؤدعلیہ الرحمہ اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں نبی اکرم ﷺ کا قول نقل کرتے ہیں آپ نے ارشادفرمایا:**"لا تدخل الملائکة بیتا فیه صورة ولا جنب"۔**

مذکورہ روایات کی بنیاد پر جاندارذی عقل یاغیر ذی عقل چیزوں کی تصویریں شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہیں ان کوشدت سے حرام ٹھرایا گیاہے،ان مجسموں کی تصویر یا جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تصوریں رکھنا، بنانااور لکھنانا جائز ہے۔

لہذا علامہ شمش الدین ذہبی اپنی مشہور کتاب ''الکبائر'' میں مذکورہ بالاشقوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: **" و أما الصور فهی کل مصور من ذوات الأرواح، سواء کانت لها أشخاص منصبة أوکانت منقوشة فی سقف أو جدار أو موضوعة فی نمط، أو منسجوة فی ثوب أو مکان، فإن قضیة العلوم تأتی علیه"** اور جہاں تک نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے بغرض افہام وتفہیم جانوروں کی تصاویر اوراعضاء انسانی کی تصاویر نیز جانوروں کے مجسموں کے جواز کا مسئلہ ہےتواس بارے میں مشہور مفسر مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی مشہور کتاب تفسیر ماجدی میں آیت شریفہ **" وعلم آدم الأسماء"** (سورۂ بقرہ:۳۱) کے ذیل میں فرماتے ہیں:''اِسماء۔اسم کامفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے،اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے۔'' **إسم الشیء علامته** (قاموس) **الإسم ما یعرف به ذات الشیء** ''(راغب)،اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض،خواص،آثار کاعلم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو،اسی طرح اہل لغت نے بھی تشریح میں اس کالحاظ رکھ لیا ہے۔ **"قال ابن سیده "الإسم هواللفظ الموضوع علی الجوهر أو العرض للتمیز أی لیفصل به بعضهم عن بعض** ''(تاج)۔

اسم کے ساتھ اگر مسمی کاعلم نہ ہواتواسم محض ایک آواز کانوں تک رہے گی،اورذہن کے سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہوگا،علامہ

راغب نے اسی لئے اس پر شرح وبسط سے کلام کرکے آخر میں کہا ہے۔

"إن معرفة الأسماء لا تحصل إلا بمعرفة المسمی وحصول صورته فی الضمیر "(کہ اسم کی معرفت بغیر مسمی کی معرفت کے اور ذہن میں اس کی تصویر کے ہونہیں سکتی)اور ایک دوسرے امام لغت نے اس کی داد ان الفاظ میں دی ہے "هو کلام نفیس" (تاج)اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسم مرادف ہے ذات شئ اور عین شئ کے''۔"یقال ذات و نفس و عین وا سم بمعنی"(قرطبی)۔

اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ" عَلَّمَ '' کی نسبت اسماء کی طرف کرنا حسن امتزاج کا بہترین نمونہ ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء کی معرفت کی غرض وغایت صرف تعلیم ہے۔ مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ بغرض تعلیم وتعلم نیز تعلیمی اوقات میں ان کے استعمال کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسے علم تشریح الاعضاء کا سیکھنا سکھانا یا لڑکیوں کو گڑیاں کھیلنے کی اجازت جس سے غرض تربیت اولاد کی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہے، یہ تمام مقاصد مباح ہونے کے لئے کافی ہیں نیز علامہ شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی کی مشہور کتاب الکبائر میں ہے:"و یستثنی من التحریم لعب البنات الصغار و اقتناء الصورة الکاملة التی لیس لها ظل کا لصور و غیرها، فا ختلف العلماء فیها: فا لبعض تشدد و قال با لحرمة، و البعض قا ل: بالجواز فالذین قالو بالحرمة الشافعیة و الأحناف والحنابلة وإن الذین قالو ا با لجواز فهو مذهب المالکیة و مذهب قاسم بن محمدبن أبی بکر الصدیق ؒ و صرح الشافعیة بجواز استبقاء الصورة إذا کانت علی أرض، أوبساط یداس و نحوهما من کل ممتهن" (الکبائر ص ۱۶۷)۔

۱۶ – طالبات کے مزاج سے ہم آہنگ مضامین نصاب میں شامل کرنا:

(الف) مذکورہ سوال کا تعلق اجارہ سے ہے، اگر بوقت داخلہ اسکول کی انتظامیہ کی طرف سے اجرت اور مدت متعین کرتے وقت دیگر علوم کے ساتھ فنون (سلائی ، کڑھائی ، پکوان وغیرہ) کی بھی وضاحت کردی ہو کہ ان کو بھی سکھلایا جائیگا تو ایسی صورت میں یہ اجارہ صحیح ہوگا اور انتظامیہ کو اسکا نظم کرنا ضروری ہوگا۔اورنہ کرنے کی صورت میں گنہگار رہوں گے۔

(ب) دوسری شکل یہ ہے کہ بوقت داخلہ مذکورہ فنون کے حصول کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تو انتظامیہ اسکے نظم کرنے پر مجبور نہیں ہے، ہاں اگر کریں تو بہت بہتر ہے۔اور عورت کے دائرے کار میں بھی ہے کہ اللہ تعالی نے مرد وعورت کے دائرے کار کو مختلف بنایا ہے، اگر اندرون خانہ کے جملہ امور نیز اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری عورت کی ہے تو کسب معاش اور بیرون خانہ کی تمام تر ذمہ داری مرد کی ہے، حدیثِ رسول میں ہے:" المرأة راعیة علی بیت زوجها" (عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور وہی اپنے حکومت کی دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جوابدہ ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر بوقت معاہدہ عاقدین میں سے فنون کے سکھلائے جانے کا تذکرہ ہوا تو انتظامیہ کے لئے نظم کرنا

واجب ورنہ مستحب اور پسندیدہ ہوگا۔

۱۷-اسلامی ماحول کے اسکول قائم کرنے کی حیثیت:

رسول اللہ ﷺ نے علم سیکھنے پر انتہائی زور دیا ہے، اور ہر ممکن رغبت دلائی ہے، یہاں تک کے اسے لازمی فریضہ قرار دیا ہے: "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**"(ابن ماجہ)۔

مندرجہ بالا حدیث کے تعلق سے امام رازی تحریر فرماتے ہیں:" **وهذا عندنا ينصرف على معنين، أحد هما طلب العلم فيما يبتلى به الإنسان من أمور دينه، فعليه أن يتعلمه مثل من لا يعرف حدود الصلاة و فروضها وحضوروقتها، فعليه أن يتعلمها، و مثل من ملك مأتى درهم، فعليه أن يتعلم ما يجب عليه فيها، ولذلك الصوم الحج و سائر الفروض**"(احکام القرآن للجصاص سورۃ توبہ)۔

اس تشریح سے دینی علوم کے حصول کی درجہ بندی معلوم ہوئی، طالب علم کے نصاب کو عمر اور درجات کے مطابق ترتیب دیا جائے، اور اس کے مطابق دین کا ضروری علم سکھایا جائے۔علامہ یوسف قرضاوی علوم دین کے وجوب کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

(۱) اپنے عقیدے کے بارے میں یقینی وحقیقی معرفت حاصل ہوجائے اور انسان شرک، اوہام وخرافات سے بچ سکے۔

(۲) اپنے پروردگار کی عبادت ظاہری طور پر مشروع طریقہ سے اور باطنی طور پر خلوص نیت کے ساتھ کی جا سکے۔

(۳) اپنے دل ونفس کا تذکیہ ہوسکے، نجات دلانے والی چیزوں کے فضائل معلوم ہوسکیں تا کہ انہیں اختیار کرسکیں اور مہلک چیزوں کی برائیوں کو جان کر ان سے پرہیز کیا جا سکے۔

(۴) اپنے ساتھ اپنے خاندان کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم اور مسلم ہوں یا غیر مسلم تعلقات ومعاملات کو درست کیا جا سکے، اور حلال وحرام، ضروری وغیر ضروری اور مناسب وغیر مناسب کو جانا جا سکے۔اس قدر علم بہر حال ہر مسلمان وعورت کے لئے لازم ہونا چاہیئے، چاہے وہ درسگاہوں میں پڑھکر اور مختلف ذرائع ابلاغ سے حاصل کرسکتا ہے، یہ ذمہ داری والدین اور سر پرستوں کی بھی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ضروری علم سیکھنے کی جگہوں پر بھیجیں اور جہالت کے اندھیروں میں نہ بھٹکنے دیں(تعلیم کی اہمیت سنت نبوی کی روشنی میں از علامہ یوسف قرضاوی)"مسلم اسکولوں کے ذمہ داران بھی کم از کم روزانہ ایک گھنٹہ اپنے تعلیمی اداروں میں ناظرہ قرآن کے علاوہ، عقائد، سیرت اور فقہ وغیرہ کے لئے خاص رکھیں۔ چاہے اسکے لئے اپنے موجودہ نظامِ تعلیم کے اوقات میں شروع یا آخر میں ایک آدھ گھنٹے کا اضافہ کرنا پڑھے، جیسا کہ کیرالا اور گجرات کے اکثر مسلم اسکولوں میں اس پر توجہ دی گئی ہے۔

مسلم کالجس اور ہائی اسکولوں میں ہفتہ میں کم از کم ایک گھنٹہ کے لئے علماء کی محاضرات رکھے جائیں۔جس میں اسلام و ایمان کی جزئیات اور عقائد کی باریکیوں اور حلال وحرام کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ اسلام کی برتری اور اسکے قوانین کی منطقی اور عقلی

ہونے پر طلبہ سے خطاب کیا جائے (ماخوذ از ارمغان جامعہ مطابق اگست ۲۰۱۷ء)۔

۱۸- اساتذہ کے تقرر میں مرد معلمین اور خواتین معلمات کا مسئلہ:

صورت مسئولہ میں کئی شکلیں بنتی ہیں۔

(۱) پہلی شکل تو یہ ہے کہ جنس مخالف سے بلوغت کے بعد پردہ کا حکم ہے، لہذا جنس مخالف کا پڑھانا بے پردگی کی وجہ سے درست نہ ہوگا، لہذا جنس مخالف کے بجائے جنس موافق ہی کا تقرر ہو تاکہ بے پردگی سے اجتناب کیا جا سکے چاہے اسکے لئے انتظامیہ کو مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲) دوسری شکل یہ کہ اگر اس کا انتظام نہیں ہوسکتا ہو تو ایسی صورت میں جنس مخالف کو ایک دوسرے کے مخصوص مسائل دینے کے بجائے جنس موافق کو وہ مضامین دئے جائیں اور دیگر مضامین جو کہ سب کے لئے ضروری ہوں۔ پردہ کے اہتمام وانتظام کے ساتھ پڑھائیں۔

(۳) تیسری شکل یہ کہ اگر مخصوص مضامین کے لئے بھی جنس موافق کے تقرر میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو ایسی صورت میں حدود شرعیہ کی پابندی کے ساتھ پردہ کا معقول انتظام کیا جائے اور دوران تعلیم سوال وجواب کی تحریری شکل دی جائے تاکہ اختلاط سے کامل طور پر بچا جاسکے۔

۱۹- اسکول کی منظوری کے تحفظ کے لئے رشوت:

مسلم اسکولس مینجمینٹ کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ حسب گنجائش واستطاعت محکمۂ تعلیم کی طرف سے مقرر کردہ شرائط وضوابط کی حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کرے، تکاہل وتساہل سے کام نہ لیں۔

شریعت کی نگاہ میں رشوت گناہ کبیرہ میں سے ہے، اللہ ورسول کی لعنت ہے: "**لعن الله الراشي و المرتشي في الحكم**"(ترمذی)، "**لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي**"(ابوداؤد)، "**الراشي والمرتشي كلاهما في النار**" (رواہ الطبرانی)، رشوت دینے والے کی نیت اگر کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا ہے، یا کسی شئی کو بغیر استحقاق کے حاصل کرنا ہے تو مورد لعنت ہوگا۔

علامہ شمس الدین الذہبی نے الکبائر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے: " **وإنما تلحق اللعنة الراشي إذا قصد بها أذية مسلم أو ينال بها مالا يستحق**" (الکبائر ص ۱۱۵) لیکن فی زمانناخاص طور سے ہمارے ملک میں ایک طرف جہاں اسلام دشمن طاقتیں ابھر رہی ہیں، اور اسلام ومسلمانوں کو مٹانے کے در پے ہیں، وہیں دوسری طرف نئی نسل اسلامیات اور عقائد اسلامی سے دور ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اگر آج انکے عقائد اور دینی تعلیم کی فکر نہیں کی گئی تو آگے چل کر انکے ایمان تک کا خطرہ ہے، لہذا ایسی صورت میں "**الضرورات تبيح المحظورات**" قاعدہ کے تحت ان اسکولوں کو بچانے کے لئے رشوت دینا جائز ہونا چاہئے، نیز

وصول حق اور دفع ظلم ومضرت کے پیش نظر صرف دینے والا مستحق لعنت نہیں ہوگا، ''البتہ لینے والا ابطال حق اور ظلم کی وجہ سے گنہگار ہوگا''۔

''أما إذا أعطى ليتوصل إلى حق له ويدفع عن نفسه ظلما، فإنه غير داخل فى اللعنة، وأما الحاكم فالرشوة عليه حرام ابطل بها حقا أو دفع بها ظلما''(الکبائر/ص۱۱۵)۔

☆☆☆

عصری علوم وفنون کی اسلامی ماحول میں تعلیم

مفتی حیدر علی قاسمی☆

۱- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اکثر عصری علوم وفنون بھی علم نافع کی فہرست میں آتے ہیں، جیسا کہ طب انسانی جسم کے لئے، انجینئرنگ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے، ادب وصحافت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے، اور تجارت ومعاشیات سے متعلق علوم افراد واشخاص اور سماج کی معاشی ضروریات کے لئے مفید ہیں۔

عصری علوم مفید ہونے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ غزوہ بدر میں قید ہوکر آنے والوں سے فرمایا کہ جو لوگ پڑھے ہوں وہ دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں، یہی ان کا فدیہ رہائی ہوگا، حالانکہ قید ہوکر آنیوالے مشرک تھے ان سے علم دین کا حصول ممکن نہ تھا، نیز اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی، اس کے باوجود مالی فدیہ کے بجائے عصری تعلیم کو ترجیح دی گئی۔

نیز قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے: "**یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم واهلیکم نارا**" (تحریم:۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچاؤ)۔

ظاہر ہے کہ دوزخ سے بچانے کے لئے جس طرح دینی تعلیم کی ضرورت ہے اسی طرح عصری تعلیم اور طریقہ معاش کی تعلیم بھی ضروری ہے، تا کہ لوگ غیر سماجی طریقہ سے بچ کر جائز طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کرسکیں۔

عصری تعلیم کی اہمیت کا اندازہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے بھی ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"**امرنی رسول الله ﷺ أن أتعلم له کلمات من کتاب یهود، قال: إنی والله ما أمن یهود علی کتابی، قال فما مربی نصف شهر حتی تعلمته له، قال فلما تعلمته کان إذا کتب إلی یهود کتبت إلیهم، وإذا کتبوا إلیه قرأت لهم کتابهم**" (ترمذی ۲/ ۱۰۰) (حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ یہود کی کتاب سے کچھ کلمات سیکھ لوں، اور ارشاد فرمایا: قسم بخدا مجھ کو یہود پر ان سے اپنے لکھوانے پر اطمینان نہیں، پس آدھا مہینہ بھی نہیں گذرا کہ میں نے اس کو سیکھ لیا، اور میرے سیکھنے کے بعد حضور ﷺ ان کے پاس کچھ لکھنے کا ارادہ فرماتے تو میں ہی لکھتا اور وہ یہود جب حضور ﷺ کے پاس لکھ کر بھیجتے تو میں ہی ان کا خط پڑھ کر سناتا)۔

☆ خادم حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی، آسام۔

نیز یہ بھی ہے:"**أمرني رسول الله ﷺ أن أتعلم السريانية**"(ترمذی ۲/۱۰۰)۔

ایک اور روایت میں ہے:"**عن الربيع بنت معوذ: قالت كنا مع النبي ﷺ نسقي الماء ونداوي الجرحى ونرد القتلى**"()(ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ (غزوہ میں) شریک ہوتی تھیں، مسلمان فوجیوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور جو لوگ شہید ہوجاتے انہیں مدینہ اٹھا کرلاتی تھیں)۔

اسی طرح فقہاء اسلام اور علماء امت بھی ضروریات کی تکمیل کے لئے عصری تعلیم کی تحسین وتائید کی ہے، چنانچہ "موسوعہ فقہیہ" میں ہے:

"**وينبغي ان يعلمه ايضا من امور الدنيا وما يحتاج اليه من السباحة والرمي وغير ذلك مما ينفعه في كل زمان بحسبه**"(موسوعہ فقہیہ ۱۳/۱۲)۔

اور مناسب ہے کہ باپ بچہ کو دنیاوی امور اور ضرورت کی چیزیں سکھلائے ،یعنی تیرا کی اور تیراندازی وغیرہ جو اس کے لئے اس کے حساب سے ہر زمانہ میں مفید ہو۔

موجودہ دور میں نئے نئے اور مشکل کن مسائل و فتنے جنم لے رہے ہیں، مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی سازشیں ہورہی ہیں، ان کو حقوق سے محروم کرنے کی جو کوششیں ہورہی ہیں اور ان پر الزامات عائد کئے جارہے ہیں، ایسی صورت میں اونچے اونچے اور اعلی عہدے پر مسلمانوں کا فائز ہونا ضروری ہے۔

پس مشکل کن حالات اور مسائل سے بچنے کے لئے اپنے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے اور عزت وعافیت کی زندگی گذارنے کے لئے عصری تعلیم کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

اور ضابطہ یہ ہے کہ جو امر جائز کسی مستحسن یا واجب کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہوتا ہے وہ خود بھی مستحسن یا واجب ہوتا ہے۔

مذکورہ دلائل اور شواہد کی بنا پر راقم السطور کے نزدیک ایسے اسکول قائم کرنا، جن کے اندر اسلامی ماحول مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں مستحب اور مستحسن ہے۔

۲- سوال نمبر ا کے جواب میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ مسلمانوں کے لئے مستحب ہے کہ اسلامی ماحول کے ساتھ عصری وتعلیمی ادارے قائم کریں، اور ضروری ہے کہ ان اداروں میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:"**طلب العلم فريضة على كل مسلم**"(ابن ماجہ ۱/۳۴)۔

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکول میں بقدر ضرورت دین کی تعلیم ضروری ہے، اور نصاب میں صرف چند دعاؤں اور چند مسائل پر اکتفاء کرنا درست نہیں ہے، بلکہ نصاب میں ایسے مضامین وامور شامل کریں جو توحید، شرک، رسالت، عبادات، معاشرتی زندگی ومعاملات، سیرت نبوی ﷺ اور اسلامی تاریخ سے متعلق ہوں۔

چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: مسلمانوں کے زیر انتظام عصری مدارس کی ایک بڑی ضرورت نصاب تعلیم سے ایسے مضامین کو شامل کرنا ہے جس مسلمان طلبہ اور طالبات کو اسلام کے بارے میں واقفیت بھی فراہم کرے اور ان کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچائے، محض چند دعاؤں کا یاد دلا دینا کافی نہیں ہے، بلکہ توحید، شرک، رسالت، عبادات، معاشرتی زندگی اور معاملات کے بارے میں ان کو معلومات فراہم کی جائے، سیرت نبوی ﷺ اور اسلامی تاریخ کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں ان کے متعلق وہ حقائق سے آگاہ ہوں، ہندوستان کی حقیقی تاریخ کہ مسلمانوں نے اس ملک کو کیا کچھ دیا؟ پڑھائی جائے، بابر، غزنوی وغوری اور حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ وغیرہ مسلم حکمرانوں کے بارے میں جو پروپگنڈے کئے جاتے ہیں، ان کی حقیقت سمجھائی جائے (راہ عمل ۵/۲۲۶)۔

صاحب فتح الباری لکھتے ہیں:" **المراد بالعلم العلم الشرعی الذی یفید معرفة ما یجب علی المکلف من امر دینه فی عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته وما یجب له من القیام بأمره وتنزیهه عن النقائص ومدار ذلک علی التفسیر والحدیث والفقه** "(فتح الباری ۱/۱۹۲)۔

"فتاوی دارالعلوم دیوبند" میں ہے: ہر ایک مرد وعورت پر مسائل نماز وروزہ وغیرہ کا سیکھنا فرض ہے اور غنی ہونے کی صورت میں مسائل زکاۃ وحج سیکھنا بھی فرض ہے، اسی طرح جو معاملات پیش آئیں ان میں شرعی حکم اور مسائل شرعیہ کا سیکھنا بھی فرض ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۷/۲۲)۔

صاحب "درمختار" فرماتے ہیں:" **واعلم أن تعلم العلم یکون فرض عین وهو بقدر ما یحتاج لدینه** " (درمختار ۱/۱۲۱) (آپ جان لیجئے کہ علم حاصل کرنا فرض ہے اور وہ دین کے لئے بقدر ضرورت)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:" **وفرض علی کل مکلف ومکلفة بعد تعلمه علم الدین والهدایة تعلم علم الوضوء، والغسل والصلاة والصوم وعلم الزکاة لمن له نصاب والحج لمن وجب علیه** "(شامی ۱/۱۲۱) (اور ہر مکلّف ومکلفہ پر علم دین وہدایت کے بعد وضو، غسل، نماز، روزہ کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور صاحب نصاب کے لئے زکاۃ کا علم اور جس پر حج واجب ہے، اس کے لئے حج کے مسائل کا علم)۔

نیز اسلام امن وسکون کا مذہب ہے، یہ انسان کی بھلائی اور عافیت کا تقاضا کرتا ہے، نیز لازوال اور دائمی نعمت حاصل کرنے کے لئے جس طرح گناہ اور حرام کاموں سے روکتا ہے اسی طرح گناہ اور حرام کاموں کے ذرائع اور اسباب سے بھی روکتا ہے۔

ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس، اسی طرح میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور غیر معقول دیومالائی کہانیوں کا پڑھانا تعاون علی الاثم ہے، حالانکہ یہ پاکیزہ شریعت میں جائز نہیں ہے، ارشاد خداوندی ہے:" **ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان** "(مائدہ:۲)، اور مذکورہ مضامین کا پڑھانا خالق کائنات کی نافرمانی اور اطاعت خلق ہے، جو جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے:" **لا طاعة لمخلوق فی**

معصية الخالق"(مشکوۃ)، مذکورہ مضامین پڑھانے سے مشابہت بالغیر لازم آتی ہے، جس سے بچنے کی تاکید وارد ہوئی ہے، "من تشبه بقوم فهو منهم"(ابوداؤد ۵۵۹)۔

ان مضامین کا پڑھانا گناہ کے اسباب اختیار کرنا ہے، جبکہ یہ ممنوع ہے، "ماكان سببا لحرام فحرام" (قواعد الفقہ)، اسی طرح ضابطہ ہے: "ما أدلى إلى الحرام فحرام" (قواعد الفقہ)، اور ان مضامین کے پڑھانے میں تہمت بھی ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔

نیز ان مضامین کے پڑھانے سے اخلاق بگڑ جاتے ہیں، حالانکہ اسلامی تعلیمات میں اچھے اخلاق اپنانے اور برے اخلاق سے بچنے کی بڑی اہمیت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "إنک لعلى خلق عظيم" (قلم: ۴)، حدیث میں ہے: "إن من خيار كم أحسنكم أخلاقا"۔

ان مضامین کی تعلیم سے بے حیائی اور بے شرمی عام ہوجاتی ہے، جبکہ شریعت اسلامیہ میں حیاء کی بڑی اہمیت ہے، حتی کہ یہ ایمان کا جز ہے، "والحياء شعبة من الإيمان" (مشکوۃ ۱/ ۱۲)۔

مذکورہ مضامین شرک اور کفر تک پہنچانے والے ہیں، حالانکہ شرک سب سے مبغوض اور ناقابل عفو ہے، "إن الله لا يغفر ان يشرک به ويغفر ما دون ذلک لمن يشاء" (نساء: ۴۸)، مذکورہ مضامین کھیل کود اور تضییع وقت کے ذرائع ہیں، جبکہ یہ ممنوع ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے: "كل لهو حرام" (حدیث)۔

مذکورہ دلائل کی بناء پر مسلمانوں کے لئے اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں مذکورہ مضامین کا پڑھانا جائز نہیں ہے اور ان مضامین کے پڑھانے سے احتراز ضروری ہے، اگرچہ بعض مضامین کا پڑھانا اسکولوں کے لئے لازم ہے، نیز جن مضامین کا پڑھانا لازم ہے ان کے لئے قانونی تدبیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

۳- دنیا اور آخرت کی کامیابی کا اصل سرمایہ ایمان ہے، اس لئے جن اعمال وکردار کے ذریعہ ایمان مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے ان چیزوں کو اختیار کرنا چاہے اور جو چیزیں ایمان اور یقین سے دوری پیدا کرتی ہیں ان چیزوں کو ترک کرنا چاہئے۔

عصری تعلیم کا حصول نہ تو شرعا واجب ہے اور نہ ہی فرض اور ایسا بھی نہیں کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذرتی، اسلاف واکابر کا بڑا طبقہ عصری تعلیم سے نفرت کرتے تھے، لیکن اللہ تعالی نے ان سے بہت کام لیا، اور ان کو چمکایا۔

عصری تعلیم کے حصول کے لئے ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس، غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھائی جانے والے اسکولوں میں تعلیم دلانا "تعاون علی الاثم" کے قبیل سے ہے، جبکہ اعلان خداوندی ہے، "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (مائدہ: ۲)۔

نیز یہ گناہ اور حرام کے ارتکاب کا ذریعہ ہے جو حرام ہے، "ماكان سببا لحرام فهو حرام" (قواعد الفقہ)، اسی طرح

"ماأدى إلى الحرام فحرام" (قواعد الفقه)، اور اس میں تشبہ بالغیر ہے "من تشبه بقوم فهو منهم" (ابوداؤد)۔

اور جن اسکولوں میں مذکورہ مفاسد ہوتے ہیں، ان میں تعلیم حاصل کرنے والے عام طور سے احکام شریعت کی پابندی سے دور اور کتاب وسنت کے مذاق اڑانے والے ہوتے ہیں، جیسا کہ آئے دن تجربات ہورہے ہیں، ان اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا ایمان ویقین سے ہاتھ دھونے کے مرادف ہے۔

صحبت کا اثر ہونا تو یقینی ہے، حدیث میں ہے: "الرجل على دين خليله" (سنن ابی داؤد ر ۲۶۴)۔

مذکورہ چیزوں کے پیش نظر جن اسکولوں میں مذکورہ مفاسد ہوں ان میں بچوں کو تعلیم کے لئے بھیجنا یا بچوں کو تعلیم دلانا قطعا درست نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

اور اگر مجبوراً ایسے اداروں میں تعلیم کے لئے بچوں کو داخل کرنا پڑے تو بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے والدین پر درج ذیل ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

بچوں کو ضروریات دین کی تعلیم دلائے، خواہ صباحی مکتب میں بھیج دیا گھر میں ٹیوشن کے ذریعہ ہو، بچوں کو نماز کے وقت نماز پڑھانے کا انتظام کریں، تبلیغی جماعت میں بچوں کو بھیجیں، اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتابیں بچوں کو دی جائیں، تاکہ وہ پڑھیں اور ایمان ودین کو مستحکم کریں، گھر میں ایک وقت نکال کر صحابہ واسلاف کے واقعات اور حالات پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کریں تاکہ ان کا ایمان تازہ ہو۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: بہر حال اگر اپنے اسکول قائم نہ کئے جاسکیں تو دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان لازمی طور پر اپنے بچوں کو اسکول کے بعد مساجد میں بھیجیں اور ان مساجد میں بھیجیں اور ان مساجد میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ضروریات دین کی تعلیم دی جائے، اس طرح مسلمان بچے اسکول کی تعلیم سے لادینی اثرات قبول نہیں کریں گے، اسی طرح والدین کو چاہئے کہ وہ خود جب نماز کے لئے آئیں تو بچوں کو بھی ساتھ لے کر آئیں، اسی طرح گھر میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں وقتاً فوقتاً بچوں کو آگاہ کیا جائے، انگریزی میں اسلام سے متعلق کافی لٹریچر شائع ہوگیا ہے، وہ ان کو مطالعہ کے لئے دیں، بچوں کے ذہنوں میں اسلام سے محبت اور وابستگی پیدا کریں، اسی طرح نئی نسل میں اسلامی شعور پیدا ہوگا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸ ر ۱۷۰)۔

۴- اسلام دین رحمت ہے اور یہ تعلیم کا حامی ہے، بشرطیکہ علم نافع ہو اور شرعی حدود میں رہ کر حاصل کیا جائے اور اگر حدود شرعیہ کا لحاظ نہ ہو تو نقصان کا باعث ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ عصری تعلیم حاصل کرنا فرائض وواجبات میں سے نہیں ہے، جس کے لئے گناہ کا ارتکاب کیا جائے۔

مخلوط تعلیم کی صورت میں عام طور سے بے پردگی ہوتی ہے، حالانکہ اسلام نے پردہ کی بہت تاکید کی ہے، جیسا کہ قرآن

میں ہے:"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم"(سورۂ نور:۳۰)۔

"يا أيها النبى قل لأزواجک وبنتک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن"(احزاب:۵۹)۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے:"المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان"(مشکوۃ ۲/ ۲۶۹)۔

"عن أسامة بن زيد مرفوعا قال: قال رسول اللهﷺ: ما تركت بعدى فتنة أضر على الرجال من فتنة النساء"(مشکوۃ ۲/ ۲۶۷)۔

مخلوط تعلیم کی صورت میں بے حیائی عام ہوجاتی ہے ،حالانکہ یہ سخت ممنوع ہے اور حیا کو ایمان کا جز قرار دیا گیا ہے(مشکوۃ / ۱۲)۔

مخلوط تعلیم کی صورت میں فحاشی اور منکرات میں زیادتی ہوتی رہتی ہے جبکہ قرآن میں اس سے منع کیا گیا ہے"ينهى عن الفحشاء والمنكر"(سورۂ نحل:۹۰)۔

مخلوط تعلیم فتنہ کا ذریعہ ہے،اس لئے اس سے احتراز ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے،مخلوط تعلیم حرام کاری کا ذریعہ ہے اور اسلام گناہ اور دواعی گناہ دونوں سے روکتا ہے، نیز یہ موضع تہمت ہے، اس سے بچنا ضروری ہے،مخلوط تعلیم میں اجانب اور محارم کی زیارت ہوتی ہے جو سراسر غلط ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين"(شامی ۲/ ۶۶۵)۔

مذکورہ دلائل کی بنا پر مخلوط تعلیمی نظام ،خواہ مادیت ، دین بیزاری اور اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ہو یا جداگانہ نظام تعلیم میں زیادہ اساتذہ عملہ کلاس روم وغیرہ کی ضرورت کی وجہ سے ہوشرعا درست نہیں ہے۔

البتہ جو بچے بچیاں ممیّز اور باشعور نہ ہوں جو عام طور پر چھ،سات سال کی عمر میں یا اس سے کم عمر میں ہوتا ہے،اس عمر میں بے پردگی، بے حیائی، فتنہ،حرام کاری اور دیگر برائیوں کا امکان کم رہتا ہے،اس عمر میں پرائمری تک مخلوط تعلیم کا نظام چل سکتا ہے۔

آٹھ سال کے بعد طلبہ اور طالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا بہتر ہوگا اور دس سال کے بعد طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہوگا ،جیسا کہ حدیث میں ہے:"قال رسول الله ﷺ مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم وهم أبناء عشر وفرقوا بينهم فى المضاجع"(ابوداؤد ۱/ ۷۸)(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی اولاد کو نماز کا حکم دیا کرو جب کہ وہ سات سال کی ہوجائیں اور ان کو مارو جبکہ وہ دس سال کی ہوجائیں اور بستر جدا کردو)۔

۵- اسلام امن وسکون اور شانتی کا مذہب ہے، بھلائی کی ترغیب دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے، فحاشی ،عریانیت، بے حیائی بے پردگی ،اختلاط وارتباط جو غیر شرعی ہو، فتنہ وفساد اور گناہ واسباب گناہ سے زوردار انداز سے منع کرتا ہے۔

مذکورہ چیزوں کی بناء پر اسلام مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں دیتا ہے، لہذا جن صورتوں میں مذکورہ مفاسد اور برائیاں نہ ہوں گی

وہ صورتیں جائز ہوں گی، اور جن صورتوں میں مذکورہ مفاسد پائے جائیں گے وہ صورتیں غیر شرعی اور ناجائز ہوں گی۔

جداگانہ نظام کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو یہ صورت ضروری ہے، ہر اسکول اس کا انتظام ہونا چاہئے، اس صورت میں بے حیائی، بے پردگی، فحاشی عریانیت، غیر شرعی اختلاط اور گناہ وفتنہ کا امکان نہیں ہے، نیز اس صورت میں شرعی کوئی قباحت بھی نہیں ہے، لہذا ''الأصل في الأشياء الإباحة'' () اور عصری تعلیم کے استحباب کی دلیلیں جو سوال نمبر ا کے جواب میں گذری ہیں، ان کی بنا پر یہ صورت ضروری ہے۔

اور دوسری اور تیسری صورت یعنی:

☆ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

☆ دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

☆ - ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں) میں مذکورہ مفاسد کا امکان ہے اس لئے اس سے احتیاط کرنا چاہئے، لیکن ضرورت کے وقت تقاضا اور عصری تعلیم کی اہمیت کی بنا پر یہ صورتیں بھی جائز ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: کسی مرد کا بالغ یا قریب البلوغ لڑکی کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز نہیں، نیز جب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہوں تو ان کا پردہ کرنا ضروری ہے، لہذا مدرسہ یا گھر میں قرآن مجید پڑھاتے ہوئے اس اصول کو برتنا چاہئے کہ لڑکی کے ساتھ تنہائی نہ ہو اور لڑکیاں بالغ ہوں تو برقعہ پہن کر تعلیم حاصل کریں۔

جہاں تک اسکولوں کی بات ہے تو کم سے کم مسلمان لڑکیوں کو برقعہ کا استعمال کرنا چاہئے، اگر اسکول کے نظم کے تحت لڑکیوں کو پابند کیا جانا ممکن نہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس طرح کی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ لڑکوں سے تخاطب ہو اور حتی الامکان لڑکیوں کی طرف سے نگاہ بچا کر پڑھایا جائے، یہ تو شرعی حکم ہے، لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کے زیر انتظام اسکول چل رہے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی درسگاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جداگانہ کلاس روم کا انتظام کریں اور اپنے یونیفارم متعین کریں جو اسلامی اقدار کے لئے مطابقت رکھتے ہوں (کتاب الفتاوی ۱/ ۴۲۷-۴۲۸)۔

۶ - جن اسکولوں میں داخلے کے لئے ایک خاص عمر بھی لازم ہو، مثال کے طور پر نرسری میں صرف وہ بچہ داخل ہوگا جو چار سال سے کم عمر کا ہو، ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرنے کے لئے والدین کے لئے بچوں کی عمر کم لکھوانا، جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا جائز اور درست نہیں ہے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-جھوٹ بولنا لازم آرہا ہے، جبکہ جھوٹ کو اسلام سے پہلے بھی لوگ برا سمجھتے تھے، اسلام میں تو یہ سنگین جرم ہے، اس لئے احتراز لازم ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

"**واجتنبوا قول الزور**" (سورۂ حج:۳۰)، نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**المسلم اخوا المسلم لایخونه ولا یکذبه**" (ترمذی شریف ۲/۱۴)۔

۲-خیانت لازم آرہی ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ میں اس کی اجازت نہیں ہے، اس لئے اجتناب ضروری ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "**المسلم أخوا المسلم لا یخونه**" (ترمذی ۲/۱۴)۔

۳-دھوکہ دینا لازم آرہا ہے جو بہت بری اور قبیح چیز ہے جس سے اجتناب واحتراز لازم ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**من غشنا فلیس منا**" (ترمذی ۱/۳۴۵)۔

۴-لعنت والی چیز اختیار کرنا لازم آرہا ہے، جس سے بچنا ہر ایک کے لئے لازم ہے، ارشاد ربانی ہے: "**لعنة الله علی الکذبین**" (آل عمران:۶۱)۔

۵-جھوٹ عام ہونے کا امکان ہے، جب کوئی جھوٹ اور غلط بول کر اپنے بچہ کو اسکول میں داخل کرے گا تو دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں گے، اسی طرح جب یہ بچہ بڑا ہو جائے گا اور اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے والد غلط بول کر اس کو اسکول میں داخل کئے تھے تو یہ بھی جھوٹ اور غلط بول سکتا ہے، اس لئے ایسی چیزوں سے احتراز ضروری ہے۔

۷- اسلام دین رحمت ہے، اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، عمدہ لباس اور اچھا کپڑا استعمال کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "**یبنی آدم قد أنزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا**" (اعراف:۲۶) (اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے)۔

"ریش" کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جو آدمی زینت و جمال کے لئے استعمال کرتا ہے، مراد یہ ہے کہ ستر چھپانے کے لئے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے، مگر ہم نے تمہیں اس سے زیادہ لباس اس لئے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت و جمال حاصل کر سکو اور اپنی ہیئت کو شائستہ بنا سکو (معارف القرآن ۳/۵۳۳)۔

لباس اسلامی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ساتر ہو اور غیر کی مشابہت سے بچنے کے قابل ہو، حدیث میں ہے: "**ونساء کاسیات عاریات**" (مسلم شریف ۲/۲۰۵)، دوسری حدیث میں ہے: "**من تشبه بقوم فهو منهم**" (ابوداؤد ۲/۵۵۹)، نیز یہ حقیقت ہے کہ اسلام مذاہب عالم میں ممتاز مقام رکھنے والا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے، اس میں احساس کمتری میں مبتلا ہونے کا تصور بھی نہیں ہے۔

یونیفارم کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے یونیفارم متعین کریں جو اسلامی اقدار سے

مطابقت رکھتے ہوں (کتاب الفتاوی ا/۴۲۸)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: بعض پڑوسی ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ پٹھانی سوٹ اسکول کا یونیفارم متعین کیا گیا ہے یہ خوبصورت بھی ہے، ڈھیلا ڈھالا ہونے کی وجہ سے طبی نقطہ نظر سے صحت کے لئے مفید بھی اور پوری طرح ساتر بھی (راہ عمل ۵/۲۲۵)۔

مذکورہ دلائل اور شواہد کی بنا پر راقم السطور کی رائے یہ ہے کہ یونیفارم کے اصول وضوابط ایسے مقرر کئے جائیں: اسلامی اور اخلاقی قدروں کا لحاظ ہو اور دیدہ زیب بھی ہو اور طلبہ وطالبات احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں، یعنی پورے طور پر ساتر ہو، ڈھیلا ڈھالا ہو، غیر کی مشابہت سے احتراز ہو، زیادہ باریک نہ ہو۔

اور اگر اسکول کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور اسلامی اسکول موجود نہ ہو تو مسلمان طلبہ وطالبات اور ان کے اولیاء کو چاہئے کہ اسکول کے انتظامیہ سے مسلمان طلبہ وطالبات کے لئے اسلامی لباس و یونیفارم استعمال کرنے کی اجازت مانگیں۔

اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو مسلمان اپنے اسکول قائم کریں، تاکہ اسلامی یونیفارم استعمال کرسکیں، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ضرورت کی بناء پر مسلمان اولیاء اپنے بچوں کو ایسے اسکول میں داخل کرسکتے ہیں، لیکن ان کے اندر دینی بیداری اور اسلامی لباس کی اہمیت اور اسکول کے وقت کے علاوہ بقیہ اوقات میں اسلامی لباس استعمال کرنے کا عادی بنائیں۔

۸- تعلیم کا اصل مقصد روحانی ترقی اور خدمت خلق ہے، اسی لئے اسلامی تاریخ میں جو علماء، فقہاء سائنسداں اور رجال کار گذرے ہیں وہ مفت تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی ضروریات بھی خود پوری کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے علم خیر سکھانے کو صدقہ قرار دیا، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

موجودہ دور میں بھی بعض ممالک میں مفت تعلیم کا نظام اور سہولت ہے اور یہ ہر جگہ ہونا چاہئے، تعلیم کے لئے زیادہ مقدار میں فیس لینا لوگوں کو خاص طور پر غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو تعلیم سے محروم کرنے کے مرادف ہے جس کی اجازت اسلام میں بالکل نہیں ہے۔

بلڈنگوں کو وسیع اور خوبصورت بنانا تعلیم کا اصل مقصد نہیں ہے، "**العبرة للأغراض والمقاصد دون الألفاظ والمباني**"، نیز: "**الأمور بمقاصدها**"۔

تعلیم کے لئے زیادہ فیس حاصل کرنا ایذاء رسانی کا ذریعہ ہے اور یہ اسلام میں جائز نہیں ہے، تعلیم کے لئے زیادہ فیس وصول کرنے کی وجہ سے آنے والی نسل سے رحم وکرم، خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ ختم ہوجانے کا قوی خطرہ ہے، بلکہ اس وقت بھی مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر، انجینئر اور بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ علم حاصل کرکے اس کو خدمت خلق کے بجائے تجارت بنا لیتے ہیں، اور ان کے دلوں میں صرف روپئے پیسے کی محبت ہوتی ہے، لوگوں کی خیر خواہی ہمدردی ذرہ برابر نہیں ہے، لہذا تعلیم کو خدمت کے بجائے کم

وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنالینا مناسب نہیں ہے، اسی طرح غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوبصورت بنانے میں پیسوں کو خرچ کرنا اسلام پسند نہیں کرتا ہے، اور یہ اسلام میں پسندیدہ ومناسب بھی نہیں ہے، خواہ شخصی اسکول ہو یا تعلیمی رفاہی اداروں کے تحت چلنے والا اسکول ہو۔

۹- طالب علم سے جو فیس لی جاتی ہے وہ عموماً دوطرح کی ہوتی ہے: ایک خود طالب علم کی ذات پر خرچ کرنے کے لئے، جیسے کھانا، کپڑا، کمرہ اور تنخواہ وغیرہ، اور دوسرے فارم داخلہ اور داخلہ کی کاروائی کے لئے لی جاتی ہے۔

جو فیس طالب علم کی ذات پر خرچ کرنے کے لئے لی جاتی ہے، اگر طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجائے تو اس سے اس قسم کی فیس لینا درست نہیں ہوگا اور اگر لے لی جائے تو واپس کرنا ضروری ہوگا، دلائل درج ذیل ہیں:

۱- یہ حق العبد ہے اور کسی کا پیسہ ناحق لینا درست نہیں ہے، حدیث میں ہے: "**ألا لا يحل مال امرأ مسلم إلا بطيب نفس منه**" (مشکوۃ ۱/۲۵۵)۔

۲- یہ ظلم ہے اور ظلم سے بچنا ضروری ہے، حدیث میں ہے: "**ألا لا تظلموا**" (مشکوۃ ۱/۲۵۵)۔

۳- دوسرے کے مال میں تصرف کرنا ہے جو جائز نہیں: "**لايجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه**" (الاشباہ والنظائر ۲/۲۷۶)۔

۴- کسی کا مال باطل اور ناحق کے ساتھ کھانا اور استعمال کرنا اور یہ منع ہے "**ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل**" (بقرہ: ۱۸۸)، البتہ جو فیس فارم داخلہ اور داخلہ کی کاروائی وغیرہ کے لئے لی جاتی ہے تو طالب علم کے غیر حاضر ہونے کے باوجود اس قسم کی فیس اس سے لینا درست ہوگا، دلائل درج ذیل ہیں:

۱- ضرورت کی وجہ سے، جیسا کہ قاعدہ ہے: "**الضرورات تبيح المحظورات**" (قواعد الفقہ/۸۹)۔

۲- عرف اور مفاد کی وجہ سے "**مارأة المسلمون حسنا فهو عند الله حسن**" (حدیث)۔

۳- یہ نیک کام میں تعاون کے قبیل سے ہے، "**تعاونوا على البر والتقوى**" (مائدہ: ۲)۔

۴- اس سلسلہ میں صاحب امداد الفتاوی تحریر فرماتے ہیں: اولاً یہ جاننا ضروری ہے کہ داخلہ فیس کس مقصد سے لی جاتی ہے؟ اس کے بعد کوئی صحیح جواب بتایا جاسکتا ہے، اگر داخلہ فارم اور داخلہ کی کاروائی میں ہونے والے خرچ کے لئے لی جاتی ہے یا اجارہ کی کوئی اور صورت ہے تو لینا جائز ہے (امداد الفتاوی بحوالہ فتاوی دینیہ ۴/۲۸۶)۔

۱۰- زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کے لئے مصرف اور تملیک کی ضرورت ہے، اگر عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بچے غریب و مستحق اور اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں تو ایسے طلبہ پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کی گنجائش ہے، چنانچہ مفتی محمود حسن گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: اگر مستحق کو تملیک کردی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی، اگر چہ وہ انگریزی پڑھتا ہو (فتاوی محمودیہ ۱۴/۱۹۲)۔

۱۱- اسلام میں سب سے زیادہ مبغوض اور عفوو درگذر سے محروم کرنے والی چیز شرک ہے، رب کائنات کا اعلان ہے، "إن الله لا يغفر أن يشرک به ،ويغفر ما دون ذلک لمن يشاء" (نساء:۴۸) (اللہ تعالی شرک کو معاف نہیں کرتے، شرک کے علاوہ جس کے لئے معاش کرتے ہیں)۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "لاتشرک بالله إن الشرک لظلم عظیم" (سورۂ لقمان:)۔

اسی طرح احادیث نبویہ میں شرک کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے: "قال رسول الله ﷺ الكبائر الاشراک بالله وحقوق الوالدين وقتل النفس واليمين الغموس" (مشکوۃ ۱/۱۷) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، ناحق کسی کو مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں)۔

اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو بھی سد اللباب اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی داخل کریں تو ان کے لئے ضروری ہوگا کہ اپنے بچوں کو بری صحبت سے بچانے کی فکر کریں، اور بچوں کے ایمان و یقین کو مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر کریں، یعنی گھروں میں ضروریات دین کی تعلیم دیں، علماء کرام کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید کریں، رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور صحابہ کرام کے حالات کی تعلیم دینے کا انتظام کریں۔

اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو ایسا ادارہ قائم کرنا چاہئے جس میں اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں، اور اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو مسلمان ادارہ کے انتظامیہ سے درخواست کریں کہ مسلمان بچوں کو ان مشرکانہ افعال سے دور رہنے اور بچنے کا موقع دیں۔

اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے بچوں کو ضرورت کی وجہ سے ایسے اسکولوں میں داخل کر سکتے ہیں، لیکن بچوں کے ایمان ویقین اور ان عقائد و اعمال کو مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر کریں، یعنی ضروریات دین کی تعلیم کا انتظام کریں۔

اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو بھی اپنے بچوں کو داخل کرنا مسلمانوں کے لئے درست نہیں ہوگا، اور اگر مجبورا کرنا پڑے تو ان کے ایمان ویقین اور عقائد و افکار کی تصحیح اور درستگی کے لئے دینی ضروری تعلیمات کا انتظام کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ بات آچکی۔

اور اگر دوسرے ایسے ادارے ہوں جو مشرکانہ افعال اور غیر شرعی اعمال سے پاک ہوں تو مسلمانوں کے لئے اپنے بچوں کو مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے اسکولوں میں داخل کرنا قطعا درست نہیں ہوگا کسی بھی حال میں۔

مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کریں۔

۱۲- اسلام میں حیاء کی بڑی اہمیت ہے حتی کہ حیاء کو ایمان کا جز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**والحیاء شعبة من الإیمان**" (مشکوۃ ۱/۱۲)، اللہ پاک نے جائز فطری جنسی تقاضوں کے احکام کے لئے کفایہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: "**اولا مستم النساء**" (نساء: ۴۳) (یا پاس گئے ہو عورتوں کے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "**ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد**" (بقرہ: ۱۸۷) (اور نہ ملے عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں)۔

نیز جنسیات کی تعلیم شہوت بھڑکانے کا ذریعہ ہے، جس کے ذریعہ فتنے اور خطرناک حالات وپیش آتے ہیں، اور حرام کاری کا ذریعہ ہوتا ہے، جبکہ حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے۔

جنسی تعلیم فحاشی اور برائی کو دعوت دیتی ہے، اس سے برائیاں اور بدکاری تیزی سے پھیلتی ہیں، لوگوں کے دل ودماغ سے نیکیوں اور اچھے کاموں کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے۔

موجودہ دور میں بے حیائی اور عریانیت کا غلبہ ہے، ایسی صورت میں بچوں کو جنسیات کی تعلیم دینا یا ایسے اسکول میں بچوں کو داخل کرنا جن میں جنسیات کی تعلیم ہوتی ہے بچوں کے لئے بدکاری، حرام کاری گناہ اور خلاف شرع امور کی راہیں ہموار کرنا ہے، اس لئے سد اللذریعہ بچوں کو جنسیات کی تعلیم سے دور رکھنا نہایت ہی ضروری ہے، نیز جنسیات کی تعلیم میں تہمت بھی ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

ان حالات میں اگر حکومت اسکولوں میں جنسی تعلیم کو لازم کردے تو ایسے اسکولوں میں تعلیم دینے اور بچوں کو تعلیم کے لئے داخل کرنے سے احتراز واجتناب ضروری ہوگا۔

اور اگر مجبوراً تعلیم دینے یا تعلیم کے لئے بچوں کو داخل کرنے کی نوبت آجائے تو جنسیات کی تعلیم کی طرف دھیان اور توجہ دینا صحیح نہیں ہوگا، بلکہ دیگر مضامین کی تعلیم دینے اور بچوں کو جنسیات کی تعلیم کے علاوہ دیگر مضامین کی تعلیم کی طرف توجہ دلانی ہوگی، جیسا کہ ضابطہ ہے: "**الضرورة تقدر بقدرها**" (الأشباہ)۔

نیز اپنے اخلاق اور اعمال کی درستگی اور آخرت کی سرخروئی وآنے والی نسل کے اعمال واخلاق اور آخرت کی کامیابی وکامرانی کے لئے یہ بات بہتر ہوگی کہ حکومت سے کہا جائے کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، تاکہ حکومت مسلمانوں اور مسلمان تعلیمی اداروں پر جنسیات کی تعلیم پر دباؤ نہ ڈالیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مناسب ہے کہ مسلمان تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت وپاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے۔

۱۳- انسان کی تخلیق کا اصلی مقصد اللہ کی عبادت کرتے ہوئے رضائے الٰہی حاصل کرنا، اور دنیا وآخرت میں ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال ہونا، اس کے لئے ضروری ہے کہ اوقات کا صحیح استعمال ہو، کھیل کود، دوڑ دھوپ اور بلا ضرورت سیر وتفریح سے احتراز کیا جائے، نیز ہر اس چیز سے اجتناب کیا جائے جو ذکر الٰہی اور عبادت خداوندی سے غافل کردے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله" (لقمان:٦)، "لهو الحديث" کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: "**لهو الحديث على ماروى عن الحسن كل ما شغلك عن عبادة الله وذكره من السمر والاضاحيك والخرافات والغناء ونحوها**" (روح المعانی۲۱/ ٦٧) (لہو الحدیث کی تفسیر جیسا کہ حضرت حسن سے مروی ہے ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غافل کردے یعنی رات کو قصہ گوئی، اضاحیک، خرافات اور گانا وغیرہ)۔

حدیث میں ہے: "**كل لهو المسلم حرام الا ثلاثة**" () (مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے مگر تین قسم کے)۔

بچوں کی دوڑ، سائکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کا مقابلہ مختلف قسم کی خرابیوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ تضیع اوقات، یاد الٰہی سے غافل ہونا، احکام شرعیہ میں کمی، کوتاہی، تکلیف اور چوٹ لگنے کا خطرہ، مشابہت بالغیر۔

مذکورہ خرابیوں کے ساتھ اگر طالبات ولڑکیوں کا اختلاط ہو تو بے حیائی وبے پردگی کا فتنہ، اور چھیڑ چھاڑ، فقرہ بازی وغیرہ کا خطرہ۔

لہذا ایسا مقابلہ شرعاً جائز نہیں ہے اس سے اجتناب اور احتراز ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، البتہ اگر مسلمان انتظامیہ صرف لڑکوں کے لئے دوسرے شہروں کی سیر اور جائز کھیلوں کا انتظام کرے اور شرعی قباحتوں سے پاک رکھیں، حدود شرعیہ کا پورا لحاظ کریں، تو ایک حد تک گنجائش ہے، نیز پردہ اور حدود شرعیہ کی رعایت کرتے ہوئے طالبات کے لئے صرف سیر کے انتظام کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۴- شریعت نے عورتوں کو پردہ کی بہت تاکید کی ہے: "**يا أيها الذين قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن**" (احزاب:۵۹) (اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بی بیوں سے کہہ دیجئے کہ نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں)۔

اور حدیث میں ہے: "**قال النبي ﷺ النظرة سهم مسموم من سهام ابليس**" (ترغیب وترہیب ۱/ ۴۷) (نظر ابلیس کی تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے)۔

اور ایک حدیث میں ہے: "**قال رسول الله ﷺ ما تركت بعدى فتنة أضر على الرجال من النساء**" (مشکوۃ ۲/ ۲٦٧) (میں نے اپنے بعد مردوں پر کوئی فتنہ عورتوں سے زیادہ ضرر رساں نہیں چھوڑا)۔

اورایک حدیث میں ہے:"المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان"(مشکوۃ ۲/ ۲۶۹)(عورت پردہ کی چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اچک اچک کر دیکھتا ہے)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:"ويمنعها من زيارة الأجانب وعياد تهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصبين" (شامی ۲/ ٦٦٥)(اورعورت کواجنبیوں کی زیارت، ان کی عیادت اور ولیمہ میں شرکت کرنے سے منع کریں اور اگر اجازت دے گا تو دونوں گنہگار ہوں گے)۔

مفتی محمود حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں: مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوجاتے ہیں، خاص کر جب مردوں کو مدعو بھی کیا جاتا ہے، اور دوسری جگہ لاؤڈ اسپیکر پر ان کی تقریر، مکالمے سنتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں اور نظمیں بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، خود عورتوں کا جمع ہونا مستقل فتنہ ہے، اسی وجہ سے تقریبات خاندان میں بھی شرکت کی ان کو اجازت نہیں دی جاتی، اگر شوہر اجازت دے تو وہ بھی ماخوذ ہوگا (فتاوی محمودیہ ٦/ ٧٧)۔

اور ڈرامے وغیرہ میں غیر شرعی افعال بھی پائے جاتے ہیں، اس لئے یہ تعاون علی الاثم کے قبیل سے ہے۔

اس قسم کے پروگرام سے گناہ کے راستے ہموار ہوتے ہیں، اور یہ جائز نہیں ہے۔ پھر اس میں تہمت بھی ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

مذکورہ مفاسد کی وجہ سے تقریروں، ڈراموں اور مکالموں میں اگر طالبات کو شریک کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے، البتہ اگر طلبہ اور طالبات میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ پروگرام کیا جائے اور شرعی حدود کی رعایت کی جائے، اختلاط اور غیر شرعی امور سے احتراز کیا جائے تو اس قسم کے پروگرام سے طلبہ اور طالبات کے اندر مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، نیز افہام و تفہیم اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات وغیرہ کی صلاحیت ہوتی ہے، اس لئے اس قسم کا پروگرام کرنا مناسب اور بہتر ہے۔

۱۵- فحاشی وعریانیت کو پھیلانے اور ایمان وعقائد کو بگاڑنے کے لئے جن ذرائع اور اشیاء کا استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک بڑا ذریعہ تصویر ہے، جس معاشرہ میں تصویر سازی کو جگہ ملی وہ معاشرہ تباہ وبرباد ہوگیا، اسی لئے تصاویر کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:"ان اشد الناس عذابا يوم القيامة المصورون"(بخاری)(قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اللہ کے پاس مصوروں کو ہوگا)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:"ومن اظلم ممن ذهب يخلق كخلقي فليخلفوا ذرة وليخلقوا حبة أو شعيرة"(بخاری)(حدیث قدسی میں) نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے فرمایا اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو تخلیق میں میری مشابہت اختیار کرے وہ تو ذرا ایک ذرہ (چیونٹی) پیدا کرے یا ایک دانہ یا ایک جو تو پیدا کر کے دکھائے)۔

تیسری جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:"عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق الله"(بخاری)(حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تخلیق میں اللہ تعالی کی مشابہت اختیار کرتے ہیں)۔

چوتھی جگہ فرمان نبوی ﷺ ہے:"لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولاتصاویر"()(جس گھر میں کتے اور تصاویر ہوں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے)۔

مذکورہ روایات واحادیث کی بنا پر ائمہ کرام اور علماء امت کے نزدیک تصویر سازی حرام ہے، چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:"قال اصحابنا وغیرھم تصویر صورة الحیوان حرام أشد التحریم وھو من الکبائر وسواء صنعه لما یمتھن أو لغیره فحرام بکل حال؛ لان فیه مضاھاة لخلق الله وسواء کان فی ثوب أو بساط أو دینار أو درھم أو فلس أو إناء أو حائط واما ما لیس فیه صورة حیوان کالشجر ونحوه فلیس بحرام وسواء فی ھذا کله ماله ظل ومالا ظل له و بمعناه قال جماعة العلماء مالک والثوری وابوحنیفة وغیرھم"(عمدۃ القاری ۲۲/۷۰) (ہمارے فقہاء اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ جاندار کی تصویر حرام ہے، اور کبیرہ گناہ میں سے ہے، خواہ پامال اور ذلیل کرنے کے لئے ہو بنائی جائے یا کسی اور مقصد سے، بہرکیف حرام ہے، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالی کی صفت تخلیق کا مقابلہ ہے اور خواہ وہ تصویر کپڑے پر ہو یا بچھونے پر یا دینار پر یا درہم پر یا برتن یا دیوار پر، ہرحال جس میں جاندار کی تصویر نہ ہو جیسے درخت وغیرہ، تو یہ حرام نہیں ہے، اور اس کی حرمت میں سایہ دار اور بے سایہ دار تصویر برابر ہے، علماء کی جماعت نے یعنی امام مالک، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہؒ نے یہی فرمایا ہے)۔

مذکورہ دلائل وشواہد کی بنیاد پر بلاضرورت شدیدہ جاندار کی تصویر یا اعضاء انسان کی تصویر بنانا، رکھنا، خرید وفروخت کرنا اور استعمال کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، خواہ کتابوں کی تصویر ہو، یا ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے ہوں یا کوئی بھی شکل ہو۔

اسی طرح تصویر والی کتابوں کو نصاب میں شامل کرنا بھی جائز نہیں ہے، نیز تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لینا جائز نہیں ہے، اور پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے کلاسوں میں مہیا کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ جن کتابوں میں تصاویر پہلے سے ہیں، ان کتابوں کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہئے کیونکہ اس میں ضرورت ہے اور چھوٹی ہونی کی وجہ سے جلدی نظر بھی نہیں آتی ہے، جیسا کہ وارد ہے"الضرورات تبیح المحظورات"(قواعد الفقہ)، "الضرر یزال"(قواعد الفقہ)، "المشقة تجلب التیسیر"(الاشباہ والنظائر)۔

صاحب شرح"السیر الکبیر" لکھتے ہیں:"وإن تحققت الحاجة له إلی استعمال السلاح الذی فیه تمثال فلا

بأس باستعماله، لان مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة"(شرح الکبیر ۴/۲۰۸)(اور اگر تصویر والے ہتھیار استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ ضرورت کے مواقع حرمت سے مستثنی ہیں)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:"**او ثوب آخر کان فوق الثوب الذی فیه صورة ثوب ساتر له فلا تکره الصلاة فیه لا ستتارها بالثوب**" (شامی ۲/۴۱۸)(یا تصویر والے کپڑے پر دوسرا کپڑا ہو جو تصویر کو چھپانے والا ہو، اس میں نماز مکروہ نہیں ہے، کپڑے کے ذریعہ مستور ہونے کی وجہ سے)۔

صاحب فتاوی محمودیہ فرماتے ہیں: اگر کتابوں میں تصاویر ہوں جیسے لغت کی کتاب ''المنجد'' ہے، اور وہ کتابیں بند ہیں تو گنجائش ہے(فتاوی محمودیہ ۲۹/۲۷۹)۔

واضح رہے کہ اگر پرندہ کی مقدار تصویر ہو تو (بڑی تصویر کے حکم میں ہوکر) مکروہ ہے، اور اگر پرندہ کی مقدار سے چھوٹی ہو تو مکروہ نہیں ہے(قاموس الفقہ ۲/۴۷۰)۔

۱۶- عام طور پر عصری تعلیمی اداروں میں جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں وہ طلبہ اور طالبات دونوں صنفوں کے لئے ہوتے ہیں، جبکہ دونوں کے درمیان تخلیقی اور ذمہ داری کے اعتبار سے فرق ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ طالبات کو ایسے مضامین کی تعلیم نہیں دی جاتی جو ان کی ضرورتوں سے متعلق ہو جیسے: سلائی، کڑھائی، پکوان امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت وغیرہ۔

اسلامی شریعت میں صنعت اور حرفت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، خود خالق کائنات نے ضروری اشیاء کی ایجاد وصنعت کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:"**والناله الحدید ان اعمل سبغت وقدر فی السرد**"(سورۂ سبا:۱۰-۱۱) (اور نرم کردیا ہم نے اس کے آگے لوہے کہ بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اشیاء ضرورت کی ایجاد وصنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالی نے خود اس کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا، اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے ثابت ہے(معارف القرآن ۷/۲۶۲)۔

ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خواتین کی دل بہلائی کے لئے بہترین مشغلہ دھاگے کاتنا ہے(کنز العمال ۴۶۰۴۰، خیر لہو المرأۃ امغزل)۔

اور ایک حدیث میں ہے:"**عن الربیع بنت معوذ قالت: کنا مع النبی ﷺ نسقی الماء ونداوی الجرحی ونرد القتلی**"()(ربیع بنت معوذؓ سے راویت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ (غزوہ) شریک ہوتی تھیں، مسلمان فوجیوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور جو لوگ شہید ہوجاتے انہیں مدینہ اٹھا کر لاتی تھیں)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "على الاباء والامهات تعليم أولادهم الصغار مايستعين عليه بعد البلوغ" (المجموع شرح المہذب ۱/ ۶۴) (والدین پر ضروری ہے کہ اپنی چھوٹی اولاد کے لئے ان چیزوں کی تعلیم کا انتظام کریں جو بالغ ہونے کے بعد ان کے لئے مفید ہوں)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: "وله دفعها للمرأة تعلمها حرفة لتطريز وخياطة" (ردالمحتار ۳/ ۶۱۲) (اور باپ کو حق ہے کہ بچی کو ایسی عورت کے حوالہ کرے جو اسے ہنر جیسے کشیدہ کاری اور سلائی وغیرہ سکھائے)۔

"موسوعہ فقہیہ" میں ہے: "وينبغي أن يعلمه أيضا من أمور الدنيا ومايحتاج إليه" (موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۱۲) (باپ کے لئے مناسب ہے کہ بچہ کو دنیاوی امور اور ضروری چیزیں سکھلائے)۔

نیز سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت کی تعلیم گھریلو زندگی و ازدواجی زندگی کی خوشگواری، عزت وعافیت کی زندگی گذارنے اور مشکل وغیر متوقع حالات میں اپنی کفالت کے لئے بہترین وسیلہ ہے۔

مذکورہ دلائل وشواہد کی بنا پر مسلمان انتظامیہ کے تحت چلنے والے اداروں میں لڑکیوں کے لئے سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت وغیرہ کی تعلیم کا انتظام کرنا مستحب اور مستحسن ہے۔

۱۷- اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوزخ سے بچنے اور بچانے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا" (تحریم: ۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دوزخ سے بچنے اور بچانے کے لئے دین کی تعلیم ضروری ہے، بقدر ضرورت علم دین حاصل کئے بغیر نہ انسان اپنی دنیا کو بہتر بنا سکتا ہے اور نہ آخرت سنور سکتی ہے، اسی لئے بقدر ضرورت تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (ابن ماجہ ۱/ ۳۴)۔

اور "فتاوی عالمگیری" میں ہے: "طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه" (فتاوی عالمگیری ۵/ ۳۷۷)۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه" (شامی/ ۲۹)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: "وفرض على كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والصوم وعلم الزكاة لمن له نصاب والحج لمن وجب عليه" (شامی ۱/ ۱۲۱)۔

مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کریں (معارف القرآن ۸/ ۵۰۳)۔

''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' میں ہے: ہر ایک مرد و عورت پر مسائل نماز و روزہ وغیرہ کا سیکھنا فرض ہے اور غنی ہونے کی صورت میں مسائل زکوۃ وحج کا سیکھنا بھی فرض ہے، اسی طرح جو معاملات پیش آئیں ان میں شرعی حکم اور مسائل شرعیہ کا سیکھنا فرض ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۷/ ۲۲۷)۔

مذکورہ دلائل کی بنیاد پر اسلامی ماحول کے ساتھ عصری تعلیمی ادارے ہیں توحید اور شرک کی حقیقت، پیغمبر اسلام کے ضروری حالات، پاکی وناپاکی، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق، خرید وفروخت کے مسائل، کسب معاش کے حلال وحرام طریقے، والدین، اولاد، میاں بیوی و دیگر اعزا و اقارب کے حقوق اور شب وروز کئے جانے والے افعال کے بارے میں حضور ﷺ کی مسنون کی تعلیم ضروری ہے۔

۱۸- عام حالات میں بالغ لڑکے اور بالغ طالبات کے لئے جنس مخالف میں سے ٹیچر مقرر کرنا شرعا جائز نہیں ہے، دلائل درج ذیل ہیں:

۱- مذکورہ صورت میں اختلاط اور بے پردگی ہے، حالانکہ شریعت اسلامیہ نے عورتوں کو پردہ کی بہت تاکید کی ہے (سورۂ احزاب:۵۹)، اسی طرح حدیث میں ہے: عورت پردہ کی چیز ہے جب وہ نکلتی ہے شیطان اچک چک کر دیکھتا ہے (مشکوۃ ۲/ ۲۶۹)۔

اس میں فتنہ کا ڈر ہے، جو چیز فتنہ کا ذریعہ ہے وہ حرام ہے، لہذا اسد اللباب یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ مفتی محمود حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں: اسلامیہ اسکول میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو معلم کی حیثیت سے مقرر کرنا شرعا درست نہیں، اسی طرح سیانی لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں داخل کرنا جائز نہیں، دس سال کی لڑکی کو ہرگز ایسے اسکول میں داخل نہ کیا جائے، اس میں سخت فتنہ ہے (فتاوی محمودیہ ۶/ ۷۵)۔

۳- خلاف شرع امور کا صادر ہونا جیسے اجنبیہ کی زیارت ان سے بات چیت وغیرہ۔

مذکورہ صورت تعاون علی الاثم کا مرادف ہے (سورۂ مائدہ:۲)، اور موضوع تہمت بھی ہے جس سے بچنا ضروری ہے، البتہ اگر مجبوری ہو اور مالی حالت کا تقاضا ہو کہ اسکول کے لئے مخالف ٹیچر جیسے بالغ لڑکوں کے لئے خاتون معلّمہ کا تقرر ہو تو ایسی صورت میں حدود شرعیہ کی رعایت کرتے ہوئے مخالف جنس کا ٹیچر طے کرنا درست ہوگا۔

۱۹- شریعت مطہرہ میں رشوت لینے اور دینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: **"لعن رسول الله ﷺ علی الراشی والمرتشی"** (مجمع الزوائد)۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکیزہ شریعت میں عزت وسکون کے ساتھ زندگی گزارنے کی ترغیب آتی ہے، ظلم وستم اور ہر قسم کے شر ور وفتن سے بچنے کا سبق بھی سکھایا گیا ہے۔

مجبوری کی صورت میں ظلم وستم، ہلاکت وبربادی سے بچنے، انصاف حاصل کرنے اور حقوق وصول کرنے کے لئے رشوت

دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''**الرابع ما یدفع الخوف من المدفوع إلیه علی نفسه أو ماله حلال للدافع حرام علی الأخذ**'' (شامی ۸/ ۳۳) (چوتھی صورت یہ کہ جان ومال کے خطرہ کی وجہ سے کسی کو دیا جائے تو دینے والے کے لئے حلال ہے اور لینے والے کے لئے حرام ہے)۔

لہذا اسکولوں کی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً معائنہ کے لئے آنے والوں کو رشوت دے کر اسکول بچانے کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

مخلوط نظام تعلیم میں عمر کی تحدید

قاضی محمد ریاض ارمان القاسمی☆

علم کے لغوی معنی: جاننا، واقف ہونا، پہچاننا"علم الشئی علما" باب سمع ،قرآن پاک میں ہے:"لا تعلمونهم الله يعلمهم" (تم ان کونہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے)۔

فرہنگ آصفیہ جلد دوم ص/ ۱۳۶۹ پر ہے:علم ،دانش، دانائی ،واقفیت ، گیان ،خبر ،آگاہی ،کسی فن خاص کی ماہیت سے واقف ہونا۔

مدت سے یہ بحث درمیان ہے پر علم نہیں کہ وہ کہاں ہے (شوق)

علم کی اصطلاحی تعریف:

"العلم: هو صفة من صفات النفس توجب تميزا غير قابل للنقيض فى الأمور المعنوية"، یعنی یہ ایک صفت ہے جو کسی نفس کو حاصل ہوتی ہے اور اس صفت کے حاصل ہونے کے نتیجے میں انسان کو تمیز پیدا ہوتی ہے، یہ تمیز ایسی ہوتی ہے کہ اس کی نقیض کو قبول نہیں کرتی (انعام الباری ۲/ ۲۸ کتاب العلم)۔

علامہ جرجانیؒ نے ان الفاظ میں علم کی تعریف کی ہے: "العلم :هو اعتقاد الجازم المطابق للواقع"، یعنی علم نام ہے یقینی اعتقاد کا، جو واقع کے مطابق ہو،حکماء علم کی تعریف کرتے ہیں:" هو حصول صورة الشئى فى العقل "، یعنی علم شئی کی صورت کا عقل میں حاصل ہونا ہے (کتاب التعریفات ص/ ۱۵۷، باب العین) علم کی اور بھی بہت سی تعریفیں کی گئیں ہیں ،البتہ علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ علم کی تعریف کی ضرورت نہیں ہے ان ہی میں سے امام فخر الدین رازیؒ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ علم اجلی البدیہات میں سے ہے لہذا اس کی تعریف کی ضرورت نہیں۔

تعلیم و تعلم کی اہمیت:

"وما كان المؤمنون لينفروا كافةفلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة يتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون" (سورۂ توبہ:۱۲۲)۔

☆ قاضی شریعت دار القضاء، یمنانگر، ہریانہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام اور اس کی ضرورت سے تعلم احکام ایسا اہم فریضہ ہے کہ عین جہاد حقیقی میں مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت انجام دے، تو اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں واجب نہ ہوگا۔

وجہ ظاہر ہے کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو وہ معتبر اور مقبول اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ شرعی قوانین کے موافق ہو اور ان قوانین کے موافق ہونا اس پر موقوف ہے کہ جیسے ان کا علم ہو جس کی دو صورتیں ہیں، خاص طور پر ان کا درس وتدریس یا عام طور پر تعلیم وتبلیغ۔

محکمہ تعلیم تمام کاموں کی جڑ ہے اگر محکمہ تعلیم نہ رہا تو آئندہ کام کرنے والے کیوں کر پیدا ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کیا چیز ہے کہ نظام عالم اس پر موقوف ہے (العلم والعلماء ص/ ۳۱)۔

اسلامی ماحول میں عصری اسکول کے قیام کا حکم:

اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار کے مطابق عصری علوم پڑھانے کے لیے اسکول کا قیام مسلمانوں کے لیے جائز اور مباح ہے، فتاوی رحیمیہ میں ہے: ’’ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدر ضرورت گجراتی، انگریزی وغیرہ دنیوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا، جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے، بلا شبہ جائز اور کار خیر وموجب ثواب ہے‘‘ (فتاوی رحیمیہ جلد ۳/ ۱۳۰، کتاب العلم والعلماء، دنیوی تعلیم جاری کرنے کا کیا حکم ہے)۔

’’فتاوی عثمانی‘‘ میں مفتی تقی عثمانی صاحب میڈیکل کالج کے بارے میں مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: لہٰذا حکومت اور مسلم معاشرہ کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے بجائے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ ادارے قائم کریں (فتاوی عثمانی جلد ۱/ ۱۹۲، کتاب العلم والتاریخ والطب)۔

مفتی شبیر احمد قاسمی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں: ایسے انگلش وہندی میڈیم اسکول قائم کرنا جائز ہے جس میں دینی مضامین ہوں اور عقیدہ خراب ہونے والے مضامین نہ ہوں، رام، گاندھی جی اور سیتا وغیرہ کے واقعات اور خیالی چیزوں پر مشتمل کوئی مضمون نہ ہو دینی اور اسلامی مضامین ہوں، تو ایسے اسکول کا قائم کرنا بہتر ہے (فتاوی قاسمیہ جلد ۳/ ۳۱۸، کتاب العلم)۔

’’کفایت المفتی‘‘ میں ہے: زنانہ مدارس کا کھولنا، جاری کرنا اور لڑکیوں کا تعلیم کے لیے وہاں جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا اور کتابت سکھانا یہ تمام امور شریعت کے مطابق اور مستحسن ہیں کیوں کہ ان کا مبنی تعلیم وتعلم کی تنظیم اور تشکیل ہے، تعلیم کے لیے اجتماعی طور پر عورتوں کا ایک مقام پر جمع ہونا احادیث سے ثابت ہے اور اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ایک باب اس عنوان کا باندھا ہے کہ ’’**هل يجعل للنساء يوما على حدة**‘‘ اور اس کے تحت وہ حدیث لائے ہیں جس سے تحصیل علم کے لیے کسی مکان میں عورتوں کا اجتماع ثابت ہوتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ اجتماعی طور پر تعلیم جس قدر مفید ہے انفرادی طریقے سے اتنی مفید نہیں۔

زنانہ مدارس کی تشکیل اگر قرون اولی میں نہیں تھی تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ لڑکوں کے اسکول اور مدرسے بھی زمانہ ماضی میں نہیں تھے پھر بھی امت محمدیہ کے تمام علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور مردانہ مدارس کے اندر پڑھتے پڑھاتے ہیں چلے آرہے ہیں (کفایت المفتی جلد ۲ ۶۶۲ کتاب العلم)۔

''العلم والعلماء'' میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رائے انگریزی درسگاہ اور تعلیم گاہ کے قیام کے تعلق سے اس طرح درج ہے ''اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ کو تو اپنی حالت پر رہنے دیجئے جو کام ہو رہا ہے ہونے دیجئے اور انگریزی کے متعلق ایک درسگاہ الگ تیار کر دیجئے اس کا نظم ونسق ان ہی حضرات کے ہاتھ میں رہے جو عربی کا نظم ونسق فرما رہے ہیں، دوسری جگہ پہنچ کر فارغ التحصیل طلبہ کا بھی تعلیم انگریزی پانا مضرت سے خالی نہیں، ان کا یہ رنگ رہ ہی نہیں سکتا یہاں سے الگ ہو کر ان کے جذبات کا محفوظ رہنا مشکل ہے جس کا نتیجہ گمراہی ہوگا (العلم والعلماء ص ۱۱۲، دینی مدارس میں اعلی معیار کی انگریزی اور معاشی فنون کی تعلیم کیوں نہ ہونا چاہئے)۔

خدا ترس علماء پر ایسے ادارہ کا قیام فرض کفایہ:

عصری تعلیمی ادارہ کا قیام عامۃ المسلمین کے لیے جائز اور مباح ہے اس لیے کہ ''العوام کالأنعام'' کے مصداق ہیں اگر علماء ایسے ادارے قائم کریں تو ایسے اداروں کا قیام مستحب ہے جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رائے سے ظاہر ہے اور اگر خدا ترس علماء جن کو اللہ نے امت کی باگ ڈور دے رکھی ہے تو ایسے ادارہ کا قیام ان کے ذمہ کم سے کم فرض کفایہ اور اگر حالات اور دلیل شرعیہ کو مدنظر رکھ کر حکم لگایا جائے تو ان پر بعض حالات میں واجب ہے، جیسے کہ بعض علوم حرفہ اور پیشہ کا حصول فرض عین اور فرض کفایہ ہے، طب، کھانہ پکانے کا طریقہ، کپڑا تیار کرنے کا طریقہ، یعنی ایسے علوم کہ جس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی، لہذا جب ان کا حصول فرض کفایہ اور فرض عین ہوگا تو اس کے اسباب کا بھی وہی حکم ہونا چاہئے، لہذا میرے نزدیک ایسے علماء پر ایسے ادارہ کا قیام کم سے کم فرض کفایہ وگرنہ جیسی امت کی حالت زار ہے واجب ہونا چاہئے، وجہ ظاہر ہے کہ آج تعلیم کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اس پر کنٹرول پانا ایک عام مسلمان اور ایک مدرسہ کے عام سے فاضل کے لیے ممکن ہی نہیں بلکہ بہت مشکل ہے۔

''انعام الباری'' میں ہے: یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ علم دین کے علاوہ جن علوم کو علوم دنیا کہا جاتا ہے وہ علوم بھی کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ وہ بھی فی الجملہ محمود ہیں، بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جو فرض کفایہ ہیں اور ان کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے اور علم دین کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے یعنی اتنا علم دین جس کے ذریعہ انسان اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق بنا سکے فرض عین ہے اور پورا علم دین فرض کفایہ ہے، اسی طرح بعض دنیاوی علوم بھی فرض کفایہ ہیں۔

مثلاً کھانا پکانے کا علم: کہ اگر کسی کو نہ آئے تو لوگ بھوکے مریں گے تو اس لیے اس کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہوا کہ کچھ لوگ ہوں جو اس کو سیکھیں، یا طب: علاج معالجہ کا سیکھنا یہ بھی فرض کفایہ ہے، اس واسطے کہ اگر کوئی بھی طبیب نہ ہو تو معاشرے کے اندر لوگوں

کا علاج کون کرے گا، کپڑے سینے کا علم فرض کفایہ ہے، اسی طریقہ سے بہت سے وہ علوم کہ جن کے اوپر انسان کی دنیاوی زندگی موقوف ہے وہ فرض کفایہ ہیں لہذا اگر کوئی شخص انسانیت کی خدمت کی نیت سے ان علوم کو حاصل کرے تو وہ بھی اجر وثواب کا باعث ہے (انعام الباری جلد ۲/ ۲۹۔۳۰، کتاب العلم، بعض دنیاوی علوم کا حصول فرض کفایہ ہے)۔

مفتی کفایت اللہؒ "کفایت المفتی"، میں رقمطراز ہیں: فرائض اسلامیہ اور واجبات شرعیہ خواہ عبادات سے ہوں خواہ معاملات میں سے ان کی تعلیم فرض ہے اور علوم مستحبہ مثلاً صلحاو علما کے تذکرے اور عبرت آموز تاریخی روایات اور اخلاقیات وغیرہ کی تعلیم مستحب ہے اور فنون مباحہ کی تعلیم مباح ہے (کفایت المفتی جلد ۲/ ٦٦ کتاب العلم)۔

اس سلسلہ میں ملاعلی قاریؒ کی تحریر ملاحظہ ہو: "**والغريب من ابن حجر انه جعل هذا القول بعيدا بل قال : لا يصح وعلل بقوله لان من تلك العلوم الزائدة ما وهو فرض كفاية ،كالطب وتقدم جوابه،وقال : بل عين كعلم الوقت والقبلة ،قلت :إن كان المراد علمهما إجمالا على ما ثبت فى الحديث فهو مسلم، وهو داخل فى السنة ،وإن كان المراد علمهما على وفق علماء الهيئة والحكمة من الفلاسفة فحاشا ان يكون علما فضلا أن يكون فرض ،فضلا أن يكون فرض عين، وإلا لكان السلف وأكثر الخلف عاصين بترك هذا العلم وماكانت صلاتهم صحيحة بالتحرى فى القبلة۔**

...وقال الطيبى ...وأما الطب فليس بفضول لما ثبت بنصوص السنة الافتقار إليه ،أقول فيه : إن كل ما ثبت بالسنة الافتقار إليه لايلزم أن يكون علما كالحجامةوالزراعة والنساجة ،فإنها من فروض الكفاية ولا تسمى علوما مع أن العلم بالطب جائز لا فرض إجماعا ،وأصله موجود فى الكتاب والسنة والزائد عنهما لا شك أنه فضول كالزائد من نحو على قدر الحاجة إليه فى معرفة الكتاب والسنة "(مرقاۃ المفاتیح جلد ۱/ ۴۵۷، کتاب العلم حدیث نمبر: ۲۳۹، الفصل الثانی)۔

ملاعلی قاریؒ کی بات کہ وقت اور قبلہ کا علم فرض نہیں ہے، اگر فلاسفہ کے حاصل کرنے کی طرح ہو، ظاہری بات ہے کہ فلاسفہ کے طرز کو کون فرض کہہ سکتا ہے اسی طرح اس وجہ سے کہ اکابرین نے تحری کر کے نمازی پڑھی ہے اگر فرض قرار دے دیا جائے تو اکابرین کا اس کے حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار رہنا لازم آئے گا محل نظر ہے، اس لیے کہ اس وقت تحری ہی ان دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ تھا اور انہوں نے تحری کو استعمال کیا، لہذا فرض قرار دینے کی صورت میں اکابرین گنہ گار نہیں ہوں گے، اسی طرح سے تحری جب ہے جب سمت اور وقت کا علم نہ ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو اور اگر بتانے والا قریب کی جگہ ہو تو اس سے معلوم کرنا ضروری ہے، جیسے وضوء کے لیے پانی کا تلاش کرنا ایک میل کی مسافت تک مصلی کے لیے لازم ہے تو اسی طرح قبلہ، وقت کے علم کا حکم ہوگا کہ جب آج کے دور میں گھڑی اور قطب نما ایسی چیزیں موجود ہیں تو صرف تحری کافی نہیں ہوگا، بلکہ یہ چیزیں اور ان کا علم بتانے

والے آدمی کے درجہ میں ہوں گی۔

اسی طرح علم طب کے بارے میں بھی ملاعلی قاریؒ کی بات محل نظر ہے کیونکہ بیوی کے نفقہ میں علاج کو قدیم فقہاء کے یہاں شامل نہیں کیا گیا ہے اور موجودہ فقیہوں کی رائے علاج کے شامل کرنے کی ہے جب علاج کرانا واجب ہوگا تو اس کا علم حاصل کرنا بھی ویسے ہی کچھ لوگوں پر فرض کفایہ ہوگا کیونکہ جان کی حفاظت فرض ہے، نیز ہوسکتا ہے کہ ملاعلی قاریؒ کے زمانہ میں بیماری، اس کی گراں باری اور بیماری کی تنوع کی کیفیت نہ رہی ہو، جیسا کہ آج کے زمانہ میں ہے، اگر آج موصوف زندہ ہوتے تو وہ بھی علم طب کے حصول کو فرض کفایہ کہتے۔

اسلامی اسکول کا نصاب تعلیم:

اسلامی اسکول میں دینی مضامین ومواد پر مشتمل ایسا نصاب شامل کیا جائے جس سے بچوں کے عقیدے خراب نہ ہوں اور وہ دنیوی اور دینی تعلیم کی ضرورتوں کو بھی مکمل کر سکے، ایسا نصاب شامل کرنا جو اسلامی عقائد وافکار سے متصادم ہوں درست نہیں ہے۔

نصاب میں ایسا علم نہ ہو جو شرعاً ناجائز ہو جیسے رقص وموسیقی وغیرہ کی تعلیم ایسی تعلیم نہ ہو جو بچوں کی فطری صلاحیت کے مغائر ہو(کتاب الفتاوی ۱/ ۴۲۳، کتاب العلم۔ مسلم خواتین کے لیے عصری تعلیم)۔

البتہ ایسا نصاب یا مضمون جو حکومتی سطح پر لازم ہو تو اس سلسلہ میں مسلمانوں کے قائدین پر لازم ہے کو وہ ان مضامین کی لازمیت سے مسلمانوں کو مستثنی کرانے کی جان توڑ کوشش کریں، اس کے باوجود اگر وہ لزومیت ختم نہ ہو تو ایسے ادارے کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ وہ ایسے ماہر اساتذہ مقرر کریں جو اس مضمون کے غلط پہلو ہیں ان کی طرف بچوں کی رہنمائی کرسکیں اور اچھی چیزوں کی نشاندہی کریں (فتاوی قاسمیہ جلد ۳/ ۳۱۸، کتاب العلم)۔ اس لیے کہ ہمارے لیے حکمت کی چیز کا حاصل کرنا ضروری ہے : ’’الحكمة ضالة المومن فحيثما وجدأحدكم ضالته فليأخذ ها‘‘(رواہ الترمذی)(حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے بھی وہ اس کو پائے گا حاصل کرے گا)۔ اوران حالات میں ’’خذ ما صفى دع ما كدر‘‘ پر عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمان بچوں کو غیر اسلامی اسکول میں داخل کرنے کا حکم:

مسلمان بالغ بچوں کو عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے اسکول میں داخل کرنا اگر ان کا عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو مجبوری کی حالت میں مباح اور جائز ہے ہاں ماں باپ کو چاہئے کہ وہ ان کے لیے خارج میں دینی تعلیم کا انتظام کریں جس سے ان کا عقیدہ خراب نہ ہوں اور صبح وشام مساجد میں چلنے والے مکاتب میں ایسے بچوں کا داخلہ کرائیں جس سے ان کے دین کی حفاظت ہوسکے، جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں ہے: ’’حدثو اعن بنى اسرائيل ولا حرج ‘‘ (مشکوۃ شریف کتاب العلم ص/ ۳۲)۔

اس حدیث کی تشریح میں ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں: ’’الحرج الضيق والإثم وهذا ليس على معنى إباحة الكذب

عليهم بل دفع لتوهم الحرج فى التحديث عنهم وإن لم يعلم صحته واسناده لبعدالزمان كذا فى شرح السنة ...قال السيد جمال الدين ووجه التوفيق بين النهى عن الاشتغال بما جاء عنهم وبين الترخيص المفهوم من هذا الحديث إن المراد بالتحدث هٰهنا التحدث بالقصص من الآيات العجيبةكحكاية عوج بن عنق ،وقتل بنى اسرائيل أنفسهم فى توبتهم من عبادةالعجل،وتفصيل القصص المذكورة فى القرآن ،لأن فى ذالک عبرةوموعظة لأولى الألباب،وأن المراد بالنهى هناک النهى عن نقل احكام كتبهم؛ لأن جميع الشرائع والأديان منسوخة بشريعة نبينا ﷺ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۱/۴۰۶-۴۰۷ کتاب العلم الفصل الاول)۔

''عمدۃ القاری''میں اسی حدیث کے ذیل میں لکھا ہے: ''ولا حرج ''أى ولا ضيق عليكم فى الحديث عنهم ، وإنما قال: ولا حرج ،لأنه كان قد تقدم منه ﷺ الزجر عن الأخذ عنهم والنظر فى كتبهم ،ثم حصل التوسع فى ذالک وكان النهى قبل استقرار الأحكام الشرعية والقواعد الدينية خشية الفتنة، ثم لما زال المحذور وقع الإذن فى ذالک لما فى ذالک من الاعتبار عند سماع الأخبار التى وقعت فى زمانهم، وقيل: لاحرج أى لا تضيق صدوركم بما سمعتموه عنهم من الأعاجيب، فإن ذالک وقع لهم كثيرا'' (عمدۃ القاری جلد ۱۱/۲۱۱ کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکرعن بنی اسرائیل الحدیث:۳۴۶۱)۔

اس حدیث سے یہ بات تو ثابت ہے کہ اگر کسی مذہب کی ایسی باتیں ہوں جو جھوٹ نہ ہوں تو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر اس کا جھوٹ ہونا یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو اور عبرت وموعظت کی باتیں ہوں تو بھی بیان کیا جاسکتا ہے، ہاں احکام کو بیان کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا اگر ان اسکولوں کے نصاب میں سچی باتیں، عبرت اور موعظت کی ہوں یا پہلے نبیوں اور بزرگوں کے قصے ہوں تو پھر وہاں پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں بچوں کے لیے ماں باپ کو چاہئے کے ایسا انتظام ضرور کریں جس سے ان کا عقیدہ خراب نہ ہو۔

البتہ اگر بچے نابالغ ہوں تو پھر ان کا داخلہ ایسے اسکولوں میں درست نہ ہوگا کیونکہ ان کے ذہن میں شروع ہی سے کفر وشرک کی باتیں جاگزیں ہوجائیں گی جو خطرناک ہے۔

کس عمر کے بچوں کو مخلوط تعلیم دے سکتے ہیں:

مخلوط تعلیم سے روکنے کی اصل وجہ دین بیزاری اور اخلاقی انحطاط کے ساتھ مادیت پرستی کا ذہن میں بس جانا ہی ہے، لہٰذا اگر ان چیزوں کے پیوست ہونے کا خطرہ چھوٹے بچوں اور بچیوں میں بھی ہوگا تو مخلوط تعلیم کی اجازت نہ ہوگی، البتہ اگر انتظام کی سہولت نہ ہو اور بچوں بچیوں کی اخلاقی حالت کی نگرانی کی جاتی ہو تو سات سال تک کے بچوں کو ایک ساتھ مخلوط تعلیم دے سکتے ہیں، جب بچیوں کی عمر آٹھ سال سے زیادہ ہوجائے تو پھر ان کو بچوں کے ساتھ پڑھانا درست نہیں ہے یعنی مخلوط تعلیم درست نہیں ہے، اس لیے کہ حصول

تعلیم ایک نفع بخش چیز ہے جیسے کہ اخلاق کا سیکھنا اور پردہ کے ساتھ رہنا یہ بھی ایک نفع بخش چیز ہے اور بے پردگی واختلاط میں فساد کا اندیشہ ہے اور فساد کا دور کرنا منافع کے حصول سے زیادہ اہم ہے جیسا کہ'' فتاوی محمودیہ'' کے حاشیہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے:''ودرء المفاسد مقدم علی جلب المنافع ''(فتاوی محمودیہ جلد ۳/۳۸۱،کتاب العلم،کتنی عمر کی بچی کی مدرسہ میں پڑھا سکتے ہیں)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے: دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کردینے کا حکم فرمایا گیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیوں کو زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھا سکتے ہیں اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے(آپ کے مسائل اوران کا حل جلد ۸/۲۱۹،تعلیم،مخلوط تعلیم کتنی عمر تک جائز ہے)۔

مخلوط تعلیم کی اجازت سات سال یا دس سال کی عمر تک:

اس سلسلہ میں اصل بات تو یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کے جواز کے لیے عمر سے زیادہ بہتر بچوں اور بچیوں کے لیے مراھقت کی عمر ہے کہ اس سے پہلے تک ایک ساتھ پڑھا سکتے ہیں اور جیسے ہی بچیاں مراہقہ اور مشتہات ہوجائیں ان کو بچوں سے علیحدہ کردیا جائے اور مشتہات کے درجات احوال ومقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کہیں سات آٹھ سال کی لڑکی مشتہات ہو جائے اور ہوسکتا ہے کہ گیارہ سال تک مشتہات نہ ہو علامہ شامی نے مشتہات کے درجہ کو اس طرح بیان کیا ہے:''واختلفوا فی حد المشتهاة وصحح الزيلعي وغيره أنه لا اعتبار بالسن عن السبع علی ما قيل، أو التسع وإنما المعتبر أن تصلح للجماع، بأن تكون عبلة ضخمة والعبلة المرأة التامة الخلق''(کفایت المفتی ۲/۶۷ کتاب العلم،تعلیم زناں)۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی اہم ہے کہ دس سال کی بچیوں کے ستر کا حکم وہی ہے جو بالغہ عورت کے ستر کا حکم ہے علامہ شامی فرماتے ہیں''ای عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين'' لہذا ان بچیوں کو جو دس سال کی ہوجائیں گی پردہ کی غرض سے الگ کرنا ہوگا توان کو تعلیم کے لیے بھی بچوں سے الگ بٹھانا ضروری ہوگا ،یعنی دس سال کے بعد مخلوط تعلیم نہیں دے سکتے ہیں (کفایت المفتی جلد/۲/۶۷ کتاب العلم،تعلیم زناں)۔

جداگانہ نظام تعلیم اوراس کی صورتیں:

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لڑکوں اور لڑکیوں کی ایسی علاحدہ درس گاہیں قائم کریں جن کی بلڈنگیں الگ الگ ہوں تاکہ فتنہ کا اندیشہ ہی باقی نہ رہے، اورلڑکے،لڑکیاں مخلوط تعلیم سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم حاصل کرسکیں (کتاب الفتاوی جلد ۱/۴۲۳،مسلم خواتین کے لیے عصری تعلیم)۔

لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں اوران کے لیے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمدورفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اوران کی کڑی نگرانی کی جائے (کفایت

المفتی ۲/ ۶۷ کتاب العلم، تعلیم زناں)۔

لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو یا پھر ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں تو یہ صورت جائز ہوگی بشرط کہ لڑکیاں پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔

جداگانہ نظام تعلیم کی پہلی صورت کو ضروری اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں اختلاط کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے، لہذا ایسی درسگاہوں کے قیام کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے اور آخری صورت کو صرف جائز اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ بلڈنگ ایک ہونے یا کلاس ایک ہونے کی صورت میں بہر حال فتنہ کا ایک گونہ موقع باقی رہتا ہے اس لیے کہ جب بلڈنگ ایک ہوگی تو بلڈنگ سے باہر آتے وقت راستہ میں اختلاط کا اندیشہ ہے اور ایک دوسرے سے قربت کا بھی اندیشہ قوی ہے اس لیے کہ انسان کی طبیعت میں میل میلاپ کا عنصر غالب ہے ہاں اگر دونوں کے پڑھائی کے اوقات مختلف ہوں کہ لڑکیاں صبح کو پڑھ کر چلی جائیں اور پھر کچھ وقفہ کے بعد لڑکے شام کے وقت میں پڑھنے آئیں دوشفٹ ہوں تو پھر اس خرابی کے مفقود ہونے کی وجہ سے دوسری صورت بھی ضروری کی فہرست میں داخل ہو جائے گی اور تیسری صورت تو بہر حال جائز کی فہرست ہی میں رہے گی اس لیے کہ اس میں کلاس روم اور بلڈنگ دونوں ایک ہی ہیں۔

''کتاب الفتاوی'' میں ہے: اس قسم کی تعلیم کے لیے غیر مخلوط درسگاہ نہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لیے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو (کتاب الفتاوی جلد ۱/ ۴۲۵، کتاب العلم مخلوط درسگاہ میں حصول علم)۔

اسکول میں داخلہ کے لیے بچوں کی عمر کم لکھوانا:

جھوٹ بہت بری چیز ہے اور سچائی میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت ہے، بخاری شریف میں ہے: "**عن ابن مسعودؓ عن النبیﷺ قال: إن الصدق يهدي إلى البر وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صديقا ،وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا**" (اخرجہ البخاری ۸/ ۳۰)۔

اس لیے حتی الامکان آدمی پر لازم ہے کہ سچ بول کر داخلہ کرانے کی کوشش کرے، البتہ اگر اسکول کے لیے اس قانون کو نظر انداز کرنے میں سرکاری طور پر جان و مال اور عزت کو کوئی خطرہ نہ ہو تو وہ صحیح عمر اندراج کرکے بچوں کا داخلہ شرعاً کر سکتے ہیں۔

اگر ماں باپ کے لیے مشکلیں کھڑی ہوتی ہوں اسی طرح اسکول کی انتظامیہ کے لیے جان مال کا خطرہ ہو یا وہ بغیر حلف نامہ کے داخلہ لینے کے لیے کسی بھی صورت میں آمادہ نہ ہوں تو ماں باپ کے لیے گنجائش ہوگی کہ وہ حلف نامہ میں ایسے الفاظ لکھادیں جس کا ظاہر میں کچھ اور مطلب بنتا ہو اور اس کو دوسری طرف پھیرنا بھی ممکن ہو جسے شریعت میں توریہ اور تعریض کہتے ہیں جیسے حضرت ابوبکرؓ کا قول: "**هذا الرجل يهديني السبيل**" اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قول: "**بل فعلهم كبيرهم**" اسی طرح: "**هذه اختي أي اختي في الله**"، یعنی توریہ اور تعریض کا استعمال کر کے کام چلایا جا سکتا ہے۔

"الدر المختار" میں ہے: "**قال الحصكفي**: **الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام**" (رد المحتار ۵/ ۲۲۴)۔

لیکن ماں باپ پر لازم ہوگا کہ عمر کم لکھوانے کی وجہ سے آئندہ کسی کو دھوکہ میں مبتلاء نہ کریں، بلکہ صحیح عمر بتائیں ہاں جہاں سرکاری محکمہ ہو کہ وہاں صحیح عمر بتانے کی وجہ سے جان مال اور عزت کا خطرہ ہو تو اسکول والا عمر بتا سکتے ہیں "**الضرورات تبيح المحظورات**" (قواعد الفقہ)۔

اسی طرح ماں باپ کو خیال رکھنا چاہئے کہ عمر کم لکھوا کر اس سے سرکاری مراعات ناجائز طور پر حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا، جیسے ریلوے کا ٹکٹ یا بڑھاپے کی سرکاری امداد وغیرہ، اسی طرح پولیس اور فورس کی نوکری یا سرکاری نوکری جہاں عمر کی قید ہوتی ہے ان سب میں استفادہ اس عمر کی کمی کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، لہذا ان شرطوں کے ساتھ صرف تعلیمی مقصد کے حصول کے لیے مجبوری میں اس کی اجازت ہوگی۔

"فتاوی محمودیہ" میں ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے:

سوال: اگر ایک لڑکے نے ٹیکنیکل کورس کیا، مگر اس کے پاس سارٹیفکٹ نہیں ہے، تو کہیں سے سارٹیفکٹ لے کر نوکری حاصل کر سکتا ہے یا نہیں جب کہ وہ لڑکا تجربہ کار بھی ہے؟

جواب: اگر قانوناً سارٹیفکٹ حاصل کرنا ضروری ہے بغیر اس کے ملازمت حاصل کرنا جرم ہے تو قانون کی پابندی لازمی ہے کہ اس میں جان و مال کی حفاظت بھی ہے حاشیہ میں قرآن کی آیت کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے: "**يا أيها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتكم**" (سورۃ الانفال: ۲۷)، (فتاوی محمودیہ جلد ۳/ ۳۹۷، کتاب العلم، دوسرے سے سرٹیفکٹ حاصل کرنا)۔

یونیفارم مقرر کرنے کے اصول:

شریعت مطہرہ نے لباس کے اندر بڑی لچک رکھی ہے، اور امت کے لیے کوئی ایسا لباس لازم نہیں کی کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو، اس کے بجائے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول بتادیئے ہیں، اور یہ بتادیا کہ ان اصولوں کی پابندی

کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے وہ اصول یہ ہیں۔

(۱) مردوں کے لباس حریر (ریشم) کے نہ ہوں۔

(۲) وہ لباس ساتر ہو یعنی جسم کا جتنا حصہ عورت ہے، اس لباس کے ذریعہ وہ حصہ صحیح طریقہ پر چھپ جائے قرآن کریم میں فرمایا "**أنزلنا عليكم لباسا يوارى سواتكم وريشا**" (سورۃ الاعراف:۲۶) اس آیت میں لباس کا اصل مقصد بتادیا کہ وہ ساتر ہو اور لباس کا دوسرا مقصد یہ بتایا کہ وہ لباس انسان کے لیے زینت کا باعث ہو لہذا لباس کے ذریعہ زینت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ ان اصولوں کے تحت ہو جو شریعت نے لباس کے بارے میں بتائے ہیں۔

(۳) مرد کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں، یعنی لباس کے ذریعہ مرد عورت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

(۴) زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہیں۔

(۵) اس لباس کے ذریعہ تکبر کا اظہار مقصود نہ ہو، اور اس کے اندر اسراف نہ ہو، اور زیادہ قیمتی لباس اس لیے پہننا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی نظروں میں بڑا بن جائے یہ بھی ناجائز ہے۔

(۶) اس لباس کے ذریعہ تشبہ بالکفار نہ ہو، تشبہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد وارادہ کرکے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ بھی ناجائز ہے (درس ترمذی جلد ۲/ ۳۳۰-۳۳۱، ابواب اللباس، لباس کے بارے میں شرعی اصول)۔

لباس کے شرعی اصول جو ذکر کیے گیے ہیں اس سے واضح ہے کہ

(۱) بچوں کا یونیفارم ریشم اور شوخ رنگ کا نہ ہو، بچیوں کا یونیفارم ریشم اور شوخ رنگ کا ہوسکتا ہے۔

(۲) ساتر ہو اور اتنا باریک اور چست نہ ہو کہ جسم کے اعضاء نمایاں ہوں۔

(۳) وہ یونیفارم بچوں کے لیے مخصوص ہو یا پھر بچیوں کے لیے مخصوص ہو بچے بچیوں کا یونیفارم ایک نہ ہو۔

(۳) اس کا تعلق کسی غیر اسلامی شعار سے نہ ہو جیسے زنار سکھوں کی پگڑی وغیرہ۔

(۴) زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو یہ حکم صرف بچوں کے لیے ہے بچیوں کے لیے نہیں۔

(۵) تشبہ بالکفار نہ ہو۔

رہی بات زینت کی تو ایسا کپڑا جو زینت والا ہو یہ تو کپڑا کے مقصد میں داخل ہے، لہذا علاقہ کے اعتبار سے اہل علاقہ خود ہی اپنے ماحول کے اعتبار سے اس کی تعین کریں صرف مذکورہ اصولوں کی رعایت ضروری ہے۔

لباس کے اصول کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: لباس کے لیے اسلام نے چند خاص حدود متعین کردی ہیں، ان کے اندر رہ کر جو بھی لباس اختیار کیا جائے درست ہے۔

اول یہ کہ مرد عورت کے جسم کا وہ حصہ چھپ جائے جن کا ستر اور پردہ واجب ہے، اور اتنا باریک اور چست بھی نہ ہو کہ جسم کے اعضاء نمایاں ہوں۔

دوم یہ کفار سے ایسی مشابھت نہ ہو کہ اس لباس کو دیکھتے تو کوئی خاص قوم سمجھ میں آتی ہو، اور نہ اس لباس کا تعلق غیر اسلامی شعار سے ہو، جیسے زنار اور سکھوں کی پگڑی وغیرہ۔

تیسرے ٹخنوں سے نیچے نہ ہو یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔

چوتھے مردوں کے لیے ریشمی اور شوخ رنگ کے لباس بھی ممنوع ہیں ان حدود کی رعایت کے ساتھ جو بھی لباس ہو جائز ہے، البتہ ہر جگہ کے اہل دین اور ثقہ لوگوں کا جو لباس ہو، اس کی اتباع زیادہ بہتر اور مستحب ہے (کتاب الفتاوی جلد ۶/۹۵)۔

اگر اسلامی اسکول نہ ہوں تو مسلمان ماں باپ کے اوپر لازم ہے کہ وہ اسکول انتظامیہ سے مل کر اسلامی یونیفارم کی اجازت کا مطالبہ کریں اور جب مسلمان کوشش کریں گے تو ان کا مطالبہ مانا بھی جائے گا اس لیے کہ تعلیم وتعلم نے آج باعزت وباوقار تجارت کی شکل اختیار کر رکھی ہے، لہذا اسکول انتظامیہ اپنی تجارتی مجبوری کی وجہ سے مسلمانوں کے مطالبہ کو ماننے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اگر وہ نہ مانیں اور لباس ستر کو چھپانے والے ہوں تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ وہ کسی خاص مذہب کے شعار میں داخل نہ ہو اور اگر ایسے لباس ہوں جس کا پہننا حرام ہو تو پھر ایسے اسکول میں پڑھنا پڑھانا جائز نہ ہوگا اور اگر اولیاء ایسی جگہ بچوں کو پڑھاتے ہیں تو گنہ گار ہوں گے۔

بچوں سے مختلف قسم کی فیس وصول کرنے کا حکم:

آدمی اپنی محنت اور کام کی مزدوری جتنی چاہے طے کر سکتا ہے یہ فریقین کے درمیان طے ہونے والا معاملہ ہے ہر فریق کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کو چاہے قبول کرے یا ختم کردے اسی بنیاد پر اسکولوں میں بچوں سے لی جانے والی فیس ہے خواہ وہ داخلہ کی فیس ہو یا تعلیم کی ماہانہ اور سالانہ فیس، لہذا طے ہونے کے بعد مذکورہ فیس لی جاسکتی ہے (کفایت المفتی جلد ۲/۴۵)۔

''ہدایہ'' میں ہے: **''بعض مشایخنا استحسنوا الاستئجار علی تعلیم القرآن الیوم لظهور التوانی فی الأمور الدینیة ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیه الفتوی''** (ہدایہ ۳/۳۰۳)۔

لیکن تعلیم کے نام پر بے انتہاء ناقابل برداشت فیس کی تعین کرنا اور تعلیم کو تجارت بنالینا یہ شریعت اسلامی کی نظر میں اور انسانیت کی نظر میں ایک مذموم اور قابل اصلاح عمل ہے۔

''فتاوی قاسمیہ'' میں ہے: ''ڈگری کالجوں میں، اسی طرح میڈیکل کالجوں میں ڈونیشن کے نام سے جو بھی رقم لی جاتی ہے، وہ اگر پرائیوٹ اور ذاتی کالجوں میں ہے ...تو وہ داخلہ فیس کے درجہ میں ہے اس لیے کہ ان کالجوں کے ذمہ داران کو مالکانہ حیثیت حاصل ہے، داخلہ لینے والے طلبہ کو بھی اختیار ہوتا ہے کہ اتنی بڑی ڈونیشن فیس جمع کر کے داخلہ لے یا نہ لے، یہ آپس کی تراضی کا معاملہ

ہے اور کوئی بچہ اگر اتنی فیس دے کر داخلہ نہ لے، تو اس پر کسی کی طرف سے زبردستی بھی نہیں، البتہ اتنی بڑی بڑی رقم ایک ایک طالب علم سے لینا انسانی معاشرہ سے ہٹ کر ہے جو بھی سنتا ہے، اس کی عقل حیران رہ جاتی ہے، اس لیے یہ کم از کم کراہت کے درجہ میں ہے (فتاوی قاسمیہ جلد ۲۰/ ۷۵۳-۵۳۸، کتاب الربوا، باب الرشوۃ)۔

کسی چیز کو گراں بار بنا دینا کہ کمزور قسم کے لوگ اس سے استفادہ نہ کرسکیں یہ انسانیت کے تقاضہ سے بہتر نہیں ہے البتہ معاملہ طے ہوجانے کے بعد عدم جواز کا حکم لگانا درست نہ ہوگا یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ادارہ یا کام شخصی طور پر ہو، لیکن رفاہ کے نام پر کام کرنے کی صورت میں تعلیم کو بطور تجارت کے استعمال کرنا اور آئے فیس سے بلا وجہ کی چیزوں میں خرچ کرنا یہ خود رفاہی کاموں کے خلاف ہے قرآن شریف میں ہے "إن المبذرين كانوا اخوان الشيطين" (سورۃ الاسراء: ۲۷)، لہذا یہ اسلام کی نظر میں ایک مذموم عمل ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

غیر حاضر ہونے کے باوجود ماہانہ اور ٹرانسپورٹ کی فیس وصول کرنا:

غیر حاضر ہونے والے طالب علم سے ایام غیر حاضری کی فیس اگر اسکولوں میں وصول کی جاتی ہو یا شروع میں طے پانے والے شرائط میں فیس کی وصولی کی بات طے ہو تو درست ہے اس لیے کہ فقہی قاعدہ ہے: "المعروف عرفا كالمشروط شرعا" (الاشباہ والنظائر الفن الاول ۱/ ۲۷۸)۔

فریقین کے درمیان جو معاملہ طے ہوتا ہے شریعت مطہرہ اس کا اعتبار کرتی ہے جب کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کیا گیا ہو: "يلزم مراعة الشرط بقدر الامكان" (شرح المجلۃ الاحکام، بحوالہ محمودیہ جلد ۱۵/ ۵۳۵ باب مایتعلق بالمدارس)۔

عصری تعلیم پانے والے غریب بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا:

عصری تعلیم پانے والے بچے غریب صاحب نصاب نہ ہوں تو ان کو تملیکا یعنی مالک بنا کر زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے "إنما الصدقات للفقراء والمساكين" (التوبۃ/ ۶۰) فتاوی محمودیہ میں ہے "اگر مستحق کو تملیک کر دی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی، اگرچہ وہ انگریزی پڑھتا ہو (فتاوی محمودیہ جلد ۹/ ۵۵۹، کتاب الزکوۃ، مصارف الزکوۃ)۔

مشرکانہ اقوال وافعال کرانے والے اسکول میں بچوں کا داخلہ:

(۱) شرک کی برائی اسلام میں بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: "يبنى لا تشرك بالله إن الشرك لظلم عظيم" (سورۃ لقمان: ۱۳)، اسی طرح ارشاد ربانی ہے: "إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذالك لمن يشاء" (سورۃ النساء: ۴۸)، اسلام شرک و بت پرستی کے خلاف بے انتہاء غیرت مند واقع ہوا ہے، لہذا اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر مشرکانہ افعال کرائے جاتے ہوں یا پڑھائے جاتے ہوں، تو مسلمانوں کو اپنے بچوں کو مستثنی قرار دیے جانے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے، اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو ایسے اسکول میں بچوں کو نہیں بھیجنا چاہئے خود ان کی تعلیم کا انتظام کرنا ضروری

ہے اگر یہ ممکن نہ ہوتو ایمان کی سلامتی تعلیم کے مقابلے میں اہم ہے لہذا ایسے اسکول میں پڑھانا جائز نہ ہوگا۔

(۲) اگر اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جاتی ہوتو بچوں کی نگرانی کی جائے اور ان کو ان چیزوں کی خرابی سے آگاہ کیا جائے اور امید ہو کہ بچے اپنے اساتذہ کے کہے میں نہیں آئیں گے اور ان کا عقیدہ خراب نہیں ہوگا تو اس صورت میں بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

(۳) اگر اسکول غیر مسلم انتظامیہ کے ماتحت ہوں اور وہاں یہ چیزیں لازم ہوں تو وہاں مسلمان بچوں کا پڑھنا جائز نہیں ہوگا خواہ وہاں کوئی اسکول ہو یا نہ ہو ماں باپ پر ضروری ہے کہ وہ الگ سے ان کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

(۴) غیر مسلموں کا ادارہ اگر ترغیب دیتا ہوتو بچوں کو اچھی طرح سمجھایا جائے اور ان کے غیر مسلموں کے عقیدہ میں ڈھلنے کا اندیشہ نہ ہو اور ان کی خوب نگرانی کی جائے تو داخل کرا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

(۵) اگر ان تمام صورتوں میں اسلامی ادارہ ہوتو مسلمانوں کے لیے کسی بھی حال میں غیر اسلامی اسکول میں بچوں کا داخل کرنا جائز نہیں ہوگا اس لیے کہ اسلام شرک کے معاملہ میں بے انتہاء غیرت مند واقع ہوا ہے لہذا بچوں کی ایمان کی حفاظت ضروری اور لازمی امر ہے۔

(۶) مسلمان انتظامیہ کے لیے ترقی کی مصلحت کی خاطر ان چیزوں کے اجراء کی اجازت قطعی طور پر نہیں ہوگی اگر چہ وہ غیر مسلموں ہی کے لیے کیوں نہ ہو اس لیے کہ یہ کفر سے خوش ہونے کے مترادف ہوگا ارشاد باری ہے: ''**لا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار**'' (سورہ ہود: ۱۱۳)۔

جنسی تعلیم کا لزوم اور مسلمان بچے:

چھوٹے نابالغ بچے بچیوں کے لیے پرائمری اور مڈل سطح کی جماعتوں میں جنسی تعلیم قبل از وقت مہلک اور بے راہ روی کی طرف لے جانے والی چیز ہے اور انہیں صنفی اعضاء کے وظائف کے بارے میں بتانا دراصل مغربی ایجنڈہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے مغایر ہے لہذا اگر چھوٹے بچوں کے لیے حکومت اس طرح کی تعلیم کو لازم کر دے تو مسلمان ماں باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اس سے مستثنی کروانے کی کوشش کریں اگر یہ ممکن نہ ہوتو مجبوراً بچوں کو ان کی نگرانی کی شرط کے ساتھ ایسے اسکول میں تعلیم کے لیے داخل کروا سکتے ہیں۔

البتہ بالغین شادی شدہ کے لیے جنسی تعلیم کا ثبوت شریعت مطہرہ میں اس حدیث سے ملتا ہے: ''**عن أم سلمة أم المومنين أنها قالت: جاء ت أم سليم امرأةأبى طلحة إلى رسول اللهﷺ فقالت :يا رسول الله!إن الله لا يستحى من الحق ،هل على المرأة من غسل إذا هى احتلملت ؟فقال رسول الله ﷺنعم اذا رأت الماء**'' (بخاری شریف ۱/۲۵ کتاب الغسل، باب اذا احتلمت المرأۃ)۔

اسی طرح دوسری حدیث ہے:" **عن أبی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال:إذا جلس بین شعبہا الأربع ثم جہدہا فقد وجب الغسل**"(بخاری شریف جلد ا/ ۴۳ کتاب الغسل، باب اذا التقی الختانان)۔

"**عن علیؓ قال: کنت رجلا مذاء فامرت رجلا أن یسال النبی ﷺ لمکان ابنتہ فسال فقال:توضأ واغسل ذکرک**"(بخاری شریف کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منہ)۔

ان تینوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے جنسی طور پر پیش آنے والے مسائل معلوم کیے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے سوالات کا حل فرمایا ہے، اسی طرح مدارس میں کتب فقہ میں جنس سے متعلق مسائل درجات عربیہ کے بچوں کو پڑھائے اور بتائے جاتے ہیں شروع کی جماعتوں میں چھوٹی عمر کے بچے بھی ہوتے ہیں جو قریب ہی کہ زمانہ میں بالغ ہوئے ہوتے ہیں، لہذا اگر بالغ بچیوں کو الگ عورتیں اس طرح کے مسائل سے واقف کرائیں تو شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر بالغ بچوں کو ان کے مرد استاذ پڑھائیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے یہ اجازت اس وقت ہے جب کہ بچے بچیاں بالغ ہوں اور ان کی تعلیم مخلوط نہ ہو، لیکن بلوغ سے پہلے مناسب نہیں ہے اور اس تعلیم کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔

اگر حکومت نابالغ بچے اور بچیوں کے لیے جنسی تعلیم کو لازم کردے تو ہمیں چاہئے کہ اپنے بچوں کو مستثنی کرائیں یا اسلامی اقدار کی روشنی میں کوئی ایسا نصاب تیار کر کے مسلمان بچوں کے اس کو پڑھانے کے لیے پاس کرائیں جو ان کی عمر کے موافق ہو اگر یہ بھی ممکن نہ ہو سکے تو دیکھا جائے گا جنسی تعلیم میں کونسا مواد پڑھایا جارہا ہے اور اس کے نقصانات کیا ہیں اگر بچوں کے اخلاقی حالت بگڑنے کا خطرہ ہو یا پھر ان کی واقفیت زنا اور دواعی زنا میں مبتلاء ہونے کا سبب بنے اور ان بچوں کے گناہ میں مبتلاء ہونے کا یقین ہو تو ایسے اسکول میں داخل کرانا مسلمان بچوں کو جائز نہ ہوگا اگر اس سلسلہ کی موٹی موٹی باتیں بتائی جائیں تو پھر داخل کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ورزشی کھیل اور مشاہدہ کے لیے سیر وتفریح کا حکم:

تیراندازی کی مشق صحابہ کرام سے ثابت ہے اگر ورزشی کھیل یا مقابلہ اسی طرح مشاہدہ یا تجربہ کے لیے سیر وتفریح کا انتظام ہو اور اس میں بالغ لڑکوں کا اختلاط بالغہ لڑکیوں یا مراہقہ سے نہ ہو اور یہ نماز سے غفلت کا سبب نہ بنے تو مذکورہ چیزیں بچوں کے لیے محمود اور قابل تعریف ہیں اور مسلمان اسکول انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے ان چیزوں کا انتظام کریں۔

بچیوں کا ثقافتی پروگرام پیش کرنا:

بچیاں اگر مراہقہ نہ ہوں یعنی دس گیارہ سال سے کم کی ہوں تو ان کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب، معلومات میں اضافہ، مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ پیدا ہونے کے پیش نظر جائز ہے۔

"کفایت المفتی" میں ہے:" نابالغہ بچی سے قرآن شریف کی تلاوت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ بچی اتنی چھوٹی ہو

جس کی طرف بدنظری سے دیکھنے کا موقع نہ ہو‘‘(کفایت المفتی جلد ۲/ ۷۰ کتاب العلم تعلیم زناں)۔

البتہ بالغ بچیوں کو ان پروگراموں میں شامل کرنا شرعا درست نہیں، اس لیے کہ بالغہ بچیوں کی آواز بھی پردہ ہے لہذا ان کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی فتاوی محمودیہ میں ہے’’ نوعمر لڑکیوں کا اس طرح جلسہ کرنا بظاہر ان کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب کا ذریعہ بھی ہے ان کو معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں، مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے، تقریر کی مشق بھی ہوتی ہے، مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوتے ہیں، خاص کر جب مردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ لاوڈ اسپیکر پر ان کی تقریر مکالمے سنتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں اور نظمیں بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں خود عورت کا جمع ہونا مستقل فتنہ ہے اسی وجہ سے تقریبات خاندان میں بھی شرکت کی ان کو اجازت نہیں دی جاتی، اگر شوہر اجازت دے تو وہ بھی ماخوذ ہوگا۔

فتنوں کا علم جگہ جگہ کے خطوط سے بھی ہوتا رہتا ہے، جو بصورت استفتاء آتے ہیں، اگر چھوٹی بچیاں ہوں تو ان میں فتنہ نہیں، بڑی لڑکیوں کا حال دوسرا ہے، ان کو اس طرح نہ تعلیم دی جائے نہ تقریری کرائی جائے: ’’**ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة وإن أذن كانا عاصين (الدر المختار) (قوله الوليمة)ظاهره ولو كانت عند المحارم؛ لأنها تشتمل على جمع فلا تخلوا من الفساد عادة**‘‘(شامی ۲/ ۶۶۵، بحوالہ فتاوی محمودیہ جلد ۱۹/ ۱۹۸)۔

تعلیمی مقاصد کے لیے جاندار کی تصاویر کا استعمال:

جاندار کی تصویر کشی کی اجازت شریعت مطہرہ میں نہیں ہے اور نہ اس کے استعمال اور نہ ہی اس کے رکھنے کی اجازت ہے حدیث شریف میں ہے: ’’**إن الملائكة لا تدخل بيتا فيه الصورة** ‘‘ (صحیح البخاری حدیث نمبر ۵۸۵۹، باب من کرہ القعود علی الصور، کتاب اللباس)، شریعت نے بعض چیزوں سے صراحتا منع کر دیا ہے ان میں سے ایک تصویر بھی ہے، لہذا تعلیمی مقاصد کے لیے اس کا استعمال درست نہ ہوگا۔

حضرت عائشہؓ کے کھلونوں سے بچوں کے تعلیمی مقاصد کے لیے تصویر رکھنے کا جواز بھی درست معلوم نہیں ہوتا ہے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ یا تو یہ ابتدائی دور کی باتیں ہیں کہ آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی یا پھر کھلونے کپڑے کے ٹکڑے کے تھے جو تصویریں نہیں تھیں ’’**قال ابن الملك :قيل عدم إنكاره ﷺ على لعبها بالصورة وإبقائها في بيتها دال على أن ذالك قبل التحريم إياها، أو يقال لعب الصغار مظنة الاستخفاف ،والثاني غير صحيح لأنه تزوجها بمكة في عشر من شوال سنة عشر من النبوة ،قبل الهجرة بثلاث ولها ست سنين والغزوتان المذكورتان إحداهما سنة ثمان والأخرى سنة تسع من الهجرة فباليقين تجاوزت عائشة حد البلوغ** ‘‘(مرقاۃ المفاتیح جلد ۶/ ۳۷۴ کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء وما لکل واحدۃ من الحقوق)۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ تعلیمی مقاصد کے لیے تصویر نہیں رکھ سکتے ہیں دیکھئے (کتاب الفتاوی جلد ۱/ ۴۳۱، کتاب العلم)

اوراحسن الفتاوی جلد ۸/ ۳۰۳،متفرقات کتاب الحظر والاباحۃ)۔

بچیوں کے لیےان کی صنفی ضرورتوں کی تعلیم کا انتظام:

اسلامی اسکول میں مسلمان انتظامیہ کواس بات کی شرعا اجازت ہوگی کہ وہ لڑکیوں کے لیے سلائی کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت وغیرہ سے متعلق تعلیم کا انتظام کریں اوراس طرح کا انتظام ان کے لیے مباح ہے،لیکن آج تعلیمی ماحول کی وجہ سے بچیاں صرف کتابیں ہی پڑھ کررہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے خانگی زندگی میں ان کووقت کا سامنا کرنا پڑتا ہےاور اگران پرکوئی مصیبت آجائےتو پردہ کے ساتھ باوقار روزی کا انتظام بھی محال ہوجاتا ہےلہذااس طرح کی تعلیم کا انتظام کرناکم سے کم مستحب ہوگا۔

’’کفایت المفتی‘‘میں ہے:فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہےاورحسن اخلاق ومعاشرہ اورروزگاراور پیشہ،ہنروغیرہ کی تعلیم اورواجبات شرعیہ کے مطابق مستحب ومباح ہے(کفایت المفتی جلد۲/ ۶۷،کتاب العلم،تعلیم زناں)۔

’’ردالمحتار‘‘میں والدکویہ اختیار دیا گیاہے کہ وہ اپنی لڑکی کوکسی عورت کے پاس رکھ چھوڑے جواس کوسلائی کڑھائی وغیرہ کا کام سکھائے شامی باب الحضانۃ میں ہے:’’(قوله وإذا بلغ الذكور حد الكسب)ای قبل بلوغهم مبلغ الرجال إذ ليس له إجبارهم عليه بعده)قوله بخلاف النساء) فليس له أن يؤجرهن فى عمل أو خدمة، تاتارخانية؛ لأن المستاجر يخلو بها وذالک سئی فی الشرع ذخيره ومفاده أنه يدفعها إلى امرأة تعلمها حرفة كتطريز وخياطة إذ لا محذور فيه سياتی تمامه فی النفقات‘‘ (ردالمحتارجلد۲/ ۶۹۷باب الحضانۃ)۔

’’باب النفقۃ‘‘میں ہے:’’(قوله الفقير) أی إن لم يبلغ حد الكسب فإن بلغه كان للاب أن يوجره أو يدفعه فی حرفةليكتسب وينفق عليه من كسبه لو كان ذكرا بخلاف الانثی كما قدمه فی الحضانة عن المويدية، قال الخير الرملی لو استغنت الانثی بنحو خياطة وغزل يجب أن تكون نفقتها فی كسبها كما هو ظاهر ...ولم أره لاصحابنا ولا ينافيه قولهم بخلاف الانثی؛ لأن الممنوع إيجارها ولا يلزم منه عدم إلزامها بحرفة تعلمها أی الممنوع إيجارها للخدمةونحوها مما فيه تسليمها للمستاجر بدليل قولهما؛ لأن المستاجر يخلو بها وذا لا يجوز فی الشرع، وعليه فله دفعها لا مرأة تعلمها حرفة كتطريز وخياطةمثلا‘‘ (رد المحتار۲/ ۲۸/ ۷۲۹،باب النفقۃ مطلب فی نفقۃ المطلقۃ)۔

’’کفایت المفتی‘‘میں ہے:’’لڑکیوں کولکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہےحساب اردووغیرہ پڑھانے اور ہنرسینا پکانا کاڑھناوغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں پردے اورصلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے‘‘(کفایت المفتی ۲/ ۶۹،کتاب العلم تعلیم زناں)۔

اسکولوں میں دینی تعلیم کی حد:

شریعت میں فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے، اورحسن اخلاق ومعاشرہ اورروزگاراور پیشہ، ہنروغیرہ کی تعلیم شرعی وطبعی درجات کے مطابق مستحب ومباح ہیں (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۷ کتاب العلم،تعلیم زناں)۔

فرائض وعقائداور واجبات کی حدتک دینی تعلیم کا حاصل کرنا شرعا ضروری ہے، جیسا کہ فتاوی عثانی میں ہے:''بقدر ضرورت دین کاعلم حاصل کرنا ہرمسلمان پرفرض ہے(فتاوی عثانی جلد ۱/ ۱۸۱ کتاب العلم)،لہذا اسکولوں میں دین کے علم کا فرائض و واجبات اورعقائد کی حدتک ہونا ضروری ہے۔

بالغین کے لیےجنس مخالف استاد کی تقرری:

چھوٹے غیرمشتہات بچے اوربچیوں کے لیےجنس مخالف استادکے مقررکرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بالغہ بچیوں کے لیے اگرعورتیں پڑھانے کے لیے مہیا نہ ہوں تو پردہ، تنہائی نہ ہونے اورسخت نگرانی کی شرط کے ساتھ صالح مردوں کی تقرری شرعا درست ہوگی جیسا کہ'' کفایت المفتی''میں ہے:'' نیک کرداراور پاک دامن عورتوں کوتعلیم وتربیت کی خدمت کے لیےمقررکیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبورا نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کومتعین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے'' (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۷، کتاب العلم،تعلیم زناں،اس سلسلہ میں دیکھئے: کتاب الفتاوی ۱/ ۴۲۸ کتاب العلم غیرمحرم بالغ لڑکیوں کو پڑھانا)۔

عورتیں پڑھانے کے لیے نہ ملیں تو مردوں کی تقرری مذکورہ شرطوں کے ساتھ حدیث شریف سے ثابت ہے کیونکہ آپ ﷺ نےعورتوں کی تعلیم کے لیےایک دن مقررفرمارکھا تھا جس میں عورتیں شرکت کرتی تھیں اورآپ ﷺ ان کودین کی تعلیم دیتے تھے:''**عن أبی سعید قال :جاء ت امرأة إلی رسول الله ﷺ فقالت :یا رسول الله ذهب الرجال بحدیثک فاجعل لنا من نفسک یوما نأتیک فیه تعلمنامما علمک الله،فقال اجتمعن فی یوم کذا وکذا مکان کذا وکذا فاجتمعن فأتاهن رسول الله ﷺ فعلمهن مما عمله الله**'' (بخاری شریف، کتاب الاعتصام، باب تعلیم النبی امته من الرجال والنساء، ۲/ ۱۰۸۷، حدیث نمبر: ۷۰۱۷)۔

عورتوں کا بالغ لڑکوں کو پڑھانا:

عورت کے لیے بالغ لڑکوں کو پڑھانا شرعا درست نہیں ہے''**تمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال**'' (ردالمحتار جلد ۱, ۴۰۶، کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ)، اسی طرح بدائع میں ہے:''**وأما الذی یعرف التمییز بین العورة وغیرها ،وقرب من الحلم، فلا ینبغی لها أن تبدی زینتها له**'' (بدائع الصنائع ،کتاب الاستحسان والخنوثۃ وحکمھما ،۵/ ۱۲۳)۔

اورعلامہ شامی نے اپنے زمانہ کے حالات کے فسادکواس طرح بیان کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بڑوں سے زیادہ فسق کی

چیزوں سے واقف ہوتے ہیں اگر علامہ اس وقت ہوتے اور موجودہ زمانہ کو دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں آنسو کے بجائے خون بہانے پر مجبور ہوجاتی،"فإن الولد اذا بلغ عشر عقل الجماع ولا ديانة له ترد"إلى ماقال "خصوصا فى أبناء هذا الزمان ،فإنهم يعرفون الفسق أكثر من الكبار "(ردالمحتار جلد۶/ ۳۸۲ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء)۔

اسکول کی منظوری رشوت دے کر بچانا:

رشوت کا لینا دینا دونوں حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے:"عن عبد الله بن عمرؓ قال:لعن رسول الله ﷺ على الراشي والمرتشي "(جامع ترمذی ابواب البیوع، باب ماجاء فی اکل الربوا ۱/ ۳۲۹)،البتہ اپنا جائز حق وصول کرنے اور اپنے آپ کو ظلم وزیادتی سے بچانے کے لیے کراہت خاطر (دل کی تنگی) کے ساتھ رشوت دینے کی اجازت ہے البتہ لینے والے کے لیے ہر حال میں رشوت کا لینا حرام ہے:"ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الأخذ؛لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ الما ل يفعل" (ردالمحتار ۸/ ۳۵،بحوالہ کتاب الفتاوی ۶/ ۲۴۶)۔

اسی طرح" بذل المجهود"میں ہے:"فإذا أعطى ليتوسل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلما فإنه غير داخل فى هذا الوعيد"(بذل المجهود ۶/ ۳۰۷)۔

اسکول واقعی اس بات کا مستحق ہو کہ اس کی منظوری برقرار رہنی چاہئے اور اس میں مکمل طور پر قانون کی پابندی کی جارہی ہو اور پھر بدقسمتی سے محکمہ تعلیم کا ذمہ دار اس کی منظوری منسوخ کرنے کے درپے ہو تو پھر اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دے کر منظوری بچانے کی گنجائش ہوگی۔

☆☆☆

باب سوم

مختصر تحریریں

مسلمانوں کے زیرانتظام اسکولوں میں غیر اسلامی نظریات کی تعلیم

ڈاکٹر مولانا ظفرالاسلام صدیقی ☆

۱- ”**طلب العلم فریضة علی کل مسلم، اطلبوا العلم ولو بالصین**“ وغیرہ روایات حصول علم دین پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے اس دین بیزاری کے دور میں اسلامی ماحول میں مطلوبہ عصری علوم کے اداروں کا قیام واجب ہے، تاکہ طلباء وطالبات اسلامی وعصری دونوں طرح کی تعلیمات کے جامع بن سکیں، ہمیں اسلامی ریاست از پروفیسر حمید اللہ مرحوم کے رص ۱۵۶-۱۵۸ دوسرے علوم طبابت، علم ہیئت وعلم انساب کے سیکھنے پر روایات ملتی ہیں۔

۲- مسلمانوں کے زیرانتظام اسکولوں میں مذکورہ علوم کی شرعاً گنجائش نہیں، ایسے زیرانتظام اداروں کو گورنمنٹ سے اس لازمی شرط کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنا چاہئے اور ادارہ کی منظوری مائنارٹی (اقلیت) کے طور پر لینی چاہئے، کیونکہ ہمیں بنیادی حقوق Fundamental Right حاصل نہیں، کوشش یہ کریں کہ تعلیمی میدان میں خودکفیل ہوں، جیسا کہ چنئی کے مسلمانوں کا حال ہے، کچھ اسکولوں کا نام پیش ہے، یونیٹی پبلک اسکول، اس نام سے تین اسکول ہیں، الفجر نیشنل اسکول، زیتون انٹرنیشنل اسکول، عشرہ مبشرہ کے نام سے دس اسکول ہے، عالم محمد صالح انجینئرنگ کالج، دانش انجینئرنگ کالج، صادق انجینئرنگ کالج، ایک بہت بڑی یونیورسٹی بی ایس عبدالرحمٰن نامی ہے اس میں KG سے لے کر گریجویٹ تک پرائمری سے لے کر عالم تک، نیز انجینئرنگ کے سارے شعبے ہیں، سی عبدالحکیم کالج وشارم، غوشیہ پی جی کالج بنگلور۔

۳- بہترین دینی تعلیم کا نظم کر کے (چاہے جیسے بھی ہو گھریلو نظم سے یا کوچنگ وغیرہ کرا کر) ہی بدرجہ مجبوری اس طرح کے اداروں میں بچوں کو داخل کرایا جاسکتا ہے۔

۴- مراہق ومراہقہ کی عمر تک پہنچنے سے دو ایک سال قبل تک مخلوط تعلیم دی جاسکتی ہے، بلوغ کی کم سے کم عمر احناف کے نزدیک لڑکوں کے لئے ۱۲ سال اور لڑکیوں کے لئے ۹ سال ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے ۹ سال کے لڑکوں اور ۷ سال کی بچیوں تک مخلوط تعلیم کی گنجائش ملنی چاہئے، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ”جو لڑکی مراحقہ ہو وہ بالغہ کے حکم میں ہے اس کے لئے پردہ ضروری ہے اس کو مکتب یا مدرسہ میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۹۷)۔

۵- اس سوال کے جواب سے پہلے پروفیسر حمید اللہؒ کی ایک تحریر پیش ہے: ”اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسجد نبوی ﷺ میں

☆ سابق پرنسپل وشیخ الحدیث دار العلوم مئو۔

مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی، ممکن ہے ان کے بیٹھنے کی جگہ الگ الگ رہی ہو، لیکن اس مقام پر جہاں رسول اللہ ﷺ تقریر فرماتے تھے دونوں کے لئے بیک وقت استفادہ کرنے کا امکان تھا، اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ اسکول و کالج میں اس طرح کا انتظام کیا جاسکے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی نشستیں جدا جدا ہوں تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، خاص طور پر اگر کسی فن کا ماہر صرف ایک عورت یا صرف ایک مرد ہو تو اس سے دونوں کو استفادہ کرنا چاہئے، لڑکوں کو بھی لڑکیوں کو بھی، اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ دونوں کی تعلیم کا بیک وقت انتظام ہوسکے بعدہ پروفیسر موصوفؒ ابوعبید قاسم کی ایک کتاب کی روایت کرنے والوں میں ایک خاتون کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں درس دیتی تھیں جن میں مرد عورت دونوں شریک ہوتی تھیں، لیکن دونوں کی شرکت کیسے ہوتی تھی مجھے معلوم نہیں، لیکن یہ تو پتہ چلتا ہے کہ اس خاتون سے دونوں بیک وقت استفادہ کرتے تھے……اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ضرورت وحالات پر منحصر ہے اگر دونوں کے لئے الگ الگ کالج اور مدرسے بن سکتے ہیں تو بہت بہتر، ورنہ پھر تعلیم کا انتظام ایک ہی جگہ بھی ہوسکتا ہے……اور خالص زنانہ یونیورسٹیاں نہ بھی بن سکیں تو بھی ان کی تعلیم کا ایسا انتظام کیا جاسکتا ہے کہ وہ قباحتیں پیدا نہ ہوں جواب پیش آتی رہتی ہیں'' (اسلامی ریاست ۱۴۹-۱۵۰، باب ۵ نظام تعلیم اور سرپرستی علوم)۔

محترم محمد اسامہ شعیب فلاحی ہندوستان میں عورتوں اور مردوں کی شرح خواندگی کا تفصیلی خاکہ پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا ہے، نیز مخلوط تعلیم سے اجتناب کرنے کی غرض سے فاصلاتی نظام تعلیم میں داخلہ کا مشورہ دیا ہے، لکھتے ہیں: '' فاصلاتی نظام تعلیم جو حکومت نے UGC کی ماتحتی میں مختلف ریاستوں میں مرکزی وریاستی پری یونیورسٹیاں قائم کی ہیں جیسے اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی دہلی، ارجن سنگھ سینٹر دہلی، ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی حیدرآباد وغیرہ بعض یونیورسٹیوں میں پرائیویٹ تعلیم کا بھی نظم ہے، طالبات گھر پر تیاری کرتے ہوئے سال میں ایک بار امتحان دے کر ڈگری حاصل کرسکتی ہیں، جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد وغیرہ، تعلیم بالغان کے ذریعہ بھی مسلم خواتین کی شرح خواندگی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، سرکاری وغیر سرکاری ریٹائرڈ پروفیسرس حضرات، معلمات فارغات مدارس، ذاتی انسٹی ٹیوٹ اور اکیڈمی قائم کریں جن سے آس پاس کی طالبات استفادہ کریں (دیکھئے: اسلام کا عائلی نظام، انسانیت کے لئے رحمت کا پیغام/ ۲۶۷ تا ۲۷۳)۔

احقر کی رائے ہے کہ خواتین وہاں ایڈمیشن لیں جہاں پردہ کا انتظام ہو اور اجازت ہو یا پھر اپنے لئے استثنائی اجازت کا مطالبہ کریں بصورت دیگر فاصلاتی نظام یا ملت کے ریٹائرڈ بہی خواہوں کی خدمات سے استفادہ کریں۔

جداگانہ نظام تعلیم ضروری ہے، بصورت مجبوری دوسری وتیسری صورت جائز ہے۔

۶- ''وقال عمرؓ: تفقهوا قبل أن تسودوا، قال أبوعبد الله: وبعد ان تسودوا، وقد تعلم أصحاب النبي ﷺ في كبر سنهم'' (بخاری شریف ۱/ ۱۷ باب الاغتباط فی العلم)۔

مذکورہ روایت میں حضرت عمرؓ کا اثر پیش کر کے بتلایا گیا کہ سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو اور اگر اس وقت

حاصل نہ کرسکو تو سردار بنائے جانے کے بعد علم حاصل کرلو، اس میں عمر کی کوئی تخصیص نہیں ہے، سوال میں مذکور شرط کی وجہ سے تعلیم جیسی نعمت سے محرومی ہوگی جو کسی طرح درست نہیں، اس لئے اگر ایسا ادارہ موجود ہو جس میں یہ شرط نہ ہو تو اس میں داخل کرائیں بصورت مجبوری اس میں داخلہ کی گنجائش ہے، لیکن عمر کے غلط اندارج کے سبب توبہ واستغفار بھی کرتے رہیں۔

۷- لباس ساتر ہونا چاہئے، فقہاء نے عورتوں اور مردوں کی ستر کی تفصیلات بیان کردی ہیں، ایسا نہ ہو کہ جسم کی ساخت وہیئت ممتاز ونمایاں ہو، مفتی نظام الدین صاحبؒ لکھتے ہیں: وہ عنداللہ وعندالشرع عندالرسول مستحسن ومحمود ہو اس کے سوا درست نہیں (منتخبات نظام الفتاوی ۳/۴۴۶)۔

مفتی اعظم ہند لکھتے ہیں: اسلامی لباس واسلامی وضع ضروری ہے (کفایت المفتی ۹/۱۶۹)۔

حضرت مفتی نظام الدینؒ نیکر پہننے کے جواز کے قائل ہیں (منتخبات نظام الفتاوی ۳/ ۴۴۴)۔

احقر کے خیال میں صبی ممیّز ومشتہاۃ صبیہ کی عمر تک پہنچنے سے قبل قبل نیکر واسکرٹ کی گنجائش ملنی چاہئے، "**ومایکرہ للرجال لبسہ یکرہ للغلمان والصبیان**" (عالمگیری ۵/۳۳۱)۔

"**ولا بأس بالنظر إلى الصغيرة التي لا تشتهى وأن يمسها**" (خانیہ علی الہندیہ ۳/۴۰۸)۔

ٹائی کی بھی مجبوراً اجازت ملنی چاہئے، گوکہ تشبہ بالیہود والنصاری ہے۔

۸- فی زمانہ اکثر کے ذہن میں تعلیمی اداروں کی طرح طرح کی فیس مختلف ناموں سے، اور غیر معمولی خرچ دیکھ کر یہی ہے کہ ادارہ قائم کرنا ایک اچھی تجارت ہے، جس میں کوئی دیوالیہ، نقصان نہیں، تعلیم کے نام پر لئے ہوئے پیسوں سے دوسرے مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں جس کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں یہ سراسر اسراف اور دھوکہ دہی ہے، ذمہ داران وسرپرستان کے خون اور محنت کی کمائی بلادریغ غیر مصرف میں خرچ کی جارہی ہے، یہ قانوناً درست ہے نہ اخلاقاً وشرعاً۔

۹- چونکہ تعلیم برابر جاری رہتی ہے طلبا کو لانے اور پہنچانے کے لئے بسیں متعین اجرت پر طے کی جاتی ہیں، کرایہ میں طلباء کی قلت وکثرت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، یہ قصور تو غیر حاضر طلباء کا ہے، اس لئے معاہدہ کے مطابق سبھی طرح کی فیس لی جاسکتی ہے۔

۱۰- مفتی اعظمؒ لکھتے ہیں: "زکوۃ کی رقم نادار طالب علم کو دینا جائز ہے، خواہ وہ دینی تعلیم حاصل کرتا ہو، یا معاشی، زکوۃ کا روپیہ اس کو بصورت تملیک دیا جانا شرط ہے" (کفایت المفتی ۴/ ۲۹۳)۔

حضرت مفتی نظام الدین اعظمی صاحبؒ لکھتے ہیں: "جولڑکیاں غریب ونادار مستحق زکوۃ ہوں ان کے کھانے، کپڑے پر خرچ کرنا درست ہے" (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۴۲۷)، علامہ شامی لکھتے ہیں: "**فلا يكفى فيها الإطعام إلا بطريق التمليك**" (ردالمحتار علی الدر ۱/ ۴۲۷)۔

فقہ الزکوۃ میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: "حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے، واضح رہے کہ یہاں پر علم سے مراد صرف علم دین نہیں ہے، ہر وہ مفید علم ہے جو مسلمانوں کی زندگی میں فائدہ مند ہو، ان کی جسمانی صحت کے لئے فائدہ بخش ہو ان کی

اقتصادی وعمرانی ترقی کے لئے ضروری ہو‘‘ (ترجمہ فقہ الزکوۃ ۲/ ۴۳، ۴۴)، ان تحریروں کی روشنی عصری علوم کے طلباء وطالبات کو بھی دیا جاسکتا ہے، احقر کے خیال میں تقدم اوراولیت مدارس کے طلباء کو ہونی چاہیئے، یا ان میں سے جو زیادہ ضرورت مند ہوں۔

۱۱- مسلمان بچے وبچیوں کو ان اداروں میں داخل کرانا ناجائز ہے۔

☆داخل کرایا جاسکتا ہے۔

☆کم ازکم اقلیت کے لئے اس شرط کے لازم نہ کرنے کا مطالبہ کرنا چاہئے اوراگر کامیابی نہ ہوتو اضطراری صورت میں اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دل سے ان افعال کو گناہ غیر شرعی اور انتہائی قبیح وشنیع سمجھا جائے ’’**إلا من أکره و قلبه مطمئن بالایمان**‘‘ (نحل:۱۰۶) کے بموجب اجازت دی جاسکتی ہے، ساتھ ہی دینی تعلیم کی کوچنگ کا بھی نظم کراتے رہیں۔

☆اس کا بھی وہی جواب ہوگا جو دوسرے کا لکھا گیا۔

☆ظاہر ہے اگر ایسے ادارے موجود ہوں جو ان نتائج سے پاک ہوں تو ان ہی میں داخلہ کرایا جائے، اس کے علاوہ میں ایڈمیشن درست نہیں۔

☆اول تو مائنارٹی (اقلیتی ادارہ) کے طور پر منظوری لیں اوران سب سے پاک وصاف نصاب رکھیں اگر ایسا نہ ہوسکے تو کم ازکم مسلم بچوں کو اس عمل سے مستثنی رکھیں۔

۱۲- عفت وپاکیزگی کے تعلق سے دینی نصاب میں جو کتابیں ہیں وہ کافی ہیں ان سے اخروی نقصان کے ساتھ دنیوی مضرتوں پر بھی ہدایت ملتی ہے جن اداروں میں جنسیات کی تعلیم لازم کردی جائے مسلمانوں کو اس سے مستثنی کئے جانے کی کوشش کی جائے۔

۱۳- اس طرح کے پروگرام بچے وبچیوں کے الگ کرائے جائیں تو بہتر ہوگا۔

۱۴- جس عمر تک مخلوط تعلیم کی اجازت دی گئی ہے اس عمر تک ثقافتی پروگرام میں دونوں شریک ہوسکتے ہیں۔

۱۵- کیمرے میں تصویر محفوظ کرکے اس کو کمپیوٹر کے ذریعہ دکھانا درست ہے، بک والی دیرپا ہوگی اور یہ دیرپا نہ ہوگی، کمپیوٹر والی ہروقت دیکھی نہیں جاسکتی اور کتاب والی جب کتاب کھولیں گے نظر پڑے گی، کمپیوٹر استاذ کے پاس رہے گا اور کتاب ہر طالب علم کے پاس ہے، اس لئے کتاب والی تصویر کی غلظت بہ نسبت کمپیوٹر کے بڑی ہوتی ہے، بنابریں بدرجہ مجبوری اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، نیز ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے جانوروں کی تصاویر پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے کو ذریعہ تعلیم بنایا جاسکتا ہے، ’’**فقال: ما هذا یا عائشة؟ قالت: بناتي ورأی بینهن فرساله جناحان من رقاع، فقال: ما هذا الذی أری وسطهن؟قالت فرس الخ**‘‘(ابوداؤد شریف ۲/ ۴۹۳۲)، شیخ عثیمین لکھتے ہیں:’’**إن کانت لعب الأطفال المجسمة کخلق الإنسان فاجتنابها أولی، ولکن لا أقطع بالتحریم؛ لأن الصغار یرخص لهم مالا یرخص لکبار الخ**‘‘ (مجموع فتاوی شیخ ابن عثیمین ۲/ ۲۷۷)۔

۱۶- عورت کی تخلیق ہی امور خانہ داری، بچوں کی تربیت، سلائی کڑھائی وشوہر کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر ہوئی ہے، فی زمانہ دونوں کو ایک ہی طرح کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے توازن واعتدال بگڑتا جارہا ہے، حتی کہ اعلی دینی تعلیم حاصل کرنے والی عورتوں (خواہ وہ ملازمت کرتی ہوں یا نہ کرتی ہوں) میں طلاق کی اکثریت پائی جاتی ہے، اس لئے مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اداروں کے لئے اس طرح کی تعلیم کا نظم کرنا واجب ہے۔

۱۷- ترجمہ قرآن کچھ پارے بنیادی فقہ (تعلیم الاسلام کے مکمل حصے) بنیادی احادیث (خصوصا ترغیب وترہیب کی روایات) سیرت، عربی زبان، کل دس گھنٹے ہوں، چھ گھنٹے عصری علوم کے لئے ۴ گھنٹے دینی علوم کے لئے مرحلہ وار ہائی اسکول تک لے چلیں تو انشاءاللہ ان کے گمراہ ہونے کا بھی خدشہ نہ رہے گا اور دینی معلومات خاطر خواہ ہوجائے گی۔

۱۸- جنس مخالف ٹیچر کا تقرر اضطراری حالات میں درست ہے، ۵ میں بھی اس کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے، استاذ واستانیاں پاکباز وپاک طینت ہوں، سماج ومعاشرہ میں ان کو باحیثیت سمجھا جاتا ہو، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بہت سے مسائل میں صرف وجاہت وشرافت کا لحاظ کرکے ان کی شہادت کو معتبر مانا گیا ہے، علامہ سید محمد امین ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں: "**العادلة تعمل......وما يخل بالمروءة**" (الرد المحتار علی الدر ۳/ ۵۲ زکریا)۔

۱۹- رشوت دئے بغیر اگر اسکول کی منظوری کے کینسل ہونے کا ظن غالب ہو تو بدرجہ مجبوری اضطراری حالات میں رشوت دینے کی گنجائش نکلنی چاہئے۔

☆☆☆

D2

عصری علوم مسائل اور حل

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی☆

اسلام کسی علم وفن کے حصول کا نہ مخالف ہے اور نہ اس سے بیزار، خود صاحب شریعت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں اس بات کی ترغیب دی اور ایک مومن صادق کو اسکا حقدار قرار دیا، آپ ﷺ کا فرمان ہے: "**الحكمة ضالة المومن فحيث وجدها فهو أحق بها**"، نفع بخش علم وفن مومن کا گمشدہ خزانہ ہے، جہاں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے وہ اسکو حاصل کرنے کا زیادہ حقدار ہے، اس روایت کو امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے (باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة: ۳۰/۵)۔

اور مومن اس کا سچا حقدار کیوں نہ ہو؟ جب کہ یہ امت تمام اقوام عالم کی نفع رسانی کے لئے بر پا کی گئی ہے، باری سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: "**كنتم خير أمة أخرجت للناس**" (سورۂ آل عمران: ۱۱۰)، یہی اس امت کا امتیاز ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی اس نفع رسانی کی شان کو ہر میدان ومجال میں قائم کر رکھا ہے، عدل وقضاء ہو کہ فلسفہ وحکمت، فن تعمیر ہو یا ہندسہ وفن ریاضی، فن طب ہو یا سائنس وٹیکنالوجی، تاریخ کے اوراق میں مسلمان ہی امیر وقائد نظر آتے ہیں، سیادت وقیادت کے اصل حقدار مسلمان ہی ہیں، دیگر قومیں مسلمانوں کی خوشہ چیں اور رہین منت ہی رہی ہیں اور خود اسلام اور اللہ رب العزت کا پسندیدہ عمل ہے کہ جو کام بھی کیا جائے مہارت اور خوش اسلوبی کے ساتھ کیا جائے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "**إن الله يحب إذا عمل احدكم عملا أن يتقنه**" (شعب الایمان، باب الامانات ومایجب ادائها الی اهلها: ۷۶۸۱/۴۔اتحاف الخيرة المهرة، کتاب الزکاة: ۳۸۲/۳)؛ لیکن افسوس! آج مسلمان تہی دست اور خالی دامن ایک ایسے چوراہے پر سرگرداں اور پریشان کھڑا ہے کہ نہ تو اس کو تعلیمی سرگرمیوں سے وابستگی رہی اور نہ سائنس وٹیکنالوجی سے دلچسپی اور نہ ہی حکومت وسیادت اس کا مقدر رہی اور نہ ہی فنکاری سے لگاؤ باقی رہا۔ بقول علامہ اقبال

تھے تو وہ آباء ہی تمہارے تم کیا ہو
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

☆ قاضی شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔

دور حاضر میں عصری علوم کی ضرورت وافادیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے،صنعت وحرفت اور اقتصاد ومعیشت میں ترقی عصری تعلیم کے بغیر ناممکن ہے، نیز مختلف عصری میدانوں میں باصلاحیت قومی اور مذہبی افراد کی فراہمی تو اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی، موجودہ ٹیکنالوجی اور سائنس کی حیرت انگیز ترقی کے دور میں مسلمانوں کی عصری تعلیم سے دوری نے مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی میں غیروں کا دست نگر بنا کر رکھ دیا ہے ،ملت اسلامیہ کو قابل اور باصلاحیت ڈاکٹروں،قانون کے ماہر وکلاء اور سیادت وسیاست کی صلاحیت رکھنے والے افراد وقائدین کی ضرورت ہے،الغرض امت مسلمہ کے لیے عصری علوم کی ضرورت ایک مسلم حقیقت ہے،جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور علمائے امت نے مسلمانوں کو نہ انکی تحصیل سے منع کیا ہے اور نہ اسے شجرہ ممنوعہ قرار دیا،خود امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو علمِ نجوم اور علم انساب سیکھنے کی ترغیب بلکہ حکم دیا تھا:"**تعلموا من النجوم ما تهدون بها وتعلموا من الأنساب ماتتواصلون بها** "(مصنف ابن ابی شیبه ،باب فی العلم.جامع الاحادیث للسیوطی ،باب مسند عمر بن الخطابؓ:۷۹/۲۷)تم علم نجوم حاصل کروتا کہ اس کے ذریعہ بحر وبرّ کے اسفار میں راستوں کی راہنمائی حاصل کرسکو!اور علمِ انساب بھی حاصل کروتا کہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرسکو اور رشتوں کو جوڑ سکو!البدایہ والنہایہ(۳۴۸/۴)میں ہے کہ غزوہ طائف میں مسلمانوں نے جو نئے ہتھیار استعمال کئے تھے اس کا مشورہ دینے والے حضرت سلمان فارسیؓ تھے اور وہی اسکے موجد اور کاریگر تھے، جسے اس زمانہ میں دبابے اور توپ کہا جاتا تھا اور اِس زمانہ میں ٹینک کہا جاتا ہے۔

"الدرر فی اختصار المغازی والسیر"(باب غزوة الطائف:۲۷۱/۱)تاریخِ طبری(باب ذکر الخبرعن غزوةرسول الله:۱۷۱/۲)اور "البدايه والنهايه "(باب غزوة الطائف:۳۴۵/۴) میں ہے کہ خود آپ ﷺ نے حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلانؓ کو شام کے ایک مشہور صنعتی شہر "جرس" بھیجا تھا؛ تاکہ وہ وہاں سے دبابے،منجنیق اور صنوبر کی صنعت سیکھ کر آئیں؛یہی وجہ تھی کہ یہ دونوں صحابہ غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شریک نہیں ہوسکے،وہ شام میں یہ صنعت سیکھ رہے تھے،حضرت ابن زبیرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سو زبانیں جانتے تھے،ان کے پاس سو غلام تھے اور ہر غلام اپنی زبان میں بات کرتا تھا اور آپ بھی ہر ایک کے ساتھ اسی کی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن قیسؓ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

میں جب انکو انکے دنیاوی امور ومشاغل میں دیکھتا ہوں تو انکی دانائی اور دانشمندی سے یہ باور کرتا ہوں کہ یہ شخص لمحہ بھر کے لئے بھی اللہ کا طلبگار نہیں ہوگا اور جب میں ان کے دینی امور ومشاغل کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ یہ شخص لمحہ بھر کے لئے بھی دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا(حیاۃ الصحابہ،باب: دینی ضرورت کی وجہ سے دشمنوں کی زبان وغیرہ سیکھنا:۲۵۳/۳)۔

لیکن چونکہ اسلام ایک ابدی ، پاک وصاف،ہمہ گیر،انسانیت ساز اور وَسطی یعنی اعتدال پسند مذہب ہے؛اس لئے وہ انسانیت سازی اور دنیا وآخرت کی کامیابی کے لئے ہر راہ میں حدود وقیود متعین کرتا ہے،یہی وجہ ہے کہ دور بین نگاہ رکھنے والے علمائے

امت نے عصری علوم کے ساتھ آنے والے الحاد و بے دینی اور مخلوط نظام تعلیم کے اثراتِ بد سے آگاہ ضرور کیا، اسی کو مرحوم اکبر الہ آبادی نے یوں کہا تھا:

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پر جھولو
بس ایک سخن بندہ ناچیز کے رہی یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

حاصل یہ کہ دینی ضروری معلومات اور عقائد وایمانیات کے تحفظ کے ساتھ دنیاوی اور عصری علوم کی تحصیل اور اس میں مہارت وحذاقت حاصل کرنا خود ایک مقصودِ شرعی ہے، اب سوالات کے جوابات بھی نمبر وار ملاحظہ ہوں!!

جوابات:

۱- امام غزالیؒ نے اپنی احیاء (احیاء علوم الدین ،الباب الثانی فی العلم : ۱/۵۲-۶۰) میں حدیثِ نبوی ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ کے ذیل میں لکھا ہے کہ علم دو طرح کا ہے: ایک جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرضِ عین ہے اور دوسرے وہ علوم ہیں جن کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے، پھر فرضِ کفایہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

علوم کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) علومِ شرعیہ (۲) علومِ غیر شرعیہ۔

علومِ شرعیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام سے براہِ راست حاصل ہوتے ہیں، جن میں عقل اور تجربہ کو کوئی دخل نہیں اور علوم غیر شرعیہ میں بعض پسندیدہ ہیں اور بعض ناپسندیدہ اور بعض صرف مباح کا درجہ رکھتے ہیں، پسندیدہ علوم وہ ہیں جن سے دنیاوی مصلحتیں وابستہ ہو جیسے علمِ طب اور علمِ حساب وغیرہ پھر یہ پسندیدہ علوم بھی اپنے درجوں کے لحاظ سے بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہیں اور بعض کا حاصل کرنا افضل اور بعض کو حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن فرض نہیں، فرضِ کفایہ وہ علوم ہیں جو زندگی اور کاروبار کو قائم وباقی رکھنے میں اشد ضروری ہیں جن سے بے پرواہی کے نتیجہ میں ہلاکت تک کی نوبت آسکتی ہے، ایسے پیشوں کا بالکلیہ چھوڑ دینا ناجائز ہوگا اور پورا معاشرہ گناہ گار رہوگا، جیسے صحت کی بقاء کے لئے علمِ طب، لین دین، تجارت اور وصیت وترکہ کی تقسیم کے لئے علمِ حساب، خورد ونوش کی ضرورت کے لئے کاشتکاری اور باغبانی، جسم کی حفاظت اور خوش خُلقی کے لیئے پارچہ بافی، حجامت اور خیاطی ہے، ان میں سے کسی ایک کے بھی نہ ہونے سے معاشرہ کو جو دقت اور پریشانی لائق ہوسکتی ہے وہ قرینہ قیاس ہے اور وہ علوم جن کا حاصل کرنا فرض تو نہیں، البتہ افضل ضرور ہے جیسے علمِ حساب اور علمِ طب میں حذاقت ومہارت پیدا کرنا، اس سے بھی معاشرہ مستغنی نہیں ہوسکتا؛ چونکہ ان کے حصول سے نفع رسانی میں اضافہ ہوتا ہے اور رہے وہ علوم جن کو حاصل کیا جا سکتا ہے جس کو فقہ کی نظر میں مباح کہہ سکتے ہیں جیسے ایسے اشعار اور غزلیں پڑھنا جن میں رکاکت نہ ہو اسی طرح علم تاریخ اور جغرافیہ سے دلچسپی رکھنا وغیرہ

اورناپسندیدہ علوم میں ناجائز سحر اور جادوٹونا، شعبدہ بازی، نظر بندی وغیرہ علوم شامل ہے۔

آگے ایک موقع سے امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں: جب علم تمام امور میں افضل ہے تو اس کا حاصل کرنا افضل چیز کا حاصل کرنا ہے اور اس کی تعلیم دینا افضل چیز کا مہیا کرنا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کے مقاصد دین اور دنیا دونوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے؛ کیونکہ دین کا نظام جب تک دنیاوی نظام قائم نہ ہو قائم نہیں ہوسکتا اور امرِ دنیاوی کا انتظام انسانوں کے کاموں اور پیشوں پر موقوف ہے اور انسانی پیشے تین قسم کے ہیں:

نمبر ایک ایسے پیشے جو عالم کے قیام کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں وہ چار ہیں: (۱) زراعت انسان کی غذا کے لئے (۲) پارچہ بافی تن پوشی کے لئے (۳) تعمیر سکونت کے لیے (۴) سیاست خاندان اور ملک کے نظام اور معیشت کے اسباب مہیا کرنے اور اس کی حفاظت کے لیے۔

دوسرے وہ پیشے جو ان چار پیشوں کے لئے آلات اور وسیلے مہیا کریں، جیسے لوہاری ندافی [دھنائی] وغیرہ۔

تیسرے وہ پیشے ہیں جو پہلی قسم کے پیشوں کو مدد پہنچائیں، جیسے کھانا پکانے اور سینے پرونے کے پیشے وغیرہ، ان پیشوں میں پہلی قسم کے پیشے افضل ہیں اور ان میں بھی سیاست سب سے افضل ہے، جس سے نظم وضبط کا عمل وجود میں آتا ہے اور اس کے ذریعہ مخلوق کی اصلاح کی جاتی ہے اور انہیں حق کی راہ دکھائی جاتی ہے۔

پھر سیاست کے چار درجے ہیں: (۱) پہلے درجہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی سیاست ہے جو اپنے پیغاموں سے خلق کی رہبری فرماتے ہیں۔ (۲) دوسرا درجہ خلفاء اور سلاطین کو حاصل ہے، ان کے احکام عوام وخواص پر نظم وانتظام کے لئے جاری ہوتے ہیں؛ لیکن ان کی حکومت ظاہر پر ہوتی ہے باطن پر نہیں۔ (۳) تیسرے علمائے کرام ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، ان کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوتی ہے اور یہ باطن کی اصلاح کرتے ہیں۔ (۴) چوتھے واعظین ہیں، جو صرف عوام کی اصلاح کرتے ہیں۔

لہٰذا ایسے اسکول قائم کرنا جن میں اسلامی ماحول اور طریقہ کے مطابق مطلوبہ معیاری تعلیم کی روشنی میں عصری علوم پڑھائیں جائے صرف ایک معاشرتی ضرورت ہی نہیں؛ بلکہ مقصودِ شرعی بھی ہے؛ چونکہ ہر وہ علم جس سے دین ودنیا میں انسانیت کو فائدہ پہنچتا ہو اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے؛ چنانچہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنی کتاب ''اسلام اور جدت پسندی'' میں مختلف علوم وفنون اور نئی نئی ایجادات وٹیکنالوجی اور صنعت وحرفت کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: عالمِ اسلام کے لئے اس میدان میں آگے بڑھنا ضروری ہے اور اسلام نہ صرف یہ کہ اس راہ میں کوئی رکاوٹ عائد کرتا ہے؛ بلکہ ''اعدادِ قوت'' کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے (ص:۲۳)۔

اسلامی سلطنت میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے ۱۲۵ھ میں ''بیت الحکمت'' نام سے ایک علمی انجمن قائم کی تھی، جس میں

رسد خانہ اور پبلک لائبریری بھی تھی جس پر دو لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے اور اس میں جو ملازمین ومترجمین رکھے گئے تھے وہ مختلف زبانوں اور علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے، اور اسی مامون الرشید نے مختلف ممالک سے ہر فن کی کتابیں خرید کر بغداد منگوائی تھی، جیسے طب، فلسفہ ریاضی جو ہندی، کلدانی، عبرانی، یونانی اور مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی تھیں، مورخین نے لکھا ہے کہ ان کتابوں کو سو[۱۰۰] اونٹوں پر لادا گیا تھا؛ (عصری علوم کی شرعی حیثیت: ۹۲) اسلئے ایسے اسکول اور مدارس قائم کرنا یہ مسلمانوں کا پرانا دستور اور شیوہ ہے۔

اب رہی بات کہ اس کا کیا درجہ ہے، تو اوپر امام غزالیؒ کی تحریر سے معلوم ہوگیا کہ جس علم کی جو حیثیت ہوگی وہی اس کا درجہ ہوگا اور جو درجہ جس علم کا ہوگا وہی اس کے تحصیل کے آلات وادوات، یعنی اسکول اور کالج کا ہوگا؛ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحبؒ "کشف الباری: ۳؍۴۴" میں طلب العلم فریضۃ الخ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

ایسے تمام امور جن کی ادائیگی کو انسان پر فرض قرار دیا گیا ہے، ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے، لیکن امورِ واجبہ کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور علومِ مسنونہ ومندوبہ کا علم حاصل کرنا مسنون اور مستحب ہے اور قرآن وحدیث کے جملہ علوم کی تحصیل اور ان میں کمال حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں، آج کل اسکولوں اور کالجوں میں جو دنیوی فنون سکھائے جاتے ہیں وہ مطلوبِ علم نہیں، یعنی اس کو فرضِ عین نہیں کہا جائے گا، بعض ان میں فرضِ کفایہ کے درجہ میں آتے ہیں، اگر وہ مخلوقِ خدا کے فائدہ کے لئے درکار ہوں اور خلافِ شرع امور پر مشتمل نہ ہوں، یا ان کو صرف جواز کا درجہ دیا جائے گا؛ لیکن جو ایسے امور پر مشتمل ہو جس کی شریعت میں کوئی گنجائش ہی نہیں تو ان کا حاصل کرنا ناجائز ہوگا۔

۲- اگر ایسے ادارے مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں تو ان اداروں میں نصابِ تعلیم ایسا ہو کہ متعلقہ علوم وفنون کے اتنے مواد کی فراہمی ہو کہ جو ہر مضمون کی ضرورت کو پورا کرسکے، پھر وہ سہل اور آسان انداز میں درجہ بدرجہ اس طرح مدون کیا جائے کہ کہ ہر مضمون میں اخلاقِ اسلامی کا عنصر اور اس کی روح کارفرما ہو، اس طرح عصری اور انگریزوں علوم کو پڑھانے میں عقائد وشعائرِ اسلام، سیرت اور ضروریاتِ زندگی کے مسائل کے ساتھ اخلاقی مضامین کا خصوصاً لحاظ کرنا ازحد ضروری ہے، ایسی صورت میں غیر شرعی نظریات وافکار، مخرّبِ اخلاق مضامین، انسانیت سوز اسباق اور ایران توران کی کہانیاں پڑھانا تو ایمان، غیرتِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی مقدس تعلیمات کے خلاف ہے، اس کو ایک مسلمان ہرگز گوارا نہیں کرسکتا اور اگر ایسے کچھ مضامین حکومت کی طرف سے لازم بھی کردئے گئے ہوں تو ان میں جو مضامین عقائد اور نصوصِ اسلام کے خلاف ہوں ان کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں نکل سکتی، حکومت کی طرف سے جن مضامین کو اسکول کے نصاب میں رکھنا لازم ہو، ان کو نصاب میں رکھا جائے؛ لیکن پڑھاتے وقت اس کے مضر پہلو کو طلباء کے سامنے واضح کردیا جائے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں ضرور بیان کردی جائیں۔

۳- اوپر واضح کر دیا گیا کہ مسلمانوں کو اپنی ضروریاتِ زندگی کے اسباب ووسائل پیدا کرنا فرائضِ اسلام اور مقصودِ شریعت ہے۔اس لئے ایسے مقامات پر مسلمانوں کو جس طرح مساجد، مکاتب اور مدارس کی فکر کرنا ضروری اسی طرح ان ضروریاتِ زندگی کی فکر کرنا بھی ضروری ہے؛ تاکہ ہم کسی کے خصوصاً ان اہل شرک اور اسلام بے زار افراد کے دست نگر نہ رہیں، خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا تستضئوا بنار أهل الشرك ''،کہ مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو اس کی تفسیر میں حضرت حسنِ بصریؒ یوں فرماتے ہیں:''لاتستشیرواالمشرکین فی شئی من أمورکم ''(اتحاف الخیرۃ المهرۃ:۴/۵۲۵)،یعنی مشرکین سے اپنے امور میں مشورہ نہ لیا کرو مطلب یہ ہوا کہ ان سے علم حاصل نہ کرو اور علوم وفنون کے سلسلہ میں ان پر تکیہ اور اعتماد نہ کرو۔

ایک موقع سے نبی کریم ﷺ کے دستِ بابرکت میں عربی کمان تھی اور آپ نے کسی کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو آپ نے ناراض ہوکر ارشاد فرمایا اسے پھینک دو اور عربی کمان لو،جس کے ذریعہ خدا نے تم کو قوت اور شوکت دی،اور بلادِ ارض کو فتح کیا(تجلیات حکیم الاسلام:۲/۱۳۲)،ایسے دسیوں واقعات تاریخ میں موجود ہیں،چنانچہ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ ایسے چند واقعات ذکر کرنے کے بعد بطور نکات تحریر فرماتے ہیں:۱۔جب تک کوئی مضطرارانہ ضرورت داعی نہ ہو اصل یہی ہے کہ غیر مسلمین سے استغاثہ اور وہ بھی ایسے کہ اس میں ان کی تکریم ہوتی ہو قرینِ عقل ودین نہیں۔۲۔یہ عذر کسی طرح قابلِ سماعت نہیں کہ ہمیں صرف خدمت درکار ہے،نہ کہ ان کا مذہب،کیونکہ اس تحصیلِ خدمات کی ذیل میں ان کے ساتھ معیت اس شدت اور تغلیظ کو کم یا محو کردیگی جو ایک مسلمان کا اسلامی شعار بتلایا گیا ہے......۴۔جس مخلوق کی اس کے خالق نے تکریم نہ کی ہو اور ان کے لئے عزت کا کوئی شمہ گوارا نہ کیا ہو اس خالق کے پرستاروں کی غیرت وحمیت کے خلاف ہے کہ وہ علوم وفنون میں ان سے استفادہ کے ذریعہ اس کے دشمنوں کی تکریم کریں،وہ جسے پھٹکارے یہ اسے پیار کریں(تجلیات حکیم الاسلام:۵/۹۷بحوالہ عصری علوم کی شرعی حیثیت:۱۱۵)،بہرحال اگر مجبوراً ایسے اداروں میں تعلیم دینا بھی پڑے تو پھر اپنی اولاد کے دین وایمان کی حفاظت والدین کا اولین فرض ہوگا کہ وہ ہر وقت تعلیم کی نگرانی رکھیں!وقتاً فوقتاً ان سے اسکول اور کلاس ٹیچر کی تعلیم کے بارے میں جانکاری حاصل کرتا رہیں کہ کیا سیکھ رہے ہو اور کیا پڑھ رہے ہو؟؟وغیرہ وغیرہ،ساتھ ہی ساتھ ان کی دینی تعلیم کا انتظام بھی رکھیں۔

۴۔۵: مخلوط نظامِ تعلیم کو تو کسی بھی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا،اسلئے کہ شریعتِ مطہرہ نے پردہ کو کتنی اہمیت دی ہے اور بے پردگی کو کتنا بڑا گناہ اور فساد کی جڑ بتایا ہے وہ اظہر من الشمس اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے،بہرحال عیاں راچہ بیاں؛اس لئے فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ بدنظری ہے،جس کا انجام زنا ہے اور جو مرد وعورت اس نگاہ کی حفاظت کرلیتے ہیں،اللہ کا وعدہ ہے کہ انکو ایمان کی ایسی لذت اور چاشنی سے مالامال کرینگے جس کو وہ اپنے دل میں محسوس کرینگے،چنانچہ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:اللہ تعالی فرماتے ہیں:''**النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتی ابدلته ايماناً يجد حلاوته فی قلبه**''(معارف القرآن:۶/۳۹۹)۔

اب رہا یہ مسئلہ کا کس سال یا کس کلاس تک مخلوط تعلیم کی اجازت ہوسکتی ہے؟ اس تعلق سے عرض ہے کہ نو سال کی عمر تک لڑکے اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دی جاسکتی ہے چونکہ تخریج الاحیاء (۲/۲۷۲) میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**الغلام يُعق عنه يوم السابع ويُسمى ويماط عنه الأذى، فإذا بلغ ست سنين أُدب، فإذا بلغ تسع سنين عزل فراشه فإذا بلغ ثلاث عشرة سنة ضُرب على الصلاة، فإذا بلغ ست عشرة سنة زوّجه أبوه ثم أخذ بيده، وقال: قد ادّبتک وعلّمتک وأنكحتك وأعوذ بالله من فتنتک فی الدنیاو عذابک فی الآخره** '' (تنقیح القول الحثیث فی شرح لباب الحدیث: ۱/۱۳۸)۔ اس روایت میں بتلایا گیا کہ اولاد جب نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اب ان کے بستر الگ کر دو، اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قریب البلوغ عمر تک مخلوط تعلیم دی جاسکتی؛ لیکن اس فتنہ کے دور میں شروع ہی سے اگر الگ الگ نظامِ تعلیم کا نظام کیا جاسکتا ہو تو بہت ہی بہتر اور مستقبل کے لئے مفید ہے، اس کے بعد جداگانہ تعلیم کی جو تین شکلیں سوال میں مذکور ہے ان میں سے ہر صورت ضرورت کے تقاضہ اور لحاظ سے اپنائی جاسکتی؛ البتہ پہلی خوب ترین، دوسری خوب تر اور تیسری صورت کے دو حالات ہیں، ایک یہ کہ طلبہ وطالبات کی نشستیں الگ الگ ہوں، ان کے درمیان دیوار حائل ہو، یہ بھی گوارا کیا جاسکتا، دوسری حالت یہ ہے کہ طلبہ وطالبات کے بیٹھنے کے لیے تو روم ایک ہی ہو؛ البتہ آگے طلبہ بیٹھیں اور طالبات ان کے پیچھے ہوں، یہ مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں پر نظر ڈالنا منع ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مردوں پر نظر ڈالنا ناجائز ہے، مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے آنے پر بعض ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

۶- حدیث شریف میں ہے کہ سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ یہ جنت کا راستہ ہے اور بندہ کو عنداللہ صدیق بناتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ جہنم کا راستہ ہے اور بندہ کو عنداللہ کذّاب بنادیتا ہے: ''**عليكم بالصدق فان الصدق يهدى إلى البر، وإن البر يهدى إلى الجنة وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا، وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى إلى النار، وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندلله كذابا** ''(الصحيح لمسلم ،باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله:۲۶۰۷)، لہذا اسلام سچا مذہب اور سچائی کو پسند کرتا ہے، نہ جھوٹ کو پسند کرتا ہے، اور نہ ہی جھوٹ کی اجازت دیتا ہے؛ بلکہ دنیا کا کوئی مذہب نہ جھوٹ کو پسند کرتا ہے اور نہ اس کی اجازت دیتا ہے، تو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں کہاں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ خصوصا جبکہ پھر پوری عمر یہی جھوٹ بولنا پڑتا ہو! اسلئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ سچائی پر قائم رہ پانا ممکن ہوجائے اور جھوٹ سے چھٹکارا مل جائے، مثلاً اسکول کے پرنسپل کو کچھ دیکر آگے کے درجہ میں داخلہ کرادیا جائے، یہ اگرچہ رشوت ہی ہوگی؛ لیکن اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ شامی میں ہے: ''**ثم الرشوة اربعة اقسام :...الثالث :اخذ المال ليسوى امره عند السلطان دفعا للضرر اوجلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط**'' (شامی: ۸/۳۵)۔

۷- اسلام میں ستر پوشی کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ قرآن وحدیث میں اس مضمون کو جس ترغیب وترہیب کے پیرائے میں اور وضاحت کے ساتھ بار بار بیان کیا گیا ہے شاید کسی مضمون کو ایسا بیان نہیں کیا گیا، سورہ نور پڑھتے جائے اور اندازہ لگاتے جائے کہ ستر پوشی کی کتنی اہمیت ہے کہ دنیا کی پاک ترین بلکہ پوری امت کی ماؤوں کو سب سے پہلے پھر ان بناتِ طاھرات کو جنہوں نے خود نبی پاک ﷺ سے تعلیم حاصل کی تھیں اور اس کے بعد تمام مومنین عورتوں کو حکم دیا گیا: ''**یا ایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن** ''(سورۂ احزاب:۵۹)،(اے نبی اپنی بیبیوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال دے یعنی پردہ میں رہیں)؛ لہذا ہمارے اسکولوں کا یونیفارم شریعت کے دائرہ میں رہ کر طے کرنا چاہئے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اپنی کتاب'' دینی وعصری درسگاہیں۔ تعلیمی مسائل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''...اس لئے یونیفارم میں اسلامی اور اخلاقی اقدار کا لحاظ ہونا چاہئے، شرٹ، پتلون، اسکارف اور بالغ لڑکیوں کے لئے نقاب تاکہ جسم ڈھکا چھپا رہے لڑکوں کے لئے بھی دیدہ زیب؛ لیکن اسلامی وضع قطع کا نمائندہ لباس ہو بعض پڑوسی ممالک میں دیکھا گیا کہ پٹھانی سوٹ اسکول کا لباس متعین کیا گیا ہے، یہ خوبصورت بھی ہے اور ڈھیلا ڈھالا ہونے کی وجہ سے طبی نقطہ نظر سے صحت کے لئے مفید اور پوری طرح ساتر بھی اگر مسلمان انتظامیہ اسکولوں میں ایسے لباس متعین کئے جائیں تو کیا قباحت ہے؟ کیا جسم کی نمائش اور غیر ساتر لباس سے طالب علم کی ذہنی اور فکری قوت میں اضافہ ہوتا ہے؟ کیا اس کو انسان کی قوتِ ذکاوت اور حفظ میں کچھ دخل ہے؟ اور علم وفن کی تاریخ میں جو ممتاز شخصیات گذری ہیں، وہ اس قسم کے یونیفارم پہن کر ہی علمی اور قلمی کام کیا کرتے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، سچ پوچھئے تو یہ صرف اور صرف مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اپنی تہذیب وتمدن کے بارے میں احساسِ کمتری اور فکری ہزیمت کا آئینہ دار ہے، اور اس سے جو فحاشیت اور عریانیت پھیلی ہے اللہ کی پناہ!!!

اور اگر اسکولوں کا نظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو تو پھر جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اسطرح کے اسکول قائم کریں، جس میں اسلامی ماحول میں دنیاوی تعلیم دی جائے اور غیروں کے دست نگر ومحتاج نہ رہیں، اسلئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو عصری تعلیم دلانے کے لئے پرائمری سطح سے ہائی اسکول کی سطح تک ہی صحیح اس کا معقول انتظام کرے۔

۸- اسکولوں کا یہ قدم تو یقیناً بڑا بھیانک ہے کہ آج کل تعلیمی ادارے صرف فیشن، عمارات اور دیگر فضولیات کا شاہکار بنتے جارہے ہیں اور حد یہ کہ اب تو سرکاری اسکول بھی اس سے خالی نہیں رہے وہ بھی محض کمائی کے اڈے اور اور اپنی راج نیتی چمکانے کے پاور ہاوس بن چکے ہے جو سراسر ناانصافی، بددیانتی اور فضول خرچی کے علاوہ اور کچھ نہیں، اسلام اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا، ہاں! اتنا ضرور ہے کہ جو چیزیں تعلیمی میدان کے لئے ضروری یا اسمیں معین ومددگار ثابت ہوں ان کو تو ضرور انجام دیا جانا چاہئے، جیسے خوبصورت کلاسوں کا انتظام، بینچ، ٹپائی اور دیگر انسانی ضروریات کا بہترین انتظام اسی طرح طلبہ کے ذہنوں کو تازہ دم رکھنے کے لئے مختلف کھیلوں اور ورزش کا معقول انتظام کر دیا جائے تو بہت ہی بہتر ہے؛ لیکن اس میں اسراف اور بددیانتی سے بچا جائے، چونکہ بددیانتی تو ایمانی

قوت وصلاحیتوں کوکھا جاتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا إيمان لمن لا أمانة له'' (بخاری، کتاب الایمان)، اور بے جا فضول خرچی شیطان کے جال میں پھنسا کر نہ دین کا رکھتی اور نہ دنیا کا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''إن المبذرين كانو إخوان الشياطين'' (سورۂ بنی اسرائیل: ۲۷)۔

۹- اگر 'بس فارم' اسی طرح 'اسکول فارم' یا داخلہ فارم' میں اس کی صراحت کردی جائے، یا اسطرح لینے کا عام عرف ہو تو درست ہے، مثلاً اس طرح لکھ دیا جائے'' فلاں مہینے سے فلاں مہینے تک کا کرایہ اتنا اتنا ہے چاہے طالب علم پوری مدت بس کی خدمت لے یا نہ لے، اسی طرح اسکول میں پوری مدت پڑھے یا کچھ دن'' (چند اہم عصری مسائل: ۱/۲۸۶)۔

امداد الفتاوی میں اسی طرح کا ایک جواب ہے جس کو بعینہ مع سوال وجواب نقل کرتا ہوں:

سوال: بندہ نے ایک دوکان بائیکل کی کھولی ہے یعنی بائیسکلیں کرایہ پر چلتی ہیں اور لوگ ۴ آنہ فی گھنٹہ کے حساب سے بائیسکل بندہ سے لے جاتے ہیں سو اگر کوئی شخص ۱۵ منٹ میں مثلاً بائیسکل واپس لاوے تو اس سے ۴/ آنہ بندہ کو لینا جائز ہے یا ایک آنہ، مفصل ارشاد ہو؟

الجواب: یا تو جو رواج ہو اس کے موافق کیا جاوے یا اگر رواج معین نہ ہو تو وقت دینے کے کہہ دیا جاوے کہ گھنٹہ اور جزوِ گھنٹہ کا کرایہ مساوی ہے (امداد الفتاوی: ۳/۳۹۸)۔

۱۰- زکوۃ کے مصارف میں فقراء ومساکین بھی ہیں؛ اس لیے اگر عصری تعلیمی اداروں میں علم حاصل کرنے والے بچے فقیر یا مسکین ہیں تو ان کو زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

۱۱- اگر سرکاری اداروں میں مشرکانہ ترانہ اور افعال کرنے پر مجبور کیا جاتا ہو تو مسلمانوں کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا، حدیث شریف میں ہے: ''لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' (اعلام الموقعین: ۱/۵۸) اور سرکارے اداروں میں ان چیزوں کی محض ترغیب دی جاتی ہو جبر واکراہ نہ کیا جاتا ہو تو بھی ان اداروں سے دور رہنے ہی میں ایمان واسلام کی زیادہ حفاظت ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الحلال بين والحرام بين وبينهما مشبهات لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات كراع يرعى حول الحمى يو شك أن يواقعه ...'' (بخاری: ۱/۵۲)۔

اور اگر کوئی غیر مسلم انتظامیہ کا پرائیویٹ ادارہ اس کو لازم کردے یا محض اس کی ترغیب دے دونوں صورتوں میں کسی طرح اس کی گنجائش ہی نہیں کہ مسلمانوں کے بچے ان کے زیرِ نگیں تعلیم حاصل کریں، خصوصاً جبکہ ان برائیوں سے پاک دوسرے اسکول موجود ہوں تو پھر ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرنا اور بھی زیادہ شنیع اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے قریب تر ہے جن میں مشرکانہ افعال کو لازم کردیا گیا ہو یا ان کی ترغیب دی جاتی ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ غیروں سے مدد اور ان کے ماتحت رہنا اور ان سے

استفادہ کرنا یہ اسلام کی شان کے خلاف ہے، اسلئے مسلمانوں کا دینی فریضہ ہوگا کہ اسلامی انتظامیہ اسکولوں کا انتظام کریں اور اس کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور مستقبل میں آنے والی نسلوں کے ایمان و اسلام کی حفاظت کا سامان مہیا کریں۔ واللہ ھوالموفق۔

۱۲- اگر جنسیات کی اس اخلاق سوز تعلیم کو حکومت لازم کردے تو ارباب حل وعقد کو متحد ہوکر حکومت سے بات چیت کرنی چاہئے اور انہیں بتانا چاہئے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے بھی اس کی تعلیم دی ہے؛ لیکن اس کے طریقے، اوقات اور مضامین ایسے ہونے چاہیے کہ کس عمر میں یہ تعلیم دی جائے اور کس طرح دی جائے اور اس موضوع پر ہمارے اکابر کی بہت سی تصانیف موجود ہیں، وہ ان کے سامنے رکھی جائیں، حق یہ کہ جب سے ہم نے ان ارباب حکومت کی آخرت کی فکر سے صاف اپنے دامن کو جھاڑ لیا اور اس کو اپنا دینی فریضہ ماننا تو کیا کہنا بھی چھوڑ دیا تب سے وہ ہمارے دین اور دنیا دونوں کو خراب کرنے پت تُلے ہوئے ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ان کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیمات ہو اور اس کو ٹھکرادے اور اگر ہم سے یہ بھی نہ ہوسکے تو پھر ایسی تعلیم موت ہے، اور ہم اپنی اولاد کو خود کیوں موت کے منہ میں دیدے، علامہ اقبال نے کہا تھا:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت

۱۳- ایک روایت میں ہے: ''**القلب ممل کما تمل الابدان فاطلبوا بها طرائق الحكمة**'' یعنی دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے جیسے بدن تھک جاتے ہیں اس کے تفریح کے لئے حکیمانہ طریقے تلاش کرو (احکام القرآن از مفتی محمد شفیعؒ) اور خود آپ ﷺ اپنی تمام تر رفعت وعظمت اور شان وشوکت کے باوجود اپنے جانثاروں اور نیازمندوں سے مزاح فرمایا کرتے تھے، متعدد روایات میں آپ ﷺ کے مزاحیہ واقعات موجود ہے۔ **من شاء فليراجع**۔ اور مزاح بھی دوسروں کے ساتھ مل کر خوش طبعی کرنے کا نام ہے، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے حاشیہ مشکوۃ میں ذکر کیا ہے: ''**المزاح انبساط مع الغير من غير ايذاء فإن بلغ الإيذاء يكون سخرية**''۔

کنز العمال للمتقی (باب الاقتصاد والرفق فی العمال بلا افراط: ۸۱/۳) میں ایک روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**روّحوا القلوب ساعة فساعة**'' دلوں کو وقتاً فوقتاً خوش کرتے رہا کرو؛ لہذا دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے اسکا انتظام کیا جائے تو جائزہ؛ بلکہ مستحسن ہے۔

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی ماہنامہ دارالعلوم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ میں اپنے ایک مضمون بعنوان'' تفریح اور کھیل کود کے جائز مسائل اور اس کے شرعی ضابطے'' کے ذیل میں چند روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے کبھی کبھی مزاح کی نہ صرف گنجائش ہے؛ بلکہ مستحسن ہے اور اسوہ نبوی کی اتباع ہے؛ لہذا اختلاط اور دیگر مخرب اخلاق چیزوں سے بچتے ہوئے دونوں صنفوں کو ایسے کھیل کھلائے جاسکتے ہیں، جن میں ورزش اور دین یا دنیا کا فائدہ ہو، جیسے نشانہ بازی، سواری، گھوڑ دوڑ کی مشق وغیرہ۔

۱۴- ثقافتی پروگراموں میں تقاریر، مکالمے، ڈرامے اگر بہتر مقاصد کے لئے کئے جائیں تو اس شرط کے جائز ہونگے کہ (۱) اس میں دھوکہ نہ ہو۔ (۲) موسیقی کا استعمال نہ ہو۔ (۳) کسی مومن کی کردار کشی نہ کی گئی ہو۔ (۴) شکلیں نہ بگاڑی جائیں۔ (۵) انہماک زائد از ضرورت نہ ہو۔ (۶) مردوزن کا اختلاط نہ ہو۔ (۷) اصلاحی اور تذکیری مضامین سے بھرپور ہو تو دونوں صنفوں سے یہ کام کرایا جاسکتا ہے۔

اسی طرح سیر وسیاحت بھی شرعی نقطہ نظر سے نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مطلوب، خود قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی ترغیب دی ہے، باری تعالی کا ارشاد ہے: "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المجرمین" (سورۂ نمل: ۶۹) لیکن اس میں بھی حدودِ شرع کا لحاظ ضروری ہوگا (ماخوذ از: ماہنامہ دارالعلوم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ)۔

۱۵- محض تعلیم کی غرض سے جانوروں اور اعضائے انسانی کی کی تصاویر اسی طرح پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے اگر کلاسوں میں مہیا کردیا جائے تو گنجائش ہے؛ لیکن یاد رہے کہ دائرہ شرع میں رہ کر یہ کام کرنا از حد ضروری ہوگا؛ اس لئے اگر ان تصاویر اور مجسموں کے سر اور چہرہ نہ ہو یا مسخ شدہ ہو تو بہت ہی بہتر ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

بعض فقہاء نے نابالغ بچوں کے لئے باتصویر کھلونوں سے کھیلنے کو درست قرار دیا ہے... لیکن شرط یہ ہے کہ بچوں کا وقت ضائع نہ ہو اور ان کے دلوں سے تصویر کی کراہت نہ نکلے (تصویر کے شرعی احکام بحوالہ: ماہنامہ دارالعلوم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ)۔

۱۶- تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر فرد بشر اپنی زندگی صحیح اصولوں کی روشنی میں گزار سکے، اور اگر تعلیم سے یہ مقصد حاصل نہ ہوسکا تو اس سے تو جہل بہتر تھا کہ وقت بھی بچا اور جو کچھ خاندانی اخلاق اور طرز ہائے زندگی تھے وہ بھی باقی رہے، اور ایسے تعلیم کو تو علامہ اقبال نے موت کہا ہے، فرماتے ہیں:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت

لہذا اسکول کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ لڑکیوں کو دیگر علوم کے ساتھ سلائی، کڑھائی، پکوان، امورِ خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت کے اصول وضوابط وغیرہ ضرور سکھائیں اور جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں ان کا یہ ایک دینی فریضہ ہے، انہیں اس کا خوب انتظام کرنا چاہئیں، خود ہمارے اکابر کی تصنیفات اس کے لئے کافی وافی ہیں۔

رہا اس کا کیا درجہ ہے تو وہ بھی دیگر مقاصدِ زندگی کی طرح ایک مقصدِ زندگی ہے، اسلئے دیگر مقاصد کی تعلیم کی طرح اس مقصد کی تعلیم بھی احوال اور مقامات کے اعتبار سے واجب یا مستحب کا درجہ رکھتی ہے؛ چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: عورت کو سب سے پہلے امورِ خانہ داری، حسن انتظام، حسن معاشرت، عبادت واطاعت والی مومناتی صفات سے آراستہ کرنا ہماری اولین ترجیح ہے (عصری علوم مسائل اور حل: ۱۲۹)۔

ایک روایت میں ہے :"أكرموا أولادكم وأحسنوا أدبهم"کہ اپنی اولاد کو عزت دو اوران کو زندگی گزارنے کے بہتر سے بہتر طریقے سکھلاؤ (سنن ابن ماجہ، باب برالولد والاحسان الی البنات: ۱۲۶/۲)۔

نوٹ: یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے؛ لیکن مضمون ضرور قابل تعمیل ہے!

۱۷- "طلب العلم فريضة على كل مسلم "اس ارشاد نبوی کی بنیاد پر فقہاء نے ہر مرد عورت پر دین کا اتنا علم سیکھنا فرض قرار دیا ہے کہ حلال وحرام کی پہنچان ہوجائے اور روز مرہ کے مختلف مسائل معلوم ہوجائیں؛ لہذا ایک ایسا نصاب مقرر ہو کہ اس میں عقائد، مختلف موقعوں کی دعائیں اور ضروری مسائل کو اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ ایک مسلمان اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزارنے کے لائق ہوجائے۔

۱۸- مردوزن کے اختلاط سے جو مفاسد جنم لے رہے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں اور شریعتِ مطہرہ نے اس پر کتنی گہری نگاہ رکھی ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے، جس کا بیان اوپر ہو چکا، اس لئے جنس مخالف ٹیچرس اور معلمین کے تقرر کو ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ہمیں یہ یقین کرنا ہے کہ مریم بنت عمران اور یحیٰ بن زکریا علیہم السلام بھی تنہا جمع ہوتو تیسرا شیطان ہوتا ہے(ذم الهوى لابن الجوزى ،فى ذكر تحريم الخلوة: ۱۴۸/۱)، اور بقول جنید بغدادیؒ اگر پڑھانے والا اللہ کا ولی حسن بصریؒ ہو اور پڑھنے والی رابعہ بصریہؒ ہوں اور یہ دونوں تنہا بیت اللہ میں کلام اللہ پڑھیں تو تیسرا شیطان ہوتا ہے(عصری علوم مسائل اور حل: ۱۲۸)، اس لئے جداگانہ تعلیم کے ساتھ موافقِ جنس ٹیچرس اور معلمین کا تقرر کا بھی واجب اور ضروری ہے؛ اگرچہ تنخواہ زیادہ دینی پڑے؛ چونکہ یہ بھی ایک دینی فرض ہے۔

۱۹- جلب منفعت اور دفعِ مضرت کی رو سے یہ صورت جائز ہے۔ جیسا کہ شامی میں ہے:"ثم الرشوة اربعة اقسام :...الثالث :أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أوجلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط"(شامی: ۳۵/۸)۔

☆☆☆

مطلوبہ معیار کے مطابق عصری تعلیم

مولانا محمد ظفر عالم ندوی☆

۱-اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم:

سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" (حدیث نمبر: ۲۲۴) ہر مسلمان پر علم کا طلب کرنا فرض ہے، اس حدیث میں جس بات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت پر اتنا دینی علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے ایمان کی بنیاد، توحید ورسالت اور عقائد کی اصلاح ہو سکے، اسی طرح اعمال یعنی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ درست ہو جائیں اور معاملات، معاشرت اور اخلاق درست ہو جائیں۔

عصری تعلیم جیسے طب، کمپیوٹر، سائنس اور دیگر علوم جن کا تعلق زندگی کے وسائل سے ہے، ان کا حاصل کرنا مباح ہے، اسلام ان علوم کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کے نزدیک ان علوم کا حصول دینی مقاصد کی خاطر کار خیر و باعث ثواب ہے۔

لیکن اس دور میں جبکہ عمومی طور پر لوگوں کا رجحان عصری علوم کے حصول کی طرف ہے، اور علوم دینیہ سے بعد اور عصری علوم سے قربت دور حاضر کا امتیاز بنتا جا رہا ہے، عصری علوم کے بعض ادارے جن کے منتظمین جدت پسند مسلم وغیر مسلم ہوتے ہیں، ان کے مفاسد ہماری نظروں کے سامنے ہیں، جہاں عقائد کی اصلاح کے بجائے عقائد کے بگڑنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور عموماً اس کے اثرات بھی دیکھے جاتے ہیں، لہٰذا موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے اگر ایسے اسکول قائم نہیں کئے گئے جن میں اسلامی ماحول اور بنیادی ضروری شرعی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں تو بہت ممکن ہے کہ مسلمان طلبہ وطالبات عصری اور مادی تعلیمی اداروں کی راہ لے کر عقائد کی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں، تو ایسی صورت میں ایسے تعلیمی ادارے اور اسکول قائم کرنا جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ شرعی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں تاکہ طلبہ ایسے اسکول اور کالجز سے دور رہیں جہاں ان کے ایمان واسلام کو گزند پہنچتی ہے مسلمانوں کے لئے واجب ولازم ہے اور جہاں ایسی صورت حال نہ ہو وہاں ایسا کرنا مستحب ہوگا۔

۲-نصاب تعلیم میں دین واخلاق میں بگاڑ پیدا کرنے والی کتابوں کو داخل کرنا:

انسان کی تعلیمی اور فکری زندگی میں تین چیزوں کا سب سے اہم رول ہوتا ہے، ۱: استاد، ۲: نظام تعلیم، ۳: نصاب تعلیم۔

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

مسلمانوں کے لئے تعلیمی وتربیتی ادارے قائم کرنے میں ان تینوں عناصر میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہ ہو جس سے بچوں کی تعلیم وفکر میں دین سے انحراف، نفرت وبیزاری اور اخلاق حسنہ سے دوری کا عنصر پیدا ہو جائے، بلکہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ مورل ایجوکیشن کے نام سے اپنے نظام تعلیم میں دین کے بنیادی عقائد ونظریات اور اسلامی اخلاق وعبادات کا بنیادی حصہ آجائے اور نصاب تعلیم میں ایسی کتابوں کو داخل نہ کریں جن سے دین واخلاق میں بگاڑ پیدا ہو۔

ہمارے ملک ہندوستان کے اکثر اسکولوں میں دو نصابوں میں سے کسی ایک نصاب کے تحت تعلیم دی جاتی ہے CBSE اور ICSE جس کے نصاب متعین ہیں، لیکن اگر کوئی پرائیویٹ اسکول جو ان دو نصابوں میں سے کسی ایک کو فالو کرتا ہو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ابتدا تا آخر مکمل نصاب تعلیم کی پابندی کرے، بلکہ مڈل تک اسے اپنا نصاب متعین کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اس قانون کے تحت مسلمانوں پر ضروری ہوگا کہ نصاب کے مضامین (Chapters) میں سے جو مخالف اسلام افکار ونظریات کی تعلیم وترویج پر مشتمل ہوں ان کو اپنے نصاب میں عملاً شامل نہ کریں، اور مسلم انتظامیہ کے لئے ایسا کرنا ممکن ہے، مشکل نہیں، جیسا کہ دیگر ادیان ومذاہب سے تعلق رکھنے والے انتظامیہ کے لوگ اپنے اپنے مذہب وتمدن کی ترویج واحیاء کے لئے کرتے ہیں اور اگر خدانخواستہ حکومت کی طرف سے RTE قانون کی پابندی کی بناء پر بدرجۂ مجبوری ان مضامین اور Chapters کے پڑھانے کی نوبت آئے تو مسلم انتظامیہ کو چاہئے کہ ایسے اسلام پسند اور دینی معلومات رکھنے والے اساتذہ کا انتخاب کریں جو دوران تعلیم اسلام مخالف نظریات کی تردید کرکے بچوں کو ان مفسد اور مخرب اخلاق ودین عناصر سے محفوظ رکھیں، اس طرح نصاب کی خرابی کو اساتذہ کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے، اساتذہ کے علاوہ ایسے حالات میں والدین پر بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے دین واخلاق کی فکر کریں، اس کے لئے درج ذیل امور کو اپنانا لازم ہے۔

۱۔ اسکول کے اوقات کے علاوہ صبح وشام ان کی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا۔

۲۔ ان کا تعلق کسی عالم دین سے قائم کرنا جس سے ان کی عملی تربیت ہو سکے۔

۳۔ والدین کا اپنے طور پر بھی اس پہلو پر نگرانی رکھنا۔

۴۔ بچوں کی آمد ورفت، دلچسپیاں، دوستوں کے حالات اور ان کی اخلاقی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنا وغیرہ۔

۳-مشرکانہ وملحدانہ تعلیمی نظام:

انسان کے لئے تعلیم وتربیت ایک ضروری چیز ہے، بلکہ اس کی حیثیت آب حیات کی ہے، جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، لیکن سرکاری یا غیر سرکاری اسکولوں کا نظام ایسا ہو کہ بچوں کے عقائد خراب ہو رہے ہوں بلکہ مشرکانہ اور ملحدانہ ذہن بنتا ہو تو مسلمانوں کے لئے ان اسکولوں سے بچوں کو الگ رکھنا ضروری ہوگا، اور اپنے طور پر تعلیم وتربیت کا نظام بنانا لازم ہوگا اور جب تک یہ نظام نہ بن سکے تو جواب نمبر ۲ میں جو والدین کی ذمہ داریاں درج کی گئی ہیں ان کو اختیار کرنا لازم ہوگا۔

۴-مخلوط نظام تعلیم:

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین بیزاری اور دینی بے راہ روی سے متاثر ہونے کی بنا پر مخلوط تعلیم کا نظام دنیا میں رائج ہوا ہے، جس کی اسلام میں کسی طرح گنجائش نہیں ہے، لیکن اگر وسائل کی قلت ہو، اساتذہ اور عملہ کی تعداد کم ہو تو بدرجۂ مجبوری مخلوط تعلیم کا نظام اسی وقت تک کے لئے رکھا جا سکتا ہے جب تک قلت وسائل کی دشواری ہو، اور جب یہ دشواری دور ہو جائے تو پھر مخلوط تعلیم کا نظام جائز نہیں ہوگا، لیکن وقتی مخلوط نظام تعلیم میں بھی درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ مخالف جنس کی تعلیم میں پردہ کا اہتمام کرنا واجب ہے، یعنی اگر مرد اساتذہ لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں تو پردہ کے بغیر پڑھانا درست نہیں ہوگا، اسی طرح اگر عورت ٹیچر لڑکوں کو پڑھاتی ہیں تو تب بھی بغیر پردہ کے پڑھانا درست نہیں ہوگا۔

۲۔ چھوٹے بچے یا بچیاں جو دس سال کی عمر سے کم ہوں یا جن میں ہیجانی جذبات نہ پائے جاتے ہوں ایک ہی کلاس روم میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کی نشستیں جدا جدا ہوں اور قضائے حاجت کے مقامات بھی الگ ہوں۔

۳۔ جب طلبہ وطالبات کی عمر دس سال سے متجاوز ہو جائے یا ہیجانی جذبات کے پائے جانے کا امکان ہو تو درجہ الگ رکھنا ضروری ہوگا۔

۵-جداگانہ تعلیمی نظام:

سوال بالا میں دیئے گئے جداگانہ نظام تعلیم کی صورت میں بعض شکلیں واجب کا درجہ رکھتی ہیں، اور بعض مستحب کا۔

۱۔ آمد و رفت کے راستے، دخول وخروج کے طریقے، قضائے حاجت کے مقامات اور طلبہ وطالبات کی نشستوں کا جدجدا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ البتہ سوال بالا میں پیش کی گئی پہلی صورت جداگانہ نظام تعلیم کی سب سے بہتر شکل ہے، جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، مذکورہ شرائط کے ساتھ دوسری صورت بھی درست اور جائز ہے، مگر جہاں تک تیسری صورت کی بات ہے تو وہ اسی وقت درست ہے جب طلبہ وطالبات کے درمیان مستقل یا عارضی دیواریں ہوں یا طلبہ کی نشست طالبات کی نشست سے اتنی آگے ہو کہ بآسانی بات چیت اور سلام وکلام مشکل ہو، اور آمد و رفت کے راستے بھی الگ ہوں تاہم یہ صورت قباحت اور کراہت سے خالی نہیں۔

۶-بچوں کی تاریخ پیدائش سے متعلق جھوٹا حلف نامہ:

جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا شرع اسلامی میں ناجائز ہے، قرآن کریم میں ہے ”والذین لایشھدون الزور“ اورحدیث شریف میں ہے: ”ألاأحدثکم باکبرالکبائر، قالوا بلی یا رسول اللّٰہ، قال الاشراک باللّٰہ وعقوق الوالدین، وجلس وکان متکئنا وقال قول الزور أوشھادۃ الزور“ (ترمذی، ج۲، باب البروالصلۃ)۔

تاریخ پیدائش جان بوجھ کر غلط اندراج کرانا اس نیت سے کہ اس کی عمر کم شمار ہو اور مطلوبہ درج میں داخلہ آسان ہونا جائز

اور حرام ہے۔

کسی اسکول کا اس طرح کی شرط لگانا اور اس کے برخلاف داخلہ سے محروم کر دینا یہ کوئی ایسی شرط نہیں ہے جس کو عذر شرعی پر محمول کیا جائے، کیونکہ اسکول میں تعلیم حاصل کرنا مباح ہے جبکہ جھوٹ سے بچنا واجب وضروری ہے۔

۷-یونیفارم اور لباس کا مسئلہ:

اسکول یا ادارے اگر مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو یونیفارم مقرر کرتے ہوئے درج ذیل اصولوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا:

۱۔لڑکوں کو لڑکیوں کے لباس جب کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے لباس استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ دونوں کے لئے ساتر اور شرعی حدود کی رعایت پر مبنی لباس ہو، یعنی بے پردہ، ہیجان انگیز اور بے حیائی کا لباس نہ ہو۔

۲۔طلبہ وطالبات کے یونیفارم میں کسی مخصوص جماعت یا قوم کی مشابہت اختیار نہ کی جائے۔

۳۔لڑکوں کے لباس خالص سرخ اور پیلے نہ ہوں۔

لیکن اسکول جب غیر مسلموں کے انتظام میں ہو اور وہاں غیر شرعی لباس پہننا ضروری قرار دیا جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے علاوہ اسکول موجود ہیں یا نہیں؟ اگر اس کے علاوہ کوئی ایسا اسکول موجود ہو جس میں مذکورہ مفاسد نہ ہوں تو اس اسکول میں جس میں خلاف شریعت یونیفارم مقرر ہو طلبہ کو داخل کرنا ممنوع ہوگا۔

لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو ایسے اسکولوں میں لڑکوں کو داخل کرنے کی اسی وقت گنجائش ہوگی جب کہ والدین اپنے بچوں کو عفت وعصمت کی تعلیم دیں اور اسکول کے علاوہ اوقات میں پردہ کا اہتمام کرائیں تاکہ اسکول کے نظام کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں، تاہم ایسے اسکولوں اور کالجوں میں نوجوان لڑکیوں کے ئے جہاں پردہ پر پابندی ہو داخلہ کرانا جائز نہ ہوگا، اور بے راہ رو تعلیم پر عصمت وعفت کو مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ یہ ضرر اخف نہیں ہے جسے برداشت کیا جا سکے، ایسا تعلیمی نظام جس میں دینی واخلاقی بگاڑ کے علاوہ عصمت وعفت بھی محفوظ نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے وہاں بچوں اور بچیوں کو بھیجنا ہرگز جائز نہیں ہوگا، بلکہ تعلیم کے متبادل نظام قائم کرنے کی جدوجہد لازم ہوگی۔

۸-اسکول کو نفع بخش تجارت بنانا:

تعلیم وتعلم ایک اعلیٰ اخلاقی دینی خدمت ہے، مسلمان ہوں یا غیر مسلم انہیں تعلیم وتعلم کو تجارت اور پیشہ وارانہ چیز نہیں بنانا چاہئے، کیونکہ یہ عام اخلاقی قدروں کے بھی خلاف ہے، اسلام میں تعلیم کا ایسا نظام جو تجارت اور زراندوزی کا ذریعہ ہو پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ قابل مذمت ہے، لیکن اگر کوئی مسلم یا غیر مسلم انتظامیہ اسکول میں داخلہ کے وقت مختلف قسم کی فیس مقرر کرے، اور بچوں کو داخلہ کرانے والے سرپرست ان فیسوں کو قبول کرتے ہوئے داخلہ کرا دیں تو ایسی صورت میں یہ ایک قسم کا معاہدہ ہے جو شرع کی

نظر میں اجارہ کا معاملہ ہے۔کیونکہ انتظامیہ بچوں کے گارجین سے فیس کے نام پر اجرت لے کر بچوں کو تعلیم دیتی ہے،اس لئے معاہدہ کے مطابق دونوں کے لئے پابندی ضروری ہے،تاہم بیجا فیس لاگو کرنا اور گارجین کو طرح طرح کی فیس ادا کرنے پر مجبور کرنا غیر اخلاقی طریقہ ہے،اس سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی ایک تحریر بہت ہی رہنمائی کرنے والی ہے،موصوف کی یہ تحریر میں اس جواب میں درج کر رہا ہوں،تاکہ حکم شرعی پوری طرح واضح ہوسکے،آپ فرماتے ہیں:

''اسکول والے جو تعلیمی فیس لیتے ہیں وہ پڑھانے کی اجرت ہے،گویا فقہ کی اصطلاح میں اجارہ کا معاملہ ہے،جس کی ایک فریق اسکول کی انتظامیہ ہوتی ہے اور ایک فریق تعلیم حاصل کرنے والے بچے یا تعلیم دلانے والے سرپرست ہوتے ہیں،اجارہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دونوں فریق کے درمیان جو معاملے طے پائے،اس کے مطابق اس کی پابندی کرنا فریقین پر ضروری ہے، لہٰذا جب اسکول کی انتظامیہ نے شروع ہی میں بتادیا کہ ماہ مئی کی فیس اور ٹرم فیس بھی دینی ہوگی تو یہ سب مقررہ اجرت کا حصہ ہے،لہٰذا اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا،یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسکول کی انتظامیہ ٹیچرس کو مئی کی تنخواہ ادا کرتی ہے،اور اگر اسکول کرایہ کی عمارت میں ہو تو اس ماہ کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے،البتہ مسلم انتظامیہ کو بحیثیت مجموعی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ تعلیم بنیادی طور پر ایک خدمت ہے نہ کہ تجارت''۔

جہاں تک مسئلہ ہے اسکول انتظامیہ کا مختلف ناموں سے فیس لے کر تعمیر، تزئین کاری اور دیگر وسائل تفریح کے خرید کر اسکول میں لگانے کا بلاشبہ یہ عنوان دھوکہ پر مبنی ہے، جو درست نہیں ہے،اور اس کی اصلاح کی ضرورت ہے،اسکول انتظامیہ کو چاہئے کہ جن مصارف میں وہ پیسے خرچ کریں انہی مصارف کا عنوان دے کر فیس وصول کریں، اگر یہ بچے ادا کردہ فیسوں سے حاصل شدہ اشیاء سے وقتی طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں تو ان کا یہ فائدہ اٹھالینا کافی ہے اور ان اشیاء سے بعد کے آنے والے طلبہ کا استفادہ کرنا درست ہے،اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

۹-کیا غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہے؟

داخلہ کے وقت اگر معاہدہ ہوجائے جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اسکول انتظامیہ کو اساتذہ کی تنخواہ ہر ماہ دینی پڑتی ہے، اسی طرح ٹرانسپورٹ کا نظام رکھنا پڑتا ہے،بعض بچے غائب ہوں اور ٹرانسپورٹ سے مستفید نہ ہوں، بہر حال اسکول انتظامیہ کو یہ اخراجات کرنے پڑتے ہیں،اس لئے معاہدہ کے تحت غیر حاضر ایام کی فیس اور ٹرانسپورٹ کا خرچ لینا درست ہوگا۔

۱۰- اگر یہ بچے مسلمان ہیں اور غریب و نادار ہیں تو ان پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔

۱۱-ایسے سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں بچوں کا داخلہ جہاں بچوں کو مشرکانہ عمل پر مجبور کیا جائے:

ا۔ایسے سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں جہاں بچوں کو مشرکانہ عمل پر مجبور کیا جائے مسلمان گارجین کے لئے وہاں بچوں کا

داخلہ کرانا جائزنہیں ہے، بلکہ اس طرح کے اسکولوں اور تعلیمی اداروں سے بچوں کو الگ تھلگ رکھنا لازم ہوگا۔

۲۔جن اسکولوں میں اختیاری طور پر مشرکانہ عمل کی ترغیب دی جاتی ہو ان میں بھی مسلمان بچوں کو داخل کرانا مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے۔

۳۔ایسی صورت میں مسلمانوں پر متبادل ادارہ قائم کرنا ضروری ہے، اوراس کے لئے مخلصانہ عمل اور جدوجہد لازم ہے، تاکہ مسلمان بچوں کو شرک اوراس کے جملہ اقسام سے محفوظ رکھا جاسکے۔

۴-اس کا بھی وہی حکم ہے جو سابق میں بیان کیا گیا یعنی ممنوع ہے۔

۵-مسلم انتظامیہ کے لئے ہرگز جائزنہیں ہے کہ وہ مشرکانہ عمل کا اپنے اسکول میں انتظام کریں،خواہ غیر مسلم بچوں کے لئے ہی کیوں نہ ہو، بلکہ مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی شک وکفر اور ملحدانہ افکار ونظریات سے بچانے کی بھرپور حتی الوسع جدوجہد کریں،اور دعوۃ الی اللہ کا فریضہ ہرحال میں انجام دیں نہ کہ مشرکانہ تعلیم کا انتظام کریں۔

۱۲-اسکولوں میں جنسیات کی تعلیم:

سیکس کی جس تعلیم کا دنیا میں رجحان پیدا ہوا ہے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ درست نہیں ہے،مسلمانوں پر یہ دینی فریضہ ہے کہ اس بے راہ روتمدن وثقافت کی دنیا میں اسلامی صحیح تعلیم اور بلوغ سے متعلق احکام شرعی سے واقف کرانے کی جدوجہد کریں، دینی مدارس کے نصاب میں جنسیات سے متعلق جوضروری احکام پڑھائے اور بتائے جاتے ہیں مسلمانوں کو انہی احکام کو عصری تعلیمی اداروں میں رائج کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے؟ کیا بعید کہ موجودہ دنیات کو بات سمجھ میں آجائے اوراخلاقی تعلیم کے زمرہ میں اسلام کے بیان کردہ بلوغ سے متعلق احکام کو وہ اپنے نظام تعلیم میں شامل کرلیں۔

۱۳-عصری اسکولوں میں تفریحی،طبی سرگرمیوں میں طلبہ وطالبات کا اختلاط:

ظاہر بات ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط ہرگز جائزنہیں، بالخصوص تفریحی اور تاریخی مقامات کی سیر میں اختلاط اورزیادہ مضر ہے،اس لئے ان کو اس طرح کے اختلاط سے بچانا نہایت ضروری ہے۔

۱۴- وہ ثقافتی پروگرام جوغیراخلاقی اورغیراسلامی ہوں وہ جائزنہیں ہیں، اور جوغیراسلامی اورغیراخلاقی نہ ہوں اورغیرشرعی امور نہ پائے جائیں تو ایسے پروگراموں کی گنجائش ہوگی۔

۱۵-نصابی کتابوں میں تصاویر شائع کرنا:

مجسموں کے ذریعہ جانوروں یا مخلوق خدا سے واقفیت کرانے میں مدد لی جائے تو محض واقفیت کرانے کی حدتک اس کی گنجائش ہوگی،لیکن یہ طریقۂ تعلیم بہترنہیں ہے، کہ اس سے مجسموں کی اہمیت کہیں نونہالوں کے دل ودماغ میں رچ بس نہ جائے،اس لئے اس سے گریز ہی بہتر ہے،اور یہی حکم ڈیجیٹل تصویروں کا بھی ہوگا۔

۱۶-اسکولوں میں امور خانہ داری سے متعلق تعلیم:

امور خانہ داری، سلائی، کڑھائی اور ایسی حرفت جو بچیوں کے لئے آگے کی زندگی میں مفید ہوں اس کی تعلیم و تربیت اور تمرین کا انتظام کرنا مسلم انتظامیہ کے لئے بہتر ہے۔

۱۷- ماہرین تعلیم کے مشورے سے بچوں کی ذہنی سطح اور عمر کے لحاظ سے بنیادی عقائد، طہارت واجبات، عبادات اور والدین اور بڑوں کے حقوق وغیرہ سے متعلق تعلیم مرحلہ وار دی جاسکتی ہے، بلکہ اس کا انتظام کرنا عصری تعلیم کے ساتھ مفید اور ایک حد تک ضروری ہے۔

۱۸-جنس مخالف اساتذہ کا تقرر:

بدرجۂ مجبوری مرد یا Ladies ٹیچروں کا تقرر جائز ہے لیکن تعلیم کے لئے پردہ کا اہتمام ضروری ہے، جیسا کہ جواب نمبر ۴ میں اوپر گزر چکا ہے۔

۱۹-اسکولوں کو بچانے کے لئے رشوت دینا:

وہ اسکول جو اسلامی افکار و خیالات کے مطابق قائم ہوتے ہیں اور عصری تعلیم کے ساتھ دینی اور اخلاقی تعلیم کا بھی اہتمام ہے ان اسکولوں کو بچانے کے لئے اگر افسران کو رقم دینی پڑے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی، کیونکہ یہ مال اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے ہے، نہ کہ دوسروں کے حقوق و مفادات حاصل کرنے کے لئے ہے، رشوت وہ رقم کہلاتی ہے جو حق کو ناحق یا ناحق کو حق بنانے کے لئے دی جائے، لہٰذا اسکول کے تحفظ کے لئے افسران کو مجبوراً رقم دینے کی گنجائش ہے اور فقہاء کے یہاں ایسی تصریحات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر اگر مال دینا پڑے تو دینے کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیم اور اسلامی احکام واقدار

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی☆

۱- اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار کے مطابق عصری علوم کے ادارے قائم کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، کیونکہ علم حاصل کرنا مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، اور فرض کی ادائیگی کے لئے جو چیز لازم ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوجاتی ہے، جیسے نماز کے لئے وضو اور وضو کے لئے پانی کی تلاش کرنا۔ امام غزالیؒ نے طب کی تعلیم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اس کا اہتمام نہ کرے گا تو سارے مسلمان گنہگار ہوں گے، کیونکہ اس تعلیم سے انسانی جانوں کی حفاظت ہوتی ہے، اور حفظ جان اسلامی شریعت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، اگر مسلمان اپنے بچوں کے لئے معیاری تعلیمی ادارے اپنی تہذیبی اور مذہبی شناخت کے ساتھ قائم نہ کریں گے تو دین ودنیا کی سعادت سے محروم ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے حکمت ودانائی کی بات کو مومن کی متاع گمشدہ قرار دیا ہے، ''**الحکمة ضالة المومن**'' (ترمذی، ابواب العلم)، لہٰذا اسے حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔

۲- جو مضامین شرک والحاد پر مبنی ہوں یا اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہوں ان کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ اداروں میں ایسے مضامین کو داخل نصاب نہ کریں جو عقیدہ اسلامی کے خلاف ہوں، اگر ریاستی یا مرکزی حکومت ایسے مضامین کو اسکولوں میں تعلیم کے لئے لازم کرے تو مسلمانوں کو اس کے خلاف عدالت عظمی سے رجوع کرنا چاہئے، اور چھوٹ طلب کرنی چاہئے، کیونکہ دستور ہند میں ہر مذہبی گروہ کو اس کے مذہب کے مطابق ادارے کھولنے اور چلانے کی ضمانت دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے:

''**لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق**'' (بخاری، کتاب الاحکام) (کسی انسان، فرد یا جماعت کی فرمانبرداری اللہ کی معصیت کا ارتکاب کرنے کے لئے نہیں کی جاسکتی)۔

کم تر درجہ یہ ہے کہ ایسے مضمون کو پڑھاتے ہوئے اسکول انتظامیہ اور استاذ بچوں پر واضح کردے کہ یہ مشرکانہ نظریہ ہے اور اسلام کا حکم اس کے مقابلہ میں یہ ہے، اس کے لئے اساتذہ کی تربیت کا پروگرام ہر مسلم اسکول کو کرنا چاہئے اور اسلامی احکام واقدار سے واقف کرانا چاہئے۔

☆ شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۳- جس مسلم آبادی میں مسلمانوں کے پاس اپنے اسکول نہیں ہیں، وہاں اہل خیر کے تعاون سے اسکول کھولنے کی کوشش کرنی چاہئے، بصورت دیگر حکومت سے اسکول کھولنے کی درخواست کرنی چاہئے، کیونکہ شہریوں کو تعلیم دینا حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے، اور حصول تعلیم ہر شہری کا بنیادی حق ہے، ان اسکولوں کی عدم موجودگی میں مسلمان اپنے بچوں کو غیر مسلموں کے قائم کردہ اسکولوں میں بھیج سکتے ہیں، اور ان کے تعلیمی پروگرام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے بعد مکہ کے مشرک قیدیوں کو یہ حکم فرمایا تھا کہ جو قیدی دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے گا اسے بغیر فدیہ کے آزاد کردیا جائے گا (مسند احمد، بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلیم حاصل کرنا بھی سنت رسول اللہ ﷺ ہے، ظاہر ہے کہ غیر مسلم حضرات وہی تعلیم دیں گے جو ان کے پاس ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کی دینی اور اخلاقی تعلیم کا اپنے گھر پر انتظام کریں یا اپنے محلّہ کی مساجد میں کریں، یا صباحی یا شبینہ مدارس کا انتظام کریں، جس طرح کیرالہ کے مسلمانوں نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام اسکول جانے سے پہلے صبح کے وقت کر رکھا ہے، اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کے بچوں میں تعلیم کے ساتھ شرک و الحاد داخل ہوگا اور اس کے لئے والدین گنہگار ہوں گے۔

۴، ۵- مغربی درسگاہوں میں لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم ایک جگہ اور ایک ساتھ ہوتی ہے، اس کی نقالی میں مسلم اداروں میں بھی مخلوط تعلیم رائج ہوگئی ہے، بعض اداروں میں اساتذہ کلاس روم اور تعلیمی وسائل کی کمی کے باعث مخلوط تعلیم گوارا کی جاتی ہے، چھوٹے بچے اور بچیوں کی یکجا تعلیم کی توگنجائش ہے، کیونکہ جب تک بچے اور بچیوں میں جنسی شعور بیدار نہیں ہوتا مخلوط تعلیم کے مفاسد کم ہوتے ہیں، جس کے لئے قرآن کریم نے "**لم یبلغوا الحلم**" (سورۂ نور: ۵۸) کی معنی خیز اصطلاح استعمال کی ہے، لیکن جب بچے اور بچیوں میں جنسی شعور بیدار ہوجائے اور بلوغت کے آثار نمایاں ہوں تو مخلوط تعلیم مضر ہوجاتی ہے اور اخلاق وعصمت پر منفی اثرات ڈالتی ہے، اس لئے ابتدائی تعلیم تو مخلوط ہوسکتی ہے مگر ثانوی اور اعلی تعلیم کا انتظام لڑکے اور لڑکیوں کے لئے جداگانہ ہونا چاہئے، مخلوط تعلیم کے اخلاقی نقصانات آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہوگا کہ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے جداگانہ عمارت ہو۔

اگر مالی وسائل کی کمی یا دیگر معقول رکاوٹوں کے باعث مشکل ہو تو کم تر شکل یہ ہے کہ کلاس روم جداگانہ ہوں، طہارت خانہ، نشست گاہ اور کینٹین علیحدہ ہوں، آخری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ طالبات کی نشست پیچھے ہو، اور طلباء وطالبات کے درمیان حجاب یا فاصلہ ہو، اور آمد ورفت کے راستے الگ ہوں، کلاس ختم ہونے پر طلبہ وطالبات کی آمد ورفت کی نگرانی زیادہ ضروری ہے۔

مسلمان بچے اور بچیوں کی مخلوط تعلیم ہی مضر نہیں ہے، بلکہ ایسا ماحول بھی مضر ہے جس میں کلاس تو الگ ہو مگر باقی نشست و برخواست اور علمی وثقافتی سرگرمیاں ایک ساتھ ہوں، ایسے ماحول میں طالبات کے لئے اسلامی حجاب ان کے لئے تحفظ کا بڑا ذریعہ ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسلامی حجاب کی رعایت کریں۔

۶- عصری تعلیمی نظام میں اسکولوں میں داخلے کے لئے بچے اور بچیوں کی عمر کلاس کے لحاظ سے متعین کی جاتی ہے، مثلاً نرسری کلاس میں ۳ سے ۴ سال کی عمر وغیرہ، جو والدین ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو پڑھانا چاہتے ہیں ان کو اس ضابطہ کا لحاظ کرنا چاہئے ورنہ ان کو یہ اختیار ہے کہ اپنا متبادل انتظام کریں، محض داخلہ لینے کے لئے جھوٹ بولنا اور جھوٹی عمر لکھوانا درست نہیں ہے اور جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا بڑا گناہ ہے، جس بچہ کی عمر غلط لکھوائی گئی ہے اس کی اصلاح جب بھی ممکن ہو کرائی جائے، جھوٹی عمر لکھوانا بہت سے معاملات میں دوسرے لوگوں کی حق تلفی کا موجب ہے اور معاشرتی نظام میں دھوکہ دہی کا ذریعہ ہے، اس سے احتراز کرنا لازم ہے، رسول اللہ ﷺ نے "شهادة الزور" کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے (بخاری و مسلم)۔

۷- اسکولوں کا ایک اپنا یونیفارم ہوتا ہے جو اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے تمام بچوں اور بچیوں کے لئے لازم ہوتا ہے، مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں یونیفارم ایسا ہونا چاہئے جو اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی تہذیبی روایات سے ہم آہنگ ہو، غیر ساتر لباس کو ترک کرنا چاہئے محض مغربی تعلیم گاہوں کی نقالی میں ناشائستہ لباس نہیں اپنانا چاہئے، خاص طور پر بچیوں کو منی اسکرٹ پہنانا گناہ ہے، کیونکہ یہ ستر عورت کے منافی ہے، بچوں کو ٹائی لگانا مطلوب نہیں ہے، مگر ناجائز بھی نہیں ہے، مطلوب تعلیم کا حصول ہے، اجنبی تہذیب کو تعلیم کے نام پر مسلمان بچوں پر تھوپنا درست نہیں ہے، یہ احساس کمتری کی علامت ہے۔

غیر مسلم اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچے اور بچیوں کے لئے مشکلات زیادہ ہیں، اس لئے مسلم والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسکول انتظامیہ سے مل کر اپنی تہذیبی مشکلات کا حوالہ دے کر استثناء کی درخواست دیں اور رعایت طلب کریں۔ دستور ہند میں تہذیب و ثقافت کی جو رعایت کی گئی ہے اس کا فائدہ اٹھانا چاہئے اور تعلیم کے نام پر بے تہذیبی سے دور رہنے کی سعی کرنی چاہئے، والدین کی ذمہ داریاں اسکولوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے ان کو حساس ہونا چاہئے۔

۸- اسکولوں میں جو فیس مختلف عنوان سے بچوں سے لی جاتی ہے وہ ملک کے تعلیمی نظام کا حصہ ہے، فیس کے بغیر غیر امدادی اسکول کا چلانا بہت مشکل ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ تعلیم اب صنعت گاہ میں تبدیل ہو چکی ہے اور تعلیم اتنی مہنگی ہو چکی ہے کہ غریب لوگوں کا اپنے بچوں کو اچھے اسکول میں تعلیم دلانا مشکل تر ہو گیا ہے، فیس مناسب ہونی چاہئے، اور تعلیم کے نام پر عوام کا مالی استحصال نہیں ہونا چاہئے، اسلام ایک عادلانہ نظام کی بات کرتا ہے، جس میں ہر فریق کے ساتھ عدل کا معاملہ ہو۔

حکومت مدرس کی تنخواہوں کا ایک معیار مقرر کرتی ہے، اس کو ادا کرنے کے لئے اسکول میں فیس کا نظام بنایا جاتا ہے، اگر کسی اسکول کے بارے میں عوامی تاثر یہ ہو کہ یہاں فیس منصفانہ نہیں ہے تو حکومت کے محکمہ تعلیم سے یا عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں غریب بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام ہونا چاہئے اور خدمت خلق کے جذبہ سے معاشرہ کے کمزور افراد کی تعلیمی ضرورت کی تکمیل میں معاون بننا چاہئے، اس کے لئے مالدار والدین سے بھی تعاون لے کر نادار بچوں کی تعلیمی کفالت کرنی چاہئے، عیسائی مشینری کے اسکولوں میں یہ کام ہوتا ہے، مگر مسلمان جو خیر امت کہلاتے ہیں اس سلسلہ میں غفلت کے شکار

ہیں، اگر مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں غریب بچوں کی تعلیم کا اسی طرح انتظام کیا جائے گا تو ملک کی ترقی میں ان کا نام ہوگا اور اللہ کی رحمت ان کے شامل حال ہوگی۔

۹- غیر حاضر طلباء سے فیس لینا اس وقت درست ہے، جبکہ اسکول انتظامیہ نے اپنے قواعد وضوابط میں اس کی وضاحت کردی ہو، اسکول کے قواعد کی پابندی کرنا بچوں کے لئے ضروری ہے ورنہ نظم شکنی کے باعث اسکول کا ماحول خراب ہوگا اور معیار گرے گا، البتہ کسی قاعدہ وضابطہ کا اعلان کئے بغیر من مانے طریقہ سے ایسی فیس لینا جس کی مد سے طلباء نے استفادہ نہ کیا ہو درست نہ ہوگا۔

۱۰- جو طلبا غریب اور نادار ہیں اور اسکول کی فیس ادا نہیں کر سکتے اور مستحقین زکوۃ میں آتے ہیں ان کی تعلیم کے لئے زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ اسلام نے ان کو زکوۃ جیسا پاکیزہ نظام خود کفالت کا دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ زکوۃ کے اجتماعی نظام کے نہ ہونے کے باعث یہ ادارہ غیر مؤثر ہوگیا ہے، ہر شہر میں خوشحال اور دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے جو زکوۃ کا اجتماعی نظام قائم کرے اور شریعت کی رہنمائی میں مسلمان بچوں کی تعلیمی کفالت کرے، ایسا کرنا نہ صرف زکوۃ کا بہترین استعمال ہوگا بلکہ مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی حالت میں بھی نمایاں ترقی ہوگی۔

۱۱- جن اسکولوں میں سوریہ نمسکار کرایا جاتا ہے، وندے ماترم اور دوسرے مشرکانہ کلمات بچوں سے جبرا کہلوائے جاتے ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہاں اپنے بچوں کو داخلہ نہ دلائیں اور دوسرے اسکولوں کا انتخاب کریں جہاں یہ سب نہیں ہوتا۔

جمہوری ملک میں تعلیم کے نام پر شرک کی تعلیم دینا دستور ہند کی خلاف ورزی ہے، اس لئے عدالت عظمی سے بھی رجوع کرنا چاہئے، جن اسکولوں میں مسلمان بچے داخل ہیں ان کو مشرکانہ کلمات ادا نہیں کرنا چاہئے، والدین اسکول انتظامیہ سے مل کر اپنے بچوں کے مذہبی عقائد کا خیال رکھنے کی گزارش کریں اور اجتماعی طور پر جدوجہد کریں۔

جن اسکولوں میں اختیاری طور پر مشرکانہ کلمات کہلائے جاتے ہیں، وہاں مسلمان بچوں کو داخلہ لینے کی اجازت ہے، مگر والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان مشرکانہ کلمات، اعمال اور ماحول سے آگاہ اور ہوشیار کریں، اگر متبادل اسکول موجود ہو جہاں یہ مشرکانہ ماحول نہ ہو تو اسے ترجیح دینی چاہئے، کیونکہ شرک صرف گناہ نہیں ہے، بلکہ ظلم عظیم ہے، اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا، "إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك من يشاء" (سورۂ نساء:۱۱۶)۔

اگر ابتدائی عمر میں بچوں کے ذہن میں شرک اور بتوں کی عظمت سرایت کرگئی تو زندگی بھر اس کے زہریلے اثرات فکر وخیال پر مسلط رہیں گے اور مسلمان حسرت سے کہیں گے۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں مشرکانہ کلمات بچوں سے کہلانا جائز نہیں ہے، اگر حکومت کی طرف سے کوئی دباؤ ہو تب بھی اس کا اطلاق صرف غیر مسلم بچوں پر کیا جائے، مسلمان بچوں سے ایسے کلمات کہلوانا ہرگز جائز نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے، اگر کسی

بڑے فتنہ اور ظلم کا اندیشہ ہو تو مسلم بچے غیر مسلم بچوں کے ساتھ کھڑے ہو جائیں مگر زبان سے مشرکانہ کلمات ادا نہ کریں۔

اس صورت حال میں ایسے اسکولوں کا انتخاب کرنا چاہئے جہاں مشرکانہ کلمات کا ادا کرنا لازم نہ ہو، ایمان وشرک کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

۱۲- اس وقت بیشتر ممالک میں جنسی تعلیم کا رجحان مغرب کی نقالی میں پیدا ہو رہا ہے، جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط پر روک نہیں لگائی جاتی، غیر اخلاقی حرکات سے اجتناب نہیں کیا جاتا، برائیوں سے بچنے کی تعلیم نہیں دی جاتی، بلکہ برائیوں اور بدکاریوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بیماریوں سے روک تھام کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں اور جنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جنس کی تعلیم عمر کے لحاظ سے اس حد تک دینی مناسب ہے جس حد تک بچوں کو اخلاقی ضوابط معلوم ہوں، برائی اور بھلائی کی تمیز ہو اور جنس کے فطری قوانین کا علم ہو، قرآن وحدیث میں موجبات غسل کے مسائل، حیض ونفاس وغیرہ کے مسائل اسی لئے بیان کئے گئے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اسکولوں میں خود اپنا نصاب تعلیم جنس کے تعلق سے پڑھائیں اور اس میں شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے عصری طبی اخلاقیات کو شامل کریں، خاص طور پر عفت وپاکیزگی اور اخلاقی اصولوں کی پابندی کو پیش نظر رکھیں، نیز حفظان صحت اور معاشرتی ضرورتوں کا لحاظ کریں، البتہ جنسی تعلیم کے نام پر ایسی تعلیم دینا اور ایسا ماحول بنانا جس سے بچے اور بچیوں میں شرم وحیا کا فقدان ہو اور گناہ کے مفاسد ان کے دل ودماغ سے محو ہو جائیں کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين آمنوا لهم عذاب أليم في الدنيا والآخرة**" (سورۂ نور: ۱۹) (جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم ہے)۔

۱۳، ۱۴- اسکولوں میں کلاس کی تعلیم کے علاوہ غیر نصابی سرگرمیاں بھی انجام دی جاتی ہیں، مثلاً تفریح کھیل، سیر، تعلیمی اداروں اور تاریخی مقامات کی زیارت وغیرہ، ان پروگراموں میں ان بچے اور بچیوں کا پروگرام الگ ہونا چاہئے جو بلوغت کو پہنچ گئے ہوں، بچوں کے نگراں الگ ہوں اور بچیوں کے نگراں الگ ہوں، قیام وطعام اور نشست وبرخواست میں بھی شرعی ہدایات کا خیال رکھنا چاہئے۔

ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے بچے اور بچیوں کی عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس میں برائی کے در آنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اس مرحلہ میں ان کی اخلاقی رہنمائی کرنے کے ساتھ اخلاقی ماحول کا سازگار ہونا ضروری ہے، یہی معاملہ بچے اور بچیوں کے ثقافتی پروگراموں کا ہے، ابتدائی تعلیم میں مخلوط پروگراموں میں حصہ لینے میں حرج نہیں ہے، لیکن ثانوی سطح پر ایسے پروگرام میں احتیاط لازم ہے، شیطان ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے، اس مرحلہ میں حجاب کا استعمال ضروری ہے اور حجاب کے ساتھ ہی ان پراگرموں میں حصہ لینا چاہئے۔

۱۵- ابتدائی درجات میں بچوں کے لئے باتصویر کتابیں فراہم کی جاتی ہیں، اسی طرح حیاتیاتی اور طبی مضامین کے لئے انسان اور حیوان کی تصویریں یا ان کے اعضا کی تصویریں تعلیم کا ضروری حصہ شمار کی جاتی ہیں۔

اسی طریقۂ تعلیم کے ذریعہ معلومات کو محسوس اور متعین طور پر پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے، یہ سب تعلیم کی ضروریات میں داخل ہیں اس لئے مباح ہیں۔

۱۶- عموماً اسکولوں میں لڑکے اور لڑکیوں کو یکساں مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے، مگر ثانوی تعلیم اور اعلی تعلیم میں لڑکیوں کے لئے پیشہ ورانہ تعلیم کا ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے بھی انتظام کیا جاتا ہے، جسے ''ہوم سائنس'' کہا جاتا ہے، مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں ایسی تعلیم وتربیت کا ضرور نظم ہونا چاہئے جو بچیوں کے لئے ان کے میدان کار اور مستقبل کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے مفید اور معاون ہوں، اسلام نے علم نافع کا تصور دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**اللهم علمنى ما ينفعنى**'' (ابن ماجہ)، اس لئے لڑکیوں کے لئے جو علوم نافع ہوں ان کا انتظام ضرور کرنا چاہئے۔

۱۷- آج کل مسلمانوں میں عصری تعلیم کا رجحان دینی تعلیم کے مقابلہ میں زیادہ ہے اور عصری اسکولوں میں عموماً دینی تعلیم کا نظم نہیں ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ اسکولوں میں دینی تعلیم کا انتظام خود کریں اور دینیات کا ایسا کورس داخل نصاب کریں جو طلبہ اور طالبات کو ضروری اسلامی معلومات فراہم کرے، عقیدہ، احکام، اخلاق، معاملات، حقوق وفرائض اور واجبات دینی کی تعلیم دے، دعاء ماثورہ اور آداب حیات سکھائیں، تاکہ وہ ایک ذمہ دار شہری اور خداترس مسلمان بن سکیں۔

۱۸- اسکولوں میں ابتدائی درجات کے لئے مردوں کے علاوہ خواتین کی تقرری کی جاتی ہے، خواتین کے بارے میں ماہرین تعلیم یہ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ شفیق اور مہربان ہوتی ہیں، اس لئے اسکولوں میں چھوٹے بچے اور بچیوں کی تعلیم کے لئے زیادہ مفید اور موثر ہوتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر ثانوی تعلیم میں جہاں بچے بچیاں بلوغت کی حدوں میں داخل ہوجاتے ہیں، بچوں کے لئے مرد معلم اور بچیوں کے لئے خواتین معلمات کا انتظام کرنا چاہئے۔

خواتین معلمات کا بالغ طلبا کو پڑھانا بسا اوقات فتنہ کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آئے دن اس سلسلہ کی شکایات ملتی ہیں۔

ناگزیر صورت میں عمر دراز معلمات مقرر کی جائیں جو باحجاب ہوں، اسی طرح مردوں کا بالغ لڑکیوں کو پڑھانا اخلاقی مفاسد کو جنم دیتا ہے، اگر بچیوں کے لئے معلم مرد کا رکھنا مجبوری ہوجائے، مثلاً متعلقہ مضمون کی ماہر معلمات دستیاب نہ ہوں تو لڑکیوں کو شرعی حجاب کی پابندی کے ساتھ کلاس کرنی چاہئے۔

۱۹- مسلم اداروں کو حکومت سے منظوری حاصل کرنے میں، تعلیمی امداد حاصل کرنے میں اور اسکول کی جائز تعلیمی ضروریات کی تکمیل میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے، اسی کے ساتھ حکومت کے ہر شعبہ میں رشوت ستانی کا ماحول بن گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے (ترمذی)۔

اسی لئے کسی ایسے کام کے لئے جو حق نہ ہو رشوت لینا یا دینا دونوں جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی کا جائز حق تلف ہو رہا ہو اور بغیر رشوت دیئے وہ جائز حق حاصل نہ ہوسکتا ہو تو یہ مجبوری کا معاملہ ہوگا اور رشوت دے کر اپنے جائز حق کو حاصل کرنا درست ہوگا، جیسا

کہ شامی میں ہے:

”ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ“ (ردالمحتار ۸/ ۳۵)۔

اپنی جان یا مال کے خوف کے ازالہ کے لئے جو رشوت دی جاتی ہے وہ دینے والے کے لئے حلال اور لینے والے کے لئے حرام ہے، چنانچہ معیاری اسکولوں کا قیام اور انتظام انسانی مفاد اور قومی ترقی کے لئے لازم ہے، اس کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے رشوت دینا ناگزیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

غیر شرعی مضامین کی تعلیم اور اسکول کا نظام

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

۱- ایسے اسکول وغیرہ قائم کرنا جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جائیں، اگر قدرت ہوتو مباح کے درجہ میں ہے، اگر سرکاری مانع ہوتب بھی مباح کے درجہ میں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر قدرت ہو یا نہ ہو، اس طرح کا اسکول قائم کرنا مباح کے درجہ میں ہے۔

۲- ایسے ادارے اگر مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو اللہ تعالی کی اطاعت کے مطابق امور اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے مطابق امور جو اتباع سنت کے تحت ہوں اور عقیدہ صحیحہ پر ابھارنے والے امور ہوں جو سلف وخلفؒ کے عقیدہ پر ہوں اور ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے عقیدہ پر ہوں جس کو امام طحاویؒ نے اپنی کتاب ''العقيدة الطحاوية'' میں بیان کیا ہے اور یہی عقیدہ سلفؒ ہے، اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے جس کو علامہ سبکیؒ کا قول ہے جو ''العقيدة الطحاوية'' کی شرح میں سرورق لکھا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''تلقته الأمة بالقبول'' (کہ امت نے اس کو قبول کیا ہے اور ہاتھوں ہاتھ لیا ہے)، اور یہ بالکل سچ ہے کوئی مبالغہ نہیں ہے، اور سیرت نبی ﷺ، سیرت صحابہؓ، تابعین وغیرہ اور صراط مستقیم پر لانے والے امور اور تاریخ اسلام وغیرہ سے متعلق امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، نصاب تعلیم میں تاکہ وہ حقیقی مسلمان بن سکیں۔

اور جو بعض اسکولوں میں غیر شرعی افکار مثلاً ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس اور غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں، تو مسلمانوں کا اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں ان مضامین کو داخل نصاب کرنا درست نہیں، اور خاص طور سے اس وقت جبکہ ان میں سے بعض مضامین کو پڑھانا اسکولوں کے لئے لازم ہو تو اس کو اسکولوں کے لئے لازم مانا جاسکتا ہے، لیکن مدارس اسلامیہ اور مکاتیب اسلامیہ کے لئے ان کو لازم نہیں مانا جاسکتا، سرکار کو سمجھا بجھا کر لازم نہ کیا جائے، یہ اسلامی اداروں میں مداخلت ہوگی، سرکار کو مان لینا چاہئے، البتہ بدرجہ مجبوری ''الضرورات تبيح المحظورات'' کے ضابطہ سے مانا جاسکتا ہے اور اساتذہ پڑھاتے وقت طلبہ کو سمجھادیں گے کہ یہ غیر اسلامی مضامین ہیں ان پر بہت زیادہ دھیان نہ دیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو ادارے مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں ان میں چند امور ملحوظ رکھے جائیں، اللہ و رسول ﷺ کی

☆ صدر مدرس، جامعہ مفتاح العلوم، مئو۔

اطاعت اور اتباع سنت، ۲-سیرت نبی ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعینؒ کی سیرت، ۳-اخلاق و معاملات اسلامیہ وغیرہ، ۴-عقیدہ اسلامیہ صحیحہ وغیرہ، ۵-تاریخ اسلام وغیرہ۔

غیر شرعی افکار، غیر اخلاقی مضامین، اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں تو مسلمان اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں ان مضامین کو نہ پڑھائیں۔

بعض مضامین کو پڑھانا اسکولوں کی حد تک لازم ہوسکتا ہے، ان کو مدارس اسلامیہ اور مکاتب اسلامیہ میں پڑھانا لازم نہیں ہوگا، اور سرکاری لوگوں کو قائل کیا جائے کہ یہ مضامین غیر اسلامی و غیر مذہبی ہیں، لہذا آپ لوگ ان کو مدارس اسلامیہ وغیرہ پر نہ تھوپیں، ورنہ یہ آپ کی مداخلت فی الدین ہوگی اور ہم ان کو کسی حال میں بھی نہیں مانیں گے۔

۳- نصاب تعلیم کے ذکر کردہ مفاسد وخرابیاں سرکاری تعلیمی اداروں میں زیادہ ہوتے ہیں، جہاں ان بچوں کے لئے تعلیم کا حصول آسان ہوتا ہے، جو بھاری فیس ادا نہیں کرسکتے، اسی طرح بعض مقامات پر ایسے اسکول نہیں ہیں جو مسلمان انتظامیہ کے زیر انتظام چلتے ہوں وہ عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے ادارے ہوتے ہیں، قریب میں مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول نہیں ہوتے جس میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دلاسکیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانا جائز نہ ہوگا، اور اگر مجبوری میں ایسے اداروں میں تعلیم کے لئے داخل کرنا پڑے تو بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے والدین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی اسلامی تربیت کرتے رہیں اور ان کو بتاتے رہیں کہ یہ سب غیر اسلامی چیزیں ہیں ان کو اسلامی نہ سمجھیں۔

ایسے مقامات پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے اسکول قائم کریں جو مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہوں، اللہ تعالی نے ہر جگہ مسلمانوں کو مال ودولت سے نوازا ہے، اس نام پر چندہ کریں، انشاء اللہ ایسے اسکول قائم کرنے کے لئے مسلمان چندہ دینے سے انکار نہیں کریں گے، سرکاری تعلیمی اداروں اور عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے اداروں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کریں، بلکہ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے اداروں میں داخل کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نصاب تعلیم کے مذکورہ مفاسد کے مدنظر وہاں کے مسلمانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول قائم کریں اور مسلمان لوگ اپنے بچوں کو داخل کریں اور تعلیم دلائیں، اگر مجبوری میں ایسے اداروں میں تعلیم کے لئے داخل کریں تو بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے والدین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بچوں کو یہ بتلائیں کہ یہ سب غیر اسلامی چیزیں ہیں اس طرح ان کی ذہنی تربیت کا خیال رکھیں، ان کی اسلامی تربیت کریں۔

۴- عصری درسگاہوں کے اندر شروع سے آخر تک یا کم سے کم ابتدائی درجات میں مخلوط تعلیم کا نظام ہوتا ہے، لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ کلاسوں میں پڑھتے ہیں، کھیل کے میدان میں اور چائے خانوں میں آپس میں ملتے جلتے ہیں، مخلوط تعلیم کا ایک سبب تو مادیت، دین بیزاری، اور اخلاقی انحطاط ہے، وہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ جداگانہ نظام تعلیم میں زیادہ اساتذہ وعملہ، کلاس روم وغیرہ کی

ضرورت پڑتی ہے اور بعض دفعہ انتظامیہ اس کا نظم کرنے سے قاصر ہوتی ہے تو ان دونوں میں سے کسی سب کے تحت مخلوط تعلیم کا نظام شرعا درست نہیں ہے، اور شروع ہی سے طلبہ اور طالبات کی جماعتیں الگ الگ رکھنا ضروری ہے۔

۵ - جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱-لڑکے اورلڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو، ۲-دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، اور داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضاء حاجت کے مقامات الگ الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو، ۳-ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ اور طالبات کے نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیوار یں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں، تو جداگانہ نظام تعلیم میں ان صورتوں میں سے پہلی صورت ضروری ہے، اور دوسری صورت جائز ہونے کے درجہ ہوگی۔

۶ - ان اسکولوں میں داخلے کے لئے ایک خاص عمر لازم کردی گئی ہے، مثلاً نرسری میں صرف وہ بچہ داخل ہوگا جو چار سال سے کم عمر کا ہے، اب اگر کوئی بچہ عمر کی اس حد کو پار کر چکا ہے، تو سرپرست ایسے بچہ کی عمر کم لکھواتے ہیں اور والدین جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ بچہ صرف تین سال کا ہے، پھر ساری عمر اس کی یہی غلط تاریخ پیدائش ہر جگہ درج ہوتی رہتی ہے، تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ عمر کا یہ غلط اندراج کرانا درست نہیں ہوگا، بلکہ سچ سچ تاریخ پیدائش کا اندراج کرانا ہوگا۔

اسکول والوں کو تاریخ پیدائش کا غلط اندراج کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی شرعاً۔"**الصدق ینجی والکذب یھلک**"

۷ - ان اسکولوں میں داخل ہونے والے بچوں کے لئے مخصوص لباس-یونیفارم-لازم ہے، اس میں بعض ادارے ٹائی کو لازم کرتے ہیں، لڑکیوں کو اسکرٹ پہننی ہوتی ہے اور لڑکوں کو نیکر پہننا ضروری قرار دیتے ہیں، اگر کوئی طالب علم شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ساتر لباس پہنے، یا کوئی طالبہ برقعہ پہننا چاہے تو اس کو خلافِ ڈسپلن کہہ کر باہر کردیا جاتا ہے، اب تو بعض اسکولوں میں اسکارف پہننے کو بھی منع کیا جاتا ہے، یہ مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں ہوتا ہے، اور غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں بھی، یونیفارم مقرر کرنے کے اصول وضوابط شرعیہ جو شریعت کے مطابق بھی ہوں اور ایسے دیدہ زیب بھی ہوں کہ دوسرے اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے یونیفارم دیکھ کر اسلامی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں وہ حسب ذیل ہیں:

۱-یونیفارم ساتر بدن ہو، ۲-ڈھیلے ڈھالے ہوں چست نہ ہوں، ۳-اور باعتبار رنگ سفید ہوں، ۴-اور کرتا پائجامہ ہوں جو باعتبار رنگ سفید ہوں، ۵-اور لڑکیاں ایسے باریک کپڑے نہ پہنیں جس سے اعضاء بدن کی نمائش ہو، اور اس سلسلہ میں ایک حدیث ملاحظہ ہو:"**عن عائشة أن أسماء بنت أبی بکر دخلت علی رسول الله ﷺ وعلیها ثیاب رقاق فأعرض عنها، وقال: یا أسماء إن المرء ة إذا بلغت المحیض لن یصلح أن یری إلا هذاو هذا، وأشارإلی وجهه کفیه**"(رواہ

ابوداؤد: مشکوۃ ۲/ ۳۷۷) (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حال آئیں کہ وہ باریک کپڑوں میں تھیں، یعنی باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں، تو رسول اللہ ﷺ ان سے چہرہ انور پھیر لیا، اور فرمایا: اے اسماء عورت جب بالغ ہوجاتی ہے تو درست نہیں کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ نہ دیکھا جائے نزول حجاب کے بعد، مگر یہ اور یہ، یعنی چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں (رواہ ابوداؤد)، یعنی بالغ لڑکیوں کو اتنا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں، اور نابالغ لڑکیوں کو بھی اتنا باریک کپڑا برائے تربیت نہ پہنائے جائیں، اور بچپن ہی سے انکی دینی تربیت کی جائے، اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوا کہ بالغ لڑکی کا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اعضائے ستر نہیں ہیں، مگر یاد رکھئے کہ یہ ظاہر مراد نہیں ہے، چنانچہ (فتح الملہم ۱/ ۳۷۳) میں ہے: "**قال الحافظ ابن القیمؒ: أن ما قال الفقهاء: إن الحرة كلها عورة إلا وجهها وكفيها، إنما هو فى الصلاة لا فى النظر، فان العورة عورتان، عورة فى الصلاة، وعورة فى النظر، فالحرة لها أن تصلى مكشوف الوجه والكفين، وليس لها أن تخرج فى الأسواق ومجامع الناس كذلك والله اعلم**" (علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ پورے اعضائے بدن سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے شرمگاہ ہیں چھپانے کے حکم میں) تو اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں حصے نماز میں شرمگاہ نہیں ہیں، نہ کہ شرمگاہ ہیں، کیونکہ ایک عورت پردہ کے احکام میں حیثیت کے اعتبار سے دو عورتیں ہیں، ایک نماز میں عورت، دوسرے دیکھنے میں عورت، پس آزاد عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ چہرہ کھول کر اور دونوں ہتھیلیوں کو کھول کر نماز پڑھے اور اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر بازاروں میں اور لوگوں کے مجمع میں جائے)۔

اس حدیث کے مطابق مسلم لڑکیوں کو عمل کرنا لازم ہے، لیکن بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلم لڑکیاں اس پر عمل کرنے سے گریز کرتی ہیں، اور شریعت کے مطابق عمل کرنے سے بھاگتی ہیں، اللہ تعالی ان کو توفیق دے کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔

اگر اسکول کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور اسلامی اسکول موجود نہ ہوں تو مسلمان طلبہ وطالبات اور ان کے اولیاء کے لئے یہ حکم ہوگا کہ لوگوں سے چندہ کر کے اسلامی اسکول قائم کریں اور یہ ممکنات میں سے ہے۔

۸- اسکولی طلبہ سے داخلہ فیس، ماہانہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس، امتحان فیس وغیرہ کے نام سے مختلف فیسیں لی جاتی ہیں اور داخلہ فیس کی مقدار بعض اوقات بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ رقم تعمیر، اسٹیشنری، تزئین کاری اور جدید وسائل مثلاً کمپیوٹر لیب وغیرہ خریدنے میں بھی صرف ہوا کرتی ہے، داخلہ فیس دینے والا فیس دے کر محدود عرصہ تک اس سے مستفید ہوتا ہے، پھر وہ اسکول سے چلا جاتا ہے، فیس کی بڑھتی ہوئی اس مقدار نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا مشکل سے مشکل تر کر دیا ہے، تو تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنا لینا جائز نہیں ہے، بلکہ والدین اور ذمہ داروں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ضروری ہے، نیز ان میں بعض اسکول تو شخصی ہوتے ہیں اور بعض تعلیمی اور رفاہی اداروں کے تحت چلتے ہیں، لیکن ان حاصل ہونے والے پیسوں سے غریب بچوں کی تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو

وسعت دینے اور خوبصورت بنانے میں خرچ کر دیا جاتا ہے اسلام اس کو مستحسن اور بہتر نظر سے نہیں دیکھتا، اور بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوبصورت بنانے کے لئے قوم سے اسی نام سے چندہ کرنا ضروری ہوگا، اس رقم کو اس مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ بچوں کو سہولت پہنچانے میں خرچ کرنا واجب ہوگا۔

۹- اس سلسلہ میں ایک قابل توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ ماہانہ فیس لے کر بعض دفعہ طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجاتا ہے، مگر اس کا ٹیچر کلاس میں آتا رہا ہے تو غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست نہ ہوگا۔

۱۰- عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں، جو اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے تو ایسے بچوں پر شرعاً زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ وہ فقراء و مساکین میں داخل ہیں جو شرعاً مصرف زکوۃ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

۱۱- بعض سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے، وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک شروع میں پڑھوائے جاتے ہیں، سوریہ نمسکار کرایا جاتا ہے، یوگا کرایا جاتا ہے، جس کا ایک جز سوریہ نمسکار بھی ہے، کہیں طلبہ پر اس کو لازم کر دیا گیا ہے، کہیں اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور اس کے لئے ماحول سازی کی جاتی ہے، بعض ریاستوں میں خود ریاستی حکومت نے اسکولوں پر اس کا آرڈر جاری کر دیا ہے، مشنری اسکولوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے، اور اگر چہ اس کو لازم نہیں کیا جاتا ہے؛ لیکن ترغیب دی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان انتظامیہ اسکول میں زیادہ داخلے کی لالچ یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے اس طرح کا عمل کراتے ہیں۔

اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تب بھی مسلمان بچوں کے لئے ناجائز ہے اور مسلمانوں کو اپنے بچوں کا ایسے سرکاری اداروں میں داخلہ کرانا ناجائز ہے اور پرامن طریقہ پر اس کا بائیکاٹ کرنا واجب ہے۔

اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تب بھی ایسے اسکولوں میں مسلمانوں کو داخل کرنا ناجائز ہے، کیونکہ اس میں مداخلت فی الدین والاسلام ہے، اور اس کو برداشت نہیں کیا جاسکتا، ہندوستان کے قانون میں ہے کہ ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کے مطابق چلنے کا اختیار ہے۔

☆ اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرنا ناجائز ہے، اور وہاں کے مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اسلامی اسکول قائم کریں، تاکہ مسلم بچوں کا دین وعقیدہ اور اسلام جیتا جاگتا رہے، اور وہ دوسرے مذہب کے عقیدت مند نہ ہوں اور ان کا دین وعقیدہ محفوظ رہے۔

☆ اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو ان اداروں میں حکم شرعی ان کاموں کے ناجائز ہونے کا ہوگا۔

☆ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جوان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہوسکتا ہے تو اِن مشرکانہ افعال کو لازم کرنیوالے یا ترغیب دینے والے ادارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا جائز نہ ہوگا۔

☆مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھنا لازم ہوگا اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام نہیں کرنا ہوگا اور گناہ کے کام میں ان کا تعاون نہ کریں، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کا اعلان کر دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے:"**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**"(سورۂ مائدہ:۲)۔

۱۲- عالمی سطح پر یہ رجحان پروان چڑھ رہا ہے کہ بچوں کو جنسیات کی تعلیم بھی دینی چاہئے، ہمارے ملک کے نصاب میں اس مضمون کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بھی اس کو لازم کر دیا جائے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بڑھتی ہوئی اخلاقی بے راہ روی کی وجہ سے زنا اور خلاف فطرت فعل وغیرہ کے واقعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے مختلف بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، اس لئے طلبہ وطالبات کو جنس کی حقیقت سمجھائی جائے اور اس کی آڑ میں محفوظ سیکس کی تعلیم دی جائے، تاکہ وہ بدکاری سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہیں، یہ افسوس کی بات ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم دینے اور برائی سے بچانے کے بجائے برائی کے محفوظ راستے تلاش کئے جا رہے ہیں، اگر حکومت اس کو لازم کر دے تو اسکولوں میں اس کی تعلیم دینے یا اپنے بچوں کو داخل کرنے کے احکام یہ ہوں گے کہ نصاب میں ان چیزوں کو داخل نہ کیا جائے، تاکہ جنسی بیماریاں جنم نہ سکیں اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے وہ روشناس ہوں اور اتباع نفس سے دور رہیں۔

اور یہ بات مناسب ہوگی کہ حکومت سے کہا جائے کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور مسلمان تعلیمی اداروں پر یہ واجب ہے کہ وہ ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت وپاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا جائے، یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھے گی، ویسے تو ہماری فقہی کتابوں میں"کتاب الحجر" کے اندر یہ سب بیان کر دیا گیا ہے۔

۱۳- عصری اسکولوں میں تفریحی، طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلے کرائے جاتے ہیں جس میں طلبہ وطالبات کا اختلاط بھی ہوتا ہے، اس لئے شرعی حکم یہ ہے کہ صرف لڑکوں کے لئے درست ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط درست نہیں اور فقط لڑکیوں کے لئے درست نہیں اور مسلمان انتظامیہ کو اختلاط سے بچاتے ہوئے دونوں صنفوں کے لئے نہیں، بلکہ صرف لڑکوں کے لئے جائز ہے، اور اختلاط بھی ناجائز ہے اور صرف لڑکیوں کے لئے بھی ناجائز ہے، ذہن نشین کر لیجئے۔

۱۴- ثقافتی پروگرام کے عنوان سے تقریریں، ڈرامے اور مکالمے کرانے کا سلسلہ بھی اسکولوں میں عام ہے، تو اسلامی

اسکولوں میں صرف طلبہ کے لئے مباح ہے، نیز اگر اس میں طالبات کو بھی تقریروں اور ڈراموں میں شریک کیا جائے تو اس کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ طالبات کو اس میں شریک کرنا درست نہیں ہے۔

۱۵- نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں - جن میں جانوروں کی تصاویر اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں تو جن میں جانوروں کی تصاویر ہوں ان کو نصاب میں شامل کرنا ناجائز ہے، چنانچہ حدیث میں وارد ہے: "**عن أبی طلحة قال: قال رسول الله** ﷺ: **لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا تصاویر،**" (متفق علیہ، مشکوۃ ۳۸۵/۲، مرقاۃ ۴/ ۴۸۲، وفی الجامع الصغیر رواہ احمد والشیخان، والترمذی، والنسائی، ابن ماجہ، عن ابی طلحۃ مرفوعا ولفظہ: "**لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة**" ورواہ احمد والترمذی وابن حبان عن ابی ہریرۃ ولفظہ: "**إن الملائکة لا تدخل بیتافیه تماثیل أو صورة**"، رواہ ابن ماجہ عن علی بلفظ: "**إن الملائکة لا تدخل بیتا فیه کلب الا صورة**")۔

حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ رحمت و برکت کے فرشتے نہ کہ کراما کاتبین فرشتے جو انسان کے کندھے پر مامور ہوتے ہیں اور نہ موت کے فرشتے، کیونکہ یہ فرشتے کتے اور تصاویر کے ہوتے ہوئے بھی گھروں میں داخل ہوتے ہیں، گوکہ یہ فرشتے نیز کتوں اور تصویروں کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن یہ من جانب اللہ مامور ہوتے ہیں، "**ویفعلون ما یؤمرون**" کہ یہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اس گھر میں جس میں وہ کتا ہو جس کا پالنا شرعا ناجائز ہو، مگر وہ کتا پالنا شرعا جائز ہے وہ کتا جو صرف گھر میں رحمت و برکت کے فرشتے ہوں ایسا کتا رحمت و برکت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع نہیں بنتا جیسے شکاری کتا اور چوپاؤں کے حفاظت کے لئے اور کھیت کی نگرانی کے لئے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کتے بھی مانع بنتے ہیں اگرچہ اس کا پالنا جائز ہے حرام نہیں ہے، اور جاندار کی تصویریں جو گھر میں دیوار پر ہو اور دروازوں کے پردوں پر ہو، اور رخصت دی گئی ہے ان تصویروں کی جو دریوں اور چادروں پر ہوں جن کو پیروں سے روندا جاتا ہے، اور ان پر چلا جاتا ہے، اور علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ نہیں داخل ہوتے رحمت و برکت کے فرشتے اس گھر میں جس میں وہ کتے جن کا پالنا حرام ہو اور جاندار کی ناجائز تصویریں ہوں اور وہ کتے جن کا پالنا حرام نہیں ہے جیسے شکاری کتے اور کھیت کے نگرانی کے لئے مامور کتے اور تصویریں جن کی ناقدری کی جاتی ہے، جو دریوں و چادروں اور تکیوں وغیرہ پر بنی تصویریں ہیں وہ رحمت و برکت کے فرشتوں کے داخل ہونے کے لئے مانع نہیں بنتیں۔

اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ممانعت عام و شامل ہے ہر کتے کو اور جاندار کی تصویروں کو اور یہ کتے اور جاندار کی تصویریں فرشتوں کے داخلہ کے لئے مانع بنتے ہیں حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے اور اس لئے کہ وہ کتے کے بچے جو نبی ﷺ کے گھر میں تخت کے نیچے تھے، اور نبی ﷺ کے لئے ایک ظاہری عذر یہ تھا کہ آپ ﷺ اس کو جان نہیں پائے تھے تو باوجود اس کے حضرت جبرئیل علیہ السلام گھر میں داخل ہونے سے رک گئے تھے اور علت بیان کی ہے کتے کے بچوں کا ہونا۔

اور علماء رحمہم اللہ نے کہا کہ فرشتوں کے داخل ہونے کے رک جانے کا سبب اس گھر میں جس میں تصویر ہو غیر اللہ کا معبود بنایا جانا ہے اور اس گھر میں داخل ہونے سے رک جانا جس میں کتا ہو کہ کتا نجاست کھاتا ہے اور بعض کتوں کو شیطان کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور فرشتے شیطانوں کے منہ ہوتے ہیں اور اس کے بدبودار ہونے کی وجہ سے اور ہمارے لوگوں نے اور ان کے علاوہ علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا سخت درجہ کا حرام ہونا ہے اور کبائر گناہوں میں ہے، اور قاضی عیاضؒ اور جو کچھ حدیث میں وارد ہے کپڑوں کی تصویریں لڑکیوں کے کھیلنے کے لئے تو اس کی رخصت دی گئی ہے، لیکن امام مالکؒ ان کپڑوں کے خریدنے کو ناپسند کہتے ہیں، جس میں گڑیوں کی تصویر بنی ہوتی ہے اور بعض علماء رحمہم اللہ نے دعوی کیا ہے کہ لڑکیوں کا کھیلنا مباح ہونا ان احادیث ممانعت سے منسوخ ہے۔

مذکورہ ممانعت کی وجہ سے ان کتابوں کا نصاب میں داخل کرنا ناجائز ہے (مرقاۃ ۴/ ۴۸۳)، اور جس کتاب میں اعضاء انسانی کی تصویر بنی ہو چہرہ کے علاوہ تو اس کو نصاب میں داخل کرنا جائز ہے۔

تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لینا درست نہیں ہے، اسی طرح آج کل ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے - جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں - کلاسوں میں رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسمے بھی دیکھ لیں، اس کو جدید طریقہ تعلیم میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے، تو ان مجسموں کا کلاسوں میں مہیا کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں اس کو بھی منع کیا گیا ہے (دیکھئے مرقاۃ ۴/ ۴۸۳) رواہ احمد والترمذی، ابن ماجہ، عن ابی ہریرۃ لفظہ: "إن الملائكة لا تدخل بيتا فيه تماثيل أو صورة"۔

اس لئے بچوں کے نصاب میں ایسی کتابیں شامل کرنا جس میں جاندار کی تصویر ہو یا مجسمہ ہو جائز نہیں ہے، اور نصاب میں ایسی کتابیں شامل کرنا درست ہے جن میں انسانی اعضاء کی چہرہ کے علاوہ کی تصویر بنی ہو۔

۱۶- آج کل عصری تعلیمی اداروں میں طالبات کو بھی وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو طلبہ کے لئے ہوتے ہیں، ان کو ایسے مضامین کی تعلیم نہیں دی جاتی، جو ان کی ضرورتوں سے متعلق ہو، جیسے: سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت، اور اولاد کی تربیت وغیرہ، جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں، وہ لڑکیوں کے لئے ان امور کی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں، تو مسلم انتظامیہ کو اس کا انتظام کرنا چاہئے، اور اسے واجب یا مستحب کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

۱۷- یہ بات ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کے لئے دین کی بنیادی واقفیت ضروری ہے، پہلے بچے پانچ چھ سال، بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر میں اسکول میں داخل کئے جاتے تھے، اور ابتدائی جماعتوں میں تعلیم کا بوجھ بھی کم ہوا کرتا تھا؛ اس لئے گھر میں بچوں کی بنیادی تعلیم ہو جایا کرتی تھی، خود ماں باپ میں بھی اتنی صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھا لیں؛ لیکن مادیت کے غلبہ اور مغربی نظام تعلیم نے اس اہم فریضہ سے نہ صرف لوگوں کو غافل کر دیا ہے؛ بلکہ اب اس کی ضرورت واہمیت بھی دلوں سے رخصت ہوگئی ہے، اس پس منظر

میں ضروری ہے کہ مسلمان اسلامی ماحول کے ساتھ عصری وتعلیمی ادارے قائم کریں اور ان میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔

تو ایسے اسکولوں میں فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ، حلال وحرام اوامر ونواہی اور مکروہات، ایمان واسلام اور عقیدہ صحیحہ اور ناظرہ قرآن کریم اور اس سے پہلے ابتدائی تعلیم، نورانی قاعدہ کی حد تک دینی تعلیم شرعاً ضروری ہے، تاکہ طلبہ وطالبات بقدر واجب دینی تعلیم حاصل کرلیں، اور دوسرے مضامین کی تعلیم بھی متاثر نہ ہو۔

۱۸- اساتذہ کے تقرر میں مرد معلمین اور خواتین معلمات کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، بالغ لڑکوں کے لئے مرد معلمین اور بالغ لڑکیوں کے لئے خواتین معلمات کا تقرر کیا جائے، شرعاً، تاکہ مخلوط تعلیم کا فروغ نہ ہو، یہ مسئلہ اس صورت میں مزید اہم بن جاتا ہے جب خاتون معلّمہ کم تنخواہ پر مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت کا تقاضا ہو کہ وہ ان کی خدمت سے استفادہ کرے تب بھی ایسی صورت میں مخالف جنس ٹیچر کا تقرر درست نہ ہوگا، کیونکہ مرد معلم بھی کم تنخواہ پر مہیا ہوسکتا ہے۔

۱۹- اسی طرح اسکولوں کی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً معائنہ کرنے والے آتے رہتے ہیں، اور وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کلاس روم کی وسعت، باتھ روم، بچوں کے لئے کھیل کی سہولتیں، یونیفارم، فیس کا ڈھانچہ اور اسکول کی طرف سے دی جانے والی دیگر سہولیات کا معائنہ کرکے حکومت کی طرف سے منظوری کو برقرار رکھنے یا منسوخ کرنے کی تجویز دیتے ہیں، چونکہ بدقسمتی سے آج کل ہر میدان میں رشوت کا لین دین ایک معمول سا بن گیا ہے؛ اس لئے یہ رشوت کے طالب ہوتے ہیں، اور نہ دی جائے تو معمولی بہانوں سے منظوری کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کردیتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کو رشوت دی جائے، تاکہ اسکول کو بچایا جاسکے۔

☆☆☆

اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی ادارے اور شرعی رہنمائی

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری☆

۱- ایسے اسکول قائم کرنا جن میں اِسلامی ماحول میں عصری علوم پڑھائے جائیں، موجودہ دور کی ایک اَہم ضرورت ہے، اور یہ نہ صرف مباح؛ بلکہ اگر مسلمان بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کی نیت ہو تو مستحب اور پسندیدہ ہے (مستفاد: کتاب النوازل ۲۲۸/۲، آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۱۶۹/۸)۔

"عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: العلم ثلاثة، فما سویٰ ذٰلک فهو فضل: آیة محکمة أو سنة قائمة أو فریضة عادلة" (سنن أبي داؤد/ کتاب الفرائض ۳/ ۲۰۷)۔

"عن أنسؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: طلب العلم فریضة علی کل مسلم" (سنن ابن ماجہ ۲۰ رقم: ۲۲۴، مشکاۃ المصابیح ۱/ ۳۴ رقم: ۲۱۸)۔

"عن عمر بن الخطابؓ قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: إنما الأعمال بالنیات" (صحیح البخاري ۱/ ۲)۔

"قال في تبیین المحارم: وأما فرض الکفایة من العلم فهو کل علم لا یستغنی عنه في قوام أمور الدنیا، کالطب والحساب ...... وأصول الصناعة والفلاحة کالحیاکة والسیاسة والحجامة، الخ۔ أحدها: الهندسة والحساب، وهما مباحان ولا یمنع منهما إلا من یخاف علیه أن یتجاوزهما إلیٰ علوم مذمومة" (شامی، مقدمہ ۱/ ۱۲۶-۱۲۷ زکریا)۔

"الأمور بمقاصدها، وتحته قال: والمباحات إذا قصد بها التقویٰ علی الطاعات أو التوصل إلیها یوجر صاحبها، وإلا فلا کالأکل والشرب والنوم والتجارة والوطي والمزاح" (القواعد الفقهیة المحمودۃ ۳۱-۳۴)۔

۲- نصابِ تعلیم میں کن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں کے نصاب میں کسی بھی غیر شرعی فکر یا عمل کی تعلیم دینا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر اِس طرح کا کوئی مضمون لازماً داخل کرنا پڑے تو اَساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسے اِس طرح پڑھائیں کہ بچوں کا عقیدہ خراب نہ ہو،

☆ مفتی و اُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔

اور غیر اخلاقی مضامین کی تعلیم کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

"واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وفرض كفاية وحرامًا، وهو علم الفلسفة والشعبدة وعلوم الطبائعين. وفي الشامية: وفي فتاوىٰ ابن حجر: ما كان منه علىٰ طريق الفلاسفة حرامٌ؛ لأنه يؤدي إلىٰ مفاسد"(شامی/مقدمہ ۱/۱۲۹ زکریا)۔

"واعلم أن تعلم العلم يكون ...... ومندوبًا، وهو التبحر في الفقه وعلم القلب، وتحته في الشامية: أي علم الأخلاق وهو علم يعرف به أنواع الفضائل وكيفية اكتسابها، وأنواع الرذائل وكيفية اجتنابها"(الدر المختار مع الشامی، مقدمہ ۱/ ۱۲۵-۱۲۷ زکریا)۔

۳- فاسد نظریات رکھنے والے اداروں میں بچوں کی تعلیم:

مسلمانوں کو اپنے بچے ایسے اسکولوں میں نہیں بھیجنے چاہئے جہاں عقیدے اور اَخلاق کے اعتبار سے مفاسد پائے جاتے ہوں، اگر مجبوری میں ایسے اداروں میں داخل کرنا پڑے تو اسکول جانے سے پہلے یا واپس آنے کے بعد ہر بچے کو دینی تعلیم دینا والدین پر فرض ہوگا، جس سے وہ بچہ اسکولی ماحول کے مفاسد اور ذہنی اِرتداد سے محفوظ رہ سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (سورۂ تحریم:۶)۔

"عن جابر بن سمرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لأن يؤدب الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاعٍ" (سنن الترمذي ۲/۱۶)۔

"﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ الخ، أي ثم بين في هٰذه الآية: اولئک المكذبون بهٰذا الدين إن ضموا إلىٰ كفرهم وتكذيبهم الاستهزاء بالدين؛ فإنه يجب الاحتراز عن مقارنتهم ومجالستهم"(تفسیر کبیر (سورۂ انعام:۶۸) ۲/۲۱)۔

"وفي فتاوىٰ ابن حجر ما كان منه علىٰ طريق الفلاسفة حرام؛ لأنه يؤدي إلىٰ مفاسد، كاعتقاد قدم العالم ونحوه وحرمته مشابهة لحرمة التبخيم من حيث إفضاء كل إلىٰ المفسد" (شامی/مقدمہ ۱/۱۲۹ زکریا)۔

۴- عصری درسگاہوں میں مخلوط تعلیم نظام:

نو سال سے کم عمر کے بچے، بچیوں کو یکجا تعلیم دی جاسکتی ہے؛ لیکن اِس سے بڑی عمر کے بچے بچیوں کو مخلوط تعلیم دینا اخلاقی اعتبار سے سخت نقصاندہ اور موجب فتنہ ہے، اِس لئے اِس سطح کے طلبہ اور طالبات کی مخلوط تعلیم ہرگز درست نہیں ہے۔

"عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم" (صحیح البخاري ۲/۷۸۷)۔

"عن عبد اللهؓ عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان"(سنن الترمذي،

أبواب الرضاع/ باب ما جاء في کراهية الدخول علی المغيبات ١/ ٢٢٢ رقم: ١١٧٣، صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والإباحة الأمر للمرأة بلزوم قعر بيتها الخ ٧/ ٤٤٦ رقم: ٥٥٧٠ دارالفکر بیروت، مسند بزار- البحر الذخار رقم: ٢٠٦١، صحیح ابن خزیمة/ باب اختيار صلاة المرأة في بيتها رقم: ١٦٨٥)۔

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال نبي ﷺ: مروا صبيانكم بالصلاة إذا بلغوا سبعًا، واضربوا عليها إذا بلغوا عشرًا، وفرقوا بينهم في المضاجع“ (مصنف ابن ابی شیبہ ٣/ ٢٠٢ المجلس العلمي بیروت)۔

”فرقوا بينهم في المضاجع ...... لأن بلوغ العشر مظنة الشهوة“(بذل المجهود ٣/ ٢٣٥ مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي)۔

”وإنما جمع الأمرين في الصلاة والفرق بينهما في المضاجع في الطفولية تأديبًا ومحافظة لأمر الله تعالیٰ، ...... وتعليمًا لهم المعاشرة بين الخَلق وأن لا يقفوا مواقف التهم فيجتنبوا محارم الله تعالیٰ كلها“(مرقاة المفاتيح ٢/ ٢٥٧ دارالکتب العلمية بیروت)۔

”وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام“ (شامي ٩/ ٥٢٩ زکریا)۔

”فإن خاف الشهوة أو شک امتنع نظرة إلیٰ وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا حرامٌ، وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فمنع من الشابة“ (شامي ٩/ ٥٣١-٥٣٢ زکریا)۔

”وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال؛ لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة“ (شامي، کتاب الصلاة/ باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة ٢/ ٧٩ زکریا، ١/ ٤٠٦ کراچی)۔

”كل ما أدیٰ إلیٰ ما لا يجوز؛ لا يجوز“ (الدر المختار مع الشامي ٦/ ٣٦٠)۔

۵-جداگانہ تعلیمی نظام کی صورتیں:

سب سے بہتر شکل یہی ہے کہ لڑکوں اورلڑکیوں کی تعلیم کے لئے الگ الگ بلڈنگیں ہوں، اور نظام جداگانہ ہو، ایک بلڈنگ میں الگ الگ کلاس روم ہونے سے فتنہ کے خطرات ختم نہیں ہوتے، اِسی طرح ایک ہی کلاس روم میں آگے پیچھے بٹھانے سے بھی فتنہ سے حفاظت نہیں ہوسکتی۔

”عن عبد الله ؓ عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان“(سنن الترمذي، أبواب الرضاع/ باب ما جاء في کراهية الدخول علی المغيبات ١/ ٢٢٢ رقم: ١١٧٣، صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والإباحة الأمر للمرأة بلزوم قعر بيتها الخ ٧/ ٤٤٦ رقم: ٥٥٧٠ دارالفکر بیروت، مسند بزار- البحر الذخار رقم: ٢٠٦١، صحیح ابن خزیمة/ باب اختيار صلاة المرأة في بيتها رقم: ١٦٨٥)۔

"وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال؛ لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة" (شامي، كتاب الصلاة/ باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة ۲/ ۷۹ زكريا، ۱/ ۴۰۶ كراچی)۔

"ولا يأذن بالخروج إلى المجلس الذي يجتمع فيه الرجال والنساء وفيه المنكرات" (بزازية على هامش الهندية ۴/ ۱۵۷)۔

"اعلم أنه لما كان الرجال يهيجهم النظر إلى النساء علىٰ عشقهن، والتوله بهن، ويفعل بالنساء مثل ذٰلک، وكان كثيرًا ما يكون ذٰلک سببًا؛ لأن يبتغي قضاء الشهوة منهن علىٰ غير السنة الراشدة، كاتباع من هي في عصمة غيره، أو بلا نكاح أو من غير اعتبار كفاءة – والذي شوهد من هٰذا الباب يغني عما سطر في الدفاتر – اقتضت الحكمة أن يسد هٰذا الباب" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۳۲۸ مکتبہ حجاز دیوبند)۔

۶-جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا:

اِسکول میں داخلہ کے مقصد سے تاریخ پیدائش غلط درج کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ جھوٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ﴾ (سورۂ آل عمران: ۶۰)۔

"عن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: إياكم والكذب؛ فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، الخ" (سنن أبي داؤد، کتاب الأدب/ باب التشديد في الكذب ۲/ ۶۸۱)۔

۷-اسکولوں میں یونیفارم کا مسئلہ:

مسلم انتظامیہ کے اِسکولوں میں بچوں کے لئے ایسا یونیفارم مقرر کرنا جائز نہیں ہے جو شرعاً ممنوع ہو؛ بلکہ ایسا لباس ہونا چاہئے کہ باوقار بھی ہو اور شرعی حدود کے اعتبار سے ساتر بھی ہو، اور طلبہ وطالبات کے اولیاء کو اپنے بچے ایسے اسکول میں ہرگز نہیں بھیجنے چاہئیں جہاں کا یونیفارم شریعت کے خلاف ہو؛ اِس لئے کہ یونیفارم کا اثر غیر محسوس طریقے پر بچوں پر پڑتا ہے۔

"أن اللباس يجب أن يكون ساترًا لعورة الإنسان، فالإسلام يلزم الرجل أن يلبس ما يستر ما بين سرته وركبتيه، ويلزم المرأة أن تستر كل جسدها ما عدا وجهها وكفيها وقدميها، فستر العورة من أهم ما يقصد باللباس ...... وإن اللباس الذي يخل بهٰذا المقصد يهمل ما خلق اللباس لأجله، فيحرم على الإنسان استعماله، فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل والمرأة لا تقره الشريعة الإسلامية مهما كان جميلاً أو موافقًا لدور الأزياء، وكذلک اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره فهو في حكم ما سبق في الحرمة وعدم الجواز" (تكملة فتح الملهم / كتاب اللباس والزينة ۴/ ۸۸ المكتبة الأشرفية ديوبند)۔

۸-اسکولوں میں ڈیکوریشن اور تعمیرات پر بے جا خرچ:

اِسکولوں میں جو فیس سہولیات کے عوض لی جارہی ہے؛ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اُصولی اعتبار سے اُسے حرام تو نہیں کہا جاسکتا؛ لیکن ملت اسلامیہ اور معاشرے کی مجموعی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی ترغیب دینی چاہئے کہ بالخصوص مسلم انتظامیہ یا رفاہی اداروں کے تحت چلنے والے اسکول حتی الامکان تعلیمی اخراجات میں اتنی تخفیف کریں کہ ایک متوسط شخص کے لئے بچوں کو تعلیم دلانا مشکل نہ ہو۔

”ویجوز الاستیجار علیٰ تعلیم اللغة والأدب بالإجماع، كذا في السراج الوهاج ...... ولو استأجر لتعليم ولده الكتابة أو النجوم أو الطب أو التعبير جاز بالاتفاق“ (الفتاویٰ الہندیۃ ۴/۴۴۸ زکریا)۔

”إذا استأجر رجلاً ليعلم ولده حرفةً من الحرف فإن بين المدة بأن استأجر شهرًا مثلاً ليعلمه هٰذا العلم يصح العقد وينعقد على المدة حتى يستحق المعلم الأجر بتسليم النفس علم أو لم يعلم“(الفتاویٰ الہندیہ ۴/۴۴۸ زکریا)۔

”عن زياد بن علاقة سمع جرير بن عبد اللّٰه ؓ يقول: بايعت النبي ﷺ على النصح لكل مسلم“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان/ باب بیان أن الدین النصیحۃ ۱/۵۵)۔

”والنصيحة لعامة المسلمين الشفقة عليهم والسعي فيما يعود نفعه عليهم وتعليمهم ما ينفعهم وكف وجوه الأذى عنهم، وأن يحب لهم ما يحب لنفسه ويكره لهم ما يكره لنفسه“ (فتح الباري ۱/۱۸۴)۔

۹-غیر حاضر طلبہ سے فیس وصول کرنا:

تعلیم یا ٹرانسپورٹ کی ماہانہ فیس لینے میں کوئی حرج نہیں، اگر طالب علم کسی دن غیر حاضر ہے، تو اُس سے فیس کے نظام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ کیونکہ اسکول کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں پائی گئی۔

”إذا استأجر رجلاً ليعلم ولده حرفةً من الحرف فإن بين المدة بأن استأجر شهرًا مثلاً ليعلمه هٰذا العلم يصح العقد وينعقد على المدة حتى يستحق المعلم الأجر بتسليم النفس علم أو لم يعلم“ (الفتاویٰ الہندیۃ ۴/۴۴۸ زکریا)۔

”المستفاد: وإذا قبض المستأجر الدار فعليه الأجر، وإن لم يسكنها“(الہدایۃ ۳/۲۹۴)۔

”ومن استأجر دارًا فللموجر أن يطالبه بأجر كل يوم؛ لأنه استوفىٰ منفعة مقصودة“(الہدایۃ ۳/۲۹۵)۔

۱۰-عصری تعلیمی اداروں میں غریب بچوں پر زکوۃ کی رقم صرف کرنا:

عصری اِداروں میں تعلیم پانے والے بچوں کا نفع چوں کہ خود اُن کی ذات تک محدود رہتا ہے، اِس لئے اُن پر زکوۃ کی رقم

خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی، اُن پر امدادی رقم ہی خرچ کرنی چاہئے؛ تاہم اگر کسی غریب مستحق شخص کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے اور وہ اپنے بچوں کی عصری تعلیم پر خرچ کرے تو فی نفسہٖ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (فتاویٰ قاسمیہ ۱۱/۳۲۶)۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ﴾ (سورۂ توبہ:۶۰)۔

"الزکاۃ ھو تملیک المال من فقیر مسلم" (البحر الرائق ۲/۳۵۲ دار الکتاب دیوبند)۔

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکًا لا إباحةً، کما مر" (شامي ۳/۲۹۱ زکریا)۔

"التصدق علی الفقیر العالم أفضل من التصدق علی الجاھل" (الفتاوىٰ الہندیۃ ۱/۱۸۷ قدیم زکریا)۔

۱۱- اسکول میں مشرکانہ عمل کی انجام دہی سے متعلق سوالات کے جوابات:

الف:- اگر سرکاری اسکولوں میں جبری طور پر بچوں سے شرکیہ ترانہ پڑھوایا جاتا ہو، یا مشرکانہ عمل کروایا جاتا ہو، تو ایسے اسکولوں میں مسلمانوں کے لئے اپنے بچوں کو پڑھوانا جائز نہیں۔

"عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (مشکاۃ المصابیح ۲/۳۲۱)۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة" (مشکاۃ المصابیح/کتاب الأمارۃ ۲/۳۱۹)۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من تشبه بقوم فھو منھم" (سنن أبي داوٗد، کتاب اللباس/ باب في لبس الشھرۃ ۲/۵۵۹ رقم:۴۰۳۱، مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس/ الفصل الثاني ۲/۳۷۵، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۹/ ۱۲۳ رقم:۵۱۱۴)۔

ب:- اگر سرکاری اسکولوں میں اختیاری طور پر مشرکانہ باتوں کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخلہ کی اجازت ہے، بشرطیکہ بچوں کو پابند کیا جائے کہ وہ مشرکانہ سرگرمیوں میں ہرگز شریک نہ ہوں۔

قال تعالیٰ: ﴿وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ﴾ (سورۂ لقمان:۱۳)۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من تشبه بقوم فھو منھم" (سنن أبي داوٗد، کتاب اللباس/ باب في لبس الشھرۃ ۲/۵۵۹ رقم:۴۰۳۱، مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس/ الفصل الثاني ۲/۳۷۵، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۹/ ۱۲۳ رقم:۵۱۱۴)۔

ج-د:- مسلمانوں کے لئے ایسے پرائیویٹ اسکولوں میں بچوں کو داخل کروانا جائز نہیں ہے، جن میں لازمی طور پر

مشرکانہ اعمال کروائے جاتے ہوں، اور اگر لازمی نہ ہوں، صرف ترغیب ہو تو اس شرط پر داخل کرنا جائز ہوگا کہ مسلمان اُس میں شامل نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لاَ یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (سورۂ نساء: ۴۸)۔

قال تعالیٰ: ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ، اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (سورۂ لقمان: ۱۳)۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ﴾ (سورۂ مائدہ: ۷۲)۔

ھ:- جن علاقوں میں ایسے عصری تعلیمی ادارے موجود ہیں جو مفاسد سے پاک ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ایسے اداروں میں بچوں کو داخل کرانا جہاں مفاسد لازم ہوں یا مفاسد میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو؛ ہرگز جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ﴾ (سورۂ تحریم: ۶)۔

”ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الإیمان: ...... وأن یکره أن یعود في الکفر کما یکره أن یقذف في النار“ (صحیح البخاري ۱/۷ رقم: ۱۶)۔

و:- مسلم انتظامیہ کے اسکولوں میں کسی بھی مصلحت سے مشرکانہ چیزوں کا رواج جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ، اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (سورۂ لقمان: ۱۳)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے: ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ: ۲)۔

”عن النواس بن سمعان ؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق“ (مشکاة المصابیح/کتاب الأمارة ۲/۳۲۱)۔

۱۲- اسکولوں میں جنسیات کی تعلیم اور اخلاقی ہدایات:

جنسیات کے عنوان سے بچوں اور بچیوں کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے، یہ سراسر بداخلاقی اور بے ہودگی ہے۔ اِسلام جیسا پاکیزہ مذہب اِس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلاَ تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ﴾ (سورۂ انعام: ۱۵۱)۔

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوْا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ (سورۂ نور: ۵۸)۔

”عن أبي هریرة ؓ عن النبي ﷺ قال: الإیمان بضعٌ وستون شعبة، والحیاء شعبة من الإیمان“ (صحیح

البخاري، کتاب الإیمان/ باب أمور الإیمان ۱/ ۶ رقم: ۹)۔

"عن أبي مسعودؓ قال: قال النبي ﷺ: إن مما أدرک الناس من کلام النبوة الأولیٰ: إذا لم تستحي فاصنع ما شئت" (صحیح البخاري، کتاب الأنبیاء/ باب حدیث الغار ۱/ ۴۹۵)۔

۱۳-تفریحی اور ثقافتی سرگرمیوں میں طلبہ وطالبات کی شرکت اور اختلاط کا مسئلہ:

تفریحی یا طبی سرگرمیوں میں قریب البلوغ یا بالغ بچوں اور بچیوں کا اختلاط بہر حال ممنوع ہے، اختلاط کے بغیر اگر یہ سرگرمیاں پائی جائیں، تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے گنجائش ہوگی۔

"عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: لا یخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم" (صحیح البخاري/ باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول علی المغیبة ۲/ ۷۸۷ رقم: ۵۰۳۷)۔

"عن عبد اللہؓ عن النبي ﷺقال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان"(سنن الترمذي، أبواب الرضاع/ باب ما جاء في کراهیة الدخول علی المغیبات ۱/ ۲۲۲ رقم: ۱۱۷۳، صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والإباحة الأمر للمرأة بلزوم قعر بیتها الخ ۷/ ۴۴۶ رقم: ۵۵۷۰ دار الفکر بیروت، مسند بزار- البحر الذخار رقم: ۲۰۶۱، صحیح ابن خزیمة/ باب اختیار صلاة المرأة في بیتها رقم: ۱۶۸۵)۔

"وتمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال؛ لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة" (شامي، کتاب الصلاة/ باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة ۲/ ۷۹ زکریا، ۱/ ۴۰۶ کراچی)۔

"ولا یؤذن بالخروج إلی المجلس الذي یجتمع فیه الرجال والنساء وفیه المنکرات" (بزازیة علیٰ هامش الهندیة ۴/ ۱۵۷ زکریا)۔

۱۴-ثقافتی پروگرام نیز مکالمے وغیرہ میں طالبات کی شرکت:

ثقافتی پروگراموں میں بھی مخلوط نظام ناجائز اور موجب فتنہ ہے۔

"قال ولي اللہ الدهلوي: اعلم أنه لما کان الرجال یهیجهم النظر إلی النساء علیٰ عشقهن والتوله بهن ویفعل بالنساء مثل ذٰلک، وکان کثیرًا ما یکون ذٰلک سببًا؛ لأن یبتغي قضاء الشهوة منهن علیٰ غیر السنة الراشدة کاتباع من هي في عصمة غیره أو بلا نکاح أو من غیر اعتبار کفاءة – والذي شوهد من هٰذا الباب یعني عما سطر في الدفاتر – اقتضت الحکمة أن یسد هٰذا الباب" (حجة اللہ البالغة ۲/ ۱۲۵ المکتبة الأشرفیة دیوبند)۔

۱۵-نصابی کتابوں میں جانوروں اور انسانی اعضاء کی تصاویر شائع کرنا:

تعلیمی غرض سے جاندار تصاویر کی پینٹنگ یا پلاسٹک اور لکڑی کے مجسموں کا استعمال درست نہیں ہے۔ اور اِس سلسلہ میں اُم

المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں والی روایت سے استدلال درست نہیں؛ کیوں کہ وہ روایت راجح قول کے اعتبار سے تصویر کی حرمت سے قبل کی ہیں، اور منسوخ ہیں (مستفاد: اختری بہشتی زیور ۶/ ۵)۔

"صنعة الصور المجسمة محرمة عند جمهور العلماء أخذًا بالأدلة" (الموسوعة الفقهية ۱۲/ ۱۰۷، الكويت)۔

"يرى الجمهور أن الصور لذوات الأرواح مجسمة كانت أو غير مجسمة يحرم اقتناء ها علىٰ هيئة تكون فيها معلقة أو منصوبة، وهٰذا في الصور الكاملة التي لم يقطع فيها عضو لا تبقى الحياة معه" (الموسوعة الفقهية ۱۲/ ۱۱۸، الكويت)۔

"عن عائشةؓ قالت: كنت ألعب بالبنات عند النبي ﷺ وكان لي صواحب يلعبن معي، فكان رسول الله ﷺ إذا دخل ينقمعن منه ويسربهن إلي فيلعبن معي" (صحيح البخاري ۲/ ۹۰۵ رقم: ۵۸۹۲)۔

"واستدل بهٰذا الحديث علىٰ جواز اتخاذ صور البنات واللعب من أجل لعب البنات بهن، وخص ذٰلک من عموم النهي عن اتخاذ الصور، وبه جزم عياض ونقله عن الجمهور وأنهم أجازوا بيع اللعب للبنات لتدريبهن من صغرهن علىٰ أمر بيوتهن وأولادهن۔ قال: وذهب بعضهم إلىٰ أنه منسوخ، وإليه مال ابن بطال، وحكىٰ عن ابن أبي زيد عن مالک أنه كره أن يشترى الرجل لابنته الصور، ومن ثم رجّح الدوادي أنه منسوخ، وقد ترجم ابن حبان الإباحة لصغار النساء اللعب باللعب، وترجم له النسائي إباحة الرجل لزوجته اللعب بالبنات، فلم يقيد بالصغر، وفيه نظر۔ قال البيهقي بعد تخريجه تبت النهي عن اتخاذ "الصور" فيحمل علىٰ أن الرخصة لعائشة في ذٰلک كان قبل التحريم، وبه جزم ابن الجوزي" (فتح الباري ۱۰/ ۵۲۶-۵۲۷ رقم: ۶۱۳۰)۔

"وقال ابن الملک: قيل: عدم إنكاره ﷺ علىٰ لعبها بالصورة وإبقائها في بيتها دال علىٰ أن ذٰلک قبل التحريم إياها، أو يقال لعب الصغار مظنة الاستخفاف" (مرقاة المفاتيح ۶/ ۲۷۵)۔

۱۶-امور خانہ داری میں مہارت اور اولاد کی تربیت وغیرہ سے متعلق مضامین پڑھائے جانے کی حیثیت:

بلاشبہ عصری اِداروں میں بچیوں کی ضرورت سے متعلق فنون مثلاً سلائی، کڑھائی ودیگر اُمور خانہ داری کی تعلیم دینی چاہیے، اس طرح کی تعلیم دینا انجام کار کے اعتبار سے بہتر ہے۔

"وأما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنىٰ عنه في قوام أمور الدنيا كالطب والحساب والنحو واللغة ...... والعلم بأعمارهم وأصول الصناعات والفلاحة كالحياكة والسياسة والحجامة" (شامي ۱/ ۱۲۶ زکریا، ۱/ ۴۲ کراچی)۔

"الصناعة – في الجملة – من الأمور الضرورية للحياة التي لا يستغني عنها الناس في حياتهم كسائر

ما لا تتم المعائش إلا بهٖ كالتجارة والزراعة وغير ذٰلک مما لا تستقيم أمور حياة الناس بدونها فهي لهٰذا فرض كفاية على الجماعة إن قام بها البعض يسقط الحرج عن الباقين، وإلا أثموا جميعًا'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۷/۶۱-۱۳الکویت)۔

''يندب للمرأ أن يختار حرفة لكسب رزقه۔ قال عمر بن الخطاب: إني لأرى الرجل فيعجبني، فأقول: له حرفة؟ فإن قالوا: لا، سقط من عيني'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۲۷الکویت)۔

۱۷-اسلامی ماحول کے عصری ادارے قائم کرنا:

مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر بچہ اور بچی کو اتنی دینی تعلیم ضرور دیں، جس سے وہ اپنے مذہبی فرائض بسہولت انجام دے سکیں، اور ضروری عقائد ان کے ذہن میں راسخ ہو سکیں۔

''عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: طلب العلم فريضة على كل مسلم'' (سنن ابن ماجۃ ۲۰ رقم: ۲۲۴، مشکاۃ المصابیح ۱/۳۴ رقم: ۲۱۸)۔

''فمن العلوم التي تعلّمها فرض عين تعلم ما يحتاجه الإنسان من علم الفقه والعقيدة'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۰/۲۹۱الکویت)۔

''من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص علمهٖ لله تعالىٰ ومعاشرة عباده، وفرض علىٰ كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم الوضوء والغسل والصلاة والصوم، وعلم الزكاة لمن له نصاب والحج لمن وجب عليه الخ'' (شامي ۱/۱۲۵-۱۲۶زکریا، ۱/۴۲ کراچی)۔

۱۸-جنسِ مخالف اساتذہ کا تقرر:

بالغ طلبہ اور طالبات کے لئے جنسِ مخالف کو اُستاذ مقرر کرنا جائز نہیں ہے، کسی بھی اسکول کے ذمہ داروں کے لئے محض مالی تقاضوں کی بنیاد پر شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کی اِجازت نہ ہوگی۔

﴿فَلاَ تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ والدلالة أن الأحسن بالمرأة أن لا ترفع صوتها بحيث يسمعها الرجال ...... ﴿وَلاَ يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾ ''فإذا كانت منهية عن أسماع صوت خلخال فكلامها إذا كانت شابة تخشى من قبلها الفتنة أولىٰ بالنهي عنه'' (أحکام القرآن للجصاص/ الأحزاب ۳/۴۷۰زکریا)۔

''وينظر من الأجنبية ولو كافرة إلىٰ وجهها وكفيها فقط للضرورة ...... فإن خاف الشهوة أو شک امتنع نظره إلىٰ وجهها، فحل النظر مقيد بعدم الشهوة ومالاً فحرام، وهٰذا في زمانهم، وأما في زماننا فمنع من

الشابة۔ وفي الشامية: لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة" (شامي / کتاب الحظر والإباحة ۹/۵۳۱-۵۳۲ زکریا)۔

"تعلم النساء من الرجال وما كان أعمىٰ واجتماعهن معه مقام الفتنة علىٰ أن نظر النساء على الرجال وإن كانوا عمياناً أيضًا مكروه" (نفع المفتي والسائل ۱۲۳ بحوالہ: فتاویٰ قاسمیہ ۳/۴۰۳)۔

۱۹- تعلیمی اداروں کو بچانے کے لئے رشوت دینا:

اگر اسکول کی انتظامیہ ضابطہ کے مطابق کام کرے اور محکمہ تعلیم کے افسران زبردستی اُن سے رشوت کے طالب ہوں، اور رشوت نہ دینے سے نقصان کا اندیشہ ہو، تو اس میں نقصان سے بچنے اور اپنے اِدارہ کو بچانے کے لئے مجبوراً رشوت دینے کی گنجائش ہے۔

"ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه علىٰ نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ" (شامي / کتاب القضاء ۸/۳۵ زکریا)۔

"وفيه أيضًا: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله، ولاستخراج حق له ليس برشوةٍ يعني في حق الدافع" (شامي ۹/۶۰۷ زکریا)۔

"وأما إذا دفع الرشوة ليسوي أمره عند السلطان حل للدافع ولا يحل للآخذ" (إعلاء السنن ۱۵/۶۲ کراچی)۔

☆☆☆

تعلیم کے لئے عمر کی تحدید اور کذب بیانی

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

۱- ایسے اسکول قائم کرنا جن میں بقدرِ ضرورت دنیاوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے، بلا شبہ جائز اور کارِ خیر اور موجب اجر وثواب ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۴۵)۔

فرائض، واجباتِ شرعیہ کی تعلیم فرض ہے، اور حسنِ اخلاق، معاشرہ، روزگار اور پیشہ وہنر کی تعلیم شرعی وطبعی درجات کے مطابق مستحب ومباح ہے (کفایت المفتی ۲/ ۴۲)۔

اپنی ضرورت کی مقدار دینی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اور عام انسانی ضروریات کا علم فرضِ کفایہ کے درجہ میں ہے (کتاب الفتاویٰ ۱/ ۴۲)۔

ردالمحتار میں ہے: **"وأما فرض الکفایۃ من العلم فھو کل علم لا یستغنیٰ عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب"** (مقدمہ ردالمحتار ۱/ ۲۹)۔

طلباء کے ایمان وعقائد کی حفاظت کرنا ضروری ہے اُس کے لیے مطلوبہ معیار کے مطابق عصری تعلیم دینے کے لیے اسکول کھولنا بھی ضروری ہے، اِس طرح کے اسکول بالکل نہ ہوں تو یہ عمل فرضِ کفایہ کے درجے میں ہوگا اور اگر مسلم انتظامیہ کے ذریعے چلنے والے دیگر اسکول پہلے سے موجود ہوں تو مزید اسکول کھولنا مستحب یا مباح کے درجے میں ہوگا۔

۲- مسلمانوں کے زیرِ انتظام چلنے والے اسکولوں میں باطل نظریات کی تعلیم:

مسلمانوں کے زیرِ انتظام اسکولوں میں غیر شرعی علوم وفنون کو پڑھانا جائز نہیں، لہٰذا جنسی تعلیم، اور موسیقی وغیرہ کے متعلق محکمۂ تعلیم کو باخبر کرنا چاہیے کہ ہم اُن کو نہیں پڑھا سکتے اور مطالبہ کرنا چاہیے کہ ہمارے اسکول کو اُس سے مستثنیٰ کیا جائے، "کتاب الفتاویٰ" میں ہے:

ایسے عصری علوم جو نافع ہو، اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ اُن کی تعلیم کے اسکول قائم کیے جائیں تو کچھ حرج نہیں۔ شرعی

☆ مفتی دارالافتاء وناظم جامعہ حسینیہ خیر العلوم، نور محل روڈ بھوپال (ایم۔ پی)۔

حدود سے مراد یہ ہے کہ بے پردگی نہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ تنہائی وخلوت نہ ہو، فتنے کے مواقع سے بچنے کا اہتمام ہو، ایسا علم نہ ہو جو شرعاً ناجائز ہو جیسے رقص، موسیقی کی تعلیم (فتاویٰ الفتاویٰ ۱؍۴۲۳)۔

۳-فیس کی قلت کی وجہ سے مشرکانہ اعمال انجام دینے والے اسکول میں بچوں کا داخلہ:

جس اسکول میں مسلمان بچوں کے عقائد واعمال خراب ہونے کا اندیشہ ہو، اُن میں اپنے بچوں کو داخل کرنا درست نہیں اور اگر داخل کریں تو پہلے اُن کو گھر میں دینی تعلیم دلائیں پھر دنیاوی تعلیم کے لیے اسکولوں میں داخل کریں۔ حضرت اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: اگر دینیات پڑھ کر ضرورت کے لیے انگریزی تعلیم ہو تب اندیشہ عقائد خراب ہونے کا بہت کم ہوتا ہے اور جب مذہب کے عقائد کی خبر نہیں ہوتی تو اکثر بگاڑ ہی ہوجاتا ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۱؍۴۹)۔

نفس زبان سیکھنا فی حد ذاتہ ممنوع نہیں لیکن آج کل انگریزی پڑھنے والوں پر ماحول کا اتنا برا اثر پڑتا ہے کہ وہ اپنے اقوال، افعال، وضع قطع کو بالکل شریعت کے خلاف کر لیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے عقائد تک مسخ ہوجاتے ہیں۔ مسائل شرعیہ نماز، روزہ، تلاوت قرآن وغیرہ کا مذاق اُڑاتے ہیں، بہت سے لامذہب مادّہ پرست ہوکر قادر مطلق کی ذات وصفات کا انکار کر بیٹھتے ہیں اس لیے مفاسد کے پیش نظر شرعی نقطۂ نظر سے انگریزی تعلیم کو مخرب عقائد، مفسد اعمال کہا جاتا ہے، لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے میں مفاسد مذکورہ کے علاوہ کچھ اور بھی شرمناک اور ناقابل بیان خرابیاں موجود ہیں جو کہ اہل زمانہ پر بخوبی روشن ہیں اس لیے اس سے کلی اجتناب لازم ہے (فتاویٰ محمودیہ جدید ۱؍۸۶)۔

جس کالج یا اسکول میں خلاف اسلام تعلیم ہوتی ہے عقائد، اعمال، اخلاق سب غلط ذہن نشین کرائے جاتے ہیں اس کا ممبر بننا اور تقویت پہنچانا ہرگز جائز نہیں (فتاویٰ محمودیہ ۶؍۸۷)۔

۴-مخلوط تعلیمی نظام:

لڑکیوں کی مخلوط تعلیم اور بے پردہ ملاقات بود وباش یہ سب چیزیں غلط ہیں، ان سے پورا پرہیز لازم ہے (فتاویٰ محمودیہ ۶؍۸۹-۹۰)۔

سیانی لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں داخل کرنا جائز نہیں، دس سال کی لڑکی کو ہرگز ایسے اسکول میں داخل نہ کیا جائے، اس میں سخت فتنہ ہے (فتاویٰ محمودیہ ۶؍۷۵)۔

چھ سات سال تک بچیوں کے لیے کچھ مضائقہ نہیں، وہ بھی جب کہ بداخلاقی نہ سیکھیں، ان کی پوری نگرانی کی جائے، آٹھ نو سال کی بچیوں کو لڑکوں کے مکتب مدرسے میں آنے سے روک دیا جائے (فتاویٰ محمودیہ ۶؍۷۴)۔

بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے۔ یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلّف ہوجانا ممکن ہے اور جسمانی قوت استعداد اور نوعیت، آب وہوا اور نسلی وقومی خصوصیات کے اختلاف سے بلوغ ومکلفیت کی عمروں میں اختلاف ہوتا ہے

ارباب بصیرت مختلف مقامات کے مطابق عمر بلوغ متعین کر سکتے ہیں۔ مشتہات کے درجات بھی احوال و مقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سات آٹھ سال کی لڑکی مشتہاۃ ہوجائے اور ہوسکتا ہے کہ گیارہ سال تک مشتہات نہ ہو (کفایت المفتی ۲/ ۴۲)۔

"حتی تشتهی به و قدر بتسع یفتیٰ و بنت إحدیٰ عشرة مشتهاة اتفاقا" (درمختار علی ھامش رد المحتار ۲/ ۶۴۰)۔

۵-جداگانہ تعلیمی نظام کی کون سی صورت بہتر ہے:

خواتین کی بے پردگی نہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ تنہائی وخلوت نہ ہو اور فتنے سے بچنے کا اہتمام ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کی علیحدہ درس گاہ قائم کریں تاکہ لڑکیاں مخلوط تعلیم سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم حاصل کریں (کفایت المفتی ۱/ ۴۲۳)۔

غیر مخلوط درس گاہ نہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے اس لیے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو (کتاب الفتاویٰ ۱/ ۴۲۵)۔

جس طرح بیرونی لڑکوں کے لیے قیام وطعام اور وظائف کا انتظام ہے کہ وہ دور دراز سے آکر رہتے ہیں اور کئی کئی سال قیام کرکے پورا درس پڑھ کر عالم فاضل ہوکر جاتے ہیں، یہ صورت لڑکیوں کے لیے نہیں ہے نہ اس کی ضرورت ہے (فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۷۳)۔

زنانہ مدارس کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کا تعلیم کے لیے وہاں جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا یہ تمام امور شریعت کے مطابق اور مستحسن ہیں (کفایت المفتی ۲/ ۴۱)۔

۶-کذب بیانی پر مبنی حلف نامہ:

بچہ کی غلط تاریخ پیدائش لکھوانا جھوٹ ہے، سرپرست اپنے اختیار سے جھوٹ بول کر غلط تاریخ پیدائش لکھواتے ہیں، لہٰذا گناہ گار ہوں گے۔

۷-مخصوص لباس اور یونیفارم:

ٹائی ایک وقت میں نصاریٰ کا شعار تھا اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا اب غیر نصاریٰ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، بہت سے صوم وصلوٰۃ کے پابند مسلمان بھی استعمال کرتے ہیں اب اس کے حکم میں تخفیف ہے۔ اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت شدید ہوگی کہیں ہلکی جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا

جائے گا (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۴۰۸)۔

دس سال کی لڑکیوں کے لیے ستر کا حکم بالغہ کی طرح ہے، درمختار میں ہے: ”ثم کبالغ“ صاحب ردمحتار فرماتے ہیں: ”أی عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين فقد أعطوها حكم البالغه من حين بلوغ حد الشهوة واختلفوا فى تقدير حد الشهوة، فقيل: سبع، و قيل: تسع، بل المعتبر أن تصلح للجماع، بأن تكون عبلة ضخمة، وهٰذا المناسب اعتباره“ یعنی دس سال کے بعد اس کا ستر بالغوں کی طرح ہے شہوت کی حد کو پہنچنے کے بعد اس کو بالغہ کا حکم دیا ہے اور شہوت کی حد متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ ایک قول سات سال کا ہے، دوسرا قول نو سال کا ہے، بلکہ اعتبار اس کا ہے کہ وہ جماع کے قابل ہو۔ موٹی تگڑی ہو، یہ اعتبار ہی مناسب ہے (شامی ۱/ ۲۷۳)۔

بچوں اور بچیوں کو ایسا یونیفارم پہنانا جس میں سترِ عورت ظاہر ہو، منع ہے۔ اُس کے بجائے ایسے اسکول میں داخل کریں جس میں ساتر لباس والا یونیفارم پہنایا جاتا ہو۔ البتہ دوسرے اسکول نہ ہوں تو ٹائی لگا کر اسکول جانے کی گنجائش ہے۔

۸-اسکول کی تعمیرات پر بے جا خرچ:

ضرورت سے زائد فیس وصول کرنا ظلم ہے اور اُس فیس کو ضروریات کے علاوہ دیگر اُمور میں خرچ کرنا بھی غلط کام ہے۔ بچوں کو تعلیم کی سہولت پہنچانے اور خدمت کے طور پر تعلیم دینا ضروری ہے۔ رفاہی اداروں کا تو مقصد ہی ملت کو فائدہ پہنچانا ہے۔ غریب بچوں کو تعلیم کی سہولت فراہم کرنا چاہئے۔ اُس کے بجائے بلاضرورت بلڈنگوں کو وسعت دینے اور اُن کو خوبصورت بنانے میں خرچ کرنا اسراف وفضول خرچی میں داخل ہوگا۔

۹-ایام غیر حاضری کی فیس:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے طلباء کی غیر حاضری یا اُن کی کمی کے باوجود مدرّس کے حاضر رہنے پر اُس کو اُجرت کا مستحق قرار دیا ہے۔ امداد الفتاویٰ میں اِسی قسم کے سوال کے جواب میں ہے، یہ اجیر خاص ہے تسلیم نفس سے استحقاق اجر کا ہو جاوے گا۔ پس اگر یہ اُس وقت میں حاضر رہا تو مستحق ہے ورنہ نہیں (امداد الفتاویٰ ۳/۳۶۱)۔

۱۰-اسکول کے محتاج طلبہ پر زکوۃ صرف کرنا:

عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بچے اور اُن کے ماں باپ، سرپرست غریب ہوں، صاحبِ نصاب نہ ہوں تو اُن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

۱۱-مشرکانہ اعمال انجام دینے والے اداروں سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

۱-اگر سرکاری اِداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہو تو مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: سرکاری اسکولوں میں بچوں کو مشرکانہ ترانے گانے پر مجبور کیا جائے تو نہ گائیں، اِس جرم میں اگر اسکول سے نکال

دیا جائے تو دوسرے اسکول میں داخلہ لیں۔ اگر پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں اِس عمل پر مجبور کیا جائے گا تو بچوں کو اُس اسکول میں داخل نہ کرائیں۔

۲- سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اُس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اِن سرکاری اداروں میں مشرکانہ ترانے پڑھنے کی بچوں کو ترغیب دی جاتی ہے اور اُس میں شرکت کا اُن کو اختیار رہتا ہے، اُس میں شریک نہ ہونے پر مواخذہ نہیں کیا جاتا، دوسرے اسکول جن میں مشرکانہ ترانے نہ ہوتے ہوں پائے جانے کی صورت میں مذکورہ اسکولوں میں بچوں کو داخل نہ کریں۔ تاکہ اُن کو ترغیب دے کر مشرکانہ افعال کا شوق پیدا نہ کیا جائے، البتہ دوسرے اچھے اِدارے نہ ہوں تو مجبوراً اُن اداروں میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

۳- اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اُس کو لازم قرار دیا جائے اور اُس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: دنیاوی ترقی کے مقابلے میں دین وایمان کی حفاظت مقدم ہے، لہٰذا جن اداروں میں مشرکانہ ترانوں کو لازم کردیا گیا ہو، اُن سے بچوں کو نکال لیں۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ نہ اِس ترانے کا گانا جائز ہے اور نہ ایسے جلسے میں شریک ہونا جائز (امدادالفتاویٰ ۴ر ۶۴۷)۔

۴- اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت پرائیویٹ ادارہ ہو، اور اُس میں اِن کاموں کے کرنے کی ترغیب دی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اِن مشرکانہ افعال سے پاک کوئی ادارہ نہ ہو تو مجبوراً اِس ادارہ میں بچوں کو داخل کیا جاسکتا ہے، جس میں اُن کاموں میں شرکت کے لیے صرف ترغیب دی جاتی ہے اور شریک نہ ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔

۵- اِن تمام صورتوں میں اگر دوسرے ادارے موجود ہوں جو اِن برائیوں سے پاک ہوں، اور وہاں داخلہ ہوسکتا ہو تو اِن مشرکانہ افعال کو لازم کرنے والے یا ترغیب دینے والے اِدارے میں مسلمان بچوں کو داخل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: جب دوسرے ادارے مشرکانہ افعال سے پاک موجود ہیں اور ان میں داخلہ بھی ہوسکتا ہے تو جن اداروں میں مشرکانہ افعال کو لازم کیا گیا ہے یا ترغیب دی جاتی ہے اُن اداروں میں بچوں کو داخل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دین وایمان کی حفاظت مقدم ہے۔ "**یا ایها الّذین آمَنُوا قُوا انفُسَکم و أهلِیْکُم نارا**" (سورۂ تحریم:۶)۔

۱۲- جنسیات کی تعلیم:

بچوں کو جنسی تعلیم دینا بے شعوری کی عمر ہی سے ان کو بے حیائی اور بدکاری کی دلدل میں دھکیلنا ہے، جنسی عمل کے اندیشہ سے حضور ﷺ نے بچوں کو الگ الگ سلانے اور ان کے بستر الگ الگ کرنے کی ہدایت دی ہے: "**مرو أولادکم بالصلوٰة و هم ابناء سبع سنین واضربوهم علیها وهم أبناء عشر سنین و فرقو بینهم فی المضاجع**" (رواہ ابوداؤد، ص:۷۱)

(تمہارے بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو نماز چھوڑنے پر ان کی پٹائی کرو نیز ان کو الگ الگ بستروں پر سلاؤ)۔

ان کو الگ الگ بستروں پر سلاؤ، یعنی بچوں کی عمر جب دس سال کی ہوجائے تو ان کے بستر الگ الگ کردو، ان کو ایک ہی بستر پر نہ سونے دو خواہ آپس میں قرابت رکھتے ہیں خواہ حقیقی بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ آپس میں کوئی قرابت نہ رکھتے ہوں کیونکہ اس عمر میں جنسی جذبات بیدار ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور ایک ساتھ سونے کی صورت میں بچے کسی برائی میں مبتلا ہوسکتے ہیں (مظاہر حق ۱/ ۵۰۷۔۵۰۸)۔

البتہ قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں کے احکام عفت و پاکبازی کی اہمیت اور بے عفتی دینوی واخروی نقصانات ومضرات پر مشتمل کتاب ان کے لیے مرتب کرکے پڑھائی جاسکتی ہے۔

۱۳-عصری اسکولوں میں تفریحی طبی سرگرمیوں میں طلبہ وطالبات کا اختلاط:

بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلوں کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے منعقد کیا جائے، یہ مقابلے صرف لڑکوں کے درمیان کرائے جائیں، تاکہ اختلاط اور بے پردگی نہ ہو۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے، احادیث جو کھیل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان سے، نیز عبارات فقہیہ سے کھیل کے متعلق تفصیلات ذیل مستفاد ہوتی ہیں:

(الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہے۔

(ب) جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہ مقصود ہو وہ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلاف شرع ملا ہوا نہ ہو اور منجملہ امور خلاف شرع سے تشبہ بالکفار بھی ہے۔

(ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مقصود ہو، لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہوجاتا ہے جیسے تیراندازی یا گھوڑ دوڑ وغیرہ جبکہ اس میں قمار کی صورت پیدا ہوجائے تو وہ بھی ناجائز ہوجاتے ہیں یا کوئی کھیل کسی خاص قوم کفار کا مخصوص سمجھا جاتا ہو وہ بھی ناجائز ہوگا لہٰذا گیند کے کھیل خواہ کرکٹ وغیرہ ہوں یا دوسرے دیسی کھیل فی نفسہ جائز ہیں، کیونکہ ان سے تفریح طبع وورزش وتقویت ہوتی ہے جو دینوی اہم فائدہ ہے اور دینی فوائد کے لیے سبب بھی لیکن امر شرط یہی ہے کہ یہ کھیل اس طرح پر ہوں کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع اور تشبہ کفار نہ ہو، لباس اور طرز وضع میں انگریزیت ہو اور نہ گھٹنے کھلے ہوئے ہوں، نہ اپنے اور نہ دوسروں کے۔ اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریات اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے، اگر کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ کرکٹ ٹینس وغیرہ کھیل سکتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے ورنہ نہیں۔ آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں میں موجود نہیں، اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے (امداد المفتیین ص:۱۰۰۲)

کھیل، خواہ گیند کا ہو یا کوئی دوسرا اگر اس سے محض کھیل اور لہو ولعب مقصود ہے تو مکروہ ہے اور اگر تفریح طبع یا رفع کسل یا

تحصیل قوت مقصود ہوتو جائز ہے بشرطیکہ کسی ممنوع شرعی پر مشتمل نہ ہو،فٹ بال بھی فی نفسہ گیند کا کھیل ہے،اس لیے وہ بھی بدلیل مذکور فی نفسہ جائز ہے،لیکن آج کل دوسرے مکروہات، بلکہ بعض محرمات مثل کشف ستر وغیرہ اس کے ساتھ مثل لازم کے ہوگئے ہیں،نیز عموماً اس کھیل کے عامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین ومذہب اور مذہبی احکام سے آزاد ہیں اور عموماً نیکر پہن کر کھیلتے ہیں جس میں کشف عورت ہوتا ہے۔ان کے ساتھ کھیلنا اور اتنا زیادہ اختلاط بھی کراہت سے خالی نہیں،لہٰذا موجودہ صورت کے ساتھ فٹ بال کھیلنا مکروہ ہے، ہاں اسکول کے لڑکے قواعد اسکول کی وجہ سے مجبور ہوں تو ان کے لیے مضائقہ نہیں بشرطیکہ دوسرے منکرات سے بچیں (امداد المفتیین رص:۱۰۰۱)۔

"**وکره کل لهو لقوله علیه السلام کل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة ملاعبته أهله و تأدیبه لفرسه ومناضلته بقوسه**" (درمختار علی ھامش ردمختار ۵/ ۲۵۳)، "**قال صاحب الدر: فیباح فی کل الملاعب، قال الشامی: أی التی تعلم الفروسیة و تعین علی الجهاد؛ لأن جواز الجعل فیما مر إنما ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس، فیجوز ماعداها بدون الجعل من لعب بالصولجان یرید الفروسیة یجوز قد جاء الأثر فی رخصة المصارعة لتحصیل القدرة علی المقاتلة دون التلهی، فإنه مکروه**"(شامی ۵/ ۲۵۸)۔

"**فالظاهر أنه إن قصد به التمرن والتقویٰ علی الشجاعة لاباس به**"(شامی ۵/ ۲۵۹) "**والمصارعة لیست ببدعة إلا للتلهی فتکره، وأما السباق بلا جعل فیحل فی کل شئ**" (درمختار علی ھامش ردمختار ۵/ ۲۵۹)۔

ہر ایسا کھیل جس میں ہار جیت ہو،قمار میں داخل ہے اور نص قرآنی سے حرام ہے،ایسے کھیل جن میں قمار جوا کی صورت حرام ہیں،ایسا کھیل جس میں کوئی دینی ودنیوی نفع نہیں وہ بھی اس وجہ سے ناجائز ہیں،اس میں قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے،ایسا کھیل جس میں قمار نہ ہو اور اس میں دینی یا دنیوی نفع ہو اس کی گنجائش اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر نہ ہو۔موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلاف شرع امور پائے جاتے ہیں۔نمازوں کا قضا کردینا اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا فجار فساق اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا غفلت کی حد تو یہ ہوچکی ہے کہ دن تو دن اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک ہوتا ہے۔کرکٹ کے میچ کے وقت نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آچکی ہیں (فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۳۷۷)۔

اسکول کے منتظمین کھیلوں کے پروگرام منعقد کرتے وقت مذکورہ خرابیوں سے پروگرام کو پاک رکھیں۔یہ مقابلے انعام مقرر کیے بغیر کرائے جائیں "**وأما السباق بلا جعل فیحل فی کل شئ**" (درمختار علی ھامش الشامی ۵/ ۲۵۹)۔

علامہ شامی نے فرمایا :"**لأن جواز الجعل فیما مر إنما ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس، فیجوز ماعداها بدون الجعل من لعب بالصولجان یرید الفروسیة یجوز قد جاء الأثر فیی رخصة المصارعة لتحصیل**

القدرة علی المقابلة دون التلهي، فإنه مکروه'' کیونکہ انعام کا جواز مخصوص کھیلوں میں حدیث سے خلاف قیاس ثابت ہوا ہےتو ان کھیلوں کے علاوہ دوسرے کھیل بغیر انعام مقرر کیے جائز ہیں جو فروسیہ حاصل کرنے کے مقصد سے صولجان سے کھیلے تو جائز ہے اور کشتی کی اجازت میں اثر وارد ہوا ہے کہ جنگ پر قدرت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے صرف کھیل کو مقصد بنانا مکروہ ہے (شامی ۵/ ۲۵۸)۔

تفریح اور سیر کے لیے شہریوں کی ملاقات کے لیے خوش طبعی کی محفلوں کے لیے رسمی جلسوں کے لیے عورتوں کو نکلنے کی اجازت نہیں، بے پردہ نکلنا تو ہر صورت میں ناجائز ہے (فتاویٰ محمودیہ جدید ۶/ ۹۳)۔

جو کھیل کفار یا فساق کا شعار نہ ہو اور اس میں ہار جیت پر مال کی شرط نہ ہو اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے طاعات ترک نہ ہوں اور اس میں کوئی چیز خلاف شرع نہ ہو تو درست ہے، اگر اس میں صحت وتندرستی ہو اور بدن قوی ہو، دشمنوں کے مقابلہ کی قوت میں ترقی ہو تو اس نیت سے اس میں ترغیب بھی ہے جیسے گھوڑے کی سواری میں یا تیرنے میں ورنہ جیسا جتنا غلط کھیل ہوگا ویسا ہی اس پر حکم بھی ہوگا (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲/ ۲۷۴)۔

اگر ورزش اور مشق جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے کھیلے تو درست ہے مگر ستر پوشی اور دیگر حدود شریعت کی رعایت لازم ہے، انہماک کی وجہ سے احکام شرعیہ نماز و جماعت وغیرہ میں خلل نہ آئے (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲/ ۲۷۰)۔

۱۴- طالبات کا ثقافتی پروگرام، ڈرامے وغیرہ میں شرکت:

تاریخی واقعات اور مکالمات کو تمثیلی انداز ڈرامے میں پیش کرنا درست نہیں، فقہ میں اس طرز کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور یہ تماشہ کی شکل بن جاتی ہے اور اس سے تعلیمی مقصد کم حاصل ہوتا ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۵۱، زبدۃ الفتاویٰ ۱/ ۱۳۸)۔

طالبات کے لیے ایسے تقریری پروگرام میں حصّہ لینا جائز نہیں، جس کی آواز مردوں تک پہنچتی ہو، شریعت مطہرہ نے عورت کو آواز سے قرآن پڑھنے تلبیہ زور سے پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور مواقع ضرورت میں بھی اجنبی مرد سے نرم و نازک اور دلکش انداز میں گفتگو کرنے سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض'' (سورۂ احزاب: ۳۲)۔

اور شامی میں ہے: ''ولا نجیز لهن رفع أصواتهن ولا تمطیطها ولا تلیینها و تقطیعها لما فی ذالک من استمالة الرجال، الیهن و تحریک الشهوات منهم، و من هٰذا لم یجز أن توذن المرأة'' (شامی ۱/ ۲۷۲)۔

نوعمر لڑکیوں کو اِس طرح جلسہ کرنا بظاہر اُن کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب کا ذریعہ بھی ہے، اُن کو معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں، مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ تقریر کی مشق بھی ہوتی ہے، مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوتے ہیں خاص کر جب مردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ لاؤڈ اسپیکر پر ان کی تقریر، مکالمے سنتے ہیں اور دلچسپی لیتے

ہیں اور نظمیں بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں خود عورتوں کا جمع ہونا مستقل فتنہ ہے اس وجہ سے تقریبات خاندان میں بھی شرکت کی ان کو اجازت نہیں دی جاتی۔

"ویمنعها من زیارة الأجانب و عیادتهم والولیمة، وإن إذن کانا عاصیین لما مرّ والولیمة ظاهره، ولو کانت عندالمحارم؛ لأنها تشتمل علی جمعٍ فلا تخلوا من الفساد عادةً" (شامی ۲/ ۶۶۵)۔

مسؤلہ جلسہ میں تو مسؤلہ طریقہ پر سخت قسم کا فتنہ ہے، جس میں تقریر و قرأت کی آواز بھی نامحرم تک پہنچتی ہے اس لیے ہرگز اجازت نہیں (فتاویٰ محمودیہ جدید ۶/ ۹۳)۔

۱۵-نصاب تعلیم میں جانوروں کی تصاویر اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں:

بچوں کو تصویروں اور مجسموں کا عادی بنانے سے ان کے دلوں سے تصویروں کی قباحت اور نفرت نکل جائے گی اس لیے جن کتابوں میں جانوروں کی تصویریں ہوں ان کو نصاب میں شامل کرنا اور جانوروں کے مجسموں کو کلاس میں مہیا کرنا درست نہیں (کفایت المفتی ۹/ ۱۹۱)۔

گڑیا کی یا کسی اور کھلونے کی شکل وصورت جاندار کی نہ ہو تو مضائقہ نہیں، جاندار کی صورت بنانا اور گھر میں رکھنا منع ہے بچوں کے لیے بھی نہ رکھیں (فتاویٰ محمودیہ ۲۹/ ۲۶۵)۔

حضرت عائشہؓ کی گڑیاں کیسی تھیں کپڑے کی یا لوہے تانبے پیتل مٹی کی اور پھر ان میں ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، منہ وغیرہ اعضاء موجود تھے یا نہیں جب تک متدل ان چیزوں کی تحقیق نہ کرے اس وقت تک اس زمانہ کی مروّجہ گڑیاں بنانے اور فروخت کرنے پر استدلال درست نہ ہوگا، تصویر جاندار کی بنانے یا رکھنے سے، خواہ کپڑے کی ہو، خواہ کسی اور شئے کی احادیث میں صریح ممانعت ہے۔ حضرت عائشہؓ کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردہ پر تصویر تھی جس کو حضور ﷺ کی ناگواری کو دیکھ کر پھاڑ ڈالا تھا غالباً متدل کے سامنے یہ عبارت بھی ہوگی۔

"وکذا بطل بیع مال غیر متقوم کالخمر والخنزیر و یدخل فیه فرس أو ثور من خزف لایستناس الصبی؛ لأنه لا قیمة له" (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲۹/ ۲۶۶)۔

کسی چیز پر نقش کیے بغیر ڈیجیٹل تصویر بھی بچوں کو دکھانا درست نہیں۔ امداد الفتاویٰ میں ہے، آئینہ کے اندر کوئی انتقاش باقی نہیں رہتا، زوالِ محاذاۃ کے بعد وہ عکس بھی زائل ہو جاتا ہے بخلاف فوٹو کے اور یہ بالکل ظاہر ہے پھر صنعت کے واسطے سے ہے اس لیے بالکل مثل دستی تصویر کے ہے (امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۲۵۳)۔

چہرہ اور ستر عورت کے علاوہ انسانی جسم کے دیگر اعضاء کی تصویریں بچوں کو دکھائی جاسکتی ہیں۔ کفایت المفتی میں ہے تصویریں اور وہ بھی مذہبی تعلیم کی کتاب میں ہرگز نہ ہونی چاہئے۔ اوّل تو قیام و رکوع وغیرہ سمجھانے کے لیے تصویروں کی ضرورت

نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کو لازمی سمجھا جائے تو تصویر بغیر سر کی صرف گردن تک بنائی جائیں۔ سر نہ ہو تو وہ تصویر کے حکم میں نہ ہوگی (کفایت المفتی ۱۹۱/۹)۔

۱۶-طالبات کے لئے ضروری مضامین کا نصاب میں شامل کیا جانا:

مسلم انتظامیہ کو لڑکیوں کے لیے مناسب ہنر سلائی کڑھائی امور خانہ داری کی تعلیم کا انتظام مستحسن ہے۔ لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا، حساب ہنر سینا پرونا پکانا کاڑھنا وغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں پردے اور صلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (کفایت المفتی ۴۷/۲)۔

عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا یہ تمام امور شریعت کے مطابق اور مستحسن ہیں کیونکہ ان کا مبنا تعلیم وتعلم کی تنظیم وتشکیل ہے (کفایت المفتی ۴۱/۲)۔

۱۷-اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی ادارے قائم کرنا:

شرعی فرائض اور واجبات کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ خواہ وہ علوم عبادات ومعاملات سے تعلق رکھتے ہوں خواہ معاشرت و تمدن سے اور مستحبات کا علم مستحب اور مباحات کا علم مباح ہے (کفایت المفتی ۴۵/۲)۔

۱۸-مخالف جنس ٹیچر کا تقرر:

معلّمہ کو بالغ لڑکوں کے لیے اور بالغ طالبات کے لیے معلم مرد کو مقرر کرنا جب کہ وہ بغیر پردے کے تعلیم دیں شرعاً جائز نہیں فتاویٰ محمودیہ میں ہے لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم بے پردہ ملاقات، بود وباش، مرد اساتذہ کا اُن کو تعلیم دینا یہ سب چیز غلط ہیں، اِس طریقہ پر تعلیم دینے کی ہرگز اجازت نہیں (فتاویٰ محمودیہ ۸۹/۶)۔

۱۹-اسکول کی منظوری کے تحفظ کے لئے رشوت:

اگر رشوت دیے بغیر اسکول کی منظوری برقرار نہ رکھی جاسکتی ہو اور اُس کے منسوخ ہونے کا ظن غالب ہو اور قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اُن معائنہ کاروں کو رشوت دینے کی گنجائش ہے۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے جو کام کسی کے ذمے واجب ہو پھر اُس کا معاوضہ لیں وہ رشوت ہے، جیسے عدالت اور پولیس کے ملازمین یا ڈاک خانے کے ملازمین کے ذمے جو کام متعین ہے اگر وہ پبلک سے اُس پر معاوضہ لیں، بغیر معاوضہ نہ کریں تو رشوت ہے، اپنا حق (تجارت یا ملازمت وغیرہ) وصول کرنے کے لیے اگر مجبوراً رشوت دی جائے تو اُمید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے گا، رشوت لینے والے پر ہی وبال رہے گا۔

"قال الشامی: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولاستخراج حق له لیس برشوة یعنی فی حق الدافع" (شامی ۲۷۲/۵)۔

☆☆☆

عصری تعلیم - احکام شرعیہ کی روشنی میں

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی☆

۱- اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیارِ تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھانے کی غرض سے مناسب اور معیاری اسکول قائم کرنا واجب کفائی ہے۔

۲- اسکول اگر مسلم افراد یا تنظیموں کے زیرِ اثر ہوں تو مسلم قوم کے لئے ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں اسلامیات کو بھی شامل کریں، تاکہ نئی نسلیں بچپن سے ہی اسلامی علوم و معارف سے متعارف ہوں، خصوصا اسلام کی بنیادی تعلیمات یعنی صحیح اسلامی عقائد، عبادات سے متعلق معلومات، اور معاملات و معاشرت وغیرہ سے متعلق بنیادی ضروری معلومات سے آگاہی حاصل کریں، نیز غیر اسلامی افکار و نظریات اگر داخل نصاب ہوں، یا ان اسباق کی تدریس لازمی ہو تو ایسی صورت میں نقد و تبصرہ کے ساتھ اسلامی اور غیر اسلامی نظریات کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے ساتھ پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، خیر اور شر کے درمیان فرق واضح کرنا اور اسلام کی حقانیت کو دلائل کی روشنی میں واضح کرنا بھی مسلم اساتذہ اور مربیوں کا فرض منصبی بنتا ہے۔

۳- مذکورہ مجبوریوں کی صورت میں ایسے تعلیمی اداروں سے استفادہ کی گنجائش ہے، البتہ والدین اور سرپرست حضرات پر یہ ضروری ہوگا کہ وہ اسلامیات پر مشتمل علمی مواد کی تعلیم کے لئے الگ سے انتظام کریں، یعنی ٹیوشن، کوچنگ کلاسس اور سمر اسلامک کورس کے ذریعہ مذکورہ مفاسد کا تدارک ممکن ہے، یا خود والدین اپنے بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کے لئے اپنے گھروں میں بھی ایسا ماحول بنائیں کہ نئی نسلیں باہر کی غیر اسلامی نظریات اور افکار کے یلغار سے محفوظ رہ سکیں، نیز متولیان مساجد بھی مساجد میں صبح و شام دینیات کی تعلیم کا صحیح نظم قائم کریں، تاکہ ہر مسلم طالب علم کا عقیدہ اور صحیح عمل ہو اور صحیح اسلامی طرز زندگی سے مکمل واقف ہو۔

۴- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بچے دس سال کی عمر سے سن تمیز میں داخل ہوجاتے ہیں، اس عمر کے ساتھ بچوں کے بستر الگ کرنے اور انہیں نماز نہ پڑھنے کی صورت میں مارنے کی اجازت بھی دی گئی ہے، لہذا جب بچے دس سال کے ہوجائیں تو انہیں مخلوط تعلیم سے دور رکھنا ضروری ہے، خواہ انتظامیہ کے لئے کسی بھی طرح کی دشواریوں کا سامنا ہو، کیونکہ جلب منفعت مقدم ہے دفع مضرت سے، لہذا دس سال کی عمر سے ہی بچوں اور بچیوں کے مابین حد فاصل قائم کرنا شرعا ضروری ہے ورنہ اختلاط کے مفاسد کا سامنا ہوگا۔

☆ استاذ و مفتی جامعہ دار السلام، عمر آباد، تامل ناڈو۔

۵ - اسلام بے پردگی اور مخلوط نظام تعلیم کی ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے، بلکہ دونوں (لڑکوں اور لڑکیوں) کے لئے الگ الگ بلڈنگ کے انتظام کو ہی ترجیح دیتا ہے، تاکہ شر اور فساد کا سد باب کر سکے، مذکورہ جداگانہ نظام تعلیم کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت سب صورتوں میں بہتر اور محفوظ صورت ہے جس میں شر کے سارے راستے بند ہوجاتے ہیں، اختلاط کے مفاسد سے دور رہنے کی بہتر صورت بھی یہی ہے۔ البتہ دوسری صورت پہلی صورت کے بالمقابل کچھ بہتر ہے، لیکن مفاسد کے امکانات باقی ہیں، ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کیمپس کی وجہ سے اختلاطِ مرد وزن اور اس کے نقصانات سے احتراز مشکل ضرور ہے۔

تیسری صورت میں بھی اختلاط کے مختلف نقصانات کے قوی امکانات ہیں، لہذا پہلی صورت میں ہی تحفظ ہے، اور شریعت پر عمل درآمد آسان ہے۔

۶ - از روئے شریعت جھوٹ کبیرہ گناہ ہے، تعلیم کی خاطر جھوٹ بولنا بھی شرعا درست نہیں ہے، لہذا سچائی پر عمل پیرا ہونا لازم ہے، خواہ بظاہر نقصان کا اندیشہ ہو، ایسی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو کسی کو جھوٹ پر آمادہ کرے یا جس کی بنیاد جھوٹ پر قائم ہو، اس طرح کے امور سے مسلمانوں کو ہر حال میں بچنا چاہئے۔

۷ - اسکول کی طرف سے شناخت کی خاطر الگ الگ یونیفارم متعین کرنا درست تو ہے لیکن یہ لباس ساتر ضرور ہوں، غیر شائستہ نہ ہوں، لہذا والدین اور سرپرست اس بات کا پورا خیال رکھیں کہ لباس مکمل ساتر ہوں، اور اسکول کے انتظامیہ کو بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۸ - اسلام کی نظر میں تعلیم خدمت خلق کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، لیکن موجودہ حالات میں تعلیم کو کسب معاش کا ذریعہ بنالیا گیا ہے، بلکہ تعلیم کامیاب تجارت بن گئی ہے، ان اسکولوں سے حاصل شدہ فیس سے غریب بچوں کو تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوب صورت بنانے میں خرچ کر دیا جاتا ہے جو کہ ظلم عظیم ہے، تعلیم کو عام کرنا اور آسان کرنا اور جہالت کا خاتمہ مقصد وحید ہونا چاہئے۔

۹ - از روئے شریعت طالب علم تعلیمی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس ادا کرنے کے باوجود خود بخود غیر حاضر ہوجائے تو ایسی صورت میں طالب علم کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہوگا اور طالب کی غیر حاضری کی وجہ سے استاذ یا ڈرائیور کی تنخواہ کم نہیں کی جاسکتی، المسلمون علی شروطهم (سنن ابوداؤد۔ ۳۵۹۴، حسن صحیح) کے تحت تمام مسلمان اپنے عہد و پیمان کا پابند ہوں گے۔

۱۰ - از روئے شریعت ہر وہ تعلیم جو دینی شعور پیدا کرنے کے لئے یا احیاء دین کی خاطر ہو یا خدمتِ انسانیت کی خاطر ہو تو زکوۃ کی رقم ان پر خرچ کی جاسکتی ہے البتہ تعلیم اگر دین بے زاری کی خاطر ہو تو زکوۃ کی رقم ان پر خرچ نہیں کی جاسکتی ہے۔

۱۱ - مذکورہ حالت کے پیشِ نظر بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان اپنا مستقل اسکول کھول لیں، غیر اسلامی نظریات وافکار سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں، جیسا کہ ہر قوم اپنے نظریات پر عمل کے لئے مستقل اسکول اور کالج کا انتظام کر لیتے ہیں، خواہ وہ ہندو ہوں یا نصرانی،

جین مت ہوں یا سکھ مت وغیرہ، جہاں مسلم قوم مجبور ومقہور ہو، کوئی دوسرا راستہ میسر نہ ہو تو دل میں کفر اور شرکیہ امور سے نفرت کرتے ہوئے، کراہت کے ساتھ ان سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں تعلیم حاصل کرنا جائز ہوگا۔

الف- مذکورہ اداروں میں شرکیہ اعمال کی ترغیب دی جا رہی ہو تو ترغیب سے متاثر ہوئے بغیر شرکیہ کاموں سے اپنے دلوں میں نفرت اور کراہت رکھتے ہوئے اپنے صحیح عقائد کو مضبوطی کے ساتھ تھامتے ہوئے ایسے اسکولوں میں علم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ب- مذکورہ حالت میں ایسے اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے حد تک استفادہ میں کوئی قباحت تو نہیں ہے، البتہ یہ کوشش کی جائے کہ امت کے ان نونہالوں کو اسلام سے قریب رکھنے کے لئے ٹیوشن سنٹرس سے جوڑیں، کوچنگ کلاسس کا بھی انتظام وانصرام ہو، موسم گرما میں سمر اسلامک کیمپ منعقد کرایا جائے جہاں دینیات کی تعلیم اور اسلامی تربیت کا ماحول ہو۔

ج- مذکورہ ادارہ سے صرف تعلیم حاصل کی جائے اور شرکیہ کاموں سے مکمل دوری اختیار کی جائے، ترغیب سے متاثر نہ ہوں، شرک اور کفر کے ماحول سے دل میں ضرور نفرت اور کراہت باقی رہے۔

د- مذکورہ ادارہ میں جو مشرکانہ افعال کو لازم کرتے ہوں یا ترغیب بھی دیتے ہوں اس کے بالمقابل ایسا ادارہ موجود ہو جو ان برائیوں سے پاک ہو تو ایسے ادارہ کو ہر حال میں ترجیح دینا ضروری ہوگا، جہاں تک ہو سکے مسلم قوم اپنے بچوں کو مشرکانہ امور اور نصرانیت کے نظریات یا غیر اسلامی عقائد رکھنے والے اداروں سے دور رکھنے اور کفر والحاد اور دین بے زاری کے ماحول سے بچائے رکھنا واجب ہے۔

ھ- مذکورہ مسلمان انتظامیہ کے لئے "**تعاون علی الإثم والعدوان**" کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، مسلم قوم داعی قوم ہے، اس کا کام دعوت الی اللہ ہے نہ کہ کفر وشرک والحاد کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہے یا اسے فروغ دینے کی کوشش کرنا ہے، "**الولاء والبراء من الإیمان**" (ایمان اور اہل ایمان سے دوستی، کفر اور کافروں سے برائت کا اظہار) کا قاعدہ ہمیشہ سامنے رہے۔

۱۲- ایسے اداروں سے جو اخلاقیات کو بگاڑنے والے ہیں اپنے بچوں کو دور رکھنا ہی بہتر ہے، کیونکہ جنسیات کی تعلیم سے اخلاقی انحطاط لازم ہے، برائی سے بچنے کی تدبیریں اپنانے کی بجائے برائی کے نئے راستے تلاش کرنا انتہائی مضر ثابت ہوگا، کیونکہ جنسیات کی تعلیم کو یورپی ممالک نے آزمایا، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ آزادانہ اختلاط، ننگے پن اور جنسیات کی تعلیم نے شہوانی جذبات کو اس طرح ابھارا کہ نکاح کا طریقہ ناکافی ثابت ہوا، آزاد جنسی تعلقات کو فطری اور بے ضرر قرار دیا گیا، کم عمر لڑکیاں جو ۱۲، ۱۳، سال کی عمر میں مانع حمل گولیوں پر رہنے لگی ہیں، اور وہ ۱۵، ۱۶ سال کی عمر میں حاملہ ہو جاتی ہیں، خاندان کا مستحکم نظام بگڑ گیا، غلط تعلقات نے ایڈز جیسی مہلک بیماری کو جنم دیا ہے، ایڈز اور ہسٹریا کے مرض میں بہت سارے مرد اور خواتین مبتلا ہو گئے۔ العیاذ باللہ

مذکورہ تجویز مناسب ہے ہم حکومت سے کہیں کہ ہم اپنے بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور

مسلمانوں کی تعلیمی ادارے ایسی کتاب مرتب کریں گے کہ جس میں بلوغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کریں گے- ان شاء اللہ- یقیناً ایسی تجاویز ضرور معقول ہوں گی-

۱۳- اختلاط مرد وزن سے مکمل احتراز کے ساتھ دونوں صنفوں کے لئے الگ الگ تفریحی، طبی یا ثقافتی پروگراموں کا نظم ہوتو مذکورہ پروگرام کا انعقاد شرعاً صحیح ہے ورنہ نہیں-

۱۴- مذکورہ پروگرام صرف لڑکوں یا صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہوتو ایسے پروگرام کی ترتیب صحیح ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ شریعت نے اختلاط سے روکا ہے، اور پردہ کا حکم بھی دیا، سورہ نور، النساء، اورسورہ احزاب کی آیتیں اس پر شاہد ہیں لہذا مجالس کی تعیین اور تنسیخ کی اشد ضرورت ہے، ہمارا نصب العین بے حیائی اور فحاشی سے امت کو بچانا ہے۔

۱۵- ازروئے شریعت بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی تصویروں کے ذریعہ تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لیا جاسکتا ہے، تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسمے بھی دیکھ لیں، مقصد یہ ہو کہ اشیاء کا نام یا تعارف پیش کیا جائے۔

۱۶- مسلم خواتین کے لئے سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت، اور اولاد کی تربیت وغیرہ، کی تعلیم وتربیت کا انتظام وانصرام یقیناً مستحب کے درجے میں ہے، لڑکیوں کے لئے ان امور کی تعلیم کا انتظام کرنا یقیناً مفید ثابت ہوگا-

۱۷- ازروئے شریعت اسکولوں میں ہر مسلم طالب علم کو اسلام کے مبادیات، یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کی بنیادی معلومات بقدر ضرورت روزانہ ایک گھنٹی ضرور دینی چاہیے، اس نیک مقاصد کے لئے ہمارے علماء کرام کی تصانیف موجود ہیں، مثلاً تعلیم الاسلام، مفتی کفایت اللہ صاحب، (مکتب اور اسکول کے بچوں کے لئے ۵ / سالہ ابتدائی نصاب) دینیات، ادارہ دینیات، ممبئی۔ چمنِ اسلام، تحسین وتلقین، خطیب عبدالمجید صاحب ویلوری، ہماری کتاب اور سچا دین، افضل حسین صاحب وغیرہ کی تدریس کے ذریعہ بچوں کی اسلامی تربیت کا اہتمام ممکن ہے۔

۱۸- بچوں کی تعلیم کے لئے معلمین اور معلمات کا تقرر بلاتفریق خصوصاً ابتدائی پانچ جماعتوں کے لئے کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جب بچے سنِ شعور میں داخل ہوں تو جنس مخالف ٹیچر کا تقرر درست نہ ہوگا، خواہ خاتون معلّمہ کم تنخواہ پر مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو۔

۱۹- اصولاً رشوت لینا یا دینا دونوں صورتیں شرعاً ناجائز ہیں، مجبوری کی صورت میں کراہت کے ساتھ اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے رشوت دے کر اسکول کو بچانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، لیکن کسی بھی صورت میں رشوت لینا تو جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق سوالات وجوابات

مولانا حافظ حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی ☆

اسلامی نقطہ نظر سے کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ کی تعلیم کو دیگر علوم پر فوقیت وبرتری حاصل ہے،لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی میں جن علوم کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ سب علم نافع میں ضرور بہ ضرور شامل ہیں، ایسی صورت میں ہر وہ علم جو انسانیت کے حق میں مفید ہو اور دارین میں نفع بخش ہو اس کا سیکھنا اور دوسروں تک اس علم کو پہنچانا خیرِ امت کے فرض منصبی میں شامل ہے، ہمارے اسلاف نے دنیا کو ہر مفید چیز سے نوازا، ہر میدانِ علم میں آگے رہے، نفع پہنچانا ان کی خاص پہچان تھی، اسلام علوم کی تقسیم کے خلاف ہے، جب سے علوم کی تقسیم عمل آئی امت مسلمہ تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہوگئی، زوال پذیر ہوگئی، دینی علوم او رعصری علوم کی تقسیم نے نوع انسانیت کو دو بڑے طبقوں میں تقسیم کردیا بلکہ دونوں کے درمیان ایک خلیج حائل کردی، مختلف نت نئے مسائل بھی پیدا ہوئے، بعض مسائل تعلیم حاصل کرنے والوں سے متعلق ہیں تو دیگر مسائل عصری تعلیمی اداروں سے، ایسے مسائل یقیناً حل طلب ہیں:

اس پس منظر میں درج ذیل چند سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱-اسلامی ماحول کے عصری ادارے کا قیام:

اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیارِ تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھانے کی غرض سے مناسب اور معیاری اسکول قائم کرنا واجب ہے، واجب اس لئے ہے کہ حالات حاضرہ سے واقفیت اور مخالفینِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے واقفیت لازمی ہے، حضرت زیدؓ کو عبرانی سیکھنے کے حکم سے دلیل لی جاسکتی ہے، زوائد ابن حبان میں روایت ہے کہ صحف ابراہیم میں ایک ربانی تعلیم یہی تھی کہ ”**علی العاقل أن يكون بصيرا بزمانه مقبلا علي شأنه حافظا للسانه**“(صحیح ابن حبان ۲/ ۷۸)۔

۲-نصاب تعلیم میں کن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

پڑھانے والوں کو حکمت عملی سے کام لینا ہوگا، حکمت وقابلیت کے ساتھ غلط اور صحیح کے نقصانات اور افادیت کی نشاندہی کردینی ہوگی۔

☆ ناظم جامعہ دار السلام، عمرآباد، تامل ناڈو۔

۳-مشرکانہ عمل انجام دیئے جانے والے اسکولوں میں بچوں کا داخلہ:

موجودہ دور میں بہتر صورت یہ ہے کہ مکاتب وتربیت گاہ کا اہتمام کیا جائے اور بچوں کے فارغ اوقات میں اسلام کی مبادیات سے مکمل طور پر روشناس کرایا جائے۔

۴- دس سال کی عمر سے الگ الگ جماعتیں رکھنا ضروری ہے۔

۵-مخلوط نظام تعلیم میں احتیاط تدابیر:

پہلی صورت ضروری ہے، دوسری جواز کی، تیسری مجبوری کی ہے۔

۶-کذب بیانی پر مبنی حلف نامہ:

حالات کے تحت قوانین شرع بھی بدلتے ہیں، جیسا کہ قواعد فقہیہ میں مشہور قاعدہ ہے، "الضرورت تبیح المحظورات"، یعنی مجبوریوں میں حرام چیزیں بھی مباح ہوجاتی ہیں۔

۷-اسکولی بچوں کے یونیفارم کا مسئلہ:

ایسے حالات میں اسلامی اسکولوں کا قیام لازم ہوگا جہاں شرعی ساتر لباس کی ایسی جاذب صورت پیدا کی جائیگی کہ طالبات فخر اور سربلندی کے ساتھ اسے اپنا سکیں۔

۸-اسکول کے سرمایہ کو بے جا خرچ کرنا:

تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینے اور خوب صورت بنانے میں رقم خرچ کرنے کو اسلام کراہت کے ساتھ اجازت دیتا ہے، نیز افادیت پیشِ نظر رکھ کر بعض مکروہات سے صرف نظر کرنا ہوگا۔

۹-غیر حاضر طلبا سے فیس وصول کرنا:

نظم ونسق کے خیال سے درست قرار دیا سکتا ہے، حرج طالب علم کی ذات سے ہوا ہے تو ادارہ اپنا نقصان کیوں اٹھائے-

۱۰-اسکول کے محتاج طلبہ پر زکوۃ صرف کرنا:

ازروئے شریعت غریب کے کھانے، پینے اور پہننے پر زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، پھر تعلیم تو روح کی غذا اور اس کا لباس ہے، اشاعت اسلام کے لئے زکاۃ ایک مصرف ہے تو اشاعت علوم اور جہالت کے خاتمہ کے لئے بھی اس میں گنجائش ہوسکتی ہے-

۱۱-اسکولوں میں مشرکانہ عمل اور تدابیر:

ارشاد باری ہے: "مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ" بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ" مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ" عَظِيْمٌ" (سورۂ نحل:۱۰۶) (جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کیساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کیساتھ مطمئن ہو بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر

کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا)۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں بندہ مومن اگر مجبور ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو ایسی صورت میں مذکورہ شرکیہ افعال میں بادل ناخواستہ شرکت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جائے تو ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

بہتر صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے بچوں کی ذہن سازی کی جائے پھر اس کے بعد داخلہ کی گنجائش نکالی جائے، ورنہ بچوں کی زندگی متاثر ہوگی۔

☆ اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے اور اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے، اور جب تک اس کی صورت عمل میں نہ آئے ناپسندیدگی کے ساتھ تعلیم جاری رکھے۔

☆ اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو کیا حکم ہوگا؟

مذکورہ صورت میں ذمہ داروں سے کچھ لو اور کچھ دو کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے: ''خذ ما صفا دع ما کدر'' کا اصول اپنالیا جائے۔

☆ کیا مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ اسکول کی ترقی کی مصلحت کے تحت اپنے یہاں ان چیزوں کو رواج دیں، یا مسلمان بچوں کو ان سے الگ رکھیں اور صرف غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کریں۔

مسلمان بچوں کو شرکیہ اعمال سے الگ رکھ کر غیر مسلم بچوں کو چھوٹ دی جاسکتی ہے، جیسے مسلم ممالک میں ذمیوں کو کئی غلط باتوں کی اجازت حاصل ہے۔

۱۲-اسکول کے بچوں کو جنسیات کی تعلیم دینے کا مسئلہ:

مقصد جنسی بے راہ روی سے تحفظ ہے تو حکومت کے آگے معقول دلائل کے ساتھ ایسے منصوبے اور اقدار رکھ کر تسلیم کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہ اسلامی تعلیمات ان معاملات اور امور میں زیادہ مفید اور نفع بخش ہیں۔

مقصد جنسی بے راہ روی سے تحفظ ہے تو حکومت کے آگے ایسے منصوبے اور اخلاقی اقدار رکھ کر تسلیم کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہ تعلیمات زیادہ مفید ہیں۔

۱۳-اختلاط سے بچاتے ہوئے تفریحی پروگرام میں شرکت:

ہر جائز تفریح اور ریاضت میں اختلاط سے بچا کر ایسے کام انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۴-اسکولوں میں ثقافتی پروگرام:

طالبات مدارس وکالج کو اچھے عنوانوں پر تقریر اور صالح کرداروں کے ساتھ ڈراموں میں شرکت کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۵-نصابی کتابوں میں جانوروں اور اعضاء انسانی کی تصاویر:

کھیل کے میدان میں ایسی تصاویر اور مجسموں کی گنجائش ہے تو تعلیم کے میدان میں بھی جواز کی صورت نکالی جاسکتی ہے۔

۱۶-امور خانہ داری سے متعلق مضامین پڑھانا:

طالبات کو امور خانہ داری اور مفید ہنروں سے آراستہ کرانا دور حاضر میں یقیناً واجب ہے، اور ملک کی دیگر خواتین کی بھی یہی پسند ہوگی اور خواتین کے ایسے ادارے ہر مذہب کے لئے قبول عام حاصل کرسکیں گے۔

۱۷-اسلامی ماحول کے تعلیمی ادارے کا قیام:

سچی بات یہ ہے کہ دین کی بنیادی تعلیم طویل مدت کی متقاضی نہیں ہے، عقائد، حلال وحرام، جائز وناجائز اور عبادات کی ضرورت سے واقفیت کم سے کم وقت میں ممکن ہے، اس بنیادی تعلیم کو ذہنوں میں نقش کرادینے کے بعد کسی بھی اسکول میں پڑھائی جاری رکھی جاسکتی ہے۔

۱۸-مخالف جنس ٹیچر کا تقرر:

دور حاضر کے حساس مسائل میں سے یہ ایک خاص مسئلہ ہے، کم تنخواہ پر معلمات کا تقرر نا جائز استحصال ہے، جس کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۱۹-ادارے کو بچانے کے لئے رشوت:

ظالم افسروں اور حکمرانوں کو اپنے جائز حقوق کی بقا کے لئے جو رقم دی جائیگی وہ رشوت کی تعریف میں نہیں آتی، دینے والے کو اس کی اجازت ہے، اور لینے والا بہر حال رشوت خور ہوگا، رشوت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ **''دفع المبلغ لقلب الحق باطلا أو الباطل حقا''** یعنی الٹے کو سیدھا اور سیدھے کو الٹا کرنے کے لئے جو رقم ادا کی جاتی ہے، وہ دونوں کے حق میں رشوت ہے اور اس کی وعید **''لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي''** (**مسند امام احمد، ۶۷۷۹، السنن الصغیر للبیھقی، ۳۲۶۷**)، البتہ اپنا حق کسی ظالم کے پاس پھنسا ہوا ہو تو کچھ دے دلا کر حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں عصری تعلیم کی ضرورت اور شرعی آداب

مفتی محمد مقصود فرقانی☆

۱- ہمارے نزدیک ایسے اسکول کا قائم کرنا واجب لغیرہ ہے، یعنی زمانہ موجودہ کے موجودہ حالات اور قوم مسلم کی جو ذمہ داریاں شریعت مطہرہ نے رکھی ہیں ان کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ عصری تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں، تاکہ مسلمان قوم بھی اپنے مخالفین کے مقابلہ ترقی یافتہ قوم بن سکے اور یہ واجب ان لوگوں کے ذمہ عائد ہوتا ہے جو علمی یا مالی اعتبار سے اس وجوب کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

الموسوعۃ الفقیہ (۱۳/۶-۷) پر ہے:"**وقد يكون التعلم فرض كفاية، وهو تعلم كل علم لا يستغنى عنه فى قيام أمور الدنيا كالطب والحساب والنحو واللغة والكلام والقرارات وأسانيد الحديث، ونحو ذلك، وقد حث الشرع على تعليم العلوم التى تحتاجها الأمة فى دينهاودنياهاوجاء ت الآيات والأحاديث والأخبار**"(موسوعہ عربی ۱۳/۶-۷)۔

(صفحہ ۱۲) پر ہے:"**وينبغى أن يعلمه أيضا من أمور الدنيا ما يحتاج إليه من السياحة والرمى وغير ذلک مما ينفعه فى كل زمان بحسبه قال عمرؓ علموا أولادكم السباحة والرماية ومروهم فليثبوعلى الخيل وقهيا**"۔

۲- جو ادارے مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں ان میں شرعی اصول وضوابط کا لحاظ بہت ضروری ہے اور وہ افکار یا تحقیقات جو شرعی نقطۂ نظر کے خلاف ہوں ان کا پڑھانا جائز نہیں ہے، اسی صفحہ پر ہے:"**قد يكون التعلم حراما ومنه تعلم الشعوذة وضرب الرمل والسحر وكذا الكهانة والعرافة**"۔

"**وقد يكون التعلم مكروها ومنه تعلم أشعار الغزل مما فيه وصف النساء المغنيات**"۔

۳- مذکورہ صورت میں عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے اداروں میں مسلمان اپنے بچوں کو داخل کراسکتے ہیں، البتہ ماں باپ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح نگرانی کریں اور شرعی احکام بتلاتے رہیں اور اس ادارے میں اسلام

☆ مفتی مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، رامپور۔

کے خلاف کوئی عمل ہوتو بچوں کے سامنے اس کی صراحت کردیں۔

الموسوعۃ الفقہیۃ (۱۳/۹) پر ہے:"وأن يتخلق بالمحاسن التى ورد الشرع بها وحث عليها والخلال الحميدة والشيم المرضية التى أرشدإليها"۔

(جلد ۶ / ۳۲۶) پر ہے:"ان اسماء بنت ابى بكر دخلت على الرسول الله ﷺ وعليها ثياب رقاق فاعرض عنها وقال: يا أسماء إن المرأة إذآ بلغت المحيض لم يصلح أن يرى منها إلاهذا وهذا وأشار الى وجهه وكفيه، رواه ابوداؤد عن عائشة"۔

۴- فقہاء نے ماں کے لئے حق حضانت کے بارے میں لڑکے کے لئے سات سال اورلڑکی کے لئے بلوغ تک کا قول کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمر سے پہلے بچہ میں سوجھ بوجھ کم ہوتی ہے اور اشتہا بھی نہیں ہوتی اس کے بعد سمجھ بھی بڑھ جاتی ہے اور اشتہا بھی ہونے لگتی ہے، لہذا اس جزئیہ پر قیاس کرتے ہوئے اگر اس عمر تک مخلوط تعلیم ہوتو اس کی گنجائش ہے، اوراس کے بعد مخلوط تعلیم درست نہیں ہے۔

موسوعہ کے (ص ۱۳) پر ہے:"ويجب أن يكون تعليم النساء مع مراعاة آداب أمر الشارع المرأة بالتزامها للحافظ على عرضها وشرفها وعفتها من عدم الاختلاط بالرجال وعدم التبرج وعدم الخضوع بالقول إذا كانت هناك حاجة للكلام مع الأجانب"۔

عالمگیری (۲/۱۴۱) پر ہے:"والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغنى وقدر بسبع سنين والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض"۔

بہتر یہ ہے کہ لڑکوں کو سات سال کی عمر کے بعد لڑکیوں سے الگ رکھا جائے اور دونوں کی تعلیم کے کلاس علاحدہ علاحدہ ہونا چاہئے، لیکن دس سال کی عمر کے بعد لڑکوں کے کلاس کا علیحدا ہونا ضروری ہے، جو قریب واجب کے لئے، بلکہ واجب ہی ہے، حدیث شریف میں اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں انہیں ضرب لگاؤ اوران کا بستر الگ کردو۔

موسوعہ فقہیہ (۱۳/۱۱) پر ہے:"مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سنين واضربوهم عليها وهم لبناء عشرسنين وفرقوا بينهم فى المضاجع، ويحرفه تحريم الزنا واللواط والسرقة وشرب الخمر والكذب والغيبة وشبها، كما يعلم انه بالبلوغ يدخل فى التكليف ويعرف ما يبلغ به"۔

۵- جداگانہ نظام کی تین صورتوں میں پہلی صورت زیادہ بہتر ہے اگر یہ دشوار ہوتو دوسری صورت بھی درست ہے، اوراگر یہ بھی مشکل ہوتو بدرجہ مجبوری تیسری "ويجب ان يكون تعليم النساء مع مراعاة آداب امر الشارع الخ" سے معلوم ہوتا ہے۔

الفتاوی الشرعیہ (۶ / ۳۳۳) پر ہے، "واما الخلوة بالمرأة الأجنبية فتجنب متى توفرت لها شروط

الخلوة الصحیحة بحیث تؤمن دخول ثالث لم یکن فی المجلس، ولا مانع من الحدیث مع الزمیلات فی أمور تتعلق بالدراسة فی غیر ریبة ولاخضوع بالقول"۔

۶- اگر بچہ کے اسکول میں داخلہ کے لئے ایسی کوئی شرط ہے جس کے بغیر داخلہ ناممکن ہے تو ایسی صورت میں حدیث "انما الأعمال بالنیات" کے تحت والدین کے لئے جھوٹا حلف نامہ بنوا کر بچہ کی کم عمر لکھوانا جائز ہے، اس عمل سے اسکول کے شرائط پورے ہونے کے ساتھ ساتھ بچہ کے مستقبل میں اس کی ترقی اور تعلیم کے لئے بھی فائدہ ہوگا اور اگر بغیر اس شرط کے داخلہ ممکن ہو تو پھر جھوٹا حلف نامہ بنوا کر بچہ کی عمر کم نہیں لکھوانا چاہئے۔

۷- اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ یونیفارم ایسا ہو جو شریعت کے مطابق ہو جو اسکول مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں ان مسلمانوں پر لازم ہے کہ بچوں کا ایسا یونیفارم تیار کریں جو ساتر جسم ہو یانی اس میں ستر پوشی ہو جائے اور جو اسکول غیر مسلم تنظیموں کے زیر انتظام ہیں وہ چونکہ شریعت کے احکام کے مکلّف نہیں ہیں پس اگر وہ اسلامی لباس نہ پہننے دیں اور مسلم ادارہ وہاں موجود نہ ہو تو پھر بدرجہ مجبوری ایسے اسکولوں میں مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا جائز ہے، رہا مسئلہ یونیفارم کے اصول وضوابط مقرر کرنے کا تو یہ مشاورت کے بعد طے کیا جاسکتا ہے اور ٹائی تو اب عام ہوگئی ہے یہ عیسائیوں کا شعار نہیں رہا، اس لئے ٹائی کا استعمال کرنا درست ہے۔

الفتاوی الشرعیہ (۲۶۲/۸) پر ہے: "ان الحجاب الذی یستر الجسم ماعدالوجه والکفین فرض علی کل من بلغت سن التکلیف سواء کان بالحیض أو بالسن علی أن لا تکون الثیاب شفافة بحیث تظهر ماتحتها من الجسم وأن لا تکون ممثلة لتقاسیه الجسم حتی ولو کانت غیر شفافة، وأن لا تکون مثیرة ذاتها" ۔

۸- اسلام کی نظر میں تعلیم کو ذریعہ معاش بنانا اور تعلیم کو مہنگا کر دینا درست نہیں ہے جو اسکول مسلمان چلاتے ہیں ان کی نیت اسکول چلانے میں رضا الٰہی اور خدمت خلق کی ہونا چاہئے اور جو غیر مسلم تنظیمیں ہیں ان کی نیت رفاہ عام، یعنی خدمت خلق کی ہونا چاہئے شریعت کی نظر میں وہ لوگ گنہگار ہیں جنہوں نے تعلیم کو مہنگا کر دیا اور غریب بچوں کو تعلیم سے محروم کر دیا ان بچوں کو تعلیم سے محروم کرنے کا وبال ایسے لوگوں پر ہوگا، اس لئے تعلیم کے نام پر موٹی رقم لینا اور طرح طرح کے نام سے فیس وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

۹- مذکورہ صورت میں اگر طالب علم اپنے عذر کی وجہ اسے غیر حاضر ہوا ہے جب تو اس کی غیر حاضری کی فیس جائز ہے اور اگر اسکول کو کوئی کمی ہے یا ٹیچر اس قابل نہیں ہیں تو پھر اسکول کے منتظم کو وہ فیس لینا جائز نہیں ہے۔

۱۰- ایسے بچے جن کے والدین غریب ہیں اور وہ تعلیم کے اخراجات برداشت نہیں کر پاتے، ان بچوں پر زکوة کی رقم خرچ کرنا اور مالک بنا کر زکاة کی رقم ان کی تعلیم پر دینا جائز ہے۔

۱۱- مشرکانہ ترانہ پڑھانا یا پڑھنا مسلمان بچوں کو یا مسلم تنظیموں کو جائز نہیں ہے، خواہ وہ وندے ماترم ہو یا اس جیسا کوئی دوسرا مشرکانہ ترانہ، البتہ ایسا ترانہ پڑھنا جس میں شرکیہ تصور نہ ہو چاہے وہ گیتا کے اشلوک ہوں یا دوسری کتاب سے درست ہے، یوگا اور

سوریہ نمسکار ایک ورزش ہے جس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ مشرکانہ ترانہ میں یہ مسئلہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بچے اور اگر کسی ادارے میں، خواہ وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری مشرکانہ ترانہ لازم ہو اور ترانہ نہ پڑھنے والے کو داخل نہ کیا جائے یا اس کا نام خارج کر دیا جائے تو پھر ایسی صورت میں ''وقلبه مطمئن بالإيمان'' کے تحت پڑھنا درست ہوگا، اور اگر کوئی ادارہ ایسا وہاں موجود ہو جہاں یہ ترانہ نہ پڑھایا جاتا ہو یا حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا نہ کرائی جاتی ہو تو پھر مسلمانوں کو اپنے بچے ایسے اداروں میں داخل کرنا چاہئے جہاں شرک سے بچا جا سکے، مسلمان تنظیموں کو اسکول کی ترقی کی خاطر خلاف شرع امور کو رواج نہیں دینا چاہئے۔

۱۲- اس صورت میں جہاں تک ہو سکے مخلوط تعلیم دینے سے گریز کیا جائے اور حکومت سے مخلوط تعلیم نہ ہونے کا مسلمانوں کو مطالبہ کرنا چاہئے اور مسلمان تعلیمی اداروں کو ایسی کتابیں مرتب کرنا چاہئے جس میں مخلوط تعلیم کے نقصانات کو واضح کیا جائے اور لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے شرعی احکام وغیرہ بیان کئے جائیں۔

۱۳- اگر لڑکے لڑکیاں بغیر اختلاط کے ان چیزوں میں حصہ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر اختلاط کے ساتھ ان کاموں میں حصہ لینا درست نہیں ہے اور ان کاموں کے کرانے والے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔

۱۴- اس کا بھی وہی جواب ہے جو اس سے پہلے گزرا کہ اختلاط کے ساتھ جائز نہیں ہے، الفتاوی الشرعیہ (۳۴۰/۶) پر ہے: ''**إن هناك التزاما بمراعاة الزى والحشمة الأسلاميه والجماعة بالنسبة للمرأة وعدم اختلاط الرجال بالنساء فى أما كن متحركة وتجنب عرض مفاتن المرأة**''۔

۱۵- بچوں کو جانوروں کی تصویر اور اعضاء انسانی کی تصویر دکھانا جائز ہے، اور ان کی کتابوں میں ان تصاویر کے ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، لہذا تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لیا جا سکتا ہے، اور کلاسوں میں پلاسٹک وغیرہ کے مجسمہ لگانے میں بچوں کی تعلیم کی خاطر کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۶- جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لڑکیوں کے لئے ایسے تعلیمی امور کا انتظام کریں جو لڑکیوں کے امور خانہ داری سے متعلق ہیں، اور یہ انتظام کرنا ان کے لئے استحباب کے درجہ میں ہوگا۔

۱۷- مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ ایسے اسکول قائم کریں کہ جن میں بچوں کا بنیادی ماحول اچھا ہو اور دینی تعلیم کے سایہ میں ان بچوں کی تربیت ہو، اور ان اسکولوں میں بنیادی دینی تعلیم اس قدر ضروری ہے جس سے ان کے ذہنوں میں دین کی عزت اور اس کی اہمیت قائم ہو جائے اور اسلامی تعلیم ان کی رگ و پے میں سما جائے۔

۱۸- چھوٹے بچوں کے لئے مخالف جنس ٹیچر کے تقرر میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر بڑے بچوں کے لئے جنس مخالف ٹیچر کا تقرر ہونا برائیوں سے خالی نہیں ہے، اس لئے بڑے بچوں کے لئے ہم جنس ٹیچر کا تقرر ہونا چاہئے۔

۱۹- جو مسلم تنظیمیں ادارے چلاتی ہیں، ہونا تو یہ چاہئے کہ سرکار کے منشاء کے مطابق کلاسوں کی وسعت ہو اور قانونی اعتبار سے ادارہ مکمل ہو لیکن اگر دین کی حفاظت اور بچوں کی تعلیم کی وجہ سے سرکاری لوگوں کو رشوت دینا پڑے تو یہ جائز ہے، الفتاوی الشرعیہ (۸/ ۲۱۳) پر ہے: ’’**فيجوز دفع الرشوة لتعينها وسيلة لأخذ الحق المشروع**‘‘۔

☆☆☆

دینی ماحول میں عصری تعلیم - ضرورت واہمیت

مفتی اعجاز الحسن بانڈے القاسمی☆

برصغیر میں مغلوں کے دور حکومت میں عموماً تعلیم وتعلم کو زیادہ عروج نہیں ملا، مگر بعض مغل بادشاہوں نے دینی تعلیم وفہم دین کی بنیاد پر اس جانب خاص توجہ دی جن میں مشہور محقق وعالم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے بقول حضرت اورنگ زیبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، فرماتے ہیں کہ اورنگ زیبؒ کے عہد حکومت میں صرف شہر ٹھٹھ میں مختلف علوم وفنون کے چار سو مدارس قائم تھے (نظام تعلیم وتربیت ۱/۴۱۷)۔

یوں تو برصغیر میں انگریزوں کی آمد تجارت کے عنوان سے ہوئی، مگر عوامی تعاون حاصل کرنے کے لئے انہوں نے تعلیمی اور فلاحی میدان کو خاص طور پر انتخاب کیا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے ان دونوں راستوں سے مال بھی خوب سمیٹا اور لوگوں کے دل بھی جیتے، بلکہ ہندوپاک اور بنگلہ دیش پر قبضہ کرنے میں اس انتخاب نے خوب مدد کی۔

۱۸۵۷ کی بات ہے کہ مغلوں کا دور حکومت اپنے اختتام کو پہنچا، انگریزوں نے ہر میدان میں اپنے پر پھیلا رکھے تھے، اس وقت سب سے زیادہ نقصان اہل ایمان کا ہورہا تھا کہ ان کا اقتدار بھی چھن چکا تھا، معیشت بھی تباہی کے دہانے پر تھی، معاش بھی سسکیاں لے رہا تھا اور سب سے بڑھ کر ایمان ویقین پر بھی ڈاکے ڈالے جارہے تھے، ایسے میں معاد دیش ومعاش کی فکر تو کرنی ہی تھی، مگر سب سے بڑا مسئلہ دین وایمان کے چھن جانے کا تھا، دوسری چیزوں کی بھرپائی تو ہوجاتی ایمان چھن جاتا تو پھر کیا ہوتا، ایسے حالات میں درددل رکھنے والے اہل نظر مضطرب وبے چین ہوئے اور انہوں نے تعلیمی، علمی ودینی میدان کو اپنی فکر وتوجہ کا مرکز بنایا، چونکہ دین وایمان کے تحفظ کا معاملہ سب سے مقدم تھا، اس لئے اس کی طرف خاص توجہ دی گئی اور بڑی توجہ کے ساتھ ایک منظّم شکل میں دستور وآئین بنا کر مدارس دینیہ کا جال بچھایا گیا، دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ مدارس اسی کا نتیجۂ فکر ہیں، کچھ مدت گذرنے کے بعد حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے مروجہ کچھ دانشوروں اور اہل نظر نے عصری علوم کی طرف بھی بھرپور توجہ دی اور چھوٹے چھوٹے اسکولوں، کالجوں اور اداروں کی بنیاد ڈالی گئی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ ادارے انہی خیالات و کاوشوں کی عکاس ہے، ان اداروں کے بانیان دنیوی تعلیم کے ہی ماہرین نہیں تھے، بلکہ علوم اسلامیہ میں بھی نابغہ روزگار تھے اور سچ تو

☆ صدر مفتی الجامعہ سبیل الہدی، ہمدانیہ کالونی، سیکٹر ۸، بنڈ الہدی روڈ سری نگر کشمیر۔

یہ ہے کہ دینی علوم کی برکت سے ہی ان کے خیالات میں یہ وسعت و پاکیزگی پائی جاتی تھی اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

دیکھئے نا دنیوی علوم کے اسکول اگر پھول ہیں تو مراکز ومدارس دینیہ ان کی خوشبو اگر وہ الفاظ ہیں تو یہ ان کے معانی اگر وہ ظاہر ہیں تو یہ باطن اگر وہ مجاز ہیں تو یہ حقیقت اور اگر وہ ہڈی ہیں تو یہ گوشت، یہ وہ تعلق ورشتہ ہے جن کو کسی بھی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ہر ذی شعور اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم کو علم کا ہی درجہ دیا جائے اسے روزگار کے ساتھ جوڑ کر نہ دیکھا جائے اور اس کے ساتھ وسائل معاش جیسا سلوک کر کے اس کو بے عزت نہ کیا جائے۔

یہ ایک نا قابل تردید سچ ہے کہ وہ تمام علوم جن کا ادراک انسانی عقل وشعور نے کیا ہے، جن کی ضرورت دنیوی زندگی تک محدود ہے جن کا تعلق اس فانی زندگی میں دکھ سکھ سے ہے ایک صنعت، کاریگری اور وسائل معاش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور جن علوم کا تعلق وراثت انبیاء سے ہے جن کی انتہا معرفت ربانی ہے جن کا مقصد نجات اخروی ہے وہ حقیقت میں علم اور اس کے جاننے والے کو عالم اور اس پر چلنے والے کو سچا عامل کہا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: **"عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ أن رسول الله ﷺ قال: العلم ثلاثة فما وراء ذلک فهو فضل آية محكمة أو سنة قائمة أو فريضة عادلة"** (ابن ماجہ: ۵۴، ابوداؤد: ۲۸۸۵)۔

آپ ﷺ ایک بار مسجد نبوی میں تشریف آور ہوئے اس وقت لوگ ایک آدمی کے اردگرد جمع تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: **"عن أبی هريرةؓ أن النبي ﷺ دخل المسجد فرأى جمعا من الناس على رجل فقال: ما هذا؟قالوا يا رسول الله! علامة، قال : وما العلامة؟قالوا أعلم الناس بأنساب للعرب وأعلم الناس بعربية، وأعلم الناس بشعر، وأعلم الناس بما اختلف فيه العرب، فقال رسول الله ﷺ هذا علم لا ينفع وجهل لا يضره"** (جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر القرطبی ۱۹۲، رقم: ۱۷۵)۔

حدیث مبارکہ میں مذکورہ علوم سے متعلق آپ ﷺ کا فرمان مبارک یہ بتا رہا ہے کہ ان علوم کا حصول ممنوع تو نہیں ہے، مگر فرض وواجب کے درجہ میں بھی نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"والمراد بالعلم العلم الشرعی الذی يفيد معرفة مما يجب على المكلف من أمر دينه فی عباداته ومعاملاته،و العلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره، وتنزيعه عن النقائص، ومدار ذلک على التفسير والحديث والفقه" (فتح الباری ۱/۱۴۱ بیروت)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **"فيفهم منه العلم لا يطلق إلا على علم الشريعة"** (عمدۃ القاری ۲/۴۲، بیروت)، جہاں تک عصری علوم کا تعلق ہے تو ان کی حیثیت صنعت وحرفت جیسی ہے جن کا حصول فرض وواجب تو نہیں، دنیوی تقاضوں کی بناء پر

فرض کفایہ ضرور ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "**وأما فرض الكفاية من العلم، فهو كل علم لا يستغني عنه في قوام أمور الدنيا، كالطب والحساب والنحو واللغة**" (شامی کراچی ۱/۴۲)، پہلے زمانے میں نحو وادب جیسے علوم کو بھی عصری علوم کے زمرے میں رکھا جاتا تھا حالانکہ اگر آپ غور کریں تو دینی مدارس میں ان علوم کو علوم شرعیہ کے لئے بطور آلہ سمجھ کر پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، موجودہ زمانے میں انجینئرنگ، کمپیوٹر،علوم، زراعتی علوم، جغرافیائی علوم کا حصول فرض کفایہ قرار پائے گا کہ ان علوم کی مہارت سے انسانیت کا تحفظ اور ترقی ممکن ہے اور یہ بات طے ہے کہ اسلام نے ان علوم کی اہمیت وضرورت سے کبھی بھی انکار نہیں کیا ہے، بلکہ جناب رسول پاک ﷺ نے "**أنتم أعلم بأمور دنياكم**" سے اپنے ماننے والوں کو یہ درس دیا ہے کہ تم کمال مہارت کے ساتھ اپنے دنیوی امور کو انجام دینے کا علم وہنر سیکھو کہ زندگی کی بقا اور ظاہری ترقی کا راز ان علوم میں مہارت پر منحصر ہے۔

"**اقرا باسم ربک الذی خلق، خلق الإنسان من علق، اقرأ وربک الأكرم الذی علم بالقلم،علم الإنسان مالم يعلم**" (سورۂ علق:۱-۵)۔

"**هل يستوی الذين يعلمون والذين لا يعلمون**" (سورۂ فاطر:۲۸)۔

"**والراسخون فی العلم يقولون آمنابه**" (سورۂ آل عمران:۷)۔

"**إنما يخشی الله من عباده العلماء**" (سورۂ زمر:۹)۔

"**يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات**" (سورۂ مجادلہ:۱۱)۔

"**وعلم آدم الأسماء كلها**" (سورۂ بقرہ:۳۱)،اورحضرت داؤد علیہ السلام کے لئے "**وعلمناه صنعة لبوس لكم**" (سورۂ انبیاء:۸۰)،جیسی آیات اور ذکر کردہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ علوم اخروی اور علوم دنیوی کی تخریج تو بعد کی پیداوار ہے،حقیقت میں سب علوم وتحقیقات کا دائرہ رب العالمین کے ساتھ جڑتا ہے۔

انبیاء سابقین میں سے الگ الگ نبی الگ الگ علوم کے ماہرین وواقفین تھے،لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ معروف دنیوی علوم کی تعلیم وتعلم بلا کسی کراہت کے جائز ہے اور درست ہے،البتہ معاصی ومنکرات سے تحفظ اور بچنے کی تدابیر اختیار کرنا شرعی فریضہ ہے، کیونکہ ایسے کالجوں اور مراکز علم میں آزادانہ تصورات کی بناء پر مبتلائے معصیت ہونا زیادہ قرین قیاس ہے اور مشاہدہ بھی یہی کہتا ہے، نیز یہ بھی طے ہے کہ مقاصد نبوت میں سے ان علوم کی تحصیل فرض وواجب کے درجہ میں قطعی طور پر نہیں ہے، اس لئے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے نہ ان علوم کی تحصیل پر زور دیا ہے اور نہ ہی ان کو قابل توجہ مانا ہے۔

اس زمانے میں تو ان عصری علوم کی تحصیل اس لئے اہم قرار پائی ہے کہ روزگار کو ان کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے، اور ہم سب جانتے ہیں کہ مذہب اسلام نے دنیوی ضروریات اور رزق کے تعلق سے اعتماد علی اللہ کی تعلیم دی ہے۔

”ویرزقه من حیث لا یحتسب“ (سورۂ طلاق: ۳)۔

”وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها“ (سورۂ ہود: ۶) وغیرہ وغیرہ آیات مبارک اور فرمودات رسول اللہ ﷺ ”لو أنكم توكلتم على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير تغدوا خماصا وتروح بطانا“ (حدیث)، وغیرہ وغیرہ بتلا رہے ہیں کہ رزاق مطلق اور مسبب الاسباب ذات رب العالمین ہے، جبکہ سبب کے درجہ میں انسان محنت ومشقت کا مکلّف ہے: ”فإذا عزمت فتوكل على الله“ (سورۂ آل عمران: ۱۵۹)، ”السبب مقدم على التوكل“، لیکن علم ایک ایسی عظیم صفت ونعمت ہے جس کا حصول ہر فرد بشر پر ایک حد تک فرض وواجب ہے، ”طلب العلم فريضة على كل مسلم، أطلبوا العلم من المهد إلى اللحد، أطلبوا العلم ولو بالقين“ (احادیث)، جیسے ارشادات مبارکہ کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جو انسان کو حلال وحرام، بہتر وغیر بہتر کی تمیز سکھانے کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے بھی متعارف کرائے۔

مندرجہ ذیل تفصیلات ومضمون کی روشنی میں سوالات کے ترتیب وار جوابات پیش ہیں:

۱- مسلمانوں کے لئے صرف مستحب ہی نہیں لازم اور ضروری ہے (خیال رہے یہ لازم بحکم واجب نہیں ہے) کہ ایسے عصری اسکول قائم کریں جن میں اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھانے کا بہترین نظم ہو۔

۲- غیر شرعی افکار، غیر اخلاقی مضامین یا تاریخ دانی کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھانا تو کسی بھی حال میں جائز اور درست نہیں ہے، اسکولوں کے رجسٹریشن برقرار رکھنے کے لئے ان مضامین میں کانٹ چھانٹ کے بعد درست افکار کی تفہیم کے ساتھ ایسے مضامین کو نصاب میں بدرجہ مجبوری باقی رکھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، البتہ ”الضرورة تتقدر بقدر الضرورة“ کے اصول کے تحت ہی اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۳- اولاً تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایمانی تقاضوں کی روشنی میں اپنے زیر انتظام ایسے اسکول قائم کریں، اگر ایسا کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو غیروں کے اسکول میں دنیوی علوم کی تحصیل کے لئے داخل تو کرا سکتے ہیں، مگر صبح وشام خالی اوقات میں اور گھر کی چہار دیواری میں ان کے ایمان وعقائد کی فکر کرنا اور اس کا انتظام کرنا والدین پر فرض ہوگا کہ یہ والدین کی شرعی ذمہ داری ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ما نحل والد ولده أفضل من أدب حسن“ (حدیث)۔

۴- مخلوط نظام تعلیم تو کسی بھی حال میں جائز اور درست نہیں ہوسکتا کہ اس کے زہریلے اثرات نے ہماری اخلاقی دنیا کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں، اس لئے جداگانہ نظام تعلیم کا انتظام فرائض کے درجہ میں ہے، البتہ بدرجہ مجبوری پانچویں جماعت تک ایک جگہ مگر لڑکوں کو آگے اور لڑکیوں کو پیچھے رکھنے کی شرط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے۔

۵- جداگانہ نظام تعلیم میں شق نمبر ۱ یعنی دونوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو افضل شکل ہے، دوسرے نمبر پر شق ۲ کی اجازت

دی جاسکتی ہے بشرطیکہ الگ الگ انتظام کا پختہ ارادہ اورکوششیں ہوں۔

۶- تعلیم کے لئے عمر کی جو حد اسکول والوں نے لازم کر دی ہے وہ تو ہمیں درست معلوم نہیں ہوتی، جس حدیث میں سات سال کی عمر میں بچے کو نماز کی ترغیب اور الگ سلانے کی بات کہی گئی ہے اس کی رو سے ۳ یا ۴ سال کی حد غیر شرعی ہے، اگر بچے کے مستقبل کو جہالت کے اندھیرے سے نکالنے کے لئے زیادہ عمر کے بچے کو کم عمر کا لکھوا کر جھوٹ بولنا پڑ رہا ہے تو اسکی اجازت ہوگی۔

۷- ''الناس باللباس'' کے عنوان کے تحت یونیفارم کا فارمولہ تو صحیح ہے، مگر اس میں لباس کی وہ شرائط ملحوظ رکھنی ہوں گی جن کی نشاندہی احادیث مبارکہ میں صراحتا یا اشارۃً کی گئی ہے، مثلاً ایسا لباس جو مکمل ساتر ہو، کھلا ہو، بدن کے ساتھ چمٹا ہوا نہ ہو، چمکیلا اور بھڑکیلا نہ ہو، مردوں کیلئے تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اعضاء ستر کا خیال کرنے کے بعد اگر ایسا لباس استعمال کیا جائے جس میں گھٹنے سے نیچے کا حصہ کھلا ہوا ہو اس کی گنجائش ہونی چاہئے، مگر سچ یہ ہے کہ اس کی بھی اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ یہ اب ہندوؤں کا شعار اور عیسائیوں کی پہچان سی بن گئی ہے اور یہ بات طے ہے کہ جس عمل نے کسی غیر مذہب والوں کے شعار کی حیثیت اختیار کر لی ہو اس کو اپنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ''**من تشبه بقوم فهو منهم**'' (حدیث)۔

پھر جبکہ اس طرز عمل سے اسلامی طرز زندگی کی بیخ کنی ہوتی ہو تو اس کی حرمت میں دو چند اضافہ ہو جاتا ہے، اور لڑکیوں کے لئے کسی بھی حال میں ایسے لباس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، چاہے ان کو ان پڑھ ہی کیوں نہ رکھنا پڑے کہ یہ طرز لباس تعلیم و تربیت کے عنوان سے حقیقت میں ان کو ننگا و بے لباس کرنے اور مستقبل میں عورت پنے سے محروم کرنے کا پیش خیمہ ہے، اس کے بالمقابل شرعی ضابطوں کے مطابق مبادیات اسلام سے واقف کرانا کافی وشافی ہے۔

۸- شریعت کی نظر میں تعلیم عبادت ہے تجارت نہیں جو حضرات اس کو تجارت بنانے کے درپہ ہیں وہ انسانیت کے سوداگر ہیں، اسکول شخصی ہوں یا رفاہی ضروریات کی حد تک کم سے کم نفع دینے والی تجارت کے عنوان سے فیس وغیرہ کے نام سے مستفیدین سے وصولی رقم درست ہوگا، مگر اس نام اور راستے سے لوٹ مچانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، حضور ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدیوں سے رہائی کے عوض تعلیم دینے کی شرط، ایک عورت کو مہر کے عوض تعلیم قرآن کی اجازت دے کر تعلیم کے عوض کو حاصل کرنے کی اجازت دے کر اس کا جواز بتلایا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ اجازت غیر محدود نہیں قرار پاسکتی۔

۹- درجہ میں موجود طلباء کرام سے فیس اس معاہدہ کے تحت لی جاتی ہے کہ استاذ آپ کو پڑھانے آئے گا اور آپ کو اس کے عوض ماہانہ اتنی فیس ادا کریں گے، استاذ کا اسکول کے نظام کے مطابق حاضر ہونا متعینہ رقم کی وصولی کا حقدار بناتا ہے، طالب علم اگر غیر حاضر بھی رہتا ہے تب بھی اس ماہانہ فیس حسب ضابطہ وصول کرنا درست ہے کہ یہ ''**المعروف کالمشروط**'' کے تحت ایک طے شدہ نظام ہے۔

۱۰- ان غریب بچوں کے والدین کو زکوۃ کی رقم دے دی جائے، تاکہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرسکیں، لیکن زکوۃ کی رقم

سے مطلقاً عصری علوم کی تحصیل درست نہیں ہوگی۔

۱۱- مشرکانہ ترانے، وندے ماترم، گیتا کے اشلوک یا سوریہ نمسکار سرکاری اسکول میں یا پرائیویٹ میں اس کا اہتمام ہو مسلمان بچوں کو ان اعمال میں شریک ہونا ناجائز اور حرام ہے اگر ان سے بچ کر تعلیم کو جاری رکھا جاسکتا ہے تو ٹھیک، ورنہ اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے الگ کرلیں، اسلام اور غیر اسلام کی جنگ تو بس یہی ہے جو مسلمان اپنے اسکولوں کو ترقی دینے کے نام سے ان مشرکانہ افعال کا مرکز بنائیں وہ گناہ کبیرہ جو ناقابل معافی کے مرتکب ہیں ان اسکولوں میں بھی اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے داخل کرانا جائز نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی اجازت ہوگی کہ اپنے اسکول میں غیر مسلم بچوں کے لئے اس کا انتظام کرے کہ یہ گناہ میں تعاون سے بڑھ کر گناہ کی ترغیب کے درجہ میں ہے، اس لئے ایسا کرنا بھی ناجائز اور گناہ ہے۔

۱۲- سرکاری ہدایات کے تحت جنسی تعلیم کو بطور مضمون شامل نصاب کرنے کا مطلب بے راہ روی سے بچانا نہیں، بلکہ اس دلدل میں ڈبونا ہے، اس لئے درست شکل یہ ہے کہ ایسے مضامین و کتابیں شامل نصاب ہوں جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کے دائرہ کار، شرعی احکام، اخلاقی ہدایات، عفت وعصمت کی عظمت اور بے حیائی و بے عفتی کے نقصانات مندرج ہوں، تاکہ تعلیم کے نام سے انسانیت کا خمیر تیار ہو شیطان بن کر مارکیٹ کی زینت نہ بنیں۔

۱۳، ۱۴- جو کھیل جس صنف کے لئے مناسب ہے اختلاط سے بچتے ہوئے اس صنف کو اس میں شریک کرلیا جائے، مگر ایسے کھیل جن سے عورت کی نسوانیت مجروح یا متاثر ہونے کا خطرہ ہو یا جس سیر وتفریح سے اخلاقیات کا توازن بگڑتا ہو یا وہ ڈرامے و مکالمے جن سے لڑکیوں کی شرم وحیا کا جنازہ نکل جاتا ہو قطعاً ممنوع وحرام ہیں۔

۱۵- تعلیمی تقاضوں کے تحت ڈیجیٹل تصاویر یا پلاسٹک ولکڑی کے پھل ومجسمے وغیرہ استعمال کرنا درست ہونا چاہئے کہ "**وتماثيل اللتي أنتم لها عاكفون**" (سورۂ انبیاء: ۵۲) کے دائرے میں نہیں آئے، ان کو تو بچے کھیلتے، توڑتے اور پھینکتے ہیں، ان کی عظمت تو نہیں ہوتی کھلونے سمجھ کر استعمال میں لایا جاتا ہے۔

۱۶- لڑکیوں کے لئے اضافی طور پر امور خانہ داری، اولاد کی تربیت اور سسرالی رشتہ داروں کے حقوق جیسے مضامین کی تعلیم و تربیت کا انتظام بدرجہ استحباب ہے، مسلمان منتظمین کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

۱۷- ظاہر ہے کہ پوری امت کا روایتی نصاب پڑھ کر عالم و فاضل بننا نہ سنت ہے اور نہ واجب اور نہ ہی فرض، امت میں کچھ حضرات کا عالم و فاضل بن کر رہبری کے فرائض انجام دینا کافی ہے، "**فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين**" (سورۂ توبہ: ۱۲۲)، لہٰذا زندگی کے باقی مسائل ومراحل کا خیال رکھتے ہوئے ایسے اسکولوں میں بقدر ضرورت مبادیات دین کا نظم کافی اور ضروری ہے باقی تفصیلی نصاب کے لئے مدارس پہلے سے موجود ہیں۔

۱۸- بالغ طلباء کے لئے معلّمہ اور بالغ طالبات کے لئے معلم کا تقرر بوقت مجبوری درست ہے، اس شرط کے ساتھ کہ شرعی اصول و

ضوابط کی ممکنہ حد تک بہتر تصور کے ساتھ پاسداری ہو، ورنہ بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ ہے، وہ نقصان جو بے حد مضر ماحول ہے۔

۱۹- اگر رشوت کے بغیر اسکول کا مستقبل غیر محفوظ لگ رہا ہو تو بدرجہ مجبوری سودی رقم یا ایسی ہی کوئی رقم رشوت میں دی جاسکتی ہے، اس طرح کی رقم نہ ہونے کی صورت میں اصل اور مال حلال دے کر آخری درجہ میں اسکول کی ترقی یا حفاظت کا بندوبست کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

عصری تعلیم سے متعلق سوالات اور ان کے جوابات

مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی☆

۱- مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کی ذمہ داری اولاً حکومتِ اسلامیہ پر عائد ہوتی ہے، اگر حکومتِ اسلامیہ کا قیام نہ ہوتو امت کے ہر ہر فرد کی ذمہ درای ہے کہ وہ اپنے عقیدے کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حتی الوسع حفاظت کرے اور ان کی نسلِ نَو میں ایمانی کیفیات، ایمانی جذبات، ایمانی حرارت اور ایمانی حلاوت پوری طرح باقی رکھنے کی کوشش کرے، آج جب کہ حکومتی سطح کی عصری درسگاہوں اور غیر مسلم اداروں میں مسلم دشمنی پر مبنی مضامین وعقائد پڑھائے جاتے ہیں اور اسلامی افکار وخیالات کو فرسودہ بتلانے اور اس پر قدامت پرستی کا لیبل لگا کر مسلم طلبہ کو اسلام بیزار، ارتداد کا شکار بنانے کی ہزار ہا کوشش اور جدوجہد ہورہی ہے، ایسے پُرفتن اور ناگفتہ بہ حالات میں ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے اسکول اور کالج قائم کریں جہاں اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیارِ تعلیم کے مطابق عصری علوم وفنون پڑھائیں جائیں، میرے نزدیک اس کو وجوب کا درجہ حاصل ہے کیونکہ شریعت نے بہت ساری چیزوں کو سدّ الذرائع واجب قرار دیا ہے، لہٰذا یہاں بھی نسلِ نو کی ایمانی سلامتی اور عقیدے کی تحفظ کے پیشِ نظر سدّ اًللشرک والکفر والارتداد اسلامی اسکولوں اور کالجوں کا قیام واجب ہے۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عاقل اور سمجھدار وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور مابعد الموت کے لئے عمل کیا اور احمق اور بے وقوف وہ ہے جس نے ہوائے نفس کی اتباع کیا اور اللہ پر آرزوئیں اور تمنائیں باندھیں (گلدستۂ تفاسیر ۱/۴۵)۔

"ثلث من کن فیه وجد حلاوة الإیمان أن یکون الله ورسوله أحب إلیه مما سواهما وأن یحب المرء لایحبه إلا لله، وأن یکره أن یعود فی الکفر کما یکره أن یقذف فی النار" (بخاری)۔

۲- مسلمانوں کے زیرِ انتظام اسکولوں اور کالجوں کا نصابِ تعلیم غیر شرعی افکار وخیالات سے پاک اور صاف ستھرا ہونا چاہئے لیکن یہ میری اپنی ناقص معلومات کے مطابق مشکل معلوم ہوتا ہے لہٰذا اگر سرکار کی جانب سے لازم ہونے کی بنا پر غیر شرعی افکار وخیالات کا پڑھایا جانا ناگزیر ہوتو کم از کم اتنا کرنا تو واجب ہے ہی کہ ان باطل خیالات کا شرعی خیالات وافکار سے موازنہ اور مقابلہ

☆ استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم الاسلامیہ بستی۔

پیش کردیا جائے اور اسلامی خیالات کی بلندی وبرتری طلبہ کے ذہن میں بٹھادی جائے۔ غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس وغیرہ کی تو قطعاً اسلامی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"إن الله يغار وإن المومن يغار وغيرة الله أن يأتى المؤمن ما حرم عليه" (مسلم دارالمعرفہ بیروت ۱۷/۸۱)۔

" لا أحد اغير من الله ولذالک حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن" (مسلم دارالمعرفہ بیروت ۱۷/۸۰)۔

البتہ جنسی تعلیم کے بارے میں بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ جنسی تعلیم دی جائے ،لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے تا کہ فواحش ومنکرات سے بچے اور بچیاں احتراز کریں مثلاً حدیث شریف میں ہے:"وفرّقوا بينهم فى المضاجع" (معارف الحدیث ۳/۲۷۵)،"ولا تقربوا الزنى إنه كان فاحشة" (سورۂ بنی اسرائیل:۳۲) کہ جب بچے اور بچیاں اس کی عمر میں داخل ہوجائیں تو ان کے بستروں کو الگ کردو تا کہ جنسی خرابیوں میں ملوث نہ ہوسکیں۔

۳- سرکاری تعلیمی ادارے، عیسائی مشینریاں یا سنگھ پریوار کے تحت قائم اداروں میں اگر اسلامی عقائد کی رعایت دی جاتی ہو اور مسلم بچوں اور بچیوں کو غیر اسلامی چیزیں کرنے پر زور وزبردستی نہ کی جاتی ہو یا ان کو آمادہ نہ کیا جاتا ہو تو ایسے اداروں میں ان کو داخل کر کے تعلیم دلانا جائز ہے، اگرچہ نامناسب تو ہے ہی۔ اور اگر ان اداروں میں اسلامی عقائد وروایات کا مذاق اڑایا جاتا ہو، نیز تمسخر واستہزا سے کام لیا جاتا ہو اور مسلم بچیوں کو غیر اسلامی چیزیں کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہو یا زبردستی ان سے شرکیہ گانے اور بھجن کرنے پر مجبور کیا جاتا ہو، نیز مورتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑنے کے لئے کہا جاتا ہو یا ان کے سوریہ نمسکار نہ کرنے پر زجر وتوبیخ کی جاتی ہو تو ایسے اداروں میں مسلم بچوں کا داخلہ کرانا شرعاً ممنوع ہے، کیونکہ عصری علوم وفنون پر ہماری نجات کا دارومدار نہیں ہے، بلکہ اسلام وایمان اور عقیدے کی سلامتی اور ارکانِ اسلام کی عمل آوری ہی نجات کا مدار ہے، نیز اگر کوئی مسلمان عصری علوم وفنون نہ حاصل کرے تو وہ گنہ گار نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان تعلیمی اداروں میں مسلم بچوں اور بچیوں کو داخل کیا گیا اور وہ بے راہ رو ہوگئے یا اسلام بیزار ہوگئے، یا خود اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے نقصان دہ ثابت ہونے لگے یا اسلام اور اہلِ اسلام پر اعتراضات کی بارش کرنے لگے تو وہ خود قیامت میں اسلام بیزاری کی سزا پائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے والدین اور سرپرست حضرات بھی مستحق سزا ہوں گے جنہوں نے ان کو ایسے اداروں میں داخل کر کے ان کے ایمان کا جنازہ نکال دیا (العیاذ باللہ)۔

۱-" والعصر إن الإنسان لفى خسر إلا الذين امنوا وعملوا الصّٰلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" (سورۂ عصر)۔

۲- "عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ لما بعث معاذاً إلى اليمن قال له: انک تقدم على قوم أهل

الکتاب فلیکن أول ما تدعوهم إلیه عبادة الله" (مسلم، دارالمعرفہ بیروت ۱/۱۴۹)۔

۳- "لاتشرک بالله، إن الشرک لظلم عظیم" (لقمان: ۱۳)۔

۴- "إنه من یشرک بالله فقد حرم الله علیه الجنة ومأواه النار" (المائدۃ: ۷۲)۔

۵- "قال رسول الله ﷺ: لاینبغی لبشر ان یسجد لبشرٍ" (البیہقی ۱۹/۶)۔

لیکن اگر عصری علوم وفنون کی تحصیل کی غرض سے ان مذکورہ تعلیمی اداروں میں مسلم طلبہ وطالبات کو داخل کیا گیا تو ایسی صورت میں ان کی مذہبی دینی تعلیم وتربیت، عقیدہ کی سلامتی اور دینی شعار کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے والدین اور سرپرست حضرات پر ہی عائد ہوتی ہے وہ اپنی اپنی صواب دید کے مطابق بہتر انتظام کریں نیز یہ ذمہ داری نبھانا از روئے شرع ان پر لازم ہے۔

"افتحوا علی صبیانکم أول کلمة لا إله إلا الله ولقنوهم عند الموت لا إله إلا الله" (معارف الحدیث ۶/ ۲۷۴)۔

۴- عصری تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم کا نظام اسلامی روح اور اس کے مزاج کے خلاف ہے کیونکہ اسلام نے بدکاری، زنا اور فحاشی سے بچانے کے لئے نہایت ہی مضبوط اور ٹھوس قدم اٹھایا ہے، چنانچہ اسلام نے کہا: "ولاتقربوا الزنی إنه کان فاحشة" (سورۂ بنی اسرائیل: ۳۲)، جب کہ مخلوط نظام تعلیم میں لڑکیاں پوری آزادی کے ساتھ بے حیائی اور دلفریب کپڑوں میں ملبوس ہوکر کلاسوں، درجوں، چائے خانوں اور ہوٹلوں میں لڑکوں کے دوش بدوش چلتی پھرتی، گپ شپ ہنسی مذاق کرتی نظر آتی ہیں اور معاملہ آخری مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے اسلام نے سختی کے ساتھ منع کیا تھا اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے مخلوط تعلیمی نظام والے اداروں میں بچیوں کو دنیاوی تعلیم کے لئے داخل کرانا درست نہیں ہے، کیونکہ یہاں داخلہ کا مطلب ہے ان کی حیا اور شرم کی چادر عفت وعصمت کو تار تار کرنا گویا داخل کرنا ان کی حیا کا جنازہ نکالنا ہے، اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو فہمِ سلیم عطا فرمائے (آمین)۔

مخلوط تعلیمی نظام کے تحت حصولِ علم مراہقہ کی عمر سے ذرا پہلے تک درست ہے، لیکن مراہق ہونے کے بعد مخلوط نظام تعلیم کے حوالہ کرنا گویا عیش پرستی، عیش کوشی کے لئے داخل کرنا ہے، اللہ تعالیٰ بچنے اور بچانے کی توفیق عنایت کرے۔ (آمین) "قل للمؤمنات یغضضن من أبصارهن ویحفظن فروجهن ولایبدین زینتهن ......الی...... ولایضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن" (سورۂ نور: ۳۰)۔

۵- جداگانہ نظام تعلیم کی اولین دوصورتیں درست معلوم ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں اختلاط نہیں ہے۔

۱- لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو، یہ صورت دوسری صورت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔

۲- لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایک بلڈنگ ہو، لیکن لڑکوں کا کلاس روم علیحدہ ہو اور لڑکیوں کا کلاس روم علیحدہ ہو، داخل ہونے اور نکلنے کے راستے بھی علیحدہ علیحدہ ہوں تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

۳-اس صورت کی پہلی شق کی گنجائش بھی معلوم ہوتی ہے، جبکہ طلبہ وطالبات کے درمیان مستقل یا عارضی دیوار ہو اور کسی قسم کی بے پردگی کا کوئی خطرہ نہ ہو، نیز طلبہ وطالبات کے نکلنے کا راستہ بھی الگ الگ ہو اور مفاسد کے خطرات نہ ہوں۔

اس تیسری صورت کی دوسری شق کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے، جبکہ طلبہ وطالبات کے درمیان دیوار وغیرہ کے ذریعہ فصل نہ ہو، بلکہ لڑکوں کو آگے اور لڑکیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا جائے اور آمد ورفت کے راستہ الگ الگ ہوں، پھر بھی اس صورت میں اختلاط ممکن ہے، لہٰذا یہ صورت درست نہیں معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مفاسد کا خطرہ ہے، اور بہت سی چیزوں کو شریعت نے خطرات کے پیش نظر ناجائز قرار دیا ہے۔ "**وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى**" (سورۂ احزاب: ۳۳)۔

۶- اسکولوں کے کلاسوں میں داخلہ کے لئے مقررہ عمر کے زیادہ ہونے پر عمر سرٹیفیکٹ کے لئے جھوٹا حلف نامہ بنوانا اور پھر اسی کے مطابق تاریخ پیدائش کا ہر جگہ اندراج کرانا اور اس حلف نامہ کے لئے کوشش کرنا اور سعی کرنا جھوٹی شہادت ہے جو ازروئے شریعت درست نہیں۔

"**مايلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد**" (سورۂ ق: ۱۸)۔

"**إلا من شهد بالحق وهو يعلمون**" (سورۂ زخرف: ۸۶)۔

"**فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور**" (سورۂ حج: ۳۰)۔

۷-اسکولوں میں یونیفارم کے اصول وضوابط:

۱-یونیفارم کا کپڑا زعفرانی نہ ہو نیز کسم میں رنگا ہوا نہ ہو۔

"**لاتلبسوا من الثياب شيئا مسه زعفران ولا الورس**" (بخاری ۲/ ۸۶۳)۔

۲-لڑکوں کا یونیفارم ٹخنے سے نیچے لٹکا ہوا نہ ہو۔

"**لاينظر الله غلى من جرّ ثوبه خيلاء**" (بخاری ۲/ ۸۶۰)۔

"**ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار**" (بخاری ۲/ ۸۶۱)۔

۳-یونیفارم والا کپڑا ریشم اور دیباج کا بنا ہوا نہ ہو۔

"**نهانا النبي ﷺ عن لبس الحرير والديباج وأن نجلس عليه**" (بخاری ۲/ ۸۶۸)

۴-یونیفارم والے کپڑے کا ایک حصہ ایک گردن پر ڈال نہ دیا گیا ہو، جبکہ دوسری طرف دوسرا حصہ نہ ڈالا گیا ہو۔

"**نهى رسول الله ﷺ عن لبستين واللبستين اشتمال الصماء والصماء أن يجعل ثوبه على أحد عاتقيه فيبدوا أحد شقيه ليس عليه ثوب واللبسة الاخرىٰ احتباء ه بثوبه وهو جالس ليس على فرجهٖ منه شئ**" (بخاری ۲/ ۸۶۵)۔

۵- یونیفارم والا کپڑا بطورِ احتباء استعمال نہ کیا گیا ہو(حوالہ سابقہ)۔

۶- لڑکوں کے کپڑے ساتر بدن ہوں یعنی اس کی ستر مستور ہوں ۔

۷- لڑکیوں کے یونیفارم والے کپڑے بھی ساتر بدن ہوں تاکہ ان کے اعضاء مستورہ مستور رہیں اور ان کی طرف لڑکوں کی حریصانہ نگاہ نہ پڑے۔"قال علی: **الحمد لله الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل به فی الناس أواری به عورتی** " (معارف الحدیث ۶/ ۴۱۳)۔

۸- بچوں اور بچیوں میں یونیفارم کے دیدہ زیب ہونے نہ ہونے سے احساس کمتری نہ پیدا ہوگی، اگر ان کے اندر علمی لیاقت وصلاحیت کو مضبوط کر دیا جائے، الحمدللہ ایسے اسکولوں کا قیام ہو رہا ہے جہاں بچے اسلامی ماحول میں اسلامی یونیفارم میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان میں کوئی احساس کمتری نہیں ہے، نیز ساتر بدن یونیفارم ہی باعث زینت اور دیدہ زیب ہوتا ہے۔

لباس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ستر عورت حاصل ہوجائے۔قرآن کریم کا ارشاد ہے: "**یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقویٰ ذلک خیر** "(سورۂ اعراف: ۳)۔

ہم نے لباس اس لئے اتارا تاکہ وہ تمہارے ستر کو چھپائے اور زینت کا سامان ہو،لہٰذا جو کپڑا اور لباس ستر نہ چھپائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ لباس کا جو اصل مقصد تھا وہ فوت کر دیا گیا اور جب اصل مقصد فوت ہوگیا تو لباس پہننے والا پہننے کے باوجود برہنہ ہے، خدا کے لئے اس کا اہتمام کریں کہ ہمارا لباس درست ہو، آج کل اچھے دیندار، نمازی، پرہیزگار لوگوں کے اندر بھی اس کا اہتمام ختم ہوگیا ہے، لباس میں اس کی پرواہ نہیں اس سے پورا پردہ ہو رہا ہے یا نہیں، انہیں چیزوں کا وبال آج ہم لوگ بھگت رہے ہیں، لہٰذا کم از کم اپنے گھروں میں اور اپنے خاندانوں میں اس کا اہتمام کریں کہ لباس شریعت کے مطابق ہو اور اس میں پردہ کا لحاظ ہو اور حضور ﷺ کی لعنت کی وعید سے محفوظ ہو(اسلام اور ہماری زندگی/ ۱۸۲)۔

۹- اگر اسلامی اسکولوں کا نظام نہیں ہے تو والدین پر یقیناً عصری علوم کی تعلیم دلانا واجب نہیں ہے ہاں ان کی اسلامی تربیت کرنا والدین کی ذمہ داری ہے، اس کے ساتھ ساتھ اہلِ شہر، عمائدین شہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اسلامی نظام والے اسکولوں کا قیام کریں تاکہ مسلمانوں کے بچے کسی بھی میدان میں پیچھے نہ رہیں۔

۸- اسکولی طلبہ وطالبات سے مختلف قسم کی فیس کی وصولیابی لازم کرنا اور فیس وصولی میں زیادتی کرنا اور مجبور کرنا یہ تعلیم کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے، تعلیم کو خدمت کے بجائے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع دینے والی تجارت بنا لینا شرعی نقطۂ نظر کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور یہ دنیاوی علوم وفنون ہی ہیں جن سے تجارت ہی مقصود ہوتی ہے، اس لئے اس نقطۂ نظر سے اسکولی نظام چلانے والوں کو یہ رقمیں وصول کرنا جواز کے دائرہ میں معلوم ہوتا ہے، البتہ حکومت کو اس سلسلہ میں کچھ اہم اقدام کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ حکومت جس طرح اشیاء کی قیمتیں متعین کرتی ہے اس کے لئے باضابطہ اصول مقرر ہیں اسی طرح فیس کی تعیین بھی حکومت کی

جانب سے طے ہونی چاہئے تا کہ سرکاری اور پرائیویٹ ادارے اسی کے مطابق فیس وصول کریں اور یہ فیس اتنی طے ہو جسے عوام میں معتدل آمدنی والے افراد دے سکیں تا کہ من مانی فیس کی وصولی سے عوام پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

البتہ وہ ادارے جو کسی ٹرسٹ کے تحت چلتے ہیں پھر فیس کی وصولی کی جاتی ہے، تا کہ ان رقوم سے غریبوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو سکے، لیکن انتظامیہ ان رقوم کو بلڈنگ، تزئین کاری، اسٹیشنری اور دوسری اشیاء کی خریداری میں خرچ کرتی ہے ان کا یہ خرچ غیر مصارف میں ہے، لہٰذا یہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ رقوم تعلیم کے نام پر وصول کی گئی ہے، ان کو اسی میں استعمال کرنا چاہئے کیونکہ شرعی قاعدہ ہے: "**وضع الشئ فی غیر محله ظلم**" اور یہ ناجائز ہے۔

۹- اسکول اپنے نظام کے تحت بچوں سے ماہانہ فیس وصول کرتا ہے، لیکن کسی وجہ سے طالب علم کلاس میں حاضر نہیں ہو پاتا، مگر اس کا ٹیچر مقررہ گھنٹوں میں کلاس میں حاضر ہوتا ہے تو اس میں اگرچہ طالب علم نے اس ٹیچر سے اپنی غیر حاضری کی وجہ سے کوئی استفادہ نہیں کیا، لیکن اسکول نے اپنے طے شدہ نظام کے تحت اساتذہ کو کلاس میں بھیجا، لہٰذا فیس کی وصولی درست ہے اور یہ استفادہ نہ کرنا طالب علم کی اپنی کمی وکوتاہی یا کسی اور وجہ پر مبنی ہے جس کا فیس کی عدم درستگی میں کوئی اثر نہ ہوگا۔

۱۰- عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچے مسلم، غریب ہیں جن کے والدین خرچ برداشت کرنے کی طاقت رکھتے نہیں اور وہ حقیقتاً صاحب نصاب بھی نہیں ہیں، تو ایسے مسلم غریب مستحق بچے پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے اگرچہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر خرچ کرنے میں دوہرا ثواب ہے، ایک زکوٰۃ کی ادائیگی کا اور دوسرے اشاعتِ دین کا ثواب۔

"**قال رسول الله ﷺ: تصدقوا إلا علی أهل دینکم**" (المصنف لابن ابی شیبۃ: ۶/ ۵۱۴)۔

"**مصرف الزکوة هو فقیر، وقیل: طلبة العلم، ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً**" (درّ مختار مع الشامی ۳/ ۲۸۹-۲۹۱)۔

۱۱- سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، نیز سوریہ نمسکار اور یوگا جس میں سوریہ نمسکار بھی لازمی ہے کرایا جاتا ہے، لہٰذا اس قسم کے اسکولوں میں اگر مسلم بچوں اور بچیوں کو کھلی آزادی ہو کہ وہ ان مشرکانہ افعال میں شریک نہیں ہوں گے تب تو ان اسکولوں میں مسلم بچوں وبچیوں کو داخل کرانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود مسلم بچوں کو ان اسکولوں کی فضا سے دور رہنا ہی مناسب ہے، تا کہ غیروں کے اثرات سے ہمارے بچے محفوظ رہیں۔

اور اگر طلبہ وطالبات کو ان مشرکانہ افعال کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہو یا ان کو ان افعال کی ترغیب دی جاتی ہو تو ایسے اسکولوں میں مسلم طلبہ وطالبات کا داخلہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے، کیونکہ اسلامی عقیدہ پر ہر مسلمان کا تا وفات باقی رہنا ضروری اور واجب ہے اور اسلامی عقائد وایمان کی حفاظت ہر مسلمان مرد وعورت کی ذمہ داری ہے اور ان مسلم طالبات وطلبہ کو ان مشرکانہ افعال والے اسکولوں کے حوالہ کرنا گویا آہستہ آہستہ ان کے اندر سے ایمان کو سلب کرنا ہے اور ان کے اندر بدعقیدگی پیدا کرنا ہے اس لئے

مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کے ایمان کی حفاظت کریں نیز ایسے اسکولوں وکالج قائم کریں جو اسلامی اقدار وروایات کے حامل ہوں اور مشرکانہ افعال وعقائد سے پاک ہوں۔

" والشرک یکون بمعنی اعتقاد أن لله تعالیٰ شانه شریکا إما فی الالوهیة أو فی الربوبیة" (روح المعانی:۵/۵۱)۔

" الشرک الأکبر وهو اتخاذ الشریک لله فی الالوهیة أو عبادته، وهو المراد لقوله تعالیٰ إن الشرک لظلم عظیم" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۵/۷)۔

"وما أمروا إلا لیعبدوا الله مخلصین له الدین" (البینۃ: ۴)۔

(۱) اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر مشرکانہ افعال ادا کرائے جاتے ہوں اور ان مشرکانہ افعال کے کرنے پر طلبہ وطالبات کو مجبور کیا جاتا ہو تو مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ان سرکاری اداروں میں اپنے بچوں کو ہرگز نہ داخل کریں کیونکہ اسلام تمام چیزوں کو برداشت کرسکتا ہے، لیکن اسلامی عقائد سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہرگز ہرگز اسلام اور اہلِ اسلام برداشت نہیں کرسکتے۔

"إن الشرک لظلم عظیم" (سورۂ لقمان: ۱۳)۔

"إن الله لایغفر أن یشرک به ویغفر مادون ذالک لمن یشاء" (سورۂ نساء: ۴۸)۔

(۲) اگر سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر ان مشرکانہ افعال کی طلبہ وطالبات کو ترغیب دی جاتی ہو اور ان کو ان مذکورہ افعال کے کرنے پر شوق دلایا جاتا ہو تب بھی ایسے اسکولوں میں مسلم طلبہ وطالبات کو داخل کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے کیونکہ ترغیبی پہلو سے ان مسلم بچوں اور بچیوں کے اندر غیر اسلامی عقیدے اور افکار جنم لے سکتے ہیں اور ان کا اسلام والا مزاج تبدیل ہوسکتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو اپنے نونہالوں کو ان اسکولوں میں بھیجنے سے احتراز کرنا لازم اور ضروری ہے۔

(۳) اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والا پرائیویٹ ادارہ ہو اور ان میں یہ مشرکانہ افعال طلبہ وطالبات پر لازم ہو، اس کے کئے بغیر چارۂ کار نہ ہو، نیز اس کے علاوہ کوئی متبادل ادارہ بھی نہ ہو، پھر بھی مسلمان اپنے نونہالوں کو ان اداروں کے حوالہ نہ کریں، کیونکہ ان اداروں میں داخل کرنا گویا ان کے ایمان کا سودا کرنا ہے جو جائز نہیں ہے، بلکہ ان مسلم طلبہ وطالبات کے اندر اسلامی عقائد اور روح بیدار کرنا اور ان کے رگ وریشہ میں پیوست کرنا سرپرستوں پر لازم ہے۔

اگر ان بچوں کو عصری تعلیم دلانا ہی مقصود ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جن میں اسلامی ماحول میں تعلیم وتربیت کا نظم ہو۔

(۴) اگر غیر مسلم پرائیویٹ ادارہ ہو اور ان اداروں میں ان مشرکانہ افعال کی ترغیب دی جاتی ہو تو ایسے اسکولوں میں اپنے جگر گوشوں کو نہیں داخل کرنا چاہئے، بلکہ ایسے ادارہ سے اپنے بچوں کو دور رکھنا لازم ہے، تاکہ بچے اسلامی عقیدے اور ایمانی روح پر قائم

رہ سکیں اوران بچوں کے لئے مسلم ادارے قائم کرنے کی جد و جہد کی جائے۔

(۵) سرکاری ادارہ جن میں جبری طور پر مشرکانہ افعال کرائے جاتے ہوں۔

سرکاری ادارہ جن میں اختیاری طور پر مشرکانہ افعال کی ترغیب دی جاتی ہو۔

غیر مسلم انتظامیہ والے ادارے جن میں مشرکانہ افعال لازم اورضروری ہوں۔

غیر مسلم انتظامیہ والے دارے جن میں مشرکانہ افعال کی ترغیب دی جاتی ہو۔

ان مذکورہ چاروں قسم کے اسکول کے علاوہ اگر مسلم انتظامیہ والے ادارے یا دوسرے ادارے موجود ہوں جن میں مشرکانہ افعال نہ ہوتے ہوں اور تمام مذکورہ برائیوں سے پاک ہوں تو انہیں اسکولوں میں بچوں کا داخل کرانا لازم ہے اوران چار مذکورہ اسکولوں میں بچوں کو داخل کرانا درست نہیں ہے۔

(۶) وہ ادارے جو مسلم انتظامیہ کے ماتحت ہو، ان کی انتظامیہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اسکولوں کی ترقی کی مصلحت کے پیش نظر مشرکانہ افعال کو رواج دیں، خواہ مسلم بچیوں کو ان مشرکانہ افعال سے الگ رکھیں یا مسلم اور غیر مسلم بچوں کو ان مشرکانہ افعال میں شریک کریں، البتہ اگر مسلم بچوں کو الگ کردیں اوران مشرکانہ افعال میں شریک غیر مسلم اساتذہ ہی رہیں اور وہی لوگ اس نظام کو دیکھیں تو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن اسکول کے پورے منتظم ہونے کی حیثیت سے بہرحال وہ انتظامیہ گنہ گار ہوگی، اور بصورتِ دیگر یعنی مسلم بچوں اور بچیوں اور غیر مسلم بچوں اور بچیوں کو ایک ساتھ رکھ کر سب سے مشرکانہ افعال کروائیں تو یقیناً اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اسلام کی آمد توحید و رسالت کی اشاعت کے لئے ہوئی ہے نیز اسلام کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تمام مصالح پر اسلام کی مصلحت مقدم ہے۔

"من تشبه بقوم فهو منهم" (مشکوۃ المصابیح:۳۷۵)۔

حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: **"هل تدرى ما حق الله على العباد"**. میں نے جواباً عرض کیا: **"الله ورسوله" أعلم**۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"فإن حق الله على العباد أن يعبدوا ولايشركوا به شيئاً"** (صحیح مسلم دار المعرفہ بیروت:۱/۱۷۷)۔

"الاستهزاء باحكام الشرع كفر" (عالمگیری:۲/۲۸۱)۔

"ومن أتى بلفظ الكفر وهو لم يعلم أنها كفر، إلا أنه أتى بها عن اختيار يكفر عند عامة العلماء خلافاً للبعض ولا يعذر للجهل" (عالمگیری:۲/۲۷۶)

۱۲- عالمی سطح پر سرکاری اداروں میں بچوں کو جنسیات کی تعلیم کے نام پر ان کے اندر درحقیقت بدکاری، فحاشی اور زنا کاری کو عام کیا جارہا ہے اوران بچوں کو بیماریوں سے بچ کر گویا سیکس اختیار کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور محفوظ سیکس کے طریقے بتلائے

جارہے ہیں تاکہ پورا معاشرہ بدکاریوں میں مبتلا ہوجائے، جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے جنسیات کی تعلیم سراسر غلط اور ناجائز معلوم ہوتی ہے، ہاں اگر حکومت جنسی تعلیم کو لازم قرار دے دے تو حکومت کو یہ کہنا یقیناً مناسب ہوگا کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار و روایات کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور مسلم دانشوران ملت کو ایسی کتاب مرتب کرنا بہت بہتر ہوگا جس میں بلوغ، قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں کے متعلق شرعی احکام اخلاقی ہدایات، عفت و پاکدامنی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصانات کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کا تذکرہ واضح انداز میں ہو۔

۱۳- عصری تعلیمی اسکولوں میں تفریحی طبی سرگرمیوں کے نام سے وقتاً فوقتاً بچوں اور بچیوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دور شہروں کی سیر و سیاحت اور مختلف قسم کے کھیلوں کے مقابلہ میں طلبہ وطالبات کی شرکت جس میں اختلاط لازمی حصہ ہے، شرعاً اس قسم کی سرگرمیوں سے مسلم بچوں کا احتراز لازم ہے تاکہ فحش کاری اور منکرات کا شیوع نہ ہو نیز یہ ساری چیزیں اسلامی روایات کو مسخ کرنے اور اسلامی پردہ کا جنازہ نکالنے کے لئے اسلام مخالف دشمنوں نے اسلامی نظام زندگی کی مخالفت اور عداوت میں رواج دی ہے تاکہ اسلام اپنی شاندار شبیہ کو کھودے۔

اگر بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دور دراز شہروں کی سیر و سیاحت اور کھیلوں کے مقابلہ میں شرکت اسلامی نظام زندگی کو باقی رکھتے ہوئے ہورہی ہے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے بھی حضور ﷺ کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا ہے، لیکن بچیوں کے لئے جو بالغ ہوچکی ہیں یا قریب البلوغ مراہقہ ہیں ان کے لئے تو بڑے مسائل ہیں، لہٰذا اس پرفتن دور میں ان غیر اسلامی مقابلہ میں شرکت کرنا (جہاں اختلاط یا بے پردگی ہو یا ٹی وی کی اسکرینوں پر لڑکیوں کے مقابلہ کو ریلیز کیا جارہا ہو) ناجائز اور حرام ہے۔

(۱) "**لایحل لامرأة تومن بالله والیوم الآخر أن تسافر سفراً یکون ثلثة أیام فصاعداً إلا ومعها**" (سنن الترمذی، دارالحدیث قاہرہ ج:۲/ ۴۶۳)۔

(۲) "**لاتسافر المرأة مسیرة یوم ولیلة إلا مع ذی رحم**" (سنن الترمذی:۲/ ۴۶۳)۔

(۳) "**وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارهن ویحفظن فروجهن ولایبدین زینتهن الا ما ظهرمنها ولیضربن بخمرهن ولایبدین زینتهن**" (نور:۳۱)۔

۱۴- ثقافتی پروگراموں میں طالبات مراہقہ بچیوں کا تقریری اور ڈراموں میں شرکت کرنا اور لوگوں کے سامنے اپنی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسلام عورتوں، دوشیزاؤں اور مراہقہ لڑکیوں کو پردہ کے اندر رہنے کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

(۱) "**وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلیة**" (احزاب: ۳۳)۔

(۲)"ولا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه وقلن قولاً معروفاً" (احزاب:۲۲)۔

(۳) "یا أیها النبی قل لأزواجک وبنٰتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن" (احزاب:۵۹)۔

۱۵- ابتدائی درجات کے بچوں اور بچیوں کے لئے جانوروں اوراعضاء انسانی کی تصاویر والی کتابیں نصاب میں شامل کرنا اسلامی روح کے خلاف ہے اگرچہ دورِحاضر میں تعلیمی مقاصد کے لئے تصویر والی کتابیں اسکولوں میں خوب رائج ہیں، نیز نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ تعلیمی مقاصد کا حصول اور بھی نامناسب ہے۔

پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں، کلاسوں میں رکھ کر بچوں کو ان کے نام سے ان کی شناخت کرائی جاتی ہے، اس جدید طریقۂ تعلیم کو تحصیلِ علم میں بڑی اہمیت حاصل ہے، کلاسوں میں ان مجسموں کا رکھنا ناجائز ہے نیز یہ شیطانی طریقہ تعلیم ہے، اس طریقۂ تعلیم سے امتِ مسلمہ کو احتراز کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:" لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة تماثیل" (سنن الترمذی، دارالحدیث قاہرہ:۵/۱۱۳)۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷، ۱۸، ۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ بمقام بنگلور تصاویر کے استعمال کے جواز کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل فیصلہ کیا گیا ہے۔

اگر تصاویر معظم ومحترم ہوں تو ان کا استعمال کسی طرح جائز نہیں ہے، البتہ درج ذیل صورتوں میں استعمال کی گنجائش ہے۔

بچوں کے باتصویر کھلونے:

اس بارے میں اختلاف ہے، بعض نے منع کیا ہے، بعض نے گنجائش دی ہے۔ بہرحال اس میں شدت نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۲/۱۱۲، ۷/۳۶۰)۔

بہت چھوٹی تصویر:

(جن کی حد یہ ہے کہ اگر آدمی کھڑا ہو تو زمین پر رکھی ہوئی تصویر پوری طرح واضح نہ ہو) ایسی تصویروں کا گھر میں رکھنا یا استعمالی چیزوں میں ایسی چھوٹی تصویروں کا ہونا ممنوع نہیں ہے (جواہر الفقہ: ۷/۲۵۸ زکریا)۔

ذلت والی جگہوں پر بنی ہوئی تصویریں:

مثلاً فرش یا بستر کی چادر پر بنی ہوئی تصویروں کے استعمال کی اجازت ہے (جواہر الفقہ: ۷/۲۵۹ زکریا)۔

پوشیدہ تصویریں:

جو تصاویر کسی غلاف وغیرہ میں چھپی ہوئی ہوں یا اخبار وغیرہ میں شائع شدہ ہوں، ان کو چھپا کر رکھنا بھی درست ہے۔ (جواہر الفقہ: ۷/۲۶۳ زکریا)

تصاویر کی تجارت:

اگر خود تصویریں اصل مقصود ہوں مثلاً مورتی یا فوٹو تو اس کا بیچنا ناجائز ہے، البتہ اگر تصویر اصل مقصود نہ ہو، مثلاً تصویر دار اخبار یا مصور ڈبے والی کوئی استعمالی چیز تو ایسی چیزوں کی بیع وشراء درست ہے(جواہر الفقہ: ۷/ ۲۶۳ زکریا، کتاب النوازل ۱۶/ ۵۲۸)۔

ان مذکورہ جواز کی صورتوں سے معلوم ہوا کہ تصویر والی کتابوں کو اگر بچوں کے تصویر والے کھلونے کے درجہ میں رکھا جائے تو جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں شدت نہیں ہے اور اگر کتابوں میں بہت چھوٹی تصویریں چھاپی جائیں کہ کھڑے ہونے پر واضح انداز میں دکھائی نہ دیں تب بھی جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن احتراز و پرہیز بہرحال بہتر ہے۔

۱۶- عصری تعلیمی اداروں میں طالبات کو طلبہ والے وہ مضامین جو عصر حاضر میں ضروری ہیں مثلاً حساب، جغرافیہ، وغیرہ کے ساتھ ان فنون کی تعلیم دینا مستحسن اور مستحب معلوم ہوتا ہے جو ان طالبات کے لئے مستقبل کی زندگی میں کارآمد ہیں مثلاً سلائی، کڑھائی، پکوان اور امورِ خانہ داری میں مہارت پیدا کرنا وغیرہ۔ مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اداروں اور دوسرے اداروں میں ان امور کی تعلیم کا بندوبست اور انتظام کرنا بہت ہی مناسب اور بہتر ہے۔

” من ابتلیٰ من هذه البنات بشئ فأحسن إليهن كن له سترا من النار“. (ترمذی، دارالحدیث قاہرہ ۴/ ۳۲۰، معارف الحدیث: ۳/ ۲۷۷)۔

۱۷- مکاتب اسلامیہ میں درجہ پنجم تک جو اسلامی عقائد اور دینی تعلیم کا نظم رائج تھا اسی کو جدید انداز میں اسلامی ماحول والے عصری تعلیمی اداروں میں مقرر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ بچے نرسری سے پانچویں کلاس یا ساتویں کلاس تک میں قرآنِ کریم کی تلاوت، فرائض وعقائد، واجبات وسنن اور شریعت کے موٹے موٹے مسائل سے واقف ہو جائیں اور ان کے اندر اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت موجزن ہو جائے۔

۱۸- بالغ لڑکوں کے لئے خاتون معلمات کی تقرری اور بالغہ لڑکیوں کے لئے معلمین کا تقرر اسلامی روح کے اعتبار سے بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ یہ فتنوں کا دور ہے، اس پُرفتن دور میں بہن کی عفت بھائی سے محفوظ نہیں ہے، نیز بیٹی کی عفت باپ سے، اسی طرح خاتون معلمات کی عفت بالغ لڑکوں اور بالغ طالبات ومراہقہ طالبات کی عفت مرد معلمین سے محفوظ نہیں ہے اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے جنس مخالف اساتذہ اور استانیوں کا تقرر درست نہیں معلوم ہوتا ہے، ہاں چھوٹے نابالغ بچوں اور بچیوں کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن ادارے کے منتظمین واساتذہ سے معلمات کا پردہ کرنا ضروری اور واجب ہے۔

☆☆☆

اسلامی ماحول میں علوم عصریہ کی تعلیم

مفتی عبدالمصور خان ندوی☆

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن وحدیث اور احکام شرعیہ کی تعلیم کو تمام دوسرے علوم پر فضیلت حاصل ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی میں جن علوم کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ سب علم نافع میں شامل ہیں، اور ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دینی تعلق کو قائم رکھتے ہوئے ان علوم میں آگے بڑھیں، تاکہ وہ ایک باعزت قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندگی گزارسکیں، اور انسانیت کی خدمت کرسکیں، اس کے لئے اس تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے، جس کو آج کل عصری تعلیم یا انگریزی تعلیم کہا جاتا ہے، لیکن افسوس کہ یہ نظام تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، اب تو مغربی ملکوں میں بطور اور ہمارے ملک میں بطور تعلیم کو خدا بیزاری کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، مسلمان ایک مشکل صورت حال سے دوچار ہیں، کہ انہیں اپنی نسلوں کو دین پر ثابت قدم رکھنا بھی ضروری ہے اور زیور تعلیم سے بھی آراستہ کرنا ہے۔

اس پس منظر میں پیش آنے والے کچھ اہم سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں، تطویل کے خوف سے سوالات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

۱- اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جانے کے لئے اسکول وکالج کا قیام شرعی نقطہ نظر سے واجب ہے، نونہالان قوم کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم یعنی عصری تعلیم بھی دینا چاہئے، تاکہ طلبائے مدارس اسلامیہ موجودہ زمانے کے خدوخال کو سمجھ سکیں اور نئی دنیا کے سلگتے مسائل کا حل پیش کرسکیں۔

اسلامی قدیم زمانے میں دینی تعلیم کے ساتھ جدید دنیوی تعلیم حاصل کرنے کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جیسے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں ایک نوجوان جوڑے کو لائے اور کہا کہ ہم نے ان لوگوں کو بدکاری کرتے ہوئے پایا ہے، آپ ﷺ کے پاس لائے ہیں، تاکہ آپ انہیں سزادیں، اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ بجائے اپنے صوابدید سے فیصلہ کرنے کے یا اسلامی قانون نافذ کرنے کے خود ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہاری دینی کتاب توریت میں اس کے متعلق کیا احکام ہیں؟ انہوں نے جھوٹ بیانی کی اور کہا کہ توریت کا حکم یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا منہ کالا کر کے انہیں اس طرح گدھے پر بٹھایا جائے کہ ان کے منہ گدھے کی دم کی

☆ ناظم معہد دارالعلوم حسینیہ، امراوتی، مہاراشٹرا۔

طرف ہوں، پھر سارے شہر میں ان کی تشہیر کرائی جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہے توریت کا حکم اس سے مختلف ہے، توریت کو لاؤ، چنانچہ توریت لائی گئی، اس میں زنا کی سزا رجم نکلی، اوراس کے مطابق مجرموں کو رجم کرایا گیا، اس کے متعلق مزید لکھا ہے کہ توریت کو پہلے ایک یہودی نے پڑھا اوراس آیت کو چھوڑ دیا جس میں رجم کا ذکر تھا، اس پر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جو ایک نو مسلم یہودی تھے، رسول اللہ ﷺ کی توجہ اس امر پر منعطف کرائی کہ یہاں کچھ اور آیات بھی ہیں جنہیں یہ چھپا رہا ہے، اس واقعہ سے متاثر ہوکر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاص کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ تم عبرانی رسم الخط سیکھو، کیونکہ مجھے آئے دن یہودیوں سے خط وکتابت کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر ایسی تحریروں کو میں یہودیوں سے سے پڑھوا کر سنوں تو مجھے ان پر اعتبار نہیں اس لئے تم خود سیکھ لو۔

”زيد بن ثابت: أمرني رسول الله ﷺ فتعلمت له كتاب يهود، وقال: إني والله ما آمن يهود على كتابي، فتعلمته فلم يمربي إلا نصف شهر حتى حذقته، فكنت أكتب له إذا كتب وأقرأله إذا كتب إليه“ (رواہ امام احمد وابوداؤد والترمذی)۔

بالفاظ دیگر یہ کہ اجنبی زبانوں کو سیکھنے اور سکھانے کی طرف رسول اللہ ﷺ نے توجہ فرمائی ہے، اجنبی زبانوں کو سیکھنے سے سیاسی اور علمی فوائد حاصل ہوتے ہیں، خلاصہ کلام یہ کہ دینی تعلیم کے ساتھ اگر کچھ ضروری تعلیم علوم عصریہ کی بھی ہوجائے تو ہمارے دینی مدارس دین ودنیا کے اس حسین امتزاج کے ساتھ زیادہ بہتر انداز میں خدمت کرسکتے ہیں (بحوالہ عہد نبوی میں نظام تعلیم، ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ، بکتاب خطبات بہاولپور، خطبہ ۴)۔

۲- ایسے ادارے جن کے اندر اسلامی ماحول میں مطلوبہ معیار تعلیم کے مطابق عصری علوم پڑھائے جاتے ہوں اور وہ ادارے مسلم انتظامیہ کے تحت چلتے ہوں تو نصاب تعلیم میں مندرجہ ذیل تین امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اور جہاں تک بات ہے مسلمانوں کے زیر انتظام تعلیمی اداروں اوراسکولوں میں ڈارون ازم، فرائڈ کا نظریہ جنس، غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیومالائی کہانیاں پڑھائی جانا اسلامی شریعت کی رو سے ناجائز وحرام ہے۔

نصاب تعلیم سے متعلق تین قابل ذکر امور:

۱- اولاً ہم کو ہماری حیثیت وحقیقت پر نظر ڈالنی چاہئے اور یہ طے کرنا چاہئے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟ ہمارا مقصد وجود کیا ہے؟

۲- پھر ہمیں تعلیم کے مقاصد کو متعین کرنا چاہئے کہ تعلیم حاصل کرنے یا دوسروں کو تعلیم دینے کا مقصد کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے؟

۳- پھر اسی کے مطابق نصاب اور نظام طے کرنا چاہئے تاکہ تعلیم ہماری حیثیت وحقیقت ہمارے طے شدہ مقاصد کے مطابق ہو۔

مذکورہ بالا مجمل امور کی چنداں تفصیل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

سب سے پہلی بات کہ ہمیں اولا اپنی حقیقت وحیثیت پر نظر ڈالنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب اسلام ہے، جس میں ہمیں کچھ عقائد وافکار اور احکام واقدار کا پابند کیا گیا ہے اور ہمارے لئے یہ پابندی ناگزیر ہے، ہمیں یہ جاننا اور یقین کرنا چاہئے کہ اسلام کوئی قومیت نہیں، بلکہ وہ ایک پاکیزہ دین ہے جو عقائد واقدار کا حامل بھی ہے اور داعی بھی، اور وہ تمام سعادتوں کا جامع بھی ہے اور کفیل بھی، ہدایت وسعادت اس دین کی پیروی ہی میں منحصر ہے، یہ ایک نظام حیات ہے جو انسانیت کے لئے آب حیات ہے اور مسلمان وہ امت ہے جو اللہ کے اس آخری ودائمی پیغام پر ایمان ویقین رکھتی ہے، اور اسی کے مطابق زندگی کا کارواں آگے بڑھاتی ہے، ظاہر ہے کہ جو امت ایسے دین کی پابند وحامل ہے اس کو بہر صورت اپنے عقائد واعمال اپنے افکار واقدار کی ہر میدان میں ہر موقع پر حفاظت کرنا لازمی ہے، ورنہ اس دین کی حامل ہی نہ رہے گی۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اس امت کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ اس دین پر عمل پیرا ہو جائے، بلکہ اس کے ساتھ اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے ابدی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے اس کے لئے اس کو اپنے عمل اور کردار کے ساتھ ساتھ اپنی زبان وقلم سے بھی کام لینا ضروری ہے جو کہ اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تعلیم کے مقصد پر نظر کرنا اور اس کو متعین کرنا بھی ضروری ہے، یہ کام بہت ہی ضروری ہے، کیونکہ ہر کام اپنے مقصد کے تابع ہوتا ہے، جب تک مقصد متعین نہیں ہوگا اس وقت تک تعلیم اپنے اثرات ونتائج ظاہر نہیں کرتی ہے۔

انگریزی ومغربی تعلیم نے اقتصادی ترقی، عیش کوشی اور حصول مال ودولت کو اپنا مقصد قرار دیا ہے، لہذا اس تعلیم کے زیر اثر پروردہ لوگ اور اس کی آغوش تربیت میں تربیت پا کر نکلنے والے افراد اپنے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں، اس کے برخلاف اسلام کا نقطہ نظر تعلیم کے سلسلہ میں یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعہ انسان حق وباطل کی تمیز، اخلاقی اقدار کی تحصیل اور معرفت خداوندی کے حصول کے راستے تلاش کرے تاکہ اسی کے مطابق نصاب ونظام تعلیم متعین کیا جاسکے۔

تیسری بات یہ ہے کہ نصاب ونظام کیا ہو اور کیسا ہو؟ یہ بات مذکورہ دو باتوں کے تابع ہے، کیونکہ نصاب وہ بنے گا جو ہماری حیثیت وحقیقت سے مناسبت رکھنے والا ہوگا اور نظام بھی وہ تجویز ہوگا جو ہماری ذات سے ہم آہنگ ہوگا اور اسی طرح نصاب ونظام تعلیم ان مقاصد کے موافق ہوگا جن کو ہم نے اپنی تعلیم کے مقاصد قرار دیا ہوا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ ہمیں مسئلہ کے حل کے لئے مغربی نصاب ونظام تعلیم کو یکسر ختم کر کے ایک ایسے نصاب اور نظام تعلیم کی تشکیل کرنی ہوگی جو ہماری ذات اور ہمارے مقاصد سے مناسبت وہم آہنگی رکھتا ہو، اور اس میں ان باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو جن کا ایک مسلمان کو لحاظ رکھنا ہے، اور اس کی طبیعت سے ان کو مناسبت ہو۔

ہم یہاں اس سلسلہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی بات ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جو آپؒ

نے اسی مسئلہ کے حل کے لئے فرمائی ہے:

اس غیر فطری اور غیر ضروری صورت حال سے چھٹکارا پانے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ اس پورے نظام تعلیم کو یکسر تبدیل کر دیا جائے اور اس کو ختم کر کے نئے سرے سے ایک نیا نظام تعلیم تیار کیا جائے جو اپنی ملت اور امت کے قد و قامت پر راست آتا ہو اور اس کی دینی و دنیوی ضروریات پوری کر سکتا ہو، اس مسئلہ کا حل خواہ کتنا ہی دشوار نظر آتا ہو اور صبر آزما اور دقت طلب ہو، اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام تعلیم کو از سر نو ڈھالا جائے اور اس کو امت مسلمہ کے عقائد، زندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے اور اس کے تمام اجزاء سے مادیت، خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت اور جسم و خواہشات کی پرستش کی روح اور اسپرٹ کو ختم کیا جائے اور اس کے بجائے تقوی، انابت الی اللہ، آخرت کی اہمیت اور فکر اور پوری انسانیت پر شفقت کی روح جاری و ساری کر دی جائے، اس مقصد کے لئے زبان و ادب سے لے کر فلسفہ اور علم النفس تک اور علوم عمرانیہ سے لے کر اقتصادیات و معاشیات تک صرف ایک روح پیدا کرنی ہوگی، مغرب کے ذہنی غلبہ اور تسلط کا خاتمہ کرنا ہوگا، اس کی قیادت اور امانت کا انکار کرنا ہوگا، اس کے علوم و نظریات پر علمی تحلیل و تجزیہ اور بے لاگ تنقید کا مسلسل اور جرأت مندانہ عمل کرنا ہوگا (اسلامی ملکوں میں نظام تعلیم کی اہمیت/ص ۲۱-۲۲)۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء کی مختصر تشریح:

۱۸۵۹ء میں چارلس ڈارون نامی ایک شخص نے ایک انتہائی خطرناک نظریہ پیش کیا جسے ''نظریہ ارتقاء'' کہا جاتا ہے، اگر اس کے نظریہ ارتقاء کو ایک جملے میں لکھا جائے تو ہم کہیں گے کہ ماحول کے مطابق حیاتی اجسام میں اپنی بقاء کے لئے مسلسل تبدیلی کرنا، ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہر جاندار شئ پر لاگو ہوتا ہے، بشمول بنی نوع انسان کے۔

انسان کے بارے میں نظریہ ارتقاء یہ ہے کہ انسان بن مانس کی نسل سے تھا، جو اپنے ماحول کی وجہ سے تبدیل ہو کر ایسا ہو گیا، جیسا کہ آج ہے، چمپینزی جیسے چوپائے سے دو پیروں پر انسان اس لئے کھڑا ہو گیا کہ وہ اس زمانے میں اور اس وقت کے ماحول کے مطابق اس کی ارتقاء کے لئے ضروری تھا، مگر حقیقت اس کے قطعی برعکس ہے، مذکورہ بالا نظریہ کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو بالکل اسی حلئے میں بنایا ہے جس میں وہ آج موجود ہے، دہریوں کے نظریئے اور ایمان کے بیچ سائنس حائل ہے، جو اپنی نت نئی انکشافات سے ایمان کی تائید کرتی ہے۔

فرائڈ کا نظریہ جنس کی مختصر تشریح:

جنسی جبلت sexual Instinct کے بارے میں فرائڈ کا نظریہ مشرق کے ساتھ ساتھ مغرب میں بھی سخت تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے، اس کی رائے میں جنسی جبلت ابتدائے طفولیت سے کام کرنے لگتی ہے، عام خیال یہ ہے کہ جنسی جبلت بلوغ کے زمانے میں ہی کام کرنے لگتی ہے، فرائڈ کا خیال اس کے بالکل برعکس ہے، فرائڈ کے خیال میں جنسی جبلت ابتدائے حیات ہی سے کارفرما ہو جاتی ہے

ہ،مگراس کی تسکین مختلف زمانوں میں مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔

لہذا نصاب تعلیم سے متعلق تین اموراوپر ذکر کردیئے گئے ہیں،اسی طرح غیراخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیو مالائی کہانیاں پڑھانا غیر شرعی طریقہ ہے،مسلمان اپنے زیرانتظام تعلیمی اداروں میں ان مضامین کو داخل کرنے سے گریز کریں،اس طرح کی چیزیں پڑھانا یا نظام تعلیم میں داخل کرنا عین شریعت اسلامیہ کی تعلیمات اور اسلامی اقدار و اخلاق کے منافی ہیں،جس کے پڑھنے پڑھانے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔

۳- نصاب تعلیم کے مفاسد یعنی غیر اخلاقی مضامین مثلاً میوزک، ڈانس، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیو مالائی کہانیاں پڑھائی جانا عموما سرکاری تعلیمی اداروں میں زیادہ ہوتا ہے، جہاں ان بچوں کو تعلیم کا حصول آسان ہوجاتا ہے جو بھاری فیس ادانہیں کرسکتے، اسی طرح اگر بعض مقامات پر ایسے اسکول ہوں جو عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے ادارے ہوں جن میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دلانا چاہتے ہوں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنے ایمان وعقیدہ کا خیال کرتے ہوئے خود اپنے زیر انتظام مدارس اسکولوں میں اپنا تیار کیا ہوا نصاب تعلیم پڑھانا چاہئے اور دین و دنیا کی روشنی میں ایسا نظام تعلیم اختیار کرنا چاہئے جس سے دین کی حدود میں رہ کر دنیا میں جینا اور زندگی گزارنا آسان ہوجائے، غیروں کے مدارس میں اپنے بچوں کو داخل کرکے اپنی عاقبت کو برباد نہ کرے،اس کے لئے لائحہ عمل تیار کرے۔

اگراس طرح کی غیراخلاقی مضامین یا ڈانس، میوزک، جنسی تعلیم اور تاریخ کے نام پر غیر معقول دیو مالائی کہانیاں اسکولوں میں پڑھانا لازم ہوتو وقت کا بہتر وافضل جہاد یہ ہے کہ اس کے خلاف آواز بلند کی جائے یا تو اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے نکال کر کسی اسلامی اسکول میں داخل کرایا جائے اوران اسکولوں کا متبادل ڈھونڈ کر وہاں ان بچوں کو اعلی سے اعلی دینی ودنیوی تعلیم دی جائے۔

۴- خواتین کے موجودہ نظام تعلیم جسے Co-education کہا جاتا ہے مغرب کی درآمد کردہ ہے،اور جو دراصل مغرب کی فکر گستاخ کا عکاس، خاتون مشرق کو لیلائے مغرب کی طرح ہوس پیشہ نگاہوں کی لذت اندوزی کا سامان بنانے کی ہمہ گیر اور گھناؤنی سازش اوراس کی چادر عصمت وعفت کو تار تار کرنے کی شیطانی چال ہے اس کی مذہب اسلام تو کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرسکتا۔

مخلوط تعلیم کا ایک ہمہ گیر جائزہ:

مخلوط تعلیم کے حوالے سے دو پہلو نہایت ہی توجہ اور انتہائی سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

۱- یہ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب تعلیم ایک ہونا چاہئے یا جداگانہ؟

۲- لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم ایک ساتھ ہونی چاہئے یا الگ الگ؟

جہاں تک بات ہے نصاب تعلیم کی تو گرچہ کچھ امور ایسے ہیں جو دونوں کے مابین مشترک ہیں اوران کا نصاب لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یکساں رکھا جاسکتا ہے، مثلاً زبان وادب، تاریخ معلومات عامہ، جغرافیہ، ریاضی جنرل سائنس، اور سماجی علوم وغیرہ،

لیکن کچھ مضامین ایسے ہیں جن میں لڑکیوں اورلڑکوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا، مثلاً انجینئرنگ کے بہت سے شعبے، عسکری تعلیم اور ٹیکنیکل تعلیم، کیونکہ ان کی لڑکیوں کو قطعاً ضرورت نہیں ہے، البتہ میڈیکل تعلیم کا اچھا خاصہ حصہ خواتین سے متعلق ہے، اس لئے امراض نسواں زمانے سے طب کا مستقل موضوع رہا ہے، یہ لڑکیوں کے لئے نہایت ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم میں امور خانہ داری کی تربیت بھی شامل ہونی چاہئے کہ یہ ان کی معاشرتی زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتے ہیں اسی طرح سلائی، کڑھائی، پکوان کے مختلف اصول اور بچوں کی پرورش کے طریقے بھی ان کے نصاب تعلیم کا حصہ ہونے چاہئیں، ان سے نہ صرف لڑکیاں گھریلو زندگی میں بہتر طور پر متوقع رول ادا کرسکتی ہیں، بلکہ ازدواجی زندگی کی خوشگواری، اہل خاندان کی ہردل عزیزی اور مشکل اور غیر متوقع صورت حال میں اپنی کفالت کے لئے یہ آج بھی بہترین وسائل ہیں ساتھ ہی لڑکیوں کے لئے ان کے حسب حال آداب معاشرت کی تعلیم بھی ضروری ہے، کیونکہ ایک لڑکی اگر بہترین ماں اور فرمانبردار بیوی نہ بن سکے تو سماج کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ عورتوں کو تذکیر کے لئے جمع کرتے اور آپ ﷺ انہیں ان کے حسب حال نصیحت فرماتے، چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''خواتین کی دل بہلائی کا بہترین مشغلہ سوت کاتنا ہے''، کیونکہ سوت کاتنا اس زمانے میں ایک گھریلو صنعت تھی، بلکہ آج سے نصف صدی بیشتر تک بھی بہت سے گھرانوں کا گزران معیشت اسی پر تھا۔

مردوزن کی مخلوط تعلیم سے متعلق مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ عصری درسگاہوں کے اندر شروع سے آخر تک یا کم سے کم ابتدائی مخلوط تعلیم کا وہ نظام جس میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ کلاسوں میں پڑھتے ہیں، کھیل کے میدان میں اور چائے خانوں میں آپس میں ملتے جلتے ہیں، سراسر مادیت پرستی، دین بیزاری اور اخلاقی انحطاط کا سبب ہے جو کہ اسلامی تعلیمات کے عین خلاف ہے، اسلام اس مذکورہ نظام تعلیم کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے، اور جہاں تک بات ہے جداگانہ نظام تعلیم میں زیادہ اساتذہ، عملہ، کلاس روم وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے، جس میں اگرچہ کہ بعض دفعہ انتظامیہ کو ان سب چیزوں کے نظم کرنے میں دقت ہوتی ہے، لیکن زیادہ بہتر ومناسب ہے اور اسلامی ہدایات کی روشنی میں صحیح ودرست نظام تعلیم ہے۔

انتظامیہ کو درپیش نظم ونسق کی دقت کے پیش نظر یہ صورت نکالی جاسکتی ہے کہ پہلی جماعت سے لے کر چوتھی جماعت تک لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم مخلوط رکھی جائے، لیکن پانچویں جماعت سے طلباء کے درمیان تفریق کردی جائے اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے باضابطہ الگ الگ اسکول ہوں۔

۵ – جداگانہ نظام کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱ – لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

۲ – دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

۳-ایک ہی بلڈنگ اور ایک کلاس روم ہو،لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سب سے بہتر صورت جو عین مطابق اسلامی تعلیمات اور اسلامی اقدار واخلاق کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے باضابطہ الگ الگ بلڈنگ ہو،جس میں پردے کے مکمل اہتمام کے ساتھ تعلیم کا مکمل نظم ونسق ہو۔

٦- آج کے اسکولوں کے نظام تعلیم میں جو خامیاں اور غلطیاں ہیں ان میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ عمر کا تعین اس طرح لازم کردیا گیا ہے کہ بچوں کے والدین کو جعلی سرٹیفیکٹ بنوانا پڑتا ہے،اور زندگی بھر اپنی عمر کے متعلق جھوٹ بولنا پڑتا ہے،تمام کاغذات ،اسناد میں یہی غلط عمر اندارج ہوتی ہے اور مرنے کے بعد بھی یہ کذب بیانی جاری رہتی ہے، اصلا والدین سے کذب بیانی کا ارتکاب کروانے والے ذمہ دار اسکول کے منتظمین ہیں، اس لئے اولا بچوں کو مطلوبہ عمر میں درج کرایا جائے اور اگر ایسا نہ ہوا تو اسکول انتظامیہ کو کہا جائے کہ یہ قاعدہ بدل دیا جائے،اس لئے کہ یہ کوئی آسمان سے نازل شدہ قانون نہیں جس میں تغیر وتبدیل نہ ہو سکے، لہذا اسکولوں میں داخلے کے وقت بچوں کی عمریں کم کر کے اندارج کروانا جائز نہیں بلکہ اس معاملے میں کذب بیانی کرنا یا کروانا ہر صورت میں حرام ہے،اس سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ عمر کا غلط اندراج کرنا جائز نہیں،اور اس معاملے میں کذب بیانی سے کام لینا حرام ہے۔

٧- اسکولوں میں بچوں کے لئے ٹائی کو لازم کرنا،لڑکیوں کو اسکرٹ اور لڑکوں کو نیکر کا پہننا ضروری قرار دینا غیر اسلامی طریقہ ہے،ٹائی دراصل عیسائیوں کا مذہبی شعار ہے، جو انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی صلیب کے نشان کے طور پر اختیار کیا ہے، اس لئے ایک مسلمان کے لئے ٹائی باندھنا عیسائیوں کی تقلید کی وجہ سے حرام ہے،اور اسکول کے بچوں کے لئے اس کو لازم قرار دینا بہت ظلم ہے، بچے تو معصوم ہیں مگر اس کا گناہ اسکول کے ذمہ داروں پر پڑے گا۔

اگر کوئی طالب علم ساتر لباس پہننا چاہے، یا کوئی طالبہ برقعہ پہننا چاہے تو اس کو خلاف ڈسپلن کہہ کر کلاس سے باہر نکال دینا اور اسکارف پر پابندی لگادینا غیر اخلاقی عمل اور انسانیت کے خلاف ہے،اسی طرح کی حرکت اگر مسلمانوں کے زیر انتظام کسی اسکول میں ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اسکول اسلام کا صریح مخالف اور اسلامی احکامات کا کھلا انکار کرنے والا ہے،جس نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہے،اس سے متعلق شرعی حکم یہ ہوگا کہ ان اسکولوں میں مسلم بچوں کو ہرگز نہ پڑھایا جائے۔

مسلم طالبات کے یونیفارم مقرر کرنے کے اصول وضوابط یہ ہیں کہ شریعت کے مطابق ہوں،یعنی مکمل ساتر ہوں،لڑکیاں آنکھیں اور ہاتھ کی دونوں کلائیاں بغرض ضرورت کھلی رکھ سکتی ہیں،اور ایسے دیدہ زیب ہوں کہ دوسرے اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے یونیفارم دیکھ کر اسلامی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں، نیز اگر اسکول کا انتظام

مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہواور اسلامی اسکول موجود نہ ہوں تو مسلمان طلبہ وطالبات کے اولیاء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے بچے بچیوں کی تعلیم کے لئے کوئی متبادل ڈھونڈے، اگر کوئی متبادل نہ ہوتو گھر کی تعلیم ہی بہتر ہے۔

۸- اسکولی طلبا سے داخلہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس اور امتحان فیس وغیرہ کے نام پر جو مختلف فیسیں وصولی جاتی ہیں جن کو غیر ضروری جگہوں میں استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً تزئین کاری، بلڈنگوں کی وسعت دینا وغیرہ جو کہ ایک طرح کی فضول خرچی ہے، نیز تعلیم کو خدمت کے بجائے تجارت بنانا ایسا عمل ہے جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے، یہ کام اسلامی شریعت کی رو سے حرام ہے، مال وہیں خرچ کیا جائے جہاں اس کی اشد ضرورت ہو، اسی طرح ایسے اسکول جہاں بچوں کے پیسوں کو مثلاً تعمیر، اسٹیشنری، کمپیوٹر اور لیب وغیرہ میں خرچ کرنا جو اصلا انتظامیہ کی ذمہ داری ہے، اسی طرح بعض وہ شخصی اسکول جہاں تعلیمی سہولت فراہم کرنے کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دی جاتی ہو تو وہ اسلام کی نظر میں ناجائز اور برا عمل ہے، کیونکہ تعلیم ہر انسان کا فطری حق ہے اور اسلام حق تلفی کو ظلم قرار دیتا ہے، اور ظلم کی ادنی سے ادنی صورت بھی ناجائز اور حرام ہے۔

۹- بعض دفعہ طالب علم فیس ادا کرنے کے بعد کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجاتا ہے، مگر اس کا ٹیچر کلاس میں آتا رہتا ہے ایسی صورت میں غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہوگا، حالانکہ دونوں اس سے استفادہ نہیں کرتے، حقیقت یہ ہے کہ طالب علم کی ذمہ داری پابندی سے کلاس میں حاضر ہونا ہے، جس کو طالب علم نے کسی مجبوری سے ادا نہیں کیا، رہی بات ٹیچر کی تو وہ طلبہ کی فیس کا محتاج نہیں ہوتا ہے، اور نہ ان کے تابع ہوتا ہے، طالب علم آئے یا نہ آئے، استاذ کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہوتی ہے، لہذا طالب علم کے فیس ادا کرنے کے بعد غیر حاضر ہونے کی صورت میں فیس کا لینا درست ہوگا۔

البتہ اگر طالب علم پورے مہینے غیر حاضر رہا اور اس کی عدم موجودگی کے باوجود اگر اس سے فیس وصول کی جاتی ہے تو اس طرح کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ طالب علم کو فیس دینے کا جواز اسی وقت ہوگا، جبکہ وہ کلاس حاضر ہونے کی نیت سے فیس ادا کر رہا ہو۔

۱۰- عصری تعلیم اداروں میں تعلیم پانے والے بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں جو اپنی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوتے ہیں تو ایسے بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، جبکہ وہ بچے واقعی غریب و مستحق ہوں۔

اللہ تعالی نے زکوۃ خرچ کرنے کے آٹھ مصارف قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں، کہ ان مصارف پر زکوۃ خرچ کی جائے۔

"إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل، فريضة من الله، والله عليم حكيم" (سورۂ توبہ:۶۰)۔

۱-فقراء، ۲-مساکین، ۳-عاملین (زکوۃ وصول کرنے والے اگرچہ کہ وہ صاحب ثروت ہوں)، ۴-مؤلفۃ القلوب (یعنی نومسلم موجودہ زمانے میں اگر محتاج ہو تبھی وہ صحیح مصرف زکوۃ ہے ورنہ نہیں)، ۵-غلام، ۶-قرض دار، ۷-مجاہد فی سبیل

اللہ، ۸-مسافر۔

لہٰذا اگر یونیورسٹی یا کالج کا کوئی طالب علم ان آٹھ مصارف میں سے کسی قسم میں شامل ہوتو اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے، قطع نظر اس بات کہ وہ کہاں پڑھتا ہے، لیکن اگر نتائج کو سامنے رکھا جائے کہ یونیورسٹی کا طالب علم دین سے دور ہوتا جارہا ہے اور فتنے کا باعث بن رہا ہے تو پھر احتیاط ضروری ہے۔

۱۱- بعض سرکاری و پرائیوٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے، وندے ماترم یا گیتا کے اشلوک شروع میں پڑھوائے جاتے ہیں، سوریہ نمسکار کرایا جاتا ہے، یوگا کرایا جاتا ہے، جس کا ایک جزء سوریہ نمسکار بھی ہے، کہیں طلبہ پر اس کو لازم کردیا گیا ہے، کہیں اس کی ترغیب دی جاتی ہے، اور اس کے لئے ماحول سازی کی جاتی ہے، بعض ریاستوں میں خود ریاستی حکومت نے اسکولوں پر اس کا آرڈر جاری کردیا ہے، مشنری اسکولوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کی فرضی تصویر یا مجسمہ کے سامنے دعا کرائی جاتی ہے، اور اگرچہ اس کو لازم نہیں کیا جاتا ہے، لیکن ترغیب دی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان انتظامیہ اسکول میں زیادہ لالچ یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے اس طرح کا عمل کراتے ہیں۔ تو اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر یہ عمل ہونے لگے اور مسلمان طاقت وقوت کے مالک ہوں تو ان تمام چیزوں پر پابندی لگانے کی کوشش کریں اور اگر یہ نہ کرسکیں تو اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے نکال لیں، نیز وہ سرکاری ادارے جو اختیاری طور پر اس کی ترغیب دیتے ہیں، مکمل طور سے حکومت کی نگرانی میں چلتے ہیں جن میں بظاہر تو مسلمانوں سے ہمدردی کی جاتی ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو پڑھنا لازم نہیں، لیکن یہ ایک طرح کا دھوکہ ہے، ایسی صورت میں ایسے اسکولوں میں بچوں کو داخل کرانا خطرے سے خالی نہیں ہے، اور اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیوٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے تو مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے الگ اسکول قائم کریں۔

اگر غیر مسلم پرائیوٹ ادارہ میں بطور ترغیب کے ان کاموں کا حکم دیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ بطور ترغیب ان کاموں کے کرنے کا حکم دینا خود ایک کھلا دھوکہ ہے جس سے تمام مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

مذکورہ بالا برائیوں سے پاک اداروں کی موجودگی میں مشرکانہ رسم ورواج کے اسکولوں میں مسلمانوں کا اپنے بچوں کو داخل کرانا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

مسلمان انتظامیہ کے لئے اس بات کی ہرگز گنجائش نہ ہوگی کہ اسکول کی ترقی کی خاطر ان سب مشرکانہ رسومات کو اپنے اسکولوں میں رواج دیں، مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان چیزوں سے دور رکھیں اور ایمان کا بھی یہی تقاضہ ہے، خصوصاً غیر مسلم بچوں کے لئے ان سب مشرکانہ چیزوں کا انتظام کرنا عین اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام ہر کسی کے لئے ہے، اس حقیقت کو جاننے کے باوجود غیر مسلم بچوں کو یہ سب چیزیں سکھانا ٹھیک نہیں ہے۔

۱۲- یہ افسوس کی بات ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم دینے اور برائی سے بچنے کے بجائے برائی کے محفوظ راستے تلاش کئے جارہے

ہیں، اگر حکومت اس کو لازم کر دے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اسکولوں میں جنسی تعلیم کے خلاف آواز بلند کریں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے نکال لیں، اور حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ ہم اپنے بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسی تعلیم دیتے ہیں، ہمیں اس طرح اسکولوں میں اپنے بچوں کو غیر اخلاقی تعلیم دلانے کے لئے ضرورت نہیں ہے، اور مذکورہ بالا مسئلہ کے حل کے لئے مسلمان ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جن میں اسلامی اقدار و اخلاق کی روشنی میں مرد و زن کی کیفیات اور ان کے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے جنسیات کی تعلیم دی جا سکے، مزید یہ کہ مسلمان ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور قریب بلوغ لڑکوں اور لڑکیوں سے متعلق مکمل شرعی احکام ہوں، اخلاقی ہدایات، عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کو واضح کیا گیا ہو۔

۱۳- عصری اسکولوں میں تفریح اور طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ، سائکل ریس، دوسرے شہروں کی سیر اور مختلف کھیلوں کے مقابلوں کو منعقد کرنا، جس میں طلبہ و طالبات کا اختلاف بھی ہوتا ہے ہرگز جائز نہیں، مسلمان انتظامیہ کو اختلاط سے بچتے ہوئے دونوں صنفوں کے لئے الگ الگ کھیل کود کے پروگرام منعقد کرانے چاہئیں۔

۱۴- اسکولوں میں ثقافتی پروگرام کے عنوان سے تقریریں ڈرامے اور مکالمے کروانا جن میں طالبات کو بھی تقریروں اور ڈراموں میں شریک کیا جاتا ہو جن میں طلباء و طالبات کے درمیان نہ کوئی فرق ہو اور نہ پردے کا خاص نظم و نسق ہو تو ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ کی رو سے مذکورہ بالا پروگرام منعقد کرنا عین ناجائز و حرام ہے۔

۱۵- نصاب تعلیم میں ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایسی کتابیں- جن میں جانوروں کی تصاویر اور اعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں- نصاب میں شامل کرنا درست ہے، کیا تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ کام لیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح آج کل ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے پلاسٹک یا لکڑی کے مجسمے- جو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں- کلاسوں میں رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے ان کے مجسمے بھی دیکھ لیں، اس کو جدید طریقہ تعلیم میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے، ان مجسموں کو اگرچہ رکھنا ناجائز ہے مگر فقہی و اسلامی تقاضہ یہی ہے کہ نہ رکھا جائے، امکان ہے یہ سب چیزیں بچوں کے ذہنوں کو بدلنے کا سبب بن جائے، لہذا احتیاط ضروری ہے۔

۱۶- آج کل عصری تعلیمی اداروں میں طالبات کو بھی وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو طلبہ کے لئے ہوتے ہیں، ان کو ایسے مضامین کی تعلیم نہیں دی جاتی، جو ان کی ضرورتوں سے متعلق ہو، جیسے: سلائی، کڑھائی، پکوان، امور خانہ داری میں مہارت، اور اولاد کی تربیت وغیرہ، جو ادارے مسلمان انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں، وہ لڑکیوں کے لئے ان امور کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں، جو کہ بہت بہتر اور اہم ہے اور اس طرح کا انتظام کرنا احسن ہے۔

۱۷- یہ بات ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کے لئے دین کی بنیادی واقفیت ضروری ہے، پہلے بچے پانچ چھ سال، بلکہ اس سے بھی زیادہ

عمر میں اسکول میں داخل کئے جاتے تھے، اور ابتدائی جماعتوں میں تعلیم کا بوجھ بھی کم ہوا کرتا تھا؛ اس لئے گھر میں بچوں کی بنیادی تعلیم ہوجایا کرتی تھی، خود ماں باپ میں بھی اتنی صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھالیں؛ لیکن مادیت کے غلبہ اور مغربی نظام تعلیم نے اس اہم فریضہ سے نہ صرف لوگوں کو غافل کردیا ہے؛ بلکہ اب اس کی ضرورت واہمیت بھی دلوں سے رخصت ہوگئی ہے، اس پس منظر میں ضروری ہے کہ مسلمان اسلامی ماحول کے ساتھ عصری وتعلیمی ادارے قائم کریں اور ان میں ضروری حد تک بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔

ایسے اسکولوں میں اس حد تک دینی تعلیم دینا شرعاً ضروری ہے جس میں ان کے فرائض پورے ہوسکیں اور وہ اسلامی شعائر کی عزت وقدردانی کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کی عبادت کرسکیں، اور یہ کہ ان بچوں کے دوسرے مضامین کی تعلیم بھی متاثر نہ ہو، اس طرح کا نظام تعلیم قائم کرنا بہتر اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔

۱۸- اساتذہ کے تقرر میں مرد معلمین اور خواتین معلمات کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، بالغ لڑکے اور بالغ طالبات کے لئے جنس مخالف میں سے ٹیچر مقرر کرنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہوگا، یہ مسئلہ اس صورت میں مزید اہم بن جاتا ہے جب خاتون معلّمہ کم تنخواہ پر مہیا ہو اور اسکول کی مالی حالت کا تقاضا ہو کہ وہ ان کی خدمت سے استفادہ کرے تو ایسی صورت میں مخالف جنس ٹیچر کا تقرر درست نہیں ہوگا۔

۱۹- اسی طرح اسکولوں کی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کے معائنہ کے لئے محکمہ تعلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً معائنہ کرنے والے آتے رہتے ہیں، اور وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کلاس روم کی وسعت، باتھ روم، بچوں کے لئے کھیل کی سہولتیں، یونیفارم، فیس کا ڈھانچہ اور اسکول کی طرف سے دی جانے والی دیگر سہولیات کا معائنہ کرکے حکومت کی طرف سے منظوری کو برقرار رکھنے یا منسوخ کرنے کی تجویز دیتے ہیں، چونکہ بدقسمتی سے آج کل ہر میدان میں رشوت کا لین دین ایک معمول سا بن گیا ہے؛ اس لئے یہ رشوت کے طالب ہوتے ہیں، اور نہ دی جائے تو معمولی بہانوں سے منظوری کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں یہ بات یاد رہے کہ اسلام نے رشوت کو حرام قرار دیا ہے، اگر رشوت دے کر اسکول کی منظوری وغیرہ کو باقی رکھا جاتا ہے تو یہ کام ناجائز وحرام قرار دیا جائے گا۔

☆☆☆

مخلوط نظام تعلیم کے اخلاقی اور دینی نقصانات

مفتی عبد المنان☆

۱- قرآن وحدیث اور احکام شرعیہ کی تعلیم شرعا فرض ہے اور تمام دوسرے علوم پر فضیلت حاصل ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی زندگی میں جن علوم کی ضرورت پیش آتی ہے مسلمان اپنے دینی تعلیم کو قائم رکھتے ہوئے ان علوم میں آگے بڑھیں، تاکہ وہ ایک باعزت قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندگی گذار سکیں اور انسانیت کی خدمت کر سکیں، اس کے لئے اس تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے جن کو آج کل عصری تعلیم یا انگریزی تعلیم کہا جاتا ہے، لیکن نظام تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، اب مغربی ملکوں میں بھی اور ملکوں میں بھی تعلیم کو خدا بیزاری کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی نسل کو دین پر قائم رکھنا ضروری ہے اور عصری تعلیم سے آراستہ کرنا بھی۔

لہذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی ماحول میں ضرورت زندگی تک کی عصری تعلیم دی جائے یہ شرعا واجب ہے ، چونکہ ایک روایت میں عرباض بن ساریہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے دعا کی تھی: "**اللهم علم معاوية الحساب والكتاب**" (حدیث)، بخاری شریف میں تعلیقا مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ یہودیوں کی تحریر سیکھ لو (اصح السیر ص ۲۸)۔

نیز اسلامیات سے ٹکرانے والی عصری تعلیم کے مقابلہ وتردید کے لئے کچھ لوگوں کو عصری تعلیم یا انگریزی تعلیم کے مقابلہ کی حد تک سیکھنا ضروری ہے۔

۲- ایسے ادارے اگر مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں تو نصاب تعلیم میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ضرورت کے مطابق ہونا چاہئے، تاکہ بچے اسلامی فرائض وواجبات کا علم بھی حاصل کر لیں، لیکن غیر شرعی اعمال وغیر اخلاقی مضامین بالکل نہ ہوں۔

۳- نصاب تعلیم کے مفاسد ان سرکاری تعلیمی اداروں میں زیادہ ہوتے ہیں جہاں بچوں کو تعلیم کا حصول آسان ہوتا ہے اور بھاری فیس ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جہاں مسلمان انتظامیہ کے تحت اسکول نہیں ہیں، بلکہ عیسائی مشنری یا سنگھ پریوار کے تحت چلنے والے ادارے ہوتے ہیں، ایسے اداروں میں اپنے بچوں کو مجبورا تعلیم کے لئے داخل کرنا جائز تو ہوگا، لیکن بچوں کے دین وایمان کی

☆ دار الحدیث پرمائی ویٹی، ضلع نوگاؤں آسام۔

حفاظت کے لئے والدین پر ضروری ہے کہ پرائیویٹ دینی تعلیم کا انتظام کریں، تاکہ بچوں کے ایمان وعقائد واعمال اسلامی تعلیم کے مطابق رہیں۔

۴- جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے، لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ کلاسوں میں پڑھتے ہیں وہاں بالغ نہ ہونے تک تو مخلوط تعلیم کو درست کہا جا سکتا ہے، لیکن بالغ ہونے کے بعد یہ درست نہیں ہے، چونکہ حدیث شریف میں دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کو الگ بستر پر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچے اور بچیاں زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ہی ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے، لہذا بہتر صورت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ گیارہ سال کی عمر تک مخلوط تعلیم ہی ہو سکتی ہے اس سے زیادہ عمر کی ممنوع رہے گی، اگر مجبوراً مخلوط تعلیم دینا پڑے تو ساتھ ساتھ دینی واخلاقی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۲۱۸-۲۱۹)۔

۵- جداگانہ نظام تعلیم کی تین صورتیں ہیں:

۱- دونوں کے لئے الگ الگ بلڈنگ ہو۔

۲- دونوں کے لئے الگ الگ کلاس روم ہو، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے، قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں، لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو۔

۳- ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی ایسی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکیں، یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں۔

پہلی صورت سب سے بہتر ہے، جبکہ دوسری صورت جائز ہے، اور تیسری صورت میں ضرورت کے وقت حائل کے ساتھ جائز ہے۔

۶- اسکولوں میں داخلے کے لئے خاص عمر لازم کر دی گئی ہے، اسی عمر کے اندر بچہ کا اسکول میں داخلہ کرا لینا چاہئے، خوامخواہ جھوٹا حلف نامہ دے کر ساری زندگی جھوٹ اور غلط کام کا رواج دینا جائز نہیں ہوگا، مگر کبھی اشد ضرورت کی وجہ سے مجبوراً الگ بات ہے۔

۷- مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں میں یونیفارم مقرر کرتے وقت لڑکا ہو، یا لڑکی دونوں کے لئے شریعت کے مطابق یونیفارم متعین کرنا ضروری ہے، اس میں مسلمان بچوں کو فخر کرنا چاہئے، نہ کہ احساس کمتری اگر انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور قرب وجوار میں مسلمانوں کے زیر انتظام اسکول بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ خود اپنا اسکول قائم کریں اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو غیر مسلم منتظمین سے گفتگو کر کے ان کو تیار کرنے کی کوشش کی جائے، اس میں کثیر افراد کی جماعت یا وفود جا کر گفتگو کرنے سے زیادہ اثر پڑے گا، اگر کوشش ناکام رہی تو اخیر میں مجبوراً لڑکیاں بالغ ہونے سے پہلے تک کی تعلیم دے اور لڑکوں کو ضرورت

کے مطابق پڑھنا جائز سمجھا جائے گا، ممکن ہو تو مسلمان اپنے انتظام ہی میں اسکول بنانے کی حتی الامکان کوشش کریں۔

۸- اسکولی طلبہ سے داخلہ فیس، ٹرم فیس، ٹرانسپورٹ فیس، مطبخ فیس وغیرہ بچوں کی تعلیم کے لئے ضروری ہے اور ادارہ کو چلانے کے لئے ضروری محسوس کیا جاتا ہے، لہذا ضرورت کے مطابق فیس لینا تو جائز ہے، لیکن تعلیم کو پروفیشن بنالینا اور انکم سورس بنالینا یہ مناسب نہیں ہے، اس میں دینی یا قومی خدمت کا خیال رکھنا چاہئے۔

۹- ماہانہ فیس لے کر جبکہ طالب علم کسی وجہ سے غیر حاضر ہوجاتا ہے تو یہ فیس لینا جائز ہوگا اولاتو اس لئے کہ آئندہ طالب علم غیر حاضری نہ کرے، دوسرے یہ کہ ٹیچر کی تنخواہ اور ٹرانسپورٹ کا خرچہ طالب علم کی غیر حاضری کی وجہ سے کم نہیں کیا جاسکتا ہے، وہ طالب علم اگر چہ استفادہ سے محروم رہا، لیکن اسے دوسرے ساتھیوں کا فائدہ ہوا۔

۱۰- عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے بچے جو غریب ہوتے ہیں وہ غریب ہونے کے اعتبار سے زکوۃ کے مستحق ہیں، لہذا اس کی تعلیم کے لئے غربت کی بنا پر زکوۃ دینا اور اس کا لینا دونوں جائز ہوگا۔

۱۱- جن سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں میں مشرکانہ ترانے، وندے ماترم وغیرہ خلاف شرع اعمالی جبرا کرایا جاتا ہے تو مسلمانوں کے لئے وہاں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اگر سرکاری اسکولوں میں اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جاتی ہے اور وہاں مسلمانوں کے زیر انتظام کوئی اسکول نہ ہو تو وہاں بچوں کا داخلہ تو درست ہوگا، لیکن بچوں کو دینی صحیح عقائد کی تعلیم دینا ضروری ہوگا۔

اگر غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے پرائیویٹ اداروں میں اس کو لازم قرار دیا جائے تو اگر چہ اس کے سوا کوئی اور ادارہ نہ ہو تو وہاں مسلمان بچوں کا داخلہ جائز نہیں ہوگا، جیسے احسن الفتاوی (۲۰۱/۸) میں ہے کہ انگریزی پڑھنا جائز ہے، مگر اسکول و کالج وغیرہ میں ماحول بے دینی کا ہے جو بے دینی کی طرف داعی ہے، لہذا اس سے احتراز لازم ہے، ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ سب مل کر اپنے انتظام سے ادارہ چلانے کی کوشش کریں جہاں دینی ماحول کے ساتھ ساتھ عقائد بھی محفوظ رہیں گے۔

اگر پرائیویٹ غیر مسلم ادارہ ہو اس میں بطور ترغیب کے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے تو وہاں اگر مسلم ادارہ نہ ہو تو اس میں داخلہ جائز نہ ہوگا، لیکن دینی تعلیم کا انتظام خود اپنے طور پر کرنا لازم ہوگا۔

ان تمام صورتوں میں اگر دوسرے ایسے ادارے موجود ہوں جو ان برائیوں سے پاک ہوں اور وہاں داخلہ ہوسکتا ہو تو ان مشرکانہ اعمال کو لازم کرنے والے ادارہ یا ترغیب دینے والے ادارہ میں مسلمان بچوں کو داخلہ دینا جائز نہیں ہوگا، مسلمان انتظامیہ کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ کسی مصلحت یا اسکول کی ترقی کے لئے ان چیزوں کو رواج دے، مسلمان انتظامیہ ان چیزوں سے باز رہیں۔

۱۲- اگر حکومت جنسی تعلیم کو لازم قرار دے تو اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل نہ کرائیں، بلکہ حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ ہم بچوں کو اسلامی اقدار کی روشنی میں جنسیات کی تعلیم دیتے ہیں، اور مسلم تعلیمی ادارے میں ایسی کتاب مرتب کریں جس میں بلوغ اور

قریب البلوغ لڑکوں اورلڑکیوں کوشرعی احکام، اخلاقی ہدایات،عفت و پاکیزگی کی اہمیت اور بے عفتی پر اخروی نقصان کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتوں کوواضح کردیاجائے۔

۱۳- عصری اسکولوں میں تفریحی،طبی سرگرمیوں کے نام پر وقتاً فوقتاً بچوں کی دوڑ، سائیکل ریس، دوسرے شہروں کی سیراور مختلف کھیلوں کے مقابلے کرائے جاتے ہیں اس میں بے پردگی، اختلاط شرعاً ناجائز ہے، اگرمسلمان انتظامیہ اختلاط سے بچاتے ہوئے اگرممکن ہوان کھیلوں کا انتظام توکرنا درست ہوگا، ورنہ نہیں،لیکن صنف نازک کے لئے جونامناسب ومروۃ کے خلاف ہووہ نہ کرائے جائیں جیسے سائیکل ریس وغیرہ۔

۱۴- ثقافتی پروگرام کےعنوان سے ڈرامہ کےعلاوہ تقریراورمکالمےاسکول کے طالبات کا پروگرام ہوتوحجاب کے ساتھ شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں، البتہ طلبہ کےساتھ مخلوط پروگرام میں شرکت درست نہیں ہوگی، چونکہ عورت کی آواز بھی پردہ ہے۔

۱۵- نصاب تعلیم میں ابتدائی بچوں کے لئے ایسی کتابیں جن میں جانوروں کی تصاویر،اوراعضاء انسانی کی تصاویر ہوتی ہیں، نصاب میں شامل کرنا درست ہوگا، ایسا ہی تعلیمی مقاصد کے لئے کسی چیز پر نقش کئے بغیر ڈیجیٹل تصویر کے ذریعہ بچوں کے لئے کام لیاجاسکتاہے، ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے پلاسٹک یالکڑی کے مجسمے جوجانوروں کے بھی ہوتے ہیں، کلاسوں میں رکھ دیئے جاتے ہیں،تاکہ بچے جانوروں کے نام پڑھتے ہوئے مجسمے کوبھی دیکھ لیں، بچے چونکہ شریعت کےاحکامات کے مکلّف نہیں ہوتے ،لہذا ان کے لئے درست ہوناچاہئے،لیکن تعلیم کے لئے مذکورہ چیزیں ضروری نہیں ہیں،لہذا ان چیزوں کامہیانہ کرنابہتر ہے۔

۱۶- آج کل عصری تعلیمی اداروں میں طالبات کوبھی وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جوطلبہ کے لئے ہوتے ہیں ان کوایسے مضامین کی تعلیم نہیں دی جاتی جوان کی ضرورتوں سے متعلق ہو، جیسے سلائی، کڑھائی، پکوان، امورخانہ داری میں مہارت اوراولاد کی تربیت وغیرہ،لیکن جواداراے مسلمان انتظامیہ کےتحت چلتے ہیں وہ لڑکیوں کے لئے ان امور کی تعلیم کا انتظام کریں توبہتر ہے،مگرضروری نہیں، اس لئے کہ اکثر بچے گھرمیں یہ چیزیں سیکھ ہی لیتے ہیں،اس لئے واجب کادرجہ تونہیں دیاجاسکتا،استحباب قراردیاجاسکتاہے۔

۱۷- بچوں کودینی تعلیم دیناہرمسلمان پرفرض ہےاس میں غفلت برتنا گناہ کےساتھ ساتھ بچوں کوصرف عصری تعلیم سے آراستہ کرکےالحادکاراستہ مہیاکرناہے،اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ ’’كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته‘‘(بخاری)،روایت کےذریعہ ہوشیارکیاگیاہے کہ ہرذمہ دارکوقیامت کےدن اپنے ماتحت کےبارے میں جواب دہ ہونا ہوگا،لہذا ایسے اسکولوں میں عصری تعلیم کےساتھ ساتھ اسلامی ماحول میں بچوں کے لئے دینی ضروری تعلیم کاانتظام کریں جس میں اسلامی فرائض واجبات کاعلم حاصل ہوجائے اورحلال وحرام کی امتیاز کےساتھ زندگی بسرکرسکیں۔

۱۸- مخالف جنس ٹیچر کاتقرر درست نہیں ہوگا۔

۱۹- اپنے اسکول کوبچانے کے لئے شدید ضرورت کےوقت رشوت دیناجائز ہوگا۔

اسلامی ماحول میں عصری اسکول قائم کرنا

مولانا محمد عثمان قاسمی☆

بندہ کے سامنے حضرت تھانویؒ کے تین فتوے ہیں، دو انگریزی زبان سیکھنے کے متعلق اور ایک سنسکرت سیکھنے کے تعلق سے، انگریزی زبان سیکھنے کے تعلق سے حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''انگریزی ایسے ہی ہندی من جملہ لغات، یعنی زبانوں کے ایک زبان ہے، اور زبان فی نفسہ کوئی قبیح نہیں؛ بلکہ نعم خداوندی سے ایک نعمت ہے، کما قال تعالیٰ: ''ومن آياته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتكم و ألوانكم الخ'' (سورۂ روم: ۲۲)، اور خود رسول اللہ ﷺ نے فارسی میں کہ آپ کے زمانہ میں آتش پرستوں کی زبان تھی، تکلم فرمایا، ابوہریرہؓ سے پوچھا: ''اشكمت درد؟ الخ'' (رواہ ابن ماجہ)، البتہ بعض عوارض کی وجہ سے قبیح لغیرہ ہو جاتی ہے، پس اگر وہ عوارض نہ ہوں، صرف کسی مصلحتِ دینی مثل ردنصاریٰ وہنود یا دنیوی مثل کسبِ معاش وغیرہ کے لیے سیکھے؛ تو جائز ہے، رسول اللہ (ﷺ) نے زید بن ثابتؓ کو لغت وخطِ سریانی کہ اس زمانہ میں یہود کا لغت اور خط تھا، واسطے ضرورتِ مراسلت ومکاتبتِ یہود کے، سیکھنے کے لیے فرمایا تھا؛ چنانچہ وہ آدھے مہینے سے کم میں سیکھ کر پڑھنے لگے۔

''**وعن زيد بن ثابتؓ قال: أمرني رسول الله ﷺ: أن أتعلم له السريانية، وفي رواية: أنه أمرني أن أتعلم كتابة يهود وقال: إني ما أمن يهود على كتاب قال زيد بن ثابت: فما مر بي نصف شهر حتى تعلمت فكان إذا كتب إلى يهود كتبت، وإذا كتبوا إليه قرأت له كتابهم**'' (رواہ الترمذی)۔

اگر وہ عوارض ہوں، تو اس وقت اجتناب واجب ہے، رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمر کو تورات شریف پڑھنے سے منع فرمانا، صحاح میں مذکور ہے کہ احتمال مفاسدِ کثیرہ کا تھا، سو اگر کوئی ایسا شخص جو اپنی ضروریات دینیہ: عقائد ومسائل سے واقف ہو، اور ظن غالب ہو کہ یہ شخص بوجہ صحبتِ کفار وفجار کے، ان کے خیالات یا رسوم یا وضع کی طرف مائل اور اپنے دین سے سست عقیدہ نہ ہوگا، واسطے کسبِ معاش حلال وغیرہ کے انگریزی یا ہندی پڑھے، جائز ہے اور جو ہنوز اپنے مذہب سے واقف نہیں خصوصاً جب کہ کم ہو اور غالب ہے کہ ایسے لوگوں کی مصاحبت سے ان کی طرف میلان ورجحان اور اپنے مذاہب سے ضُعفِ اعتقاد پیدا ہوگا ایسے شخص کے لیے، البتہ ممنوع و

☆ استاذ مدرسہ عربیہ ریاض العلوم چوکیہ، گورینی، جونپور۔

مصداق ” ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم“ (سورۂ بقرہ:۱۰۲) کا ہے(امدادالفتاویٰ:۶/ ۱۹۴، ۱۹۵)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”مختصر یہ ہے کہ انگریزی مثل اور زبانوں کے ایک مباح زبان ہے، مگر تین عوارض سے اس میں خرابی آ جاتی ہے:

اول بعض علوم اس میں ایسے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں اور علم شریعت سے واقفیت نہیں ہوتی، اس لیے عقائد خلاف ہو جاتے ہیں، جس میں بعض عقائد قریب کفر بلکہ کفر ہیں۔

دوسرے اگر ایسے علوم کی بھی نوبت نہ آئے؛ تو اکثر صحبت بد دینوں کی رہتی ہے، ان کی بد دینی کا اثر اس شخص پر آ جاتا ہے کبھی اعتقاداً جس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا، کبھی عملاً جس سے نوبت فسق کی آ جاتی ہے۔

تیسرے اگر صحبت بھی خراب نہ ہو یا وہ مؤثر نہ ہو؛ تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ یہ نیت رہتی ہے کہ اس کو ذریعۂ معاش بناویں گے، خواہ طریقۂ معاش حلال ہو یا حرام اور یہ مسئلہ عقلاً ونقلاً ثابت ہے کہ جو مباح، ذریعہ کسی حرام کا ہو جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، پھر ایسا عزم خود معاصیٔ قلب سے ہے، تو اس صورت میں فسقِ ظاہری کے ساتھ، فسقِ باطنی بھی ہے، ان عوارضِ ثلاثہ کی وجہ سے گاہے کفر و الحاد تک، گاہے فسق ظاہری تک، گاہے فسق باطنی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اگر کوئی ان عوارض سے مبرا ہو یعنی عقائد بھی خراب نہ ہوں، جس کا آسان، بلکہ متعین طریقہ یہی ہے کہ علمِ دین حاصل کر کے یقین کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھے اور اعمال بھی خراب نہ ہوں، عزم بھی یہ رہے کہ اس سے وہی معاش حاصل کریں، جو شرعاً جائز ہوگی اور پھر اسی کے موافق عمل درآمد بھی کرے؛ تو ایسے شخص کے لیے انگریزی مباح اور درست ہے، اور اگر اس سے بڑھ کر یہ قصد ہو کہ اس کو ذریعہ خدمتِ دین بناویں گے، تو اس کے لیے عبادت ہوگی؛ لیکن اس صورت میں پاس حاصل کرنے کی کوشش کرنا، اس دعوے کا مکذِّب ہوگا؛ کیونکہ اس خدمت کے صرف استعداد کافی ہے، حاصل یہ کہ انگریزی کبھی حرام ہے، کبھی مباح اور کبھی عبادت“ (امدادالفتاویٰ:۶/ ۱۵۸و۱۵۹)۔

سنسکرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس (سنسکرت) کی تعلیم وتعلم کا فی نفسہٖ جائز ہونا، تو بوجہ عدمِ مانعِ جواز کے ظاہر ہے اور قاعدہ مقرر ہے کہ جو امر جائز کسی امر مستحسن یا واجب کا مقدمہ وموقوف علیہ ہو، وہ بھی مستحسن یا واجب ہو جاتا ہے، مصلحتِ مذکورہ سوال کے استحسان یا ضرورت میں کوئی کلام وخفا نہیں لہٰذا اس زبان کی تحصیل ایسی حالت میں بلا شبہ مستحسن یا ضروری ہے علی الکفایہ، اسی بنا پر ہمارے علماء متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا اور علم کلام بہ طرز معقول مدون فرمایا:” یریده مارواه مسلم عن حذیفة قال: کان الناس یسئلون رسول الله ﷺ عن الخیر، وکنت أسئله عن الشر؛ مخافة أن یدرکني (الحدیث) قلت: و إدراک الشر للمسلمین کإدراکه لنفسه“۔

البتہ بعض روایات ایسے امور میں بعض ایسے عوارضِ خارجیہ کی وجہ سے (جو کہ معلم یا صحبتِ ناجنس یا فسادِ نیت وسوءِ استعمال

یا احتمالِ افتتان یا اشتغال بمالایعنی کی جہت سے ہوں) قبح لغیرہ متحمل ہوسکتا ہے، قیودِ مصرحہ سوال سے، ان سب کا احتمال مرتفع ہے، لہٰذا کوئی مفسدہ بھی مصالح مذکورہ کے معارض نہیں، پس جواز واستحسانِ ضرورت بحالہ باقی ہے'' (امداد الفتاویٰ ۸۰/۴)۔

حضرت تھانویؒ کے مذکورہ تینوں فتووں کی روشنی میں بندہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ موجودہ دور میں، ایسے اسکول قائم کرنا، جن کے اندر اسلامی ماحول میں عصری علوم پڑھائے جائیں، بہ چندوجوہ واجب علی الکفایہ ہے۔

(ا) نسل نو کے دین وایمان کا تحفظ: مدارس اسلامیہ دین کے قلعے کہے جاتے ہیں، لیکن ان مدارس میں صرف ڈھائی فیصد بچے ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں، بقیہ ساڑھے ستانوے فیصد مسلم بچوں کی اکثریت ایسے عصری اداروں اور اسکولوں کا رخ کرتی ہے، جہاں ان کے دین وایمان کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی، بلکہ تعلیم کے لبادہ میں انہیں خدا فراموشی اور دین بیزاری ہی سکھائی جاتی ہے، اب ان کو مسلمان باقی رکھنے کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ایسے اداروں میں تعلیم ممنوع قرار دے دی جائے، لیکن یہ مسئلے کا حل نہیں ہوگا؛ کیونکہ فتویٰ تو جاری کرسکتے ہیں، لیکن تمام مسلمان اس فتوے کو قبول کرکے اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرنے سے باز آجائیں، ممکن نہیں اور نہ ہی ہمارے پاس وہ طاقت ہے کہ زبردستی ان کے اوپر اس حکم کو نافذ کرلیں، لامحالہ ہمیں دوسری راہ تلاش کرنی ہوگی اور وہ راہ یہی ہے کہ ایسے اسکول قائم کئے جائیں، جہاں وہ اپنے دین وایمان کو باقی رکھ کر علومِ جدیدہ کو حاصل کرسکیں اور ماضی میں یہی تجربہ کامیاب بھی رہا ہے، مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں:

''عباسیوں کا اول اول زمانہ تھا کہ فلسفۂ یونانی کا ترجمہ ہوا اور ساتھ ہی چاروں طرف الحاد کی ہوا چل گئی، اکثر فقہاء ومحدثین نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ سرے سے فلسفہ پڑھایا نہ جائے، یہاں تک کہ علم کلام کو اس لحاظ سے ممنوع قرار دیا کہ اس میں عقلیات کی آمیزش تھی، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ '' **حكمي في أهل الكلام أن يضربوا بالجريد، ويطاف بهم في القبائل** ''یعنی اہل کلام کے بارے میں میرا یہ فیصلہ ہے کہ ان کو درے لگائے جائیں اور قبائل میں ان کی تشہیر کی جائے، اس علاج نے بلحاظ حالتِ موجودہ کسی قدر فائدہ دیا، یعنی بعض نیک دل فلسفہ پڑھنے سے رک گئے؛ لیکن پورا نفع نہ ہوا، کیوں کہ سینکڑوں ہزاروں مسلمان، منطق وفلسفہ پر ایسے فریفتہ ہوگئے تھے کہ اس کو بالکل چھوڑ نہ سکے تھے، آخر علماء نے دوسرا علاج سوچا، یعنی فلسفہ کے مسائل پر اطلاع حاصل کرکے فلسفہ کے رد کے لیے ''علم کلام'' ایجاد کیا، اس علاج کے مجوِّز امام غزالی، امام رازی، ابن رشد، قاضی عضد وغیرہ تھے، اور واقعی ان کی یہ تدبیر نہایت کارگر نکلی، اسی کا اثر ہے کہ اگرچہ درس نظامیہ میں تمام علوم وفنون سے زیادہ منطق وفلسفہ کی کتابیں زیرِ درس ہیں، تاہم مذہبی عقائد کو ان سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا'' (خطبات شبلی: ۳۵)۔

(ب) شریعتِ اسلامیہ کا تحفظ: دین سے دوری کے نتیجے میں، لوگ شرعی مسائل میں بھی علماء اور مفتیانِ کرام کے بجائے، عدالتوں سے رجوع کرنے لگے ہیں اور ہمارے پاس ایسے ججز اور وکلاء نہیں ہیں، جو ان عدالتوں کے سامنے صحیح شرعی نقطۂ نظر واضح کرسکیں، نتیجتاً عدالتیں عقلی گھوڑے دوڑاتی ہیں اور شریعت کا خون ہوتا ہے، لہٰذا ضرورت ہے کہ ایسے وکلاء اور ججز تیار کئے جائیں، جن

کے اندر دینی اسپرٹ موجود ہو، ان کی نگاہ میں شریعت کی عظمت ہو، جو یا تو خود شریعت کی روح کو سمجھتے ہوں یا ان کی دینی حمیت انھیں اس بات پر مجبور کرتی ہو کہ وہ کسی بھی شرعی مسئلے میں اپنی رائے کے اظہار سے پہلے مستند علماء ومفتیان سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

(ج) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آیت کریمہ " **واعدولهم ما استطعتم من قوة**" (انفال:۶۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"......مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو، سامانِ جہاد فراہم کریں، نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر انداز وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا، آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروز وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا، سب سامان جہاد ہے، اسی طرح آئندہ جو اسلحہ وآلاتِ حرب وضرب تیار ہوں، ان شاءاللہ وہ سب آیت کے منشا میں داخل ہوں گے" (تفسیر عثمانی:۱/۵۳۰)۔

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ موجودہ آلاتِ حرب کی تیاری علوم عصریہ کے سیکھے بغیر ناممکن ہے۔

غیروں کے بنائے ہوئے آلات حرب استعمال کرنا اور ان آلات کی صنعت سیکھنا، دونوں آپ علیہ السلام سے ثابت ہے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"......غزوۂ طائف کے موقع پر آپ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے، جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں ایک منجنیق تھی، جسے اس زمانے کی "توپ" کہنا چاہئے اور دو دبابے تھے، جنہیں اس دور کے "ٹینک" کہا جاسکتا ہے (البدایہ والنہایۃ ۴/۳۴۸)۔

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ آپ نے دو صحابیوں عروہ بن مسعود اور حضرت غیلان بن سلمہ کو باقاعدہ شام کے شہر "جرش" بھیجا، تاکہ وہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعت سیکھ کر آئیں" (اسلام اور جدت پسندی:۷)۔

(د) ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر شخص کا جو رزق مقدر ہے، وہ اسے بہر حال مل کر رہے گا؛ لیکن بہ مقتضائے آیات:" **لا تنس نصيبک من الدنيا**" (قصص:۷۷) اور "**فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله**" (جمعہ:۱۰) اور حدیث شریف "**طلب الحلال فريضة**" (المعجم الکبیر للطبرانی:۹۹۹۳) ذرائع اور اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے اور موجودہ وقت میں ذرائع معاش تیزی کے ساتھ علوم عصریہ کے ساتھ جوڑے جا رہے ہیں، اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ اگر آپ کو بیرون ممالک بکریاں چرانے بھی جانا ہو، تو پاسپورٹ کے لیے ہائی اسکول کی مارکس شیٹ مانگی جاتی ہے، کچھ مہینوں پہلے یہ خبر اخباروں کی زینت بنی تھی کہ ملک کے بھکاریوں میں اکثر تعداد مسلمانوں کی ہے، اس صورت حال سے نمٹنے اور ملت کے ماتھے سے یہ کلنک دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے ہاتھ میں علم کا کلہاڑ اتھمایا جائے **كما فعله النبي** ﷺ۔

(ھ) امت کا منصب سیادت وقیادت ہے اور اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

"کسی زمانے میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لیے اور کسی ملک وقوم کو اپنے اقتدار وانتظام میں لانے کے لیے

زورِ بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی، سکندر اور چنگیز و ہلاکو نے نوکِ شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو مسخر کیا، اب جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت واقتدار کے لیے علم کے طاقت کی ضرورت ہے، اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے جس راستہ پر چل رہے ہیں اور جن حالات و مسائل کا ان کو سامنا ہے، ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے، جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں‘‘(مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں:۵۲)۔

۲-اسکولوں میں غیر شرعی وغیر اخلاقی مضامین کی تعلیم:

مسلمانوں کو اپنے زیرِ انتظام تعلیمی اداروں میں غیر شرعی افکار اور غیر اخلاقی مضامین پڑھانا، جائز نہیں، اس لیے کہ یہ یا تو آیت ’’**ویتعلّمون مایضرّهم ولا ينفعهم**‘‘ (بقرہ:۱۰۲) کا مصداق ہیں یا آیت:’’ **ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله الخ**‘‘ (لقمان:۶) کی وعید میں داخل ہیں۔

اور اگر ان میں سے بعض مضامین کا پڑھانا، لازم ہو؛ تو ضروری ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی تحفظات کے تحت اس پابندی کو ختم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں۔

نصابِ تعلیم میں کن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

نصابِ تعلیم میں تین باتیں خاص طور سے ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

(ا) غیر شرعی واخلاقی مضامین سے پاک ہو۔

(ب) زبان اردو یا عربی یعنی مادری یا مذہبی ہو، انگریزی زبان بہ قدرِ ضرورت رکھی جائے، حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے۔

زبان کی کیا حیثیت ہے اور اس کے کیا اثرات ہوتے ہیں، اس کو سمجھنے کے لیے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا مضمون ’’اردو زبان کی شرعی حیثیت‘‘ لائقِ مطالعہ ہے (توضیحاتِ حکیم الاسلام جلد سوم)۔

(۳) مغربی اور غیر مسلم مصنفین کی کتابوں سے بچا جائے، کیوں کہ مصنفِ کتاب کے عقائد ونظریات کا کتاب پڑھنے کے والے کے اوپر اثر ہوتا ہے، انگریزی زبان اور مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھنے کا کم سے کم یہ اثر ضرور ہوگا کہ طالب علم سمجھے گا کہ اُسے یہ علوم مغرب سے ملے ہیں اور نصرانیت سے ذہن مرعوب ہوگا۔

اگر اردو عربی زبان میں مسلم مصنفین کی کتابیں دستیاب نہ ہوں تو کمیٹیاں تشکیل دے کر نئی کتابیں تصنیف کرائی جائیں۔

۳-اسکولوں میں داخل بچوں کے دین وایمان کے سلسلے میں والدین کی ذمہ داریاں:

آیت’’ **يايها الذين آمنوا قوا أنفكسم وأهليكم نارا**‘‘(تحریم:۶) اور حدیث پاک:’’ **الرجل راع في أهله وهو**

مسئول عن رعیته"(بخاری: ۸۹۳) کی رو سے بچے کے دین وایمان کی حفاظت والدین کی ذمہ داری ہے، لہٰذا کسی بھی والدین کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کریں، جہاں وہ اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور اگر مجبوری میں کرنا بھی پڑے: تو والدین کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ بچے کی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں، گھر کے ماحول کو دینی بنائیں، بچے کو نماز اور تلاوتِ قرآن کا عادی بنائیں، گھر پر کوئی ایسی کتاب پڑھائیں، جس سے بچے کے دل میں ایمان جڑیں مضبوط ہوں، رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور صحابۂ کرام کی سیرت کی تعلیم دیں اور ان سب کے باوجود ضروری ہے کہ بچے کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھیں اور اگر بچہ راہ سے بھٹکتا ہوا محسوس ہو؛ تو اس کی تعلیم منقطع کردیں، کیونکہ دین وایمان کا سودا کرنے کے مقابل، جاہل رہنا بہتر ہے۔

"الأشباہ" میں ہے:"قاعدة خامسة: وهي درأ المفاسد أولى من جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسد؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناء ہ بالمامورات"(الأشباہ: ۱۱۴)۔

۴-مخلوط تعلیم:

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:"قل للمؤمنین یغضوا من أبصارهم ویحفظوا فروجهم ذلک أزکی لهم، إن الله خبیر بما تعملون o وقل للمؤمنٰت یغضضن من أبصارهن ویحفظن فروجهن الخ"(نور: ۳۰،۳۱)۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:"یایها النبي قل لأزواجک وبنٰتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن"(احزاب: ۵۹)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:"لا یخلون رجل بامرأة إلاّ کان ثالثهما الشیطن" (ترمذی: ۱۱۷۱)

ایک اور حدیث میں ہے:"إیاکم والدخول علی النساء فقال رجل : یارسول الله! افرأیت الحمو؟ قال: الحمو الموت"(بخاری ومسلم: ۲۱۷۲، ترمذی: ۱۱۷۱)۔

ان آیات واحادیث کی بنیاد پر حدِ شہوت کی عمر کو پہنچنے کے بعد اجنبی مرد وزن کا اختلاط حرام ہے، لہٰذا حد شہوت کی عمر کو پہنچنے کے بعد مخلوط تعلیم جائز نہیں ہوگی۔

لڑکوں میں دس سال کی عمر "حد شہوت" ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:"عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدہؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مروا أولادکم بالصلاة وهم أبناء سبع سنین، واضربوهم علیها، وهم أبناء عشر سنین وفرقوا بینهم في المضاجع"۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: "لأنهم بلغو أوقاربوا البلوغ"(مرقاۃ: ۲/۱۱۵)۔

علامہ طیبی کا قول ہے:"لأن بلوغ العشرة مظنة الشهوة"(مرقاۃ /۲/ ۱۱۶)۔

علامہ حصکفی نقل کرتے ہیں:"وقدر بتسع وبه یفتی"(ردالمحتار: ۲/ ۵۴۰)۔

لہٰذا نو سال کی عمر سے طلبہ وطالبات کی الگ الگ جماعتیں ضروری ہیں۔

مخلوط نظامِ تعلیم کے بہت سے نقصانات اور تباہ کاریاں ہیں (دیکھیے: حیا اور پاکدامنی از: پیر ذوالفقار نقشبندی اور تربیتِ اولاد کا اسلامی نظام ترجمہ وتلخیص: مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی: ۲۰۲ تا ۲۰۸)۔

اور یہ تعلیمی نظام مغرب نے صرف اپنی چودھراہٹ کو باقی رکھنے کے لیے نافذ کیا ہے، اس سلسلے میں مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کا یہ چشم کشا بیان ہے:

''آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ برٹش حکومت نے اپنے ملک میں دو نظامِ تعلیم بنائے ہیں، ایک ایجوکیشنل سسٹم ہے انگلینڈ میں عام بسنے والوں کے لیے، ملیشیا، انڈونیشیا، میکسیکو، ساؤتھ امریکہ، اسپین، مشرقی یورپ، مشرق اوسط اور انڈو پاک وغیرہ کے وہ لوگ جو انگلینڈ میں آ کے بس گئے ہیں، یا یہاں ملازمت کرتے ہیں اور اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے بچوں کی تعلیم کے لیے ایک الگ سسٹم ہے اور ان اسکولوں میں Co- Education کا نظام رائج ہے، یعنی لڑکے لڑکیاں ساتھ پڑھتے ہیں، ایک بنچ پر ایک لڑکا اور ایک لڑکی ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں، ہفتہ میں جس دن گیمز ہوتے ہیں، اس دن لڑکے لڑکیاں گروپ بنا کر ساتھ ساتھ جمناسٹک، کھیل کود و سوئمنگ کرتے ہیں، ہر اسکول کے گیٹ سے نکلتے ہی کہیں سو میٹر پر، کہیں پچاس میٹر پر، بار (شراب خانے) Pubs سنیما ہال اور کلب بنے ملیں گے، اس ماحول اور ان اسکولوں میں وہ ان قوموں کے بچوں کو پڑھاتے ہیں، جن قوموں کو گدھے اور خچر کی طرح گھاس چرنے سے آگے وہ بڑھنے نہیں دینا چاہتے۔

اس نظام سے ہٹ کر، ایک بالکل الگ نظامِ تعلیم پر مبنی اسکولوں کا نیٹ ورک ان انگریزوں نے قائم کر رکھا ہے، ان اسکولوں کا نام Grammer School ہوتا ہے، اس گرامر اسکول میں صرف Ruling Class (حکمراں طبقے) کے بچے پڑھتے ہیں۔

اب سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے! اس گرامر اسکول کے اوپر کسی کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ نہیں پڑھتے، اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ Co- Education قوموں کی ترقی میں رکاوٹ ہے، وہ جانتے ہیں مخلوط نظامِ تعلیم ناپختہ عمر نوجوان کو سنجیدہ پڑھائی سے ہٹا کر، لہو ولعب اور عیاشیوں کی موڑ دیتا ہے، ان کے وقت کو، ان کی انرجی کو، توانائی کو برباد کر دیتا ہے، داد دیجیے مکاری اور چالاکی کی کہ انھوں نے آپ کے اور ہمارے بچوں کے لیے وہ نظامِ تعلیم چنا، جس میں ہمارے بچے آگے چل کر ہائی اسکول سے آگے بڑھ نہ پائیں، لیکن اپنے ملک کو چلانے کے لیے، اپنے Opinion Makers اور Policy Makers تیار کرنے کے لیے، جرنلسٹ تیار کرنے کے لیے، ایجوکیشنل سسٹم کا جو نیٹ ورک بنایا ہے، اس کا نام رکھا ہے ''گرامر اسکول'' اور اس میں لڑکے اور لڑکیوں کے لیے تعلیم کا نظام بالکل علیحدہ رکھا ہے'' (ماہنامہ الفرقان، مارچ ۲۰۰۸، ص: ۴۵ و ۴۶)۔

۵ - جداگانہ نظام کی کون سی صورت بہتر ہے:

جداگانہ نظام کی پہلی صورت بہتر ہے، دوسری صورت جائز ہوگی، اور تیسری صورت سے بچنا مناسب ہے۔

۶-عمر کا غلط اندراج کرانا:

عمر کا غلط اندراج کرانا درست نہیں؛ کیونکہ شرط کو ناواجبی مانیں؛ تو بھی یہ کذب ہے، علماء نے تعریض کی اجازت دی ہے اور صورت مسئولہ میں تعریض کی کوئی صورت بنتی نظر نہیں آ رہی ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:"**الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام**"(ردالمحتار:۵/ ۲۲۴)۔

۷-یونیفارم کے اصول:

یونیفارم کے لیے کوئی ایسے اصول وضابطے مقرر کرنا، جو ہر ایک کے لیے قابل قبول ہو، ایک مشکل امر ہے کہ" وللناس فيما يعشقون مذاهب" اصل توجہ تو معیار تعلیم پر ہونی چاہیے، جب تعلیم کا معیار بلند ہوگا؛ تو احساس کمتری پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں، مغرب شناس، شاعر مشرق نے یہی کہا ہے کہ مغرب کی طاقت علم وفن سے ہے، بے لباسی و بے حجابی سے نہیں۔

قوتِ مغرب نہ از چنگ ورباب ☆ نے زرقصِ دخترانِ بے حجاب
نے زسحرِ ساحرانِ لالہ روست ☆ نے زعریاں ساق ونے ازقطع موست
قوتِ افرنگ ازعلم وفن است ☆ ازہمیں آتش چراغش روشن است

قرآن کریم سے بھی ہمیں تقریباً اسی طرح کا سبق ملتا ہے، اللہ رب العزت ارشادفرماتے ہیں:

"**يبنی آدم قدأنزلنا عليكم لباسا يواري سوآتكم وريشا ولباس التقوىٰ ذلک خير**"(اعراف:۲۶)۔

اس آیت سے لباس کے تعلق سے تین باتیں معلوم ہوئی(۱) لباس ساتر ہو(۲) باعث زیب وزینت ہو(۳) اصل چیز تقویٰ ہے۔

آرائش وزیبائش میں بھی تین باتیں ملحوظ ہونی چاہئیں:

(۱) اسراف نہ ہو(۲) تکبر نہ ہو(۳) کفار کے ساتھ تشبہ نہ ہو۔

ارشادنبوی ﷺ ہے:"**كلوا، واشربوا، وتصدقوا، والبسوا غير مخيلة، ولا سرف**" (احمد:۶۶۹۵)۔

ارشادنبوی ﷺ ہے: "**من تشبه بقوم ، فهو منهم**"(ابوداؤد،حدیث نمبر:۴۰۳۱)۔

۸-تعلیم کو تجارت بنانا اور تعلیمی سہولیات کے بجائے بلڈنگوں کو وسعت دینا:

فیسوں کی شرعی حیثیت "اجرت" کی ہے اور تعیین اجرت کے سلسلے میں فتاویٰ عثمانی میں ہے:

"شرعاً اجرت کے تعین کا معیار باہمی رضامندی ہے، یعنی باہمی رضامندی سے جو اجرت مقرر کردی جائے، وہ شرعاً جائز ہے، البتہ ہر فریق پر دیانۃً واجب ہے کہ وہ دوسرے فریق کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کوئی ایسی اجرت مقرر نہ کرے، جو اتنی کارگردگی

کے لحاظ سے عرفاً نا کافی یا بہت زائد ہو‘‘ (فتاویٰ عثمانی: ۳/ ۳۸۶)۔

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اسکول کی مختلف طرح کی فیسوں میں ایک فریق کی مجبوری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے، لہٰذا اسکول انتظامیہ کے لیے ایسا کرنا دیانۃً واخلاقاً درست نہیں ہے۔

بلڈنگوں کو وسعت دینا اور خوب صورت بنانا بقدر ضرورت جائز ہوگا؛ اور ضرورت سے زیادہ دیانت کے خلاف ہے۔

۹-غیر حاضر طالب علم کی فیس:

غیر حاضر طالب علم سے ماہانہ تعلیم وغیرہ کی فیس یا ٹرانسپورٹ فیس لینا درست ہے، یہاں ’’اجیر خاص‘‘ کے احکام جاری ہوں گے اور ’’اجیر خاص‘‘ صرف حاضری سے اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

’’ **إذا ستوجر استاد لتعليم علم كالفقه، والنحو، والصرف، فإن ذكرت مدة كالشهر والسنة، وذكرت الأجرة أيضا صحت الإجارة، وانعقدت على المدة حتى أن الاستاذ يستحق الأجرة ؛لكونه حاضرا، ومهيئا للتعليم ، قرأ التلميذ أو لم يقرأ: لأ ن الأستاذ قد أصبح أجيرا خاصاً** ‘‘(درر الاحکام شرح مجلۃ الاحکام: ۱/ ۶۴۵)۔

حضرت اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

’’اس تاویل سے یہ سب جائز ہے کہ معنی عقد کے یہ کہے جاویں گے کہ اگر اتنا کام کریں گے، تب بھی اجرت لیں گے اور اگر اس سے کم کریں گے، تب بھی اسی قدر اجرت لیں گے‘‘ (امداد الفتاویٰ: ۳/ ۴۰۲)۔

۱۰-عصری اداروں میں تعلیم پانے والے غریب بچوں پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا:

صرف کی جاسکتی ہے۔

’’**قال الله تعالىٰ: إنما الصدقات للفقراء والمساكين** ‘‘(التوبۃ: ۶۰)۔

لیکن تملیک ضروری ہوگی۔

’’**مصرف الزكاة هو فقير...... وقيل :طلبة العلم ويشترط أن يكون تمليكا لا إباحة**‘‘(در مختار مع الشامی: ۳/ ۳۸۳، زکریا)۔

۱۱-عصری اسکولوں میں وندے ماترم، گیتا کے اشلوک، یوگا اور سوریہ نمسکار:

یہ سارے اعمال شرکیہ ہیں اور شرک کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

’’**إن الله لا يغفر أن يشرک به**‘‘ (نساء: ۴۸)۔

اس لیے یہ ادارے سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، یہ اعمال جبری ہوں یا ترغیبی، دوسرے ادارے موجود ہوں یا نہ ہوں، مسلمان والدین کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرکے ان کے دین وایمان کا سودا کریں ’’**یایھا الذین**

آمنوا قو أنفسكم وأهليكم نارا" (تحریم:۶)۔

"الرجل راع في أهل وهو مسئول عن رعيته" (بخاری:۸۹۳)۔

(ب) مسلمان انتظامیہ کے لیے کسی بھی مصلحت کے تحت ان چیزوں کو رواج دینا یا صرف غیر مسلم کے لیے انتظام کرنا، جائز نہیں؛ اس لیے کہ یہ تعاون علی الاثم ہے: "ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (مائدہ:۲)۔

۱۲- اسکولوں میں جنسیات کی تعلیم:

نہ تو اسکولوں میں اس طرح کی حیا سوز تعلیم دینا جائز ہے۔

"إن الله يامر بالعدل والإحسان وإيتاء ذى القربىٰ وينهى عن الفحشاء والمنكر" (نحل:۹۰)، یہ تعلیم نہیں بلکہ زنا کاری وبدکاری کو عام کرنا ہے، "لا تقربو ا الزنا إنه كان فاحشة" (سورۂ بنی اسرائیل:۳۲) اور عفت وپاکدامنی اور حیا کو ختم کرنا ہے "والحياء شعبة من الايمان" ۔

اور نہ اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرنا" قوا أنفسكم وأهليكم نارا" (سورۂ تحریم:۶)۔

۱۳- طبی وتفریحی سرگرمیوں میں طلبہ وطالبات کا اختلاط:

(ا) "حد شہوت" کی عمر سے پہلے اختلاط جائز ہے، لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے، سد ذرائع کے طور پر اختلاط سے بچنا ہی مناسب ہے۔

(ب) مسلمان انتظامیہ ان کاموں کو کرا سکتی ہے، بخاری میں یہ روایت ہے: "أن النبي ﷺ سابق بين الخيل وقال: عليكم بالرمي فأنه خير أو من خير لهوكم" (مسند بزار:۱۱۴۶)۔

اور نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ " المومن لاقوي خير وأحب الى الله من المومن الضعيف" (مسلم:۲۶۶۴) اور یہ ساری چیزیں، بچوں کو تندرست وتوانا رکھنے میں معین ہیں۔

۱۴- ثقافتی پروگراموں میں طالبات کی شرکت:

غیر مشتہاۃ طالبات شرکت کرسکتی ہیں، نو سال کی عمر کی لڑکی مشتہاۃ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں: " وقدر بتسع وبه يفتى" (ردالمحتار ۲/۵۴۰)۔

۱۵- نصاب میں باتصویر کتابیں اور کلاسوں میں مجسمے رکھنا:

احادیث کریمہ میں تصاویر کے سلسلہ میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لیے ایسی کتابیں، جن میں ذی روح کی تصاویر ہوں، کلاسوں میں مجسمے رکھنا یا نقش لیے بغیر تصویروں سے کام لینا سب ناجائز وممنوع ہے۔

"عن أبى طلحةؓ قال: قال النبى ﷺ: لا تدخل المئلكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير" (بخاری:۵۹۴۹)۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:

احادیث میں جس قدر وعید شدید تصاویر کے بنانے، رکھنے اور کھینچنے اور کھنچوانے کے بارے میں وارد ہیں، وہ کسی مصلحت اور کسی غرض کی وجہ سے، اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اندراجِ تصاویر کو بہ غرض تقریب الی الذہن جائز کیا جائے، لہٰذا مصالح ومنافع عاجلہ پر مصلحت دینی وحکم شرعی کو مقدم کرنا چاہئے (فتاویٰ دار العلوم: ١٦/ ٣٠١)۔

ڈیجیٹل تصویر کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ تصویر ہے یا نہیں؟ اگر اس کو تصویر نہ مانا جائے، تو بھی اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس سے بچوں کی تربیت پر غلط اثر پڑتا ہے، اور ان کے دل سے تصویر کی قباحت نکل جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اور فرضاً اگر استثناء رقم کے تعارض ومخالفتِ اجماع وتاویل وتقیید مذکور سے غض بصر کرلیا جائے اور اس مذہب کو بھی محتمل الصحۃ مان لیا جائے، تب بھی کلیات شرعیہ سے ایک دوسری قید سے اس کی تقیید ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس سے کوئی محذور لازم نہ آئے، اور یہاں محذور مشاہد ہے، چنانچہ اس توسع کا عوام پر یہ اثر ہوا کہ تصویر سے مطلقاً نفرت نہیں رہی، مجسمہ تک کو جائز سمجھنے لگے، شہوت انگیز اور فحش تصویریں التذاذ کے لیے رکھنے لگے، سوایسی حالت میں تو مباحات متفق علیہا حرام ہوجاتے ہیں'' (بوادر النوادر: ٧٨٨)۔

١٦- طلبہ وطالبات کو ایک ہی مضمون کی تعلیم دینا:

طالبات کی تعلیم کی اجازت ضرورت پر مبنی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ان کو ایسے مضامین ہی پڑھائے جائیں، جو ان کی ضرورتوں سے متعلق ہو اور مسلمان انتظامیہ اگر انتظام پر قادر ہے، تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کا انتظام کرے۔

١٧- اسکولوں میں کس حد تک دینی تعلیم ضروری ہے؟

بقدرِ فرضِ عین دینی تعلیم ضروری ہے، یعنی جس سے انسان اپنے ایمان کو بچا سکے اور اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق بنا سکے۔

١٨- جنس مخالف سے ٹیچر مقرر کرنا:

فسادِ زمانہ کی وجہ سے، سد اللباب جنس مخالف سے ٹیچر مقرر کرنا، جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ مفضی ہوسکتا ہے اختلاطِ مرد وزن کی طرف، اور یہ جائز نہیں، کم تنخواہ پر خاتون ٹیچر مہیا کرنا ایک منفعت عاجلہ ہے، جسے مصلحتِ دینی پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، نیز یہ ''اثمهما أكبر من نفعهما'' (سورۂ بقرہ: ٢١٩) کی قبیل سے بھی ہے۔

١٩- اسکول کی منظوری بچانے کے لیے رشوت دینا:

دفع ضرر کے لیے رشوت دینا جائز ہے، لہٰذا رشوت دے کر اسکول کو بچایا جا سکتا ہے۔

علامہ خطابی لکھتے ہیں: ''الراشي: المعطي، والمرتشي، الآخذ، وإنما يلحقهما العقوبة معا إذا استويا في القصد والإرادة، ورشا المعطي، لينال به باطلا، ويتوصل به إلى الظلم، فأما إذا أعطى؛ ليتوصل به إلى حق أو

یدفع عن نفسه ظلما؛ فإنه غیر داخل في هذا الوعید"(*بذل المجهود ۱۱/۳۰۶*)۔

"**الرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیه علی نفسه أو ماله، حلال للدافع، حرام علی الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب**"(*ردالمحتار ۸/۳۳*)۔

"**إذا دفع الرشوة : لدفع الجور علی نفسه أو أحد من أهل بیته، لم یأثم**"(*الفتاویٰ الهندیه ۴/۴۰۳*)۔

رشوت جائز تو ہے، لیکن یہ اسکول اور ادارے سماجی اصلاح کے علمبردار ہیں، اس لیے ذمہ داران کو ہمت وحوصلہ سے کام لینا چاہئے، اور رشوت جیسی لعنت کو ختم کرنا چاہئے، اس لیے کہ اگر یہ کام ان تعلیمی اداروں سے نہیں ہوا، تو پھر کس سے اصلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جواز اس صورت میں ہے، جب حکومت کی طرف متعین کردہ معقول شرائط کو پورا کرلیا ہو، اگر معقول کو شرائط کو پورا نہیں کیا اور اس پر بھروسہ کئے رہا کہ کچھ دے دلا لیں گے، تو اس صورت میں رشوت دینا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

عصری تعلیمی اداروں کا قیام اور شرعی حدود

مولانا عبدالتواب اناوی☆

۱- انسان کی زندگی میں کچھ مذہبی ضروریات ہوتی ہیں اور کچھ دنیاوی اغراض، اور دونوں سے ہی متعلق ہر قوم اور ملک وملت میں کچھ اصول اور قانون ہوا کرتے ہیں، مذہب اسلام نے بھی ان کو روا رکھا، اور شارع علیہ السلام نے قانون وضع کیا "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**" (حدیث) کہ ہر مسلمان مرد وعورت پر اتنی مذہبی تعلیم فرض ہے جس سے وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کے ہر شعبہ کو دیندار بنا سکے، اور مذہب کی طرف سے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو پوا کر سکے۔

پھر دوسرا ضابطہ مقرر فرمایا: "**اطلبوا العلم ولو بالصین**" یعنی معاشرت کو بہتر اور خوشحال بنانے کے لئے علوم عصریہ اور فنون وحرف کے حصول کے لئے اگر دور دراز کا بھی سفر کرنا پڑے تو گریز نہ کیا جائے، بلکہ انہیں حاصل کرنے کی اتنی کوشش کی جائے کہ معاشرہ کی ہر فن اور ہر شعبے کی ضرورت پوری ہوجائے، اس حصول تعلیم کو شریعت اسلامیہ نے ہر بستی کے مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے۔

اسلام جن امور وفنون کو انسانی معاشرت کی بڑی ضرورت سمجھ کر ان کے حصول کے لئے دور دراز کا سفر کرنے کے لئے حکم دیتا ہے اور بصورت دیگر تمام مسلم اہل بستی کو مجرم گردانتا ہے تو تمام اہل بستی کو چاہئے کہ اپنی معاشرتی زندگی میں پیش آنے والی تمام دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لئے اپنی بستی سے ہر ایک فرض کے لئے انتخاب افراد کریں اور جہاں جہاں وہ علم وفن حاصل ہوسکتے ہوں ان افراد کو وہاں روانہ کریں اور مطلوبہ علم وفضل میں کمال حاصل کر کے معاشرت کو خوشحالی سے ہمکنار کریں۔

لیکن آج جس طرف بھی نظر اٹھاؤ اور جس فنی وتعلیمی ادارے پر نظر ڈالو تو وہ فکر والحاد کا گہوارہ نظر آتا ہے، وہاں کی تہذیب کہنے کو تو جدید ومہذب ہے، مگر وہ ایک مسلمان کے ایمان سے کھلواڑ ہے، ضروری نہیں کہ اس تہذیب کا پروردہ ایک مسلمان کا بچہ بڑا ہو کر بھی اسلامی تہذیب کا حامی اور روایات اسلام کا طرفدار رہے، بلکہ اس کا مستقبل کن کن باطل عقیدوں کو پروان چڑھائے گا معلوم نہیں۔

لہذا ضروری ہے ایسے پرفتن اور پرآشوب، پرخطر اور ایمان سوز احوال میں کہ مسلمان اٹھیں اور اپنی نسل نو کو زیور تعلیم سے

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ بانگر مئو، اناؤ۔

مزین کریں اور اپنی اسلامی ثقافت وتہذیب میں ڈھال کر دنیا کے ہر میدان میں اتارنے کی کوشش کریں، نیز اسلامی معاشرت کو دنیا کے سامنے معاشرت عظمی بنا کر دکھلانے کے لئے ہر مقام پر ایسے ادارے وجود میں لائیں جو ہر اعتبار سے اسلامی ماحولیات کی دنیا کے سامنے نظیر پیش کر رہے ہوں، تاکہ باہر کی دنیا بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

مسلمانوں کے لئے لازم وضروری اور واجب ہے کہ وہ ہر مقام پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں لائیں اور اپنے بچوں کو ملحد، اسلام بیزار ومتنفر ہونے سے بچائیں۔

۲- اسلام ایک شائستہ اور فطرت سے ہم آہنگ مذہب ہے، وہ اپنے اندر اپنے اصولوں سے ہٹ کر کسی چیز کے دخول کو کبھی برداشت نہیں کرتا، انسانی فطرت کی متقاضی ہر شئی اسلام میں مباح ہے، جبکہ اسے اسلامی اصول وآئین پر منزہ کر لیا گیا ہو، اور کسی بھی زاویئے سے وہ اسلامی نظریات کے مغائر ومخالف نہ ہو، اسلام میں حلت وحرمت کے اصول ابدی ہیں وہ ہمیشہ ہر حال وزمانہ اپنے حال پر رہیں گے جس میں کسی کے لئے کسی بھی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہے، الا یہ کہ احوال ہی میں تبدیلی کا وقوع ہو تو احکام از خود متغیر ہو جائیں گے، کیونکہ "**يبدل الأحكام بتغيير الأحوال**"() اسلام کا مسلمہ اور متفقہ ضابطہ ہے۔

مسلمانوں کے زیر انتظام اسکولوں کے نصاب تعلیم میں ضروری ہے کہ ان تمام اجزاء سے اجتناب کیا جائے جو اسلامی ثقافت کے مخالف ہوں اور طلبہ میں اسلامی تہذیب وروایات سے دوریاں پیدا کرنے والے ہوں۔

پھر اگر بعض امور ایسے بھی ہوں کہ حکومتی سطح پر ان کو لازم کیا گیا ہو، ان کے بغیر مروجہ معاصر نصاب تعلیم کو ناقص اور ادھورا تصور کیا جاتا ہو، نیز ان کو داخل نصاب کئے بغیر طلبہ اور ادارہ دونوں اپنے مجوزہ مقاصد میں ناکام ہو رہے ہوں تو پھر انہیں چند ہدایات عمل میں لانی ہوں گی۔

۱- اولا پورے نصاب پر نظر ثانی کی جائے اور اسے کسی ماہر نفسیات وشریعت کی خدمت میں پیش کیا جائے اور اس کی مشاورت سے ان تمام اجزاء مخالف شریعت کو بطرز موافق شریعت لانے کی کوشش کی جائے، پھر اسے معمول میں لایا جائے۔

۲- اگر ملکی قوانین میں سخت گیری نہ ہو اور بآسانی یا بمشکل ہی حکومت سے ان مخرب اخلاق مضامین اور احکام شریعت سے متصادم فنون کا حصول یا طرز معاشرت کو تبدیل کیا جا سکتا ہو تو مسلمانوں کو بہر صورت اسے کرنا چاہئے اور اپنے اداروں کو کفر والحاد اور ناپاک تہذیبوں سے پاک رکھنا چاہئے۔

۳- اگر حکومت کسی بھی طرح تبدیلی مضامین پر رضامند نہ ہو اور ہر اسکول کے لئے، خواہ وہ ماتحت حکومت ہو، یا کسی قوم وشخص کا خود اپنا ادارہ ہو، ہر ایک کے لئے مخصوص اخلاق کش مضامین کا شامل نصاب رکھنا لازم اور ضروری ہو تو مسلم اداروں کے ذمہ داروں کے لئے دو صورتیں لائق عمل بن سکتی ہیں۔

الف: اگر ادارہ میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے طلباء ہیں تو ایسے مضامین میں مسلم اور غیر مسلم طلبہ واساتذہ میں فرق

کیا جائے اوران کوالگ الگ تعلیم دی جائے ،اس طرح کہ مقصد مضمون ایک ہواور طریقہ تعلیم وصورت تعلیم جداگانہ۔

ب-اگرادارہ میں صرف مسلم ہی طلبہ ہوں توان مضامین کے قابل ترمیم پہلوؤں کی کسی مسلم ماہرنفسیات وتعلیم کے ذریعہ اصلاح کرائی جائے اور بعدازاصلاح وترمیم ان کونصاب کا حصہ مقرر کیا جائے۔

۴- اور اگر مسلمان اپنے اداروں میں ان تمام ممنوعہ مضامین کو بہرصورت شامل کرنے پر حکومت کی طرف سے مجبور محض ہوں اوران سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہواور معاشرہ کے لئے تعلیم چونکہ بہرحال ضروری ہے بغیر حصول تعلیم کے معاشرہ بظاہر ترقی کی راہوں سے دور جاتا ہوادکھائی پڑتا ہے جس کے سبب مسلمان غربت وافلاس کا شکار ہوں گے اور بدحالی ان کا مقدر ہوگی ، پھر ہر قوم کی طرف سے وہ ظلم وستم کا تختۂ مشق بنیں گے اور بجز ذات باری تعالی کے ان کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا وہ مفلوک الحالی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔

لہذاایسی صورت میں ضروری ہوگا کہ کچھ قیدوبند کے ساتھ ان کومروجہ صورت حال میں حصول تعلیم کی اجازت دی جائے اور معاشرہ کومستقبل کی تباہ کاریوں اورخستہ حالی میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے۔

مذکورہ مروجہ علوم عصریہ جدیدہ نصاب مذکورہ درج ذیل قیود کے ساتھ شامل کیا جائے۔

۱-مذکورہ ممنوعہ علوم وفنون پڑھانے کے لئے مسلم اساتذہ منتخب کئے جائیں۔

۲-اولااساتذہ کوان علوم وفنون کے مضر وممنوعہ پہلوؤں سے باخبر کرکے ان کا جائز مترادف پہلوسمجھایا جائے (خواہ دوسری کتب کی مدد سے ہی سہی)۔

۳-اساتذہ کرام پرلازم کیا جائے کہ وہ دوران درس طلبہ کومضمون کے مضرات کوبھی واضح کریں اور ساتھ ہی اسلامی موقف کی نشاندہی بھی کریں۔

۴-طلبہ کاگاہے بگاہے دونوں پہلوؤں پرامتحان بھی ہوتارہے۔

۵- کچھ نگراں بھی مقرر کئے جائیں جوطلبہ کی نگرانی بھی کریں، ان کوغلط روش اور بے راہ روی سے بچانے کے لئے مستعد اور چوکس رہیں۔

۶-ادارہ میں طلبہ کے سرپرستوں کومدعوکیا جائے اور لازمی مضامین کی وجہ اور مجبوری بتلائی جائے ، نیز ان کی شکل وصورت، طلبہ کے بدن واخلاق پرمرتب ہونے والے اثرات خیروشروغیرہ ان کے سامنے بیان کئے جائیں اورانہیں بھی اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ بھی اپنے گھروں میں اس بات کا انتظام کریں کہ بچے کسی معتبر عالم کے رابطہ میں رہیں جوان کی موقع بموقع تربیت کرتا رہے اوراسکول میں بحدمجبوری جن ناروامضامین میں بچے کوحصہ لینا پڑا ہے ان کے بداثرات سے وہ بچوں کومحفوظ رکھ سکیں اور مسلم معاشرہ محفوظ ومامون رہ سکے۔

۷-والدین پر بھی لازم ہوگا کہ وہ بچوں کی مکمل نگہداشت رکھیں اور انہیں بالکل آزاد نہ چھوڑیں، بلکہ کبھی کبھی ان کا امتحان بھی لیں۔

اگر ان قیود وشرائط کو ملحوظ رکھا جائے اور پابندی کی جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ نصاب میں مضامین ممنوعہ کی شمولیت کے باوجود معاشرت کو ان کے غلط افکار واثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

اور شریعت کے ضابطہ "الحاجة تنزل منزلة الضرورة"(الأشباہ) کے تحت ایسے احوال میں جبکہ مسلم معاشرہ اپنا ادارہ قائم کرنے کے باوجود بھی بعض مضامین جو شرعاً ممنوع ہیں پڑھانے پر حکومتی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہے، اور معاشرہ ان ممنوعہ مضامین میں حصہ لئے بغیر معاصری ترقی حاصل نہیں کرسکتا جس کے عقب میں نقصان وخسارہ کی ایک طویل فہرست ہے جو بہر حال قابل غور ہے، اسی طرح کے مواقع میں فقہاء نے "يجوز للمحتاج استقراض بالربح" (الأشباہ) جیسے ضابطے مقرر فرمائے ہیں اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے، یہاں بھی حاجت وضرورت اور احوال کے پیش نظر "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" (الأشباہ) کے ضابطہ سے مسلم اداروں کو اپنے نصاب تعلیم میں ان مضامین کو داخل کرنا اور پڑھانا مذکورہ شرائط وقیود کے ساتھ جائز ہونا چاہئے۔

جن علاقوں میں مسلمانوں کے اپنے عصری ادارے نہیں ہیں جس کی وجہ سے مسلم بچے غیر مسلم یا سرکاری اداروں میں حصول تعلیم کے لئے جاتے ہیں اور پھر وہاں ان کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے انہیں ملحد اور زندیق بنایا جاتا ہے ان کے دلوں میں اسلام سے بیزاری اور نفرت پیدا کی جاتی ہے، انہیں مشرکانہ عقائد میں پختہ کیا جاتا ہے اور بدمذہبی ان کے دماغ میں راسخ کی جاتی ہے، ایسے علاقوں میں مسلمانوں پر واجب اور ضروری ہے کہ اپنی نسل نو کی حفاظت کے لئے جس طرح بھی ممکن ہوسکے اپنے خود کے ادارے قائم کریں، اور تمام مسلم قوم کے بچوں کو ان میں داخل کرنے کی مکمل سعی اور کوشش کریں، خواہ اس کے لئے ان کو فنڈ ہی کی ضرورت پیش کیوں نہ آئے، تاکہ مسلم بچوں کا دین وایمان تو محفوظ رہ سکے اور انہیں معاشرت میں آگے بڑھنے کا موقع بھی حاصل ہو، پھر وہ خود ہی اس بارگراں کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کے قابل ہوسکیں۔

پھر جن علاقوں میں مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ وہ اپنے ادارے قائم کرسکیں نہ تنہا اور نہ سب مل کر یا ان علاقوں میں جہاں دور دراز تک مسلم قوم صرف چند افراد تک محدود ہو، یا قانوناً وہ ایسا نہ کرنے پر مجبور ہوں، تو ان تمام صورتوں میں مسلمانوں کو چاہئے کہ بچوں کو تعلیم سے محروم نہ کریں، بلکہ انہیں سہولیات کے مطابق جن اداروں میں وہ بچوں کو تعلیم دلا سکتے ہوں دلائیں، البتہ گھر پر انکا کچھ ایسا انتظام کریں کہ وہ اسکولی ماحول سے متاثر نہ ہوں، خواہ خود یہ امور انجام دیں یا کسی مولوی، عالم کے ذریعہ دینی تعلیم سے آراستہ کریں، تاکہ بچے اسکولی ماحول میں ڈھلنے سے قبل ہی اس کو اپنے لئے نقصان دہ اور برا سمجھنے لگیں اور وہ اسلام مغائر ماحول میں جانے کے باوجود اس کے اثرات قبول کرنے اور اس ماحول میں ڈھلنے سے اپنے آپ کو بچا سکے اور ساتھ ہی اپنے مقاصد کو بھی حاصل کرلے۔

والدین جس طرح اپنے بچوں کے لئے گھر پر ٹیوشن پڑھانے والے کا انتظام کرتے ہیں اور کسی حد تک اسے ضروری سمجھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ، بلکہ بہت زیادہ واجب حد تک ضروری ہے کہ وہ مذکورہ اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے کسی ایسے مدرس کا انتظام کریں جو بہرصورت ان کا دین وایمان محفوظ رکھ سکے اور اسے دینی تعلیم سے اتنا آشنا کرادے کہ بچہ خود ہی اسکولی ماحولیات کو غلط سمجھنے لگے، تاکہ اس غلط ماحول کو اپنے اوپر اثر انداز نہ ہونے دے۔

شریعت کا ضابطہ ہے: "**الضرورات تبیح المحظورات**"() اور ساتھ ہی یہ ضابطہ بھی ہے: "**تبیح المحظورات عند الحاجة بقدر الضرورة**"()، اور یہ بھی ضابطہ ہے: "**إذا ابتلی ببلیتین فلیختر أھونھما**"() مذکورہ قواعد فقہیہ سے اشارات ملتے ہیں کہ صورت مسئولہ میں مذکورہ احوال ومواقع میں مسلمان بچوں کو سرکاری یا غیرمسلم ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم نہ کیا جائے، ورنہ ان کا مستقبل خراب اور تاریک ہوگا جو اسلامی معاشرت کا بہت بڑا خسارہ ہوگا، بلکہ ان کے والدین کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ بچے کے ایمان وعقائد اور اخلاق وتہذیب کے تحفظ کا مکمل بندوبست اور مضبوط انتظام کرے۔

"**قال رسول اللہ ﷺ: مروا أولادکم بالصلاۃ وھم أبناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم أبناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع**" (ابوداؤد کتاب الصلاۃ، باب متی یومر الغلام بالصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۹۵) (اللہ کے رسول ﷺ سات سال کے بچوں کے اولیاء کو حکم فرماتے ہیں کہ وہ انہیں نماز کا حکم دیں اور دس سال کی عمر تک اگر وہ نماز کے عادی نہ ہوں تو ان کی پٹائی کی جائے یعنی مار مار کر نماز کا عادی بنایا جائے اور اسی عمر میں ان کے بستروں کو الگ الگ کردیا جائے)۔

مذکورہ حدیث اور فقہاء کرام کی عبارت سے مستفاد ہوا کہ دس سال کی عمر سے جب بچوں کے بستر الگ کردینے کا حکم شریعت جاری کررہی ہے اور اس تفریق کو واجب کا درجہ دے رہی ہے تو اسکول اور دیگر مقامات پر بھی یہی ضابطہ جاری ہوگا کہ جب بچے اور بچیاں دس سال کے ہوجائیں تو ان کا نظام الگ الگ کردینا شرعاً واجب ہوگا۔

چونکہ عموماً تین سال کی عمر سے ہی بچوں کے داخلے شروع ہوجاتے ہیں اور دس سال کی عمر تک درجہ پانچ کی تعلیم اکثر مکمل ہوجاتی ہے، اس لئے اگر درجہ پانچ تک مخلوط نظام تعلیم باقی رکھا جائے تو کچھ حرج نہ ہوگا بشرطیکہ داخلہ کے وقت متعینہ عمر کا لحاظ کیا جائے۔

پرائمری کے بعد درجہ چھ سے بچے اور بچیوں کا نظام تعلیم جداگانہ کیا جائے حتی کہ کسی بھی طرح کا خلط باقی نہ رہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت کو ادارے کا ذمہ دار اپنا معیار اور ضابطہ بنالے اور اس پر عمل جاری کردے۔

۱- ۱۰ر سال کی عمر سے جداگانہ نظام واجب ہوگا۔

۲- درجہ چھ سے جداگانہ نظام واجب ہوگا۔

۵- الف- مرد وعورت کا اختلاط خواہ کسی بھی راہ سے اکثر باعث فتنہ ہوا کرتا ہے اس لئے منتظمین ادارہ کو چاہئے کہ وہ نظام ادارہ

کواس طرح منتظم کریں کہ کسی بھی حال میں مردوزن ایک ساتھ جمع نہ ہوسکیں۔

اگرادارہ میں دونوں صنفوں کے لئے الگ عمارات موجود ہیں جن میں مردوزن کی الگ الگ تعلیم ہوسکتی ہےاور کسی بھی طرح کے اختلاط کوجگہ نہ ہوگی تو ایسے ادارہ پر لازم اور واجب ہے کہ وہ دونوں نظام جداگانہ کرے،اوراگرادارہ کے پاس الگ الگ بلڈنگ تونہیں لیکن منتظمین ادارہ علی الفور دوسری تعمیر کرا سکتے ہوں توان پر واجب ہے کہ وہ جداگانہ نظام تعلیم کے لئے فورادوسری بلڈنگ تعمیر کریں اورمخلوط نظام ختم کر کے جداگانہ نظام قائم کریں۔

ب-اوراگرنہ ادارہ کے پاس الگ بلڈنگ ہوں اور نہ ہی ادارے کے منتظمین علی الفور دوسری بلڈنگ تعمیر کرانے پر قادر ہوں تو دوسرے درجہ میں یہ ضروری اور واجب ہوگا کہ دونوں صنفوں کے دخول وخروج کا راستہ دونوں کی درسگاہیں وغیرہ تمام چیزیں جداگانہ ہوں۔

ج-اوراگرمذکورہ صورتیں ممکن نہ ہو بلکہ ایک ہی درسگاہ میں دونوں کی جداگانہ نشستیں ہوں اور درمیان میں کوئی دبیز پردہ یا دیوارحائل ہواورایک ہی استاذ دونوں کو پڑھا سکے جبکہ آنے جانے کی راہیں دونوں کی الگ الگ ہوں تو اسکے درست ہونے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

چونکہ درسگاہ میں فقط تقریرسن لیناہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اکثر افہام وتفہیم کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور ظاہر کہ اجنبی مردوں کے درمیان عورتوں کی آواز کا بلند ہونا بغرض تفہیم ہی سہی دواعی الی الفتنہ ہونا بعیدنہیں اس لئے درایں صورت جواز کی گنجائش کے ساتھ کراہت بھی مضمر ہے۔

۶- **"وفی مجمع الفتاوی: ان الکذب یباح لا حیاء حقه ولدفع الظلم عن نفسه، کالشفیع یعلم بالبیع فی جوف اللیل، فاذا أصبح یشهد و یقول: علمت الآن، وکذا الصغیرة تبلغ فی جوف اللیل وتختار نفسها من الزوج، وتقول: رأیت الدم الآن"**(الاشباہ والنظائر۱/۳۲۶)،**"وفی الاشباہ، ومنه الکذب مفسدة محرمة، وهی متی تضمن جلب مصلحة تربو علیه، جاز"**(الاشباہ والنظائر القاعدۃ الخامسہ ۱/۳۲۵)۔

مذکورہ عبارات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اسکول کا ضابطہ اپنی جگہ پر مسلمہ ہے لیکن اگر مصلحۃ بعض صورتوں میں اس پر عمل کرناممکن ہے نہ ہوعمل لامحدود خسارے کا باعث ہوتو ایسی صورت میں اس سے بچ نکلنے کی گنجائش معلوم ہوتی یعنی بچے کی عمرمتجاوزعن اصول المدرسۃ کی صورت میں والدین کوکم عمر حلف نامہ دینااور بچہ کی عمر کاح صاب اسی حلف نامہ کی بنیاد پر ہمیشہ باقی رہنا جبکہ جلب مصلحت اور وصول حق ودفع مضرت کے لئے ہےتواس کذب کوکذب محرمہ قرارنہ دے کرجواز کا پہلواختیار کیا جانا چاہئے۔

۷- جسم انسانی میں ایک بڑا حصہ وہ ہے جس کوفطرتا چھپایا جاتا ہے مردوں میں کم اورعورتوں میں زیادہ اورجسم کا یہ چھپانا بلا تفریق مذہب انسانی فطرت ہے جوانسان کوبہرصورت چھپانے پرمجبور کرتی ہے۔

اسلام نے اس کے حدود متعین کر دیئے ہیں، مردوں کو ناف سے لے کر گھٹنوں تک بہرحال چھپانا فرض ہے جس کا کچھ حصہ بھی کسی کے سامنے کھولنا حرام ہے، اور اسی طرح اس کھلے حصہ کو کسی دوسرے مرد وعورت کے لئے دیکھنا بھی حرام ہے، اسی طرح آزاد عورت کے لئے چہرہ، قدم، اور ہتھیلی کے سوا پورا بدن ہر کسی سے چھپانا فرض ہے اور اگر اس پر پورے بدن میں سے کوئی حصہ کسی وجہ سے کھل جائے تو ہر مرد وزن کو اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔

پھر مزید برآں دس سال سے عمر میں زیادہ ہر عورت کو اپنے محارم کے ماسوا سے چہرے کا چھپانا بھی فرض ہے، خواہ وہ گھر میں ہو یا گھر سے باہر کسی بھی جگہ، مسلمان اداروں کے ذمہ داروں کو چاہئے ہی نہیں، بلکہ ان پر فرض ہے کہ وہ ادارہ کے نظم ونسق میں ان امور کا بہرحال خیال رکھیں، حرام سے بچیں اور بچائیں۔

اسلامک اداروں میں یونیفارم اختیار کرنے میں اسلامک لباس کو ترجیح دینا افضل ہوگا، مثلاً بچوں کے لئے کرتا، پائجامہ، ٹوپی، لڑکیوں کے لئے جمپر شلوار، دوپٹہ یا اسکارف یہ افضل ترین یونیفارم ہوسکتا ہے۔

مذکورہ یونیفارم کے سوا ہر مختار لباس جو مذکورہ ستر عورت کو مستور کرتا ہو شرعاً جائز ہوگا الا یہ کہ وہ کسی قوم مخصوص کا شعاری لباس نہ ہو۔

ٹائی کا استعمال:

ٹائی اگرچہ مخصوص ہے عیسائیوں کے ساتھ اور انہیں کا شعار بھی ہے، لیکن چونکہ اب اتنی عام ہوگئی ہے کہ ٹائی لگانے والے غیر عیسائیوں کی تعداد تقریباً عیسائیوں سے زائد ہوگئی ہے، اس لئے اب ٹائی لگانا نصاری کا شعار نہیں رہ گیا، اس لئے ٹائی کا استعمال ناجائز تو نہیں ہوگا البتہ نہ لگانا بہتر اب بھی ہوگا۔

غیر ساتر لباس:

مردوں کے لئے وہ لباس پہننا جس سے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے درمیان کا کوئی حصہ کھلا رہتا ہو، جیسے نیکر، چڈھا، ہاف پینٹ وغیرہ جس میں گھٹنوں کے اوپر تک یعنی رانیں بھی کھلی رہتی ہیں، مسلمان مرد کے لئے ایسا لباس پہننا حرام ہے، لڑکیوں کو نصف آستین کا اسکرٹ نیز ایسا لباس جس میں ان کے پیر، پنڈلیاں وغیرہ کھلی رہتی ہیں، اور سر کا کھلا رکھنا بھی حرام ہے، اس لئے کسی مسلمان لڑکی کے لئے کسی بھی طرح اس طرح کے لباس کا پہننا یا پہنانا ہرگز ہرگز جائز نہیں، حرام ہے۔

جن علاقوں میں مسلم ادارے نہیں ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں فی الحال، سرکاری اور دیگر غیر مسلم اداروں میں جہاں اسلامی زاویئے سے ستر پوشی کا کوئی لحاظ نہیں ہے اور نہ کہنے سننے سے ہوسکتا ہے، نیز مسلم بچوں اور بچیوں کو پڑھانے کی کوئی دوسری سبیل بھی ممکن نہیں ہے تو ایسے طلبہ اور طالبات کے لئے ضروری ہوگا کہ شرعی ساتر لباس پہن کر اسکول جائیں اور وہاں یونیفارم پہنیں، یعنی صرف اسکول کے اندر یونیفارم استعمال کریں باہر نہیں، والدین اسکی پابندی کرائیں، دل سے برا سمجھیں، توبہ کریں، کیونکہ یہ بقدر ضرورت

جائز ہے۔

۸- تعلیمی بیداری اور اس کا ضروری انتظام کرنا ہر ملک کے محکمہ تعلیم پر لازم اور ضروری ہے، لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے، اکثر ممالک میں شخصی اور قومی اداروں کے مقابلے میں سرکاری اداروں کی تعداد کم ہے، حالانکہ حق یہ ہے کہ اس کے خلاف ہونا چاہئے، نیز حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیر سرکاری اداروں پر نظر رکھے ان کے اصول وقوانین پر غور کرے اگر وہ ملک کی غربت زدہ قوم کے لئے مفید نہ ہوں تو انہیں درست کرے اور وہ سہولیات فراہم کرے جس سے ملک کی ہر قوم اور ہر درجہ کا شہری تعلیمی زیورات سے اپنے بچوں کو آراستہ کر سکے۔

تعلیمی ادارے درسگاہوں اور تعلیم گاہوں کے نام سے معروف وموسوم ہیں نہ کہ تجارت گاہ کے نام سے، اس لئے ادارے کا ہر پہلو تعلیمی، تربیتی اوصاف سے متصف ہونا چاہئے، نہ کہ بازاری صفات سے۔

تعلیم کو تجارت بنانا نہ عقل سلیم گوارا کرتی ہے نہ فطرت انسانی، اور اسلام بھی اسے ناجائز سمجھتا ہے، کیونکہ یہ غبن فاحش کے درجہ میں آتا ہے اور کمزور درجہ کے لوگوں کو حق تعلیم سے محروم کرنے کا سبب ہے۔

جس طرح تمام مسلمانوں پر لازم وضروری ہے کہ وہ غریب مسلمانوں کی مدد کریں ان کے بچوں کو پڑھائیں آگے بڑھائیں اور ان کی غربت کے خاتمہ کی سعی کریں، اسی طرح ذمہ داران ادارہ پر بھی یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ غریب مسلم بچوں کی مدد کریں ان کی فیس معاف کردیں یا کم کردیں، ان کے اسپانسر بنیں ان کو آگے بڑھنے کے وسائل مہیا کریں اور ان کو کسی منزل تک پہنچا کر معاشرہ سے غربت کا خاتمہ کریں، نہ کہ اس کے برعکس ہو کہ غرباء سے منہ موڑ کر اپنی عیش وعشرت، ادارہ کی زیب وزینت، فراخی ووسعت میں لگے رہیں اور اپنی خودسری کو دیکھ کر خوش ہوتے رہیں۔

۹- ادارے میں جو انتظام ہوا کرتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ۱- وہ امور جو کسی فرد کی حاضری وغیر حاضری سے متاثر ہوں، مثلاً طعام کا انتظام کرنا، یعنی اگر شخص موجود ہے تو اس کا کھانا پکے گا ورنہ نہیں ۲- وہ امور جو کسی فرد کی حاضری وغیر حاضری سے متاثر نہیں ہوتے، یعنی کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا، مثلاً لائٹ، جنریٹر، استاذ وغیرہ یہ وہ اخراجات ہیں جن میں کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اخراجات اپنے حال پر رہتے ہیں، اس لئے اگر کوئی طالب علم کسی وجہ سے چند ایام ادارہ میں حاضر نہ رہا تو اس کے غیر حاضر رہنے کی وجہ سے مدرسہ کے اخراجات میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، اگر غیر حاضر فرد حاضر ہوتا تو بھی اتنا ہی خرچ ہوتا جتنا اس کے نہ رہنے پر خرچ ہوا ہے، اس لئے اس کے غیر حاضر ہونے کے باوجود اسے معاملہ میں شریک سمجھا جاتا ہے، اور اس کے حصہ میں آنے والا خرچ اس سے وصول کیا جاتا ہے، کیونکہ مذکورہ شخص کا غیر حاضر ہونا اور نظام ادارہ سے استفادہ نہ کرنا منجانب ادارہ تو ہے نہیں یہ خود اس کا اپنا اختیاری فعل ہے، ادارہ تو اپنا نظم حسب سابق کر ہی رہا ہے، آپ اس سے مستفید نہ ہوں تو اس میں ادارہ کا کیا قصور ہے کہ وہ آپ کی فیس معاف کردے، لیکن تبرعات معاف کردینا چاہئے۔

۱۰- مسلمان بالغ مرد وعورت کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد ۶۵۰ رگرام چاندی کی قیمت کے بقدر مالیت نہ ہو تو وہ شرعا

غریب اور فقیر ہیں وہ زکوۃ لینے کے حقدار ہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کو زکوۃ لینے سے شرعاً منع کیا گیا ہے۔

جو لوگ زکوۃ کے مستحق ہیں ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، خواہ وہ کہیں ہوں اور کچھ کرتے ہوں، جو طلبہ عصری تعلیم حاصل کررہے ہیں اگر وہ واقعۃً اس زمرے میں آتے ہیں تو ان کی زکوۃ سے مدد کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

ہندوستانی معاشرے میں تو ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ یہاں اکثر گھروں میں گھر کی تقریباً تمام املاک کا مالک باپ یا پھر ماں ہوا کرتی ہیں، سردست بچوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا، ضرورت کے وقت مانگنے پر انہیں کچھ مل جاتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ جو مانگے یا جتنا مانگے اتنا انہیں دے دیا جائے، بلکہ گھر کا ذمہ دار اپنی صوابدید پر جو سمجھ میں آتا ہے دے دیتا ہے اور کبھی کچھ بھی نہیں دیتا، جبکہ بچے نابالغ بھی ہوتے ہیں اور بالغ بھی، اگر وہ کچھ کام کرتے ہیں تو ان سے پورا حساب لیا جاتا ہے اور آمدنی اپنے قبضے میں لی جاتی ہے، اگر کوئی بچہ کسی ادارہ میں پڑھ رہا ہے تو یومیہ جو خرچ اسے مل جائے اس سے زائد کا وہ مالک نہیں ہوا کرتا، خواہ والدین بڑے درجہ کے سرمایہ دار ہی کیوں نہ ہوں، ہندوستانی معاشرہ کے اکثر گھرانوں کا یہی دستور العمل ہے۔

اس صورت حال میں اگر شرعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اکثر مالداروں کے بچے جو بالغ ہوچکے ہیں مستحق زکوۃ ہوتے نظر آئیں گے، اور ضابطہ یہی ہے کہ اگر انہیں زکوۃ دے دی جائے تو انہیں زکوۃ کا لینا اور زکوۃ دینے والے کو انہیں زکوۃ کا دینا دونوں از راہ شرع درست اور جائز ہوں گے، اس لئے جو گھرانے ایسے ہیں جو قابل امداد ہیں ان کے بچے اگر تعلیم میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو زکوۃ کی مد سے ان کی مدد کرنا شرعاً درست اور جائز ہے۔

"وفي الهنديه: ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحا" (فتاوی ہندیہ کتاب الزکوۃ باب المصارف ۱/۱۸۹)۔

حضرت مفتی محمود صاحب فرماتے ہیں: اگر مستحق کو تملیک کردی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی، اگرچہ وہ انگریزی پڑھتا ہو (فتاوی محمودیہ باب مصارف ۱۴/۱۹۲)۔

"وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أصلح أو أورع أو انفع للمسلمين والتصدق على العالم الفقير أفضل" (فتاوی شامی ۲/۳۵۴)۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں: زکوۃ کی رقم محتاج اور غریب لوگوں کو دی جاسکتی ہے، سرسید احمد اسکالر شپ کے تحت غریب ومحتاج طلبہ کو مد زکوۃ سے وظیفہ دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ واقعی محتاج ہوں (فتاوی قاضی/ص ۹۳)۔

الحاصل: مسلم طلبہ واقعۃً اگر محتاج ہیں، خواہ مرد ہوں یا عورت مسلمانوں کے زیر انتظام اداروں میں پڑھ رہے ہوں یا دیگر قوموں کے اداروں میں یا سرکاری اسکولوں میں پڑھ رہے ہوں وہ بہرصورت زکاۃ کے مستحق ہیں، ان کو زکوۃ دینا درست اور صحیح ہے، مسلمانوں کو ان کی زکوۃ کے فنڈ سے مدد کرنی چاہئے۔

عصری تعلیم گاہوں سے متعلق شرعی مسائل

مولانا محمد اخلاق قاسمی☆

کیا مذہب اسلام میں مخلوط تعلیمی نظام کی اجازت ہے؟

مخلوط نظام تعلیم بچوں اور بچیوں دونوں کیلئے ہی انتہائی خطرناک ہے، بچوں اور بچیوں کا باہمی اٹھنا بیٹھنا، کھیلنا کودنا، ایک ساتھ سیر وتفریح کرنا یہ بہت سے مفاسد کو جنم دیتا ہے، غیر محسوس طریقہ پر اخلاق و عادات بگڑتے چلے جاتے ہیں، اسلئے اسلامی تعلیمات کا تقاضا تو یہ ہی ہے کہ بچوں اور بچیوں کے پڑھنے کا انتظام بھی بالکل علیحدہ علیحدہ ہونا چاہئے ،لیکن اگر جداگانہ نظام تعلیم کا انتظام انتظامیہ اپنی مالی کمزوری کی بنا پر کرنے سے قاصر ہو تو پھر سات سال تک کے بچوں اور بچیوں کیلئے مخلوط تعلیم کی اجازت ہوگی وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بچوں کی اسلامی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے اور ان کے اخلاق و عادات کو بہتر سے بہتر بنانے کا انتظام بھی ہو، جب بچیوں کی عمر آٹھ سال سے زیادہ ہو جائے تو پھر ان کو بچوں کے ساتھ پڑھانا درست نہیں ہے، یعنی مخلوط تعلیم درست نہیں ہے، اس لیے کہ حصول تعلیم ایک نفع بخش چیز ہے، جیسے کہ اخلاق کا سیکھنا اور پردہ کے ساتھ رہنا یہ بھی ایک نفع بخش چیز ہے اور بے پردگی میں اور اختلاط میں فساد کا اندیشہ ہے اور فساد کا دور کرنا منافع کے حصول سے زیادہ اہم ہے، جیسا کہ ''فتاوی محمودیہ'' کے حاشیہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے: ''**ودرء المفاسد مقدم علی جلب المنافع**'' (فتاوی محمودیہ جلد ۳۸۱/۳، کتاب العلم، کتنی عمر کی بچی کی مدرسہ میں پڑھا سکتے ہیں)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے'' دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کردینے کا حکم فرمایا گیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیوں کو زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھا سکتے ہیں، اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۲۱۹/۸، تعلیم مخلوط تعلیم کتنی عمر تک جائز ہے بچوں اور بچیوں کیلئے علیحدہ علیحدہ تعلیمی نظام کے سلسلہ میں بہتر بات یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کے مراہقت کی عمر تک پہنچنے تک تو مخلوط تعلیم کا جواز ہے)۔

اس سے پہلے تک ایک ساتھ پڑھا سکتے ہیں اور جیسے ہی بچیاں مراہقہ اور مشتہات ہوجائیں ان کو بچوں سے علیحدہ کردیا جائے اور مشتہات کے درجات احوال ومقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں ہوسکتا ہے کہ سات آٹھ سال کی لڑکی مشتہات ہو

☆ رفیق معہد الرشید الاسلامی، چونا بھٹی بوہڑ روڈ، جگادھری، ہریانہ۔

جائے اور ہوسکتا ہے کہ گیارہ سال تک مشتہات نہ ہو۔

کیونکہ دس سال کی بچیوں کے ستر کا حکم وہی ہے جو بالغہ عورت کے ستر کا حکم ہے علامہ شامی فرماتے ہیں ”ای عورته تکون بعد العشرة کعورة البالغین “اور علامہ شامی نے مشتہات کے درجہ کو اس طرح بیان کیا ہے’’واختلفوا فی حد المشتهاة وصحح الزیلعی وغیره أنه لا اعتبار بالسن عن السبع علی ما قیل أو التسع، وانما المعتبر أن تصلح للجماع بأن تکون عبلة ضخمة، والعبلة المرأة التامة الخلق (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۷ کتاب العلم، تعلیم زناں)۔

جداگانہ نظام تعلیم کی کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لڑکوں اور لڑکیوں کی ایسی علاحدہ درس گاہیں قائم کریں جن کی بلڈنگیں الگ الگ ہوں تاکہ فتنہ کا اندیشہ ہی باقی نہ رہے، اور لڑکے، لڑکیاں مخلوط تعلیم سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم حاصل کرسکیں، (کتاب الفتاوی جلد ۱/ ۴۲۳، مسلم خواتین کے لیے عصری تعلیم)۔

لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان کے لیے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمدورفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۷ کتاب العلم، تعلیم زناں)۔

لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں لیکن بلڈنگ ایک ہی ہو یا پھر ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ وطالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل یا عارضی دیواریں ہوں کہ ایک استاذ دونوں کو پڑھا سکے یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں، باقی آمدورفت کے راستے وغیرہ الگ الگ ہوں تو یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ لڑکیاں پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔

جداگانہ نظام تعلیم کی پہلی صورت کو ضروری اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں اختلاط کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے، لہذا ایسی درسگاہوں کے قیام کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، اور آخری صورت کو صرف جائز اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ بلڈنگ ایک ہونے یا کلاس ایک ہونے کی صورت میں بہرحال فتنہ کا ایک گونہ موقع باقی رہتا ہے اس لیے کہ جب بلڈنگ ایک ہوگی تو بلڈنگ سے باہر آتے وقت راستہ میں اختلاط کا اندیشہ ہے اور ایک دوسرے سے قربت کا بھی اندیشہ قوی ہے، اس لیے کہ انسان کی طبیعت میں میل میلاپ کا عنصر غالب ہے، ہاں اگر دونوں کے پڑھائی کے اوقات مختلف ہوں کہ لڑکیاں صبح کو پڑھ کر چلی جائیں اور پھر کچھ وقفہ کے بعد لڑکے شام کے وقت میں پڑھنے آئیں دوشفٹ ہوں تو پھر اس خرابی کے مفقود ہونے کی وجہ سے دوسری صورت بھی ضروری کی

فہرست میں داخل ہو جائے گی اور تیسری صورت تو بہر حال جائز کے فہرست ہی میں رہے گی اس لیے کہ اس میں کلاس روم اور بلڈنگ دونوں ایک ہی ہیں۔

''کتاب الفتاوی میں'' ہے:''اس قسم کی تعلیم کے لیے غیر مخلوط درسگاہ نہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لیے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو(کتاب الفتاوی جلد ۱/ ۴۲۵، کتاب العلم مخلوط درسگاہ میں حصول علم)۔

اسکول میں داخلہ کے وقت بچوں کی عمر کم لکھوانا کیسا ہے؟

جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے اور سچائی پسندیدہ ہے، سچائی میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت ہے بخاری شریف میں ہے "**عن ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **قال: إن الصدق يهدى إلى البر، وإن البر يهدى إلى الجنة، وإن الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صديقا ،وإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى إلى النار، وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا** "(اخرجہ البخاری ۸/ ۳۰)۔

اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ سچ بول کر ہی داخلہ کرانے کی کوشش کرے، جھوٹ بالکل نہ بولے، اگر ایک اسکول والے اس عمر کے بچے کے داخلہ سے منع کرتے ہیں تو کسی دوسرے اسکول میں داخلہ کرادیں، اسی اسکول میں داخلہ کرانا کائی ضروری نہیں ہے اور اگر تمام اسکول ہی ایسے ہوں کہ ان میں داخلہ کیلئے عمر کی جو حد ہے ہمارا بچہ عمر کی اس حد کو پار کر چکا ہے اور کسی دوسری جگہ اس کی تعلیم کو جاری نہیں رکھا جاسکتا تو پھر ماں باپ کیلئے اتنی گنجائش ہوگی کہ وہ حلف نامہ میں ایسے الفاظ لکھا دیں جس کا ظاہر میں کچھ اور مطلب بنتا ہو اور اس کو دوسری طرف پھیرنا بھی ممکن ہو، جیسے حضرت ابوبکرؓ کا قول "**هذا الرجل يهديني السبيل** "اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول: "**بل فعلهم كبيرهم** "اسی طرح:" **هذه أختى أى أختى فى الله** "یعنی توریہ اور تعریض کا استعمال کر کے کام چلایا جاسکتا ہے۔

''الدر المختار''میں ہے:''**قال الحصكفی**ؒ **:الكذب مباح لاحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض : لأن عين الكذب حرام**'' (رد المحتار جلد ۵/ ۲۲۴)۔

لیکن ماں باپ پر لازم ہوگا کہ عمر کم لکھوانے کی وجہ سے آئندہ کسی کو دھوکہ میں مبتلاء نہ کریں، بلکہ صحیح عمر بتائیں ہاں جہاں سرکاری محکمہ ہو کہ وہاں صحیح عمر بتانے کی وجہ سے جان مال کا خطرہ ہو تو اسکول والی عمر بتا سکتے ہیں "**الضرورات تبيح المحظورات** " **(** قواعد الفقہ **)** ۔

اسکول میں مخصوص لباس لازمی کرنے کا حکم:

شریعت مطہرہ نے لباس کی ہیئت کے اندر بڑی لچک رکھی ہے، امت کے لیے کسی خاص ہیئت کا لباس لازم نہیں کیا کہ جس

کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو، البتہ اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول ضرور بتا دیئے ہیں، کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعا جائز اور مباح ہے ۔

رہی بات زینت کی تو ایسا کپڑا جو زینت والا ہو یہ تو کپڑے کے مقصد میں داخل ہے، لہذا اہل علاقہ خود ہی اپنے ماحول کے اعتبار سے اس کا تعین کریں۔

لباس کے اصول کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب رقمطراز ہیں: ''لباس کے لیے اسلام نے چند خاص حدود متعین کردی ہیں، ان کے اندر رہ کر جو بھی لباس اختیار کیا جائے درست ہے۔

اول یہ کہ مرد عورت کے جسم کا وہ حصہ چھپ جائے جن کا ستر اور پردہ واجب ہے، اور اتنا باریک اور چست بھی نہ ہو کہ جسم کے اعضاء نمایاں ہوں۔

دوم یہ کہ کفار سے ایسی مشابہت نہ ہو کہ اس لباس کو دیکھے تو کوئی خاص قوم سمجھ میں آتی ہو، اور نہ اس لباس کا تعلق غیر اسلامی شعار سے ہو، جیسے زنار اور سکھوں کی پگڑی وغیرہ۔

تیسرے ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔

چوتھے مردوں کے لیے ریشمی اور شوخ رنگ کے لباس بھی ممنوع ہیں ان حدود کی رعایت کے ساتھ جو بھی لباس ہو جائز ہے، البتہ ہر جگہ کے اہل دین اور ثقہ لوگوں کا جو لباس ہو، اس کی اتباع زیادہ بہتر اور مستحب ہے (کتاب الفتاوی جلد ۶/ ۹۵)۔

اگر اسلامی اسکول نہ ہوں تو مسلمان ماں باپ کے اوپر لازم ہے کہ وہ اسکول انتظامیہ سے مل کر اسلامی یونفارم کی اجازت کا مطالبہ کریں اور جب مسلمان کوشش کریں گے تو ان کا مطالبہ مانا بھی جائے گا، اس لیے کہ تعلیم و تعلم نے آج باعزت و باوقار تجارت کی شکل اختیار کر رکھی ہے، لہذا اسکول انتظامیہ اپنی تجارتی مجبوری کی وجہ سے مسلمانوں کے مطالبہ کو ماننے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اگر وہ نہ مانیں اور لباس ستر کو چھپانے والے ہوں تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ ہو کسی خاص مذہب کی شعار میں داخل نہ ہو اور اگر ایسے لباس ہوں جس کا پہننا حرام ہو تو پھر ایسے اسکول میں پڑھنا پڑھانا جائز نہ ہوگا اور اگر اولیاء ایسی جگہ بچوں کو پڑھاتے ہیں تو گنہ گار ہوں گے۔

تعلیم کے نام پر مختلف قسم کی فیس وصول کرنے کا حکم:

آدمی اپنی محنت اور کام کی مزدوری جتنی چاہے طے کر سکتا ہے یہ فریقین کے درمیان طے ہونے والا ایک معاملہ ہے، جس میں ہر فریق کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کو چاہے قبول کرے یا ختم کردے اسی بنیاد پر اسکولوں میں بچوں سے لی جانے والی فیس ہے خواہ وہ داخلہ کی فیس ہو یا تعلیم کی ماہانہ اور سالانہ فیس، لہٰذا طے ہونے کے بعد مذکورہ فیس لی جاسکتی ہے (کفایت المفتی جلد ۲/ ۴۵)۔

ہدایہ میں ہے: ''**بعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانی فی الأمور**

الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى"(ہدایہ جلد ۳/ ۳۰۳)۔

لیکن تعلیم کے نام بے انتہاء ناقابل برداشت فیس کی تعین کرنا اور تعلیم کو تجارت بنالینا یہ شریعت اسلامی کی نظر میں اور انسانیت کی نظر میں ایک مذموم اور قابل اصلاح عمل ہے۔

"فتاوی قاسمیہ" میں ہے: "ڈگری کالجوں میں، اسی طرح میڈیکل کالجوں میں ڈونیشن کے نام سے جو بھی رقم لی جاتی ہے، وہ اگر پرائیوٹ اور ذاتی کالجوں میں ہے ...تو وہ داخلہ فیس کے درجہ میں ہے اس لیے کہ ان کالجوں کے ذمہ داران کو مالکانہ حیثیت حاصل ہے، داخلہ لینے والے طلبہ کو بھی اختیار ہوتا ہے کہ اتنی بڑی ڈونیشن فیس جمع کر کے داخلہ لے یا نہ لے، یہ آپس کی تراضی کا معاملہ ہے اور کوئی بچہ اگر اتنی فیس دے کر داخلہ نہ لے، تو اس پر کسی کی طرف سے زبردستی بھی نہیں، البتہ اتنی بڑی بڑی رقم ایک ایک طالب علم سے لینا انسانی معاشرہ سے ہٹ کر ہے جو بھی سنتا ہے، اس کی عقل حیران رہ جاتی ہے، اس لیے یہ کم از کم کراہت کے درجہ میں ہے (فتاوی قاسمیہ جلد ۲۰/ ۵۳۷۔۵۳۸، کتاب الربوا، باب الرشوۃ)۔

کسی چیز کو گراں بار بنادینا کہ کمزور قسم کے لوگ اس سے استفادہ نہ کرسکیں یہ انسانیت کے تقاضہ سے بہتر نہیں ہے، البتہ معاملہ طے ہوجانے کے بعد عدم جواز کا حکم لگانا درست نہ ہوگا یہ حکم اس وقت ہوگا جبکہ ادارہ یا کام شخصی طور پر ہو، لیکن رفاہ کے نام پر کام کرنے کی صورت میں تعلیم کو بطور تجارت کے استعمال کرنا اور آئے فیس سے بلاوجہ کی چیزوں میں خرچ کرنا یہ خود رفاہی کاموں کے خلاف ہے قرآن شریف میں ہے: "**إن المبذرين كانوا إخوان الشيطين** (سورۂ بنی اسرائیل: ۲۷)، لہذا یہ اسلام کی نظر میں ایک مذموم عمل ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

غیر حاضر ہونے کے باوجود فیس وصول کرنا:

غیر حاضر ہونے والے طالب علم سے ایام غیر حاضری کی فیس اگر اسکولوں میں وصول کی جاتی ہو یا شروع میں طے پانے والے شرائط میں فیس کی وصولی کی بات طے ہو تو درست ہے، اس لیے کہ فقہی قاعدہ ہے: "**المعروف عرفا كالمشروط شرعا**" (الاشباہ والنظائر الفن الاول ۱/ ۲۷۸)۔

فریقین کے درمیان جو معاملہ طے ہوتا ہے شریعت مطہرہ اس کا اعتبار کرتی ہے، جبکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کیا گیا ہو "**يلزم مراعاة الشرط بقدر الإمكان**" (شرح المجلۃ الاحکام، بحوالہ محمودیہ جلد ۱۵/ ۵۳۵ باب مایتعلق بالمدارس)۔

جو غریب بچے عصری تعلیم حاصل کرتے ہوں ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جی ہاں! اگر عصری تعلیم پانے والے بچے غریب صاحب نصاب نہ ہوں تو ان کو تملیکا، یعنی مالک بنا کر زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے "**إنما الصدقات للفقراء والمساكين**" (التوبۃ/ ۶۰)، فتاوی محمودیہ میں ہے: "اگر مستحق کو تملیک کردی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی اگر چہ وہ انگریزی پڑھتا ہو" (فتاوی محمودیہ جلد ۹/ ۵۵۹، کتاب الزکوۃ، مصارف الزکوۃ)۔

ایسے ادارے کہ جو بچوں سے مشرکانہ کام کرواتے ہوں ان میں داخلہ کا کیا حکم ہے؟

(۱) شرک کی برائی اسلام میں بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:"یٰبنیّ لا تشرک بالله إن الشرک لظلم عظیم (سورۃ لقمان آیت نمبر ۱۳)۔اسی طرح ارشاد ربانی ہے: "إن الله لا یغفر أن یشرک به ویغفر مادون ذالک "(سورۂ نساء:۴۸)،اسلام شرک وبت پرستی کے خلاف بے انتہاء غیرت مند واقع ہوا ہے،لہذا اگر سرکاری اداروں میں جبری طور پر مشرکانہ افعال کرائے جاتے ہوں یا پڑھائے جاتے ہوں،تو مسلمانوں کو اپنے بچوں کو مستثنیٰ قرار دیے جانے کی بھر پور کوشش کرنی چاہئے،اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہوتو ایسے اسکول میں بچوں کو نہیں بھیجنا چاہئے خود ان کی تعلیم کا انتظام کرنا ضروری ہے اگر یہ ممکن نہ ہوتو ایمان کی سلامتی تعلیم کے مقابلے میں اہم ہے،لہذا ایسے اسکول میں پڑھانا جائز نہ ہوگا۔

(۲) اگر اختیاری طور پر اس کی ترغیب دی جاتی ہوتو بچوں کی نگرانی کی جائے اور ان کو ان چیزوں کی خرابی سے آگاہ کیا جائے اور امید ہو کہ بچے اپنے اساتذہ کے کہے میں نہیں آئیں گے اور ان کا عقیدہ خراب نہیں ہوگا تو اس صورت میں بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کر سکتے ہیں،ورنہ نہیں۔

(۳) اگر اسکول غیر مسلم انتظامیہ کے ماتحت ہوں اور وہاں یہ چیزیں لازم ہوں تو وہاں مسلمان بچوں کا پڑھنا جائز نہیں ہوگا ،خواہ وہاں کوئی اسکول ہو یا نہ ہو ماں باپ پر ضروری ہے کہ وہ الگ سے ان کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

(۴) غیر مسلموں کا ادارہ اگر ترغیب دیتا ہو تو بچوں کو اچھی طرح سمجھایا جائے اور ان کے غیر مسلموں کے عقیدہ میں ڈھلنے کا اندیشہ نہ ہو اور ان کی خوب نگرانی کی جائے تو داخل کرا سکتے ہیں،ورنہ نہیں۔

(۵) اگر ان تمام صورتوں میں اسلامی ادارہ ہو تو مسلمانوں کے لیے کسی بھی حال میں غیر اسلامی اسکول میں بچوں کا داخل کرنا جائز نہیں ہے،اس لیے کہ اسلام شرک کے معاملہ میں بے انتہاء غیرت مند واقع ہوا ہے لہذا بچوں کی ایمان کی حفاظت ضروری اور لازمی امر ہے۔

(۶) مسلمان انتظامیہ کے لیے ترقی یا اور کسی مصلحت کی خاطر ان چیزوں کے اجراء کی اجازت قطعی طور پر نہیں ہوگی اگرچہ وہ غیر مسلموں ہی کے لیے کیوں نہ ہو،اس لیے کہ یہ کفر سے خوش ہونے کے مترادف ہوگا ارشاد باری ہے "لا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار"(سورہ ہود آیت ۱۱۳)۔

جنسی تعلیم اور مسلمان بچے:

جنسی تعلیم کا ثبوت شریعت مطہرہ میں اس حدیث میں ملتا ہے:"عن أم سلمة ام المومنین أنها قالت: جاء ت أم سلیم امرأةأبی طلحة إلی رسول اللهﷺ فقالت :یا رسول الله! إن الله لا یستحی من الحق ،هل علی المرأة من غسل إذا هی احتلمت ؟فقال رسول الله ﷺنعم إذا رأت الماء"(بخاری شریف جلد۱/ ۲۵ کتاب الغسل ،باب

اذا احتلمت المرأۃ)۔

اسی طرح دوسری حدیث ہے:"**عن أبی ھریرۃؓ عن النبیﷺ قال:اذا جلس بین شعبھا الأربع ثم جھدھا فقد وجب الغسل**"(بخاری شریف جلد۱/ ۲۵ کتاب الغسل ،باب اذالتقی الختانان)۔

"**عن علیؓ قال:کنت رجلا مذاء فامرت رجلا ان یسال النبیﷺ لمکان ابنتہ فسال فقال:توضأ واغسل ذکرک**"(بخاری شریف کتاب الغسل ،باب غسل المذی والوضوء منہ)۔

ان تینوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے جنسی طور پر پیش آنے والے مسائل معلوم کیے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے سوالات کا حل فرمایا ہے،اسی طرح مدارس میں کتب فقہ میں جنس سے متعلق مسائل درجات عربیہ کے بچوں کو پڑھائے اور بتائے جاتے ہیں شروع کی جماعتوں میں چھوٹی عمر کے بچے بھی ہوتے ہیں جو قریب ہی کے زمانہ میں بالغ ہوئے ہوتے ہیں،لہذا اگر بچیوں کو الگ عورتیں اس طرح کے مسائل سے واقف کرائیں تو شرعا کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر بچوں کو ان کے مرد استاذ پڑھائیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے،لیکن بلوغ سے پہلے مناسب نہیں ہے اور اس تعلیم کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔

اگر حکومت نابالغ بچے اور بچیوں کے لیے جنسی تعلیم کو لازم کر دے تو ہمیں چاہئے کہ اپنے بچوں کو مستثنی کرائیں یا اسلامی اقدار کی روشنی میں کوئی ایسا نصاب تیار کر کے مسلمان بچوں کے اس کو پڑھانے کے لیے پاس کرائیں جو ان کی عمر کے موافق ہو اگر یہ بھی ممکن نہ ہو سکے تو دیکھا جائے گا جنسی تعلیم میں کونسا مواد پڑھایا جارہا ہے اور اس کے نقصانات کیا ہیں اگر بچوں کے اخلاقی حالت بگڑنے کا خطرہ ہو یا پھر ان کی واقفیت زنا اور دواعی زنا میں مبتلاء ہونے کا سبب بنے اور ان بچوں کے گناہ میں مبتلاء ہونے کا یقین ہو تو ایسے اسکول میں داخل کرانا مسلمان بچوں کو جائز نہ ہوگا اگر اس سلسلہ کی موٹی موٹی باتیں بتائی جائیں تو پھر داخل کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسکولوں میں دینی تعلیم کی حد:

شریعت نے دین کی بنیادی تعلیم (فرائض وواجبات اور عقائد وغیرہ) کے حصول کو ہر مسلمان مرد وعورت کے ذمہ فرض قرار دیا ہے،لہٰذا بچوں اور بچیوں کیلئے اسکول میں بنیادی تعلیم کا انتظام کرنا ضروری اور لازمی ہے،تاکہ وہ مذہب کی بنیادی چیزوں کی معلومات بھی حاصک کر سکے اور حلال وحرام سے بھی واقف ہو سکے،کفایت المفتی میں ہے"لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے حساب اردو وغیرہ پڑھانے اور ہنر سینا پکانا کاڑھنا وغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں پردے اور صلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۹) کتاب العلم تعلیم زناں)۔میں فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق ومعاشرہ اور روزگار اور پیشہ،ہنر وغیرہ کی تعلیم شرعی وطبعی درجات کے مطابق مستحب ومباح ہیں (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۷ کتاب العلم،تعلیم زناں)۔

فرائض وعقائد اور واجبات کی حد تک دینی تعلیم کا حاصل کرنا شرعا ضروری ہے،جیسا کہ فتاوی عثمانی میں ہے:"بقدر

ضرورت دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (فتاوی عثمانی جلد ۱/ ۱۸۱ کتاب العلم)۔

بالغین کے لیے جنس مخالف استاد کی تقرری:

چھوٹے غیر مشتہات بچے اور بچیوں کے لیے جنس مخالف استاد کے مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بالغہ بچیوں کے لیے اگر عورتیں پڑھانے کے لیے مہیا نہ ہوں تو پردہ، تنہائی نہ ہونے اور سخت نگرانی کی شرط کے ساتھ صالح مردوں کی تقرری شرعا درست ہوگی، جیسا کہ ''کفایت المفتی'' میں ہے: ''نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لیے مقرر کیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبورا نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو متعین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے'' (کفایت المفتی جلد ۲/ ۶۷، کتاب العلم، تعلیم زناں، اس سلسلہ میں دیکھئے کتاب الفتاوی جلد ۱/ ۴۲۸ کتاب العلم غیر محرم بالغ لڑکیوں کو پڑھانا)۔

عورتیں پڑھانے کے لیے نہ ملیں تو مردوں کی تقرری مذکورہ شرطوں کے ساتھ حدیث شریف سے ثابت ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کیلئے ایک دن مقرر فرما رکھا تھا جس میں عورتیں شرکت کرتی تھیں اور آپ ﷺ ان کو دین کی تعلیم دیتے تھے: ''**عن أبی سعید قال: جاء ت امرأة إلی رسول الله ﷺ فقالت: یا رسول الله ذهب الرجال بحدیثک فاجعل لنا من نفسک یوما نأتیک فیه تعلمنامما علمک الله، فقال اجتمعن فی یوم کذا وکذا مکان کذا وکذا، فاجتمعن فأتاهن رسول الله ﷺ فعلمهن مما عمله الله،** (بخاری شریف، کتاب الاعتصام، باب تعلیم النبی امته من الرجال والنساء، ۲/ ۱۰۸۷، حدیث نمبر ۷۰۱۷)۔

عورتوں کا بالغ لڑکوں کو پڑھانا:

عورت کے لیے بالغ لڑکوں کو پڑھانا شرعا درست نہیں ہے: ''**تمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال**'' (رد المحتار ۱/ ۴۰۶، کتاب الصلوۃ، باب شروط الصلوۃ)، اسی طرح بدائع میں ہے: ''**وأما الذی یعرف التمییز بین العورة وغیرها، وقرب من الحلم فلا ینبغی لها أن تبدی زینتها له**'' (بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان والخنوثۃ وحکمھما، ۵/ ۱۲۳)۔

اور علامہ شامی نے اپنے زمانہ کے حالات کے فساد کو اس طرح بیان کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بڑوں سے زیادہ فسق کی چیزوں سے واقف ہوتے ہیں اگر علامہ اس وقت ہوتے اور موجودہ زمانہ کو دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں آنسو کے بجائے خون بہانے پر مجبور ہو جاتی ''**فإن الولد إذا بلغ عشر عقل الجماع ولا دیانة له ترد**'' إلی ماقال ''**خصوصا فی أبناء هذا الزمان، فإنهم یعرفون الفسق أکثر من الکبار**'' (رد المحتار جلد ۶/ ۳۸۲ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء)۔

رشوت دیکر اسکول کی منظوری کو بچانا:

رشوت کا لینا دینا دونوں حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے: ''**عن عبد الله بن عمرؓ قال: لعن**

رسول الله ﷺ علی الراشی والمرتشی"(جامع ترمذی ابواب البیوع، باب ماجاء فی اکل الربوا ۱/ ۳۲۹)، البتہ اپنا جائز حق وصول کرنے اور اپنے آپ کو ظلم وزیادتی سے بچانے کیلئے کراہت خاطر (دل کی تنگی) کے ساتھ رشوت دینے کی اجازت ہے، البتہ لینے والے کے لیے ہر حال میں رشوت کا لینا حرام ہے۔

"**ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیه علی نفسه أو ماله حلال للدافع حرام علی الأخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا یجوز أخذ المال یفعل**" (ردالمحتار ۸/ ۳۵، بحوالہ کتاب الفتاوی جلد ۶/ ۲۴۶)۔

اسی طرح بذل المجہود میں ہے: "**فإذا أعطی لیتوسل به إلی حق أو یدفع عن نفسه ظلما، فإنه غیر داخل فی هذا الوعید**" (بذل المجہود ۶/ ۳۰۷)۔

اگر اسکول واقعی معیاری ہے، حکومت کے تمام قوانین وشرائط کے ساتھ اسکول میں تعلیم دی جاتی ہے، کسی بھی شعبہ میں دھوکا اور فراڈ نہیں ہے، اپنے ان اوصاف کے ساتھ اسکول اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی سرکاری منظوری باقی رہنی چاہئے اور سوئے اتفاق کہ حکومتی اہلکار جنہیں رشوت لینے کا چسکہ لگا ہوا ہے وہ رشوت لینے کی غرض سے اس اسکول کی منظوری کو رد کرنا چاہ رہے ہوں تو ایسی مجبوری کی صورت میں اپنے حق کو وصول کرنے کیلئے بادل ناخواستہ رشوت دیکر اسکول کی منظوری کو بچایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

باب چہارم

اختتامی امور

مناقشہ:

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

مولانا عتیق احمد بستوی:

جن حضرات نے مناقشہ میں حصہ لینے کے لئے نام بھیجا ہے وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اچھے خاصے ہمارے پاس نام آچکے ہیں اور مزید آئیں گے بھی، اس لئے اختصار کا خیال رکھیں، اور جو بنیادی بات رکھنی ہو اسی کو پیش کریں، اس مناقشہ کا آغاز مفتی نذیر احمد کشمیری صاحب فرمائیں گے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

عصری تعلیمی اداروں کے متعلق یہ مفصل سوالنامہ اور اس پر لکھے گئے جو جوابات ہیں یہ تمام بہر حال قابل قدر ہیں، اس سلسلہ میں چند امور پیش کرتا ہوں، پہلی بات یہ ہے کہ اس طرح کے عصری تعلیمی اداروں کی ضرورت کس درجہ کی ہے؟ اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس کو وجوب یا فرضیت یا لزوم کہا ہے، اس میں کوئی شک نہیں، غور اس پر کیا جائے کہ دوسری اقوام دوسرے طبقات اپنے تعلیمی اداروں کے ذریعہ سے کس طرح کے زہریلے انسان پیدا کررہے ہیں اور پھر مسلمان اور مسلمانوں کی تہذیب اور مسلمانوں کے علوم کے خلاف کس طرح سے مسلح ہو کر سامنے آتے ہیں تو ان ساری صورت حال کو سامنے رکھ کر کیا ہمارے لئے موقع ہے کہ ہم ابھی بحث کریں کہ یہ عصری تعلیم جائز ہے یا مستحب ہے؟ حق یہ ہے کہ اگر آج کے مسلمان آج کے عصری علوم میں داخل نہیں ہوں گے تو آج کے عصری چیلنجوں کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتے، عدالتوں کے ذریعہ سے جو مسلمانوں کے خلاف ہورہا ہے اگر خود مسلمان قانون کے ماہرین ان عدالتوں تک وکیل ہونے کی حیثیت سے یا جج ہونے کی حیثیت سے نہیں پہنچیں گے تو وہاں کی مضرتوں سے اپنا تحفظ کیسے کریں گے؟ میڈیا کے ذریعہ سے، صحافتی علوم کے ذریعہ سے جو اسلام اور مسلمانوں پر حملے ہورہے ہیں ان کا دفاع کیسے ہوسکے گا؟ اگر مسلمان ان صحافتی علوم میں آگے نہیں بڑھیں گے، یا جن سماجی علوم کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب پر حملے ہوتے ہیں ان سماجی علوم کو اگر مسلمان نہیں پڑھیں گے تو ان کا دفاع کیسے ہوسکے گا؟ اس صورت حال کے اندر جیسے ہمارے بزرگوں نے دینی ادارے قائم کئے اور الحمد للہ یہ دینی مدارس اپنے مشن میں کامیاب بھی ہیں اور جو لوگ ان دینی اداروں کے سخت ترین مخالف ہیں وہ ہم سے زیادہ ان کی عظمت سے واقف ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ برصغیر اگر اندلس بنائے جانے سے بچاؤ ہوا ہے تو ان مدارس اسلامیہ کی وجہ سے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر مسلمان عصری علوم سے دور رہے تو پھر مسلمانوں کی وہ نسل جو اکثریت میں ہے مدارس کی

طرف نہیں آ رہی ہے، ظاہر ہے مدارس میں پڑھنے والوں کی تعداد کہیں ایک فیصد ہے کہیں دو فیصد ہے بہت ہی زیادہ اگر کہیں پر ہو تو پانچ فیصد ہے، پچانوے فیصد مسلمانوں کی جونسل ہے یا تو وہ تعلیم ہی حاصل نہیں کرے گی اور اگر پڑھے گی تو ان دوسروں کے اداروں میں جہاں جا کر ان کا ایمان بھی محفوظ نہیں، ان کا کردار بھی محفوظ نہیں، آگے وہ یا تو ملحد بن کر سامنے آئیں گے یا الحاد اگر نہ ہوا تو کم از کم عملی طور پر فاسق و فاجر بن کر سامنے آئیں گے، اور پھر اس کے بعد ہمارے دیندار اور علماء حضرات کو ان ہی سے سابقہ ہے، اب تو دوریاں اتنی بڑھ گئی ہیں مدارس کے اہل علم میں اور مروجہ تعلیم کے پڑھے ہوئے لوگوں میں فاصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ نہ زبان ایک دوسرے کی سمجھ پاتے ہیں نہ خیالات ایک دوسرے کے جڑ پاتے ہیں، ان کو دوریاں ہیں اسلامی اداروں سے اور علماء سے اور علماء کو ان سے دوریاں ہیں، یہ فاصلہ تبھی کم ہو سکے گا جب اسلامی ماحول کے ادارے قائم ہوں، اور پھر ایک مشن کے طور پر ان کو چلایا جا سکے، ایک بات تو مجھے یہ عرض کرنی تھی اس نقطہ نظر پر ضرور غور کیا جائے۔

اس کے بعد جب یہ عصری ادارے قائم کئے جائیں گے تو کچھ حضرات اس کو قائم کریں گے بطور مشن اور کچھ حضرات اس کو قائم کریں گے بطور بزنس، بدقسمتی سے یہ مادیت کا دور ہے، اس لئے زیادہ تر تو اس میں بزنس ہی ہے، چنانچہ جو لوگ بطور بزنس کے عصری تعلیمی ادارے چلا رہے ہیں وہ لوگوں کا پیسہ کس کس طرح سے کھینچتے ہیں، شاید اپنے اس پاک صاف ماحول میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکیں گے، پرائیویٹ ادارے کے پاس کتابیں تیار کرنیوالا ایک بک سیلر آتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میں آپ کو اتنے لاکھ روپے کی رشوت دوں گا، آپ ہمارا کورس اپنے اسکول میں کرائیں، وہ اس سے پیسہ لے لیتا ہے اور پھر اس کا کورس اپنے اسکول میں شروع کرا دیتا ہے، اگر ایک ہزار بچے وہاں پڑھتے ہیں تو ان ایک ہزار بچوں کو وہ بک سیلر کتابیں مہیا کرے گا، اسکول والوں کو پیسہ ملے گا اور یہ بوجھ بچوں پر ڈالتے ہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تجارتی بنیادوں پر ادارے چلانیوالے کیا کیا ترکیبیں کر رہیں کہ کپڑے والے سے جا کر کہیں گے کہ ہم آپ کا کپڑا اب طور یونیفارم منظور کریں گے، آپ بتائیں پہلے ہم کو کتنا دیں گے اور کپڑے بیچنے والے ان کے ساتھ ایک رقم طے کریں گے اس کے بعد پھر اسکول والے اس سے کہیں گے، اب ہم آپ کی فلانی قسم کے کپڑوں کا رنگ فلاں یہ وردی کے طور پر آپ ہی کی دکان سے خریدوائیں گے اور اس کے بعد بچے پھر مجبور ہو جاتے ہیں ان ہی اسکولوں سے خریدنے کے لئے تو یہ ایک طریقہ سے استحصال ہوا۔

اسی طرح سے جب کوئی چاہے گا کہ میں فیکٹری کے بجائے ایک اسکول قائم کروں گا تو پہلے غور کرے گا کہ میرے پاس زمین اتنی ہے یا نہیں، اگر زمین نہیں ہے تو پھر وہی بینک سے پیسہ لے گا اور دو چار کروڑ روپے لے کر کے گویا وہ انویسٹ کرے گا اب وہ زمین مہیا کرے گا پھر بلڈنگیں بنانے لگے گا، تا کہ آگے چل کر بہت مہنگی مہنگی فیس وصول کریں اور جب فیسیں وصول ہو جائیں گی تو وہ جو بینک کا قرض ہے اتر جائے گا، اس کے بعد یہ فیکٹری جو ہے ان کو پیسہ دینے کا ذریعہ بن جائے گی، یہ تو ہے تجارتی بنیادوں پر چلانے والے لوگ اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں۔

لیکن بطور مشن کے اسکول چلائیں جائیں گے تو اس وقت علماء کی طرف سے ایک مفصل گائیڈنس ہونی چاہئے کہ نصاب کس طرح بنایا جائے اس کا ماحول کیسا ہوگا، اسکول مضرتوں سے محفوظ کیسے رہے گا، دوسرے اچھے اسکولوں کے ساتھ مقابلے کرنے

ہوں گے، مقابلہ آرائی کا زمانہ ہے، تو دوسرے اسکولوں کے مقابلہ میں یہاں پر ایک طرف سے دینی مزاج پختہ ہو اور دوسری طرف سے وہ آج کے معیار کے مطابق قابلیت اپنے اندر رکھتا ہو، اگر وہ قابلیت اس کے اندر نہیں ہوگی تو پھر کمپٹیشن میں جا کر پیچھے رہ جائیں گے۔ اس لئے علماء کی طرف سے یہ مکمل گائیڈینس آئے کہ نصاب کیسا ہو، اسکول کا سارا نظام تعلیمی نظام تربیتی نظام کس طرح سے ہو، اس کے بعد پھر وہ تعلیمی ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں اور ان کو مشن کے طور پر چلایا جاسکتا ہے، پھر اسکول چلانے والے کچھ مسلمانوں میں ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو کسی دوسری ایجنسی یا دوسری قوم سے رقمیں وصول کریں اور ان کے منشاء کے مطابق اپنا اسکول چلائیں گے اور اسکول چلانے میں مسلمان بچوں کو ذہنی طور پر چاہے وہ مرتد نہ بناسکے، لیکن اسلام سے دور کردیں گے، لارڈ میکالے کا وہ مشہور جملہ ہم تمام لوگ پڑھتے اور بولتے رہتے ہیں کہ اس نے ایک ایسا نظام تعلیم وضع کیا تھا کہ جس کے نتیجے میں یہاں کے لوگ جسمانی طور پر تو یہاں کے رہے، لیکن فکری طور پر وہ کچھ اور بن جائیں، تو آج یہ تعلیمی اسکول چلانے والے لوگ مسلمانوں میں سے کچھ ایسے ہوسکتے ہیں ان پر قدغن کیسے لگے؟ اس پر بھی غور کرنا ہے، تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسکول بطور مشن کیسے چلائے جائیں گے اور بطور مشن کے اسکول کیسے کام کرتے ہیں یہ دوسری قوموں کے مشن اسکول سے سمجھ سکتے ہیں، اور مسلمان کیوں اپنے اسکول بطور مشن کے نہیں چلائیں گے، خصوصاً وہ نئی نسل جو زیادہ تر ان ہی اسکولوں میں جائیں گے، ان کے لئے بطور مشن کے، اور جب مشن کے طور پر اسکول چلائیں گے تو ان کو علماء سے مربوط رہنا ہوگا تاکہ علماء ان کو صحیح گائیڈ کرسکیں۔

حضرت تھانویؒ سے جب کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت انگریزی پڑھنے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں تو حضرت نے جو جواب ارشاد فرمایا تھا وہ ''امدادالفتاوی'' میں ہے: انگریزی زبان مثل اور زبان کے ایک مباح زبان ہے، مگر تین عوارض سے اس میں خرابی آتی ہے اول بعض علوم اس میں ایسے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، اور علم شریعت سے واقفیت ہوتی نہیں، اس لئے عقائد خراب ہوجاتے ہیں، جن میں بعض عقائد قریب کفر، بلکہ کفر ہے دوسرے اگر ایسے علوم کی نوبت نہ آئے تو اکثر بددینوں کی صحبت رہتی ہے، ان کے بددینی کے اثرات اس شخص پر آجاتے ہیں، کبھی اعتقاداً جس کا حکم معلوم ہوا کبھی عملاً جس سے نوبت فسق تک آجاتی ہے، تیسرے اگر صحبت خراب نہ بھی ہو یا مؤثر نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ یہ نیت رہتی ہے کہ اس کو ذریعہ معاش بنائیں گے، خواہ وہ طریقہ معاش حلال ہو، یا حرام اور یہ مسئلہ عقلاً ونقلاً ثابت ہے اور جو مباح ذریعہ کسی حرام کا بن جائے تو وہ حرام ہوجاتا ہے، پھر ایسا عزم قلبی معصیت ہے، یہ فسق باطنی ہے، ان عوارض ثلاثہ کی وجہ سے گاہے کفر والحاد تک، گاہے فسق ظاہر تک، گاہے فسق باطن تک نوبت پہنچ جائے گی، اگر کوئی ان عوارض سے مبرا ہو، یعنی عقائد بھی خراب نہ ہوں جس کا آسان طریقہ، بلکہ متعین طریقہ یہی ہے کہ علم دین حاصل کرکے یقین کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھے اور اعمال بھی خراب نہ ہوں عزم یہ ہو کہ اس سے وہی معاش حاصل کریں گے جو شرعاً جائز ہوگی اور اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ قصد ہو کہ اس کو ذریعہ خدمت دین کا بنائیں گے تو اس کے لئے عبادت ہوگی، حاصل یہ ہے کہ انگریزی کبھی حرام کبھی مباح اور کبھی عبادت تو اس کو ملحوظ نظر رکھ کر ہم ان تمام مسائل جو عصری اسکولوں سے وابستہ ہیں، اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل جو پیش آئیں گے بشرطیکہ کوئی عصری تعلیم چلانے والا کوئی ایکسپرٹ ماہر موجود ہو تو وہ بتائیں گے کہ اس میں رکاوٹیں کہاں کہاں اور کیا آتی ہیں، اس کے بعد پھر اس سلسلہ میں صحیح رہنمائی ہوسکتی ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جزاک اللہ: میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے جو چیزیں اسکولوں کے تعلق سے بیان کی ہیں ان کا ایک خاکہ یا اس کے مسائل پر آپ نوٹ لکھ کر دے دیں، پھر یہ نوٹ کمیٹی کے حوالہ کر دیا جائے گا تو آپ کے مشوروں سے فائدہ ہوگا انشاء اللہ۔

مفتی اشرف قاسمی گونڈوی:

خلاف حقیقت عمر کے اندراج کے سلسلہ میں میرا موقف یہ ہے کہ عام حالات میں ابتدائی درجات میں خلاف حقیقت عمر کا اندراج ناجائز ہے، اس میں کذب بیانی تو ہے ہی، ساتھ ہی چھوٹی عمر اور بڑی عمر کی نفسیات میں فرق ہوتا ہے، بچوں میں چھوٹی عمر کا بچہ ہمیشہ فاتح بن کر رہتا ہے وہ شکست دے کر کے فاتح نہیں بنتا ہے، بڑی عمر کا بچہ شکست دے کر فاتح بنتا ہے، جھگڑا ہو گیا چھوٹی عمر کا بچہ بھول جائے گا، بڑی عمر کا بچہ انتقام لئے بغیر نہیں بھولے گا، اس لئے کلاس میں جھگڑے ہوں گے اور دونوں کی ٹیچنگ میتھولوجی الگ ہوتی ہے، ٹیچر پاگل ہو جائے گی، بڑی عمر والے کو کس طرح پڑھائے اس کا الگ میتھڈ ہے، چھوٹی عمر کے بچوں کے پڑھنے کا میتھڈ الگ ہے، اس لئے پورا کلاس ڈسٹرب ہو جائے گا، اسلئے ہم نے کذب بیانی کو ناجائز لکھا ہے۔

دوسری بات ہم نے یہ لکھی ہے کہ اگر اس کا آئی کیو لیول ہے، ایڈمیشن کرایا جاسکتا ہے، دوسری بات عورتوں کا اصل کام کھانا پکانا یا کپڑا سلنا نہیں ہے، بلکہ اولاد کی تعلیم و تربیت عورتوں کا اصل کام ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تربیت ماں نے کی، ظاہری اسباب کے تحت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ راہ خدا میں ذبح ہونے کے جذبات حضرت ہاجرہ کی تربیت کے نتیجہ میں پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ کو جو گود دیا گیا وہ باپ کا نہیں، بلکہ ماں کا گود دیا گیا، یہ نیچر بتانے کے لئے کہ بچوں کی تربیت میں ماں کا کردار ہوتا ہے تو عورتوں کا کام بچوں کی تربیت ہے تعلیم ہے، تعلیم کے سلسلہ میں عرض ہے کہ جو اس وقت بارہویں تک سلیبس ہے وہ تمام کی تمام باتیں بچوں کی تربیت کے لئے عورتوں کے لئے بہت مفید ہے تو وہاں یہ بارہ سال کا کورس ہے اس میں الگ سے کھانا بنانا واجب ہے فرض ہے کہیں بھی کھانا بنانا سال میں چھ مہینے میں سیکھ سکتی ہے، الگ سے اس میں ان چیزوں کو داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی سہولت کے مطابق داخل کر سکے تو داخل کر دے، یہ بحث میرے خیال سے مناسب نہیں ہے، بچوں کی تربیت میں عورتوں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے، خاص طور سے ہوم ورک چیک کرنا اور گھر کے بچوں کو پڑھانا۔

تیسری بات عرض مسئلہ میں ہم نے مختلف نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم کو ذکر کیا ہے...... سسٹم کنڈرگارڈن ......اور مختلف ماڈرن طریقہ تعلیم ہم نے ذکر کیا ہے ان تمام طریقہ تعلیم کی بنیاد سیرت میں، سنت میں، درسگاہ نبوت میں ملتی ہے، وہ تمام نظام جو آج چل رہا ہے ان کی مضبوطی اور چلنے کی بنیاد یہ ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ اسلامی بنیادوں پر قائم ہے، اس لئے انکو دوام حاصل ہے، اس لئے ہم کو جدید طریقہ تعلیم سن کر توحش نہیں اختیار کرنا چاہئے، بلکہ اس کو دیکھنا چاہئے کہ کس بنیاد پر یہ عمارت کھڑی ہے، کاغذ کی کشتی نہیں ہے کہ چلتی رہے تو ڈوب جائیگی، ہم نے نظام تعلیم ذکر کیا، نظام تعلیم اگر ہمارا اسلامی نہیں ہوگا تو ہم ایک گھنٹہ سلیبس رکھیں گے، پھر بھی ہمارے بچے بددین ہو جائیں گے، کتنے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی اور ایسے اسکول، بلکہ ہاسٹل والے اسکول میں جانتا ہوں، جہاں اسلامیہ لفظ شامل ہے وہاں کے ذمہ داران نے بتایا کہ ڈسٹ بین کے اندر......اور تھینکس پھینکے جاتے ہیں وہاں، اسلامیہ کالج کے نام کے ساتھ

شامل ہے(مولانا اشرف صاحب بات مختصر کیجئے آپ کی بات آ چکی ہے، تلخیص میں-عتیق احمد صاحب)اورفرض کفایہ کے بارے میں اورعلوم کے بارے میں ہے کہ جس طرح سے عالم بننا فرض کفایہ ہے،اسی طرح سے مسلمانوں کے حالات وضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان تمام علوم کوحاصل کرنا فرض کفایہ ہے،جنہیں ہم حاصل کرسکتے ہیں،درسگاہ نبوت میں جہاں قاری، حافظ،امام و خطیب ومؤذن پیدا ہوتے تھے وہیں سے منسٹر جوڈیشیل کے ماہرین،سیاستداں بھی پیدا ہوتے تھے،تو جولوگ اسکول وکالج چلاتے ہیں دینی نہج پروہاں تک اس پیغام کو پہنچائے، بہت سے لوگ وکیل بننے میں جج بننے میں ان اداروں میں جانے میں کراہت محسوس کرتے ہیں، یہ علوم دینی سوچ کے ساتھ حاصل کرنا مسلمانوں پرفرض کفایہ ہے،مخلص افراد مدرسوں سے ملتے ہیں، عام طور پر،اس لئے مدرسے والوں کی زیادہ ذمہ داری ہے کہ جس طرح مدرسے چلارہے ہیں اسی طریقہ سے اسکول کا ایک نظام منظّم کریں،ابھی مولانا کشمیری صاحب نے فرمایا تھا کہ زرکیثی کا سلسلہ چل پڑا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکولوں کا نظام مخلص افراد کے ہاتھوں میں نہیں ہے،مدرسہ والے کتنی قربانی دیتے ہیں،کتنی محنت کرتے ہیں یہاں ان کوافراد اچھےملیں گےاوراچھے انداز سے چلائیں گے، میں مدرسہ والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس نظام کوبھی اپنے ہاتھوں میں لیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

آپ کی بات مکمل ہوچکی ہے، میں آپ سے عرض کروں گا نصاب ترتیب دیں،آپ سارے علوم میں اسلام کےنظریات کو ڈال دیجئے ، بہت اچھی بات ہے بہت لوگ یہ باتیں کہتے ہیں اورکام بھی ہورہا ہے عملا اس کوکرکے دکھادیجئے کہ ہم نے فلاں اسکول قائم کیا ہے اس میں ہم نے ایسا نصاب ترتیب دے کرکام شروع کیا ہے، انشاءاللہ لوگ اس کو اختیار کریں گے،مضمون سے اور تقریر سے کام نہیں چلنے والا ہے،عملی ثبوت دینے کی ضرورت ہے کہ ہم نوجوانوں نے ایسا کیا ہے۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی:

کئی نکات پر بات کرنی ہے، ۱-اگرانتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتو پھرمخلوط تعلیم نظام کی گنجائش نہیں،اس لئے کہ خواتین صحابیات کی درخواست پرآپ ﷺ نے ان کے لئے ایک دن مقرر فرمایا دیا تھا، یہ نہیں فرمایا کہ میری مجلس میں آکرایک جانب بیٹھ جایا کرو، نیز ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ راستے میں مردوں اورعورتوں کا اختلاط ہوگیا تو آپ ﷺ نے خواتین سے فرمایا:”لیس لکن أن تحققن......الطریق “یعنی وسط راہ میں چلنے کاتمہیں اختیار نہیں ہے،تو پھر تعلیم میں کیونکر اختلاط رواہوگا، ۲-حکومت کے ذریعہ فیس کی مقدار کوکنٹرول کرنے کی بات یہ خطرات سے خالی نہیں ہے،اس سے حکومت کواسکولوں میں دخل اندازی کا موقع ملے گا، ۳-عصری علوم میں سے جوفرض کفایہ ہے اس کے محتاج طلبہ کوزکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، البتہ عصری علوم میں سے جوفرض کفایہ کے درجہ میں نہ ہو،اس پرزکوۃ کی رقم خرچ کرنا محل نظر ہے۔

مولانا سعود عالم قاسمی:

آپ کے ان تمام سوالات کاتعلق بڑی حد تک حکومت کی پالیسی سے ہے،لہذا میری گذارش ہے کہ ماہر تعلیم جو قانونی شقوں پرنظر رکھتے ہیں ان میں کا ایک آدمی اگر یہاں ہوتا تو بہت سے شبہات آپ کے رفع کرسکتا تھا تو یہ اس کی کمی ہے،اگرآئندہ ایسا

D2

ہوتو اس کا خیال رکھا جائے، یہاں جو سوالات آئے ان میں دو طرح کے ایجوکیشن میں فرق کرنا ہوگا، ایک تو ہے اسکولی تعلیم، عصری تعلیمی اداروں میں ایک تو وہ حصہ ہے، یہ ہمارے یہاں بھی ہے، ہمارے یہاں تو فرض ہے، طلب العلم فریضہ اور ماڈرن ایجوکیشن میں کنسپٹ حق کا ہے، حق چھوڑا جاسکتا ہے، فرض نہیں چھوڑا جاسکتا، اس میں تفوق ہے تو یہ تو کمپلسری ہوگا، لیکن جہاں تک ٹیکنیکل ایجوکیشن کا تعلق ہے تو وہ اس وقت بہت بری طرح پروفیشنلائز ہوچکے ہیں، تو فیس میں جب ہم گفتگو کرتے ہیں کہ یہ ہونا چاہئے وہ نہیں ہونا چاہئے تو صرف اسکول کے تعلق سے پروفیشنل ایجوکیشن میں بچوں کو وہیں لوگ بھیجتے ہیں جہاں اچھے پروفیشن کی تعلیم ہوتی ہے، جہاں اچھا میڈیکل کالج ہوگا، انجینئرنگ کالج اچھا ہوگا تو لوگ وہاں بھیجیں گے، ان کی فیس کا تناسب بڑا ہوگا، لہذا آپ ان پر کوئی مشورہ نہیں دے سکتے، اس لئے کہ آپ باہر ہیں، باہر سے نعرہ لگاسکتے ہیں، فتاوی داغ سکتے ہیں، نظام ان کا وہی چلے گا، ہمارے یہاں یہ ہوا ہے کہ جن اسکولوں نے اسکول انڈسٹری ایجوکیشن انڈسٹری کی بناء پر اس تصور کے بنا پر فیس بہت زیادہ رکھی ہے تو دلی میں بھی اور اتر پردیش میں بھی جب لوگوں نے مظاہرہ کیا ہے تو حکومت نے مداخلت کی ہے اور فیس کا نظام عادلانہ بنایا ہے، خود اسلام ایک عادلانہ نظام کی بات کرتا ہے، تو تعلیم کے فروغ کے لئے جتنی فیس کی ضرورت ہے اتنے تو ادارے لیں گے، لیکن استحصال نہیں کریں گے اس کے لئے رائے عامہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک بات مجھے اور یہ کہنی ہے کہ بہت سے مقالہ نگاروں نے بہت غلط بات لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ جھوٹے حلف نامے کو جائز قرار دے رہے ہیں، مفتیان کرام، سوچیئے کیا کررہے ہیں، کل جب انکوائری ہوگی اور ایک بچہ بھی پکڑا گیا تو سیدھے جیل جائے گا ابھی چار ایم پی حضرات داؤ پر کھڑے ہوئے ہیں، جنہوں نے جھوٹا ہونے کا ٹکٹ لے کر الیکشن میں امیدوار ہوگئے، ابھی ان کے اوپر مقدمہ چل رہا ہے، کبھی ایسی کوشش نہ کیجئے کہ جھوٹے حلف نامے کے ذریعہ عمر بڑھوا کر، اگر کبھی انکوائری ہوگئی تو حکومت سیدھے جیل بھیج دے گی، اگر معلوم ہوا کہ کسی مفتی صاحب نے فتوی دیا ہے تو شاید وہ بھی (اچھی بات ہے اپ نے الٹی میٹم دے دیا مفتیان کرام کو-مولانا عتیق احمد بستوی)۔

دیکھئے ہم جس ماحول میں رہ رہے ہیں وہاں حکومت کی پالیسی ایک جبر ہے، آپ کو تازہ مثال دیتا ہوں......کمیشن کی ایک ٹیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پہنچتی ہے وہ ایک رپورٹ تیار کرتی ہے اور حکومت کو یہ مشورہ دیتی ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شیعہ سنی تعلیم کو ایک کیا جائے اور لڑکیوں کی جو تعلیم الگ ہوتی ہے اس کو ختم کیا جائے مخلوط تعلیم دیا جائے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جیسے پرانے سنٹرل یونیورسٹی کے بارے میں یہ ہورہا ہے تو آگے حکومت کی پالیسی کیا ہوگی؟ اس کو آپ ذہن میں رکھیں، ہندوستان میں ہم جب تک رائے عامہ ہموار نہ کریں غیر مسلموں سے مل کر اس وقت تک کے ہم اپنے اقدار کو محفوظ نہیں کرسکتے، لڑکیوں کی یونیورسٹیاں ہیں کالیجز ہیں، مہاراشٹر میں ویمنس یونیورسٹی قائم ہے، ہم کو بہت سے لوگ ایسے ملیں گے کہ جن کے ذریعہ ہم اپنے اخلاقی اور دینی اقدار کے مطابق ہم اپنے ادارے چلاسکتے ہیں، اس کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے، میں آپ سے آخری شق کے بارے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں بچے اور بچیوں کی معلمات کی ضرورت ہے دیکھئے سیرت عائشہ پڑھئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے شاگردوں میں بڑے بڑے ہیں، اس میں......بھی ہیں قاسم بھی ہیں عمروہ بھی ہیں، فلاں بھی ہیں، اور تمام سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں تعلیمی نظام

میں ماہرین جہاں ہم کو ملتے ہیں ہم تو اس طرف رخ کریں گے، خاص طور سے پروفیشنل ایجوکیشن کے معاملہ میں، لہذا وہاں وہ شرطیں نہیں عائد کی جائیں گی، کہ جو شرطیں ہم عام حالات میں نافذ کرتے ہیں۔

ایک بات ہم اور آپ سے کہنا چاہتے ہیں اس وقت جو موجودہ نظام ہے، حالانکہ ہوا یہ ہے کہ نوٹ بندی کے ذریعہ رشوت کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن عملاً یہ ہوا ہے کہ رشوت کا معیار دوگنا اور تین گنا ہوگیا ہے، جو لوگ اسکول چلاتے ہیں میں خود ایک بڑے اسکول کا پریسیڈینٹ ہوں اقراء پبلک اسکول کے نام سے لڑکیوں کا الگ اسکول چلاتا ہوں اور لڑکوں کا الگ اسکول چلاتا ہوں ہم جو انکم ٹیکس کو پیش کرتے ہیں اپنا آمدوخرچ ہمارا حساب کتنا ہی صاف ستھرا کیوں نہ ہو اس کے باوجود بھی رشوت کا مطالبہ ہوتا ہے میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ جہاں جہاں جن اداروں میں یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے حقوق کی حفاظت اس راستہ سے کر سکتے ہیں تو ہندوستان میں یہ بہت آسان اور بہترین راستہ ہے، یہ بند نہ ہو، اس کے لئے ہمارا نظام چلتے رہنا چاہئے، اگر یہ بند ہوگیا تو ان کے ادارے تو چلتے رہیں گے، آپ کے ادارے بند کردیئے جائیں گے۔

مولانا عبدالرشید کانپور:

صفحہ نمبر ۱۳ پر ایک بات ہے ذرا تعبیر موحش سی لگ رہی ہے، کیونکہ مسلمان رہ کر جاہل رہنا بہتر ہے، اس کے بجائے فساد عقیدہ یا اور کوئی چیز آ جائے تو زیادہ بہتر ہوگی، یہ نفع بخش تجارت کی بات بہت سے لوگوں نے کہی اور فیس کے تعلق سے اصل میں ایک چیز اور ہے کہ جب تک بڑی لمبی فیس نہیں رکھی جاتی تو لوگ داخلہ بھی نہیں کراتے وہ ایک معیار ہوتا ہے اسکول کا اور جو لوگ مکتب چلاتے ہیں ان کو بھی تجربہ ہے، خود ہم لوگوں نے مکتب کے اندر فیس کم کردی تو دیکھا کہ جو پڑھاتے ہیں اس میں اور کوتاہی ہوجاتی ہے، زیادہ فیس میں والدین بھی اور بچے بھی دھیان دیتے ہیں، کہ ہمیں زیادہ فیس دینا پڑ رہی ہے اور جہاں تک تعلق ہے فیس کو کنٹرول کرنے کا تو یہ ممکن نہیں ہے، وہ فیس کو کنٹرول کردیتے ہیں، لیکن دوسرے اعتبار سے ٹیوشن فیس اور دوسرے اخراجات کے اعتبار سے وہ فیس کو لے لیتے ہیں۔

ایک بات اور کہی گئی کہ تعمیر کے سلسلہ میں کہ فیس لے کر تعمیر کرتے ہیں ہمیں مدارس پر بھی دھیان دینا چاہئے کہ ہمارے مدارس کی تعمیر کالجوں سے بہت اعلی شان ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ کانپور میں IIT ہے اور ہندوستان کے اعلی IIT میں شمار ہوتی ہے، لیکن اس کی تعمیر اتنی اچھی نہیں ہے، جتنی مدارس کی تعمیر اچھی ہوتی ہے تو آخر انہیں ہم کیوں پابند کریں کہ صاحب وہ اپنی تعمیرات نہ کرائیں، اس لئے اور یہ جو بات آئی کہ تعلیم کے اندر فیس کو محدود کردیا جائے، ایک صنعت وحرفت کی بھی تعلیم ہے علم بھی اور علم کے ساتھ ساتھ ایک فن اور صنعت وحرفت بھی ہے، اس لئے فیس کو پابند کرنا یہ مناسب نہیں لگتا۔

اور اخیر میں یہ بات کہنی ہے کہ تجاویز کمیٹی میں آپ لوگ بلاشبہ اس کا لحاظ رکھیں گے، لیکن جو خود اسکول چلاتے ہوں ان کو بھی اگر رکھ دیا جائے تو بہت سے امور واضح ہوجائیں گے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بہت مناسب بات ہے دو چیزیں ہمارے سامنے آئی ایک تو جو تعلیمی پالیسی ہے حکومت کی اور اس کے جو قوانین ہیں اس کا

ایک ماہر یہاں ہونا چاہئے تھا، تاکہ وضاحت کرسکے وہ اور کمیٹی جب انشاءاللہ بنے گی اس کمیٹی میں بھی خیال کریں گے کہ اس طرح کی باتوں کو شامل کیا جائے۔

مولانا محی الدین غازی:

ایک تو بہت اچھی بات کی طرف اشارہ کیا جناب سعود عالم قاسمی صاحب نے کہ قانونی پہلوؤں کا لحاظ کرنا ضروری ہے، ہمیں اپنی قراردادیں جاری کرتے وقت، اور انہوں نے جو سوال ۶ میں خلاف حقیقت عمر کا جو اندراج ہے اس پر زور دیا، لیکن پھر مجھے تعجب یہ ہوا کہ سوال ۱۹ میں جو رشوت دینے کی بات ہے کہ رشوت دی جاسکتی ہے، فلاں مخصوص صورت میں، اس کی انہوں نے تائید کردی، حالانکہ رشوت دینا بھی ہندوستانی قانون کے لحاظ سے جرم ہے اور ہماری قرارداد ایسی نہیں صادر ہونی چاہئے کہ جس میں ہم یہ کہیں کہ فقہ اکیڈمی اور فقہ اکیڈمی کے علماء وفقہاء کسی بھی صورت میں رشوت دینے کی اجازت دیتے ہیں آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں شرعی نقطہ نظر سے یہ عمل رشوت نہیں ہے، لیکن ہم اس طرح کی صورت کو اختیار کرنے کی اجازت دے دیں جو کہ قانون اس کی اجازت نہیں دیتا ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرض مسئلہ کے سلسلہ میں ایک بات بہت شدت کے ساتھ سامنے آئی ہے کہ عرض مسئلہ میں عارض کی رائے بہت نمایاں ہوا کرتی ہے عارض کی شخصیت سے- میری یہ رائے ہے کہ میری یہ ترجیح ہے، میری وجوہ ترجیح یہ ہے اور بسا اوقات پھر وہ اپنی رائے کو تبدیل بھی کرتا ہے اور پھر جناب اختر امام عادل صاحب اس کی ستائش بھی کرتے ہیں کہ یہ خوبی یہ ساری چیزیں آپ الگ رکھئے، عرض مسئلہ میں سارے مقالہ نگاروں کو برابر مقام ملنا چاہئے، عصری تعلیم کے سلسلہ میں ایک بات یہ سمجھنا چاہئے کہ جو خطرات، جو باتیں اور جو منفی چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو مسائل ذکر کئے گئے ہیں وہ بہت معمولی ہیں، اس بڑے خطرے اور اس بڑے مسئلہ کے مقابلہ میں جو کہ واقعتاً پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ کوئی عصری تعلیم وہ الحاد اور مذہب کی نفی پر مبنی ہے چاہے وہ سائنسی علوم ہوں، فزیکس ہو، کیمسٹری ہو، بائیلوجی ہو، چاہے وہ سماجی علوم ہوں سب کے سب مذہب کے انکار پر مبنی ہے اور جو بچے وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے اندر غیر شعوری طور پر مذہب کا انکار خدا کا انکار رسول کا انکار پیدا ہوجاتا ہے، چاہے اس کا اعلان نہ کرے کسی بھی وجہ سے کسی دباؤ یا کسی ماحول کے دباؤ کی وجہ سے، لیکن وہ چیز اس کے اندر وہ جراثیم اس کے اندر پیدا ہوجاتے ہیں جو بسا اوقات ظاہر بھی ہوتے ہیں، اس لئے اس کا تدارک اتنا آسان نہیں ہے جو ہم بتا رہے ہیں کہ ہم اپنے ادارے قائم کرلیں یا یہ کہ یہ سب اس مسئلہ کا حل نہیں ہے، نہ مدارس اس کا حل ہیں نہ اپنے ادارے قائم کرنا اس کا حل ہے، اپنے اداروں میں جو ہم جدید نصاب کی حکومت کی بتائی ہوئی کتاب رکھیں گے وہ بھی وہی ذہنیت تیار کرتی ہے، ملحدانہ ذہنیت جو کہ دوسرے اداروں میں تیار ہوتی ہے، ایسی صورت میں اور بڑی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے جس کا میں نے اپنے اس مقالہ میں ذکر بھی کیا، آ نہیں سکا۔

وہ یہ کہ خطبہ جمعہ کو ایک تعلیم گاہ، ایک تعلیمی نظام کے طور پر فعال کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے، خطبہ جمعہ میں پوری ملت کا ہم احاطہ کرلیں گے، تمام طلبہ تمام طالبات اس کے اندر آسکتے ہیں اور منظم منصوبہ بند طریقے سے تیاری کے ساتھ ہم پوری نسل کو گمراہ ہونے اور بیدین ہونے سے بچا سکتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ عصری علوم، عصری تعلیم جس قدر خطرناک اور مہلک

ہے اسی قدر ضروری اور ناگزیر بھی ہے، مقالہ نگاروں کی جو باتیں سامنے آئی ہیں ان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ فرد کا مسئلہ ہے کہ فرد جاہل رہ جائے، لیکن وہ تعلیم حاصل نہیں کرے، اس طرح کے اداروں میں تعلیم حاصل نہیں کرے، وہ یوگا نہیں کرے، چاہے جاہل رہ جائے، وہ فلاں گانا نہ پڑھے چاہے جاہل رہ جائے، مسئلہ ایک فرد کا نہیں ہے فرد کے جاہل رہ جانے کا مسئلہ ایک قوم کے جاہل رہ جانے کا مسئلہ ہے، اور قوم اگر جہالت کا شکار ہوگئی جیسا کہ آپ نے اشارہ بھی کیا تو پھر قوم اس ملک میں غلام بن کر رہے گی، ہریجنوں سے بدتر حالت ہوگی اس لئے میرا یہ ماننا ہے کہ اس وقت تعلیم جتنی زیادہ ضروری ہے مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں اتنی ضرورت پوری اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں رہی ہے، اس ناگزیریت اور ضرورت کو محسوس کیا جائے اس کے لئے جتنی بھی رخصتیں فوری طور پر مطلوب ہوں ان رخصتوں کے بارے میں سوچا جائے، ہم یہاں پر رخصتوں کے بارے میں سوچنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، ہم نظام تعلیم بدلنے کے لئے جمع نہیں ہوئے، ہم رخصتوں کے بارے میں سوچنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور بہت ہی اختصار کے ساتھ کہ خود اس اکیڈمی نے ہمارے فقہاء نے جن ضرورتوں کی بنیاد پر جو رخصتیں دی ہیں، چاہے وہ کار انشورنس کا مسئلہ ہو، کاروبار کے انشورنس کا مسئلہ ہو، سودی بینک میں کھاتے کھولنے کا مسئلہ ہو، وغیرہ وغیرہ، جن ضرورتوں کے مقابلہ میں جن رخصتوں کی اجازت دی ہے اس سے بڑی اور بہت ہی شدید ضرورت تعلیم کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے جن رخصتوں کا مطالبہ ہے وہ رخصتیں ان رخصتوں سے زیادہ آسان رخصت ہے، اس لئے ہمیں رخصتوں کے اوپر سوچنا چاہئے، کسی بھی صورت میں اس ملت کو تعلیمی پسماندگی سے نکالنا ہے اور اس بڑے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے۔

آخری بات بہت ضروری ہے کہ سماجی پہلوؤں کو جو بدلتے ہیں ان میں بھی سوال ۷ میں عارض نے فرق کیا ہے کہ مخلوط تعلیم میں لڑکوں کو اجازت دی جائے، لڑکیوں کو اجازت نہیں دی جائے یہ سوچ اور یہ ذہن اس زمانے میں ناقابل قبول ہے لڑکے اور لڑکیاں سب اپنی معاشی اور مادی ضرورت کے تحت تعلیم حاصل کریں گے، کوئی انکو نہیں روک سکتا، آپ ان کے سلسلہ میں شرعی حل تلاش کیجئے، آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ لڑکیاں جاہل رہ جائیں، ایک پوری قوم کی ساری لڑکیاں جاہل رہ جائیں یا بیشتر لڑکیاں جاہل رہ جائیں، یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، اس طرح تو پوری قوم بڑی پسماندگی اور بڑے خطرے سے دوچار ہوجائیگی یہ ہمیں سوچنا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جزاک اللہ، آپ کا جذبہ ایمانی قابل قدر ہے اور اس وقت جتنے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں یہ سب حضرات ایمان کی حفاظت بھی چاہتے ہیں اور قوم کی ترقی بھی چاہتے ہیں اور مولانا سعود عالم قاسمی صاحب اور آپ میں اتفاق ہوگیا ہے ان کے جو خطبات جمعہ ہیں اس کو چلانا ہے اور آپ نے گویا اس کی مہم شروع کی ہے کہ اس کو لازم کیا جائے درسگاہ بنایا جائے تو کوئی معاملہ تو نہیں ہوگیا آپ دونوں کے درمیان (مزاحاً حضرت نے یہ بات فرمائی)، رشوت کی جہاں تک بات ہے قانون......تو یہ مسئلہ بہت اہم ہے مسلمانوں کے بہت سارے کام جو ہیں ہندوستان میں اس ذریعہ سے گویا ہو رہے ہیں اور باقی ظاہر ہے کہ ہم لوگ تجویزیں مرتب کرنے میں اس کا لحاظ کرتے ہیں کہ ایسی چیز نہ آوے جو قانونی لحاظ سے پکڑ کی ہو، انشاء اللہ اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری:

ابھی رشوت کی تعریف میں جو مولانا کو اشکال تھا تو عارض نے یہ صاف لکھا ہے، اس لئے کہ اس حالت میں رشوت کی تعریف صادق ہی نہیں آئی، تو جب مجبوری کے درجہ میں ہم رشوت کی اجازت، فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ رشوت لینے والا گنہگار ہوگا دینے والے کے لئے گنجائش ہے اور یہ تعبیر بہت اچھی ہے جو عرض مسئلہ میں موجود ہے۔

دوسری بات جو اداروں کی کیٹگری ہے، یہ سرکاری ادارے ہیں، پرائیوٹ ادارے ہیں، پرائیویٹ ادارے کچھ عام ہیں مسلمانوں کے لئے ہیں، مشنریز کے ہیں، ہمیں یہ بات دیکھنی پڑے گی کہ مشنیری جو اسکول قائم کرتی ہے تو ان کا ایک مقصد ہوتا ہے، مجھے بہت پہلے یاد ہے کہ ہمارے ایک دوست نے کہا تھا کہ ان کا بھانجہ...... میں بہائیوں کے اسکول میں ہے وہ نویں دسویں کا طالب علم تھا اس کی بات چیت یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے گویا اس کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے، میں نے یہاں ایک حافظ صاحب کو بھیجا کہ بھائی دینیات پڑھانے کے لئے اجازت لے لو اس نے جا کر منتظمین سے کہا کہ جتنے مسلمان بچے ہیں ان کو میں قرآن اور دینیات پڑھاؤں گا آپ اجازت دے دیجئے کوئی معاوضہ نہ دیجئے، ان لوگوں نے اجازت نہیں دی تو ہمیں اس کو واضح کرنا ہوگا کہ مشنیری اسکولوں میں مسلمان اپنے بچوں کو مشنیری عیسائیوں کے بھی ہیں بہائیوں کے بھی ہیں اور آر یہ سماجیوں کے بھی کسی حد تک ہیں، مسلمان اپنے بچوں کو کب داخل کر سکتے ہیں اس کو واضح کرنا پڑے گا، اس وقت سرکاری اسکولوں کا مطلب یہ ہے کہ وہاں دس ٹیچروں میں ایک آتا ہے، اور باقی کی حاضری لگ جاتی ہے، وہاں تعلیم کیا ہوگی؟۔

پرائیویٹ اداروں جو مسلمان قائم کریں ان کے لئے ہم شرائط اور حدود متعین کر سکتے ہیں دوسرے کے لئے نہیں، ایک بات، دوسری بات جنسی تعلیم سے متعلق ہے، مجھے یاد ہے کئی سال پہلے سرکاری سطح پر اس کا بڑا پروپگنڈہ ہوا تھا اور یہ سب ہوتا ہے ورلڈ بینک جو مدد دیتی ہے اس کے لئے شرط ہوتی ہے کہ تم یہ کرو تعلیم میں یہ داخل کرو جنسی تعلیم کا داخل کرنا بھی باہر سے آیا تھا، خیر وہ بات دب گئی، اس لئے کہ شاید ہندوستانی اسے قبول نہ کرے، لیکن تحریک چل رہی ہے ہم اس کی اجازت کسی حال میں نہ دیں یہ ہم کر سکتے ہیں، اس لئے کہ قطعاً اسلام میں گنجائش نہیں ہے، مخلوط تعلیم کے بارے میں بھی ایک اسکول یہاں ایک انسپکٹر آیا اس نے پہلی بات یہ کہی کہ ہم آپ کی اجازت کو منسوخ کر دیں گے، آپ الگ الگ تعلیم کیوں دیتے ہیں لڑکیوں کو، لڑکوں کو تو منتظمین ذرا سمجھ دار تھے انہوں نے بیٹھ کر کہا کہ اپنی شرط کا پابند بنانا چاہتے ہیں یا تعلیم چاہتے ہیں اگر ہم مخلوط طور پر پڑھائیں گے تو یہ تعلیم نہیں ہو سکے گی آپ بھی سمجھتے ہیں تو آپ بتائیے کیا چاہتے ہیں؟ تو خیر انہوں نے کہا ٹھیک ہے یہ پالیسی تھی آپ جیسا کر رہے ہیں ویسا کریں، لیکن آگے چل کر یہ خطرہ ہو سکتا ہے حکومت کی طرف سے بھی یہ پالیسی ابھی شاید ترغیب کے درجہ میں ہے بعد میں قانون کے درجہ میں آسکتی ہے۔

تیسری بات بچیوں اور چھوٹے بچے اور بچیوں کے لئے جنس مخالف ٹیچر کے تقرر کا ہے، دیکھئے یہ تو عام ہے عورتیں ہی زیادہ بچوں کو نرسری وغیرہ میں پڑھاتی ہیں، اور وہی پڑھا بھی سکتی ہیں، تصور یہ ہے، لیکن بالغ اور مراہق ہونے کے بعد یا مشتہاۃ ہونے کے بعد وہ احتیاط کرنی پڑے گی، بلکہ سن رسیدہ ٹیچر کے تقرر کی بات آئی ہے تو مجھے ایک واقعہ یاد آیا رائے بریلی میں ایک لکھنؤ کا سولہ سال کا لڑکا تھا جہاں کام کر رہا تھا وہ ساٹھ سال کی بوڑھی عورت تھی معلوم ہوا کہ دونوں کا نکاح ہوگیا، مسلمان تھا نکاح ہوگیا اور اگر غیر مسلم ہے تو

پتہ نہیں کیا ہوسکتا ہے.....تو یہ سب تجویزوں میں فطرت کو بھی دیکھنا پڑے گا۔

چوتھی بات فیس سے متعلق ہے، دیکھئے! فیس کی آپ کو تو کوئی حد متعین کرنی پڑے گی، لیکن یہ اسکول اور ہسپتال یہ عام تصور ہے ہر سطح پر کہ یہ خدمت ہے، جبکہ اس کو انڈسٹری بنالیا ہے لوگوں نے خدمت کے عنوان پر، اس کو سہولتیں بھی ملتی ہیں، ہسپتال قائم کرنے پر، اسکول قائم کرنے پر لیکن اس کی نفع خوری کے رجحان پر حد لگنی چاہئے، ٹھیک ہے، ضرورت ہے اسکول کی، میں تو یہ سمجھتا ہوں بلڈنگ بھی اگر وہ اس فیس سے تعمیر کررہے ہیں اس کی بھی ضرورت ہے، ہمیں اس کی اجازت دینی چاہئے، لیکن اس کی ایک حد ہے، اس کو نفع خوری کا ذریعہ بنانا یہ درست نہیں ہوگا۔

ایک بات اور مجھے یاد آئی کہ بعض لوگ فیس میں بتاتے ہیں ہمارے یہاں یہ ہے یہ چیزیں ہوں گی اس کی خلاف ورزی ہوتو کیا ہوگا؟ کیا اس طرح فیس لینا مقرر کرنا جائز ہے کہ مثلاً دس ہزار ماہانہ لیں گے اور یہ چیزیں دیں گے اور پھر اس کی رعایت نہ کی جائے تو پھر اس کے لئے کیا حکم ہوگا اس کو بھی واضح کرنا چاہئے۔

ایک بات اور میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک گھنٹہ دینیات کے نام سے رکھ سکتے ہیں کہ نہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے اخلاقیات کا لیکچر ہوتا ہے، اخلاقیات کے نام پر دینیات کا لیکچر ہوتا ہے، اور آج کل یہ ہورہا ہے کہ اتنے ہریجنوں کو بھی داخلہ دینا ہے، اب یہ شرائط اگر آپ اعلی تعلیم کے ادارے قائم کریں گے تو اتنی خواتین کو بھی آپ کو داخل کرنا پڑے گا، سنا ہے کہ دارالعلوم کا طبیہ کالج اسی لئے بند کیا گیا کہ جب وہ ڈگری کالج بن رہا تھا تو اس میں شرط یہ تھی کہ لڑکیاں بھی پڑھیں گی ان کو داخل کرنا پڑے گا، وکیل ڈاکٹر اور جنرلسٹ یہ ہماری ضرورت ہے کم سے کم، بہرحال کبھی ہم کو داخل کرنا پڑا تو اس کی شرائط اور حدود وقیود کیا ہوں گے؟ اس پر غور کیجئے، یہ چیزیں قانون میں داخل ہیں، اور ایک سوال یہ کہ اگر آپ کے یہاں غیر مسلم لڑکے ہوں گے تو آپ اخلاقیات کا دینیات کا ایک گھنٹہ مقرر کریں گے وہ اگر گیتا پڑھانے کے لئے کہیں تو آپ کیا کہیں گے؟ اجازت دے سکتے ہیں کہ نہیں۔

مولانا عرفان ہوجائی:

صفحہ نمبر ۱۴ پر عارض کی رائے کے تحت آیا ہے کہ خواتین پردے کے ساتھ ہوں، ان کا لباس پرکشش نہ ہو، خوشبو وغیرہ لگا کر نہ آئیں، جیسا کہ حضرات محدثین وفقہاء نے ان شرائط کو ملحوظ رکھ کر مسجدوں میں نماز باجماعت کی اجازت دی ہے، یہ قابل غور چیز ہے، چونکہ فقہاء حنفیہ کے یہاں فتنہ کی وجہ سے اس زمانے میں تقریباً اتفاق ہے اس بات پر کہ عورتوں کو مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے اس لئے ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہے کہ مسلک حنفی کے دائرہ میں رہ کر ہم کو غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے، الا یہ کہ بہت زیادہ سخت ضرورت ہو، جہاں پر انتہائی مجبوری ہو، تو مسجدوں میں اجازت پر جو قیاس کیا گیا ہے، یہ قابل غور ہے، دوسری چیز ڈیجیٹل تصویر کو محققین نے تصویر کے حکم میں نہیں رکھا ہے، یہ چیز بھی قابل غور ہے، چونکہ ہندوستان کے جتنے بڑے اہم مدارس ہیں ان سے ابھی بھی اگر فتوی طلب کیا جاتا ہے تو عام حالت میں اس کے ناجائز ہونے کا ہی فتوی دیتے ہیں، ابھی راجوپٹی امدادیہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالمنان صاحب نے مجھے دارالعلوم، مظاہر علوم، ہانسوٹ اسی طرح سے اور بڑے بڑے ادارے جو ہمارے ہندوستان کے ہیں ان کے فتاوی دکھائے جن میں تمام فقہاء نے اور مفتیوں نے اس کو ناجائز ہی قرار دیا ہے، اس

لئے یہ چیز بھی قابل غور ہے۔

مولانا ذکاءاللہ شبلی:

عصری تعلیم کے ذمہ دار حضرات کی ذہن سازی ہو کہ وہ دن بہ دن ارتدادی فکر کی طرف جارہے ہیں اور مسلم اداروں میں پوجا پاٹ وغیرہ کا رواج بنتا جارہا ہے، ہمارے مسلم حضرات جو اسکول چلا رہے ہیں خود چلانے والے کی فکر اگر بن جائے گی تو انشاءاللہ پڑھانے والے اور پڑھنے والے کا ذہن بھی بنے گا، دوسری بات یہ ہے کہ اسکول کے تعطیل کے زمانے میں دینی ذمہ دار حضرات اس طرف متوجہ ہوں اور طلبہ کی ذہن سازی کے لئے وہ سمر کلاس کا سلسلہ شروع کریں، اس طرح حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ملتا ہے کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کالج، یونیورسٹی کے طلباء چھٹیوں کے زمانہ میں خانقاہ جایا کریں اور اپنے علاقے کے علماء کی صحبت میں بیٹھا کریں، تاکہ سال بھر کی تعلیم میں جوان کے ذہن پر اثر پڑا ہے وہ ان کی خدمت میں بیٹھنے سے وہ حل ہو جائے۔

تیسری بات عرض کرنی ہے کہ عصری تعلیم میں یہ جو تعلیمی فیس کے لئے بچوں کا استحصال کیا جاتا ہے ہماری طرف سے ایک پیغام جائے کہ طلبا سے اساتذہ یا وہاں کا مینجمنٹ طبقہ فیس لانے کے سلسلہ میں بچوں کو باہر نہ بیٹھائے، بلکہ فیس کے تعلق سے ان کے ذمہ داروں سے دائریکٹ گفتگو کرے، اس لئے کہ بعض طلبہ گھر کی پریشانی کی وجہ سے یا تو خودکشی کررہے ہیں یا پڑھائی چھوڑ رہے ہیں۔

چوتھی بات عرض یہ کرنی ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی ہو اور جو آگے بڑھنا چاہتے ہوں مسلم جماعتیں اور انجمنیں ان کا ساتھ دیں، ان کے ذریعہ جو ایک بہتر نظام اور ایک بہتر ماحول ایسے غریب طلبہ کی تعلیم کا آگے بڑھا ہے بے حد ہی خوش آئند بھی ہے اور سب کے لئے یہ توجہ طلب بھی ہے، کہ اپنی اپنی جگہوں پر ذمہ دار، دینی حضرات ایسے غریب طلبہ کی تعلیم کو آگے بڑھانے کا ایک نظام بنائیں گے تو غرباء تعلیم کی وجہ سے تعلیم موقوف نہیں کریں گے، بلکہ ان کا ذہن بھی آگے بڑھے گا اور وہ اعلی درجہ کا تعلیم یافتہ بھی ہو سکتا ہے۔

پانچویں بات عرض یہ کرنی ہے کہ ہمارے محتاط علماء کا خیال یہ ہے کہ عصری تعلیم تعلیم نہیں ہے، بلکہ ہنر ہے، جب ہنر کے درجہ میں ہم اس کو رکھیں گے تو فیس وغیرہ کے بارے میں ہم اور خیال کر سکتے ہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جزاک اللہ، کئی حضرات نے اپنی تجاویز بھیجی ہیں، اچھی بات ہے کہ وقت تنگ ہونے کی وجہ سے بات نہ کہی جاسکتی، مفتی جنید فلاحی صاحب نے ایک بات لکھی ہے: ’’جس طرح فقہ اکیڈمی نے انشورنس وغیرہ پر اسلامی رنگ میں ایک خاکہ تیار کرنے کے لئے کمیٹی بنائی تھی درخواست ہے کہ تعلیم اور طریقہ تعلیم وتربیت اور انداز تربیت، نیز دینی علوم کا نصاب عصری اسکولوں کے لئے بنانے کی خاطر ایک کمیٹی اکیڈمی کی نگرانی میں بنائی جائے تو امت کے اوپر بڑا احسان ہوگا‘‘، ان کی یہ تجویز ہے کہ اس طرح کی کمیٹی بنادی جائے جو عصری اداروں کے لئے عصری اسکولوں کے لئے دینی نصاب تیار کرے، تو بہر حال اور بھی کچھ حضرات نے تجاویز بھیجی ہیں، اب ایک آخری نام مولانا بدرالدین آسامی صاحب کا ہے ان سے میری درخواست ہے کہ وہ اظہار خیال فرمائیں۔

مولانا بدرالدین آسامی:

ہندوستان میں عصری تعلیم کے نظام میں غیر شرعی اور غیر اخلاقی مضامین پرائیویٹ اسکولوں میں بہت زیادہ رکھ دیا گیا ہے اور گورنمنٹ اسکول کالجوں میں بھی گورنمنٹ سے ہمیشہ مختلف احکامات جو بددینی پر مبنی ہیں نافذ کیا جارہا ہے، اس سے بچنے کی بھی ہمارے پاس کوئی سبیل نہیں ہے، آج کے اس عریضہ میں پیش کیا گیا ہے کہ ایک گھنٹہ دینی تعلیم کے لئے بعضوں نے چار گھنٹہ دینی تعلیم کے لئے مشورہ دیا، ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث نبوی ﷺ:"**مروا صبيانكم بالصلاة إذا بلغوا سبعا واضربوهم إذا بلغوا عشرا**" تو اس حدیث میں مکلّف پر ضرب کیا گیا دس سال کی عمر میں اور ادھر کلام پاک میں ہے:"**لا يكلف الله نفسا إلا وسعها**" (سورۂ بقرہ:۲۸۶)، تو اگر اس حدیث اور کلام پاک کو اکٹھا کر کے سمجھا یا جاتا ہے کہ دس سال کے اندر نماز کی تعلیم تک والدین کو بچیوں کو نماز کی تعلیم دینا ضروری اور واجب ہے، لہذا ہم اسی حدیث اور آیت کریمہ پر عمل کرلیں، جیسا کہ ہمارے نارتھ ایسٹ امارت شرعیہ کی جانب سے ہماری مساجد کے ساتھ صباحی مکاتب کا انتظام کیا گیا ہے اور نصاب مکتب بھی کسی طرح بنایا گیا ہے جس طرح بچوں کے عقیدہ، اسی طرح ان کی دینیات اور ضروری تعلیمات ہیں دین کے بارے میں نماز تک اس میں لحاظ رکھا گیا ایسا اگر کل ہندوستان میں صباحی مکاتب کا انتظام کیا جائے جن جگہوں میں پہلے اسکولوں کو صبح پڑھایا جاتا ہے ان کے یہاں بھی ہمارے یہاں بعد العصر یہ تعلیم دیا جاتا ہے اور باقی سب میں صبح صبح اس طرح تعلیم دی جاتی ہے تو ایسے اگر بچوں کو ہم دس سال کے اندر تیار کرلیں تو یہ سب مفاسد عقائد اور بداخلاقی کی تعلیمات سے اپنے بچوں کو اسکول میں پڑھنے کے باوجود کالج میں پڑھنے کے باوجود بھی ہم بچا سکتے ہیں۔

اور دوسرے یہ کہ فی الحال عصری تعلیمات کی طرف ہماری بچیوں کا رجحان ہے ان سے ہم رک نہیں سکتے، لہذا ان کو عصری تعلیم کی طرف جوان کے رجحان ہیں ان سے تو ہم روک نہیں سکتے لیکن ان کے حجاب کے متعلق علماء کرام کو زیادہ توجہ دینا چاہئے، وعظ ونصیحت کے بارے میں اور ہمارے یہاں فقہ اکیڈمی کی جانب سے بھی اگر کوئی بندوبست کیا جائے تو بہت اچھا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

اب میں درخواست کرتا ہوں حضرت مولانا شوکت صاحب قاسمی سے کہ وہ اس موضوع کے بارے میں آپ کے سامنے اظہار خیال فرمائیں۔

مولانا شوکت قاسمی:

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے اس سمینار میں شریک ہوں، ان موضوعات میں سے کسی موضوع پر اظہار خیال مقصود نہیں، میں فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران اور یہاں اس سمینار کی مجلس استقبالیہ کے ذمہ داران کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ نہایت ہی اہم اور حساس موضوع پر اس سمینار کو کامیابی کے ساتھ منعقد کرانے کے سلسلہ میں ان کی جدوجہد نہایت ہی قابل ستائش ہے، اسلامی مسائل کے سلسلہ میں آپ حضرات بہت زیادہ واقف ہیں اور جیسا کہ کل حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسائل کے حل کے لئے شروع ہی سے اجتماعی اجتہاد اور اجتماعی غور وخوض کیا جارہا ہے، نبی اکرم ﷺ کے دور میں جب کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو یا تو قرآن کریم کی کوئی آیت نازل ہوتی تھی اور اس میں رہنمائی ہوتی تھی یا نبی اکرم ﷺ صحابہ کے مشورہ سے اجتہاد

فرما کرغور وفکر کے بعد اس کا حکم فرماتے، اور حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ نے بھی اسی اجتماعی غور و خوض کے بعد مسائل کا حل تلاش کرنے کی روش کو جاری رکھا۔

صحابہ کے دور کے بعد تابعین کے دور میں بھی یہی ہوا، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں چالیس سے زیادہ مفتی ارباب فقہ وافتاء جمع رہتے تھے، جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ اس پر غور فرماتے اور بعض مسائل پر ایک ایک مہینے تک غور ہوتا اور بعض مسائل میں تین دن یا چار دن غور وخوض کے بعد امام صاحب اس بحث میں شریک ہوتے اور فیصلہ فرماتے، اس طرح تقریباً تراسی ہزار مسائل مدون ہوئے، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا حکم دریافت کیا گیا اور رجسٹروں میں ان کا اندراج کیا گیا، فقہ حنفی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ شورائی فقہ ہے، یا جمہوری فقہ ہے اور فقہ حنفی کی مقبولیت کا راز بھی یہی ہے کہ امام صاحب نے جو طریقہ جاری کیا تھا اسی طریقہ پر غور و خوض چلتا رہا اور آج تک اسی انداز پر غور وخوض جاری ہے اور حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو یہی فرمایا: "**إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر أو نهى فماتأمرنا فيه؟ فقال النبى ﷺ شاوروا فيه الفقهاء والعابدين**" کہ فقہاء اور نیک لوگوں سے اس سلسلہ میں مشورہ کرو، "**ولا تمضوا فيه رأيا خاصا**" آپ حضرات کے سامنے یہ روایت ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی اسی انداز پر کام کر رہی ہے میں مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ حضرات نے عصری تعلیم کے مسئلہ پر اپنے اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا اور میں بہت زیادہ اس سے مستفید ہوا۔

ملک کے جو حالات ہیں عصری تعلیم کے سلسلہ میں اس نہج سے بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ صرف معاش کا ذریعہ نہیں ہے اگر چہ علامہ اکبرالہ آبادی نے کہا تھا کہ "دل روشن مثال دیوبند اور ندوہ ہے زبان ہوشمند' اور علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو، ایک مہذب پیٹ بس اس کو کہو، کیونکہ اکثر حضرات معاش کے لئے ہی عصری تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن صرف معاش مقصود نہیں ہے، خدمت خلق خود یہ ایک نہایت ہی اہم مقصد ہے اس کے علاوہ جیسا کہ ایک صاحب نے فرمایا کہ آج کل کے جو حالات ہیں، اگر عصری تعلیم میں مسلمان ماہر نہیں ہوں گے تو اسلام کو بچانا بہت مشکل ہوگا، اسلام کے دفاع کے لئے اسلام کی دعوت کے لئے، اسلام کو ساری دنیا میں پہنچانے کے لئے، اسلام کو درپیش چیلنج اور مسائل کو حل کرنے کے لئے عصری تعلیم کے ماہر مسلمان افراد کا ہونا نہایت ضروری ہے، آج مشنری اسکول اور کالج وہاں جو بچے داخل ہوتے ہیں ان کے اسلام پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں ان کا برین واش کیا جاتا ہے، ان کو اسلام سے برگشتہ کیا جاتا ہے، تو اسلامی عقائد کی حفاظت، اسلامی علوم کا دفاع اور اسلام کو درپیش مسائل کے حل کے لئے بھی عصری تعلیم نہایت ہی ضروری ہے اس کے جو بھی شرائط ہوں جو بھی طریقہ کار آپ حضرات اس پر غور فرمالیں۔

میری ایک رائے یہ ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی ایک نمونہ کا ایسا ادارہ قائم کرے جہاں اسلامی ماحول میں اسلامی نظام کے تحت ملک کے قانون کی رعایت کرتے ہوئے مسلم طلبہ اور طالبات کے لئے اعلی عصری تعلیم کا انتظام ہو سکے وہ ایک نمونہ کا ادارہ ہوگا، بعد میں دوسری جگہوں پر اس جیسے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں، ورنہ یہ مشنری اسکول یہ مسلمان بچوں کو عیسائی بنانے، اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ ایک سازش ہے جو چل رہی ہے آپ سبھی حضرات کو بھی مبارکباد ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بس یہ آخری اظہار خیال تھا اس اجلاس کا، میں حضرت مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی، افغانستان کے مہمان اور ڈاکٹر

حبیب نا ملیتی صاحب سے معذرت چاہتا ہوں وقت تنگ ہے، اور میں صاحب صدر سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے صدارتی کلمات اور دعاء پر اس نشست کا اختتام کریں۔

صدارتی خطاب (حضرت مولانا مفتی صادق محی الدین صاحب، حیدرآباد):

آپ جیسا کہ جانتے ہیں کہ عصری تعلیم کے سلسلہ میں ہم مسلمانوں میں تقریبا بیس پچیس سالوں سے یہ بیداری آئی ہے، سیکڑوں مدارس اسکولس قائم ہورہے ہیں، پرائیویٹ اسکول جس میں دینیات کا بھی خیال رکھا جارہا ہے، البتہ یہ خیال نہیں کہا جاسکتا کہ بالکل معیاری ہے، لیکن کوشش تو بہرحال ہورہی ہے اگر ہم علماء کی طرف سے اس کی صحیح رہنمائی ہواور وہ اس کو قبول کرلیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جو دینیات پڑھائی جاتی ہے اس کو معیاری کہا جاسکتا ہے۔

جب تک معیاری دینی تعلیم نہ ہو اسکول کی تعلیم مفید سے بڑھ کر مضر ہونے کا اندیشہ ہے، لہذا اس تعلیم کو تو چھوڑ نہیں سکتے، عصری تعلیم کے بغیر ہندوستان ہی میں نہیں کہیں بھی اپنی شناخت کو باقی رکھتے ہوئے ہم زندہ نہیں رہ سکتے، ہمیں ایسی خدمت کرنا چاہئے کہ ہمارے برادران وطن محسوس کریں کہ ہم ایسی قوم کے ساتھ رہ رہے ہیں جو خدمت کرنا چاہتی ہے، ہماری بات اسی وقت سنی جائے گی جب ہم دینے والے ہوں، مستقل طور پر ہم لینے والے ہوں گے تو ہماری بات سنی نہیں جائے گی، ہم سنانا چاہتے ہیں، دین کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں، دین کا کام کرنا چاہتے ہیں تو لازمی طور پر ہم اس پوزیشن میں آجائیں کہ ہم دے سکیں اور دینے کے لئے سب سے اہم بات کیا ہے وہ تعلیم ہے، تعلیم کے بغیر ہم ہنر میں ٹکنالوجی میں کسی معاملے میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ تقریبا تین سو سال سے تعلیم میں پیچھے رہے اور ان تین سو سالوں میں جتنے ایجادات ہوئے ہیں کسی میں بھی ہمارا حصہ نہیں ہے، صرف روزمرہ کے استعمال میں جو تقریبا تین سو ایجادات ہیں......مثال کے طور پر بلب، لائٹ، قلم وغیرہ اس قسم کی سیکڑوں چیزیں ہیں، لیکن ہمارا کنٹری بیوشن، ہمارا اس میں حصہ بہت ہی کم ہے، ہمیں اس قابل ہونا ہے، ہمارے طلبہ کو اس قابل ہونا ہے کہ وہ دینے کے قابل ہوں ایجادات کے قابل ہوں، اعلی تعلیم ہو، ہم یہودیوں کے بارے میں بار بار کہتے ہیں کہ یہودی اتنا آگے بڑھ گئے ہیں، یہودی صرف سازشوں سے آگے نہیں بڑھے، بلکہ اپنی محنت سے، اپنی پلاننگ سے آگے بڑھے ہیں، سن سترہ سو کے اوائل میں انہوں نے امریکہ میں ایک اجلاس کیا تھا اور اس میں طے کیا تھا کہ فلاں فلاں فن میں ہم کو آگے بڑھنا ہے اور اسی کے مطابق انہوں نے تیاری کی، یہاں تک کہ مالیات میں اتنی ترقی کی کہ اس وقت پورے امریکہ میں دو فیصد ہونے کے باوجود سب کچھ یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، کیوں صرف اپنے علم کی وجہ سے، اپنے فن کی وجہ سے، اپنی محنت کی وجہ سے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم آگے بڑھیں، تعلیم حاصل کریں، صرف ابتدائی تعلیم کا معاملہ نہیں ہے، ابتدائی تعلیم بھی ضروری ہے، لیکن اعلی سے اعلی تعلیم جس سے آدمی ایجاد کرنے کے قابل ہوجائے، جب تک ایجاد میں ہم آگے نہیں بڑھیں گے ہمارا کام نہیں ہوسکتا ہمارا اثر نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ایسے مقام میں ہیں جہاں ہمارے مقابلہ میں تقریبا ایک سو کروڑ انسان ہیں جو اللہ کی وحی سے محروم ہیں تو اس ایک قوم تک ہمیں پیغام پہنچانا ہے، اسی وقت پیغام پہنچا سکتے ہیں ہم جب ان سے ہمارے برادرانہ

تعلقات ہوں، ان کے اچھے برے میں ہم حصہ لیں، ان کے خیر خواہ ہوں، جب ان کے خیر خواہ ہوں گے تب ہی ہم لوگ کام کر سکتے ہیں، اس لئے پہلی بات یہ ہے کہ ہم کو ان کا خیر خواہ ہونا چاہئے۔

اور دوسری بات یہ کہ فن میں ٹیکنالوجی میں ہمیں آگے بڑھنا ہے، دونوں چیزوں میں آگے بڑھیں گے انشاء اللہ ہمارا ماحول بدل سکتا ہے، جب تک ہم چاہیں ہم ماحول بدلنا چاہیں تو ہوسکتا ہے بدلنا نہیں چاہیں تو کچھ نہیں ہوسکتا، اس لئے ضروری بات ہے کہ اس میں آگے بڑھنے کے لئے صرف مسلمان کا مسئلہ نہیں ہے پورے ہندوستان کا مسئلہ ہے، ان ہی باتوں پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ہم سب کو صحیح توفیق عطا فرمائے۔

تجاویز کی نشست:

نامعلوم:

نویں نمبر پر جو سوال ہے اس کے اندر زکوۃ کی رقم عصری تعلیمی ادارہ کے اندر جو طلبہ وطالبات ہیں بالغ ان کو دی جانے کی بات ہے، لیکن اس کے اندر یہ وضاحت نہیں ہے کہ چونکہ ڈونیشن کی جو شکل ہوتی ہے اس میں خطیر رقم دینی پڑتی ہے، اگر یکمشت دیا جائے تب بھی فقہاء کرام نے منع کیا ہے، کہ جو مستحق زکوۃ ہیں ان کو اتنی رقم نہ دی جائے جس سے وہ صاحب نصاب بن جائیں یا ان کو قسط وار دیا جائے یا کیا شکل بنتی ہے اس کی کوئی وضاحت ہونی چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اصول میں اصولی بات کہی گئی ہے کہ زکوۃ کا استحقاق ضرورت کی بنا پر ہے تعلیم یا کسی خاص تعلیم سے متعلق ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے تو زکوۃ دینے کی گنجائش ہے، اب زکوۃ دینے کے جو اصول ہیں کس حد تک آپ کو زکوۃ نہیں چاہئے، یہ تو جو مبتلی بہ ہے وہ حضرات ارباب افتاء سے مشورہ کرکے وہ اس کے مطابق عمل کرے گا تمام جزئیات تو اس میں لائی نہیں جاسکتی ہے، سموئی نہیں جاسکتی ہے۔

نام معلوم نہیں:

اس کے اندر اگر یہ بڑھایا جائے، بہتر یہ ہے کہ بقدر نصاب نہ دیا جائے یا قسطوار کی کوئی شکل مقرر کی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

دیکھئے اگر کوئی ایسی ضرورت ہو تو بقدر نصاب سے بڑھ جائے تو اس حالت میں قدر نصاب سے زیادہ زکوۃ دینا بھی فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، ایک آدمی مریض ہے اس کو آپریشن کرانا ہے دو لاکھ روپئے اس کے لئے مطلوب ہیں اس کے لئے اس کی کراہت نہیں ہے، یہ حکم عام حالات میں ہے کہ جس میں اس سے کوئی ایسی ضرورت متعلق نہیں ہو جس کے لئے نصاب زکوۃ کے مقدار رقم چاہئے، تو یہ فقہی اعتبار سے اگر دیکھیں تو بظاہر تجویز اچھی معلوم ہوتی ہے۔

نام معلوم نہیں:

حضرت یہ نمبر گیارہ میں ''وندے ماترم'' مشرکانہ ترانے اور یوگا کے بارے میں سوال کیا گیا تھا تو مشرکانہ ترانے وغیرہ کا تو

جواب آ گیالیکن یوگا کہ سلسلہ میں کوئی بات ابھی واضح طور پرنہیں آئی ہے۔

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی:

اس میں وندے ماترم گیتا کے اشلوک وغیرہ آیا ہے...... یوگا میں اصل میں دونوں پہلو ہیں،لیکن عملا یوگا میں آج کل سوریہ نمسکار کوبھی شامل کردیا ہے، انہوں نے اب یہ صرف ورزش نہیں رہاتو اگر وندے ماترم گیتا کے اشلوک اورمشرکانہ افکار یہ تو اس سے پہلے آ گیا ہے مشرکانہ ترانے اس کے ساتھ کوئی لفظ ایسا بڑھادیا جائے جواس کوبھی شامل ہوجائے۔

نام معلوم نہیں:

ایک شخص اگر یوگا کرتا ہے،بغیرسوریہ نمسکار کی نیت سے۔

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی:

نہیں اس کے آگے بھی ہے نہ کسی مشرکانہ فعل کی اجازت ہے تو اس میں یوگا بھی آ گیا۔

مولانا جنید بن محمد پالنپوری:

زکوۃ کے معاملہ پرعرض کرنا ہے،ڈاکٹر کی تعلیم کے لئے پچھتر لاکھ، اسّی لاکھ آدمی......وہ لوگوں سے زکوۃ وصول کرتا ہے، زکوۃ کا بھی کوئی مقصد ہے کہ نہیں ہے، اب اس تعلیم کے لئے لوگوں سے زکوۃ وصول کرتا ہے، باپ مالدار ہے، تین تین گاڑیاں ہیں پچھتر لاکھ نہیں ہے،تو بیٹا مستحق سمجھ کرلوگوں سے زکوۃ وصول کررہا ہے،اور پیسہ مانگ رہا ہے زکوۃ کا تو اس سے بیواؤں اوریتیموں کا حق مارا جارہا ہے، اب قریب میں ایک اسکول تھا اس کی ماہانہ فیس پندرہ ہزارروپے بچہ کی تھی، پہلی دوسری تیسری کی، سالانہ ہوجاتی ہے وہ دولاکھ روپے، اب کہا جائے کہ زکوۃ وہاں سے لے کریہاں جمع کردوتو اس سے زکوۃ کا ایک استعمال صحیح نہیں ہوگا،اس کی وجہ سے۔

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی:

نہیں تو آپ کے خیال میں کیا الفاظ ہونے چاہئے۔

مولانا جنید بن محمد پالنپوری:

یعنی وہ بہت زیادہ صرف ہوتو وہاں نہ دی جائے اس لئے کہ اس میں بھی حق کسی اور کا متعلق ہے۔

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی:

یہ تو معیار مقرر کرنا بہت مشکل ہے، زیادہ صرفہ کم صرفہ،کوئی ایسا محتاط جملہ بتایئے جواس میں شامل کیا جاسکے۔

مولانا عبیداللہ اسعدی:

......شرعی اعتبار سے مستحق زکوۃ ہوں آپ، حالات کون جائے تحقیق کرنے۔

مولانا جنید بن محمد پالنپوری:

حالات تحقیق کرنے کے لئے پچھتر لاکھ مانگ رہا ہے، ڈاکٹری سیکھنے کے لئے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی:

پچھتر لاکھ کہاں کون زکوۃ اکٹھا کر رہا ہے۔

مولانا جنید بن محمد پالنپوری:

حضرت مسئلہ ہمارے پاس آچکا ہے اور یہ واقعہ ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی:

ٹھیک ہے یہ بہر حال تجویز میں یہ بنیادی بات آ گئی، اب جیسی رائے ہو۔

نام معلوم نہیں:

حضرت تجویز میں یہ کہا گیا ہے کہ تعلیم عبادت ہے، خدمت ہے اور عبادت ہے کیا تعلیم عصری عبادت ہے؟۔

مولانا عثمان:

کہا گیا ہے خدمت اور عبادت ہے، جب خدمت مان لیا تو عبادت ہونا اس کا متعین ہو گیا، اس لئے اس پر اشکال کی کوئی ضرورت نہیں۔

نام معلوم نہیں:

......اس وقت خدمت کے جذبے سے وکیل بننا......۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا جنید صاحب اگر اس عبارت کو یوں کر دیا جائے کہ عصری اداروں میں تعلیم پانے والے بچے اگر شرعی اعتبار سے مستحق زکوۃ ہوں تو ان کو شرعی اصولوں کے مطابق اس حد تک زکوۃ کی رقم دینا درست ہے جس سے دوسرے مستحقین کا حق مارا نہ جائے۔

مولانا جنید:

ٹھیک ہے، بہت مناسب۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ایک سوال عبادت پر ہوا تھا تو اس میں خدمت کا لفظ بھی ویسے کافی ہے کہ اگر اس کو تعلیم خدمت اور عبادت ہے کے بجائے تعلیم ایک اہم ترین خدمت ہے، عبادت کا لفظ اگر حذف کر دیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نام معلوم نہیں:

عصری علوم میں وہ جو صرف کاروباری لحاظ سے ڈاکٹری، انجینئرنگ تو ان میں مستحقین کو تو زکوۃ دے سکتے ہیں لیکن وہ علوم جس میں مجموعی لحاظ سے پورے ملت کی ناخدائی ہوتی ہو اور ان کو مظلومیت کے غار سے نکالا جا سکتا ہو ان علوم میں تحصیل کے لئے زکوۃ دینا ثواب کا بھی باعث ہے، مثلاً ایڈمنسٹریشن میں آنا قومی میڈیا میں آنا ان چیزوں میں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

وہ سب چیزیں آ گئی ہیں اس تجویز میں اگلی تجویز پیش کیا جائے۔

نام معلوم نہیں:

حضرت ایک درخواست ہے جب تعلیمی اداروں میں ضرورت پڑنے پر اسٹاف مخلوط رکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے، لباس ساتر ہو لیکن چہرہ کی کیفیت کیا ہو پورا چہرہ کھول کر بیٹھنے والی بچیاں یا اسکارف لگا کر صرف آنکھیں کھلی ہوں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

دیکھئے شرعی پردے کی رعایت کے ساتھ ہو یہ لفظ کافی ہے، تمام جزئیات کا اظہار مناسب نہیں۔

☆☆☆